تاریخ ادبیاتِ اردو

مصنفہ

گارسیں دتاسی

فرانسیسی سے اردو ترجمہ

لیلیان سیکستن نازرو

ترتیب وتدوین اور تقدیم

ڈاکٹر معین الدین عقیل

پاکستان اسٹڈی سینٹر
جامعہ کراچی

کچھ کتاب کے بارے میں

فرانس سے تعلق رکھنے والے معروف مستشرق گارسیں دتاسی کی تصنیف *Histoire de la Litterature Hindouie et Hindoustanie* کے اردو ترجمے 'تاریخ ادبیاتِ اردو' کی اشاعت کو بلاشبہ اردو ادب کی تاریخ کا ایک اہم واقعہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ انیسویں صدی میں لکھی جانے والی یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہرچند کہ گارسیں دتاسی کے 'خطبات' اور 'تمہیدی خطبات' بہت پہلے اشاعت پذیر ہوچکے تھے، تاہم اردو ادب کی تاریخ پر ان کا یہ بنیادی کام باوجود اردو میں ترجمہ ہوجانے کے اب تک منصۂ شہود پر نہیں آسکا تھا۔ اب ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب کی توجہ، ادب دوستی اور بنیادی مآخذ سے ان کے تعلقِ خاطر کے طفیل یہ کتاب منظرِ عام پر آرہی ہے۔ گارسیں دتاسی کے مسودے کو فرانسیسی سے اردو میں منتقل کرنے کا کام لیلیان نازرو نے جس دقتِ نظر سے کیا تھا، کم وبیش اسی محنت سے ڈاکٹر صاحب نے اس کی ترتیب وتدوین کی خدمت سرانجام دی ہے۔ مذکورہ بالا تینوں غیر ملکی اور ملکی اکابرینِ ادب کی اس بھرپور اور تاریخی اہمیت کی حامل کاوش کے حوالے سے پاکستان اسٹڈی سینٹر کا کردار ایک خدمت گار سے زیادہ نہیں ہے۔ ہم نے ایک بڑی مہم کی تکمیل میں ایک چھوٹا سا کردار ادا کیا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ ہمارے لیے یہی ایک بہت بڑے اعزاز کی بات ہے۔

تاریخ ادبیاتِ اردو

مصنفہ

گارسیں دتاسی

فرانسیسی سے اردو ترجمہ

لیلیان سکستین نازرو

ترتیب و تدوین اور تقدیم

معین الدین عقیل

پاکستان اسٹڈی سینٹر

جامعہ کراچی

گارسیں دتاسی (M. Garcin de Tassy) کی اصل فرانسیسی تصنیف:

Histoire de la Litterature Hindouie et Hindoustanie

مطبوعہ: Adolphe Labitte، پیرس، ۷۱-۱۸۷۰ء

کا اردو ترجمہ از لیلیان سیکسٹین نازرو (Liliane Sixtine Nazroo)

سرورق: گارسیں دتاسی

اشاعتِ اوّل ——— فروری ۲۰۱۵ء
ناشر ——— ڈاکٹر سید جعفر احمد، ڈائریکٹر، پاکستان اسٹڈی سینٹر، جامعہ کراچی
طابع ——— ماس پرنٹرز، کراچی
قیمت ——— ۱۰۰۰ روپے
عالمی سلسلہ شمار ——— (ISBN) 978-969-8791-44-5

ملنے کا پتہ

ایڈمنسٹریٹیو آفیسر، پاکستان اسٹڈی سینٹر، جامعہ کراچی
پوسٹ بکس نمبر۔ ۸۴۵۰، کراچی۔ ۷۵۲۷۰
ای۔میل: pscuok@yahoo.com

انتساب

دخترِ عزیز

رمیشہ نوین

کے نام

خروش آموزِ بلبل ہو، گرِہ غنچے کی وا کر دے
کہ تو اِس گلستاں کے واسطے بادِ بہاری ہے

اقبال

فہرستِ موضوعات

سرِ آغاز

فرانس سے تعلق رکھنے والے معروف مستشرق گارسیں دتاسی کی تصنیف Histoire de la Litterature Hindouie et Hindoustanie کے اردو ترجمے 'تاریخ ادبیاتِ اردو' کی اشاعت کو بلاشبہ اردو ادب کی تاریخ کا ایک اہم واقعہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ انیسویں صدی میں لکھی جانے والی یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہر چند کہ گارسیں دتاسی کے 'خطبات' اور 'تمہیدی خطبات' بہت پہلے اشاعت پذیر ہو چکے تھے، تاہم اردو ادب کی تاریخ پر ان کا یہ بنیادی کام باوجود اردو میں ترجمہ ہو جانے کے اب تک منصۂ شہود پر نہیں آسکا تھا۔ اب ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب کی توجہ، ادب دوستی اور بنیادی مآخذ سے ان کے تعلقِ خاطر کے طفیل یہ کتاب منظرِ عام پر آرہی ہے۔ گارسیں دتاسی کے مسودے کو فرانسیسی سے اردو میں منتقل کرنے کا کام لیلیان نازرو نے جس دقتِ نظر سے کیا تھا، کم و بیش اسی محنت سے ڈاکٹر صاحب نے اس کی ترتیب و تدوین کی خدمت سرانجام دی ہے۔ مذکورہ بالا تینوں غیر ملکی اور ملکی اکابرینِ ادب کی اس بھرپور اور تاریخی اہمیت کی حامل کاوش کے حوالے سے پاکستان اسٹڈی سینٹر کا کردار ایک خدمت گار سے زیادہ نہیں ہے۔ ہم نے ایک بڑی مہم کی تکمیل میں ایک چھوٹا سا کردار ادا کیا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ ہمارے لیے یہی ایک بہت بڑے اعزاز کی بات ہے۔

اس کتاب کے پس منظر اور گارسیں دتاسی کے اصل مسودے سے منقلب ہو کر اس کے موجودہ شکل تک کے سفر کی تفصیلات معین الدین عقیل صاحب نے اپنی 'معروضات' میں پیش کر دی ہیں، سو میں ان کو دُہرانے کی کوشش نہیں کروں گا۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا مناسب ہوگا کہ اس کتاب کی پاکستان اسٹڈی سینٹر سے اشاعت کا جواز بیان کر دیا جائے۔ یہ سینٹر پاکستان کی پارلیمنٹ کے ایک ایکٹ کے نتیجے میں اس غرض سے وجود میں آیا تھا کہ پاکستان کی مختلف زبانوں، ادبیات اور لوک ورثے کے مطالعوں کے ذریعے ملک میں پائی جانے والے ثقافتی تنوع کے تناظر میں وحدت کے امکانات کو تلاش کیا جائے۔ گزشتہ تین ساڑھے تین عشروں میں سینٹر نے ان مقاصد کے حصول کے لیے بساط بھر کاوشیں کی ہیں۔ نیز اس نے پاکستان کی تاریخ، معاشرت، سیاسیات و معیشت، غرض جملہ شعبہ ہائے زندگی کی مناسبت سے تحقیق اور تصنیف و تالیف

کی خدمات سرانجام دی ہیں۔ سینٹر سے انگریزی زبان میں ایک علمی جریدہ 'پاکستان پرسپیکٹیوز' کے نام سے برسہا برس سے شائع ہورہا ہے۔ یہ تحقیقی اور علمی سرگرمیاں ہمارے اُن تدریسی منصوبوں کے علاوہ ہیں جو ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سطح کی تعلیم و تحقیق کا احاطہ کرتے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب کو موجودہ شکل میں پیش کرنے کا صبر آزما کام ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب نے سرانجام دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب علمی، ادبی اور تحقیقی حلقوں میں کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں بلکہ ان کا نام اور کام اب جنوبی ایشیا کی حدود سے نکل کر ان ملکوں تک بھی پہنچ چکا ہے جہاں اردو ادب اور تاریخ کے مطالعوں کا ذوق پایا جاتا ہے، چنانچہ ان کو جہاں ایک طرف پاکستان میں اعلیٰ ترین علمی اعزازات سے نوازا گیا ہے، وہیں ان کی خدمات کے اعتراف میں حکومتِ جاپان نے انھیں 'آرڈر آف دی رائزنگ سَن' کا ایوارڈ عطا کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب جامعہ کراچی کے شعبۂ اردو سے ایک طویل عرصہ وابستہ رہے جہاں انھوں نے صدر شعبہ کی ذمہ داریاں بھی بطریقِ احسن انجام دیں۔ اس کے علاوہ وہ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی (اسلام آباد)، ٹوکیو یونیورسٹی آف فارن اسٹڈیز (جاپان)، دائیتو بنکا یونیورسٹی (جاپان)، اوساکا یونیورسٹی (جاپان)، کیوٹو یونیورسٹی (جاپان) اور اورینٹل یونیورسٹی (نیپلز، اٹلی) میں بھی تحقیق اور تدریس کے فرائض انجام دے چکے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی تصنیف و تالیف کردہ کتب کی تعداد ستر کے قریب ہے جب کہ ان کے ساڑھے تین سو کے قریب مقالات انگریزی اور اردو کے تحقیقی جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ وہ ان گنت بین الاقوامی کانفرنسوں میں اپنے رشحاتِ فکر مقالات کی صورت میں پیش کر چکے ہیں۔ علم و ادب کی آبیاری کا ان کا کام ہنوز آب و تاب کے ساتھ جاری ہے۔

اس کتاب کے مسودے کی موصولی اور اس کو اشاعت کے لیے پریس کے سپرد کرنے کے درمیانی مراحل میں سینٹر کی لیکچرار صدف مسعود نے مختلف تکنیکی اُمور کو جس خوش اسلوبی سے انجام دیا اُس کے لیے میں اُن کا شکر گزار ہوں۔

آخر میں، میں علمی و ادبی حلقوں سے ملتمس ہوں کہ اس کتاب کی پیشکش میں اگر کوئی سقم رہ گیا ہو یا ہم سے کوئی فروگزاشت سرزد ہوئی ہو تو اس کی نشاندہی فرمائیں تاکہ کتاب کی اگلی اشاعت میں اس کا ازالہ کیا جا سکے۔

پاکستان اسٹڈی سینٹر، جامعہ کراچی
۲۲ مارچ ۲۰۱۴ء

ڈاکٹر سید جعفر احمد

۞۞

معروضات

معین الدین عقیل

گارسیں دتاسی (۱۷۹۴ء۔۱۸۷۸ء) بلاشبہ انیسویں صدی کے مستشرقین میں اس اعتبار سے سب سے نمایاں اور ممتاز ہے کہ اردو تحقیق اور مطالعہ اسلام کے ضمن میں اس کے تحقیقی مطالعات نے اپنے موضوعات پر ایسا ذخیرہ ماخذ فراہم کردیا ہے کہ جن سے استفادے کے بغیر اردو زبان و ادب اور ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ و تہذیب کا کوئی مطالعہ، خصوصاً انیسویں صدی کے تعلق سے، جامع اور مستند نہیں ہوسکتا۔ وہ ایک کثیر التصانیف محقق و مصنف تھا اور سب کچھ فرانسیسی زبان میں لکھتا رہا۔ اس کی محض چند کتابیں، اس کے انتقال کے کوئی نصف صدی کے بعد ہی کسی زبان میں منتقل ہونا شروع ہوئیں یا پھر ہمارے دانشوروں اور محققین و مصنفین نے اپنے ذوق وشوق اور اپنے مطالعات کے سلسلے میں جب خصوصاً فرانس میں وقت گزارا تو اردو کے تعلق سے اس کی تحقیقات سے واقفیت حاصل ہونے اور ان کی افادیت و اہمیت کو سمجھنے کی وجہ سے اردو زبان میں ان کے ترجموں کو ضروری سمجھا اور یوں اس کے ''خطبات'' اور ''تمہیدی خطبات'' جیسے مجموعوں کی صورت میں اس کی تحقیقات بیسویں صدی کے تیسرے اور چوتھے عشروں میں اردو میں منتقل ہوئیں اور اردو محققین کے لیے اہم ماخذ ثابت ہوئیں۔ پھر یہی مجموعے قدرے ترمیم و تصحیح کے ساتھ سن ساٹھ اور ستر کی دہائی میں شائع ہوئے۔

اس عمل کے دوسرے مرحلے میں اس کے بعض تصنیفات کو، جو اردو زبان و ادب کے لیے ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں، جیسے اردو شعرا کے تذکروں پر اس کے مطالعات، جنھیں اولاً منشی ذکا اللہ دہلوی (۱۸۳۲ء۔۱۹۱۰ء) نے اردو میں ترجمہ کیا اور بعد میں اسے اضافی معلومات کے ساتھ ڈاکٹر تنویر احمد علوی (۱۹۲۵ء۔) نے مرتب و شائع کیا۔ اسی کام کو ڈاکٹر ریاض الحسن (۱۹۰۲ء۔۱۹۸۲ء) نے بھی انجام دیا (ان تصانیف کی تفصیلات اگلے صفحات میں مقدمے کے تحت دیکھی جاسکتی ہیں)۔ یہ سب ہوا لیکن افسوس کہ اردو

تحقیق کے ضمن میں دتاسی کی سب سے اہم تصنیف، اس کی ''تاریخ ادبیاتِ ہندوی و ہندوستانی''، Histoire de la Litterature Hindouie et Hindoustanie، جو اولاً ۱۸۳۹ء میں، اور پھر ۱۸۴۷ء میں (بطور جلد دوم) اور بعد میں بہت قیمتی و تازہ اضافوں کے ساتھ ۱۸۷۰ء اور ۱۸۷۱ء میں شائع ہوئی، لیکن اپنی اشاعت کے ۹۰ سال گزرنے اور اردو زبان و ادب کا انتہائی ناگزیر ماخذ ہونے کے باوجود نہ انگریزی میں نہ اردو میں ترجمہ ہو کر منظر عام پر آئی۔ اگرچہ ۱۹۶۰ء میں اس کا ترجمہ ایک فرانسیسی خاتون لیلیان سیکستین نازرو نے راست فرانسیسی زبان سے اردو میں کیا، جس کے بارے میں ضروری تفصیلات ذیل میں دیکھی جاسکتی ہیں، لیکن پھر بھی مزید نصف صدی گزر جانے کے باوجود یہ ترجمہ تاحال شائع نہ ہوا۔

یہ ترجمہ پی ایچ ڈی کی سند کے حصول کے مقصد سے ایک رسمی اور امتحانی تقاضوں کے مطابق کراچی یونیورسٹی میں ۱۹۶۰ء میں پیش کیا گیا تھا۔ مترجمہ فرانسیسی تھیں۔ نامور محقق اور عالم ڈاکٹر محمد حمید اللہ (۱۹۱۲ء۔۲۰۰۲ء) کی وجہ سے، جو ایک عرصے سے پیرس میں مقیم تھے، ان میں اردو زبان سے رغبت پیدا ہوئی اور انھوں نے اردو سیکھی اور پیرس کی سوبورن یونیورسٹی اور ادارۂ السنۂ شرقیہ سے فارغ التحصیل ہوئیں۔ روایت ہے کہ وہ وہاں سفارت خانۂ پاکستان میں ملازمت کے باعث یا کسی اور حیثیت میں وابستہ تھیں۔ پھر پاکستان کے سابق وزیر اعظم حسین شہید سہروردی (۱۸۹۳ء۔۱۹۶۳ء) کی وساطت سے تعلیمی وظیفے پر یہ پاکستان آئیں اور کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو سے بغرضِ حصولِ سندِ پی ایچ ڈی منسلک ہو کر یہ کام کیا جس کے نگران ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی (۱۹۱۶ء۔۱۹۹۴ء) مقرر ہوئے۔ 'مجلسِ اعلیٰ تعلیم و تحقیق' (Board of Advance Studies and Research)، جامعہ کراچی کے اجلاس، مؤرخہ ۲۸ر ستمبر ۱۹۶۰ء میں قرارداد نمبر ۱۰ کے تحت اس خاتون کا داخلہ پی ایچ ڈی میں اس سابقہ تاریخ سے منظور ہوا، جب اس خاتون نے ڈاکٹر لیث صاحب کے ساتھ کام شروع کیا تھا۔ مقالے کے ممتحن ڈاکٹر یوسف حسن خان، پرو وائس چانسلر، کراچی یونیورسٹی، ڈاکٹر عزیز احمد (لندن، معروف ادیب اور محقق) اور ڈاکٹر ابواللیث صدیقی مقرر ہوئے۔ زبانی امتحان کے لیے ڈاکٹر یوسف حسن اور ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کا نام تجویز ہوا تھا لیکن کسی وجہ سے ڈاکٹر یوسف حسن خان کی معذرت کے سبب ان کی جگہ ایف۔اے۔ کریم فضلی ممتحن نامزد ہوئے۔ ان ممتحنین کی سفارش کے نتیجے میں مؤرخہ ۱۶ر جنوری ۱۹۶۱ء کے اجلاس میں اس خاتون کو کامیاب قرار دے کر پی ایچ ڈی کی سند دینا منظور کرلیا گیا۔

بظاہر محض کسی کتاب کا ترجمہ اس سند کے لیے قابلِ قبول نہ ہوسکتا تھا اس لیے مترجمہ نے ترجمے میں

مصنف کے بیانات کی تصدیق و توثیق کے لیے ہم عصر مآخذ سے، جن کے حوالے خود مصنف نے متن میں دیے تھے، اسناد پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور مصنف نے جن مقامات پر معلومات تشنہ چھوڑ دی تھیں کہیں کہیں وہاں متعلقہ معلومات کو حواشی میں تحریر کیا ہے یا جن شعرا کے اشعار کا حوالہ مصنف نے دیا تھا یا ان کے ترجے فرانسیسی میں کیے تھے، لیکن اشعار نقل نہیں کیے تھے، مترجم نے متعلقہ مآخذ سے ایسے متعدد اشعار کو اخذ کر کے متن ہی میں انھیں شامل کر دیا ہے یا اگر وہ اشعار دستیاب نہ ہوئے تو وہاں معذوری ظاہر کر دی ہے۔ جہاں کہیں ضروری محسوس ہوا وہاں نثری عبارتیں بھی نقل کی ہیں۔ یہ سب مترجم کے کیے ہوئے ایسے اضافے ہیں جو اصل فرانسیسی متن میں موجود نہیں۔

مترجم نے اپنی جانب سے ایک اور مزید کوشش یہ کی ہے کہ اپنے تحریر کردہ 'تعارف' کے آخر میں ان مآخذ کی ایک فہرست بھی درج کر دی ہے جنھیں مصنف نے پیشِ نظر رکھ کر یہ کتاب تصنیف کی تھی۔ اس فہرست میں دیکھا جا سکتا ہے کہ مترجم نے ان مآخذ کی وہ اشاعتیں درج کی ہیں جو اس کے اپنے پیش نظر رہیں، جب کہ مصنف کے سامنے تو ان میں سے اکثر مآخذ اس وقت تک غیر مطبوعہ تھے۔

مترجم نے جہاں جہاں حواشی تحریر کیے تھے یا مصنف کی چھوڑی ہوئی معلومات میں اضافہ کیا تھا، انھیں مقالے کے ٹائپسٹ کی کوتاہیوں، مسودے کی خستگی، عکس در عکس کی کوششوں کی وجہ سے متن کے قرأت کے قابل نہ رہنے کے باعث یہاں کاملاً نقل کرنا ممکن نہ تھا، اس لیے بڑی احتیاط کے ساتھ حالیہ ترتیب و کتابت کے وقت وہ حواشی مکمل یا ان کا نفسِ مضمون متن میں اس طرح شامل کر دیا گیا ہے کہ معلومات یا نفسِ مضمون متاثر نہ ہوں۔ اس طرح اس ترجے کو معلومات کے لحاظ سے اصل فرانسیسی متن سے قدرے زیادہ مفید سمجھا جا سکتا ہے۔

اس ترجے کو یونیورسٹی میں پیش کرتے ہوئے ضخامت کی وجہ سے دو جلدوں میں تقسیم کیا گیا تھا، اسے یہاں ضروری ترتیب اور قدرے ترمیم کے ساتھ زیرِ نظر صورت دی گئی ہے۔ لیکن اس طرح پوری کوشش کی گئی ہے کہ متن اور اس کے مطالب قطعی متاثر یا حذف نہ ہوں۔ اور ایسا ہی ہوا ہے۔ ہاں، اکثر مقامات پر شعرا و مصنفین کا اندراج، جسے مصنف نے رومن حروفِ تہجی کی ذیلی ترتیب میں کیا تھا، لیکن ترجمہ کرتے ہوئے مترجم نے اسے اردو حروفِ تہجی کے مطابق تو کیا ہے لیکن ناموں کی ذیلی ترتیب کو دتاسی کی ترتیب کے مطابق ہی رکھا ہے جس کی وجہ سے اب ہمیں کسی نام کو کسی حرف کے ذیل میں تلاش کرنا ہو تو شاید وہ اپنے مناسب مقام پر نہ مل سکے، لیکن وہ نام کہیں قریب ہی ضرور مل جائے گا۔ اسی طرح الف ممدودہ اور الف

مکسورہ سے شروع ہونے والے ناموں میں بھی مترجم نے تمیز روا نہ رکھی۔ پھر اکثر مقامات پر ناموں کے اندراج میں بے ترتیبی موجود ہے، جسے زیرِ نظر اہتمام میں دور کرنا کارے دارد تھا۔ یوں سارے متن کو ناموں کی انفرادی ترتیب کے لحاظ سے تبدیل کرنا پڑ جاتا۔ یہ کمزوری آخر میں شامل ''فہرستِ شعرا و مصنفین'' سے بڑی حد تک دور ہوسکتی ہے جسے الفبائی ترتیب میں درج کیا گیا ہے جس سے متن میں کسی نام تک پہنچنا آسان ہوجاتا ہے۔

مترجم نے جہاں متن یا حواشی میں مغربی نام تحریر کیے ہیں وہاں انھیں اردو میں لکھنے کی پوری کوشش کی ہے لیکن متعدد مقامات پر نام رومن ہی میں رہنے دیے ہیں۔ اس کی ایک وجہ بظاہر ان ناموں کا تلفظ بھی ہوسکتا ہے جن کو اردو میں لکھنا مترجم کے لیے ممکن نہ رہا ہوگا۔ مترجم نے گارسیں دتاسی کے نام کا املا 'گارساں دتاسی' کیا ہے لیکن ڈاکٹر محمد حمید اللہ (۱۹۰۹ء۔۲۰۰۲ء) نے، جو فرانسیسی زبان میں کامل مہارت رکھتے تھے، 'گارساں' کے لیے 'گارسیں' تلفظ پر اصرار کیا ہے، اس لیے جہاں جہاں مصنف کے نام کو راقم نے تحریر کیا ہے وہاں 'گارسیں' لکھنے کو ترجیح دی ہے۔

اس ترجمہ کا جو مسودہ زیرِ نظر ہے، اس میں جگہ جگہ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی مرحوم کے قلم سے اضافے اور تصحیحات موجود ہیں۔ اگرچہ مترجم لیلیان نازرو ہیں لیکن اکثر مقامات پر بامحاورہ زبان، روزمرہ، تراکیب اور زبان کے فطری لب و لہجے کو دیکھ کر گمان غالب ہوتا ہے کہ زبان و بیان ہر جگہ مترجم مذکور کے نہیں، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کا قلم صاف جھلکتا ہے اور اکثر مقامات پر یہ یقین ہوتا ہے کہ یہ زبان یا اسلوب مترجمہ کا نہیں ہوسکتا۔ متعدد مقامات ایسے بھی دیکھے جاسکتے ہیں کہ جہاں زبان کسی غیر اہلِ زبان کی ہو نہیں سکتی۔ پھر ایک اور امر بھی قابلِ مشاہدہ ہے کہ زبان اور اسلوب ہر جگہ یکساں نہیں، کہیں کہیں گمان گزرتا ہے، اور حقیقت سے قریب بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارا ترجمہ اور اس کا اسلوب و بیان محض مترجمہ کے نہیں اور کسی ایک فرد کے نہیں کم از کم مزید ایک فرد کی کوششوں پر منحصر ہیں۔ پھر حواشی اور 'تنقید بر حاشیہ مصنف' کے ذیل میں کچھ ایسی ادبی معلومات بھی ترجمے میں شامل ہیں جن کے بارے میں بھی یہ یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ ایسی معلومات کا پیش کرنا کسی غیر زبان کے اس سطح کے کسی فرد کے لیے ممکن نہ تھا۔ یہ معلومات اردو ادب کے نہایت گہرے اور وسیع مطالعے کا سبب ہوسکتی ہیں۔

تا حال یہ ترجمہ نصف صدی گزر جانے کے باوجود غیر مطبوعہ رہا اور محض اس کا وہ مقدمہ، جسے مترجم نے تحریر کیا تھا، Karachi University Studies کے شمارہ اگست ۱۹۶۶ء میں شائع ہوسکا تھا۔ جامعہ

کراچی کے میرے مستقل یا باقاعدہ زمانۂ طالب علمی (۱۹۶۵ء۔۱۹۶۹ء) میں سننے میں آتا تھا کہ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی صاحب صدر شعبۂ اردو اس کی اشاعت کے لیے ''مجلس ترقی ادب'' (لاہور) اور ''مرکزی اردو بورڈ'' (لاہور) سے کوشاں تھے، لیکن نامعلوم کیوں یہ اہم کتاب ان اداروں سے شائع نہ ہوسکی۔ اس کی ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس کا متن، جو ٹائپ شدہ ہے، دست بردِ زمانہ اور بار بار زیروکس کے عمل سے گزرنے کی وجہ سے مدھم ہوکر متعدد مقامات پر پڑھنے میں دشوار ہوگیا ہے اور متعدد صفحات کا مکمل عکس بھی نہیں لیا جاسکا۔ پھر کہیں کہیں ٹائپ کرنے والے نے بھی بے نیازی برتی ہے، یہاں تک کہ الفاظ چھوڑ دیے ہیں اور جملے نامکمل بھی رہنے دیے ہیں۔ اشاعت کے لیے اس طرح کے متن کی تدوین اور کتابت خاص توجہ اور اہتمام کی متقاضی تھی جو شاید خود ناشر کے لیے گوارا نہ تھی اور شاید اپنی مصروفیات کے سبب خود ڈاکٹر لیث صاحب کے لیے یہ ہفت خواں طے کرنا ممکن نہ ہوا، جب کہ اس مقصد کے لیے اصل فرانسیسی متن سے ترجمہ شدہ متن کا مقابلہ ناگزیر بھی تھا تاکہ ٹائپ شدہ مسودے کی مذکورہ کمزوریوں کو دور کیا جاسکے جس کا اہتمام زیرِ نظر اشاعت میں کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس تصنیف کی اہمیت کے پیشِ نظر راقم نے، جب کراچی یونیورسٹی کے 'شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ' کی نظامت (۲۰۰۲ء تا ۲۰۰۵ء) پر فائز تھا، تو اس شعبے کے تحت اس کی اشاعت کا ارادہ کیا تھا، جس کے نتیجے میں بالآخر میرے بعد اس شعبے کے ایک ناظم سید خالد جامعی (۱۹۵۸ء۔) کے ذوقِ علمی اور کوششوں سے اس شعبے کے مجلّے ''جریدہ'' میں اس کی اشاعت قسط وار (شمارہ: ۲۹ تا ۳۷) شروع بھی ہوئی لیکن محض ابتدائی اجزا کی اشاعت کے بعد تاحال مکمل نہ ہوسکی۔ چناں چہ اس اہم ترین تاریخ اردو ادب یا اردو زبان و ادب کے اس ایک اہم ترین ماخذ کی یہ زیرِ نظر اشاعت اردو زبان و ادب کے ایک اہم اور یادگار واقعے سے کم نہ ہوگی۔ قریباً ۱۹۹۱ء کے آغاز میں شعبۂ اردو، کراچی یونیورسٹی کے پروفیسر جمیل اختر خاں (۱۹۴۱ء۔۲۰۰۰ء) نے شعبۂ اردو کی اپنی صدارت کے دوران شعبے کے ایک تحقیقی مجلّے کی اشاعت کا منصوبہ منظور کرایا تھا اور اس مقصد کے لیے راقم الحروف کو بھی ذمے داری سونپی تھی، چناں چہ اس کے لیے مقالات کے حصول اور ان کی کتابت کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا تھا۔ خود راقم الحروف نے بھی اس مجلّے کے لیے ملک اور بیرون ملک کے محققین سے اس کے لیے مقالات حاصل کیے تھے۔ مرحوم نے کتاب خانۂ محمود حسین جامعہ کراچی سے اس ترجمہ کی دونوں جلدیں اس ارادے سے حاصل کی تھیں کہ یہ ترجمہ قسطوں میں اس مجلّے میں شائع کردیا جائے گا۔ اس کے ایک ابتدائی حصے کو کتابت کے لیے بھی دے دیا گیا لیکن نامعلوم وجوہات کے باعث نہ یہ مجلّہ

شائع ہوا نہ اس کے مقالات اور کتابت شدہ مواد کے بارے میں کچھ علم ہوا، کیوں کہ راقم الحروف ایک طویل رخصت پر پہلے یورپ اور پھر جاپان چلا گیا اور یہاں کے حالات ومعاملات سے لاتعلق و بے خبر رہا۔ اس ترجمے کی دونوں جلدیں، جو مرحوم کی میز پر راقم الحروف نے بارہا دیکھی تھیں، بعد میں کہیں نظر نہ آئیں۔ محض اس کی ایک جلد سے اقتباس لینے کے لیے صرف ایک دن کے لیے مرحوم نے اس کا عکس بنوانے کی خاطر میرے سپرد کی تھی جو عکس بنوانے کے بعد میں نے دوسرے ہی دن مرحوم کو لوٹا دی تھی۔ کاش دوسری جلد بھی مرحوم اسی طرح ایک دن کے لیے ہی سہی مرحمت فرما دیتے تو اس کا عکس بھی بنوا کر محفوظ کرلیا جاتا۔ بعد میں یہ دونوں اصل جلدیں، ایک عرصے تک جہاں جہاں امکان ہوسکتا تھا وہاں بظاہر موجود اور دستیاب نہ ہوئیں، لیکن بالآخر دوسری جلد کا عکس بھی، جو ڈاکٹر محمود حسین لائبریری کی ملکیت تھی، اس لائبریری کے ایک کرم فرما جناب خالد حسین (۱۹۵۶ء۔) کی جستجو کے نتیجے میں مجھے دستیاب ہوگیا تو اس تاریخ کا مکمل ترجمہ شدہ متن پیش کرنا ممکن ہوگیا۔ چناں چہ میں نے جامعہ کراچی کے اس وقت کے وائس چانسلر ڈاکٹر ظفر سعید سیفی (۱۹۴۳ء۔) سے اس کی اشاعت کی اجازت کے لیے گزارش کی تو موصوف نے، جن کا اپنے منصب سے اخلاص، علم دوستی، نیکی وشائستگی اور دیانت کراچی یونیورسٹی کی تاریخ میں، ان کی نظامت کے بعد کے دور کے لیے ایک مثال ہے، بحیثیت شیخ الجامعہ کمال ذوق وشوق سے اجازت مرحمت فرمادی۔

زیرِ نظر اشاعت کے لیے جب میں نے اس ترجمے کو پڑھنا شروع کیا تو اس کے مسودے کی مذکورہ کیفیت کی وجہ سے یہ کام آسان نہ تھا۔ خوش قسمتی سے میرے پاس گارسیں دتاسی کی متعدد کتابوں کے علاوہ اس تاریخ کی اولین اشاعت کی دونوں جلدیں عکسی صورت میں، جب کہ دوسرے اڈیشن کی تینوں جلدیں اصل اور مکمل حالت میں موجود ہیں۔ چناں چہ مسودے کو کتابت سے پہلے اور پروف خوانی کے مرحلے میں بار بار اصل کتاب سے، جو بہت پُرانی ہونے کی وجہ سے خاصی خستہ اور بوسیدہ ہوچکی ہے اور کاغذ بھی زردی مائل ہوجانے کی وجہ سے، مقابلہ خاصہ دشوار ثابت ہوا، لیکن یہ مرحلہ بہر حال طے ہوا۔

اس کتاب کی تاریخی اور معلوماتی اہمیت کے پیش نظر اس کی اشاعت مناسب اہتمام، تازہ تر تحقیقات و معلومات پر مبنی مزید حواشی اور تعلیقات کے اضافوں کی متقاضی ہے۔ لیکن اس کی ضخامت اور معلومات کی کثرت کے سبب یہ کچھ آسان کام نہیں اور اس کے لیے خاصا وقت درکار ہے۔ ویسے ہی اس اہم ترین ماخذ کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی ہے۔ اس لیے فی الوقت اس ترجمہ کو بعینہٖ شائع کرنا ہی مناسب ہے۔ اس کام میں گارسیں دتاسی سے جہاں جہاں سہو ہوا ہے، یا معلومات غلط یا تشنہ رہی ہیں، ان میں سے کچھ کی

نشاندہی قاضی عبدالودود (۱۸۹۶ء-۱۹۸۴ء) نے اپنے فاضلانہ اور محققانہ مذکورہ مقالات میں کر دی تھی، جن کے حوالے اگلے صفحات میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ کچھ نشاندہی خود مترجمہ نے ''تنقید وتحشیہ بر دیباچہ مصنف'' کے تحت اور متن میں متعدد مقامات پر کی ہے، یا آغا افتخار حسین (۱۹۲۱ء-۱۹۸۴ء) اور غلام حسین ذوالفقار (۱۹۲۴ء-۲۰۰۷ء) نے بھی اپنی مذکورہ کاوشوں میں اپنے زیر بحث موضوعات کے ذیل میں ان کی طرف اشارے کیے ہیں جن کے حوالے اگلے صفحات میں درج ہیں، فی الوقت انھیں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا تازہ تر تحقیقات کی روشنی میں اس پر حواشی اور تعلیقات کے اضافے، اور بلکہ اس تصنیف کے مکمل ترجمے، بشمول ہندی ادبیات، کی ذمے داری مستقبل کے محققین و مترجمین کے سپرد کر دینا مناسب ہوگا جن کے لیے اس زیرنظر اشاعت کے بعد ایک بہتر اور معیاری متن مع تعلیقات و حواشی کی ترتیب و تدوین مشکل نہ ہوگی۔ اس طرح کی بے پناہ معلومات پر مشتمل کسی تصنیف کو، بلکہ ہر علمی نوعیت کی تصنیف کو، موضوعاتی (افراد، کتب، اداروں، شہروں، اصطلاحات، وغیرہ کے) اشاریوں کے بغیر منظر عام پر نہیں آنا چاہیے، جب کہ اس کتاب میں اشاریوں کے مذکورہ عنوانات، خاص طور پر افراد، کتب، مطابع اور اخبارات کے نام اس کثرت سے اور اہمیت کے ہیں کہ ان کے اشاریے ضرور اس کے آخر میں شامل ہونے چاہیے تھے، جو قارئین، مصنفین اور خاص طور پر محققین کے لیے سہولت کا باعث ہوتے، لیکن یہاں اس کتاب کی ضخامت اور وسائل و وقت کی کمی کے سبب مرتب ہٰذا سے ایسا ممکن نہ ہوسکا۔ ہاں، تمام اہم شعرا و مصنفین کے نام، جن پر یہ تصنیف مرکوز ہے، آخر میں درج 'فہرستِ شعرا و مصنفین' میں شامل ہیں جس کی وجہ سے کسی نام کو متن میں تلاش کرنا آسان ہے۔ مترجم نے اسی ذیل میں یہ اہتمام ضرور کیا ہے کہ متن کے بعد آخر میں ان کتابوں کی ایک فہرست اضافی طور پر مرتب کی ہے جن کا ذکر متن میں مصنف نے نہیں کیا۔ غالباً اس نے یہ فہرست مصنف کے ان خطبات کی مدد سے مرتب کی ہے جو وہ ہر سال دیا کرتا تھا (ان خطبات کی تفصیلات اگلے عنوان کے تحت دیکھی جاسکتی ہیں)۔ اسی طرح مترجم نے ایک فہرست ان اخبارات کی بھی شامل کی ہے جن کا ذکر متن میں موجود ہے۔ لیکن اگر اسی طرح وہ اس تصنیف کے آخر میں مذکور مطابع کی بھی ایک فہرست مرتب کر دیتیں تو مطابع کے تعلق سے معلومات میں مزید افادیت اور آسانی فراہم ہوجاتی۔ فی الوقت اس تصنیف کو کسی طرح ضرورت مندوں تک پہنچانا اہم ہے اور اسی لیے اسے مذکورہ ضروری و اضافی تقاضوں کے بغیر ہی منظر عام پر لانا مناسب سمجھ کر پیش کیا جارہا ہے۔

اس تصنیف کے اس مرحلے تک پہنچنے میں خاصا وقت صرف ہوا۔ میرے متعدد کرم فرماؤں کے تعاون

کے سبب یہ ممکن ہوسکا کہ یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، سید خالد جامعی، پروفیسر سحر انصاری، ڈاکٹر منیر واسطی، جاوید احمد خورشید، ڈاکٹر محمد یامین عثمان اور ڈاکٹر سید جعفر احمد اسے اس صورت میں لانے میں مختلف صورتوں میں معاون رہے ہیں۔ڈاکٹر ہاشمی صاحب اور خالد جامعی صاحب کی وجہ سے اس کی کتابت کے بنیادی مراحل مکمل ہوئے۔سحر انصاری صاحب کا اصرار اس کی جلد اشاعت کے لیے ایک مہمیز کا کام کرتا رہا۔ڈاکٹر جعفر نے اسے اپنے اہتمام سے پاکستان اسٹڈی سینٹر کے سلسلہ اشاعت میں شامل کر کے مجھے اس کی اشاعت کے معاملات سے اس طرح بے نیاز کردیا کہ اس کی اشاعت کے خواہاں دیگر ناشرین سے مجھے معذرت تو کرنا پڑی لیکن اس کی اشاعت کے حسن اور سلیقے کی طرف سے مجھے کُلی اطمینان ہوگیا۔میں ان تمام حضرات کا اور دیگر افراد کا بھی، جن کی توجہ اور دل چسپی اسے اس کی اشاعت تک پہنچانے میں مددگار رہی ہے، میں ممنون ہوں۔

معین الدین عقیل

مؤرخہ: ۲۵رجون۲۰۱۴ء

۞۞

گارسیں دتاسی کی تاریخ ادبیاتِ اردو

ایک معروضی مطالعہ

معین الدین عقیل

ایسے مستشرقین، جو جنوبی ایشیا کبھی نہ آئے لیکن اپنے ملک میں رہ کر اردو زبان و ادب کے مطالعہ و تحقیق میں جستجو اور انہماک، مستقل مزاجی اور محنت و لگن کا ثبوت دیا، ان میں فرانس کے گارسیس دتاسی[1] کا نام، خصوصاً انیسویں صدی کے مستشرقین میں، سب سے مختلف اور نمایاں کہا جاسکتا ہے۔ ایک ایسے دور میں جب اردو زبان علمی زبانوں کی صف میں ابھی شامل نہ ہوئی تھی، نہ اس کی معیاری لغات اور قواعد مرتب ہوئی تھیں، نہ یہ تدریسی زبان بنی تھی اور نہ علمی ذریعۂ اظہار کے قابل سمجھی گئی تھی، نہ اس کی تاریخ کے ارتقائی مدارج اور مراحل کو سمجھنے کا کوئی واضح شعور موجود تھا، نہ ہی اس کے ادب کی تاریخ کو مرتب کرنے کا کوئی احساس کسی کو رہا، ایسے وقت میں گارسیس دتاسی اس زبان کے مطالعہ و تحقیق کی جانب اس طرح متوجہ ہوتا ہے کہ اپنی ساری زندگی اس کے لیے وقف کردیتا ہے۔ وہ اس زبان کی روز افزوں مقبولیت اور ترقی کا اندازہ لگا کر اسے اپنی توجہ کا مرکز بنالیتا ہے اور اس زبان کو ترقی یافتہ زبانوں کی صف میں دیکھنے کا آرزومند رہتا ہے[2]۔

اس کی شخصیت، حالات زندگی، اس کے علمی انہماک، اس کی اردو خدمات اور اس کی تصانیف و تالیف کے جائزے و مطالعے پر مشتمل متعدد کوششیں اردو زبان میں منظر عام پر آچکی ہیں[3]۔ مثلاً مذکورہ موضوعات پر درج ذیل ماخذ مبسوط معلومات فراہم کرتے ہیں:

۱۔ ''گارساں دتاسی اور اس کے ہم عصر بہی خواہان اردو'' مصنفہ: محی الدین قادری زور (حیدرآباد، ۱۹۴۱ء اور ۱۹۴۷ء)

۲۔ ''گارسیس دتاسی: اردو خدمات، علمی کارنامے''، مصنفہ: ثریا حسین (لکھنؤ، ۱۹۸۴ء)

۳۔ ''گارساں دتاسی'' مصنفہ: قاضی عبدالودود (پٹنہ، ۱۹۹۵ء)

ان مبسوط مطالعات کے علاوہ، جن میں سے آخر الذکر مختلف وقتوں میں لکھے گئے مقالات کا مجموعہ ہے، دیگر ماخذ میں سے درج ذیل مقدمات، پیش لفظ، مقالات اور کتابیں بھی قیمتی معلومات پر مشتمل ہیں:

۱۔ عبدالحق ''مقدمہ'' مشمولہ: ''خطبات گارساں دتاسی'' (اورنگ آباد، ۱۹۳۵ء، اشاعت دوم، کراچی ۱۹۲۴ء)۔

۲۔ محمد حمید اللہ ''اختتامیہ'' مشمولہ ''مقالات گارسیں دتاسی''، جلد اول (کراچی، ۱۹۶۴ء)

۳۔ آغا افتخار حسین ''یورپ میں تحقیقی مطالعے''، (لاہور، ۱۹۶۷ء)

۴۔ آغا افتخار حسین ''یورپ میں اردو''، (لاہور، ۱۹۶۸ء)

۵۔ تنویر احمد علوی ''مقدمہ''، مشمولہ: ''رسالۂ تذکرات'' مصنفہ: گارسیں دتاسی، اردو ترجمہ، مولوی ذکاءاللہ دہلوی (دہلی، ۱۹۶۸ء)

۶۔ رضیہ نور محمد ''اردو زبان و ادب میں مستشرقین کی علمی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ (لاہور، ۱۹۸۵ء)

۷۔ سلطان محمود حسین ''تعلیقاتِ خطبات گارسیں دتاسی''، (لاہور، ۱۹۸۷ء)

۸۔ ''تعلیقاتِ خطباتِ گارساں دتاسی''، تبصراتی مقالہ، معین الدین عقیل، مشمولہ: ''اردو تحقیق: صورتِ حال اور تقاضے'' (اسلام آباد، ۲۰۰۸ء)

گارسیں دتاسی کی ان تصانیف پر، جن کا تعلق اردو زبان و ادب سے ہے، مفصل معلومات ثریا حسین نے اپنے مذکورہ بالا مبسوط مقالے میں یکجا کر دی ہیں اور اس کی تمام تصانیف و تالیفات کی ایک بہت جامع فہرست بھی اپنے مقالے کے آخر میں شامل کر دی ہے، جن کی مجموعی تعداد ۱۵۵ ہے۔ ان سے قطع نظر گارسیں دتاسی کی جو تصانیف اردو میں ترجمہ ہوئیں، وہ یہ ہیں:

۱۔ ''تذکرہ طبقات الشعراء ہند'' مولفہ مولوی کریم الدین پانی پتی (دہلی، ۱۸۴۷ء)؛ گارسیں دتاسی کی تصنیف ''تاریخ ادبیاتِ ہندوی و ہندوستانی''، *Historie de la Litterature Hindoui et Hindoustani* (پیرس، ۱۸۳۹ء) سے ماخوذ معلومات پر مشتمل، جن کو فرانسیسی سے ایف۔ فیلن (F. Falon) نے انگریزی میں اور مولوی کریم الدین نے انگریزی سے اردو میں منتقل کیا[۲۳]۔

۲۔ ''تذکرات گارسان دتاسی'' ترجمہ: مولوی ذکاءاللہ دہلوی (دہلی، ۱۸۵۴ء)؛ اس کتاب کو ڈاکٹر تنویر احمد علوی نے اپنے حواشی کے ساتھ مرتب کر کے شائع کیا۔ (''رسالۂ تذکرات۔ دہلی، ۱۹۶۸ء)۔

۳۔ ''تذکرہ مختصر احوال مصنفین ہندی''مولوی ذکا اللہ دہلوی نے اصل تصنیف: *Les Auteurs Hinsdoustanis et Levres Ourage*(پیرس،۱۸۵۵ء) سے اردو میں ترجمہ کیا (دہلی،۱۸۵۵ء)؛اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن گارسیس دتاسی نے *Les Auteurs Hindoustanis et Levres Ouvrages d 'Apress le Biographies Orignales*، کے نام سے مرتب کیا،تو اس کے ایک جزو کا ترجمہ ڈاکٹر ریاض الحسن نے ''اردو کے تذکرے'' کے عنوان سے شائع کیا۔مشمولہ ''اردو'' (کراچی،جنوری ۱۹۵۰ء)۔

۴۔ ''خطبات گارساں دتاسی'' مذکورہ بالا۔

۵۔ ''مقالات گارساں دتاسی'' بہ تصحیح ڈاکٹر محمد حمید اللہ (کراچی،۱۹۷۵ء)

۶۔ ''تمہیدی خطبے'' بہ تصحیح ڈاکٹر عبدالستار صدیقی (دہلی،۱۹۴۱ء)

گارسیس دتاس نے اردو زبان و ادب کے تعلق سے جو کام کیے،انھیں ان درج ذیل اقسام کے تحت دیکھا جاسکتا ہے:

۱۔ فرانسیسی زبان میں اردو زبان وادب سے متعلق تحریریں،

۲۔ اصل اردو متون کی ترتیب و تدوین،اور

۳۔ اردو کتابوں اور تحریروں کے تراجم،فرانسیسی زبان میں۔

یہاں اس جائزے میں ۲ اور ۳ سے ہمیں غرض نہیں۔فرانسیسی میں گارسیس دتاسی نے اردو زبان وادب سے متعلق جو کتابیں یا مقالات تحریر کیے،ان میں معلومات کی فراوانی کے لحاظ سے اس کے وہ خطبات جو وہ ۱۸۵۰ء سے ۱۸۷۷ء تک ہر سال دیا کرتا تھا اور جو اردو میں ''خطباتِ گارساں دتاسی'' کے عنوان سے انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد سے ۱۹۳۵ء میں، ''مقالاتِ گارساں دتاسی'' کے نام سے دہلی سے ۱۹۴۳ء میں اور پھر کراچی سے ۱۹۶۴ء میں شائع ہوئے۔پھر ''تمہیدی خطبات'' کے نام سے بھی اس کے ابتدائی سالوں کے خطبات دہلی سے ۱۹۴۶ء میں شائع ہوئے۔ان سب سے قطع نظر ''تاریخ ادبیاتِ ہندوی و ہندوستانی'' *Histoire de la Litterature Hindoui et Hindoustani* اس کا سب اہم کارنامہ ہے۔ اس نے یہ تاریخ ۱۸۳۹ء میں مکمل کی،لیکن وہ اس حد تک اس کے لیے مواد جمع کر چکا تھا کہ وہ سارا دستیاب شدہ مواد اس جلد میں سمیٹ نہ سکا، چناں چہ اس نے جب اس کتاب کو اشاعت کے لیے دیا تو اسے جلد اول قرار دینا مناسب سمجھا اور پھر مزید مواد کی فراہمی و ترتیب میں مصروف رہا۔پہلی جلد کے اختتام تک

مزید حاصل شدہ مواد اور پھر بعد میں موصولہ مواد کو ترتیب دے کر اسے اس نے دوسری جلد کے طور پر ۱۸۴۷ء میں شائع کر دیا۔ لیکن یہ سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوا، وہ مسلسل مواد جمع کرتا رہا اور اسے اپنے خطبات کی صورت میں ہر سال مرتب اور پیش کرتا رہا۔ پھر اس نے اپنی تاریخ کی کسی اگلی جلد یا جلدوں کی اشاعت سے بہتر یہی مناسب سمجھا کہ کل دستیاب مواد کو اب ایک مزید ضخیم تاریخ کے طور پر مرتب کرنا چاہیے۔ اس طرح اس کی یہ تاریخ ۲۳ سال کے بعد تین جلدوں میں شائع ہونا شروع ہوئی۔ چناں چہ اس کی پہلی اور دوسری جلد ۱۸۷۰ء میں اور تیسری ۱۸۷۱ء میں شائع ہوئی۔

اس تاریخ کی اولین اشاعت کی پہلی جلد ۱۸۳۹ء میں پیرس سے 'مجلس تراجم شرقیہ برطانیہ عظمیٰ و آئر لینڈ' Oriental Translation Committe, Great Britain and Ireland کے زیر اہتمام شائع ہوئی تھی۔ اس پہلی جلد کا ذیلی عنوان ''سوانحات اور کتابیات'' *Biographie et Bibliographie* سرورق پر تحریر تھا، جس سے اس جلد کے موضوع اور مندرجات کی وضاحت ہوتی ہے۔ گارسیں دتاسی نے اس کا انتساب مورخہ ۱۵/ اپریل ۱۸۳۹ء کو تحریر کیا تھا، جو ملکۂ برطانیہ کے نام تھا۔ پھر اس کا پیش لفظ تحریر کیا ہے، جو ۱۶ صفحات پر محیط ہے۔ اس پیش لفظ کے اہم مطالب کا خلاصہ قاضی عبدالودود نے اردو میں تحریر کیا تھا۔[۵] اس کے بعد شاعروں و مصنفین کا تذکرہ ہے جو رومن حروف تہجی میں A سے Z تک ہے۔ یہ متن کل ۵۵۴ صفحات پر مشتمل ہے، پھر ضمیمہ ہے جو تذکروں کے تعارف اور کتابیات پر مشتمل ہے اور یہ صفحہ ۵۵۵ سے ۶۰۵ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے بعد اشاریہ ہے جو اشخاص کے لیے صفحہ ۶۰۷ سے ۶۱۷ تک اور اسمائے کتب کے لیے ۶۱۸ سے ۶۳۰ تک محیط ہے۔ اس آخری صفحہ پر فرانسیسی زبان میں ''پہلی جلد کا اختتام'' تحریر ہے۔[۶]

دوسری جلد اسی عنوان سے ۱۸۴۷ء میں مجلس مذکورہی کے اہتمام سے پیرس سے شائع ہوئی۔ یہ کل ۶۰۸ صفحات پر مشتمل تھی۔ سرورق کی پشت یا صفحہ ۲ پر ایک عبارت فرانسیسی میں تحریر ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ کتاب ایسٹ انڈیا کمپنی (۷۰۔ لیڈن ہال اسٹریٹ، لندن) کی اجازت سے سرکاری مطبع پیرس سے شائع کی جارہی ہے۔ سرورق کے بعد ۲۰۲ صفحات پر مشتمل پیش لفظ ہے جس میں گارسیں دتاسی نے ہندی اور اردو شاعری کی اصناف کا تعارف حروف تہجی کی ترتیب سے تحریر کیا ہے اور پھر صنائع و بدائع اور ادبی اصطلاحات پر روشنی ڈالی ہے۔ اس حصے کا ترجمہ بھی قاضی عبدالودود نے مذکورہ مقالے میں جلد اول کے مقدمے کے بعد شامل کیا ہے۔[۷] متن کا آغاز صفحہ ا سے کیا گیا ہے اور یہ اقتباس اور ان کی توضیحات پر مشتمل ہے۔

چناں چہ سرورق پر اس جلد کا موضوع ذیلی عنوان کے طور پر تحریر کردیا گیا ہے:Extraits et Analyses۔ متن کی ترتیب اس طرح ہے کہ پہلے اقتباس نقل کیا گیا ہے پھر اقتباس سے متعلق مزید معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ یوں یہ متن صفحہ ۶۰۴ پر مکمل ہوتا ہے۔ صفحہ ۶۰۵ سے ۶۰۸ تک فہرست مندجات ہے۔

اس تصنیف کا دوسرا ایڈیشن خاصے اضافوں کے ساتھ 'ایشیا ٹک سوسائٹی، پیرس' کے زیر اہتمام تین جلدوں میں شائع ہوا۔ سرورق پر ''دوسری اشاعت'' کے ساتھ تحریر ہے کہ ''نظر ثانی، تصحیح اور خاصے اضافوں کے ساتھ''۔ پہلی جلد ۱۸۷۰ء میں شائع ہوئی، جو پیش لفظ کے ۴ اور متن کے ۶۲۴ صفحات پر مشتمل تھی۔ متن میں ۷۰ صفحات پر مشتمل مقدمہ ہے، جس میں مصنف نے اردو زبان اور اس کے اسالیب اور اس کتاب کے مآخذ کا تعارف تحریر کیا ہے اور ذیل میں ادبی اصناف اور اصطلاحات کی تشریح کی ہے اور پھر تذکروں کا تعارف کرایا ہے، جو اس کتاب کے مآخذ کی حیثیت میں اس کے پیش نظر رہے۔ یہ تذکرے تعداد میں ۶۶ تھے۔ متن کا وہ حصہ جو صفحہ ۷۳ سے شروع ہوتا ہے، شعراء و مصنفین کے تراجم پر مشتمل ہے اور حروف تہجی کی ترتیب میں مولوی مظہر علی حضوری کے ترجمہ پر ختم ہوتا ہے۔ آخر میں صفحہ ۶۱۹ سے ۶۲۴ تک محمد عاجز کے ''قصۂ لعل و گوہر'' پر وضاحتی و تنقیدی شذرہ تحریر کیا ہے، جس کا ذکر اس نے صفحہ ۶۸۔۶۹ پر متن میں کیا تھا۔ اس طرح یہ جلد صفحہ ۶۲۴ پر ختم ہوتی ہے۔

دوسری جلد بھی ۱۸۷۰ء میں شائع ہوئی جو رومن حرف I اور عبارت حاجی مرزا عابد علی بیگ زائر کے ترجمے سے شروع ہوتی ہے۔ اس میں حکیم سید عنایت حسین رسوا تک کا ترجمہ شامل ہے، جو صفحہ ۵۹۴ پر ہے۔ اسی صفحہ سے مستعان شاہ مداری اور الٰہی بخش نشاط کے ذیل میں ان کی مذکور مثنویوں پر اضافی معلومات درج کی ہیں، جو صفحہ ۶۰۸ تک محیط ہیں۔

تیسری جلد ایک سال کے بعد ۱۸۷۱ء میں اسی اہتمام اور تسلسل میں شائع ہوئی۔ اس کا آغاز ایک استدراک سے ہوتا ہے، جو ۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ مصنف نے اسے ۱۵/اکتوبر ۱۸۷۱ء کو تحریر کیا۔ اس میں سابقہ دو جلدوں کے مندرجات میں حرف ''ک''(k)، ''و''(W) تک شروع ہونے والے مصنفین و شعراء کے تراجم مختصراً شامل کیے ہیں۔ خواتین کے ناموں کی فہرست اسی ذیل کے آخر میں شامل کی گئی ہے۔

اس جلد کا متن حرف ''س'' کے اولین شاعر میر سعادت علی کے ترجمہ سے شروع ہوتا ہے اور صفحہ ۳۵۳ پر مولوی ذوالفقار علی کے ذکر پر مکمل ہوتا ہے۔ اس کے بعد ۳۵۵ سے ۳۷۶ تک اختتامیہ تحریر ہے، جس میں تصحیح و اضافے کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد ضمیمے ہیں۔ ضمیمۂ اول کتابوں کی وضاحتی فہرست پر مبنی ہے، جن کا ذکر

متن میں بطور حوالہ یا استناد آیا ہے۔ یہ ضمیمہ صفحہ ۳۷۷ سے ۴۸۸ تک، ان ہی کتبِ حوالہ کی فہرست ہے اور اسے بھی حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دیا گیا ہے۔ آخر میں مفصل اشاریے ہیں، جو اولاً اسمائے رجال، صفحہ ۴۸۹ سے ۵۵۰ تک اور پھر اسمائے کتب صفحہ ۵۵۱ سے آخری صفحہ ۶۰۳ تک پھیلے ہوئے ہیں۔

گارسیں دتاسی کی اسی کتاب کی دوسری اشاعت ۹۷ سال کے بعد ۱۹۶۸ء میں (فرانسیسی زبان ہی میں) نیویارک سے منظر عام پر آئی، لیکن افسوس کہ اس اہم تصنیف کا اب تک کوئی مکمل ترجمہ اردو یا انگریزی یا کسی اور زبان میں شائع نہیں ہوا[۵]، جو جنوبی ایشیا کے قارئین کے لیے قابل استفادہ ہوتا۔ اس کے مقدمہ اور اولین صفحات کے ترجمے ضرور ہوئے، مثلاً: اس کے مقدمے کا انگریزی ترجمہ گیتا کرشن کٹی نے *Indian Literature* (دہلی، مئی۔ جون ۱۹۸۴ء) میں شائع کیا۔ اس کے علاوہ عزت اللہ بنگالی کے فارسی قصے ''گل بکاؤلی'' کے فرانسیسی میں گارسیں دتاسی کے تحریر کردہ خلاصے کا بھی انگریزی میں ایک ترجمہ تھامس فلپ (Thomas Phillip) نے کیا، جو ڈبلیو۔ اے۔ کلوسٹن (W.A.Clouston) کی مرتبہ کتاب: *A Group of Eastern Romances* میں Rose of Bakauali کے عنوان سے شامل ہوا۔ یہ کتاب لندن سے ۱۸۸۹ء میں شائع ہوئی تھی۔

افسوس یہ اہم تصنیف اپنے موضوع اور اپنی معلومات پر نہایت اہم ہونے کے باوجود ابھی تک اردو میں مکمل ترجمہ نہیں ہوئی اور جس حد تک اس کا ترجمہ ہوا وہ بھی ہنوز غیر مطبوعہ رہا۔ اس کے ایک انگریزی ترجمے کا ذکر ضرور ملتا ہے کہ کسی شخص نے جو پانڈی چری میں مقیم تھا، اس کی ایک جلد کا ترجمہ انگریزی میں کیا تھا، جس کا مسودہ اس نے نواب نصیر حسین خاں خیال (۱۸۸۰ء۔۱۹۳۴ء) کو ملاحظے اور اشاعت کی غرض سے بھیجا تھا۔ نواب صاحب نے یہ انگریزی ترجمہ اردو میں منتقل کرنے کے لیے محمد محفوظ الحق (۱۹۰۰ء۔۱۹۴۶ء) کو دے دیا۔ جنھوں نے اس جلد کا ترجمہ تو نہ کیا لیکن اس کے مقدمے کا ترجمہ کر کے اسے ''معارف'' (اعظم گڑھ) میں گارسیں دتاسی کے اولین تعارف کے طور پر اگست ۱۹۲۲ء میں اور پھر مقدمہ کا ترجمہ ستمبر ۱۹۲۲ء کے شماروں میں شائع کیا۔

اردو میں گارسیں دتاسی کی تصانیف کے مذکورہ تراجم کے علاوہ سطورِ ماقبل میں بذیلِ 'معروضات' بیان کردہ معلومات کے مطابق گارسیں دتاسی کی ایک اہم تصنیف ''تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی'' کا ترجمہ ایک فرانسیسی خاتون لیلیان نازرو نے پی ایچ ڈی کی سند کے لیے کیا، اور اسے شعبۂ اردو جامعہ کراچی میں ۱۹۶۱ء میں پیش کر کے سند حاصل کی۔ اس کام کی نگرانی ڈاکٹر ابواللیث صدیقی صاحب نے انجام دی اور

مسودے پر جگہ جگہ تصحیح واصلاح کی جو اس پر ان کے قلم کی یادگار ہے۔اس کے علاوہ گارسیں کا جو دیباچہ اس کتاب میں شامل ہے اس میں بیان کردہ گارسیں کے خیالات سے بعض مقامات پر بظاہر مترجم نے ''تنقید و تحشیہ'' کے عنوان سے جو کچھ لکھا ہے اس پر قوی گمان کیا جاسکتا ہے کہ اس میں بیان کردہ معلومات اور ساتھ ہی اسلوب دراصل ڈاکٹر ابواللیث صدیقی صاحب کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔متن میں بھی متعدد مقامات پر مترجم نے اشعار نقل کر کے ان کا استناد تذکروں سے پیش کیا ہے، جسے مترجمہ کا اہتمام یا کاوش تسلیم کرنے میں تامل ہوتا ہے۔مترجم نے متن کے ترجمے کے ساتھ ساتھ متعدد مقامات پر حواشی بھی تحریر کیے ہیں اور کچھ اضافی اور تازہ معلومات بھی شامل کرنے کی نہ صرف کوشش کی ہے بلکہ گارسیں کے متعدد بیانات کی پر تنقید اور ان کی تصحیح بھی کی ہے، جو تنہا ان کی کوشش معلوم نہیں ہوتی۔ پھر قلم اور تحریر کی پختگی بھی مظہر ہے کہ یہ سب مترجمہ کی کاوشیں نہیں ہوسکتیں۔

یہ ترجمہ اگرچہ دو جلدوں پر محیط تھا،لیکن افسوس ترجمے میں مترجم نے اختصار سے کام لیا اور مطالب اور مباحث کی تفصیلات کو حذف کر کے محض بنیادی معلومات تک ترجمہ کو محدود رکھا ہے اور پھر ہندی زبان و ادب سے متعلق تمام موضوعات بھی حذف کردیے، جو اصل کتاب کا ایک شریک حصہ تھے۔اس طرح ہندی زبان وادب سے متعلق متن کو خارج کر کے اس کتاب کے عنوان سے ہندوی کا لفظ بھی حذف کردیا جس کا بظاہر جواز موجود تھا۔واضح رہے کہ گارسیں دتاسی دیگر مستشرقین کی طرح اردو کے لیے بالعموم ''ہندوستانی'' کا لفظ استعمال کرتا رہا ہے لیکن اس نے اس زبان کے لیے جگہ جگہ ''اردو'' اور کہیں کہیں ''لشکری بولی'' اور ''ریختہ'' بھی استعمال کیا ہے۔

اس کتاب کی تصنیف کے لیے دتاسی نے جو محنت کی ہے، جس جستجو کو ثبوت دیا ہے،اور جس لگن اور مشقت سے معلومات یکجا کی ہیں ،اس کتاب کے ہر صفحے سے اس کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ جس طرح اپنے ذوق وشوق کے تحت اس کے لیے مواد اور معلومات حاصل کرتا رہا، اس کی جتنی بھی داد دی جائے کم ہے۔اس نے اردو سے محبت کے ذیل میں ، اپنے شوق کی تکمیل کی خاطر اور پھر اپنے مطالعے کو وسعت اور گہرائی سے ہم کنار کرنے کے لیے علم عروض اور بیان و بدیع تک سے واقفیت حاصل کرنے کی مخلصانہ کوشش کی کہ تقطیع کے اصولوں اور بحروں سے شناسائی کا بھی وہ جابجا ثبوت دیتا رہا ہے اور ساتھ ہی تاریخ گوئی سے اپنی واقفیت کی مثالیں بھی اس نے پیش کی ہیں۔

مصنف نے اسی ذیل میں یہ بھی بتادیا ہے کہ کون کون سی کتابیں اس نے بالمشافہ دیکھی ہیں۔وہ اسے

کس طرح حاصل ہوئیں، کس کس کے توسط سے ملیں، وہ کن کن کتب خانوں میں، قلمی یا غیر مطبوعہ، موجود ہیں اور خود اس کے ذاتی ذخیرے میں ان میں سے کون کون سی کتابیں موجود ہیں۔ اس طرح ایک فہرست کتب اس کے کتب خانے کی ایسی بن سکتی ہے جو شاید اس فہرست میں اضافہ ثابت ہو جسے قاضی عبدالودود نے تیار کیا تھا[9]۔ اس پر مستزاد گارسیں نے جگہ جگہ معاصر معلومات، خصوصاً مطبوعات کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے ان اخبارات کا حوالہ بھی دیتا رہا ہے جن سے اسے یہ معلومات حاصل ہوئیں۔ یہاں یہ پتا چلتا ہے کہ متعدد معاصر اخبارات بھی اس تک پہنچتے رہے جن سے اس نے راست استفادہ کیا۔ اس کے ذخیرۂ کتب میں یقیناً معاصر اخبارات بھی موجود تھے جن کی حفاظت اور فہرست سازی کا شاید وہاں کسی نے اہتمام کیا ہو تو آج اس کی افادیت ظاہر ہے۔

اس زمانے میں کہ جب سیاسی عزائم کے تحت ہندوؤں میں اردو کے خلاف نفرت کے جذبات عام ہو رہے تھے یا عام کیے جا رہے تھے اور ہندی کی حمایت میں خلافِ حقیقت شواہد اور دلائل پر اصرار کیا جا رہا تھا، دتاسی نے اردو کی حمایت میں اپنے خیالات جس طرح اپنے مقدمے میں بیان کیے ہیں اس سے اس کی غیر جانبداری، حقیقت پسندی اور میانہ روی کا اظہار ہوتا ہے۔ اسے مذہب سے بھی خاصی دل چسپی تھی۔ وہ جن افراد کا تذکرہ کرتا ہے، اگر اسے ان کے مذہب کے بارے میں علم ہوتا ہے تو وہ یہ ضرور بتاتا ہے کہ اس کا تعلق کس مذہب سے ہے۔ اگر ایسے افراد کا وہ ذکر کرتا ہے جنھوں نے اپنا مذہب تبدیل کیا ہے، یعنی ہندو سے یا مسلمان سے عیسائی ہوئے ہوں یا ہندو سے، عیسائی و یہودی سے مسلمان ہوئے ہوں تو ایسے حوالے وہ بالعموم دیتا رہا ہے۔ ان حوالوں کے ذریعے کئی طرح کے مطالعات میں ان موضوعات کے ضمن میں بھی دتاسی کی اس کتاب سے مدد لی جاسکتی ہے۔

گارسیں نے جہاں افراد کے بارے میں اپنی معلومات بیان کی ہیں وہیں ان افراد کی تحریر کردہ تصانیف کے بارے میں بتایا ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ وہ مطبوعہ ہے یا غیر مطبوعہ۔ اگر مطبوعہ ہے تو کہاں سے یا کہاں کہاں سے چھپی ہے اور اس کے کتنے اڈیشن اس کے علم میں ہیں۔ اسی ذیل میں اس نے بالعموم مطابع کا بھی بالالتزام حوالہ دے دیا ہے جہاں سے کتاب چھپی ہے اور یہ بھی کہ اس مطبع کا مالک یا مہتمم کون ہے؟ اور یہ بھی مزید بتا دیا ہے کہ اس مطبع سے اگر کوئی اخبار چھپتا ہے تو کونسا اخبار چھپتا ہے اور اس کا مدیر کون ہے۔ اس لحاظ سے اگر مطابع اور اخبارات و جرائد کی کوئی فہرست مرتب کرنا ہو یا مطابع اور صحافت کی تاریخ مرتب کرنی ہو تو گارسیں کی یہ تصنیف ایک ناگزیر ماخذ ثابت ہوگی۔

بحیثیت مجموعی یہ کہنے میں تامل نہیں کہ گارسیں دتاسی کی یہ تصنیف معلومات کا خزانہ ہے اور اپنے موضوعات کی حد تک جتنی معلومات شاعروں اور مصنفوں کے بارے میں گارسیں نے اس میں یکجا کردی ہیں، اس تصنیف کے

۶۔ لیکن معلوم نہیں کیوں ڈاکٹر آغا افتخار حسین نے اس جلد کو ۶۴۶ صفحات پر بتایا ہے: ''یورپ میں تحقیقی مطالعے'' (لاہور ۱۹۶۷ء) صفحہ ۵۱۔

۷۔ ص ۳۹۔۴۱

۸۔ اس کی تصانیف میں سے صرف ایک تصنیف کے انگریزی ترجمے کا علم ہوتا ہے *Memoire sur des picuicularties de la Reglion Musalmane dans l'Inde d'Apres les ouvrages Hindoustani* پیرس سے ۱۸۳۱ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کا موضوع ہندوستانی مسلمانوں کے عقائد اور ان کی رسومات سے متعلق تھا۔ اس موضوع سے متعلق اپنی تصنیف سے قطع نظر گارساں دتاسی نے مسز میر حسن علی کی تصنیف *Observations on the Muslamans of India* (مطبوعہ ۱۸۳۲ء) اور جعفر شریف کی تصنیف *Qanun-i- Islam* (مطبوعہ ۱۸۳۲ء) پر تبصرے لکھے تھے، جو پیرس کے تحقیقی مجلوں، علی الترتیب: *Nouveau Journal Asitique* (جون ۱۸۳۳ء) اور *Journal des Savantes* (اگست، ستمبر ۱۸۳۳ء) میں شائع ہوئے۔ ان تینوں تصانیف کا ایک انگریزی ترجمہ ایم۔ ویسم نے ایک مجموعے کی صورت میں *Muslim Festivale in India and other essays* کے عنوان سے کیا، جو دہلی سے ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا۔ مترجم نے اس ترجمہ کو مفید بنانے کے لیے حواشی بھی تحریر کیے اور آغاز میں ایک مبسوط مقدمہ لکھ کر گارسیس دتاسی اور اس کی تصانیف کے تعلق سے مفید معلومات یکجا کیں۔ اس مترجم نے گارسیس دتاسی کا اسی سلسلے میں ایک مقالہ، *Notice sur les fetes des Hindus...* جو اس نے ہندوؤں کے عقائد و رسومات کے تعارف میں تحریر کیا تھا، اور *Nouveau u Journal Asiatique* فروری اور مارچ ۱۹۳۴ء شائع ہوا تھا، انگریزی میں ترجمہ کیا اور جوان ہی کے مرتبہ ایک مجموعۂ مقالات میں *On becoming an Indian Muslim* نامی کتاب، مطبوعہ دہلی ۲۰۰۳ء میں بطور ضمیمہ *Notice on the fetes of Hindus according to Hindustani Works* کے عنوان سے شائع ہوا۔ ایم ویسم کے علاوہ کمال ابدالی نے حالیہ عرصے میں دتاسی کے بعض اہم مقالات کو، جو اس نے اردو زبان و ادب کے تعلق سے لکھے تھے، اپنے مطالعے کا موضوع بنایا ہے اور ان کے ترجمے بھی انگریزی میں کیے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے: Annual of Urdu Studies، شمارہ ۲۶، ص ۱۳۵۔۱۶۶؛ شمارہ ۲۸، ص ۶۰۔۱۳۸۔

اسی نوعیت کا ایک تنقیدی مطالعہ ایک فرانسیسی اسکالر Robert Arouin نے فرانسیسی میں پی ایچ ڈی کی سند کے لیے بعنوان: *Critical study of Garcin de Tassy's Historie de la Litterature Hindoui et Hindoustanei* چار جلدوں میں تحریر کیا اور ڈپارٹمنٹ آف ماڈرن یورپین لینگویجز، جواہر لال نہرو یونیورسٹی، دہلی میں پیش کر کے ۱۹۷۷ء میں پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی۔

۹۔ ''فہرست کتب خانہ گارساں دتاسی''، مشمولہ: ''نوائے ادب'' (بمبئی)، جنوری، ۱۹۵۸ء؛ و نیز مشمولہ: قاضی عبدالودود، ''گارساں دتاسی''، محولہ بالا، ص ۱۱۵۔۱۴۰؛ دتاسی کی تقریباً تمام تصانیف اب ''فرنچ نیشنل ڈیجیٹل لائبریری'' (French National Digital Library) کے اہتمام سے اس شق: http//galilca.buf.fr پر موجود اور قابل مطالعہ ہیں۔

❁❁

تاریخ ادبیاتِ اردو: ایک تعارف

لیلیان سیکستین نازرو

یہ کتاب فرانسیسی مستشرق گارساں دتاسی کی گراں قدر اہم تصنیف کا اردو ترجمہ ہے جس نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ ہندوستان کی زبان و ادب سیکھنے اور اس کی تہذیب و ثقافت کو معلوم کرنے میں وقف کر دیا تھا۔

انیسویں صدی میں یورپ میں عام طور پر لوگوں کو مشرق سے گہرا لگاؤ پیدا ہو چکا تھا اور وہ اس ضمن میں بڑی دلچسپی اور نہایت جوش و خروش کا اظہار کر رہے تھے۔ بہ ایں ہمہ ایک کثیر طبقے کے لیے مشرق ایک غیر مرئی خواب و خیال کی دنیا تھا یا پھر یہ ایک ایسا مقام تھا جو ان کے لیے دنیا کے ایک دوسرے سرے پر واقع ہو۔

لیکن کچھ ایسے افراد بھی تھے جو مشرق سے دور رہنے کے باوجود اپنے کتب خانوں کی خاموش فضاء میں اس خطۂ ارض کو سمجھنے اور اس کی روح کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لیے ہمہ تن مصروف تھے۔ گارساں دتاسی بھی ان میں سے ایک لیکن ممتاز ترین فرد ہے۔ ان دنوں برطانیہ کے بعض علماء ہندوستانی زبان و ادب سے دلچسپی رکھتے تھے لیکن گارساں دتاسی اس میدان میں فرانسیسی مستشرقین میں پیش رو بلکہ مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ حقیقت میں اس بلند مقام کو حاصل کرنے کے لیے بڑی ذہنی کاوش و تجسس، بہت صبر و استقلال اور غایت درجہ کے انہماک کی ضرورت ہے۔ مگر گارساں دتاسی یہاں بالکل تنہا نظر آتا ہے۔ کچھ یہی وجہ ہے کہ اس کی قدر و قیمت کو بالآخر سرکاری طور پر تسلیم کرنا پڑا اور پیرس کے ادارۂ السنۂ مشرقیہ کا ہندوستانی شعبہ محض ان کی خاطر وجود میں آیا۔ اس کا بین ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ اس کی موت کے ساتھ ہی وہ شعبہ بھی ختم کر دیا گیا۔ یہ کتاب ان کی چالیس سال کی محنت و کاوش کا نتیجہ ہے۔

گارسان دتاسی ۲۰ر جنوری ۱۷۹۴ء میں بہ مقام مارسیلز میں پیدا ہوئے۔ وہیں ابتدائی تعلیم پائی۔ مارسیلز اس وقت آزاد بندرگاہ تھا اور مشرق کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ گارساں دتاسی نے عربی بول چال نہیں سیکھی تھی۔ جب انھیں مشرقی زبانوں کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا تو وہ ۱۸۱۷ء میں پیرس گئے تاکہ

مشہور فرانسیسی مستشرق ایس دی ساسی کے خطبات میں شریک ہوسکیں اور رہبری حاصل کرسکیں۔

پیرس میں گارساں نے عربی، فارسی اور ترکی زبانیں علی الترتیب پڑھیں۔ ۱۸۲۴ء سے ایس دی ساسی ادارۂ علوم مشرقیہ کے ناظم مقرر ہوئے اور ان کی حوصلہ افزائی پر گارساں کو ہندوستانی زبانوں کے مطالعہ کی غرض سے انگلستان جانے کا موقع ملا۔ ایس دی ساسی اپنے ادارہ میں ہندوستانی کا شعبہ کھولنے کے بڑے متمنی تھے اور انھوں نے اس مقصد کے حصول کے لیے گارساں کا انتخاب کیا تھا۔ گارساں اپنے استاد کے بڑے اطاعت گزار نکلے، عمر بھر استاد کی وفاداری کا دم بھرتے رہے۔

۱۸۲۸ء میں جب کہ ان کی عمر صرف ۳۴ سال تھی ان کے استاد نے گارساں کی خاطر حکومت کو ہندوستانی کا شعبہ قائم کرنے کی تجویز پیش کی اور حکومت نے اسے تسلیم کرلیا۔ گارساں اپنے عہد کا پہلا کم عمر فرانسیسی مستشرق تھا جس نے فرانس میں علومِ مشرقی کے مطالعہ کی از سرِ نو تنظیم کی۔ یہ عجیب وغریب دور تھا کہ لوگ اگرچہ مشرقی زبانوں سے ناآشنا تھے پھر بھی ان کے سیکھنے کے لیے بڑی دلچسپی کا اظہار کرتے تھے۔ دی ساسی نے عربی خود سیکھی تھی، لیکن گارساں کو کچھ بہتر مواقع حاصل تھے اول اس لیے کہ طلباء کے لیے انگریزی میں ہندوستانی زبانوں کے متعلق بعض کتابیں موجود تھیں دوسرے انگلستان میں ہندوستانی زبانوں کے مطالعہ کے لیے ادارہ قائم تھا، پھر بھی ابتدائی مراحل کو چھوڑ کر گارساں نے خود ذاتی طور پر کام کیا ہے۔ گارساں صحیح معنوں میں ایک اسکالر ہے کہ اس کی نگارشات سیاسی اور مادی مفادات سے پاک اور بے لاگ ہیں۔ اس کے دوستوں اور عزیزوں کے خاندانوں میں ایسی روایات اب بھی سننے میں آتی ہیں کہ وہ ایک خلوت پسند اور سنجیدہ شخصیت کے مالک تھے اور کتابوں کے علاوہ کسی چیز سے شغف نہ رکھتے تھے۔ وہ تنہا کام کرنا پسند کرتے تھے اور ان کے دوست، نامہ نگار دوسرے ملکوں سے ان کے پاس علمی و ادبی معلومات، فہرست کتب، اخبارات، کتابیں اور رسالے بھیجتے رہتے تھے جن کو گارساں پڑھتے اور مضامین تیار کرتے تھے۔ ادارۂ علم مشرقیہ پیرس کے کتب خانے میں گارساں کی ایسی ذاتی کتابیں موجود ہیں جن کے حاشیوں پر اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نوٹ موجود ہیں اس لیے کہ اسے ہر وقت اپنی کتابوں میں نئی باتوں کا اضافہ کرنے اور دوسرے ایڈیشن کو زیادہ سے زیادہ مکمل بنانے کا خیال رہتا تھا۔ ان کی بعض کتابوں کے چار ایڈیشن نکلے ہیں، جن کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ گارساں نے ان میں بتدریج ترامیم اور اضافے کیے ہیں۔ ہندوستانی پروفیسر ہونے کے بعد انھوں نے ہندوستانی ہی کو اپنی توجہ کا مرکز بنالیا۔ ہندوستان کی ہر چیز ادب، زبان، مذہب، تمدن، ثقافت اور تاریخ سے ان کو لگاؤ تھا اور جیسا کہ ان کی تصانیف سے واضح ہے

انھوں نے ہر پہلو سے دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔

گارساں نہ تو کبھی مشرق آئے، اور دو تین مرتبہ انگلستان جانے کے سوا نہ کبھی فرانس سے باہر قدم نکالے، اس کے باوجود جب کبھی ہندوستانی پیرس سے گزرتے تو وہ ان سے ضرور ملتے تھے۔

وہ تقریباً پچاس سال تک یعنی اپنی وفات ۲؍ستمبر ۱۸۷۸ء تک تحقیق و تدریس میں مصروف رہے۔ اس وقت ان کی عمر ۸۴ سال تھی۔ ان کے درس میں دوسرے غیر ملکی طلباء شریک ہوتے تھے۔ وہ فرانس کی ایشیاٹک سوسائٹی کے بانیوں میں سے تھے اور بعد میں اس کے صدر بھی ہو گئے تھے۔ وہ بہت سی غیر ملکی سوسائٹیوں اور علمی اداروں کے رکن و نمائندے بھی تھے۔

انھوں نے اپنے ایک شاگرد Bertrand کو خاص طور پر اس کام کو آگے بڑھانے کے لیے تیار کیا تھا لیکن گارساں کی وفات کے بعد حکومت نے اردو شعبہ کو ختم کر دیا۔ اس طرح گارساں اس شعبہ کا پہلا اور آخری شخص تھا۔

گارساں کی کوششیں معلم کی حیثیت سے بظاہر زیادہ بارآور نہ ہوسکیں اس لیے کہ پچاس سال کی تعلیم کے بعد بھی کوئی ایسا جانشین نہ رہا جس کی علمی و ادبی شخصیت کو وقیع خیال کر کے حکومت اس شعبہ کو برقرار رکھتی۔ اس کے برعکس ایک عالم اور مترجم کی حیثیت سے، جیسا کہ اکثر فرانسیسی اور دوسرے غیر ملکی اداروں نے تسلیم کیا ہے، وہ نہ صرف اپنے دور میں بلکہ دورِ حاضر میں بھی بڑی وقعت وعظمت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اور ان کی تحریریں آج بھی قابلِ قدر ہیں۔

گارساں اپنے مضامین اور تبصرے برابر اخباروں میں شائع کراتے تھے۔ ان میں اکثر مضامین ہندوستان کے متعلق ہوتے تھے اور لوگوں کی توجہ اس طبقے کی طرف مبذول کراتے تھے لیکن مضامین سے قطع نظر گارساں نے بے شمار ترجمے اور تبصرے یادگار چھوڑے ہیں۔

وہ خلاّق مصنف ہی نہیں ہیں بلکہ یورپین عوام کے لیے مشرقی ثقافت و ادب کے مترجم اور پیغامبر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ کسی چیز کے متعلق ذاتی معلومات کا اظہار بہت کم کرتے ہیں، بحث واستدلال سے بھی زیادہ کام نہیں لیتے وہ مسودے ومعلومات وحقائق فراہم کر کے ناظرین کے سامنے پیش کر دیتے ہیں تاکہ وہ خود ان کے متعلق کوئی رائے قائم کر کے نتائج مرتب کرسکیں۔ یہ پتہ لگانا مشکل ہے کہ ان میں قوتِ انتقاد کی کمی ہے یا کہ وہ صرف اپنی عالمانہ سنجیدگی وشرافت کی بنا پر ایسا کرتے ہیں۔

اس جگہ گارساں کے اہم ترجموں کی فہرست دی جارہی ہے۔ ان کی دوسری تصانیف وتالیفات کے

برعکس ان کے ترجموں تک عام و خاص سب کی رسائی تھی۔ اس وقت ان میں سے اکثر ترجمے ہندوستانی سے فرانسیسی میں کیے گئے تھے۔ آج بھی ان کی اہمیت مسلم ہے اس لیے کہ فرانسیسی زبان میں دوسرے ترجمے موجود نہیں۔ ان کی کتاب ''تاریخ ادب ہندوستانی'' کے علاوہ جو بذاتِ خود ایک انتخاب کی حیثیت رکھتی ہے، ان کے ترجموں کی فہرست ذیل میں درج ہے:

۱) انتخاب ہندی اور ہندوستانی۔ ۱۸۴۹ء
۲) ہندوستانی انتخاب
۳) ولی کے کلام کی تدوین و ترجمہ۔ ۱۸۳۴ء
۴) گل بکاؤلی کا خلاصہ۔ ۱۸۳۵ء
۵) باغ و بہار۔ ۱۸۷۸ء
۶) کام روپ۔ مصنفہ تحسین الدین۔ ۱۸۳۴ء اور ۱۸۳۵ء
۷) بوستانِ سعدی۔ ۱۸۵۹ء
۸) آثار الصنادید۔ ۱۸۶۱ء
۹) تاج الملوک اور بکاؤلی۔ ۱۸۵۸ء
۱۰) ہیر ورانجھا۔ ۱۸۵۴ء
۱۱) عربی، ہندوستانی اور فارسی تمثیلوں، گیتوں اور نغموں کا انتخاب۔ دوسرا ایڈیشن ۱۸۷۶ء
۱۲) ایک ہندوستانی ڈرامہ۔ ۱۸۵۰ء
۱۳) ہندوستان کے عوامی گیت اور نظمیں۔ ۱۸۵۴ء
۱۴) شیر شاہ سلطانِ دہلی۔ ۱۸۶۵ء
۱۵) شکنتلا کی داستان۔ ۱۸۵۲ء
۱۶) مرثیہ حیدری۔ ۱۸۵۴ء
۱۷) اقتباسات اخوان الصفا۔ ۱۸۶۴ء
۱۸) خود نوشت لطف اللہ (مضمون)۔ ۱۸۵۷ء

گارساں کے تحقیقی، علمی اور تعلیمی تصانیف و تالیفات کی فہرست یہ ہے:

۱) تاریخ ادب ہندی اور ہندوستانی: پہلا ایڈیشن، جلد اول ۱۸۳۹ء، جلد دوم ۱۸۴۷ء،

دوسرا ایڈیشن، ۳ جلدیں ۱۸۷۰ء اور ۱۸۷۱ء۔

۲) سالانہ خطبات، ۱۸۵۰ء تا ۱۸۷۷ء۔ ہر سال کا خطبہ الگ شائع ہوتا تھا، اس کے بعد ۱۸۷۳ء میں ۱۸۵۰ء تا ۱۸۶۹ء کے خطبات کا مجموعہ شائع ہوا جس میں ۴۸۸ صفحات تھے۔

۳) ہندوستانی مصنفین اور ان کے کاموں کا مجموعہ جو اصل تذکروں سے مرتب کیا گیا تھا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۶۸ء میں شائع ہوا، یہ دونوں ایڈیشن تاریخ ادب ہندوستانی کا خلاصہ ہیں۔

۴) ہندوستانی زبان کے عناصر۔ ۱۸۲۹ء، دوسرا ایڈیشن ۱۸۶۳ء

۵) ہندی زبان کے عناصر۔ ۱۸۴۷ء

۶) ہندوستانی زبانوں کے عناصر کا ضمیمہ، ۱۸۳۳ء

۷) مشرقِ اسلامیہ کا عروض، جس میں عربی، فارسی، ترکی اور ہندوستانی شامل ہیں ۱۸۴۸ء

۸) مسلمانوں کا علم بدیع جو کہ حدائق البلاغت کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے۔ ۱۸۴۴ اور ۱۸۴۸ء

۹) رباعیاتِ عمر خیام، (مضمون) ۱۸۵۷ء

۱۰) اخلاق محسنی مصنفہ ملا حسین واعظ کاشفی (مضمون)۔ ۱۸۳۷ء

۱۱) شاعرات ہندوستان، ۱۸۵۴ء

۱۲) ہندوؤں کے پسندیدہ تہوار (مضمون)۔ ۱۸۳۴ء

۱۳) ایسے کپڑے جن پر عربی، فارسی اور ہندوستانی تحریریں ہیں، مثلاً سید احمد شہید کے کپڑے ۱۸۳۸ء

۱۴) منطق الطیر، (مضمون) ۱۸۵۷ء دوسرا ایڈیشن، تیسرا ۱۸۶۰ء، چوتھا ۱۸۶۴ء۔

۱۵) ہندوستانی کا اولین شاعر سعدی۔ ۱۸۴۳ء۔

۱۶) لغت ہندوستانی و فرانسیسی اور فرانسیسی و ہندوستانی۔ ۱۸۳۶ء

گارساں کو مذہبی مسائل اور اسلام سے گہری دلچسپی تھی۔ جیسا کہ انھوں نے اکثر خود بیان کیا ہے۔ وہ ایک عیسائی تھے لیکن اسلام اور اس کے اصول کا ہمدردانہ مطالعہ کرتے تھے۔ ان کی توجہ کا اصل مرکز ہندوستان تھا لیکن وہ مذہب اسلام سے بھی خاص شغف رکھتے تھے، جیسا کہ ان کی ابتدائی تحریروں اور خاص طور پر مذہبی کتابوں سے اندازہ ہوگا۔

۱) قرآن کے مطابق اسلام کے فرائض و آئین، ۱۸۲۶ء۔ ۱۸۲۹ء۔ ۱۸۴۰ء

۲) ایمان اسلام کی تشریح، ۱۸۲۳ء اور ۱۸۲۸ء

۳) قرآن کے مطابق اسلامی آئین و عمل، تیسرا ایڈیشن پیرس ۱۸۷۴ء جس میں ۴۱۲ صفحات ہیں۔
۴) ہندوستان میں اسلام کی خصوصیات کا مطالعہ، ۱۸۳۱ء اور ۱۸۶۹ء
۵) مسلمانوں کے ناموں اور القابوں کا مطالعہ، دوسرا ایڈیشن ۱۸۷۸ء جس میں ۹۳ صفحات ہیں۔
۶) قرآن کا ایک نامعلوم حصہ۔ ۱۸۳۲ء

اپنے وصیت نامے میں گارساں نے اپنے کتب خانے کو فروخت کر دینے کی خواہش کی تھی تا کہ اس کے احباب اس کی کتابوں سے استفادہ کرسکیں۔ ۱۸۷۹ء میں دو سو بہتر کتابوں کی ایک فہرست مرتب کی گئی تھی لیکن ادارہ السنہ مشرقیہ پیرس کے لائبریرین کے بیان کے مطابق گارساں کا ذاتی کتب خانہ آگ لگ جانے کی وجہ سے ضائع ہو گیا تھا، اس لیے ہمیں وہ مسودات حاصل نہ ہو سکے جو وہ اپنی وفات سے کچھ دنوں پہلے مرتب کر رہے تھے۔ اگر قارئین کو گارساں کے متعلق تفصیلی حالات درکار ہوں تو انھیں مس ثریا سلطانہ علی گڑھ یونیورسٹی کا تحقیقی مقالہ دیکھنا چاہیے۔ موصوفہ گارساں پر تحقیقی کام کرنے کے لیے پیرس گئی تھیں اور صرف چند مہینے ہوئے ہیں کہ انھوں نے اپنا کام مکمل کرلیا ہے۔ پانڈیچری کا فرنچ انسٹی ٹیوٹ ان کے مقالے کو چھاپنے کا خیال رکھتا ہے۔

گارساں کی اصل تصنیف فرانسیسی میں ہے جو "تاریخ ادب ہندی اور ہندوستانی" کے نام سے شائع ہوئی تھی اور یہ کتاب اس کے دوسرے ایڈیشن کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ ایڈیشن تین ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی دو جلدیں ۱۸۷۰ء اور تیسری جلد ۱۸۷۱ء میں پیرس سے شائع ہوئی تھیں۔ پہلی جلد کا پہلا ایڈیشن رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ برٹن اینڈ آئر لینڈ کی جانب سے ۱۸۳۹ء میں شائع ہوا تھا اور ملکۂ انگلستان کے نام معنون کیا گیا تھا۔ اس سوسائٹی کے سلسلۂ مطبوعات میں اس کا نمبر ۵۷ ہے۔ دوسری جلد ۱۸۴۶ء میں شائع ہوئی تھی۔ گارساں دتاسی نے ۴ر دسمبر ۱۸۵۴ء کے خطبے میں ان جلدوں کی اشاعت کی وضاحت خود اس طور پر کر دی ہے۔

"۱۸۲۸ء سے جب کہ نامور گلکرسٹ نے جو انگریزوں میں ہندوستانی زبان کی تعلیم کا مطالعہ کا بانی ہوا ہے، اپنی اردو قواعد میں ایک تذکرے کا حوالہ دیا ہے، مجھے اس زبان کی ادبی تاریخ کا شوق پیدا ہوا۔ متواتر تحقیق اور تلاش سے مجھے سات تذکرے دستیاب ہوئے اور باوجود ناکافی سامان کے میں نے ہندوستانی ادب کی تاریخ لکھی جو اگرچہ ایک نامکمل تالیف ہے لیکن اپنی نوعیت کی ایک ہی کتاب ہے اور ۱۸۳۹ء میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کا ہندوستانی زبان میں بھی ترجمہ ہو گیا ہے[۱]۔ اور انگریز مستشرقین میں بھی اس

زبان کے متعلق شوق پیدا ہو چلا ہے۔ ان کی اور میری تحقیقات نے مل کر بہت سے نئے تذکروں کا پتہ چلا لیا ہے۔ مگر میں ان سے زیادہ استفادہ نہ کر سکا کیونکہ ان میں متعدد تذکرے ایسے ہیں جو اب تک دستیاب نہیں ہوئے اور بعض کا پتہ صرف اس طرح لگا کہ بعض مصنفین نے ان کا حوالہ اپنی کتابوں میں دیا ہے۔ اب بھی بہت سے ایسے ہوں گے جن کا نام ونشان مجھے اب تک معلوم نہیں ہوا ہے۔ اس سے با آسانی یہ قیاس ہوسکتا ہے کہ اس کتاب کے جدید ایڈیشن کے لیے میرے پاس کس قدر جدید سامان مہیا ہو گیا ہے''[۲]۔ جیسا کہ خود مصنف نے وضاحت کی ہے ۱۸۳۹ء اور ۱۸۴۶ء کے درمیان انھوں نے بہت سا نیا مواد جمع کرلیا اور اسے پہلی دو جلدوں کے ضمیمہ کے طور پر شائع کرنا چاہا لیکن پہلے ایڈیشن کی دونوں جلدیں نایاب ہو چکی ہیں اس لیے گارساں نے اپنے دوستوں اور اپنے بھائی کے اصرار پر نئے مواد کو پچھلی دو جلدوں میں شامل کر کے اپنی کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۷۰-۷۱ میں شائع کیا۔ اس ایڈیشن میں اکثر جگہ ترمیم و تنسیخ اور حذف اور اضافے کیے گئے ہیں۔ دونوں ایڈیشنوں میں مضامین کی ترتیب و تدوین ایک ہی طرز پر کی گئی ہے، صرف یہ کہ دوسرے ایڈیشن میں مصنفین متذکرہ کی تعداد اور کتابوں کی فہرست کا اضافہ کیا گیا ہے۔ دوسرے ایڈیشن میں اقتباسات البتہ پہلے ایڈیشن کے مقابلے میں کم ہیں اس لیے کہ اس وقت تک یورپ میں اکثر چیزوں کے ترجمے ہو چکے تھے اور لوگ ان سے استفادہ کر سکتے تھے اس لیے گارساں نے اسے غیر ضروری خیال کیا۔

دوسرا ایڈیشن تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ ہر جلد میں قریباً چھ سو صفحات ہیں۔ ان میں ایک طویل دیباچہ کے ساتھ تین ہزار دو سو مصنفین کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کی تحریروں سے اقتباسات دیے گئے ہیں۔ ان مصنفین کے حالات وکلام کے تذکرے کا سب سے اہم حصہ وہ ہے جو اردو سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں دو ہزار آٹھ سو ساٹھ اردو مصنفین اور صرف تین سو چالیس ہندی مصنفین کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں ہندوستانی کے آغاز سے لے کر ۱۸۷۰ء تک کی ادبی وعلمی ترقیوں پر بحث کی گئی ہے۔ میں نے اپنے ترجمے میں صرف اردو مصنفین کو شامل کیا ہے ان میں ہندو، مسلمان اور عیسائی سبھی شامل ہیں۔ ہندی مصنفین کے حصے کا بہتر ومفید ترجمہ ہندی اور سنسکرت کا واقف کار کر سکے گا لیکن دیباچہ جس میں ہندی اور اردو دونوں زبانوں کے ادب کے مسائل زیر بحث آئے ہیں پورا کا پورا اردو میں مدون کیا گیا ہے اس لیے کہ اس کی مدد سے اردو ہندی کے لسانی تعلق اور مشترک عناصر کو عین مدد ملتی ہے۔

اپنے عنوان کے مطابق یہ کتاب ہندوستانی ادب کی تاریخ کہلانے کی مستحق نہیں ہے، اس لیے کہ زبان وبیان کے تاریخی ارتقاء کے مسائل وحقائق صرف دیباچے میں زیر بحث آئے ہیں۔ کتاب دراصل تذکروں

کے انداز پر تالیف کی گئی ہے۔ اس میں ہر مصنف پر الگ مضمون لکھا گیا ہے اور اس کی تالیف یا تصنیف کا انتخاب بطور نمونہ کر دیا گیا ہے۔ یہ ایک قسم کی قاموس ہے جس میں مصنفین کے حالات درج کیے گئے ہیں۔ گارساں نے اپنے دیباچہ میں بتایا ہے کہ اگر مصنفین کا تذکرہ تاریخی ترتیب کے ساتھ کیا جاسکتا تو بہتر ہوتا لیکن چونکہ بہت سے ایسے مصنفین تھے جنھیں تاریخی نقطۂ نظر سے ترتیب دینا مشکل تھا اس لیے ان کا ذکر حروف تہجی کے اعتبار سے کیا گیا ہے۔

صرف دیباچہ پر تاریخ کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ اس میں گارساں نے ہندوستانی زبان کے آغاز وارتقا اور اردو کے فارسی اور دیوناگری رسم الخط پر بحث کی ہے۔ انھوں نے اس پہلو پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ چونکہ یورپ ہندوستانی زبان کے ادب سے ناواقف ہے اس لیے اس کا مطالعہ کرنا اہم اور ضروری ہے۔ ان کے خیال میں ہندوستانی زبان مذہبی، فلسفیانہ اور ادبی نقطۂ نظر سے اہل یورپ کے لیے دلچسپ و مفید ہے۔ ہندوستانی ایک ایسی زبان ہے جسے ہندوستان کے بڑے رہنماؤں اور روحانی پیشواؤں نے اپنے خیالات کی تبلیغ واشاعت کے لیے استعمال کیا ہے۔ اہم تاریخی کتابیں، تذکرے اور سوانح عمریاں بھی اسی زبان میں لکھی گئی ہیں۔

ہندوستانی زبان کے مذکورہ دو اہم پہلو اہل یورپ کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے کے لیے کافی تھے لیکن گارساں نے ہندوستانی زبان کے ادب و شاعری اور اس کی عظمت و اہمیت پر زور دیا ہے۔ ان کے بقول ہندوستان شعر ونغمہ کی دنیا ہے جس میں کہانیاں، خطوط اور کبھی کبھی لغات تک نظم کا جامعہ پہن لیتے ہیں۔ صوفیوں اور درویشوں نے بھی اپنے خیالات کی تبلیغ کے لیے شاعری کو اپنایا ہے اس لیے کہ اس کی مدد سے وہ دوسروں پر جلد اثر انداز ہوتے ہیں اور لوگوں کے ذہن میں وہ آسانی سے محفوظ بھی رہ سکتے ہیں۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہندوستانی زبان گارساں کے نزدیک صرف مادی مفادات سے وابستہ نہیں بلکہ یہ ایک ایسی ترقی یافتہ اور شائستہ زبان ہے جو ہمارے موثر اظہار وخیال کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے اور فن یا آرٹ کے درجے پر پہنچ سکتی ہے۔

گارساں نے اردو اور ہندی کی اصناف شاعری پر بحث کرنے کے علاوہ علم بدیع وعروض پر بھی روشنی ڈالی ہے اور اہم تلمیحات اور علامتوں کی وضاحت کی ہے۔

ہندوستانی زبان میں ادبی اظہار کی جو صورتیں ہیں ان کو ذہن میں رکھ کر گارساں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ اس کا ادب زیادہ تر سنسکرت، فارسی اور عربی زبانوں سے ترجمہ یا ماخوذ ہے، پھر بھی وہ اس بات کے

قائل ہیں کہ ہندوستانی ادب کا اپنا الگ تخلیقی رنگ ہے جو تقلید سے پاک ہے۔

گارساں دتاسی نے اس نقطۂ نظر کی اکثر جگہ وضاحت کی ہے کہ ہندوستانی میں صرف ترجمہ اور تقلید کا رنگ نہیں ہے بلکہ مترجمین و مولفین نے ان میں ایسے شخصی عناصر شامل کردیے ہیں کہ ان میں ایک طرح کی انفرادی شان پیدا ہوگئی ہے۔

گارساں نے جن خاص وسائل سے مواد فراہم کیا ہے، ان تذکروں اور انتخابات کی ایک فہرست دے دی ہے، لیکن یہ مکمل نہیں ہے اس لیے کہ انھوں نے اس فہرست کے علاوہ بہت سے اخبار، خطوط رسائل اور دوسرے نایاب قلمی نسخوں سے مدد لی ہے۔ ان کے احباب اور مدیران و نامہ نگار بھی انھیں ہندوستان کی علمی و ادبی وصحافتی ترقی کی خبر دیتے رہتے تھے۔ ان کے دیباچہ کا آخری حصہ مسلمانوں کے نام والقاب کی تمثیل سے قطع نظر ہندوستانی ادب کی عہد بہ عہد ترقی کا خلاصہ ہے۔ افسوس ہے کہ یہ حصہ بہت مختصر ہے۔ مصنّفین کے تذکروں میں وہ خاص تفصیل سے کام لیتے ہیں لیکن یہاں انھوں نے ہر صدی کے ادبی حالات کے لیے تو صرف اہم مصنّفین کے نام گنوادیے ہیں ظاہر ہے یہ ایک قسم کی سرسری تنقید ہے اگر یہ کتاب کچھ اور زیادہ تفصیل و وضاحت سے لکھی جاتی اور ہندوستانی کے پس منظر و ارتقاء کا مفصل جائزہ لیا جاتا تو یقیناً یہ کتاب ان یورپی عوام کے لیے زیادہ مفید ہوتی جو ہندوستانی سے ناواقف تھے۔ موجودہ صورت میں چونکہ اس میں بہت سے نایاب نسخوں اور تذکروں کا ذکر آجاتا ہے اس لیے یہ انھیں لوگوں کے لیے کچھ زیادہ سودمند ہے جو اپنی معلومات میں تحقیقی انداز کا اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اردو خواں طبقے کے لیے یہ پہلو اہم نہیں رہ جاتا اس لیے کہ وہ ہندوستانی زبان و ادب کے اہم نکات و رجحانات کو پوری طرح سمجھتے ہیں۔ پھر بھی یہ کتاب اردو داں طبقے کے لیے اتنی ہی مفید ہے جتنی یورپین مستشرقین کے لیے۔ اس لیے کہ اس میں بعض ایسی اہم معلومات ایک جگہ جمع کردی گئی ہیں جو کسی اور جگہ نہیں مل سکتیں۔ اکثر باتیں ایسی ہیں جن سے لوگ واقف ہوں گے لیکن بعض چیزیں ایسی ہیں جو ڈیڑھ سو سال پرانی کتاب کے سوا کہیں اور سے فراہم نہیں ہوسکتیں۔

میرا خیال ہے کہ اس کتاب کی اصل افادیت یورپ کے بجائے اردو داں طبقہ کے لیے ہے کیونکہ یورپ میں ایک محدود حلقۂ مستشرقین کے سوا یہ کتاب وہاں کے کتب خانوں میں یادگار کے طور پر الماریوں میں مدفون ہوگی۔

اس میں شک نہیں کہ گارساں نے جو کام کیا ہے وہ سارے یورپین مستشرقین کے مقابلے میں اہم ہے پھر بھی ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ دوسرے مستشرقین کے مقابلے میں اس کے کام کی کیا نوعیت اور خصوصیت ہے۔

یہ پہلی کتاب ہے جس میں تذکرہ نگاری اور تاریخ نگاری دونوں کی خصوصیات کے ساتھ مصنّفین کی شخصیت اوران کی نگارشات کے متعلق مفصل معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

آب حیات کے وجود میں آنے سے پہلے تک صرف گلشنِ بے خار، باغ و بہار تذکرۂ شعرا از نساخ اور آثار الصنادید ایسی اردو کتابیں ہیں جن میں اردو زبان کی پیدائش وارتقاء کا سرسری ذکر کیا گیا ہے۔ گارساں نے زبان کی ساخت، پیدائش، عہد بہ عہد ترقی اور اس کے بعض اصول وقواعد پر جدید نقطۂ نظر سے مفصل بحث کی ہے۔ اسی کے ساتھ انھوں نے اردو نظم و نثر کی ان اصناف کا بھی ذکر کیا ہے جو بالعموم علم بدیع و عروض کی کتابوں میں ملتی ہیں۔

یہ کتاب مسعود سعد سلمان سے لے کر غالب کی وفات تک کے زمانے یعنی تقریباً آٹھ صدیوں کا احاطہ کرتی ہے۔ دوسرے تذکرے بالعموم صرف اپنے عہد کے ترجمان ہوتے ہیں اور ان میں مصنّفین کی ایسی کثیر تعداد نظر نہیں آتی۔ گارساں نے صرف اردو مصنّفین کے سلسلے میں دو ہزار آٹھ سو ساٹھ مضامین لکھے ہیں اوران کے متعلق مفید معلومات جمع کی ہیں پھر چونکہ گارساں کا تعلق بیرون ہندوستان سے ہے اس لیے اس کی تحریریں معاصرانہ چشمک، تنگ نظری، تعصب اور رقابت کے جذبے سے پاک ہیں۔ وہ ہر چیز اور ہر مصنف کے متعلق ایک اسکالر کی طرح اپنی ذاتی اور غیر جانبدارانہ رائے رکھتے ہیں یہ چیز دوسرے تذکروں میں مفقود ہے، خود گارساں نے تذکروں میں اس کی کی شکایت کی ہے۔ ان کے نزدیک صرف میر کے نکات الشعراء میں بے لاگ اظہار خیال کی مثالیں ملتی ہیں۔ لیکن میر نے بھی بعض شاعروں کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور اسی لیے فتح علی حسینی نے اپنے تذکرے میں ان پر چوٹیں کی ہیں۔ گارساں یقیناً اہم مصنّفین پر زور دیتے ہیں لیکن وہ متوسط اور ادنیٰ درجے کے مصنّفین کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔ انھوں نے اپنی کتاب میں بہت سے ایسے مصنّفین کا ذکر کیا ہے جو کسی اور تذکرے میں نظر نہیں آتے۔

گارساں کی توجہ مشرق کی مقبول ترین صنف ادب، شاعری تک محدود نہیں رہی بلکہ اردو نثر جو کہ اس وقت تک نظر انداز کی جارہی تھی اس پر بھی انھوں نے اظہار خیال کیا ہے۔

لیکن اس کتاب کی خاص اہمیت اس وجہ سے ہے کہ اس میں انھوں نے اپنے عہد کے تمام وسائل و ذرائع معلومات کو سمیٹ لیا ہے اور یہی چیز اس کتاب کو علمی حیثیت دیتی ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے لکھا ہے کہ انھوں نے عربی، فارسی اور اردو قلمی اور مطبوعہ کتابوں اور رسالوں سے یہ مواد جمع کیا ہے۔ انھوں نے اگرچہ اپنی کتاب کے دیباچہ میں صرف چھیاسٹھ تذکرہ جات و انتخابات کا ذکر کیا ہے لیکن اس کے علاوہ

دوسرے ذرائع مثلاً مضامین، اخبارات اور مراسلات کے ذریعے ہندوستان و یورپ دونوں جگہ سے اطلاعات حاصل کرتے رہتے تھے۔ وہ اکثر ہندوستان کی ادبی اور علمی زندگی کے متعلق بہت مستند خبریں دیتے ہیں جو کہ وہ اپنے معاصرین واحباب کی مدد سے جمع کرتے تھے۔ جب وہ کسی مصنف کا ذکر کرتے ہیں تو اس کے حالاتِ زندگی اور کلام کے متعلق ہر قسم کی معلومات فراہم کردیتے ہیں پھر مختلف تذکرہ نگاروں کے بیانات کا تقابلی جائزہ لے کر کوئی رائے قائم کرتے ہیں۔

اپنے زمانے کی اہم ترین کتاب ہونے سے قطع نظر یہ کتاب آج بھی بڑی اہم ہے کیونکہ اس میں بعض ایسے تذکروں اور قلمی نسخوں کا ذکر آگیا ہے جو اب یکسر نایاب ہیں، اور جن کے متعلق اس کتاب کے سوا کہیں اور سے معلومات حاصل نہیں ہوسکتیں۔

گارساں نے ہر مصنف کے ذکر میں اختصار، جامعیت اور تاریخی ترتیب کو برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔ جب وہ کسی مصنف پر روشنی ڈالتے ہیں تو حالاتِ زندگی کی تاریخی ترتیب اس کے کلام کی بتدریج اشاعت، مطبع، ایڈیشن، ناشر، ضخامت اور صفحات ہر چیز کی صراحت کردیتے ہیں۔ ان کے ساتھ وہ ایک ہی موضوع کی مختلف کتابوں کا حوالہ دے کر یہ بتاتے ہیں کہ کون سی کتاب کب، کیوں اور کس سے متاثر ہو کر لکھی گئی ہے۔ انھیں داستانوں، مثنویوں اور مشہور حکایتوں کے مطالعے کا بھی بڑا شوق تھا۔

عام تذکروں کے خلاف یہ کتاب انتہائی متوازن اور جامع انداز میں تالیف کی گئی ہے۔ وہ کسی کی تعریف یا تنقید کے سلسلے میں انتہا پسندانہ نقطۂ نظر کا شکار نہیں ہوتے۔ ان کی روایتیں اعتدال پسندانہ ہوتی ہیں اور متانت وسنجیدگی کا ساتھ نہیں چھوڑتیں۔ مذہب کے سلسلے میں البتہ ان کا بیان کبھی کبھی شخصی ہوجاتا ہے۔ وہ عیسائی ہونے کی وجہ سے اسلام کے عقیدہ وحدانیت کو تو کسی نہ کسی طور قابل قبول خیال کرتے ہیں لیکن ہندو مذہب اور ہمہ اوست کے قائل صوفیوں کے سلسلے میں وہ غیر جانب دار نہیں رہ سکے۔ وہ کسی نظری مسئلے پر بہت کم بحث کرتے ہیں پھر بھی بعض جگہ انھوں نے اسے ہاتھ لگایا ہے مثلاً اردو رسم الخط کے سلسلے میں انھوں نے یہ رائے دی ہے کہ اگر اسے رومن میں تبدیل کیا گیا تو ادبی نقطۂ نظر سے زبان کو بہت نقصان پہنچے گا۔

ہندوستان کے بعض ادیبوں مثلاً کریم الدین اور رام بابو سکسینہ وغیرہ نے بھی اکثر اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ہندوستان کی گزشتہ صدی کے اردو ادب اور صحافت پر تحقیقی کام کرنا چاہتے ہیں ان کے لیے یہ کتاب بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

اردو کے بعض اہم شاعروں اور نثر نگاروں کا بالخصوص گارساں کے معاصر ادیبوں کے متعلق اس کتاب میں یقیناً مستند اور نئی باتیں دستیاب ہوسکتی ہیں اور وہ لوگ جن کو دوسرے تذکرہ نگاروں نے یکسر نظر انداز کر دیا ہے انھیں اس کتاب کی مدد سے سامنے لایا جاسکتا ہے اور تحقیق وتنقید کا نیا سلسلہ شروع کیا جاسکتا ہے۔ بعض قدیم مثنویوں، داستانوں اور کتابوں کے ماخذات کا سراغ لگانے میں بھی یہ کتاب بڑی مدد دیتی ہے مثلاً اب تک یہ خیال کیا جاتا تھا کہ گل بکاولی کا قصہ عزت اللہ بنگالی نے فارسی نثر میں پہلے پہلے لکھا تھا لیکن گارساں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ قصہ اولاً دکنی اردو میں لکھا گیا تھا اور نسیم سے پہلے اسے اردو فارسی کے شعراء نظم کر چکے تھے۔ انجمن ترقی اردو کے کتب خانے میں جو قلمی نسخے ملتے ہیں ان سے گارساں کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ نثر کے متعلق بھی بعض مفید کام اس کتاب کی مدد سے کیے جاسکتے ہیں۔

یہ کتاب دراصل ہندوستان کے ذہنی ارتقاء کی ایک دستاویز ہے۔ اس سے سنسکرت، عربی، فارسی اور انگریزی سے ترجمہ کی ہوئی کتابوں کی تعداد کا اندازہ ہوتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ وہ تعلیم، ادب، لسانیات، تاریخ اور عمرانیات میں سے کس شعبہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کی مدد سے اس وقت کے عام ذہنی رجحانات اور دلچسپیوں کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے اور یہ بھی بتایا جاسکتا ہے کہ اس زمانے کے مدرسوں اور کالجوں میں کون کون سی کتابیں کس غرض سے پڑھائی جاتی تھیں، تعلیمی نقطۂ نظر کیا کیا تھا اور نصاب کی ترتیب وتدوین میں کن مقاصد کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ کلکتہ، بمبئی اور مدراس کے بڑے کالجوں کے متعلق نہیں بلکہ ہر علاقے کے معمولی سے معمولی اسکول کی تعلیمی حالت اور ترقی کے متعلق اس کتاب سے معلومات جمع کی جاسکتی ہیں اور ان کی مدد سے ہندوستان کی تعلیمی تاریخ ترتیب دی جاسکتی ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انیسویں صدی میں لوگ تعلیم سے گہری دلچسپی لے رہے تھے۔ صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ ہندو بھی ان کے دوش بدوش تصنیف وتالیف میں مصروف تھے اور عربی، فارسی اور انگریزی سے کتابیں ترجمہ کر رہے تھے۔

انیسویں صدی کی صحافتی تاریخ بھی اس کتاب کی مدد سے تیار کی جاسکتی ہے۔ اس لیے کہ گارساں نے سینکڑوں اخبارات، رسائل، ان کے مدیران، مطبع، ضخامت، صفحات، نوعیت، تاریخ اجراء اور تاریخ تنسیخ وغیرہ کے متعلق بڑی مفید اطلاعات جمع کر دی ہیں اور کتاب کے ضمیمے میں اخبارات ورسائل کی ایک طویل فہرست دے دی ہے۔

گارساں نے اپنی کتاب میں جو انتخابات واقتباسات نقل کیے ہیں وہ اردو میں نہیں بلکہ فرانسیسی ترجمے ہیں۔ یہ اقتباسات اردو، فارسی، تذکروں، دواوین وکلیات، اخبارات ورسائل اور ذاتی خطوط وقلمی نسخوں

سے ماخوذ ہیں۔ اکثر جگہ انھوں نے اپنے حوالے کا مآخذ درج کر دیا ہے اور اگر نایاب نہ ہوں تو اس کا تلاش کرلینا قدرے آسان ہو جاتا ہے لیکن اکثر جگہ گارساں نے ماخذات کا سراغ نہیں دیا اس لیے ان کے حصول کے لیے مختلف تذکروں اور انتخابات اشعار کی چھان بین کرنی پڑتی ہے۔ اگر ایسا اتفاق ہو کہ جن مصنفین کا ذکر گارساں نے کیا ہے وہی دوسرے تذکروں میں بھی آئے ہوں اور ان کے وہی اشعار یا اقتباسات بطور نمونہ درج کیے گئے ہوں جن کا حوالہ گارساں نے دیا ہے تو ہم انھیں حاصل کر سکتے ہیں۔ گارساں کے محولہ تذکروں میں بہت سے تذکرے مثلاً محسن، کریم الدین، میر، لطیف، گردیزی، قاسم، قائم، مصحفی، میر حسن، سرور، شیفتہ اور گلزار ابراہیم حصہ دوم دستیاب ہو سکے ہیں۔ باقی تذکروں میں سے اکثر نایاب ہیں۔ گارساں کے انتخاب اشعار کے زیادہ تر ماخذات منولال صفا اور بنی نرائن جہاں کے انتخابات ہیں۔ ان ہی دو جگہوں سے انھوں نے اکثر اشعار نقل کیے ہیں مگر افسوس یہ دونوں نہ مل سکے۔ پھر بھی قدیم تذکروں کے علاوہ آب حیات، گل رعنا، شعر الہند اور تاریخ ادب اردو وغیرہ کی مدد سے انھیں حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور چند ایک کو چھوڑ کر اکثر حوالے مل گئے ہیں۔

جن شعراء کے دواوین وکلیات مل سکتے تھے ان سب سے میں نے استفادہ کیا ہے اور گارساں کے محولہ اشعار کا کھوج لگانے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح اکثر اشعار کسی نہ کسی طور حاصل کر لیے گئے ہیں۔ پورے اشعار نہیں مل سکے تو کم از کم چند اشعار ضرور دے دیے گئے ہیں۔ دشواری یہ ہے کہ گارساں کے فرانسیسی ترجمے سے اردو اشعار کے وزن، ردیف یا قافیہ کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا۔ اگر ردیف کی طرف اشارہ موجود ہوتا تو متفرق اشعار کی تلاش آسان ہوتی۔ پھر بعض جگہ ترجمہ بھی اشعار کے مفہوم کے مطابق نہ تھا اس لیے اس قسم کے اشعار کی تلاش کے لیے سخت محنت اور تحقیق کی ضرورت تھی چنانچہ اس کے لیے مجھے تمام دستیاب تذکروں، ادبی تاریخوں اور دواوین وکلیات کی چھان بین کرنی پڑی اور زیادہ سے زیادہ اشعار حاصل کرلیے گئے۔ ممکن ہے کچھ تحقیق کا حق نہ ادا ہوسکا ہو لیکن میرے لیے یہ چھان بین بڑی مفید ثابت ہوئی۔ مجھے اس بہانے سے اردو کے بیشتر شعراء کا کلام دیکھنے اور اہم تذکروں اور تاریخوں کے مطالعہ کا موقع ملا اور بعض ایسی چیزیں نظر سے گزر گئیں جنھیں شاید مجھے کبھی دیکھنے کی توفیق نہ ہوتی۔

اردو اشعار کے فرانسیسی ترجمے اکثر درست ہیں لیکن ترجموں میں ادبی اور شاعرانہ شان نہیں ہے جو زیادہ بہتر ہوتی لیکن اس میں گارساں کی تخصیص نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کسی ایک زبان کی شاعری کا دوسری زبان میں ترجمہ کرنا اور اس کے ثقافتی پہلوؤں کو دوسری زبان میں منتقل کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے

کہ مختلف افراد کے محسوسات و تجربات و جذبات ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔
مشہور و معروف شعراء کے ذکر سے قطع نظر گارساں نے بہت سے ایسے شاعروں کے حالاتِ زندگی اور اشعار بھی درج کر دیے ہیں جو اب تک گوشۂ گمنامی میں تھے۔ گارساں نے اپنی کتاب میں بہت سے ایسے عوامی گیت بھی جمع کر دیئے ہیں جو کسی انتخاب یا تذکرے میں نہیں مل سکتے تھے۔ بعض مصنفین کے مضامین کے اقتباسات اخباروں سے درج کیے گئے ہیں۔ چونکہ یہ اخبارات دستیاب نہ تھے اس لیے ایسے اقتباسات کا ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ بعض مصنفین کی طویل نظمیں مثلاً مثنویاں اور قصیدے یا طویل نثری مضامین کے ترجمے گارساں نے دیے ہیں ایسی صورت میں میں نے اپنے ترجمے کو بے جا طوالت سے بچانے کے لیے ان نظموں اور مضامین کے متعلق صرف ضروری حوالے درج کر دیے ہیں مثلاً آرائشِ محفل کے اقتباس، میر حسن کی مثنوی اور سودا کی ہجو نقل کرنے کے بجائے صرف ان کے حوالے پر اکتفا کیا گیا ہے، اس لیے کہ اردو جاننے والوں اور اس سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے ان کا ہو بہو نقل کرنا کچھ زیادہ مفید نہ سمجھا گیا۔
یہ کتاب میں نے براہ راست فرانسیسی سے اردو میں ترجمہ کی ہے۔ ممکن ہے میرا ترجمہ زیادہ شگفتہ اور فصیح نہ ہو لیکن میں نے اسے اصل کے مطابق بنانے میں پوری کوشش کی ہے۔ میں نے کئی مرتبہ اپنے ترجمے کا اصل متن سے مقابلہ کیا ہے۔ ٹائپ کے بعد دوبارہ اس پر نظر ڈالی گئی ہے۔ مصنفین کے ناموں اور تاریخوں کو کئی بار اصل سے ملا کر دیکھا گیا ہے اور ترجمے کو معنوی غلطیوں سے حتی الوسع پاک رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔
بعض جگہ گارساں کے فرانسیسی فقرے مبہم تھے اور یہ پتہ چلانا مشکل تھا کہ جو حالات بیان کیے گئے ہیں وہ دراصل کس شخص سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر مختلف تذکروں کی مدد سے سراغ لگا کر واقعات کو اصل مصنف سے وابستہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جہاں چھان بین کے باوجود فرانسیسی فقروں کا ابہام اور ذومعنویت دور نہ ہوئی وہاں میں نے دانستہ طور پر اس طرح ترجمہ کیا ہے کہ اصل معنوں کی ذومعنویت قائم رہے۔ آج سے دو سو سال پہلے ہندوستان کے مقامات اور اشخاص کے ناموں کا بعض اوقات صوتی طور پر فرانسیسی میں ترجمہ کرنا کوئی آسان کام نہ تھا چنانچہ گارساں نے اکثر شاعروں کے تخلص لکھ کر اور بعض جگہ ان کے املا کی طرف اشارہ کر کے فرانسیسی میں اصل تلفظ کو ڈھالنے کی کوشش کی ہے لیکن مقامات کے ناموں میں بعض جگہ غلطی کی ہے۔ چناں چہ اصل مقام اور اس کے اصل نام کا کھوج لگا کر اس قسم کی غلطیوں کو درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ گارساں نے فرانسیسی حروف کے اعتبار سے مصنفین کی فہرست ترتیب دی تھی۔ اگر اسے جوں کا توں رکھا جاتا تو یہ ترتیب اردو میں بھونڈی معلوم ہوتی اس لیے اردو ترجمے میں مصنفین کی

ترتیب اردو حروف تہجی کے مطابق کر دی گئی ہے۔

ہر جلد کے آخر میں میں نے بہت سے حاشیاتی نوٹ کا اضافہ کیا ہے۔ یہ نوٹ دراصل گارساں کے ماخذات سے تعلق رکھتے ہیں۔ انھوں نے مختلف مصنّفین و شعراء کے حالات میں جن تذکروں اور کتابوں کا حوالہ دیا ہے انھیں دیکھ کر گارساں کے بیانات کی تصدیق یا تردید کر دی گئی ہے۔ جہاں گارساں کے بیانات ان کے محولہ تذکروں کے مطابق پائے گئے ہیں وہاں ان میں صرف تذکرہ کے نام اور صفحہ کی طرف اشارہ کرنا کافی سمجھا گیا ہے۔ جہاں بیانات میں اختلاف ہے وہاں میں نے اپنے حاشیاتی نوٹ میں ضروری تشریح کر دی ہے۔ گارساں نے اپنی کتاب میں اس کثرت سے حوالے دیے ہیں کہ ان سب کا حاصل کرنا آسان نہیں ہے اس لیے کہ ان میں سے بعض تذکرے آج ضائع ہو چکے ہیں یا کم یاب ہیں۔ تمام اہم اور ضروری حوالوں کا کھوج لگا کر بیانات کی تصحیح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ گارساں نے اردو فارسی کے بعض تذکروں اور بعض مصنّفین کو خلط ملط کر دیا ہے، کہیں ایک ہی قسم کے حالات کئی کئی مصنّفین سے وابستہ کر دیے گئے ہیں کہیں ایک کے حالات کسی دوسرے سے منسوب کر دیے گئے ہیں۔ اس قسم کی غلطیوں کو بھی حاشیاتی نوٹ میں حتی الوسع درست کر دیا گیا ہے۔ اس قسم کی زیادہ غلطیاں گارساں نے سرور کے سلسلے میں کی ہیں۔ انھوں نے اکثر مصنفوں کے سلسلے میں سرور کے تذکرے کا حوالہ دیا ہے لیکن انجمن ترقی اردو کے کتب خانے میں جو نسخہ ہے گارساں کے اس میں بعض مصنّفین کا ذکر نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے گارساں کے پیشِ نظر کوئی دوسرا نسخہ رہا ہو لیکن اس کا سراغ نہیں لگ سکا۔ دیباچہ میں البتہ گارساں نے بعض اہم مسائل کو تشنہ چھوڑ دیا تھا یا انھیں سمجھنے میں غلطی کی تھی اس لیے دیباچہ پر وضاحتی نوٹ کا اضافہ کیا گیا ہے۔

میں اس ترجمے کے سلسلے میں سب سے زیادہ اپنے استاد ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، صدر شعبۂ اردو، جامعہ کراچی کی شکرگزار ہوں جنھوں نے ہر قدم پر میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ موصوف نے مجھے گارساں کی تاریخ ادب ہندوستانی کی اہمیت کا احساس دلایا اور اس کے اہم ماخذات کی فراہمی میں مدد دی۔ ترجمہ کی اصلاح و ترتیب و تحقیق میں اگر ان کی رہنمائی و امداد شامل نہ ہوتی تو شاید میں اس کام کی تکمیل نہ کر سکتی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھی میرے شکر و سپاس کے مستحق ہیں اس لیے کہ اول اول موصوف ہی نے پیرس میں مجھے اردو پڑھائی اور انھیں کے (خطبات کے) ترجمہ سے مجھے اردو ادب و زبان کا شوق پیدا ہوا۔ اس ترجمے کے سلسلے میں بھی انھوں نے گارساں دتاسی کی زندگی کے متعلق بعض ضروری معلومات فراہم کیں اور یہ بڑی مفید ثابت ہوئیں۔

❁❁

فہرستِ ماخذ

یہ صرف ان کتابوں کی فہرست ہے جن کی مدد سے حاشیاتی نوٹ اور اقتباسات حاصل کیے گئے ہیں۔ (مترجم)

نثر

۱) سراپا سخن، مصنفہ سید محسن علی محسن، مرقومہ ۱۲۶۹ھ مطبوعہ اول ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۱ء مطبع نامی نول کشور لکھنو ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء لیاقت نیشنل لائبریری۔ کراچی

۲) تذکرہ شعرائے اردو موسومہ بہ انتخاب دواوین، مولفہ امام بخش صہبائی، سن تالیف و تصنیف ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۲ مطبوعہ ۱۸۴۲ء، ۱۸۱۱ء، ، نامکمل نسخہ لیاقت نیشنل لائبریری، کراچی۔

۳) گلدستہ نازنینان، از کریم الدین سال تصنیف رجب ۱۲۶۱ھ/موسوی ۱۸۴۵ء، مطبع رفاہ عام ص ۲۳۰، لیاقت نیشنل لائبریری صفحہ ۲۶۶۔

۴) مخزن نکات ۱۱۸۶، محمد قیام الدین قائم، مرتبہ مولوی عبدالحق سن تالیف ۱۱۶۸ھ، مطبوعہ انجمن ترقی اردو، ۱۱۲ شاعروں کا ذکر ہے صفحات ۸۰۔

۵) تذکرۂ ہندی، غلام ہمدانی مصحفی مرتبہ عبدالحق سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اردو ۱۹۳۳ء، ۵۴ سال تالیف تکمیل ۱۲۰۹ھ

۶) ریاض الفصحا، یا تذکرہ ہندی گویان، غلام ہمدانی مصحفی مرتبہ عبدالحق، انجمن ترقی اردو، ۱۹۳۴ء، سال تصنیف مکمل ۱۲۳۶ھ

۷) تذکرہ ریختہ گویان، فتح علی حسینی گردیزی، مرتبہ عبدالحق، انجمن ترقی اردو ۱۹۳۳ء، سال تصنیف ۱۱۶۶، نکات الشعراء کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ کل ۹۸ شعراء کا ذکر ہے۔

۸) تذکرہ شعرائے اردو میر حسن مرتبہ حبیب الرحمٰن خان شیرانی، سال تصنیف ۱۱۸۸ھ و ۱۱۹۲ء کے درمیان، مطبوعہ مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ ۱۳۴۰ھ

۹) نکات الشعراء: از میر تقی میر مرتبہ عبدالحق سال تصنیف ۱۱۶۵ھ مطبع انجمن ترقی اردو

۱۰) گلشنِ ہند، میرزا علی لطف، گلزار ابراہیم کا ترجمہ مع اضافہ سال ترجمہ ۱۲۱۵ھ میں مرتبہ عبدالحق، مطبوعہ دارالاشاعت پنجاب لاہور ۱۹۰۶ء۔

۱۱) گلزار ابراہیم، علی ابراہیم خان، ۱۱۹۸ھ/۱۷۸۴ء سال تصنیف مرتبہ محی الدین قادری زور، مطبوعہ انجمن

ترقی اردو، ۱۹۵۱ء بہ شمول گلشن ہند دارالاشاعت پنجاب ۱۹۰۶ء

۱۲) گلزار ابراہیم (نامکمل قلمی نسخہ مملوکہ انجمن اردو کراچی)

۱۳) مجموعہ نغز ابوالقاسم میر قدرت اللہ قاسم، مرتبہ شیرانی، مطبع لاہور ۱۹۳۳ء جلد اول سال تصنیف ۱۲۲۱ھ

۱۴) گلشنِ بے خار، مصطفیٰ شیفتہ، سال تصنیف ۱۲۵۰ھ مترجمہ کراچی یونیورسٹی سیمینار۔

۱۵) گلشنِ بے خار، مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء، لیاقت نیشنل لائبریری۔

۱۶) عمدۃ المنتخبہ، از اعظم الدولہ محمد سرور، ۱۲۱۹ھ سے شروع ہو کر ۱۲۲۴ھ میں قلمی نسخہ کتب خانہ خاص انجمن ترقی اردو۔

۱۷) بہارستان ناز، فصیح الدین رنج۔ سال تصنیف ۱۲۹۳ھ، قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو کراچی۔

۱۸) تذکرہ شعرائے ہند، کریم الدین وفیلن، سال تصنیف ۱۸۴۸ء انجمن ترقی اردو کراچی۔

۱۹) یادگار ضیغم: ضیغم لکھنوی (تذکرہ شعراء) نامکمل نسخہ، سال تصنیف ۸۶-۱۸۸۵ء، ۳-۱۳۰۲ھ، انجمن ترقی اردو کراچی۔ ان میں معاصر شعراء کا ذکر ہے، ۴۲۴ صفحات میں آخر میں شعراء کی فہرست ہے۔ واجد علی شاہ اختر کے نام سے تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ سرورق غائب ہے اس لیے مطبع کا پتہ نہیں چلتا۔ فصل کے لحاظ سے ۱۲۹۴ء اور سمیت کے لحاظ سے ۲-۱۹۴۱ء میں طبع ہوا۔

۲۰) تذکرہ شعرائے ہند (طبقات الشعراء) از مسٹر فیلن و کریم الدین، ۹۶۴ شاعروں کا ذکر ہے تقریباً گارساں دتاسی کے تذکرے کا ترجمہ ہے۔ دیباچہ بھی گارساں سے یکسر ماخوذ ہے صرف بعض اشعار کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ۱۸۴۸ء/۱۲۶۳ھ میں مطبع العلوم مدرسہ دہلی سے شائع ہوا۔

۲۱) سخن شعراء، از عبدالغفور نساخ۔ سال تصنیف ۱۲۹۱ھ مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ ۱۸۷۴ء۔ بارہ سال کی محنت کے بعد تیار ہوا۔

۲۲) چمنستان شعراء، لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی مملوکہ لیاقت نیشنل لائبریری۔

۲۳) آثار الصنادید..........سر سید احمد خان

۲۴) آرائشِ محفل..........شیر علی افسوس

۲۵) یورپین شعراء..........مرتبہ رام بابو سکسینہ مطبوعہ نول کشور ۱۹۴۱ء

۲۶) سروِ آزاد..........غلام علی آزاد بلگرامی مرقومہ ۱۱۶۶ھ مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۹۱۳ء

۲۷) پنجاب میں اردو..........از حافظ محمود شیرانی، مطبوعہ لاہور

۲۸) شعرالعجم..........از مولانا شبلی مطبوعہ معارف اعظم گڑھ

۲۹) شعرالہند..........عبدالسلام ندوی، مطبوعہ معارف اعظم گڑھ۔

۳۰) بحرالفصاحت..........نجم الغنی مطبع نول کشور۔

۳۱) حدائق البلاغت..........از امام بخش صہبائی

۳۲) مخزن الفوائد..........مہدی حسن ناصری

۳۳) ثقافت پاکستان..........مرتبہ شیخ محمد اکرام مطبوعات حکومت پاکستان

۳۴) ہماری موسیقی..........مرتبہ ریڈیو پاکستان

۳۵) لکھنؤ کا دبستان شاعری..........ڈاکٹر ابواللیث صدیقی

۳۶) دلی کا دبستان شاعری..........نورالحسن ہاشمی

۳۷) تاریخ ادب اردو..........رام بابو سکسینہ

۳۸) آب حیات..........محمد حسین آزاد

۳۹) مقدمہ شعروشاعری..........مولانا الطاف حسین حالی

۴۰) تاریخ ادب ہندی..........ظہیرالدین علوی

۴۱) نگار ''ہندی شاعری''..........مرتبہ نیاز فتح پوری ۱۹۴۶ء

۴۲) تاریخ زبان اردو..........ڈاکٹر مسعود حسن خان

۴۳) ادب ہندی..........ڈاکٹر محمد حسن

۴۴) ہندی ساہت کا اتہاس (ہندی ادب کی تاریخ)، از پنڈت شکلا

۴۵) نادرات شاہی، (محمد شاہ عالم ثانی کے اردو فارسی اور ہندی کلام کا مجموعہ مطبوعہ رام پور ۱۹۴۴ء ملوکہ لیاقت نیشنل لائبریری۔

۴۶) تذکرہ شاعرات اردو، مرتبہ محمد جمیل بریلوی مطبوعہ نوکتب خانہ بریلی ملوکہ لیاقت نیشنل لائبریری۔

۴۷) یورپ میں دکھنی مخطوطات از نصیرالدین ہاشمی مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۹۳۲ء

۴۸) گلِ رعنا از مولوی حکیم عبدالحئی، مطبوعہ معارف اعظم گڑھ ۱۹۴۳ء

۴۹) گلستان سخن..........از مرزا قادر بخش شاگرد صہبائی مرقومہ ۱۲۷۱ھ مطبوعہ نول کشور پریس لکھنو ۱۸۸۲ء/ ۱۲۹۹ھ

۵۰) منتخباتِ ہندی............از جان شیکسپیر مطبوعہ لندن ۱۸۳۴ء/۱۲۳۹ھ

۵۱) دکن میں اردو............ از نصیر الدین ہاشمی

۵۲) خطبات............گارساں دتاسی اردو ترجمہ مطبوعہ انجمن ترقی اردو دکن ۱۹۳۵ء

نظم

۱) کلیاتِ ولی............مرتبہ ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی مطبوعہ انجمن ترقی اردو

۲) کلیات سودا جلد اول و دوم............مطبوعہ نول کشور پریس

۳) کلیات میر............مرتبہ عبدالباری آسی مطبوعہ نول کشور پریس

۴) دیوانِ درد............مرتبہ عبدالباری آسی مطبوعہ نول کشور پریس

۵) دیوانِ میر حسن............مطبوعہ نول کشور پریس

۶) مثنویات میر حسن مرتبہ عبدالباری آسی............مطبوعہ نول کشور پریس

۷) دیوانِ ظفر............مطبوعہ نول کشور پریس

۸) مصحفی اور ان کا کلام............ڈاکٹر ابواللیث صدیقی

۹) دیوانِ حسرت............مملوکہ انجمن ترقی اردو

۱۰) کلیات جرأت............مملوکہ لیاقت نیشنل لائبریری

۱۱) دیوانِ تاباں............مطبوعہ انجمن ترقی اردو

۱۲) دیوانِ چندار............مرتبہ محوی مطبوعہ مدراس

دیوانِ بیدار............مرتبہ جلیل قدوائی مطبوعہ ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد۔

۱۳) نادراتِ شاہی............(شاہ عالم آفتاب کے کلام کا مجموعہ) مملوکہ لیاقت نیشنل لائبریری

۱۴) دیوانِ اختر............مملوکہ انجمن ترقی اردو کراچی۔

۱۵) کلیات انشا............مملوکہ انجمن ترقی اردو کراچی۔

۱۶) دیوانِ ذوق............مطبوعہ نول کشور پریس۔

❁❁

دیباچہ

گارسیں دتاسی

سنسکرت کی تعلیم و ترویج کے زمانے میں بھی ہندوستان میں مقامی بولیوں کا استعمال ختم نہیں ہوا تھا۔ شمال اور جنوب دونوں میں سنسکرت نے کبھی عام بولی کی حیثیت ختم نہیں کی تھی۔ ہندو ڈراموں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ سنسکرت صرف بڑے آدمیوں کی زبان تھی۔ عورتیں اور نچلے طبقے کے لوگ سنسکرت زبان کے مقابلے میں اپنی گنواری اور پراگندہ زبان پراکرت ہی کو استعمال کرتے تھے۔ پراکرت زبانوں کو سنسکرت کی جگہ لے لینے میں کچھ زیادہ عرصہ نہیں لگا کیوں کہ سنسکرت صرف ایک مقدس اور علمی زبان کی حیثیت سے باقی رہ گئی تھی۔

جو زبان شمال اور شمالی مغربی علاقے میں ابھری اس کا آسان اور سیدھا نام بھاشا یا بھاکا بمعنی زبان تھا۔ بعد میں اس کا نام ہندوئی یعنی زبانِ ہندو اور ہندی یعنی زبان ہند پڑ گیا[1]۔

آٹھویں صدی کے آغاز میں مسلمان فاتحانہ طور پر ہندوستان میں داخل ہوئے تھے خاص طور پر محمود غزنوی ۱۰۰۰ء میں بہت کامیاب ہوا اور شہر کی بھاکا زبان تبدیل ہونا شروع ہوگئی۔ چار سو سال کے بعد مغل تیمور لنگ ہندوستان میں داخل ہوا اور دہلی پر قبضہ کرلیا۔ اس طرح ہندوستان میں ایک مضبوط حکومت کی بنیاد پڑنے لگی جسے فی الحقیقت بابر نے ۱۵۰۵ء میں مستحکم کردیا۔ اس کے بعد ہندی زبان فارسی سے مخلوط ہونا شروع ہوگئی جس میں حکومت و مذہب کے زیرِ اثر عربی کے بے شمار الفاظ پہلے ہی سے داخل ہو چکے تھے۔ شہر میں لشکریوں کے خیمے لگ گئے اور ان کا تاتاری نام اردو لشکر رکھا گیا۔ اس جگہ خاص طور پر ہر شخص ہندو اور مسلمان اس نئی زبان کو استعمال کرنے پر مجبور ہوا اور اس کا نام زبانِ اُردو یا صرف اردو پڑ گیا۔ اسی اثنا میں ان مسلمان حکومتوں کے زیرِ اثر، جو کہ نربدا کے جنوب میں پھیلی ہوئی تھیں، جنوبی ہند میں بھی ایک کامیاب لسانی عمل رونما ہونے لگا اور اس جگہ ہندو مسلمانوں کی اس مشترک بولی نے دکنی کی صورت اختیار کرلی۔ ان

دونوں بولیوں میں سے قرونِ وسطیٰ کی فرانسیسی بولیوں کی طرح مسلمانوں کی فتوحات کے اثر سے ایک کا ارتقاء جنوب میں اور ایک کا شمالی ہند میں ہوا پھر بھی شمال اور شمال مغرب کے دیہی علاقوں نے اپنی قدیم اصل زبان ہندی کا استعمال ترک نہ کیا تھا۔

اگر چہ اظہار کے طریقۂ کار کے لحاظ سے اردو اور ہندی ایک دوسرے سے مختلف ہیں پھر بھی اصل میں انھیں ایک ہی زبان سمجھنا چاہیے کیوں کہ ان کے صرفی ونحوی عناصر وہی ہیں جن کو مغرب میں ہندوستانی کا نام دیا جاتا ہے۔ مغرب میں ہندوستانی کے مفہوم میں ہندوئی، ہندی، دکنی اور اردو سبھی شامل ہیں۔ لیکن اہل ہند اس نام کو زیادہ پسند نہیں کرتے وہ ان دونوں میں فرق کرتے ہیں اور دیوناگری یا ناگری[۲] رسم الخط کی ہندو بولی کو ہندی اور فارسی رسم الخط کی بولی کو اردو کہتے ہیں۔ حتیٰ کہ اہل مغرب بھی اب ان دونوں اصطلاحوں کو استعمال کرنے لگے ہیں۔

جب تک مسلمان حکومتوں کا قیام رہا اگر چہ اس میں سیاسی، عدالتی اور سرکاری زبان کی حیثیت سے فارسی زبان بالعموم مستعمل تھی پھر بھی تمام ہندوستان میں اردو، فارسی رسم الخط میں مقبول رہی ہے۔ کچھ مدت تک انگریزی حکومت نے مروجہ سرکاری زبان کو قائم رکھا لیکن اس مشکل کو محسوس کر کے کہ ہندوستانیوں کے لیے فارسی ایک بیرونی زبان ہے، اس نے عوام کے فائدے کے لیے ۱۸۳۱ء میں ہر صوبے میں فارسی کو علاقائی زبان سے بدل دیا۔

اس میں شبہ نہیں کہ اردو کا انتخاب شمالی اور شمالی مغربی صوبوں کے لیے کیا گیا تھا لیکن تمام ہندوستان میں عام طور پر اس بے لاگ فیصلے کو سراہا گیا اور سینتیس سال تک ایسی کامیابی سے کام ہوا کہ کسی کو شکایت کا موقع نہ ملا۔ لیکن کئی برسوں سے ہندوستان میں بھی وہی رجحان پیدا ہوگیا ہے جو یورپ میں قومی جذبے کے نام سے رونما ہوا تھا۔ چوں کہ ہندوؤں نے، جو مسلمانوں کے عہد میں سیاست میں حصّہ نہیں لے سکتے تھے، اس لیے ان کا اقتدار ختم ہوتے ہی ردِ عمل کے طور پر انھوں نے اس اقتدار سے نجات حاصل کرنا چاہا جو مسلمانوں کے اثر کا نتیجہ تھا اور اس کے لیے انھوں نے اردو پر حملے کرنے شروع کیے، کیوں کہ اردو کا رسم الخط فارسی تھا اور اردو ہی میں حکومت کی مہریں لگتی تھیں۔ وہ اپنے رجعت پسندانہ خیالات کی تائید میں جو دلیلیں پیش کرتے ہیں وہ بڑی کمزور ہوتی ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ملکی زبان (دیہاتی زبان سے مراد ہے) اردو نہیں ہندی ہے لیکن اس حقیقت کو نظر انداز کر جاتے ہیں کہ اردو ایک خوبصورت ادبی سرمایہ کی مالک ہے۔ اس کے برعکس ہندی خالص ادبی حیثیت سے تقریباً اب تک استعمال نہیں ہوئی۔ پھر یہ بھی ہے کہ ہر

گاؤں اور ہر فرقے کی ہندی ایک دوسرے سے الگ ہے۔ یہ مسئلہ اسی نوعیت کا ہے جیسا کہ فرانس میں تنگ نظر قوم پرستوں نے پرووینسال (Provencial) بولی کو از سر نو زندہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ ہندو، فارسی رسم الخط کے مخالف ہیں اور ناگری کو ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت کے برعکس ہے اور اس کو ترجیح دینا تعصب سے اندھے ہو جانے کے مترادف ہے کیوں کہ یہ خوبصورت ناگری نہیں ہے بلکہ ہاتھ سے لکھی ہوئی یہ پراگندہ ناگری، خط شکستہ سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ لیکن مسلمانوں نے بڑی حوصلہ مندی کے ساتھ ان کے حملوں کا مقابلہ کیا اور ایسے قوی دلائل پیش کیے کہ میرے نقطۂ نظر سے بہت کامیاب رہے۔

یہ اختلاف دراصل نسل و مذہب کی وجہ سے ہے جو اس مسئلے میں دخیل ہو گئے ہیں، حالانکہ ان میں سے کوئی فریق اختلاف کے اس سبب کو تسلیم کرنے پر رضامند نہیں ہے۔ یہ اختلاف دراصل توحید و شرک یا انجیل و وید کا اختلاف ہے اور مسلمان انجیل پر ایمان رکھتے ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ انگریزی حکومت ہندوؤں کے مطالبہ کو تسلیم کرے گی یا مسلمانوں کی اس زبان کو قائم رکھے گی جن کی وہ وراثت ہے۔ کون جانتا ہے کہ انگریزی حکومت رومن حرف تہجی کو رواج دے کر ہمیشہ کے لیے اس اختلافی مسئلے کو ختم کر دے گی یا رکھے گی لیکن اگر ایسا ہوا تو یہ ادبی نقطۂ نظر سے بڑا افسوس ناک واقعہ ہوگا۔ لیکن یہ اختلافی سوال جو رسم الخط کی وجہ سے زیر بحث آیا ہے میرے لیے چنداں اہمیت نہیں رکھتا کیوں کہ میرا موضوع جیسا کہ میری کتاب کے عنوان سے ظاہر ہے تمام ایسی زبانوں کا احاطہ کر لیتا ہے۔

اول بات یہ ہے کہ ہندوستانی ایک بولی کی حیثیت سے تمام ایشیا میں اپنی شگفتگی اور پاکیزگی کے لیے ایسی مشہور ہے کہ کوئی دوسری زبان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی[۳]۔ ایک مقولے کے تحت کہا جاتا ہے کہ مسلمان عربی کو مشرقی مسلمانوں کی تمام زبانوں کی بنیاد اور دوسری زبانوں کے مقابلے میں عربی کو جامع اور مکمل سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک ترکی زبان آرٹ اور ہلکے پھلکے ادب کے لیے موزوں ہے جب کہ فارسی تاریخ و شاعری کی زبان ہے۔ لیکن جس زبان نے عوام کے تقاضوں کی بدولت اپنے اندر ان تینوں زبانوں کی خصوصیات پیدا کر لی ہیں وہ ہندوستانی ہے جسے وہ روزانہ کی بول چال اور عملی زندگی میں سہولت کی غرض سے دوسری زبانوں پر ترجیح دیتے ہیں[۴]۔ حقیقت میں ہندوستان کی عام بولیوں میں ہندوستانی ہی سب سے زیادہ وسیع البیان اور نرم زبان ہے اور اسی کا جاننا سب سے زیادہ فائدہ مند ہے کیوں کہ یہی زبان زیادہ استعمال ہوتی ہے[۵]۔

شمالی اور شمالی مغربی علاقے کی عدالتوں اور دفتروں میں جب سے فارسی کی جگہ ہندوستانی سرکاری

زبان کی حیثیت سے استعمال ہونے لگی ہے اس نے اور زیادہ اہمیت حاصل کر لی ہے۔

تحریری زبان کی حیثیت سے میں ہندوستانیات کے مشہور عالم مسٹر ولسن کا ہم نوا ہوں جن کا ایک قول ہے اور جس کے مطابق ہندی بولیوں کا الگ اپنا ادب ہے جو بڑا دلچسپ ہے۔ اس میں صرف شاعرانہ ہی نہیں بلکہ تاریخی اور فلسفیانہ دلکشی بھی ہے۔ سب سے پہلے ہمیں ہندوستانی کی تاریخی دلچسپیوں کا جائزہ لینا چاہیے۔ اس ہندوئی زبان میں، جسے ہندوستانیوں کی زبان کہا جا سکتا ہے، بہت سے منظوم مخطوطات موجود ہیں جو ہندوستان کے اس زمانے سے تعلق رکھتے ہیں جسے عہدِ وسطیٰ کہہ سکتے ہیں۔ ان مخطوطات کی اہمیت کا اندازہ اس طور پر کیا جا سکتا ہے کہ ان میں چند ایک نظم ہے جو بارہویں صدی عیسوی میں لکھی گئی۔ اس نظم کی مدد سے Tod[۱] نے راجستھان کی تاریخ مرتب کی ہے۔ دوسری کتاب لال کوی کی تاریخ بُندیلہ ہے جو سترہویں صدی کے شروع میں لکھی گئی ہے۔ لال کوی کی اس کتاب کی شہرت میجر پوگسن (Pogso) کی بدولت ہوئی۔ اگر چہ یورپ اب تک اس قسم کی چھ کتابوں کے سوا اور کسی کتاب سے واقف نہیں ہوئے لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ اس میں اور کتابیں نہ ہوں گی۔ ہندوستانیات کے عالم مسٹر ولسن جن کا حوالہ اس سے پہلے دیا جا چکا ہے بیان کرتے ہیں کہ ایسی کئی کتابیں راجپوتانہ کی ریاست[۲] میں موجود ہیں اور خوش قسمتی سے میں نے اس قسم کی کئی کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہر سیاح معمولی سی کوشش کرنے کے بعد ان کو حاصل کر سکتا ہے۔

ہندوئی اور ہندوستانی میں دلچسپ سوانحی مواد بھی ملتا ہے ان میں سے سب سے زیادہ اہم اور خاص بھگتا مل ہے۔ یہ مشہور رشیوں کی ایک سوانح حیات ہے اور سولہویں صدی کے آخر میں لکھی گئی ہے جس کے فوراً بعد بہت سی سوانح حیات مرتب ہوئی ہیں۔

فلسفیانہ دلچسپی کے لحاظ سے جو چیز مخصوص نقطۂ نظر کی شمولیت کی وجہ سے اہم ہے اور جسے بلند روحانی شخصیتوں میں بہت پسند کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستانی زبان ہی نے ہندوستان میں مذہبی اصلاح کا کام کیا ہے۔ جیسا کہ یورپ میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے لوگ تقریبوں اور واعظانہ محفلوں میں عام فہم زبانوں کو استعمال کرتے ہیں اسی طرح ہندوستان میں ہندو اور مسلمانوں دونوں کے پیشواؤں نے ہندوستانی کو اپنے اپنے عقائد کے پرچار کا ذریعہ بنایا ہے۔ مثال کے طور پر، نانک، دادو، بیر بھن، بختاور اور اس کے بعد سید احمد جو کہ مسلمانوں کے جدید ترین مصلح ہیں، انھوں نے ہندوستانی میں صرف کتابیں نہیں لکھیں بلکہ ایسی دعائیہ نظمیں بھی لکھی ہیں جو ان کے مقلدین پڑھتے تھے اور ایسے گانے بھی لکھے ہیں جو گائے جاتے تھے۔

شاعرانہ دلچسپی کے اعتبار سے ہندوستانی ادب خاص طور پر بڑا اہم ہے اور اس کا مقابلہ کسی بھی زبان کے ادب سے کر سکتے ہیں۔ ہر ادب دراصل مقامی رنگ رکھتا ہے اور یہی اس میں دلکشی پیدا کرتا ہے بقول ایک فارسی شاعر ہر پھول بلحاظ رنگ و نکہت اپنی الگ خصوصیت رکھتا ہے[۸]۔ ہندوستان شعر وسخن کے اعتبار سے ایک قدیم ملک ہے اور اس میں تاریخ، داستان، انشاء، تدریسی کتب اور لغات کے علاوہ سکوں پر کتبے بھی ملتے ہیں لیکن یہ شاعرانہ دلچسپی صرف الفاظ کے تناسب اور ان کے صوتی آہنگ تک محدود نہیں ہے بلکہ اس میں اس سے بھی کچھ زیادہ اہم چیزیں ہیں[۹]۔ مثال کے طور پر اس میں قدرتی مناظر کی تصویر کشی ہے، ملکی حالات کی عکاسی ہے اور عوام کے زندگی کی تفصیل ہے اور ان سے ہمیں ایسے واقعات معلوم ہو جاتے ہیں جن سے لوگ بڑی حد تک بے خبر ہیں۔

میں یہ بھی کہوں گا کہ ہندوستانی شاعری کا مقصد مذہبی فروغ اور بلند فلسفیانہ خیالات کو ہر دل عزیز بنانا ہے۔ حقیقت میں اگر آپ اردو شاعری کی کوئی کتاب کھولیں تو آپ دیکھیں گے کہ اس میں کنول اور بھونرا، گل و بلبل اور شمع و پروانہ وغیرہ کے قسم کی بہت سی تمثیلیں ملتی ہیں جو خداوند تعالیٰ اور بندے کے وصل پر دلالت کرتی ہیں۔

ہندوستانی ادب کے ذخیرے میں سب سے زیادہ عام مواد غزلوں کے مجموعے یعنی دواوینِ ادب اور منظوم داستانوں کی شکل میں ہے۔ آخر الذکر صنف خاص طور پر دکنی میں پائی جاتی ہے۔ یہ بات فارسی اور ترکی میں بھی ہے اور ان تینوں میں بہت سی خصوصیات مشترک ہیں۔ ہندوستانی ادب میں بہت سے ایسے گیت ہیں جنھیں قبول عام حاصل ہے۔ ساتھ ہی جدید ہندوستانی میں ڈرامے بھی کثرت سے ملتے ہیں۔

غالباً قارئین مجھ سے یہ توقع کریں گے کہ میں اردو اور ہندی شاعری کے ان مختلف اصناف کو واضح کروں جن کو ہندوستانی شعراء نے اپنایا ہے۔ ہندی میں صرف منظوم تصانیف ملتی ہیں۔ ان اشعار میں وزن اور آہنگ ہے اور یہ نظمیں عام طور پر چوپایوں میں تقسیم کر دیے گئے ہیں جو قوافی و ردیف کے اعتبار سے الگ الگ ہیں۔ لیکن ہندوستانی کی طرح ہندی میں بھی بعض تصانیف نثر یا مقطی نثر میں ہیں لیکن ایسی نثر میں اکثر اشعار بھی شامل رہتے ہیں جو عام طور پر بطور حوالہ نقل کیے جاتے ہیں۔

اگر ہم مسٹر گوڑے سیو (Gorresio) کی اس سنسکرت تقسیم کی تقلید کریں جو انھوں نے رامائن کے خوبصورت ایڈیشن کے دیباچے میں دی ہے تو ہمیں ہندی ادب کے مواد کو چار قسموں میں تقسیم کرنا پڑے گا۔

۱) اکھیانا بمعنی داستان: ان میں ایسی نظمیں اور قصے ہیں جن کے موضوع کا تعلق مقبول کہانیوں سے

ہے۔ ان میں سے بعض قصے فارسی رسم الخط میں ہیں اور مثنوی کی طرح ان کے ہر شعر کا قافیہ جدا ہے۔

۲) ادی کاویا بمعنی قدیم شاعری: اس کا اطلاق بالعموم رامائن پر ہوتا ہے۔

۳) اِتہاسا: بمعنی تاریخ۔ اس میں مشہور اور تاریخی قصے مثلاً مہابھارت کے ساتھ اور بھی منظوم مخطوطات شامل ہیں۔

۴) کاویا: یہ لفظ مشرقی مسلمانوں کے لفظ ''نظم'' کے ہم معنی ہے اور اس میں تمام ایسی چھوٹی نظمیں ہیں جن کا میں آئندہ ذکر کروں گا۔

نمبر تین کی کہانیوں کا اطلاق نظم آمیز نثری قصوں اور خاص طور پر ایسے قصوں اور کہانیوں پر ہوتا ہے جن میں طوطا کہانی، سنگھاسن بتیسی اور بیتال پچیسی وغیرہ شامل ہیں۔

مشرقی بادشاہوں سے کسی حق بات کا منوانا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ وہ اپنی مرضی کے حاکم ہیں اور ان کی تردید کرنے کی کسی میں مجال نہیں ہے۔ اسی لیے شاعر سعدی کہتے ہیں اگر عین دوپہر کو بادشاہ رات کہے تو کہنا چاہیے کہ بیشک چاند اور ستارے بھی نکلے ہوئے ہیں۔ اسی لیے ان نازک دماغ بادشاہوں کے کانوں تک سچائی کا پیغام پہنچانے کے لیے تمثیلی قصوں کا سہارا لیا گیا ہے اور اسی لیے عام طور پر مثالی قصے ایسے پند و نصائح سے مملو ہوتے ہیں جو ظالم بادشاہوں کو موقع بہ موقع سبق دیتے رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایران کے ایک وزیر سے جو کہ جانوروں کی زبان سمجھنے کا دعویدار تھا جب اس کے بادشاہ نے دریافت کیا کہ ''دو الّو آپس میں کیا بات کر رہے ہیں''؟ تو وزیر نے کہا ''یہ آپ کو اپنی اس پناہ گاہ کے لیے دعا دیتے رہے ہیں جو آپ کی بدانتظامی کی وجہ سے انھیں کھنڈرات کی صورت میں حاصل ہے''۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ مشرقی کہانیوں میں سیاست بڑی اہمیت رکھتی ہے اور واعظانہ کہانیوں کے مطالعہ سے ہر شخص اس کا بخوبی اندازہ کر سکتا ہے۔

قصوں کی اس شگفتہ و دلکش زبان کی بدولت لوگ نصائح کو بڑی آسانی سے قبول کر سکتے ہیں اور جیسا کہ ایک اردو شاعر نے کہا ہے صرف مواد ہی کلام کو دلچسپ نہیں بناتا بلکہ مؤثر لب و لہجے سے اس میں دل پر اثر کرنے کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ یہاں پر ہندی کی مشہور اصناف شعری کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ ابھنگ: یہ ایک قسم کی نظم ہے جس میں انگریزی کی طرح صرف الفاظ کے صوتی آہنگ سے مصرعے بنتے ہیں سنسکرت و یونانی اور لاطینی کی طرح نہیں جس میں صرف مختصر اور طویل شعر موزوں کیے جاتے ہیں۔ یہ نظم عام طور پر مہاراشٹر میں استعمال ہوتی ہے۔

۲۔ الھا: یہ ایک نظم ہے جو اپنے موجد کے نام سے مشہور ہے[۱۰]۔

۳۔ بسنت: یہ ایک راگ کا نام ہے اور ایسی نظم کو بھی کہتے ہیں جو اس راگ سے بنتی ہے۔ مسٹر گلکرسٹ[۱۱] اور ویلارڈ[۱۲] نے اپنی کتابوں میں تمام راگ اور راگنیوں کو تشریح کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان راگوں کے ناموں کا جاننا ضروری ہے اس لیے کہ شاعری کا انحصار انہی راگوں پر ہے لیکن میں یہاں ان چھ راگوں کا ذکر کروں گا جو بالعموم تحریری شاعری میں مستعمل ہیں۔

۴۔ بداھوا: یہ اسی قسم کی چیز ہے جسے مسلمان مبارکبادی یا تہنیت کا نام دیتے ہیں اس میں چار مصرے ہوتے ہیں۔ پہلے اور آخری مصرے میں یکسانیت ہوتی ہے۔ یہ تہنیت کے قسم کی ایک نظم ہے جو شادی بیاہ اور بچوں کی پیدائش وغیرہ کی تقریبات میں پڑھی جاتی ہے۔

۵۔ بروایا بروی: اس نظم میں دو شعر بروا راگ پر ہوتے ہیں اور اردو میں یہ خیال کے مترادف ہے۔ اس کی مثال سبھا ویلاسا میں ملتی ہے۔

۶۔ بھگت مارگ: یہ ایک خاص قسم کی نظم ہے جس کا موضوع کرشنا ہے[۱۳]۔

۷۔ بھتیال: یہ ہندو نوحہ ہے جو مسلمانوں کے مرثیہ سے ملتا جلتا ہے۔

۸۔ بھجنگا یا بھجنگ: اس قسم کی نظم کو Tod نے Lenghthened Serpentine Couplet کہا ہے[۱۴]۔

۹۔ چپائی: یہ ایک قسم کی نظم ہے جس میں آٹھ رُکنی چھ مصرے یا تین شعر ہوتے ہیں جن کو اچپائی کہتے ہیں۔ پہلے اور آخری مصرے ایک ہی ہوتے ہیں۔

۱۰۔ چرن: یہ نصف چوپائی اور چوتھائی دوہے کا نام ہے۔ یہ پد کے مترادف ہے۔

۱۱۔ چرنا کلا چند: مختلف قسم کی نظموں سے متعلق ہے۔ اس کی مثال مہا بھارت ہے۔

۱۲۔ چترنگ: یہ چار ٹکڑوں کی نظم ہے جس میں چار مختلف لحنیں ہوتی ہیں یہ لحنیں خیال، ترانہ[۱۵]، سرگم[۱۶] اور تروت[۱۷] ہیں۔

۱۳۔ چوپائی: یہ چار مصرعوں یا دو شعروں کی نظم ہے لیکن تلسی داس کی رامائن میں اس قسم کی نظموں میں نو اشعار اور اوشا چرتر کی نظموں میں صرف پانچ اشعار ہیں۔ ۱۴ چھند۔ چھ شعروں کی نظم جو تلسی داس کی رامائن میں بہت ملتی ہے اور لاہور میں خاص طور پر مروج ہے۔

۱۴۔ چٹکلا: یہ ایک خوشگوار خیال کی قسم کی چیز ہے اور دو ٹکون سے بنتا ہے۔

۱۵۔ دادرا: یہ ایک قسم کا عشقیہ گانا ہے جو بندیلکھنڈ اور بھگل کھنڈ میں بہت مقبول ہے۔ اور اسے عام طور پر

عورتیں گاتی ہیں۔

۱۶۔ دھمال: یہ ہولی کے موقع کا گانا ہے۔

۱۷۔ دھرپد: یہ ایک پانچ ہم قافیہ مصرعوں کی مختصر نظم ہے۔ اس میں بہت سے موضوعات آ جاتے ہیں۔ لیکن بالخصوص یہ شجاعت و بہادری کے اظہار کے لیے لکھی جاتی ہے۔ اس گانے کو ایجاد کرنے والے گوالیار کے راجہ مان ہیں۔

۱۸۔ دیپاچندی: یہ بھی ہولی کے موقع کا گانا ہے۔

۱۹۔ دوھایا دوھرا: بمعنی شعر، یعنی اس میں دو مصرعے ہوتے ہیں۔ مسلمان اسے بیت کہتے ہیں۔

۲۰۔ ڈومرا: یہ اس قسم کے گانے کا نام ہے جسے اسی نام کی ذات کے لوگ گاتے ہیں۔ پہلے مصرعے کے بعد ایک شعر دو لمبے مصرعوں کا ہوتا ہے اور دوسرے شعر کے آخری مصرعہ کی جگہ پہلا مصرعہ آتا ہے۔

۲۱۔ گالی: یہ ان شوخ قسم کے گانوں کو کہتے ہیں جو شادی بیاہ اور تہواروں کے موقع پر گائے جاتے ہیں۔

۲۲۔ گان: یہ ایک عام لفظ ہے جس سے مختلف قسم کے گانے مراد ہو سکتے ہیں۔

۲۳۔ گیت: یہ بھی عام نام ہے اور اس میں مختلف قسم کے گانے اور عشقیہ نظمیں شامل ہیں۔

۲۴۔ گجری: یہ ایک راگنی کا نام ہے۔

۲۵۔ ہنڈولا: اس گانے کو ہندوستانی عورتیں جھولا جھولنے کے وقت گاتی ہیں۔

۲۶۔ ہولی یا ہوری: یہ ایک ہندو تہوار کا نام ہے جس کے متعلق میرے مضمون ''ہندوستان کے مقبول تہواروں کا منظر'' سے صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے [۵]۔ ہولی ان گانوں کو بھی کہتے ہیں جو اس تہوار کے موقع پر گائے جاتے ہیں۔ ضمیر کے بیان میں ہولی کا ایک اچھا نمونہ ملے گا۔ ہولی عام طور پر دو شعر کی ہوتی ہے اور پہلے اور آخری مصرعے اکثر یکساں ہوتے ہیں۔

۲۷۔ جگت پرنن: یہ ایک ہندی بیانیہ نظم ہے۔

۲۸۔ جت: یہ بھی ہولی کے موقع کی نظم ہے۔

۲۹۔ جایاکوی چھند: یہ ایک قسم کی نظم ہے جس کا نمونہ مہا بھارت کے اس قصے میں ملے گا جو میری کتاب *Rudiments etc.* میں دیا گیا ہے۔

۳۰۔ جھولنا: یہ ہنڈولا کی طرح جھولنے جھلانے کے موقع کا گانا ہے۔ کبیر نے کچھ جھولے لگائے ہیں اس کا نمونہ گلکرسٹ کے ترجمہ *Oriental Linguist* پر ملے گا۔

۳۱۔ گیت یا گیتا: یہ چار شعروں کی مختصر نظم ہے۔
۳۲۔ کہروا: ملار کے قسم کا ایک گانا ہے جو دراصل ایک قسم کے رقص کا نام ہے جس میں مرد عورت کے لباس میں اور عورت مرد کے لباس میں ناچتی ہے۔ گانا اس وقت گاتے ہیں جب وہ رقص کرتے ہیں۔
۳۳۔ کرکھا: یہ راجپوتوں کی رزمیہ نظم ہے جو فوجیوں کی ہمت افزائی کے لیے گائی جاتی ہے۔ اس کے پیشہ ور گانے والے بھی ہوتے ہیں جنھیں کرکھائیت یا دھاری کہتے ہیں۔
۳۴۔ کیرتن: یہ بھی ایک قسم کا گانا ہے جس میں مخصوص راگ ہوتے ہیں۔
۳۵۔ کنڈلیا یا کندریا: یہ ایک قسم کی نظم ہے جو اسی لفظ پر ختم ہوتی ہے جس سے شروع ہوتی ہے[۱۹]۔
۳۶۔ ملار یا ملہار: یہ ایک راگنی اور ایک مختصر نظم کا نام ہے جو ہندوستان میں برسات کے موسم میں گائی جاتی ہے جو کہ عشق و محبت کا موسم بھی ہوتا ہے۔
۳۷۔ منگل یا منگل اچار: یہ ایک مختصر نظم ہے جو تہواروں اور تقریبوں پر پڑھی جاتی ہے۔ یہ مبارک باد دینے کے موقع پر بھی گائی جاتی ہے۔
۳۸۔ مکھری یا مکرنی: یہ ایک قسم کی نامعلوم پہیلی ہے جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عورت کوئی بات اس طرح سے کہتی ہے کہ سننے والا اسے کچھ اور سمجھتا ہے[۲۰]۔
۳۹۔ پر: یہ دوہا کے چوتھائی یا چوپائی کے نصف کو کہتے ہیں۔ یہ ایک قسم کا گانا بھی ہے۔
۴۰۔ پہلی: یہ بوجھنے والی کہانی کو کہتے ہیں۔
پکھانا: ایک قسم کی مختصر عشقیہ نظم ہے جس میں عورت کا بیان ہوتا ہے۔ اس میں کچھ اور فقرات استعمال کیے جاتے ہیں جو ایک ہی حروف سے شروع ہوتے ہیں[۲۱]۔
۴۱۔ پالنا: یہ ایک گانا ہے جو بچوں کو جھلانے کے وقت گایا جاتا ہے۔
۴۲۔ پربھاتی: یہ ایک راگنی اور نظم ہے جسے اسی راگ پر سادھو گاتے ہیں، بیربھن کی شاعری میں پربھاتی کی مثالیں ملتی ہیں۔
۴۳۔ پربندھ: قدیم ہندی ''گانا'' ہے۔
۴۴۔ راگ: یہ ہندو گانے کی ایک صورت ہے اور ایک قسم کی نظم ہے جو مسلمانوں کی غزل سے ملتی جلتی ہے، اسے راگ پربھا کہتے ہیں، اس کی کچھ مثالیں سورداس کی شاعری میں پائی جاتی ہیں۔
۴۵۔ راگ ساگر: یہ ایک قسم کا گانا ہے، جس کے ہر بند کا راگ مختلف ہوتا ہے۔

۴٦۔ راگ مالا: یہ مختلف راگوں کے مختلف اشعار کے مجموعے کا نام ہے۔
۴۷۔ رامائنی: یہ ایک قسم کی اخلاقی نظم ہے اور اس کی مثالیں کبیر کے یہاں بکثرت ہیں۔
۴۸۔ رام پد: یہ نظم رام کی تعریف میں کہی جاتی ہے اور اس کے ہر مصرعے میں پندرہ صوتی حرکتیں (Syllable) ہیں۔
۴۹۔ راس: یہ نظم کرشنا کی تعریف میں ہوتی ہے۔
۵۰۔ رسادک: یہ ایک مختصر عشقیہ نظم ہے جس میں چار اشعار ہوتے ہیں۔ بہت سے مقبول گانوں کا عنوان بھی یہی ہے۔
۵۱۔ رولا چند: ہندی مہابھارت کے شکنتلا نامی حصے میں ایک رولا چند نام کی نظم ہے اور اس میں ۲۲ طویل اشعار ہیں۔
۵۲۔ سبد یا سبدی: یہ کبیر کی مختلف نظموں کے مجموعہ کا مخصوص نام ہے۔
۵۳۔ سادرا: یہ کرکھا کے انداز کا گانا ہے جو برج اور گوالیار میں بہت مقبول ہے۔
۵۴۔ سکھی، سکھیاں: یہ کبیر کی کچھ نظموں کے مجموعے کا مخصوص نام ہے۔ سکھی سنبندھ ایک قسم کا عشقیہ گانا ہے جس میں کرشنا اور گوپیوں کا ذکر ہوتا ہے۔
۵۵۔ سمائے: یہ کبیر کے بھجنوں کا خاص نام ہے۔
۵٦۔ سنگیت: یہ گانا رقص کے ساتھ ہوتا ہے۔
۵۷۔ سوہلا: اس کے معنی تہوار کے ہیں اور اس قسم کی نظموں کو کہتے ہیں جو تقریبات، خاص طور پر شادی کے موقعوں پر گائی جاتی ہیں۔ ویلارڈ نے اپنی دلچسپ کتاب ''ہندوستان کی موسیقی'' میں اس گانے کا ذکر کیا ہے۔
۵۸۔ سورٹھ: یہ ایک راگنی اور مختصر نظم کا نام ہے جو مخصوص وزن میں ہوتی ہے۔
۵۹۔ استوت یا استوتی: یہ مزاحیہ گانے ہیں۔
٦۰۔ ٹپا: یہ ایک قسم کی مختصر عشقیہ نظم ہے جو اسی نام کے راگ پر گائی جاتی ہے اور جسے بھیرو بھی کہتے ہیں۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے پہلے مصرعے کا انترا نظم کے آخر میں آتا ہے۔ گلکرسٹ نے اسی قسم کی نظموں کا نام انگریزی میں glee بہت صحیح رکھا ہے۔ یہ پنجاب کے مقبول گانوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس نظم میں خاص بات یہ ہے کہ اس میں ہندی کے ''کو'' اور ہندوستانی ''کے'' کی جگہ دا و یادا استعمال کرتے ہیں [۲۲]۔

۶۱۔ ٹھمری: یہ بعض مقبول ہندی گانوں کا نام ہے جو چند مصرعوں سے بنتے ہیں، یہ گانے عام طور پر عورتوں میں گائے جاتے ہیں۔

۶۲۔ تک: یہ غالباً مصرعہ یا فرد کو کہتے ہیں۔

۶۳۔ وشنو پد یا بشن پد: یہ ڈومرا کے انداز کی نظم ہے لیکن فرق یہ ہے کہ اس میں صرف وشنو کی تعریف ہوتی ہے۔ اس کا موجد سورداس خیال کیا جاتا ہے اور یہ متھرا میں بالخصوص گائی جاتی ہے۔

برصغیر کے ہندو دور سے قطع نظر جب ہم مسلم ہندوستان پر نظر ڈالتے ہیں تو مسلمانوں کے علم بدیع کے مطابق ہندوستانی اردو اور دکنی شاعری کی سات خاص قسمیں ہوتی ہیں[۲۳]۔

۱) الحماسہ

۲) المراثی

۳) الادب والنصیحت

۴) الحیب، عشقیہ شاعری

۵) الثناء والمدیح

۶) الہجا

۷) الصفات

پہلی قسم میں قصائد اور خاص طور پر ایسی تاریخی نظمیں شامل ہیں جن کو نامہ کہتے ہیں، ان میں منظوم کہانیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ ان تاریخی قصوں کو اس طرح بھی پیش کیا جاتا ہے کہ اس میں نثری قصے کے ساتھ اشعار بھی شامل ہوں۔ دراصل یہی کہانیاں جو مشرقی تخیل کی بدولت حسین و دلکش ہوگئی ہیں تاریخی ناولوں کو وجود میں لانے کا باعث ہوتی ہیں۔ ان مشرقی تحریروں سے مغربی رزمیہ نے اثر قبول کیا ہے[۲۴]۔

مشرقی قصوں کے موضوع کو رومانی انداز میں مختصر کہانیوں کی صورت میں پیش کیا گیا ہے، جن میں سے اکثر عرب، ایران اور ترکی اور مسلم انڈیا میں بہت عام ہیں، مثلاً سکندر کی مہمات، خسرو شیریں کا معاشقہ، یوسف زلیخا اور لیلیٰ مجنون۔ کئی شاعروں نے اس قسم کے پانچ بلکہ سات قصوں کو مثنوی کی شکل میں جمع کر کے اس کا نام خمسہ یا ہفتہ رکھا ہے جیسے خمسۂ نظامی، خمسۂ خسرو اور ہفتہ جامی وغیرہ۔

مشرقی رومانی قصوں میں شجاعت و نبرد آزمائی کا عنصر بھی بہت ملے گا۔ مثلاً عرب کی مشہور کہانی عنتر میں دوسری رومانی قدیم کہانیوں کی طرح ایک شخص تلوار سے قتل بھی کرتا ہے، درختوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا

ہے اور مقابل کی ساری فوج کو تنہا موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔ بہادری کے یہ نمونے ہندوستان میں قصۂ امیر حمزہ اور خاور نامے وغیرہ میں ملتے ہیں۔ پہلی قسم کے مشرقی قصوں میں الف لیلیٰ جیسی کہانیاں شامل ہیں جن کے ہندوستان میں منظوم و منثور ترجمے ہو چکے ہیں مثلاً خرد افروز اور مفرح القلوب وغیرہ۔

دوسری قسم میں مرثیے شامل ہیں جو حضرت حسینؑ، حسنؑ اور ان کے رفقاء کی شہادت کے موضوع پر کہے جاتے ہیں اور جو کہ مسلم انڈیا میں بہت عام ہیں۔

تیسری قسم میں پند نامے شامل ہیں جو اخلاقی نظمیں ہیں جیسے سراج کے Ecclesiastes یا اخلاق جو کہ پند و نصائح کی ایک کتاب ہے اور اس میں گلستان کی طرح نثر و نظم دونوں شامل ہیں۔ اس میں گلستان یا سیر عشرت کی ہو بہو تقلید کی گئی ہے۔

چوتھی قسم میں صرف عشقیہ شاعری ہی نہیں بلکہ معشوقانہ غزلیں بھی ہیں جو عشق حقیقی کی مظہر ہیں۔ ان میں روحانی اور جنسی دونوں پہلو شامل ہیں اور یہ آمیزش کبھی اس انداز میں کی گئی ہے کہ وہ عریاں نگاری اور فحش گوئی سے قریب تر ہو گئی ہے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان میں مسلمانوں کے جس قسم کے فلسفۂ تصوف کو موضوع سخن بنایا گیا ہے وہ دراصل ہندوستان کے لوگوں کا مسئلہ ہمہ اوست ہے۔ لیکن ان رجحانات کو آدمی نظر انداز کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ ان کا وہ پہلو قابل تعریف ہے جو خداوند تعالیٰ اور انسان کی عظمت، دنیا کی بے ثباتی اور تزکیۂ نفس و قلب کی تبلیغ کرتا ہے۔

پانچویں قسم میں توصیفی اور تعریفی نظمیں شامل ہیں جس میں خدا تعالیٰ کی تعریف ہوتی ہے اور مسلمانوں کے دواوین و تصانیف کے شروع میں اکثر پائی جاتی ہیں۔ ان میں حضرت محمدؐ کی (نعت) اور اماموں کی شان میں منقبتیں اور بادشاہوں اور سرپرستوں کے متعلق مدحیہ اشعار بھی شامل ہیں۔ ان نظموں میں بڑے مبالغے سے کام لیا گیا ہے۔ اس رنگ میں ہندوستان کے مسلمان شعراء نے بڑی وفاداری کے ساتھ ایرانی شعراء کی تقلید کی ہے۔ سلجوقی اور اتابک کے زمانوں میں غلو کا یہ سلسلہ شروع ہوا کیونکہ شہزادے بڑے خوشامد پسند ہوتے تھے اور شعراُ ان کی ہر طرح خوشنودی حاصل کرنا چاہتے تھے۔ چونکہ ایسی نظموں کا موضوع محدود تھا اور یک رنگی ہونے کی وجہ سے تقلیدی رجحان غالب ہوتا تھا اس لیے ان میں ایسے مبالغے سے کام لیا جاتا جو صرف یہی نہیں کہ مدح و تعریف کی حدود سے بہت آگے بڑھ جاتی تھی بلکہ اس میں ایسا غلو ہوتا کہ عقل و عادت کی رسائی وہاں تک مشکل تھی۔ ممدوح کی تصویر کشی کے لیے شاعر کا تخیل اس نظر آنے والی دنیا کو ناکافی سمجھتا ہے اور اس لیے وہ اسے روحانی اور ماورائی فضا میں اڑا لے جاتا ہے مثلاً ان کے خیال میں تمام قدرتی

مظاہر جیسے سورج و چاند وغیرہ بادشاہوں کے مطیع ہیں۔ ہر چیز ان کی تابع ہے اور یہاں تک کہ وہ تقدیر کے مالک و خالق ہیں [۲۵]۔

چھٹی قسم میں ہجویات آتی ہیں۔ دنیا کے تمام ممالک میں بہت سی رکاوٹوں کے باوجود تنقید اور مزاح کا عنصر ملتا ہے اور انسان کو تجزیہ اور موازنہ کرنے کی صلاحیت عطا ہوئی ہے جو قدرت کا مخصوص انعام ہے۔ چونکہ انسان کی مکمل سے مکمل تخلیق خامی سے یکسر پاک نہیں ہوسکتی ہے اس لیے کوئی تخلیق تنقید سے ماورا نہیں ہوسکتی اور بعض متوسط درجہ کے ذہن بھی بڑے ذہین اور بلند خیال لوگوں پر تنقید کرنے کا حق ادا کرسکتے ہیں۔ ممکن ہے کوئی شخص Iliad نہ لکھ سکے لیکن Horace کے حوالے سے وہ یہ تو کہہ سکتا ہے کہ ہومر کے یہاں ہر جگہ عظمت نہیں ہے: Quande Que Bonus Cornitat Homerus۔

اسی طرح بعض اشخاص سیاسی ماہرین کی غلطیوں کی اچھی گرفت کرسکتے ہیں۔ خواہ وہ ان کے ذہنی سطح سے بہت نیچے ہی کیوں نہ ہوں اور بدقسمتی سے ایک رجحان پیدا ہوگیا ہے کہ تنقید، شک وحسد اور دوسرے معاندانہ جذبات کے ماتحت کی جاتی ہے۔ بہرحال مزاح وظرافت کا وجود مغرب و مشرق دونوں میں ہے اور ایشیا کے مغرور ظالم بادشاہ بھی اس کے تیر ہدف سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ اب سے دو سو سال پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ ترکی کے ایک شاعر اویسی نے عثمانیہ سلطنت کے زوال پر ہجویں لکھیں اور وہ قسطنطنیہ کے شہر میں عام ہوگئیں۔ ان ہجویات میں بادشاہ پر بہت حملے کیے گئے ہیں اور اس کے اقتدار کو مبالغہ کے ساتھ بیان کرکے مذاق اڑایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے لکھا ہے کہ بہت دنوں سے وزارت کے عہدوں پر جانور مامور ہیں [۲۶]۔ مزاح نگاری کا رواج کسی مخصوص ماحول وفضا کے ماتحت نہیں ہوا بلکہ بعض شعراء کو اس سے فطری لگاؤ تھا۔ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ جس شاعر نے ہجویات کہی ہیں اس نے مدح نگاری بھی کی ہے کیونکہ جو شخص کسی کی کمزوریوں کو جس شدت سے محسوس کرتا ہے وہ اسی شدت کے ساتھ اس کے اوصاف سے بھی متاثر ہوتا ہے مثلاً فارسی کے بڑے مشہور شاعر انوری نے بھی قصائد اور ہجویات دونوں کہے ہیں۔ یہی حال ہندوستان کا ہے، یہاں کے شعراء جس جذباتی شدت کے ساتھ مدح کہتے ہیں اسی زور وشور کے ساتھ ہجویات لکھتے ہیں اور عام طور پر وہ مدح کے مقابلے میں ہجو میں زیادہ کامیاب ہوئے ہیں۔ ان ہجویات سے ان کے جوہرِ ذاتی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہ ہجویں ہندوستانیوں میں بہت مقبول ہیں۔ ہندوستان کے شعراء نے ہجو میں بڑا کمال دکھایا ہے اور ان کا حلقہ رفتہ رفتہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا ہے۔ ان شعراء نے اداروں اور تحریکوں سے پہلے افراد کو مزاح کا نشانہ بنایا اور پھر ایسی چیزوں کا بھی مذاق اڑایا جو انسانی قوت

سے پرے تھیں۔ انھوں نے یہاں تک کیا کہ خود فطرت کو ہجو کا موضوع بنایا اور قدرت کے بعض بھیانک مظاہر مثلاً گرمی، سردی، سیلاب اور بیماری وغیرہ کا مذاق اڑایا [٢٧] اور ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ جدید ہندوستان کے ہجو نگار شاعروں نے اسی قسم کے عجیب وغریب موضوع کو اپنایا ہے۔

ہندوستان کے طبّاع اور ذہین ہجو نگاروں کو یہ اولیت حاصل ہے کہ انھوں نے مشرق میں خانگی معاملات پر قلم اٹھایا ہے [٢٨]۔ ان ہجویات کی خرابی یہ ہے کہ ان کا مواد اکثر ایک خاص مقام اور اس کے ماحول و حالات سے متعلق ہوتا ہے۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ ان میں فحش اور عریاں نگاری بھی داخل ہوگئی ہے اور اس عیب سے ہندوستان کے مشہور ہجو نگار سودا اور جرأت بھی پاک نہیں ہیں اور اسی لیے میں نے ان کے کچھ اقتباسات دیے ہیں اور کچھ خارج کر دیے ہیں۔ میں نے ہندوستان کی بہت مشہور ہجوؤں کو بھی نظر انداز کر دیا ہے اس لیے کہ ان میں اخلاقی نقطہ سے بڑی پستی اور ہلکے پن کا اظہار کیا گیا ہے [٢٩]۔

ان دلائل سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کامیڈی بھی ایک قسم کی ہجو ہے لیکن براہ راست اس کا ہجو نگاری سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر بھی جدید ہندوستان اس طرز مزاح سے بالکل محروم نہیں ہے۔ اگرچہ وہ ڈراموں کی اصلیت سے جس کے اچھے نمونے سنسکرت میں ملتے ہیں کچھ زیادہ واقف نہیں ہے پھر بھی وہ اس قسم کی کامیڈی میں بڑے جوش وخروش سے حصہ لیتے ہیں، کوئی بازی گر کسی مجمع میں پیش کرتا ہے اور ان میں بعض اوقات سیاسی تلمیحات کو بیان کرتا ہے۔ شمالی ہند کے شہروں میں اس قسم کے کرداروں کی ٹولیاں اکثر نظر آئیں گی۔ کبھی کبھی یہ ٹولیاں کسی فوجی دستے سے وابستہ ہوتی ہیں اور کبھی کبھی نوابین، دعوتوں اور تقریبوں کے موقعوں پر انھیں بلاتے ہیں۔

یہ نقال [٣٠] بعض اوقات مسلمانوں کے تہوار مثلاً عید (عیدالاضحیٰ) کے موقعوں پر بھی بلائے جاتے ہیں۔ جس قسم کی کامیڈی وہ پیش کرتے ہیں وہ قدیم اطالوی کامیڈی سے ملتی جلتی ہے اور ان کامیڈیوں کے مصنف بعض اوقات خود ان کے کردار ہوتے ہیں۔ حالانکہ دو اشخاص کے مکالمے اکثر بڑے غیر سنجیدہ ہوتے ہیں لیکن ان میں ظرافت کا پہلو رہتا ہے۔ ان میں اکثر لفظوں کے الٹ پھیر، صنائع لفظی اور ذومعنی الفاظ کی مدد سے تمسخر و مذاق پیدا کیے جاتے ہیں کیونکہ اردو میں الفاظ کا بڑا ذخیرہ ہے اور مختلف ذرائع سے اس میں ہم معنی الفاظ بکثرت جمع ہوگئے ہیں۔ یہ کامیڈی فی البدیہہ مرتب کی جاتی ہے اور ان میں اکثر سیاسی تلمیحات استعمال کی جاتی ہیں۔ ان کے کردار انگریزی رسم ورواج و معاشرت کا مذاق اڑانے سے بھی باز نہیں رہتے اور اکثر وہ سول سروس کے ہندوستانیوں کو نشانہ بناتے ہیں جو خود بھی تماشائی کی حیثیت سے موجود ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر یہاں ایک تمثیل کا موضوع دیا جاتا ہے۔ اسٹیج کی ایک عدالت پر یورپی جج بیٹھے ہیں، ایک شخص انگریزی پوشاک میں سیٹی بجاتا ہوا داخل ہوتا ہے، سر پر گول ٹوپی ہے، ہاتھ میں ایک کوڑا ہے، جسے وہ برابر گھماتا رہتا ہے، اتنے میں ایک قیدی سامنے لایا جاتا ہے جو کہ کسی معاملے میں ملزم ہے، جج اس کی طرف قطعی توجہ نہیں کرتا اور ایک ہندوستانی حسینہ کو دیکھنے میں محو ہے جو کہ وہاں گواہ کی حیثیت سے آئی تھی۔ کارروائی شروع ہوجاتی ہے، اس کے باوجود وہ جج اسی لڑکی پر نظر جمائے ہوئے اشارے کرتا رہتا ہے اور مقدمے کو کوئی اہمیت نہیں دیتا، اتنے میں منصف کا خدمت گار حاضر ہوتا ہے اور دست بستہ ہو کر عرض کرتا ہے حضور ٹفن حاضر ہے۔ جج فوراً اٹھ کھڑا ہوتا ہے، لوگوں نے پوچھا اس کے لیے کیا حکم ہے، جج نے کہا اس بدبخت کو پھانسی کے تختے پر لٹکا دو، یہ کہہ کر وہ عدالت سے چلا جاتا ہے، یہ قصہ ایشیا جرنل کے نمبر ۲۴، صفحہ ۳۷ پر درج ہے۔

بیون نے *Thirty Years in India* کی جلد اول صفحہ ۴۷ پر ایک تمثیل کا تجزیہ کیا ہے جو انھوں نے مدراس میں دیکھی تھی، اس کا موضوع ہندوستان میں انگریزوں کی آمد ہے جس میں ان کا ترجمان فریب اور دھوکے سے کام لیتا ہے۔

ان تمثیلات میں کردار اکثر اپنی حدود سے آگے بڑھ جاتے ہیں اور سوسائٹی کی تصویر کشی میں بڑی مبالغہ آمیز بے اعتدالی سے کام لیا جاتا ہے۔ لیکن یورپ کے ڈرامائی اسٹیجوں پر بھی اکثر اس قسم کے حالات پیش آتے ہیں۔ پھر بھی ان تمثیلوں میں صداقت اور حقیقت کا عنصر ہوتا ہے اور اسے بڑی کامیابی سے سامنے لایا جاتا ہے۔ اس تماشے سے پہلے بالعموم گانے اور ناچنے کا مشغلہ ہوتا ہے۔ شمالی ہند میں یہ گویے، کلاونت اور وسط ہند میں بھاٹ، چرن یا بروائی کہلاتے ہیں۔

ساتویں قسم میں وہ تمام بیانیہ نظمیں شامل ہیں جو موسم، مہینہ، پھول اور شکار وغیرہ پر کہی جاتی ہیں۔

اردو عروض کے اصول معمولی تبدیلیوں کے ساتھ عربی اور فارسی کے عین مطابق ہیں جیسا میں نے ان کے فرق کو اپنے ایک مضمون میں واضح کیا ہے [۳۱]۔ تمام دکنی اور اردو شاعری قافیہ اور ردیف رکھتی ہے۔ جو ہم وزن الفاظ مختلف شعروں میں آتے ہیں ان کو قافیہ اور جو الفاظ قافیے کے بعد ہر شعر میں بار بار آتے ہیں ان کو ردیف کہتے ہیں [۳۲]۔ ذیل میں میر کے تذکرے سے ریختہ اور خاص طور پر اردو شاعری کے متعلق ایک اقتباس دیا جاتا ہے:

''بنائے بیت بود آن دو معنئ داشته باشد، یکے قریب و یکے بعید، و بعید منظور شاعر

باشد وقریب متروک او۔ ششم انداز است کہ مااختیار کردہ ایم وآں محیط ہمہ صنعت ہا است ۔تجنیس، ترسیع، تشبیہ ،صفائے گفتگو، فصاحت، بلاغت، ادابندی، خیال وغیرہ، ایں ہمہ ہا در ضمن ہمین ا ست، وفقیر ہم ازہمین و تیرہ محظوظم ۔ ہر کہ راہر ایں فن طرز خاصے است ایں معنی را فہمد، باعوام کار ندارم۔ اینکہ نوشتہ ام برائے یاران من سند است نہ برائے ہر کس ۔زیرا کہ عرصۂ سخن وسیع است واز تلون چمنستان ظہور آگہم ۔مصرع

ہر گلے را رنگ و بوے دیگر است

تمام شد نکات الشعراء ہندی من تصنیف میر محمد تقی میر تخلص، بحسب الفرمائش حضرت سید عبدالولی صاحب وقبلہ عزلت تخلص۔ کاتب الحروف سید عبدالنبی ابن سید محمود ابن میر محمد رضا اصفہانی غفر اللہ ذنو بہما و ستر عیوبہما در بلدۂ فرخندہ بنیاد ابد بنیاد تحریر فی التاریخ ہفتاد و دو من الہجرۃ النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم“۔

نثر کی تین قسمیں ہیں اول مرجز جس میں وزن ہوتا ہے قافیہ نہیں ہوتا۔ دوسرے مسجع یا سجع، جس میں قافیہ ہوتا ہے لیکن وزن نہیں ہوتا۔ تیسرے عاری، جو قافیہ اور وزن سے آزاد ہے، آخر الذکر دو یعنی مسجع اور عاری اکثر استعمال ہوتی ہیں اوران دونوں کا امتزاج بھی اکثر ہوتا ہے، ہر قسم کی نثر کے ساتھ بطور حوالہ اکثر اشعار بھی دے دیے جاتے ہیں۔

ہندوئی شاعری کی طرح اب میں اردو شاعری کی طرف متوجہ ہوتا ہوں:

بند: سات شعروں کے بند کو ”ہفت بند“ کہتے ہیں۔ ترجیع بند ایسے بند کو کہتے ہیں جس کا آخری شعر ہر بند کے آخر میں بار بار آتا ہے، بند کے لیے ضروری ہے کہ اس میں کم ازکم پانچ اور زیادہ سے زیادہ بارہ اشعار ہوں [۳۳]۔ ترکیب بند میں ہر بند کا آخری شعر اس بند کے اشعار سے مختلف ہوتا ہے [۳۴]۔ یہ عام طور سے مزاحیہ نظموں میں آتے ہیں۔ بعض اوقات بند کے آخری اشعار کو جمع کرنے سے ایک غزل مرتب ہوجاتی ہے۔ نظم کے آخری بند میں شاعر اپنا تخلص لاتا ہے۔ سودا نے ہجو فدوی میں لکھا ہے کہ شاعر کو ہمیشہ صرف اپنا تخلص شعر میں لانا چاہیے اور نام کبھی نہ استعمال کرنا چاہیے۔

بیت: یہ شعر کا مترادف ہے [۳۵]۔ لیکن اس کے ایک مخصوص معنی بھی ہیں اور ایک الگ شعر یا دو مصرعوں کو بھی کہتے ہیں۔ یہ ہندی دوہا یا دوہرہ سے مماثل ہے۔

دو بیت اور چار بیت مختصر نظمیں ہیں، پہلی قسم میں دو شعر یا چار مصرعے اور دوسری میں چار شعر یا آٹھ

مصرعے ہوتے ہیں۔

بیاض: یہ مختلف شعراء کے انتخاب کلام کا نام ہے۔ سفینہ اشعار کے طویل انتخاب کو کہتے ہیں جس میں دوسرے کے شعروں کے ساتھ لوگ اپنے اشعار بھی لکھتے ہیں۔ مجھے مارسیلز کے M.Varsy نے جو کہ عربی کے ماہر ہیں بتایا ہے کہ مصری ادب میں بھی سفینہ کا یہی مفہوم ہے۔

قصیدہ: یہ ایک قسم کی مزاحیہ یا ہجویہ نظم ہے۔ اس میں کم از کم ۱۲ اشعار ہونے چاہئیں لیکن اکثر سو اشعار ہوتے ہیں۔ تمام اشعار کا ہم قافیہ ہونا ضروری ہے۔ پہلے شعر کے دونوں مصرعوں میں قافیہ آتا ہے۔ جس کو مرصع یا مطلع کہتے ہیں۔ آخری شعر کو مقطع کہتے ہیں اور اس میں شاعر کا تخلص ضرور ہوتا ہے۔

قول: ایک قسم کا گانا ہے جو آئین اکبری کے مطابق دہلی میں بہت پسند کیا جاتا ہے۔

چیستان: منظوم اور منثور پہیلیوں کو کہتے ہیں۔

دیوان: یہ غزلوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ جس میں حروف تہجی کے مطابق غزلیں جمع کی جاتی ہیں۔

کلیات: کسی شاعر کے مجموعۂ کلام کا نام ''کلیات'' ہے۔

ہندوستان میں غزلوں کے مجموعوں کا عام رواج ہے۔ جب کوئی شاعر ایک دو غزلیں کہتا ہے پھر چند اور کہتا ہے اور اس طرح جب وہ کافی تعداد میں جمع ہو جاتی ہیں تو ان سے ایک دیوان مرتب کر دیتا ہے اور اپنے دوستوں کو بھیجتا ہے۔ بعض شاعروں کے کئی کئی دیوان مرتب ہوتے ہیں جیسے میر تقی کے چھ دیوان ہیں۔ بدقسمتی سے دواوین میں اکثر خیالات و اندازِ بیان کی تکرار ہوتی ہے۔ کئی سو غزلوں کے بعض دیوان میں مشکل سے دو چار غزلیں ایسی ملیں گی جن میں خیال و بیان کی ندرت ہو۔

فرد: یہ ایک متفرق شعر ہے جس میں دو مصرعے ہوتے ہیں۔ دیوان کے آخر میں اکثر متعدد فرد دیے جاتے ہیں جن کا عنوان فردیات ہوتا ہے۔

غزل: یہ ایک قسم کی نظم ہے جو قصیدہ کی سی شکل رکھتی ہے لیکن اس سے مختصر ہوتی ہے اور اس میں بارہ اشعار سے زیادہ نہیں ہوتے۔ آخری شعر کو شاہ بیت کہتے ہیں جس میں قصیدہ کی طرح شاعر اپنا تخلص لاتا ہے۔ غزل میں اکثر الفاظ کی بازی گری ہوتی ہے۔ جب پہلے شعر کے دونوں مصرعے اور آنے والے دوسرے اشعار کے آخری مصرعے یکساں آئیں اور یکساں لفظ یا الفاظ شروع اور ختم ہوں تو اسے بازگشت کہتے ہیں[۳۶]۔

ہزلیات: یہ مزاحیہ شاعری ہے۔

انشاء: یہ خطوط کے نمونوں کا مجموعہ ہے۔ اسے مصنفین نے انشاء لکھا ہے اور نظم و نثر دونوں سے ان کے استعارہ اور تشبیہ پسندانہ مذاق کا اظہار ہوتا ہے۔ انشاء میں اشعار کے اکثر حوالے بھی دیے جاتے ہیں۔
خیال: یہ ترجیع بند کی شکل کی ایک نظم ہے جس نے مقبول گانے کی حیثیت حاصل کر لی ہے [۳۷]۔ مسٹر گلکرسٹ نے اس کو انگریزی میں Catch کا نام دیا ہے۔ اس کا موضوع، عام طور پر عشق و محبت کے جذبات و معاملات سے تعلق رکھتا ہے۔ ان میں بالعموم عورتوں کے جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے اور انتہائی شستہ و سلیس زبان استعمال کی جاتی ہے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ سلطان حسین شرقی جونپوری نے اس مخصوص نظم کی بنا ڈالی ہے [۳۸]۔
لغز۔ ایک طرح کی پہیلی ہے جو لفظ کے بعض اجزا کی ترتیب سے بنتی ہے۔
مدح۔ ایسی نظم جس میں کسی کی تعریف کی جاتی ہے۔
منقبت۔ یہ مدح کے مترادف ہے اور کسی کی تعریف میں کہی جاتی ہے۔
مرثیہ۔ یہ ایک قسم کی نظم ہے جو اکثر شہیدانِ کربلا کی وفات پر کہی جاتی ہے۔ اس میں عام طور پر چار چار شعروں کے پچاس بند ہوتے ہیں۔ ان نظموں کو جب ایک شخص پڑھتا ہے تو اسے بازو کہتے ہیں اور جس ترجیع بند کو یہ لوگ مل کر پڑھتے ہیں وہ جوابی کہلاتا ہے۔ بالعموم ہندو اور مسلمانوں کے تہواروں کے موقع پر جو گانے گائے جاتے ہیں ان کو عیدی کہتے ہیں۔
مثنوی۔ اردو اور فارسی کی ایک صنفِ سخن ہے۔ اس قسم کی نظم کو عربی میں مزدوج کہتے ہیں ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور تمام اشعار ایک دوسرے سے مختلف قافیہ رکھ سکتے ہیں۔ اس میں پند و وعظ، اخلاق و اصلاح کے مضامین کے ساتھ ساتھ قصے بھی نظم کیے جاتے ہیں۔ طویل نظمیں بھی اس میں ملتی ہیں۔ یہ مثنویاں کئی ابواب یا فصلوں میں تقسیم ہوتی ہیں۔ ہندی شاعری کے کھنڈ کے مترادف ہے۔
مولود۔ اس میں حضرت محمدؐ کی پیدائش کا بیان ہوتا ہے اور یہ نظم مغرب کی ان نظموں سے ملتی جلتی ہے جو یورپ میں کرسمس کے موقع پر پڑھی جاتی ہیں۔
معمہ۔ مختصر اور منظوم پہیلی کو کہتے ہیں۔ (گلدستۂ نشاط میں بہت سے معمے ہیں)
مبارکباد۔ یہ ایک قسم کی نظم ہے جو تہنیت و مبارکباد کے موقعوں پر پڑھی جاتی ہے اسے ہندی میں بدا ہوا کہتے ہیں۔
مقطعات۔ یہ ایک قسم کی مختصر نظم ہے جس میں چھوٹی بحر کے اشعار ہوتے ہیں۔
مسمّط۔ یہ ایک طرح کی نظم ہے جس میں کئی بند ہوتے ہیں۔ ہر بند کے اشعار الگ الگ ہم قافیہ ہوتے ہیں

لیکن دوسرے بند سے مختلف ہوتے ہیں۔ بند کے آخری شعر کا قافیہ اس بند کے دوسرے اشعار سے جداگانہ ہوتا ہے لیکن آخری شعر تمام دوسرے بندوں کے آخری شعر سے ہم قافیہ ہوتا ہے۔ ہر بند میں تین تین چار چار اور پانچ پانچ، چھ چھ، سات سات، آٹھ آٹھ، دس دس مصرعے ہوسکتے ہیں اور اسی لحاظ سے ان کو مثلث، مربع، مخمس، مسدس، مسبع، مثمن اور معشر کا نام دیا جاتا ہے۔ ان تمام قسموں میں مخمس سب سے زیادہ مقبول ہے اور شعراء اکثر کسی کے غزل کی تضمین مخمس کی شکل میں کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں ہر بند کے پانچ مصرعے ہوتے ہیں جن میں آخری دو مصرعے غزل کے ہوتے ہیں۔ بند اول کے پانچوں مصرعے غزل کے مطلع کے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔

مستزاد۔ یہ ایک قسم کی غزل ہے جس کے ہر مصرعے کے آخر میں اسی وزن کا ایک رکن زائد کر دیتے ہیں۔ اس زائد رکن کو پڑھیں یا نہ پڑھیں مفہوم پر کوئی اثر نہ پڑے گا[۳۹]۔ اس نظم میں اعتراض اور حشو کی صفتیں استعمال ہوتی ہیں اور اس مستزاد کو کامیاب خیال کیا جاتا ہے جو حشو ملیح رکھتا ہو۔

نعت۔ یہ نظم خداوند تعالیٰ اور رسولؐ کی تعریف میں کہی جاتی ہے کبھی کبھی خلیفہ اور امام کی تعریف بھی اسی میں کی جاتی ہے۔ یہ کتاب کے آغاز میں ہوتی ہے۔

نسبتین۔ اس میں کئی فقرے اس انداز سے لائے جاتے ہیں کہ بظاہر ان میں کوئی معنوی ربط نہیں ہوتا لیکن اگر ان کے مفہوم کے متعلق سوال کیا جائے تو جواب دینے والا صرف ایک ہی جواب سے سب کا مفہوم ادا کرسکتا ہے۔

نکتہ۔ یہ عورتوں کا ایک گانا ہے۔

قطعہ۔ اس میں دو شعر یا چار مصرعے ہوتے ہیں۔ اور تمام اشعار کے صرف آخری مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ یہ قطعات اس قسم کی نثر میں اکثر ملتے ہیں جن میں اشعار شامل رہتے ہیں۔ قطعہ بند ایک قسم کا بند ہے جو قطعہ کے اندر واقع ہوتا ہے۔

ریختہ۔ یہ اردو شاعری کا دوسرا نام ہے اور آخر آخر غزل کے لیے مخصوص ہوگیا ہے۔ اس کی تانیث میں ریختی کا لفظ آتا ہے۔ کبیر نے ہندی طرز کی ایک خاص نظم کو بھی ریختہ کہا ہے۔

رسالہ۔ ایک قسم کے مختصر تعلیمی مقالے ہیں جو نثر و نظم دونوں میں ملتے ہیں۔ یہ لفظ ضخیم کتاب کے مقابلے میں چھوٹی کتابوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ (کتاب کو ہندی میں پوتھی کہتے ہیں)۔

رباعی۔ یہ ایک چھوٹی نظم ہے جس کا وزن مخصوص ہے۔ اس کے پہلے دوسرے اور چوتھے مصرعے یکساں

قافیہ رکھتے ہیں۔اس کو دو بیتی بھی کہتے ہیں۔رباعی قطعہ آمیز ایسی رباعی کو کہتے ہیں جو قطعہ بند ہو۔یہ دراصل ایک طرح کی رباعی ہے۔

سلام۔ایک قسم کی نظم یا غزل ہے جو حضرت علیؓ یا دوسروں کی شان میں کہی جاتی ہے۔

سالگرہ۔مبارکبادی کی نظمیں اس موقع پر پڑھی جاتی ہیں۔

ساقی نامہ۔اس میں مثنوی کے طرز پر از کم چالیس اشعار ہوتے ہیں اور ان میں شراب کی تعریف کی جاتی ہے۔اس میں شاعر بالعموم ساقی سے خطاب کرتا ہے جیسا کہ غزل میں اکثر روحانیت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔صوفی شعراء کے نزدیک شراب کے معنی عشق الٰہی، میکدہ کے معنی بارگاہ الٰہی، مے فروش کے معنی پیر مرشد اور ساقی کے معنی ذات الٰہی کے ہیں۔

سرود۔یہ ایک قسم کا گیت ہے۔

شکارنامہ۔یہ ایک طرح کی مثنوی ہے جس میں شکار کا بیان ہوتا ہے۔خاص طور پر کسی معروف شخص، راجہ یا نواب کے شکار کی تفصیل دی جاتی ہے۔

سوز۔یہ ایک قسم کی شدید جذباتی نظم ہے جس کو واسوخت بھی کہتے ہیں۔مرثیہ کے بند بھی سوز کہلاتے ہیں۔

تقریظ۔مبالغہ آمیز مدحیہ نظم کو کہتے ہیں۔

ترانہ یا تلانہ۔یہ ایک قسم کا گانا ہے جو رباعی سے ماخوذ ہے اور دہلی کے لیے مخصوص ہے۔ترانہ لکھنے والے کو ترانہ پرداز کہتے ہیں۔

تاریخ۔کسی واقعہ کی تاریخ کے تعین کے لیے یہ نظم کہی جاتی ہے اور حروف ابجد کے لحاظ سے ان حروف کے ہندسوں کے مجموعے سے تاریخ نکل آتی ہے۔ایسی نظمیں بالعموم کتاب کے آخر، عمارتوں اور مقبروں کے کتبوں پر نظر آتی ہیں۔تاریخ میں کسی خاص یا عام تاریخی واقعہ کی تفصیل دی جاتی ہے۔

تشبیب۔اس کے معنی حسن و جوانی کے ذکر کے ہیں۔یہ ایک طرح کی عشقیہ نظم ہے جس کو مسلمان فصحاء بڑی اہم نظم خیال کرتے ہیں۔

تذکرہ۔یا ''سوانح حیات''۔اس نام کی فارسی، ترکی اور ہندوستانی میں بہت سی کتابیں ہیں۔ان میں شعرا کے حالات اور ان کے کلام کے حوالے دیے جاتے ہیں۔

تضمین۔اس نظم میں کسی نظم پر اشعار کہے جاتے ہیں اور اس طرح اس نظم کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔سودا نے خود اپنی ایک غزل پر تضمین کی ہے اور تاباں نے حافظ کی ایک غزل پر تضمین لکھی ہے۔

واسوخت۔ اس کو سوز بھی کہتے ہیں۔ اس کے موضوع اور غزل کے موضوع میں کوئی فرق نہیں ہے۔ صرف ہیئت ولب ولہجہ کا فرق ہے۔ اس میں ۲۲،۲۰ سے لے کر تیس بند تک ہوتے ہیں اور ہر بند میں چھ مصرعے ہوتے ہیں۔ پہلے دو اشعار اور آخر کے دو مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔

زٹلیات۔ یہ نام میر جعفر زٹلی کا دیا ہوا ہے۔ اس نظم میں نصف حصہ ہندوستانی اور نصف حصہ فارسی ہوتا ہے۔

ذکری۔ یہ ایک طرح کا گانا ہے جس کا موضوع سنجیدہ اور اخلاقی ہوتا ہے۔ اس کا آغاز گجرات میں ہوا اور قاضی محمود نے اسے ہندوستان میں متعارف کرایا۔

مجھے امید ہے کہ مذکورہ بالا دو فہرستوں نے ہندی اور اردو کے تمام اہم اصناف سخن کو واضح کر دیا ہوگا۔ ان دونوں زبانوں میں سے ایک زبان ہندوستان کے بیشتر حصے کی مادری زبان ہے اور دوسری زبان سنسکرت اور نئی زبانوں کے بین بین ہے۔ ہندوستان کے قرونِ وسطیٰ میں اس زبان کی بہت سی نظمیں قبولِ عام حاصل کر چکی تھیں۔ صرف اردو کے مصنف کا یہ قول کہ ہندوستانی حلاوت اور شگفتگی کا خزانہ ہے اس زبان پر صادق آتا ہے۔ مجھے یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہندوستانی ادب کا زیادہ حصہ عربی، فارسی اور سنسکرت کے ترجموں پر مشتمل ہے۔ ان میں بعض ترجمے بڑے اہم ہیں اس لیے کہ ان میں متن کے بعض مشکل و مشکوک پہلوؤں کی بڑی اچھی تشریح کر دی گئی ہے۔ ہندی کے مشہور مصنف کلپتی نے کہا ہے کہ اگر سنسکرت کی موجودہ نظمیں ہندی میں ترجمہ کر لی جاتیں تو ان کے ذریعے اصل سنسکرت ادب کو سمجھنا آسان ہو جاتا۔[۵۲] ان میں بعض ترجمے ان اصل کتابوں کا نعم البدل بن جاتے جو بدقسمتی سے ضائع ہو چکے ہیں۔ جو قصے فارسی سے ترجمے ہوئے ہیں وہ صرف ترجمہ نہیں ہیں بلکہ تقلید کے ساتھ ایک خاص انداز سے انہیں پیش کیا گیا ہے۔ اس طرح بعض اعلیٰ درجے کے ترجمے اصل کتاب سے زیادہ بہتر ہو گئے ہیں اور اگر بہتر نہیں ہیں تو وہ کم از کم دلچسپی سے خالی نہیں ہیں۔ میں نے فارسی سے اردو میں ترجمہ کیے ہوئے قصوں کو فارسی سے زیادہ نیچرل پایا ہے اس لیے کہ فارسی میں مبالغہ آمیزی حد سے زیادہ ہے۔ میں اس قسم کے ادب کا ایک جائزہ پیش کرنا چاہتا ہوں جو مغربی اقوام کے لیے تقریباً نیا ہوگا۔ میں اس قسم کی تمام منظوم و منثور ادبی کتابوں ذکر کروں گا جو ادبی محاسن سے مالا مال ہیں اور جو ادیبوں اور عالموں کے مطالعے کے لائق ہیں۔ اسی خیال سے میں نے ہندوستانی ادب کی بے شمار کتابوں کو پڑھا اور سمجھا۔ ساتھ ہی ساتھ ہر ممکن کوشش سے، زیادہ سے زیادہ قلمی نسخے حاصل کیے اور اسی وجہ سے تین مرتبہ انگلستان گیا تا کہ ہندوستانی ادب کے پبلک اور ذاتی کتب خانوں کو دیکھوں۔ مجھے کہنا پڑتا ہے کہ ہر جگہ مجھے بڑی مدد دی گئی اور خوش آمدید کہا گیا۔ ہندوستانی

ادب کے قلمی نسخوں کا بہترین ذخیرہ مجھے ایسٹ انڈیا آفس میں ملا جس میں LEYDEN کا کتب خانہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ڈاکٹر لیڈن فورٹ ولیم کالج کے ہندوستانی ادب کے ممتحن ہوتے تھے اور انھیں ہندوستانی ادب سے گہرا لگاؤ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر لیڈن کی طرح کچھ اور مستشرق ہندوستانی ادب کی کتابوں کو جمع کرتے تو مجھے اہلِ قلم و ادب کے سامنے ہندوستانی ادب کو اور بہتر طریقے سے پیش کرنے کا موقع حاصل ہوتا۔ میں نے خاص طور پر سوانح اور تذکروں سے مدد لی ہے۔ ممکن ہے کہ بعض لوگ مجھ پر یہ الزام لگائیں کہ میں نے بہت سے غیر اہم ادیبوں اور شاعروں کا ذکر کیا ہے لیکن جن کا ذکر مجھے کہیں ملا ہے اس کے متعلق کچھ سطور لکھنا میں نے مناسب خیال کیا ہے۔

ذیل میں ان تذکروں کی فہرست دے رہا ہوں جو میری نظر سے گزرے ہیں۔ ان تذکروں اور ان کے مصنفین کی تفصیل کتاب میں اس جگہ ملے گی جہاں میں نے ان کا ذکر کیا ہے۔

ا۔ عیارالشعرأ۔ اس کے مصنف خوب چند ذکا ہیں۔ یہ تذکرہ انھوں نے اپنے استاد میر ناصرالدین ناصر معروف بہ میر کلّو کی فرمائش پر لکھا تھا۔ اس کا سن تصنیف ١٢٤٧ھ (١٨٣١-٣٢ء) ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ وہ ١٧٩٣ء/١٢٠٨ھ کے درمیان لکھا گیا کیونکہ بقول مصنف اس کی تصنیف میں ١٣ سال صرف ہوئے ہیں۔ ذکا کے انتقال کا سال جیسا کہ ان کے بیٹے نے اسپرنگر کو بتایا ہے ١٨٤٦ء ہے۔

ذکا کا تذکرہ ان تذکروں میں سے ہے جس سے میں براہ راست استفادہ نہیں کرسکا۔ یہ فارسی میں ہے اور اس میں تقریباً ١٥٠٠ شعرأ کے حالات قلم بند کیے گئے ہیں اور ان کے کلام کا انتخاب بھی دیا گیا ہے۔ اس کا جو قلمی نسخہ ڈاکٹر اسپرنگر کے پاس تھا اس میں چھوٹی تقطیع کے تقریباً ایک ہزار صفحات اور ہر صفحے میں پندرہ سطریں تھیں۔ اس زبردست مستشرق عالم کا خیال ہے کہ یہ تذکرہ تنقیدی شعور کے ساتھ نہیں لکھا گیا۔ اس میں بے جا تکرار کے ساتھ ساتھ بہت سے غیر مصدقہ واقعات بھی درج ہیں۔ پھر بھی یہ بڑا معلوماتی تذکرہ ہے بدقسمتی سے اس کا کوئی نسخہ یورپ میں موجود نہیں ہے۔

٢۔ بارتا یا وارتا۔ یہ ولبھا اور ان کے ابتدائی چیلوں کے قصوں کا مجموعہ ہے۔ خیال ہے کہ ولبھا کے چیلے اپنے گرو کی طرح ہندی میں مذہبی گیت لکھتے تھے۔

٣۔ بھگتا چرتر۔ اس میں ہندوؤں کے ان مقدس بھگتوں کے حالات ہیں جنھوں نے مذہبی گیت اور بھجن لکھے ہیں۔ اس کے مصنف گھوا چیدھان ہیں جو چودھویں صدی کے مشہور ہندو ادیب ہیں اور جنھوں نے اس کتاب کے علاوہ بھی لکھا ہے۔

۴۔ بھگتا مال یا سنتا چرتر۔ یہ وشنو بھگتوں کا تذکرہ ہے اور بھگتا چرتر کے طرز پر لکھا گیا ہے۔ بھگتا مال کے متعدد نسخے ہیں لیکن سب کے سب چوپائیوں پر مشتمل ہیں۔ چوپائی کے متعلق ہندی اور ہندوستانی شاعری کے اصناف کی فہرست میں یہ تفصیل دے دی گئی ہے کہ وہ ایک قسم کی چھوٹی نظم ہے۔ یہ چوپائیاں قدیم ہندی کی بڑی پسندیدہ مذہبی گیتوں میں شمار کی جاتی ہیں جو وشنو بھگتوں پر لکھی جاتی ہیں۔ یہ چوپائیاں نبھاجی کی لکھی ہوئی ہیں اور بڑی مشہور ہیں۔ اس کے بعد نرائن داس نے ان کی طرف توجہ کی اس کے بعد کرشنا داس اور آخر میں پریا داس نے ان کو ترقی دی۔

جب میری اس کتاب کا پہلا ایڈیشن نکلا اس وقت میری نظر سے صرف کرشنا داس کا کام گزرا تھا۔ دوسرے ایڈیشن کے وقت مجھے پریا داس کا کلام بھی دیکھنے کو ملا جس کا ایک قلمی نسخہ میرے پاس ہے اور جو غالباً یورپ میں نایاب ہے۔

۵۔ چمنِ بے نظیر یا مجمع الاشعار۔ یہ ایک ہی کتاب کے پہلے اور دوسرے ایڈیشن کے نام ہیں۔ پہلا ایڈیشن ۱۸۴۸-۴۹ء/۱۲۶۵ھ میں اور دوسرا ۱۲۶۶ھ/۵۰-۱۸۴۹ء میں بمبئی سے شائع ہوا۔ پہلے کو محمد حسین نے اور دوسرے کو محمد ابراہیم نے شائع کیا ہے۔ غالباً یہ وہی محمد ابراہیم ہیں جنھوں نے انوار سہیلی کا دکنی میں ترجمہ کیا ہے اور جو مدراس سے ۱۸۲۴ء میں چھپی ہے۔ چمنِ بے نظیر میں ۲۴۹ صفحات ہیں اور ۱۸۷ ہندوستانی شعراء کا ذکر کیا گیا ہے۔

۶۔ مقبول بن۔ یہ ساٹھ ہزار اشعار کا مجموعہ ہے جو تین سو اردو شاعروں کے کلام سے منتخب کیا گیا ہے۔ بدقسمتی سے میں اس کا صرف نام بتا سکتا ہوں کیونکہ اس کا قلمی نسخہ آگ میں جل کر خاک ہو گیا۔

۷۔ دیوانِ جہاں۔ یہ جہاں کا لکھا ہوا ہے۔ جہاں اگرچہ ہندو تھے لیکن اردو میں بھی لکھتے تھے۔ یہ تذکرہ ان میں سے ہے جن سے میں نے اپنی کتاب میں مدد لی ہے۔ اس میں ۱۵۰ شاعروں کا ذکر ہے جن کے حالات زندگی کم اور اقتباسات زیادہ دیے گئے ہیں۔

۸۔ دلہا رام۔ دلہا رام نے مقدس ہندو شخصیتوں کی شان میں بہت سی نظمیں کہی ہیں ان شخصیتوں میں سے بعض ہندی شاعری سے متعلق ہیں۔

۹۔ گلدستۂ حیدری۔ اس کے مصنف کا نام محمد حیدر بخش حیدری ہے۔ اس میں کہانیوں کے علاوہ ایک دیوان اور ہندوستانی شعراء کا ایک تذکرہ بھی شامل ہے۔

۱۰۔ گلدستۂ نازنینان۔ مولوی کریم الدین کی تصنیف ہے۔ کریم الدین دورِ حاضر کے ایک مصنف ہیں اور

انھوں نے کثرت سے لکھا ہے۔ یہ ہندوستان کے ممتاز و مشہور شعراء کے کلام کا انتخاب ہے۔

۱۱۔ گلدستۂ نشاط۔ مصنفہ مضطر، اس تذکرے سے میں نے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔ یہ ایک علم بلاغت کا عملی نمونہ ہے جس میں ان شعراء کا ذکر ہے جو فارسی کے شاعر ہیں ساتھ ہی ان کے اردو اشعار کا انتخاب بھی موضوعات کے اعتبار سے درج کیا گیا ہے۔

۱۲۔ گلستانِ ہند۔ یہ بھی کریم الدین کی تصنیف ہے۔ اس کے ایک حصے میں چھوٹی حکایتیں ہیں اور مزاحیہ کہانیاں ہیں اور اس کو ۸ گلشنوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ آٹھویں حصے میں اشعار کا انتخاب ہے جو یاد کر لینے کے لائق ہے۔

۱۳۔ گلستانِ مسرت۔ (شعراء کے کلام کا انتخاب) اس کے مصنف مصطفیٰ خان دہلوی ہیں جو مطبع مصطفائی کے ناظم ہیں۔ اس مطبع سے بہت سی ہندوستانی کتابیں شائع ہوئی ہیں۔

۱۴۔ گلستانِ سخن۔ مصنفہ مبتلا کاظم۔

۱۵۔ گلستانِ سخن۔ اس کے مصنف دہلی کے شاہی خاندان کے ایک فرد قادر بخش صابر ہیں۔

۱۶۔ گلشن بے خار۔ مصنفہ محمد مصطفیٰ شیفتہ۔ یہ کتاب ۱۸۴۵ء میں پہلی بار شائع ہوئی لیکن اس سے پہلے میرے پاس اس کا ایک قلمی نسخہ موجود تھا۔ یہ فارسی میں ہے اور اس میں چھ سو ہندوستانی شعرا پر تبصرہ کے ساتھ ان کے کلام کا انتخاب بھی دیا گیا ہے۔ اس تذکرے سے میں نے اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں بڑی مدد لی ہے۔

۱۷۔ گلشنِ بے خزاں۔ یہ گلشن بے خار کا تقریباً اردو ترجمہ ہے جس کے مترجم غلام قطب الدین باطن ہیں۔

۱۸۔ گلشنِ ہند۔ مصنفہ لطف علی دہلوی۔ یہ اردو میں ہے اور اس میں ساٹھ اردو شعراء پر مختصر جامع تبصرہ ہے۔ یہ میرے کام میں بڑا مفید ثابت ہوا۔

۱۹۔ گلزار ابراہیم۔ مصنفہ علی ابراہیم۔ اس میں تین سو اردو شعراء کا ذکر اور ان کے کلام کا انتخاب ہے۔ یہ ان تذکروں میں سے ہے جس سے میں نے بڑی مدد لی ہے۔

۲۰۔ گلزارِ مضامین۔ مصنفہ طپش جان یہ تقریباً پورا کا پورا طپش کی مختصر نظموں کا مجموعہ ہے لیکن اس لحاظ سے تذکرہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس کے دیباچہ میں اردو شاعری کے تاریخی ارتقاء پر تبصرہ ملتا ہے۔

۲۱۔ انتخاب دواوین یا خلاصہ دیوانہا۔ امام بخش صہبائی دہلوی نے اس میں اردو کے ممتاز شعراء کے کلام کا انتخاب کیا ہے۔ اس میں اکثر اقتباسات بھی دیے گئے ہیں لیکن ایک طرح سے اسے تذکرہ بھی کہہ

سکتے ہیں کیوں کہ ہر شاعر پر ایک مختصر اردو تبصرہ بھی شامل ہے۔

۲۲۔ کبی یا کوی بچن سدھا۔ یہ ایک ہندی گلدستہ ہے جسے کلکتہ سے بابو ہری چند ہر ماہ شائع کرتے ہیں۔

۲۳۔ کوی چرتر۔ مصنفہ جنار دھن۔ یہ کتاب مرہٹی میں ہندی شعراء کے متعلق ہے۔

۲۴۔ کوی پرکاش۔ عنوان کے لحاظ سے اس کو ایک ہندی تذکرہ ہونا چاہیے۔

۲۵۔ کویا سنگراھا۔ یہ ہندی یا برج بھاشا کے شاعروں کا انتخاب ہے جسے بمبئی کے ہیرا چندر نے مرتب کیا ہے۔

۲۶۔ معیار الشعراء۔ یہ قدیم و جدید شاعری کا انتخاب ہے جسے منشی قمر الدین گلاب خان، مہینے میں دو بار آگرہ سے شائع کرتے ہیں۔

۲۷۔ مسرت افزا۔ مصنفہ ابوالحسن الہ آبادی۔ یہ تذکرہ میرے پاس نہیں تھا لیکن ناتھ بلنڈ نے مجھے اس کا ایک خلاصہ دیا تھا جو انھوں نے ایک قلمی نسخہ کی مدد سے تیار کیا تھا۔ یہ نسخہ سر ڈبلیو اوسلی کی ملکیت تھا اور آجکل آکسفورڈ میں موجود ہے۔

۲۸۔ مجالس رنگین۔ اس میں در حاضر کے شعراء اور ان کے کلام پر تنقیدی تبصرہ ہے۔

۲۹۔ مجموعہ نغز۔ مصنفہ ابوالقاسم پہلوی۔ یہ ان تذکروں میں سے ہے جس نے مجھے اپنی کتاب کے لیے نئے ایڈیشن مرتب کرنے پر آمادہ کیا۔ اس میں اور دوسرے تذکروں میں قابل امتیاز چیز یہ ہے کہ اس میں ناموں کو باقاعدہ ترتیب دیا گیا ہے اور ایک ہی نام کے مختلف شعراء کے فرق کو واضح کر دیا گیا ہے۔ قاسم کے مضامین کی تعداد سرور اور شیفتہ کے مقابلے میں کم ہے لیکن ان کا معیار ان سے بلند ہے اور ایسے اقتباسات بھی ملتے ہیں جو دوسروں کے یہاں نہیں ہیں۔

۳۰۔ مجموعۃ الانتخاب۔ از فقیر شاہ محمد کمال۔ میں نے اپنی کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں اس کتاب کی مدد سے ۵۸ مضامین کا اضافہ کیا ہے جن میں سے بعض بڑے دلچسپ ہیں۔ بدقسمتی سے اس کا جو قلمی نسخہ میرے پاس ہے اگرچہ نستعلیق میں ہے لیکن صاف پڑھنے میں نہیں آتا۔ خاص طور پر حوالوں کا پتہ لگانا مشکل ہے۔

۳۱۔ مجموعہ واسوخت۔ یہ مختلف شعراء کے ۲۱ منتخب واسوختوں کا مجموعہ ہے۔ جو بڑی تقطیع پر لکھنؤ سے ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۹ء میں بغیر حاشیہ کے شائع ہوا ہے۔

۳۲۔ مخزن نکات یا نکات الشعرا۔ از قیام الدین قائم۔ یہ تذکرہ طبقات کے نام سے تین حصوں میں تقسیم ہے اور اسی لیے اسے طبقات الشعرا بھی کہتے ہیں۔ اسی نام کا ایک اور تذکرہ بھی ہے۔ میں نے مخزن

نکات سے بہت سی نئی باتیں حاصل کی ہیں۔

۳۳۔مختصر احوال مصنفان ہندی کے تذکروں کا۔اس کا دوسرا نام ''رسالہ در باب تذکروں کا'' ہے جسے ذکا اللہ دہلوی نے مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب دراصل میری کتاب *Auteurs Hindustanis et Leurs Ouvrages* کا ترجمہ ہے۔

۳۴۔نورتن۔ یہ ایک ہندوستانی تذکرہ ہے جسے محمد بخش نے مرتب کیا ہے۔ نام کے اعتبار سے اس کے نو باب ہیں اور اس میں بکرماجیت کے زمانے کے دو مشہور شعراء کا ذکر کیا گیا ہے۔

۳۵۔مخزن نکات یا نکات الشعرا۔از میر محمد تقی۔ یہ اردو شعراء کے متعلق قدیم ترین تذکرہ ہے جو اٹھارہویں صدی کے آخر میں لکھا گیا ہے۔اس کے مصنف کے متعلق میں بہت سی تفصیلات اور اقتباسات کتاب کے اندر دوں گا۔

۳۶۔راگ کلپادرہما۔ یہ مقبول ہندی گانوں کا ضخیم مجموعہ ہے جسے کرشنا چند بیاس دیو متخلص بہ راج ساگر نے مرتب کیا ہے۔ یہ تقریباً ۱۸۰۰ صفحات کی موٹی کتاب ہے۔

۳۷۔روضۃ الشعرا۔از محمد حسین کلیم۔ یہ ہندوستانی شعراء کے متعلق اردو نظم ہے جسے تذکرہ بھی کہہ سکتے ہیں۔

۳۸۔سبھا دلاس۔ یہ ہندی شاعری کا ایک انتخاب ہے جسے پنڈت دھرم نرائن ضمیر نے مرتب کیا ہے۔

۳۹۔سراپا سخن۔از محسن لکھنوی۔اس میں تقریباً سات سو اردو شعراء کے کلام کا انتخاب کیا گیا ہے یہ منتخب کلام مختلف عنوانات کے ماتحت دیا گیا ہے اور ہر شاعر پر مختصر تبصرہ بھی شامل ہے۔ یہ کتاب میری کتاب کے دوسرے ایڈیشن کے لیے بڑی مفید ثابت ہوئی۔

۴۰۔ سرو آزاد۔اس کا حوالہ ابوالحسن نے اپنے تذکرہ مسرت افزا میں دیا ہے۔اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ اردو شعراء کا ایک تذکرہ ہے لیکن این بلنڈ کا خیال ہے کہ یہ فارسی شعراء کا تذکرہ ہے۔میرے خیال میں یہ دونوں باتیں درست ہوسکتی ہیں کیونکہ آپس میں فارسی گو ہندوستانی شعرا کے ساتھ ساتھ اردو گو فارسی شعرا کا بھی ذکر ہوسکتا ہے۔خود آزاد اردو کے ایک معروف و ممتاز شاعر تھے۔میرا خیال ہے کہ آزاد نے فارسی شعرا کا ایک الگ تذکرہ ''خزانۂ عامرہ'' کے نام سے لکھا ہے۔

۴۱۔ صحف ابراہیم۔از ابراہیم خلیل۔ان کے متعلق تفصیلات کتاب کے اندر ملیں گی۔

۴۲۔سجانا چرتر۔اس میں کوی سودامانے تقریباً دو سو ہندی شاعروں کا ذکر کیا ہے۔

۴۳۔طبقات الشعرا۔از قدرت اللہ شوق۔اس کتاب کا ذکر صرف تذکرۂ ہندی کے نام سے بھی کیا گیا ہے۔

۴۴۔طبقات الشعرا۔مصنفہ کریم الدین اس کو تذکرہ شعرائے ہندی بھی کہتے ہیں۔ یہ ۱۸۴۸ء میں دہلی سے شائع ہوا۔ اشتہار میں دیا گیا تھا کہ یہ کتاب میری کتاب تاریخ ادب ہندوستانی کا ترجمہ ہے لیکن یہ میری کتاب سے بالکل الگ چیز ہے۔مسٹر Fallon انسپکٹر تعلیمات بہار نے البتہ میری کتاب کے متعلق اس کتاب کے مشہور مصنف کو معلومات بہم پہنچائی ہیں۔

۴۵۔طبقات سخن۔از غلام محی الدین عشق میرٹھی۔ یہ تذکرہ میری نظر سے نہیں گزرا۔اس میں تقریباً ایک سو ریختہ گوشعراء کے کلام کا انتخاب ہے۔

۴۶۔تذکرۂ اختر۔از واجد علی۔ یہ بڑا ضخیم تذکرہ ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس میں فارسی اور ہندوستانی شعراء پر پانچ ہزار کے قریب تبصرے شامل ہیں۔مصنف اودھ کے آخری نواب ہیں۔میرے کتب خانے میں ان کی بہت سی کتابیں ہیں لیکن یہ نہیں ہے۔

۴۷۔تذکرہ عاشق۔مصنفہ مہدی علی دہلوی۔

۴۸۔تذکرہ آزردہ۔یہ صدر الدین کی تصنیف ہے اور شیفتہ نے اس کا حوالہ دیا ہے۔

۴۹۔تذکرہ گردیزی۔از فتح علی حسینی۔ یہ ان تذکروں میں سے ہے جن سے بڑی مدد ملی ہے۔

۵۰۔تذکرہ حسن۔اسے سحرالبیان کے مشہور مصنف میر حسن نے لکھا ہے اور اس تذکرے کا دوسرے تذکرہ نگاروں نے اکثر حوالہ دیا ہے لیکن وہ میری نظر سے نہیں گزرا۔

۵۱۔ تذکرہ امام بخش کشمیری۔مصحفی نے اس کا حوالہ دیا ہے اور شکایت کی ہے کہ امام بخش نے سارا کا سارا مواد مصحفی کے مسودہ سے اخذ کیا ہے۔

۵۲۔تذکرہ عشقی۔از رحمت اللہ عشقی۔ میں نے براہ راست اس سے استفادہ نہیں کیا بلکہ اس کے متعلق معلومات ڈاکٹر اسپرنگر کی ''فہرست کتب نواب اودھ'' کی مدد سے حاصل کی ہیں۔اسپرنگر نے اس تذکرے سے J.B.Elliot کے کتب خانہ میں استفادہ کیا۔جی بی ایلیٹ کے پاس ہندوستانی ادب کا ایک بڑا ذخیرہ موجود تھا۔

۵۳۔تذکرہ جہاندار۔از جوان بخت۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب تذکرہ نمبر ۵۴ سے ماخوذ ہے۔

۵۴۔تذکرہ خاکسار۔از محمد یار خاکسار۔شورش نے اس کا حوالہ دیا ہے۔

۵۵۔تذکرہ محمود۔مصنفہ حافظ محمود۔دور حاضر کے مصنف ہیں۔

۵۶۔تذکرہ مصحفی۔مصنفہ غلام ہمدانی مصحفی۔اس میں تقریباً ۱۵۰ اردو شعراء کا ذکر ہے۔اور یہ ان تذکروں

میں سے ہے جن سے میں نے بڑا استفادہ کیا ہے۔

۵۷۔ تذکرہ مضمون یا مظلوم۔ از امام الدین۔

۵۸۔ تذکرہ ناصر۔ از سعادت خان لکھنوی۔

۵۹۔ تذکرہ سودا۔ از رفیع الدین۔ مجھے افسوس ہے کہ اٹھارہویں صدی کے اس مشہور ترین شاعر کی کتابیں میری نظر سے نہیں گزریں۔

۶۰۔ تذکرہ شوق۔ از حسن۔

۶۱۔ تذکرہ شورش۔ از غلام حسین۔ اس سے میں نے تذکرہ عشقی کی طرح فائدہ اٹھایا ہے۔

۶۲۔ تذکرہ ترمذی۔ از محمد علی۔ گلزار ابراہیم میں اس کا ذکر ہے۔

۶۳۔ تذکرہ ذوق: از محمد ابراہیم جو کہ ایک مشہور شاعر ہیں۔

۶۴۔ تذکرۃ الکاملین: از بابو رام چند۔

۶۵۔ تذکرہ النساء: یہ تذکرہ خواتین کے متعلق ہے اور کریم الدین کی تصنیف ہے۔

۶۶۔ عمدۃ المنتخبات: از محمد خان سرور، اس میں حالات زندگی کے ساتھ بارہ سو شعرا پر تبصرہ کیا گیا ہے اور یہ میرے لیے بڑا مفید ثابت ہوا۔

کتابوں کی فہرستوں نے بھی میری کتاب کے حصہ ماخذات کو مکمل کرنے میں بڑی مدد کی ہے۔ ان فہرست کتب میں جو قلمی فہرست میرے لیے سب سے زیادہ فائدہ مند ثابت ہوئی وہ لکھنؤ کے ایک شخص علی احمد کی تھی اور جس میں فارسی، اردو کے قلمی نسخوں کا ایک نہایت قیمتی ذخیرہ موجود تھا۔ یہ فہرست ۱۲۱۱ھ، ۹۷۔۱۷۹۶ء میں نقل ہوئی تھی۔ ایشیاٹک سوسائٹی، بنگال میں بھی دو فہرست کتب ایک فارسی رسم الخط میں اور دیوناگری میں موجود تھیں۔

اقتباسات حاصل کرنے میں میں نے دو اہم کتابوں سے بڑی مدد لی ہے جو کہ انگریزی کے عالموں کی لکھی ہوئی ہیں۔ ان میں ایک کتاب کرنل براؤٹن کی *The Selection from the popular poetry of Hindoostan* ہے۔ اس میں ہندوستان کی ۱۵۹ مقبول ترین نظموں کا انتخاب ہے ساتھ ہی چند قدیم شعراء کے متعلق تفصیلات بھی دی گئی ہیں۔ دوسری کتاب ہندوستان کے مشہور عالم تاریخی چرن متر کی مدد سے لکھی گئی ہے۔ یہ اقتباسات کے لیے بڑی مفید ثابت ہوئی اور اس سے میں نے اکثر حصے نقل کیے ہیں۔ اس میں دوسری چیزوں کے علاوہ بھگتا مل کے طویل اقتباس، کبیر کے دوہوں کے کچھ حصے، تلسی داس

کی رامائن سے ایک نظم، ہیتو بادشاہ نے اردو ترجمہ کے چند اجزا جس میں ان کے شکنتلا کا ایک حصہ اور ۳۴۸ کے شاعروں کی مختصر نظمیں بھی شامل ہیں جو عوام میں بڑی مقبول ہیں۔

بدقسمتی سے جس انداز میں یہ تذکرے لکھے گئے ہیں وہ اطمینان بخش نہیں ہیں۔ اکثر جگہ صرف شعراء کے نام اور ان کے ایک دو شعر بطور نمونہ نقل کر دیے گئے ہیں۔ طویل سے طویل تبصرہ میں بھی مصنف کی تاریخ پیدائش، تاریخ وفات تفصیلی حالات زندگی کا پتہ نہیں چلتا۔ عام طور پر مصنفین کی تصانیف اور ان کے عنوانات کا بھی ذکر نہیں ہے۔ ان کے نزدیک صرف یہ بات اہم ہے کہ شعراؑ نے اپنا دیوان مرتب کیا ہے یا نہیں، کیونکہ جس شاعر نے دیوان مکمل کرلیا وہ صاحب دیوان ہونے کی حیثیت سے بڑا ممتاز شاعر خیال کیا جاتا تھا لیکن ان تذکروں کی سب سے بڑی افادیت یہ ہے کہ ان میں اکثر ان شعراؑ پر تبصرے ملتے ہیں جو یورپ میں بالکل نایاب ہیں۔ تذکرہ نگاروں میں صرف میرؔ ایسے شخص ہیں جو اشعار کو نقل کرنے کے ساتھ کبھی کبھی ان پر تنقیدی رائے کا بھی اظہار کرتے ہیں۔ وہ تنقیدانہ عروض کی غلطیوں کو اجاگر کرتے ہیں اور اکثر درست کر کے واضح کر دیتے ہیں کہ اسے یوں نہیں یوں ہونا چاہیے۔ ''نکات الشعراؑ'' کے دیباچہ کے مطابق ان کا تذکرہ اردو شعراء کے تمام تذکروں میں قدیم ترین ہے۔

جن تذکروں سے میں نے اپنی کتاب کے لیے بنیادی مواد حاصل کیا ہے ان میں شعراؑ کی فہرست تخلص کے اعتبار سے مرتب کی گئی ہے۔ میں نے اپنی کتاب کی فہرست میں ان کی تقلید کی ہے اگرچہ پہلے میرا ارادہ یہ تھا کہ تاریخی اعتبار سے ان کو مرتب کروں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ میری کتاب کے عنوان کے لحاظ سے بہت زیادہ مفید ہوگا لیکن مواد کی کمی کی وجہ سے اس کام سے عہدہ برآ ہونا میرے لیے بہت مشکل تھا۔ جیسا کہ میں نے اوپر کہا ہے تذکرہ نگار ہمیں کوئی تاریخی شعور نہیں دیتے کہ کون شاعر کب اور کس عہد تک تھا۔

اگرچہ تذکرہ نگار اکثر اشعار نقل کرتے ہیں لیکن ان سے کسی اسلوب کا اندازہ لگانا مشکل ہے کیونکہ کاتبوں نے انھیں مختلف املا کے ساتھ جگہ جگہ نقل کیا ہے اور اسی لیے بعض اوقات قدیم دور کے اشعار بھی جدید رنگ میں نظر آتے ہیں۔ ہندی شاعری کے سلسلے میں کوئی تاریخی معلومات فراہم نہیں ہوتیں۔ اگر میں تاریخی ترتیب کو ملحوظ رکھتا تو شعراؑ کو تین گروہوں میں تقسیم کرنا پڑتا۔ پہلے گروہ میں وہ لوگ شامل ہوتے جن کے عہد کا تعین بخوبی ہوسکتا ہے۔ دوسرے گروہ میں ایسے مصنفین کا ذکر ہوتا جن کا عہد مشتبہ ہے اور تیسرے گروہ میں انھیں داخل کرتا جن کے عہد کی ہمیں بالکل خبر نہیں ہے۔ یہی ترتیب مجھے تصانیف کے سلسلے میں بھی کرنی پڑتی۔ یہ ترتیب زیادہ منطقی ہوتی لیکن میں اپنے کام کو آسان بنانے اور قارئین کو سہولت بہم

پہنچانے کی غرض سے اس خیال سے باز رہا۔ اب میں مصنفین کی ترتیب کا ایک خاکہ پیش کر رہا ہوں۔

سب سے پہلے ہمیں ہندی کے شعراً نظر آتے ہیں [۴۱] اور گیارہویں صدی میں مسعود کا نام ملتا ہے [۴۲]
جن کے متعلق ۱۸۵۳ء کے ایشیاٹک جرنل کے صفحات میں ناتھ بلنڈ نے بڑی دلچسپ باتیں بتائی ہیں۔
بارہویں صدی میں ہمیں چند شاعر ملتا ہے جو راجپوتوں کا ہیرو کہلاتا ہے۔ اس کے بعد پیپا کا نام آتا ہے جن کا کلام سکھوں کے ادھ گرنتھ میں شامل ہے۔ تیرہویں صدی میں سعدی [۴۳] نامی شاعر ملتا ہے جو اردو میں شعر کہنا کوئی کمتر درجہ کی بات نہیں سمجھتا۔ اس کے بعد بیجو باورا سامنے آتا ہے جو مشہور شاعر اور موسیقی کار ہے۔
چودہویں صدی میں خسرو دہلوی اور نوری حیدرآبادی کے نام ملتے ہیں۔

جس دور اور عہد کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے غالباً اس میں اور بہت سے ہندوستانی مصنفین رہے ہوں گے۔ وسطی ہندوستان کے کتب خانے میں بہت سی قدیم ہندی کتابیں ہوں گی جو ابھی تک منظر عام پر نہیں آئیں۔ بہر حال ہندی زبان کی پہلی ارتقائی منزل میں ہندی گیتوں کا وجود ملتا ہے۔

پندرہویں صدی میں ہمیں نئے نئے فرقوں کے بانی نظر آتے ہیں جنھوں نے مذہبی اور اخلاقی خیالات کو ہندی میں نظم کیا۔ ان میں سے سب سے زیادہ کبیر نے سنسکرت کے استعمال کے خلاف احتجاج کیا اور اس کے بعد ان کے شاگرد سرت گوپال داس مصنف سکھ ودھان [۴۴]، دھرم داس مصنف امر مال اور نانک و بھگوداس نے جو کبیر کے مشہور ترین چیلے ہیں ان کی تقلید کی۔ لالچ نامی شخص نے بھی مغربی ہندی میں ''بھگوت'' نامی کتاب لکھی ہے۔

سولہویں صدی کے ہندوؤں میں سکھدیو کا نام آتا ہے جن کے متعلق پریا داس تذکرہ نگار نے الگ سے ایک مضمون لکھا ہے۔ بتھاجی کی بھی بہت سی بھجنیں بھگتامل کے اصل نسخے میں ملتی ہیں۔ نئے فرقوں کے بانی اور مشہور شاعر ولبھا اور دادو نے بھی اشعار کہے ہیں [۴۵]۔ ست سئی کے مصنف بہاری، علم بلاغت کے عالم گنگا داس کے علاوہ اور کئی شعراً کے نام اس دور میں ملتے ہیں۔

شمالی ہند کے مسلمان مصنفوں میں دوسروں کے علاوہ اکبر کے وزیر ابوالفضل اور روشنیہ یا جلالی فرقہ کے پیشوا بایزید انصاری ہیں۔

دکن کے مصنفوں میں سے سب سے پہلے افضل محمد کا نام ملتا ہے جن کا ذکر کمال نے اس طور پر کیا ہے:

> ''ان کا بیان صاف اور شستہ ہے اس لیے کہ اُس زمانے میں لوگ ریختہ میں طبع آزمائی کرنے کے بجائے دکنی زبان میں شعر کہنا زیادہ پسند کرتے تھے''

پھر گولکنڈہ کے بادشاہ محمد قلی قطب شاہ ۱۵۸۲ء تا ۱۶۱۱ء اور اس کے جانشین عبداللہ قطب شاہ نے ہندوستانی ادب کی سرپرستی اور ترویج میں خاص حصہ لیا۔

سترہویں صدی کا وہ زمانہ ہے جب کہ دکن میں بالخصوص اردو شاعری اپنے عام اصول و قواعد کے ساتھ وجود میں آئی۔ میں یہاں صرف ہندی شاعروں میں تلسی داس، سورداس، کیشوداس کا ذکر کروں گا جو جدید ہندوستان کے مقبول ترین شاعر ہیں۔ ان کے متعلق مشہور ہے کہ سورداس سورج، تلسی داس چاند، کیشوا داس ستارہ اور دوسرے شعرا جگنو ہیں۔

اردو شعراء میں حاتم کا ذکر جو میں پہلے کر چکا ہوں۔ فقیر اللہ آزاد حیدر آباد میں پیدا ہوئے لیکن دہلی میں رہنے لگے تھے اور وہیں ان کی شہرت ہوئی۔ اس کے علاوہ محمد جنھوں نے کئی مذہبی کتابیں لکھی ہیں۔

اس دور کے دکنی کے شاعروں میں بابائے ریختہ ولی ہیں جو کہ شاہ گلشن کے شاگرد ہیں پھر احمد گجراتی، تانا شاہ، شاہی باگ نگری اور مرزا ابوالقاسم مصاحبین دربار کا نام آتا ہے۔ اس کے بعد پھول بن کے مصنف ابن نشاطی یا آواری، طوطی نامہ کے مصنف غواصی اور محقق کے نام ملتے ہیں۔ محقق قدیم شاعر ہے اور دکنی شعرا میں انھوں نے سب سے پہلے اس ریختہ میں شعر کہے جو اردو سے ملتی جلتی ہے۔ خاور نامہ کے مصنف رستمی، عاجز، محمد اور کئی دوسرے مصنفین بھی اس دور سے تعلق رکھتے ہیں۔

اٹھارہویں صدی کے ان تمام شعرا کا حوالہ جو کہ اپنے ہم وطنوں میں شہرت رکھتے ہیں بہت مشکل ہے۔ ہندی کے شاعروں میں ہندو فلسفہ کے مختلف اصولوں کے رسالہ کے مرتب گنگا پتی، سادھو فرقہ کے بانی اور مذہبی شاعری کے علمبردار بیربھان، اپنے ہی نام کے فرقہ کے بانی اور ہندی کے پاکیزہ بھجنوں کے شاعر رام چرن، اور شیو نرائن کا ذکر کروں گا جو کہ ایک خاص فرقہ کے بانی ہونے کے علاوہ گیارہ منظوم ہندی کتابوں کے مصنف ہیں۔ یہ کتابیں عام رواج کے مطابق ''شری گنیش آئے نما'' کے الفاظ سے شروع ہونے کے بجائے ''ستناسوں'' کے الفاظ سے شروع ہوتی ہیں۔

اردو شعرا میں صرف سودا[۲۶]، میر اور حسن کا ذکر کروں گا۔ یہ تینوں گزشتہ صدی کے سب سے مشہور شاعر ہیں۔ اس کے علاوہ جرأت، آرزو، درد، یقین، فغاں، امجد دہلوی، امین الدین بنارسی اور عاشق غازی پوری کے نام قابل ذکر ہیں۔ دکنی شاعروں میں حیدر شاہ مرثیہ گو کا نام آتا ہے جنھوں نے اور کئی نظمیں لکھی ہیں جن میں ولی کے اشعار کی تضمین کی گئی ہے۔ ان مخمس نما نظموں میں تین اشعار کا اضافہ کر کے ایک بند پورا کیا گیا ہے۔ ابجدی کے اشعار بھی قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے ایک قسم کی منظوم قاموس مرتب کی ہے۔

اس میں کئی باب ہیں۔ ہر باب کا وزن مختلف ہے اور مصنف نے باب کے شروع میں اس کی وضاحت بھی کر دی ہے۔ سراج اورنگ آبادی متوفی ۱۷۵۴ء اور عزلت سورتی متوفی ۱۱۶۵ھ، ۵۲-۱۷۵۲ء بھی ایک خاص مرتبے کے مالک ہیں۔

انیسویں صدی کے اور دور حاضر کے ممتاز ترین ہندوستانی مصنفین یہ ہیں: ہندی میں بھگتامل جنھوں نے جین مت کے اصول کو نظم میں مرتب کیا ہے۔ دولہا رام تذکرہ نگار اور ان کے جانشین چترا داس جو کہ رام سنہی فرقہ کے روحانی پیشوا ہیں۔

اردو کے سلسلے میں صہبائی اور کریم الدین نے ان شعرا کے نام لیے ہیں: مومن دہلوی، متوفی ۱۸۵۲ء بڑے پرگو اور خوش اسلوب شاعر ہیں اور ان کے دیوان کو بے نظیر کہا گیا ہے۔ نصیر متوفی ۱۸۴۲ء یا ۱۸۴۳ء، آتش متوفی ۱۸۴۷ء بھی صاحب دیوان ہیں اور ان کے دیوان بہت مقبول ہیں۔ مول چند نے شاہنامہ کے خلاصے کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔ دورِ حاضر کے ممتاز شاعر ممنون کے علاوہ اور بہت سے شعرا ہیں جن کا ذکر میں نے اپنے خطبے میں کیا ہے۔

دکنی میں صرف کمال حیدر آبادی اور مستان مدراسی کا ذکر کروں گا۔ جس انداز سے ہندوستانی تذکرہ نگار شاعروں کا تذکرہ کرتے ہیں، اگر ہم اس پر نظر رکھیں تو تمام شعراء کو بہت آسانی سے تین طبقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک وہ جن کا ذکر معمولی طور سے کیا گیا ہے، دوسرے وہ جنھیں قابلِ احترام جگہ دی گئی ہے اور تیسرے وہ جن کی غیر معمولی تعریف و تحسین کی گئی ہے۔ پہلے طبقہ کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ اکثر صرف نام اور ان کے وطن کے ساتھ ایک شعر نقل کر دیا جاتا ہے۔ یہ وہ شعرا ہیں جنھوں نے متعدد غزلیں کہی ہیں لیکن ان کی تعداد ایسی نہ تھی کہ دیوان مرتب ہوسکتا۔ ان کی اکثر نظموں کے عنوانات کا بھی پتہ نہیں چلتا۔ دوسرے طبقہ کے شعراء وہ ہیں جو صاحبِ دیوان یا صاحبِ کلیات ہیں۔ تیسرے طبقے کے شعراء میں وہ شمار کیے جاتے ہیں جنھوں نے نظم و نثر میں پوری پوری کتابیں لکھی ہیں۔ ہندی کتابوں کے اکثر عنوان سنسکرت میں اور اردو یا دکنی کی کتابوں کے عنوانات بالعموم عربی یا فارسی میں ہیں۔

ہندوستانی تذکرہ نگار اکثر ان شعراء پر بھی تبصرہ کرتے ہیں جو ہندوستانی ہیں اور فارسی میں شعر کہتے ہیں۔

ہندوستانی تذکرہ نگاروں کی طرح میں نے بھی فارسی گو ہندوستانی شعراء کا ذکر کیا ہے۔ ہمیں اس بات پر تعجب نہیں کرنا چاہیے کہ ہندوستانی اردو شعراء فارسی میں شعر کہتے ہیں کیونکہ سترہویں صدی میں اور بعہدِ چودھویں لوئی خود ہمارے ملک کا یہ عالم تھا کہ یہ لوگ اپنی زبان کے علاوہ اپنا تبحر علمی ثابت کرنے کے

لیے لاطینی میں شعر کہنا ضروری خیال کرتے تھے۔ مثلاً اسی طرح روم میں لوگ اپنی زبان کے علاوہ یونانی میں بھی شعر کہتے ہیں اور جو لوگ ان دو زبانوں میں بخوبی لکھ سکتے ہیں ان کو Utriusgue Lingua e Scriptores کہتے ہیں۔

ہندوستانی رواج کے مطابق جو لوگ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں وہ دونوں زبانوں کے لیے الگ الگ تخلص اختیار کرتے ہیں۔ اب میں مصنّفین کو مختلف طبقات میں ترتیب دوں گا۔ اس میں سے سب سے پہلے ہندو مصنّفین اور مسلمان مصنّفین کے فرق کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ تقریباً کسی مسلمان نے ہندی میں شعر نہیں کہے لیکن ہندوؤں نے اکثر اردو یا دکنی میں شعر کہے ہیں اور جیسا کہ سرسید احمد خان نے ''آثارالصنادید'' میں بیان کیا ہے ہندو ابتدائی دور میں فارسی میں اشعار کہتے تھے۔ پھر بھی میں نے جن تین ہزار ہندوستانی مصنّفین کا ذکر کیا ہے ان میں دو ہزار دو سو مسلمان اور مشکل سے آٹھ سو ہندو مصنّفین ہیں۔ ان ہندو شعرا میں بھی صرف تقریباً دو سو پچاس نے ہندی میں لکھا ہے۔ ہم تمام ہندو شعرا کا سراغ لگانے سے بھی قاصر ہیں کیونکہ اس زبان میں تذکرے دستیاب نہیں ہیں اور اس لیے ہندی شعرا کی بڑی تعداد سے ہم ناواقف ہیں۔ اس کے برعکس اردو مصنّفین کے متعلق بہت سے تذکرے ہیں جن میں کم از کم ان کے نام تو مل جاتے ہیں۔ جن ہندوؤں نے ہندی میں لکھا ہے وہ عام طور سے پنجاب، کشمیر، راجپوتانہ، شمالی مغربی صوبہ، دہلی، آگرہ، برج اور بنارس سے تعلق رکھتے ہیں۔ خالص دکنی میں لکھنے والے شعراء کی تعداد دو سو سے زیادہ نہیں ہے اس لیے جن شعراء کا ذکر بیان کیا گیا ہے ان میں اکثریت ان کی ہے جو ہندوستان کی عام بولی اردو میں شعر کہتے ہیں اور جو کہ ہندوستان کی سب سے زیادہ پاکیزہ زبان ہے۔

اگر ہم ان شعراؑ کے شہروں کے ناموں پر نظر ڈالیں تو پتہ چلے گا کہ دکنی نے سورت، بمبئی، مدراس، حیدرآباد، سرنگاپٹم، اور گولکنڈہ میں فروغ پایا اور اردو دہلی، آگرہ، میرٹھ، لکھنؤ، بنارس، کانپور، مرزاپور، فیض آباد، الٰہ آباد اور کلکتہ میں پروان چڑھی جہاں لوگ مقامی بولی کی طرح اردو کو استعمال کرتے ہیں۔

میر امن جو کہ اردو کے پہلے نثر نگار خیال کیے جاتے ہیں کلکتہ میں تالیف و تصنیف میں مشغول تھے۔ انھوں نے اپنی کتاب ''باغ و بہار'' کے دیباچہ میں اس سلسلے میں لکھا ہے:

''میری زبان بھی اردو ہے اور میں ایک شمالی شہر سے بنگال پہنچا ہوں''

صرف ان کے نام کی مدد سے ہندو یا مسلمان مصنّفین کا آسانی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ شعراؑ کے ناموں کا مطالعہ بڑا دلچسپ ہوگا۔ میں نے ایک جگہ مسلمان مصنّفین کے ناموں اور ان کے القاب کی تفصیل دی

ہے یہاں صرف اس قدر دہراؤں گا کہ مسلمان مصنّفین چند نام تک اختیار کر سکتے ہیں مثال کے طور پر جو مسلمان بزرگ ہستیوں کے نام ہوتے ہیں۔

۱۔ لقب: جیسے غلام اکبر، امداد علی وغیرہ

۲۔ کنیت: جیسے ابو طالب، ابن ہشام

۳۔ نسبت: جو کہ وطن سے تعلق ظاہر کرتا ہے جیسے قنوجی، لاہوری، وغیرہ

۴۔ خطاب: مثلاً خان وغیرہ

۵۔ تخلص: بالعموم یہ عربی یا فارسی کا اسم یا صفت ہوتا ہے جس کے لیے ہندوستانی لفظ استعمال نہیں کرتے۔

اسلام کی بزرگ ہستیوں کے بجائے ہندو مصنّفین اپنے دیوتاؤں کے نام بھی استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً مسلمانوں کے نام محمد، علی، ابراہیم، حسن، حسین وغیرہ اور ہندوؤں کے نام ہری، نرائن، رام، لچھمن، گوپی ناتھ، گوکل، کاشی ناتھ وغیرہ ہوں گے۔

مسلمانوں کے لقب عبدالعلی، غلام محمد، محمد علی وغیرہ اور اسی طرح ہندوؤں میں شیوداس، کرشنا داس، مدھوداس، کیشو داس، نند داس، ہلدھر داس، سورداس وغیرہ ہوں گے۔ ہندو صرف اپنے دیوتاؤں کی پرستش نہیں کرتے بلکہ درختوں، دریاؤں اور شہروں کو بھی مقدس جانتے ہیں اور اسی لیے ان کے نام گنگا داس، تلسی داس، آگرہ داس، کاسی داس، متھرا داس، دوار کا داس وغیرہ ہوتے ہیں۔

مسلمانوں کے محبوب علی، اور محبوب حسین کے مقابلے میں ہندوؤں کے یہاں شری لال، ہربنش لال استعمال ہوتے ہیں اور عطا محمد، علی بخش کی جگہ ہندوؤں میں بھگوان دت، رام پرشاد، شیو پرشاد، کالی پرشاد وغیرہ استعمال ہوں گے۔ ہندو بعض اوقات ہندی اور فارسی کے الفاظ کو ملا کر گنگا بخش وغیرہ کے نام بھی رکھتے ہیں۔

مسلمانوں کے اسد اور شیر ہندوؤں کے سنگھ کے مترادف ہیں۔ خطابات البتہ ہندوؤں کے مختلف طبقوں کے لیے الگ الگ ہیں۔ مثلاً برہمنوں کے لیے شرما، چوبے، تیواری، دوبے، پانڈے، شاستری وغیرہ، چھتری، راجپوت، اور سکھوں کے لیے علی الترتیب ٹھاکر، رائے، سنگھ وغیرہ۔ ویش تاجر اور مہاجنوں کے لیے شاہ، سیٹھ، لالہ وغیرہ اور ادیبوں کے لیے پنڈت اور سین۔ حکیموں کے لیے مسر استعمال کیے جاتے ہیں۔ ہندو فقیروں کو گرو، بھگت، گسائین، سائیں اور سکھ فقیروں کو بھائی کہتے ہیں۔ ہندوؤں کی تقلید میں

مسلمان بھی چار طبقوں میں تقسیم ہیں۔ سیّد، شیخ، مغل، پٹھان، سیّد حضرت محمد کی نسبت سے ہیں۔ شیخ وہ ہیں جو اصل عرب ہیں اور وہ بھی جو دوسرے مذہب کو چھوڑ کر مسلمان ہوئے ہیں۔ مغل عام طور پر ایرانی النسل خیال کیے جاتے ہیں اور پٹھانوں کا تعلق افغان سے سمجھا جاتا ہے۔

سیّدوں کے خطابات، میر یا امیر ہوتے ہیں۔ شیخوں کا کوئی خاص خطاب نہیں ہوتا۔ مغلوں کو میرزا، آغا اور خواجہ کہتے ہیں۔ پٹھانوں کا خطاب خان ہوتا ہے۔ مسلمان فقیروں کو شاہ، صوفی اور پیر اور مسلمان علما کو ملا کہتے ہیں۔ مسلمان عورتوں کو بیگم، خانم، خاتون، صاحبہ، یا صاحب بی یا بی بی وغیرہ کہتے ہیں۔ شری، دیوا ہندوؤں کے خطابات ہیں۔ شری، نام کے پہلے استعمال ہوتا ہے اور دیوا آخر میں۔ یہ الفاظ پہاڑوں، شہروں اور دریاؤں وغیرہ کے ناموں کے ساتھ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ قدیم زمانے میں دیوا یا دیو کے لقب فرانس میں شہروں، جنگلوں اور پہاڑوں کو دیے گئے تھے یہ ایک ہندوستانی رسم تھی جو Celtic زبانوں اور مذہب کے ساتھ ہندوستان سے یورپ گئی اور فرانس پہنچی، آج کل بھی روسی اپنے وطن کو Holy کہتے ہیں۔

ہندوستان کے حکمران اپنی سلطنت کے سب سے زیادہ ممتاز شاعروں کو خطاب دیا کرتے تھے۔ مسلمانوں کے خطابات سیّد الشعراً، ملک الشعراً اور ہندوؤں کے کولیشور اور برکوی ہوتے تھے۔ جو ہندو اردو میں شعر کہتے ہیں وہ مسلمانوں کی طرح تخلص رکھتے ہیں۔ چونکہ یہ تخلص ہندوستان کی علمی و ادبی زبان فارسی کے ہوتے ہیں اور ہندو مسلمان دونوں یکساں استعمال کرتے ہیں اس لیے صرف تخلص سے یہ جاننا مشکل ہے کہ شاعر مسلمان ہے یا ہندو۔ ہمیں بہت سے ایسے مصنّفین بھی ملتے ہیں جو ہندو سے مسلمان ہوئے ہیں لیکن کوئی مسلمان مصنف ہندو نہیں ہوا بجز اس کے کہ کوئی مسلمان ہندو کے انتہائی جدید طبقہ مثلاً سکھ کو قبول کرلے۔ جو مسلمان سکھ ہو جاتے ہیں وہ مذہبی کہلاتے ہیں۔ چونکہ اسلام توحید پر زور دیتا ہے اور حیات بعد الموت کا یقین دلاتا ہے اس لیے ہندوؤں کے نزدیک اسلام سے ہندو مذہب کی طرف آنا رجعت پسندی اور ہندو مذہب سے اسلام کی طرف رخ کرنا ترقی پسندی ہے۔ لیکن ہندوستان کے مسلمانوں میں ابھی تک عقلیت پسندی نہیں ہے۔ جذباتی طور پر وہ اپنے مذہب کے شیدائی ہیں لیکن عملی طور پر وہ ہندوؤں سے متاثر ہو رہے ہیں۔ پھر بھی آئے دن نومسلموں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ہندو شعراء دنیا کو نظر انداز کر کے صرف توحید کے نغمے سنانے میں مست رہتے ہیں۔ مثلاً لالہ کنور سنگھ مضطر جنھوں نے حضرت امام حسینؑ کی شہادت پر اردو میں بڑے اچھے اشعار کہے ہیں۔ کبھی ہندوستانی کے بعض ایسے ہندو مصنّفین بھی ملتے ہیں جو عیسائی ہو گئے ہیں اور شاذ و نادر ہی کوئی مسلمان، عیسائی نظر آئے گا۔ شوکت البتہ اردو کے ایک مسلمان شاعر

تھے جو عیسائی ہو گئے تھے ان کے متعلق شیفتہ لکھتے ہیں کہ:

''شوکت تخلص منیف علی خلف میر رستم علی از مردم بجنور است ۔فن نظم را از علی عشرت بریلوی گرفتہ نقل کردہ اند کہ وے را در بنارس با شخصے از اہل فرنگ مخالطت فراوان رودادہ بہ تطمیع وتحریص وے العیاذ باللہ ترک اسلام گفتہ بروش نصاریٰ برآمد اکنون در میرٹھ تعلیم اطفال قسیسی طائفہ بسرمی بردو منیف مسیح نام کردہ است۔ این ابیات ازان متبع مسیح دجال است''۔

ایسی صورتوں میں عام طور پر مسلمانوں کا نام تبدیل ہو جاتا ہے مثلاً ایک مسلمان فیض محمد جب عیسائی ہو گئے تو ان کا نام فیض مسیح ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندو جب عیسائیت قبول کرتے ہیں تو ان کے نام نہیں بدلتے۔ مثلاً دور حاضر کے سب سے ممتاز نئے عیسائی بابو گمدنرا موہن ٹیگور ہیں جن کا ذکر میں نے ۱۸۶۸ء کے خطبے میں کیا ہے۔

تذکروں میں بعض ایسے اردو شعرا بھی ملیں گے جو پہلے یہودی تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے۔ مثال کے طور پر جمال علی میرٹھی جو تقریباً ساٹھ سال پہلے حیدر آباد میں تھے وہ یہودی تھے۔ یا محبّ اللہ جوان دہلوی جو پیشہ کے لحاظ سے حکیم اور عشق کے شاگرد تھے یا ایک تذکرہ کے مصنف مشتاق۔

تذکرہ نگاروں نے چھے ایسے اردو شعرا کا بھی ذکر کیا ہے جو یورپ کے پرانے عیسائی ہیں۔ مثلاً صاحب جن کا خطاب ظفریاب تھا یہ سمبرو فرنگی کے بیٹے تھے۔ ان کی ماں سردھانا کی ملکہ بیگم سمرو تھیں جو کہ زینت النسا بھی کہلاتی تھیں۔ وہ دلسوز کے شاگرد تھے اور اردو میں اچھے شعر کہتے تھے۔ دہلی کے مشاعروں میں بھی وہ شریک ہوتے تھے جہاں دہلی کے مشہور ترین شعراء مثلاً سرور وغیرہ شرکت کرتے تھے۔ سرور کا بیان ہے کہ صاحب خوش نویسی، نقشہ نویسی اور موسیقی میں مہارت رکھتے تھے اور ۱۸۲۷ء میں کم عمری میں ہی فوت ہو گئے۔

صاحب کے دوست کا نام بلتزر (Balthazar) اور تخلص اسیر تھا۔ انھوں نے بھی اردو میں اشعار کہے ہیں۔ سرور کا بیان ہے کہ وہ ایک نصرانی فرنگی تھے۔ سرور نے ان کے اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

سردھانا کے چھوٹے سے دربار میں بھی ایک فرنگی اردو شاعر تھا جو فرنسو یا فرانسو کہلاتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ سردھانا کی ملکہ کے ایک افسر اگست یا اگستین کے بیٹے تھے۔ انھوں نے بڑے لطیف شعر کہے ہیں اور صاحب کی طرح دلسوز کے شاگرد تھے جو کہ دہلی کے ممتاز شاعر ہیں۔

دور حاضر میں ایک اور انگریز اردو شاعر ہیں جن کا ذکر کریم نے کیا ہے اور ان کا نام جارج ہنسن شور بتایا ہے۔ غالبًا یہ ان کا نام ہوگا لیکن کریم نے لفظ شور کو بھی بمعنی (شور وغل) تخلص سمجھا ہے۔
دو اور فرنگی اردو شاعر ہیں جو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ایک کا نام اسفان تھا جو غالبًا Stevens ہے یہ ۱۸۰۰ء تک زندہ تھے۔

دوسرے جان تامس ہیں جن کا نام غالبًا John Thomas ہوگا۔ یہ خان صاحب بھی کہلاتے ہیں۔ یہ بھی دور حاضر کے شاعر ہیں اور یہ سب کے سب شعرا غالبًا اینگلو انڈین ہیں۔

میں خود ایک اردو شاعر ڈائس سمرو مرحوم کو جانتا ہوں جو کہ سردھانا کی ملکہ کے متبنی بیٹے تھے۔ انگلستان کے اخباروں میں ان کو بڑی شہرت ہوئی اس لیے کہ ان کو ہندوستان واپس جانے کی اجازت نہ ملی اور اس کے خلاف وہ برابر احتجاج کرتے رہتے تھے۔ وہ بڑی آسانی سے اردو اشعار کہہ لیتے تھے اور بڑے ترنم سے پڑھتے تھے۔

ایک حبشی اردو شاعر بھی ہیں جن کا نام سدی حامد بسل ہے۔ ان کا نام ممتاز حبشی شاعروں کی اس فہرست میں بڑھانا چاہیے جو گروگوار نے اپنی کتاب ''حبشیوں کا ادب'' میں مرتب کی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ پٹنہ میں پیدا ہوئے تھے اور ایک غلام تھے ان کا زمانہ موجودہ صدی کے اوائل کا ہے۔

غالبًا تمام ہندی مصنفین ہندوؤں کے نئے تعلیم یافتہ طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً جین، کبیر پنتھی، سکھ اور وشنو۔ ان مشہور فرقوں کے پیشوا بھی ہندی کے ممتاز یا غیر ممتاز شاعر تھے مثلاً رامانند، ولبھا، دریا داس اور مشہور سنسکرت نظم گیتا گووندا کے مصنف جے دیو، دارو، بیر بھن، بابالال، رام چرن، شیونرائن وغیرہ۔

شیو کی پوجا کرنے والوں میں صرف چند ایک نے ہندی میں شعر کہے ہیں کیونکہ لوگ قدیم زبان کے اسی طرح شیدائی تھے جس طرح قدیم مذہب کے۔

بعض نے اردو میں بھی شعر کہے ہیں جن کا ذکر میں نے اپنی کتاب میں کیا ہے، مثلاً بمن جی دسب جی بمبئی والے۔

ہندوستانی مسلمانوں کے دو فرقے ہیں سنی اور شیعہ۔ سنی فرقہ کو کیتھولک اور شیعہ کو پروٹسنٹ کہہ سکتے ہیں کیونکہ شیعہ سنت سے انکار کرتے ہیں اور حدیثوں کو مانتے ہیں، لیکن Chardin جو ایک پروٹسنٹ تھے اس کو درست خیال نہیں کرتے کیونکہ شیعوں کے مذہبی رسوم اس انداز کے نہیں ہیں۔

بعض اور فرقے ہیں مثلاً سید احمدی جو اپنے بانی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ہندوستان کے وہابی ہیں۔

ہندوستان کے بہت سے مسلمان اس فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً حاجی عبداللہ، حاجی اسماعیل اور چند دوسرے جن کا ذکر میں اپنی کتاب میں کروں گا۔

ہندوستانی مصنفین میں بہت سے مسلمان فلسفی اور صوفی بھی شامل ہیں۔ ان میں بعض کا شمار ولیوں میں کیا جاتا ہے۔ کچھ ایسے شعراء بھی تھے جو اصل معنوں میں فقیر تھے یعنی بازار میں جاتے تھے اور اپنا کلام فروخت کرتے تھے، مثلاً کلیم دہلوی اور میاں کمترین معروف بہ بند خان جو کہ اردوئے معلیٰ میں اپنی غزلیں دو دو پیسہ میں بیچتے تھے۔

ان فقیروں کے علاوہ چند پیشہ ور شعراً بھی ہیں جو صرف شعروسخن میں مشغول رہتے ہیں۔ بعض ایسے شوقین مزاج شعراً بھی ہیں جو نچلے طبقے میں بھی نظر آئیں گے۔ بہت سے بادشاہ بھی شاعروں میں شامل ہیں مثلاً گولکنڈہ کے تین بادشاہ، بیجاپور کے بادشاہ ابراہیم عادل شاہ، بدقسمت ٹیپو سلطان میسور اور مغل شاہ، شاہ عالم ثانی، اکبر ثانی، بہادر شاہ ثانی، نواب اودھ آصف الدولہ، غازی الدین حیدر اور واجد علی وغیرہ وغیرہ۔

ہندوستانی شعراً کی فہرست سے ہم شاعرات کو الگ کر سکتے ہیں۔ ان کے بارے میں میں نے ایک الگ مضمون بھی لکھا ہے۔ جن شاعرات کا ذکر میں نے اپنے مضمون میں نہیں کیا وہ شہزادی خالہ ہیں جو نواب عمادالملک فرخ آبادی کی خالہ تھیں، ان کا خطاب بدرالنساء تھا۔

میں الفاطمہ بیگم کا بھی ذکر کروں گا۔ ان کا تخلص جی یا صاحب جی ہے اور لوگ انھیں صاحب جی یا جی صاحب کہتے ہیں۔ وہ اردو شاعری بالخصوص غزل کے لیے بہت مشہور ہیں۔ وہ ایک مشہور شاعر منعم کی شاگرد تھیں۔ منعم اور شاعروں کے علاوہ شیفتہ کے بھی استاد تھے۔ شیفتہ ایک تذکرہ نگار ہیں اور ان کے تذکرہ سے میں نے سب سے زیادہ استفادہ کیا ہے۔ وہ لکھنؤ اور دہلی میں رہتی تھیں اور معز اللہ خان نے ان پر ایک مثنوی ''قولِ غمیں'' کے نام سے لکھی تھی۔

دوسری خاتون شاعرہ چمپا ہیں۔ یہ نام سے ہندو معلوم ہوتی ہیں لیکن غالباً مسلمان ہیں۔ وہ نواب حسام الدولہ کے حرم سے تعلق رکھتی ہیں اور قاسم نے ان کا ذکر اردو شعراً کے ساتھ کیا ہے۔

ایک اور شاعرہ فرح بخش نامی ہیں جو ایک رقاصہ تھیں۔ انھوں نے اردو میں شعر کہے ہیں۔ شیفتہ نے ایک دوسری رقاصہ ضیا اور عشقی نے ایک تیسری رقاصہ غنچیں کا بھی ذکر کیا ہے۔

چوتھی رقاصہ جو اردو شاعرہ کی حیثیت سے سب سے زیادہ مشہور ہیں میر یار علی جان صاحب جان

تھیں۔ وہ فرخ آباد میں پیدا ہوئیں لیکن زیادہ لکھنؤ میں رہیں جہاں انھوں نے اردو شعر گوئی میں بڑی کامیابی حاصل کی۔ انھوں نے بچپن ہی میں موسیقی، فارسی اور ادب کی تعلیم حاصل کی تھی، لیکن جس چیز سے انھیں غیر معمولی دلچسپی تھی وہ اردو شاعری تھی۔ کریم الدین نے ان کو اپنا استاد بنایا ہے، علی جان کا ایک دیوان ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۲ء میں لکھنؤ سے شائع ہو چکا ہے جو بہت مقبول ہوا۔ اس میں عورتوں کے لب و لہجہ کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا اور انھوں نے اسے ۳۶ سال کی عمر میں مرتب کیا تھا۔

مجھے ایک اور شاعرہ کا ذکر کرنا ہے جو کہ ہندو ہیں اور جن کا تخلص نزاکت ہے۔ تذکرہ نگاروں نے ان کے غیر معمولی حسن اور ذہانت کی بڑی مبالغہ آمیز انداز میں تعریف کی ہے۔ وہ ۱۸۴۸ء میں زندہ تھیں۔ چند اور شاعرات ہیں، مثلاً تصویر، ثریا، یاس اور بہت سی دوسری جن کا ذکر اس کتاب میں کیا جائے گا۔

جو خلاصہ میں نے یہاں دیا ہے اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ میری کتاب کی نوعیت کیا ہے۔ پھر بھی علماء ادب، خاص طور پر سنسکرت کے شیدائیوں سے معذرت چاہوں گا جو دوسری مقامی زبانوں کو قابلِ توجہ نہیں خیال کرتے اور اسے نظر انداز کر دیتے ہیں کہ یہ زبانیں تہذیبی سلسلے کی اہم کڑیاں ہیں اور حال اور مستقبل کو ملانے میں مدد کرتی ہیں۔

حواشی

۱ ٹھیٹھ یا کھڑی بولی سے مراد وہ زبان ہے جس میں عربی اور فارسی زبان کی آمیزش نہیں ہے۔ برج بھاشا علاقہ برج کی مخصوص بولی ہے جو قدیم ہندوئی زبان سے بہت قریب ہے۔ اس کے مشرقی علاقے کی بولی کا نام پوربی بھاکا ہے جو برج بھاشا ہی کی ایک شکل ہے۔ اس موضوع پر J. Beams کے دل چسپ مضامین دیکھیے جو انگریزی میں چھپے ہیں: *Notes on the Bhoj-Puri Dialects of Hindi*, in: Journal Royal Asiatic Society, September, 1868.

۲ ناگری کو کائستھی ناگری بھی کہتے ہیں۔ اس کی قلمی تحریر کو پڑھنا خطِ شکستہ سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ ہندوستان کے شمال میں نستعلیق اور جنوب میں نسخ کا استعمال ہوتا ہے۔

۳ میرے حالیہ خطبات میں اس موضوع پر بڑی دل چسپ تفصیلات ملیں گی جو کہ اختلاف کا سبب بن گئی ہیں۔

۴ Seddon, *Address on the Language and Literature of Asia.*, P 12

۵۔ ہندوستان کے ۷ کروڑ سے زیادہ باشندوں کی مادری زبان ہندوستانی ہے۔

۶۔ *Rudiments de la Langue Hindouie.*، اور میر ۱۸۶۸ء کا خطبہ دیکھیے۔

۷۔ *Mackenzie's Catalogue*, جلد اول۔

۸۔ ''آرائش محفل'' میں افسوس نے بھی اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

۹۔ اس سلسلے میں ''آئین اکبری'' اور Marsden کی تصنیف *Numismata Orientalia* دیکھیے۔

۱۰۔ Shakespear, Dictionary, *Hindustany and English*

۱۱۔ Gilchrist, *Grammar, Hindoui and Hindustani*,

۱۲۔ Willard, *On the Music of Hindoostan*, P 49

۱۳۔ Broughton, *Popular Poetry of the Hindoos*. P 78

۱۴۔ Asiatic Journal, October 1840, P 129

۱۵۔ یہ لفظ Gamut کی توضیح کرتا ہے اور اس کی اصلیت کا پتا دیتا ہے۔

۱۶۔ Willard, *A Treatise on the Music of Hindoostan*, P 92.

۱۷۔ Willard, *On the Music of Hindoostan*. P 107.

۱۸۔ Journal Asiatique, 1834.

۱۹۔ Colebrooke, Asiatic Researches, vol 1, P 10.

۲۰۔ *Rudiments de la Langue Hindoustanie*. P 23.

۲۱۔ Sir Gore Ousley, *Bibliographical Notices of Persian Poets*. P 244.

۲۲۔ *Rudiments de la Langue Hindouie*, P 6, 11.

۲۳۔ یہ تقسیم حماسہ میں دی ہوئی ہے اور W. Jones نے *Poeséos Asiticae Commentarii* میں اس کو نقل کیا ہے۔

۲۴۔ بعض ادیبوں کا خیال ہے کہ تاریخی نظموں کو ناول کہنا اصل واقعے کی خود تکذیب کر دیتا ہے۔ کیوں کہ ناول خیالی چیز ہے اور تاریخ واقعات۔ لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ مشہور تاریخی واقعات ہی مرثیوں میں بیان کیے جاتے ہیں۔

۲۵۔ یورپ کے کلاسیکی ادیبوں کے یہاں بھی اس قسم کی چیزیں ملیں گی۔ Georgics کے آغاز میں ورجل نے سیزر کا خداؤں کے خدا سے مقابلہ کیا ہے اور اس کو Tethys کی بیٹی کا شوہر بنا کر لکھتا ہے کہ ستاروں کا ایک جھرمٹ یعنی برج

اقرب بڑی عظمت و احترام کے ساتھ اس کے تخت کے استقبال کے لیے منتظر ہے۔Troubadours نے بھی اسی مبالغے کے ساتھ ایک نسائی کردار کو تمام نظام قدرت پر غالب ثابت کیا ہے اور La Fontaino نے بڑے ظریفانہ انداز میں کہا ہے کہ کوئی شخص خدا، محبوب اور بادشاہ کی تعریف کا حق ادا نہیں کرسکتا۔

۲۶۔ یہ ہجو جرمن زبان میں مسٹر Diez نے ترجمہ کی ہے۔اور اس کے کچھ حصے مسٹر Carbone نے فرانسیسی میں ترجمہ کیے ہیں جو چھپ چکے ہیں۔ اس سلسلے میں دیکھیے DeSacy کے Magnasin Encyclopodique میں ان کا مقالہ۔

۲۷۔ بعض اوقات وہ قدرت کے نظام کی بھی ہجو کرتے ہیں۔ جیسے کہ روم میں Jovenal نے ان بڑے آدمیوں پر تنقید کی جو اپنی غیر معمولی قوت کا مظاہرہ کرتے رہتے تھے۔ساتھ ہی اس نے انسانی تقدیر کا بھی مذاق اڑایا جو قدرت کا عطیہ خیال کی جاتی ہے۔

۲۸۔ قیام الدین قائم پر مضمون دیکھیے۔

۲۹۔ عربی، فارسی، ترکی اور ہندوستانی جو مشرقی مسلمانوں کی خاص زبانیں ہیں، ان میں ہجویہ شاعری ملتی ہے۔لیکن ان کی خصوصیات ہندوستانی ہجویات سے الگ ہیں۔ حماسہ میں ہجویات پر تین ابواب ہیں۔ ایک کاہلی کے خلاف، ایک عورت کے خلاف اور ایک مرد کے خلاف۔ فارسی میں ہجویں بہت کم ہیں اور وہ بھی خاص خاص آدمیوں کے خلاف کہی گئی ہیں۔مثلاً فردوسی کی مشہور ہجو جو محمود کے خلاف لکھی گئی ہیں۔مثال کے طور پر سودا کی وہ ہجو ہے جو گھوڑے پر ہے اور ہندوستان میں بہت مشہور ہے۔ یہ ہجو میر کو پسند تھی جو ایک اچھے ناقد اور شاعر ہیں۔

۳۰۔ یہ نقال یا بھانڈ عام طور پر مسلمان ہوتے ہیں اور یہ قلاباز قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ان میں سے بعض بدمست خانہ بدوش ہیں اور ان کا کوئی مذہب نہیں ہے۔

۳۱۔ جرنل ایشیاٹک،۱۸۳۲ء

۳۲۔ Rehetorique des peuples Musalmans, sec. 23.

۳۳۔ کمال کے بیان میں اس پر مضمون ملے گا۔

۳۴۔ دیکھیے Newbold کا مقالہ Essay on the Met. Comp. of the Pers.

۳۵۔ بیت کے معنی خیمہ یا مکان کے ہیں۔چوں کہ خیمے میں دو دروازے ہوتے ہیں اس لیے بیت میں دو مصرعے ہوتے ہیں۔کلکتہ کے ایڈیشن مرتبہ میر تقی صفحہ ۸۷۵ میں ایک ترکیب بند ہے کا ہر بند مختلف ہے۔کمال نے اپنے مخصوص تذکرے میں مسمی نظم نقل کی ہے جس میں ۱۷ بند ہیں۔ پہلے تین بند اردو میں اور آخری فارسی میں مخصوص وزن میں ہے۔

۳۶۔ ولی کی دو غزلوں میں بازگشت کا نمونہ ملتا ہے۔ایک غزل ''دلربا'' اور دوسری ''سب چمن'' کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔

۳۷۔ خیال کا لفظ سنسکرت لفظ کھیلی سے مشتق ہے۔

۳۸۔ Willard, *Music of Hindoostan,* P 88.

۳۹۔ Journal des Savants, De Sacy.

۴۰۔ Willard, *Music of Hindoostan*, P 93.

۴۱۔ قدیم ترین ہندی شعرا کے زمانے کا تعین ناممکن ہے لیکن سنسکرت شاعر شنکر اچاریہ کا حوالہ دے سکتا ہوں جو نویں صدی میں حیات تھے۔قیاس ہے کہ انھوں نے ہندی میں بھی شعر کہے۔

۴۲۔ تقریباً ۱۰۸۰ء۔(مسعود سعد سلمان کی تاریخ وفات کا سال ۵۱۵ھ ہے۔)

۴۳۔ تقریباً ۱۲۵۰ء۔

۴۴۔ اس کتاب کے متعلق کبیر پر مضمون دیکھیے۔

۴۵۔ اس سلسلے میں *Rudiments de la Langue Hindouie* کا دیباچہ دیکھیے۔

۴۶۔ ان کو ریختہ کا ملک اشعراً کہتے ہیں۔

۴۷۔ ''تحفتہ الصبیان''۔

❁ ❁

تنقید وتحشیہ بر دیباچہ مصنف

لیلیان سیکستن نازرو

گارسان نے دیباچے میں اردو کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ صحیح نہیں معلوم ہوتے، مثلاً:

(ا)

گارسان کا یہ خیال درست نہیں ہے کہ ہندو یا مسلمان اردو بولنے پر مجبور کیے گئے۔ اردو دراصل ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی میل جول سے سماجی ضرورت کے ماتحت وجود میں آئی ہے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے وہ خود اپنے ساتھ عربی و فارسی زبانیں لائے تھے۔ انھیں کسی نئی زبان کی ضرورت نہ تھی۔

سماجی اور سیاسی ضرورتوں سے ہندو فارسی وعربی کی طرف متوجہ ہوئے۔ مسلمانوں نے بھی رواداری کا ثبوت دیا۔ ہندی و فارسی الفاظ کا اختلاط محمود غزنوی کے دور سے شروع ہوگیا تھا۔ دہلی میں مسلمانوں کے سیاسی استحکام و مستقل قیام کے بعد یہ تعلق قوی سے قوی تر ہوتا گیا اور کچھ دنوں کے بعد مقامی بولیوں اور فارسی وعربی کے باہمی اشتراک سے نئی زبان خود بخود وجود میں آگئی۔ مختلف دور میں اس نئی زبان کے مختلف نام رکھے گئے۔ پہلے یہ ریختہ یا دہلوی کہلائی، بعض نے ہندی و ہندوی کا بھی نام دیا۔ علاء الدین خلجی اور محمد تغلق کی فتوحات کے توسط سے یہ نئی زبان دکن و گجرات پہنچی۔ وہاں یہ دکنی و گوجری کہلائی۔ اردو کا لفظ مغلوں کے عہد کی یادگار ہے اور اس کے لغوی معنی امراء و سلاطین کی فرودگاہ یا کیمپ کے ہیں۔ ہندوستان میں اس لفظ کا استعمال اپنے اصلی معنوں میں بابر کے عہد سے شروع ہوا۔ شاہجہان کے عہد میں لشکریوں کی رعایت سے دہلی کے ایک خاص بازار کا نام اردو بازار رکھا گیا۔ اس علاقے میں چونکہ نئی زبان خاص طور پر بولی جارہی تھی اس لیے کچھ دنوں بعد بازار کا لفظ حذف ہوگیا اور اردو کا لفظ زبان کے معنوں میں مستعمل ہوا لیکن زبان کے معنوں میں یہ لفظ سب سے پہلے میر محمد عطا حسین خان تحسین نے نوطرز مرصع تالیف ۱۲۱۳ھ

میں استعمال کیا۔ اس کے بعد میر امن نے ''باغ و بہار'' میں اور سرسیّد احمد نے ''آثار الصنادید'' میں اسے زبان کے معنوں میں استعمال کیا اور پھر یہی نام اس کے لیے مخصوص ہو گیا۔

(۲)

دکن میں جس زبان کا ارتقاء ہوا وہ شمالی ہند سے مختلف نہ تھی۔ یہ خیال کرنا کہ شمالی ہند میں اور دکن میں مختلف زبانیں ترقی کر رہی تھیں، غلط ہے۔ دکن میں شمالی ہند سے ایک بنی بنائی خام زبان گئی اور وہاں ریختہ ہوئی۔ جہاں تک ہندی کا تعلق ہے وہ کوئی زبان نہ تھی، مقامی بولیاں جو پراکرتوں کی بگڑی ہوئی صورتیں تھیں اب بھی مختلف علاقوں میں بولی جاتی تھیں اور ان تمام زبانوں پر مسلمانوں کا گہرا اثر تھا۔ شمالی ہند میں ہندوؤں کی کوئی علمی و ادبی زبان باقی نہ تھی۔ دیہاتوں میں کوکھی بولی، مگدھی، ہریانی اور برج کا رواج تھا اور یہ خود مسلمانوں کے اثر سے وجود میں آئی تھیں۔ اس لیے یہ کہنا کہ شمال میں ہندو حکمرانوں نے اپنی قدیم زبان ہندی کو ترک نہ کیا تھا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ ہندی کا آغاز بہت بعد کو ہوتا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''پنجاب میں اردو''۔

(۳)

گارسان کا یہ خیال بھی درست نہیں ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے ہمیشہ فارسی کو سرکاری اور عدالتی زبان رکھا۔ دکن کے عادل شاہی اور قطب شاہی سلطنتوں نے اس نئی زبان کی ہر طرح سرپرستی کی اور عدالتی زبان بھی یہی قرار پائی۔ جس وقت اکبر و شاہجہان کے دربار میں فارسی کے علماء و فضلاء جمع تھے عین اسی وقت عادل شاہی اور قطب شاہی حکمرانوں کے درباروں میں اردو ادیبوں اور شاعروں میں انعامات و اعزازات تقسیم ہو رہے تھے۔ اس طرح ۹۱۶ھ یعنی قطب شاہی عہد کے آغاز ہی سے دکن میں فارسی کے بجائے دکھنی اردو سرکاری و عدالتی زبان بن چکی تھی، ملاحظہ ہو ''دکن میں اردو''۔

شمالی ہند میں سرکاری دفتروں اور عدالتوں میں اس کی بازیابی بہت دیر میں ہوئی۔ ۱۸۳۲ء میں لارڈ ولیم بنٹنگ نے فارسی کی جگہ اردو کو پہلی مرتبہ رواج دیا۔ لیکن تمام علاقوں کے لیے نہیں بلکہ صرف صوبہ شمالی و مغربی کے لیے یہ تبدیلی واقع ہوئی تھی۔ جہاں تک نستعلیق و نسخ کا تعلق ہے وہ ناگری رسم الخط سے نہیں بلکہ اردو سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۴)

اردو ہندی کا جھگڑا مذہبی نوعیت کا نہیں بلکہ خالص سیاسی نوعیت کا تھا اور اس سیاست میں خود برطانیہ کا

بڑا دخل تھا۔ انگریزوں نے مسلمانوں کے اقتدار کو ہر طرح ختم کرنے کے لیے ہندوؤں کو آگے بڑھایا اور زبان کا بکھیڑا کر دیا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اردو خود ہندوؤں کی ضرورت سے وجود میں آئی تھی اور اردو کے سوا جیسا کہ گارساں نے بار بار اس کا ذکر کیا ہے اور کوئی زبان کسی علاقے میں مقبول نہ تھی اور نہ اردو کے سوا کسی زبان میں اتنی جان تھی کہ وہ علمی و ادبی زبان ہونے کا دعویٰ کر سکتی۔ نہ تو یہ جھگڑا شرک و توحید کا تھا اور نہ کفر و ایمان کا۔ مسلمان انجیل کو آسمانی کتاب ضرور مانتے ہیں لیکن اس عقیدے سے زبان کے جھگڑے کا کوئی تعلق نہ تھا۔

(۵)

آرائشِ محفل بالکل مختلف نوعیت کی کتاب ہے۔ یہ دراصل ہندوستان کی ایک معتبر فارسی تاریخ ہے جس کا نام ''خلاصۃ التواریخ'' ہے۔ اس کے مصنف سجان رائے تھے اور انھوں نے ۱۱۰۷ء میں اسے لکھا تھا۔ شیر علی افسوس نے ۱۸۰۵ء میں اس کا اردو ترجمہ کیا اور آرائش محفل نام رکھا۔ آرائش محفل پہلی مرتبہ ۱۸۰۸ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی۔ آرائش محفل میں ہندوستان اور اس کے مختلف صوبہ جات کا مفصل بیان، وہاں کی پیداوار وغیرہ کے حالات کے ساتھ دیا ہے اس کے بعد زمانۂ قدیم سے لے کر فتوحات اسلامیہ تک جامع اور وسیع تاریخ بیان کی ہے۔ اس کی کتاب کا طرز بیان سلیس اور صاف ہے۔ ملاحظہ ہو ''ارباب نثر اردو''، صفحہ ۱۰۹ء از سید محمد۔

(۶)

منظوم داستانیں دکن میں یقیناً کثرت سے لکھی گئی ہیں لیکن یہ دکنی کے لیے مخصوص نہیں ہیں۔ شمالی ہند میں شاہ حاتم کے دور ہی سے افسانوی مثنوی کا رواج ہو گیا تھا۔ یہ الگ بات ہے آج وہ نایاب ہیں۔ سودا و میر سے لے کر احمد علی شوق یعنی انیسویں صدی کے اختتام تک منظوم قصے برابر لکھے گئے ہیں اور اردو منظوم داستانوں میں جو شہرت و قبولِ عام شمالی ہند کی چند افسانوی نظموں مثلاً دریائے عشق، بحرالمحبت، سحرالبیان، گلزارِ نسیم، زہرِ عشق اور بحرِالفت کو نصیب ہوا وہ کسی دوسرے قصے کو میسر نہ آیا۔ فارسی منظوم داستانوں نے یقیناً اردو داستانوں کو متاثر کیا ہے لیکن ترکی نظموں کا اثر اردو پر نہیں پڑا۔ ہاں غزل کی صنف البتہ ترکی، فارسی اور اردو تینوں میں مشترک ہے۔ ان زبانوں کے سوا اور کسی زبان میں مفقود ہے۔

(۷)

داستانیں یقیناً اصلاحی پہلو بھی رکھتی تھیں لیکن جو کہانی گارساں نے بطور مثال پیش کی ہے اس کی

حیثیت ادبی لطیفے سے زیادہ نہیں ہے۔ مشرقی داستانوں کی کیا تخصیص ہے دنیا کی ہر زبان میں داستانوں سے اصلاح اخلاق کا کام بھی لیا گیا ہے، لیکن بہ حیثیت مجموعی داستان طراز کو غالب کے لفظوں میں دل بہلاوے کا اور تفریح طبع کا ذریعہ خیال کیا گیا ہے۔ اس سے زندگی کے بعض دوسرے مقاصد بھی حاصل ہوتے ہیں، ابتداً یہ کہانیاں پرندوں اور جانوروں کے سہارے تیار کی جاتی تھیں، کچھ دنوں بعد خود انسانوں کو بطور کردار پیش کیا گیا اور ایسے اشخاص کا انتخاب کیا گیا جو عام انسانوں کی رسائی سے دور ہوں اور جنھیں تائید غیبی بھی حاصل ہو۔ اس کے نتیجے میں بادشاہ شہزادے سامنے رہیں اور کچھ دنوں بعد انھیں مافوق فطرت سے وابستہ کر دیا گیا۔ داستان کے محرکات و مقاصد کے لیے ملاحظہ ہو ''شمالی ہند کی نثری داستانیں'' مصنفہ ڈاکٹر گیان چند۔

(۸)

الھا کھنڈ نام کی مثنوی نما ایک طویل نظم ۱۱۵۶ھ اور ۱۱۹۲ھ کے درمیان جگ نامی شاعر نے کہی تھی۔ جگ نائک مہوبہ کے راجہ کا درباری شاعر تھا جس نے مہوبا کھنڈ کے نام سے ایک نظم لکھی تھی جس میں الھا اودل نامی دو سورماؤں کی بہادری کا افسانہ مقامی بولی میں نظم کیا تھا۔ اصل نظم میں معدوم ہوگئی اور یہ نظم مشہور سورما الھا کے نام سے مشہور ہوگئی۔ قصبات و دیہات میں یہ آج بھی دلچسپی سے پڑھی اور سنی جاتی ہے۔ اس کے اکثر حصے لوگوں کو زبانی یاد ہیں۔ اس طرز پر بعد میں اور نظمیں کہی گئیں اور جگ نائک کی نظم کی رعایت سے الھا کہلانے لگیں۔

(۹)

۱۔ دادرا' دراصل مقامی گانوں کی ایک قسم ہے اور اودھ کے علاقے میں شادی بیاہ کے موقع پر اکثر گایا جاتا ہے۔ قصبات و دیہات کا یہ مقبول ترین گانا ہے اور خوشی کے موقعوں پر عورت و مرد دونوں اسے گاتے ہیں۔

۲۔ دھرپد' دراصل ہندی موسیقی کی ایک خاص طرز کا نام ہے۔ یہ لفظ دو سنسکرت الفاظ دھرو بمعنی مضبوط اور پد بمعنی نظم سے مرکب ہے۔ جس کے معنی قوی یا سخت قسم کے گانے کے ہیں۔ دھرپد گانے کا مزاج مردانہ ہے اور مشہور ہے کہ اس گانے کے لیے چار بھینسوں کی طاقت درکار ہے۔ کسی راگ کی شکل واضح کرنے کے لیے درپد یا دھرپت سے بڑھ کر کوئی انداز نہیں۔ اس کا مضمون عموماً عارفانہ یا کسی امیر اور بادشاہ کی مدح سرائی ہوتا ہے۔ اکبر کے زمانے میں یہ انداز بہت مقبول تھا۔ ہری داس سوامی اور میاں تان سین نے دھرپد کو اوج تک پہنچا دیا۔ ملاحظہ ہو ''ہماری موسیقی''، ص ۳۴

(۱۰)

ملہار۔ یہ بھی دراصل ایک راگ کا نام ہے اور میاں تان سین کی سب سے زیادہ شاندار اختراع میں شمار کیا جاتا ہے اور میاں کی ملہار کے نام سے مشہور ہے۔ یہ چھ سر کا راگ ہے اور برسات میں بہار دیتا ہے۔ برسات عشق و محبت کا موسم نہیں ہوتا بلکہ یہ موسم مشرقی ممالک میں خوشگوار گزرتا ہے اس لیے جذبات و خیالات میں ایک طرح شگفتگی و نشاط خیزی ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو ''ہماری موسیقی'' صفحہ ۳۷

(۱۱)

ٹپے کا موجد دراصل دربار لکھنوی کا ایک سنگیت کا رشوری تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ٹپے کے اولاً محرک ساربانوں کے گیت تھے اور اس کی تال کا اندازہ اونٹ ہی کی چال سے کیا گیا ہے۔ بعض لوگ ٹپے کا رشتہ تاتاری اور منگولی ساربانوں سے ملاتے ہیں۔ شوری کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ایک پرانی اجنبی عوامی دھن کو موسیقی کے ایک مہذب ادب میں ڈھال لیا۔ لیکن یہ نہ بھولنا چاہیے کہ ٹھمری اور ٹپہ کسی قسم کے نظموں کے نام نہیں بلکہ محض دھنوں کے نام ہیں۔ ٹپہ، اودھ، پنجاب اور بنگال تینوں جگہ مقبول ہوا لیکن اس کی دھنوں میں معمولی فرق نمایاں ہو گیا۔ ''ثقافتِ پاکستان'' مرتبہ شیخ محمد اکرام صفحہ ۱۱۴

(۱۲)

ٹھمری۔ سلطنت کے انتشار کے بعد گویوں کے لیے متوسط طبقے بلکہ عوام کے ذوق کا پاس بھی ضروری ہو گیا تھا۔ دھرپد اور خیال اپنی مقبولیت کھونے لگے تھے۔ چنانچہ لکھنوی نوابوں کی سرپرستی میں ہلکی پھلکی موسیقی کے دو نئے روپ پیدا ہوئے یعنی ٹھمری اور ٹپہ۔ ٹھمری کو دراصل پریم سنگیت کا نام دے سکتے ہیں کیونکہ صرف سُروں کے اتار چڑھاؤ میں کسی لفظ کے کسی حصے کو بیسیوں طرزوں میں دہرانے سے ٹھمری ہمارے حواس پر اثر انداز ہوتی ہے بلکہ اس کا موضوع بھی عاشق و معشوق ہی کے جذبات یا معاملات ہوتے ہیں۔ خیال اور ٹھمری میں یہ فرق ہے کہ خیال میں محبت کی حیثیت تمثیلی یا علامتی ہوتی ہے لیکن ٹھمری میں اس کی حیثیت واقعی یا اصلی ہوتی ہے۔

(۱۳)

مرثیے کے لغوی معنی مُردے کو رونے اور اس کی خوبیاں بیان کرنے کے ہیں۔ اصطلاح میں مرثیہ اس صنف کو کہتے ہیں جس میں کسی مرنے والے کی تعریف و توصیف اور اس کی وفات پر اظہارِ ماتم کیا جائے۔ چنانچہ اکثر افراد کی موت اور کبھی کبھی قومی تباہی کے موقعوں پر بھی مرثیے لکھے گئے ہیں۔ اردو میں حالی نے

غالب و حکیم محمود علی کا مرثیہ لکھا اور مسدس کی صورت میں قومی تباہی پر بھی مرثیہ کہا۔ اس قسم کے شخصی مرثیوں کی مثالیں فارسی میں بھی ملتی ہیں۔ چونکہ واقعۂ کربلا کے بعد شہدائے کربلا کے مراثی دنیا کی مختلف زبانوں میں بکثرت لکھے گئے اس لیے رفتہ رفتہ مرثیے کا اطلاق شہدائے کربلا کی توصیف اور واقعاتِ شہادت کے بیان پر ہونے لگا۔ اردو میں بالعموم مرثیے سے یہی مفہوم لیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو''لکھنؤ کا دبستانِ شاعری'' صفحہ ۶۶۱، از ڈاکٹر ابواللیث صدیقی۔

(۱۴)

ابتدا میں انہی دو چیزوں یعنی علم و عمل کا نام تصوف تھا رفتہ رفتہ اس میں اور چیزیں شامل ہوگئیں اور اس نے شریعت کی سختی سے قدرے بے نیاز ہو کر ایک ایسے فلسفۂ حیات کی صورت اختیار کر لی جس میں وحدت الوجود یعنی ہمہ اوست کے عقیدے کو روحِ رواں کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ بقول شبلی اس خیال کی ابتدا عشق حقیقی کے استیلا سے ہوئی یعنی اربابِ عرفان پر جب نشۂ محبت کا غلبہ ہوتا تو ان کو معشوقِ حقیقی یعنی صانعِ کل کے سوا اور کچھ نظر نہ آتا تھا لیکن رفتہ رفتہ یہ خیال یہاں تک پہنچا کہ درحقیقت خدا تعالیٰ کے سوا کوئی اور چیز سرے سے معرض ہی نہیں ہے یا یوں کہیے کہ جو کچھ موجود تھا اسے خدا سمجھا گیا۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ یہ خیال اسلام میں کیوں کر آیا لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ یہ عقیدہ یونان و ہندوستان کے اثرات سے مسلمانوں میں عام ہوا اور مسلمان معاشرے کے ساتھ ان کے ادب و شاعری پر بھی اثر انداز ہوا۔ جہاں تک اردو کا تعلق ہے اس پر تصوف کا سایہ ابتدا سے رہا بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس کی حقیقی نشو و نما دراصل صوفیوں کے ہاتھوں ہوئی۔ امیر خسرو جو اردو کے پہلے شاعر کہے جاتے ہیں خود زبردست صوفی تھے۔ چونکہ ابتداً صوفی بزرگوں ہی نے اردو کو اپنے درس و تبلیغ کے لیے انتخاب کیا اور تحریر و تقریر کا آغاز کیا اس لیے اس میں متصوفانہ خیالات کی آمیزش ہوئی۔ دکن میں پہنچ کر بھی اکثر بزرگوں نے اس کی ترقی میں ہاتھ بٹایا نتیجتاً اس کا مزاج متصوفانہ ہوگیا۔ فارسی کے اثر نے اس رنگ کو اور گہرا کر دیا اور تصوف ایک فلسفۂ حیات بن کر مع اپنی اصطلاحات و لوازم کے اردو شاعری پر چھا گیا۔ اس کے اثر سے اردو شاعری میں جذبات کی صداقت، سوز و گداز اور عشق و عرفان کے مضامین داخل ہوئے۔ تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب نے خیالات میں پاکیزگی اور طہارت پیدا کر دی تھی لیکن آخر کار تصوف نے ایک ادارے کی صورت اختیار کر لی۔ باطن سے زیادہ یہاں بھی ظاہرداری کو اہمیت دی جانے لگی اور اس میں بہت سی ایسی چیزیں داخل ہوگئیں جو سوسائٹی کے لیے مضر ثابت ہوئیں۔

(۱۵)

قصیدہ گوئی کا رواج عرب سے ایران اور ایران سے ہندوستان پہنچا۔ عرب میں مدحیہ قصاید کا یہ انداز تھا کہ تمہید میں عشقیہ اشعار ہوتے تھے جن کو تشبیب کہتے۔ عرب اولاً تو کسی کی شاعرانہ مدح کرنی عار سمجھتے اور مدح کرتے تھے تو کبھی کوئی صلہ اور انعام لینا گوارا نہ کرتے تھے پھر جو کچھ کہتے تھے سچ کہتے تھے۔ عرب اکثر اس وقت مدحیہ قصیدے کہتے تھے جب ممدوح کوئی معرکہ سر کرتا تھا۔ ان کے قصائد میں ممدوح کے اُنھیں اوصاف کا ذکر ہوتا تھا جو فی الواقع ممدوح میں پائے جاتے تھے۔ جھوٹ اور مبالغہ ان کے یہاں اس طور پر نہ تھا جیسا کہ فارسی شاعری میں ملتا ہے۔ ایران میں فارسی کا آغاز چونکہ دربار شاہی سے ہوا اور شہنشاہیت کسی نہ کسی طور پر ہر زمانے میں برقرار رہی اس لیے یہاں قصیدے کی وہ خصوصیات باقی نہ رہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''شعر العجم'' جلد چہارم و پنجم۔

(۱۶)

۱۔ قیام الدین قائم سودا کے شاگردوں میں اور میر، سودا و مصحفی کے معاصرین میں تھے۔ ان کا کلیات اب تک شائع نہیں ہوا۔ سودا اور قائم کے کلام میں بعض مثنویاں، غزلیں اور مخمس مشترک ہیں۔ مصحفی و میر کی طرح انھوں نے بھی مخزنِ نکات کے نام سے اردو شعرا کا ایک تذکرہ فارسی میں لکھا ہے۔ اس میں انھوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ اردو کا پہلا تذکرہ ہے لیکن یہ خیال درست نہیں ہے۔ مخزنِ نکات سے پہلے کئی تذکرے وجود میں آچکے تھے۔ ان میں میر کا نکات الشعرا اور گردیزی کا تذکرۂ ریختہ گویان، خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ میر کا انتقال ۱۲۲۵ھ میں ہوا، سودا کا ۱۱۹۵ھ، مصحفی کا ۱۲۴۰ھ اور قائم کا انتقال ۱۰۔۱۲۰۸ھ میں ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو ''تاریخ ادبِ اردو'' از سکسینہ۔

۲۔ سودا نے جس قصیدے میں گھوڑے کی ہجو لکھی ہے اس کا عنوان تضحیکِ روزگار ہے۔ یہ ہجو دراصل اپنے زمانے کے اس فوجی نظام پر عبرت ناک تبصرہ ہے جس کے بل بوتے پر حکومت کا نظام قائم ہوتا تھا اور جو زوال کی اس مضحکہ خیز حد تک پہنچ چکا تھا کہ میدان جنگ میں گھوڑے کے پہیے لگانے، آگے سے دانہ دکھانے اور پیچھے سے چابک لگانے کی ضرورت پیش آتی تھی اور جس کا سوار پہلے ہی معرکے میں بغل میں جوتی داب کر گھر کی راہ اختیار کرتا تھا۔ ملاحظہ ہو ''جرأت، ان کا عہد اور شاعری'' صفحہ ۵۸ از ڈاکٹر ابواللیث صدیقی۔

(١٧)

فارسی کا عروض عربی عروض کا یکسر پابند نہیں ہے۔ یہ بات ضرور ہے کہ فارسی اصناف شعر اور اصطلاحات عروض کے نام عربی ہیں لیکن اوزان و بحور میں فرق ہے۔ بہت سے اوزان اور بحریں خاص ایران کی ایجاد ہیں اور عربی شعرا ان میں شعر نہیں کہتے۔ خاص طور پر رباعی کا وزن اور بحر خاص ایرانیوں کی ایجاد ہے۔ عربی شاعری میں ردیف کا بھی وجود نہیں ہے۔ ردیف صرف فارسی اور اردو دانوں کے لیے جدت ہے۔ لیکن کلام میں ردیف ہونا لازمی نہیں ہے ہاں قافیے کے بغیر شعر نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ ردیف بھی عربی کا لفظ ہے لیکن اس کا عربی شاعری سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(١٨)

١۔ بند: اردو یا فارسی شاعری کے بند کا مفہوم گارسان دتاسی کے ذہن میں واضح نہیں معلوم ہوتا۔ بند کو دراصل انگریزی کے Stanza یا فرانسیسی Stroph کے مترادف سمجھنا چاہیے۔ جہاں تک ترجیع بند اور ترکیب بند کا تعلق ہے اس میں پہلے چند اشعار غزل کے طور پر ایک ہی وزن و قافیے میں کہے جاتے ہیں اور آخر میں ایک شعر مختلف قافیے کا شامل کر دیا جاتا ہے۔ یہ ایک بند ہوا۔ ایک نظم میں اس طرح کے کئی بند ہوسکتے ہیں۔ اگر پہلے بند کا آخری شعر ہر بند کے آخر میں بار بار آئے تو ترجیع بند اور اگر ہر بند کا آخری شعر مختلف ہوتو ترکیب بند کہتے ہیں۔ اس قسم کی نظموں میں تخلص کا آنا بھی ضروری نہیں ہے۔

٢۔ گارسان دتاسی نے فرد اور بیت کے فرق کو نظر انداز کر دیا ہے۔ فرد دراصل بیت سے مختلف ہے۔ کسی مضمون کا بالکل علیحدہ شعر فرد کہلاتا ہے۔ غزل، قصیدہ، مثنوی یا کسی دوسری صنف کے کسی شعر کو فرد نہیں کہہ سکتے۔ فرد کے دونوں مصرعے باہم مقفّٰی اور غیر مقفّٰی ہوسکتے ہیں۔ فرد اور بیت میں یہ فرق ہے کہ بیت عام شعر ہے اور فرد خاص۔ فرد تنہا ہوتا ہے اور بیت کسی بھی صنف کا کوئی شعر ہوسکتا ہے۔ گارسان نے بیت کی جو تعریف کی ہے اس کا اطلاق فرد پر ہوتا ہے۔

(١٩)

١۔ قصیدہ: دراصل قصد سے مشتق ہے۔ اشعار کی تعداد مقرر نہیں ہے۔ قصیدے میں کئی کئی مطلع اور کئی کئی سو اشعار تک ہوتے ہیں۔ تشبیب، گریز اور مدعا قصیدے کے اہم اجزا ہیں۔ اس میں بھی تخلص آنا ضروری نہیں ہے۔

٢۔ قول: یہ عربی کا لفظ ہے اور ایک لحن یا راگ کا نام ہے۔ عربی اصطلاحِ شعر میں قول بہ اعتبار معنوی اردو

غزل سے ملتی جلتی چیز ہے۔ موسیقی کے راگ کی حیثیت سے برصغیر میں اسے امیر خسرو نے عام کیا اور اس کے ماہرین قوّال کہلائے۔ ملاحظہ ہو ''ہماری موسیقی'' صفحہ نمبر ۲۵۔

۳۔ دیوان: غزل کے ساتھ دوسری قسم کے اشعار بھی دیوان میں شامل کیے جا سکتے ہیں۔

(۲۰)

۱۔ غزل: بارہ اشعار کی قید کبھی نہیں رہی۔ قدیم اردو شاعروں کے یہاں اس سے بہت زیادہ اشعار کی غزلیں ملتی ہیں۔ یہ بھی درست نہیں ہے کہ اس میں صرف الفاظ کی بازی گری ہوتی ہے۔ غزل مشرق کی سب سے زیادہ مقبول صنف ہے اور اس میں ہر قسم کے جذبات و خیالات و واقعات کو نظم کیا گیا ہے۔ اس کے پہلے شعر کو مطلع اور آخری شعر کو جس میں شاعر اپنا تخلص لاتا ہے مقطع کہتے ہیں۔

۲۔ خیال: دراصل ایک راگ کا نام ہے۔ بعض کے خیال میں اس کی ایجاد حسین شرقی جونپوری نے کی ہے۔

(۲۱)

۱۔ منقبت: ہر شخص نہیں بلکہ بزرگ شخصیت کی مدح میں جو نظم کہی جاتی ہے اس کو منقبت کہتے ہیں۔

۲۔ مرثیہ: گارسان نے مرثیے کی جو شرائط بتائی ہیں سب ہی غیر ضروری ہیں۔ مرثیہ ان میں سے کسی کا پابند نہیں۔ پہلے یہ طویل نظمیں بالعموم مربع کی صورت میں کہی جاتی تھیں لیکن بعد کو مسدس میں کہی جانے لگیں لیکن مرثیہ کسی بھی صورت میں کہا جا سکتا ہے۔

(۲۲)

۱۔ مستزاد: یہ غزل کی قسم نہیں ہے۔ ہاں اگر کسی غزل یا رباعی کے ہر مصرعے میں اسی وزن کے ایک رکن یا فقرے کا اضافہ کر دیں تو وہ مستزاد غزل، مستزاد رباعی کہی جائے گی۔ مستزاد دو قسم کا ہوتا ہے، مستزادِ عارضی اور مستزادِ لازم۔ عارضی میں شعر کا مضمون فقرے پر منحصر نہیں ہوتا۔ لازم میں اس فقرے پر منحصر ہوتا ہے۔

۲۔ نعت: نعت صرف اس نظم کو کہتے ہیں جو حضرت محمدؐ کی شان میں کہی جاتی ہے۔ جو نظم خداوند تعالیٰ کی تعریف میں ہو اسے حمد اور جو کسی اور بزرگ کی شان میں ہو اُسے منقبت کہتے ہیں۔

۳۔ قطعہ: قصیدے کے طور پر طویل نظم ہے۔ صرف یہ کہ اس میں مطلع نہیں ہوتا۔ اشعار کی بھی کوئی قید نہیں ہے۔

(۲۳)

۱۔ ریختہ: اسے اردو شاعری کا دوسرا نام نہیں بلکہ اردو کا دوسرا نام کہنا مناسب ہے۔ ریختہ فارسی کے مصدر ریختن سے نکلا ہے۔ یہ لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ شاہ حاتم نے دیوان زادہ میں، میر اثر نے اپنی مثنوی خواب و خیال میں، میرزا سودا نے تنبیہ الغافلین میں، شاہ عبدالقادر نے قرآن پاک کے ترجمے میں، میر و غالب کے بعض اشعار میں اور آزاد کی آبِ حیات تک میں ریختہ کا لفظ اردو کے معنی میں آیا ہے۔ امیر خسرو نے ریختہ کو موسیقی کی ایک اصطلاح کے طور پر بھی استعمال کیا ہے اور ریختہ کا اطلاق ایسے سرود پر ہونے لگا جس میں ہندی اور فارسی اشعار یا مصرعے یا فقرے جو تال اور راگ کے اعتبار سے متحد ہوتے ہیں۔ اس کی واضح مثال امیر خسرو کی وہ غزل ہے جس کا مطلع ہے:

ز حال مسکیں مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیاں
جو تابِ ہجراں نہ دارم اے جاں نہ پیو کا لگائے چھتیاں

اکبر کے زمانے تک ریختہ کے یہی معنی یعنی ایک قسم کا گیت خیال کیے جاتے تھے۔ اس قسم کے بعض ریختہ کبیر داس سے بھی منسوب ہیں۔ کچھ دنوں بعد ریختہ نے موسیقی کی اصطلاح سے عمومیت حاصل کر لی اور اس کا اطلاق ایسے کلامِ موزوں پر ہونے لگا جس میں فارسی اور ہندی فقروں کا اتحاد ہو۔ چنانچہ شیخ باجن اور سعدی کاکوروی کے یہاں ریختہ کا یہی مفہوم ہے۔ میر تقی میر نے بھی اپنے تذکرے میں ریختہ کی یہی تعریف کی ہے۔ انھوں نے اس کی بعض قسمیں بھی بتائی ہیں۔ کچھ دنوں بعد ریختہ کا لفظ نظم کے لیے مخصوص ہوگیا اور ولی و سراج کے یہاں تک وہ نظم یا شاعری کے معنوں میں بھی استعمال ہوا لیکن دکن سے دہلی پہنچ کر اس کا اطلاق زبان پر ہونے لگا اور اب ریختہ سے یہی مراد ہوتی ہے۔ اسے شاعری کی ایک قسم سمجھنا درست نہیں ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''پنجاب میں اردو'' صفحہ ۲۴ تا ۴۲۔

۱۔ ریختی: اس کو ریختہ کی تانیث کہنا درست نہیں ہے۔ یہ دراصل ایک قسم کی نظم تھی جس کی ایجاد اہلِ لکھنؤ نے کی۔ اس میں عورتوں کی زبان میں عورتوں کی طرف سے عشقیہ جذبات کا اظہار کیا جاتا تھا اور اکثر بے شرمی و بے حیائی کے مضامین ہوتے تھے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''لکھنؤ کا دبستانِ شاعری کا باب ''لکھنویت کیا ہے''۔

۲۔ رباعی: چوتھے مصرعے میں بھی قافیہ استعمال ہوسکتا ہے۔

۳۔ ساقی نامہ: اس کے لیے چالیس اشعار کی قید لگانا درست نہیں ہے۔ فارسی کی تقلید سے اردو میں ساقی

نامے کا رواج ہوا۔ فارسی کے اکثر مثنوی نگار شعرا ہر باب کے آغاز میں ساقی و بادہ اور اس کے لوازم پر اشعار کہتے تھے لیکن اشعار کی تعداد متعین نہیں ہے۔ بعض ساقی نامے طویل اور بعض مختصر ہیں۔ میر حسن اور نسیم دونوں کی مثنویوں میں یہ طرز اختیار کیا گیا ہے۔ نسیم نے اختصار اور میر حسن نے تفصیل سے کام لیا ہے اور بعد میں اس انداز سے نظمیں بھی کہی گئی ہیں اور ان کا نام ساقی نامہ رکھا گیا ہے۔ ساقی نامے میں ''ساقی'' دراصل تصوف کی اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتا ہے یعنی اس میں ساقی کے معنی معبودِ حقیقی یا مرشدِ کامل ہوتے ہیں۔ اور بادہ و ساغر کا ذکر عرفان و حقیقت کی علامتوں کے طور پر ہوتا ہے۔ اسی لیے ساقی ناموں کا انداز اکثر مناجات سے مل جاتا ہے۔ اور اکثر دعائیہ لب ولہجہ اختیار کر لیتا ہے۔

۴۔ سوز - واسوخت: واسوخت، سوز سے بالکل مختلف چیز ہے۔ سوز کا تعلق صنفِ شعر سے نہیں بلکہ شعر کی لحن اور پڑھنے کے انداز سے ہے۔ اس کے برعکس واسوخت اصطلاحِ شاعری میں ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں شاعر معشوق سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے اور عاشق کی طرف سے بے پروائی اور دوسرے معشوق سے دل لگانے کی چھیڑ چھاڑ نظم کرتا ہے جسے جلی کٹی سنانے کا نام دیا جا سکتا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''بحر الفصاحت''۔ صفحہ ۱۱۹۔ مطبع نول کشور۔

(۲۴)

۱۔ تشبیب: دراصل قصیدے کے اس حصے کو کہتے ہیں جو گریز سے پہلے آتا ہے۔

۲۔ زٹلیات: یہ اصطلاح یقیناً جعفر زٹلی کی نسبت سے وجود میں آئی ہے۔ اس کا اطلاق غیر سنجیدہ کلام پر ہوتا ہے۔ یہ خیال کرنا کہ اس کا نصف مصرعہ یا حصہ فارسی کا اور نصف حصہ ہندوستانی ہوتا ہے، درست نہیں ہے۔

(۲۵)

گارساں کا یہ خیال کہ ہندوستانی یعنی اردو ادب کا زیادہ حصہ عربی، فارسی اور سنسکرت کے ترجموں پر مشتمل ہے درست نہیں ہے۔ ترجمے کا جز تو اردو میں بہت کم ہے۔ صرف مثنویوں کے قصے اکثر فارسی، عربی اور سنسکرت قصوں سے ماخوذ ہیں اور بعض کا ترجمہ بھی کیا گیا ہے لیکن ان کی تعداد کثیر نہیں ہے۔ دکنی مثنویاں زیادہ تر اخذ اور ترجمے سے وجود میں آئی ہیں لیکن شمالی ہند کی مشہور مثنویاں طبع زاد قصوں پر مشتمل ہیں۔ دیگر اصناف میں ترجمے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

(۲۶)

۱۔ گلستانِ سخن: یہ تذکرہ قادر بخش اور امام بخش صہبائی کی مشترک تصنیف ہے بلکہ بعض لوگ اسے صرف صہبائی کی تصنیف خیال کرتے ہیں۔

۲۔ گلشنِ بے خار: یہ ۱۲۴۸ھ اور ۱۲۵۰ھ کے درمیان لکھا گیا ہے۔

۳۔ گلشنِ بے خزاں: یہ بیان دتا سی نے اسپرنگر سے لیا ہے۔ اس تذکرے کا نام گلشنِ بے خزاں نہیں بلکہ گلستانِ بے خزاں ہے۔

۴۔ گلشنِ ہند: اس کے مصنف کا نام لطف علی نہیں بلکہ علی لطف ہے اور یہ تذکرہ انھوں نے ۱۲۱۵ھ میں گلکرسٹ کے حکم پر مرتب کیا۔ یہ دراصل گلزارِ ابراہیم کا اردو ترجمہ ہے، جس میں صرف ۶۸ منتخب شعرا کا ذکر ہے۔ حالانکہ گلزارِ ابراہیم میں تقریباً ۳۲۰ شاعروں کے حالات درج ہیں۔

۵۔ گلزارِ ابراہیم: ۱۱۹۸ھ مطابق ۱۷۸۲ء میں بہ زبانِ فارسی میں لکھا گیا۔

(۲۷)

۱۔ مجموعۂ نغز: یہ تذکرہ ۶۰۰ شعرا کے حالات پر مشتمل ہے۔ مولف کا اصل نام حکیم قدرت اللہ ہے قاسم ان کا تخلص ہے۔ ۱۲۴۶ھ میں فوت ہوئے۔

۲۔ نکات الشعرا: اس میں صرف ۱۱۴ شاعروں کا ذکر ہے اور یہ ۱۱۶۵ھ میں مرتب ہوا ہے۔

(۲۸)

سروِ آزاد: گارساں کا خیال درست نہیں ہے۔ سروِ آزاد فارسی شعرا کا تذکرہ ہے اور فارسی میں ہے۔ اس میں میر جعفر کے فارسی شعر کا ذکر کیا گیا ہے، اردو سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آزاد بلگرامی، [غلام علی] سودا، میر اور سراج الدین علی خان آرزو کے ہم عصر تھے۔ عربی و فارسی کے زبردست شاعر تھے۔ انھوں نے خزانۂ عامرہ کے نام سے بھی ایک فارسی تذکرہ لکھا۔ اس میں صرف ان فارسی شعرا کا ذکر ہے جنھوں نے ممدوحین سے انعام و اکرام حاصل کیا تھا۔ خزانۂ عامرہ مطبع نول کشور کانپور سے ۱۹۰۰ء میں شائع ہوا ہے۔ یہ ۱۱۷۱ھ میں لکھا گیا۔ خزانۂ عامرہ اس سے پہلے ۱۱۶۰ھ میں لکھا گیا۔ اس میں ۱۴۳ فارسی شعرا اور آٹھ ہندی [بھاشا] شاعروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ سروِ آزاد کو مولوی عبدالحق نے مرتب کیا اور وہ ۱۹۱۳ء میں رفاہِ عام پریس لاہور سے شائع ہوا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: خزانۂ عامرہ و سروِ آزاد مملوکہ لیاقت نیشنل لائبریری، کراچی۔

(۲۹)

۱۔ طبقات الشعرا: اس تذکرے کا ''تذکرۂ شعرائے ہندی'' سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ تذکرہ کریم الدین کے طبقات الشعرا سے مختلف ہے۔ دراصل کریم الدین کے طبقات الشعرا کا دوسرا نام تذکرۂ شعرائے ہندی ہے۔ کریم الدین کا تذکرہ دراصل گارسان دتاسی کی تاریخِ ادبِ ہندوستانی کی جلد اول کا ترجمہ ہے جو انھوں نے فیلن کی مدد سے کیا ہے۔ گارسان کی تاریخ کی پہلی جلد ۱۸۳۹ میں شائع ہوئی تھی۔ کریم الدین نے فیلن کی مدد سے ۱۸۴۲ء میں اس کا ترجمہ کیا لیکن یہ لفظی ترجمہ نہیں ہے بلکہ حذف و اضافے سے بھی کام لیا گیا ہے اور اشعار کا انتخاب کریم الدین نے خود کیا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''طبقات الشعرا یا تذکرۂ شعرائے ہندی''۔ مملوکہ کتب خانۂ خاص انجمن ترقی اردو۔

۲۔ تذکرۂ گردیزی: اس تذکرے کا نام ''تذکرۂ ریختہ گویان'' ہے اور یہ ۱۱۶۶ھ میں مرتب کیا گیا ہے۔

۳۔ تذکرۂ حسن: میر حسن کے تذکرے کا نام ''تذکرۃ الشعرائے اردو'' ہے اور یہ ۱۱۸۸ھ اور ۱۱۹۲ھ کے درمیان لکھا گیا ہے۔

(۳۰)

تذکرۂ مصحفی: مصحفی کے دو تذکرے ہیں ایک تذکرۂ ہندی اور دوسرا ریاض الفصحا۔ آخر الذکر ہندی کا تکملہ ہے۔ پہلا ۱۲۰۹ھ اور دوسرا ۱۲۲۱ھ و ۱۲۳۶ھ کے درمیان لکھا گیا۔

(۳۱)

میر عروض کی موشگافیوں میں کم پڑتے ہیں۔ انھوں نے اپنے تذکرے میں تنقید کے اہم اصولوں کی طرف اشارے کیے ہیں۔ ان کے خیال میں اصلی شاعری قافیہ پیمائی میں نہیں ہے۔ شاعری میں ربطِ کلام خوش فکری اور لفظِ تازہ کی تلاش بھی ضروری ہے۔ طرزِ خاص پیدا کرنے، شعر میں دردمندی کے جذبے کو ابھرنے اور توارد سے بچنے پر خاص زور دیتے ہیں لیکن میر کی رائیں بکھری ہوئی ہیں۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے اپنی کتاب غزل اور متغزلین میں میر کے تنقیدی شعور پر ان کے تذکرے کی مدد سے مفصل روشنی ڈالی ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۹-۲۰۔ میر سے پہلے بھی تذکرے لکھے گئے ہیں جیسا کہ بعض تذکروں اور قدیم کتابوں سے سراغ ملتا ہے لیکن اب تک میر صاحب سے پہلے کا کوئی تذکرہ دستیاب نہیں ہوا اس لیے نکات الشعرا ہی موجودہ تذکروں میں پہلا تذکرہ ہے۔

(۳۲)

مسعود سعد سلمان کا زمانہ ۱۰۴۶ھ و ۱۱۲۱ھ کے درمیان کا ہے ۔ یہ لاہور کا باشندہ تھا۔ فارسی کے مشہور و مستند تذکرۂ لباب الالباب سے پتہ چلتا تھا کہ مسعود سعد سلمان مقامی زبان کا بھی زبردست شاعر تھا لیکن اس کا کلام محفوظ نہ رہ سکا۔ چند اور ہمیر دو الگ الگ ادیبوں کے نام ہیں۔ گاسان نے غالباً چند سے چند بروائی مراد لیا ہے۔ چند بروائی قدیم بھاٹ خاندان کا ایک فرد تھا جس سے پرتھی راج راسا منسوب ہے۔ پرتھی راج ۱۱۹۲ھ میں شہاب الدین غوری کے ہاتھوں مارا گیا۔ شہاب الدین اور پرتھی راج کی باہمی جنگ پرتھی راج راسا کا موضوع ہے۔ یہ طویل نظم ہے لیکن اس کی تاریخی قدامت مشتبہ ہے۔ اس کا بہت سا حصہ الحاقی ہے اور بہت بعد کے شعرا سے تعلق رکھتا ہے۔ چند بروائی کو ہمیر سمجھنا صریح غلطی ہے۔ ہمیر یا ہمیر و در اصل رنتھمبور کا راجہ تھا۔ جو علاء الدین کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس لڑائی کا حال سارنگ دھر نامی ایک بھاٹ نے عمدہ طریقے سے نظم کیا ہے۔ سارنگ دھر نے اس موضوع پر دو نظمیں کہی ہیں جو تاریخ ادب میں ہمیر راسا اور ہمیر کوتا کہلاتی ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ ہمیر راسا کا مصنف سارنگ دھر بھی چند بروائی کے خاندان سے تھا۔ ملاحظہ ہو تاریخ ادبِ ہندی صفحہ ۳۴۶ از ظہیر الدین علوی۔

(۳۳)

۱۔ افضل محمد دکن کا سب سے پہلا شاعر نہیں بلکہ بہت بعد کا شاعر ہے۔ یہ قطب شاہی دور کے آخری زمانے میں تھا۔ جس وقت اورنگ زیب نے گولکنڈہ کو سلطنتِ مغلیہ میں شامل کیا اس وقت بھی یہ حیدر آباد میں موجود تھا۔ اس سے پہلے دکن میں سینکڑوں شاعر گزر چکے ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو دکن میں اردو، از نصیر الدین ہاشمی۔

۲۔ فقیر اللہ آزاد، ولی کے ہم عصر تھے۔ رام بابو سکسینہ نے صرف اس قدر لکھا ہے کہ وہ دکن کے رہنے والے تھے اور میر حسن و میر تقی میر نے اپنے تذکروں میں ان کا ذکر کیا ہے۔ لیکن کسی کے بیان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آزاد دہلی میں آئے اور وہیں رہنے لگے یا ان کی شہرت ہوئی۔ ملاحظہ ہو، نکات الشعرا صفحہ ۹۴ اور تذکرۃ الشعرائے اردو صفحہ ۷۵ از میر حسن اور تاریخ ادب اردو صفحہ ۱۷۔ از سکسینہ۔ جہاں تک ولی کا تعلق ہے وہ سعد اللہ گلشن کے شاگرد نہیں بلکہ مرید تھے۔ ولی انھی سے ملنے کے لیے دہلی آئے اور انھی کے مشورے سے دکنی اردو کو فارسی آمیز بنایا۔ شمالی ہند میں اردو شاعری اور غزل کو مقبول بنانے میں ولی اور ان کے کلام کو بڑا دخل ہے لیکن گارسان نے اس تاریخی حقیقت کو نظر انداز

کردیا ہے کہ مشاطی، غواصی اور وجہی وغیرہ ولی سے بہت پہلے گزرے ہیں۔ نصرتی، ہاشمی اور دولت وغیرہ بھی ولی سے پہلے کے شاعر ہیں۔ ولی دراصل دکن کے مغلیہ دور سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے معروف ومشہور ہم عصر شعرا عاجز، بحری، وجدی، امین اور آزاد وغیرہ ہیں۔ خاور نامہ کا مصنف رستمی بھی ولی کا معاصر نہیں ہے۔ وہ عادل شاہ کے دور کا شاعر تھا۔ ملاحظہ ہو دکن میں اردو اور تاریخِ ادب اردو از سکسینہ۔

(۳۴)

گارساں نے اردو شعرا کی تاریخ ترتیب میں اس جگہ غلطی کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ذہن میں مختلف شاعروں کا عہد واضح نہیں ہے۔ سراج علی خان آرزو، سودا، میر اور میر حسن وغیرہ سے پہلے گزرے ہیں۔ آرزو کا انتقال ۱۱۶۹ھ میں ہوا ہے۔ سودا کا انتقال ۱۱۹۵ھ میں، میر کا ۱۲۲۵ھ اور میر حسن کا انتقال ۱۲۰۱ میں ہوا ہے۔

(۳۵)

صرف بعض تذکروں میں اردو شعرا کے فارسی کلام کا ذکر و انتخاب کیا گیا ہے۔ مثلاً مصحفی نے ریاض الفصحا میں اردو شاعری کے ساتھ ساتھ شعرا کی فارسی شاعری پر بھی تبصرہ کیا ہے اور اشعار کا انتخاب درج کیا ہے۔ مصحفی نے اس سلسلے میں عقدِ ثریا کے نام سے ایک تذکرہ الگ سے بھی لکھا ہے جس میں سروِ آزاد کی طرح صرف فارسی گو ہندوستانی شاعروں کا ذکر ملتا ہے۔

(۳۶)

۱۔ گارسان کا یہ لکھنا کہ کسی مسلمان نے ہندی میں شعر نہیں کہے حیرت انگیز ہے۔ ہندی شاعری کا آغاز و ارتقا ہی دراصل مسلمانوں کے ہاتھوں ہوا ہے۔ مسلمانوں کی آمد سے قبل ہندی شاعری کا وجود تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا۔ مسعود سعد سلمان بھاشا کا پہلا شاعر ہے۔ امیر خسرو، بوعلی قلندر شاہ۔ اور قطبین بھاشا کے اچھے شاعر تھے۔ بعد میں ملک محمد جائسی، رس لین خان اور عبدالرحیم خانِ خانان ایسے زبردست ہندی شاعر گزرے ہیں کہ انھیں ہندی کے بڑے بڑے ہندو شاعروں کے مقابلے میں رکھا جاسکتا ہے۔

۲۔ گارسان نے دکنی لکھنے والوں کی تعداد کا تعین بھی غلط کیا ہے۔ دکھنی زبان میں لکھنے والوں کی تعداد سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں تک پہنچی ہے۔ محمد قلی قطب شاہ کے دور سے لے کر گارسان کے زمانے

تک اس میں بے شمار شاعر و ادیب گزرے ہیں اور بے شمار تصنیف و تالیف ان سے یادگار ہیں۔
ملاحظہ ہو دکن میں اردو از نصیر الدین ہاشمی۔

(۳۷)

میر امن کو اردو کا پہلا نثر نگار خیال کرنا درست نہیں ہے صرف اس قدر کہا جاسکتا ہے کہ میر امن پہلے شخص ہیں جو صاحب طرز انشا پرداز ہیں اور جن کی تالیف باغ و بہار نے اردو نثر کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے۔ امن نے زبان کا جو نمونہ پہلے پہل پیش کیا تھا کم و بیش وہی معیار ٹھہرا اور آج بھی ان کی زبان مقبولِ خاص و عام ہے۔

(۳۸)

سکھوں کے لیے سنگھ کے علاوہ سردار یا سردار جی کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔ ٹھاکر عام طور پر چھتری کہلاتے ہیں۔ رائے بھی عام طور پر چھتریوں کے نام کا جزو ہوتا ہے۔

(۳۹)

سکھوں کا طبقہ خود مسلمانوں کے اثر سے وجود میں آیا ہے۔ گرونانک سکھ فرقے کے بانی خود کبیر کی تعلیم سے متاثر ہوئے۔ کبیر کا مذہب مشتبہ ہوتے ہوئے بھی اس کے خیالات اس امر کا صاف اظہار کرتے ہیں کہ وہ مذہبِ اسلام سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ وہ خدا کے وجود کا قائل تھا اور فلسفۂ ویدانت کا قائل ہو کر بھی اس نے نہایت زور وشور کے ساتھ دیوتاؤں کے وجود، بت پرستی اور ہندو رسومات کے خلاف آواز بلند کی لیکن چونکہ بت پرستی ہندوؤں کی سرشت میں تھی اس لیے وہ کبیر کے بعد پھر اس طرف رجوع ہوئے اور خود کبیر کو پوجنے لگے اور کبیر پنتھ کہلائے۔ نانک پر دراصل کبیر کی تعلیم کا اثر تھا جیسا خود اس نے کبیر سے ملاقات کا ذکر کیا ہے یعنی سکھ فرقہ ایک آزاد خیال فرقے کی حیثیت سے مسلمانوں کی تعلیم وتقلید کے زیرِ اثر وجود میں آیا اور رفتہ رفتہ نانک کے چیلے بھی آزاد خیالی کو چھوڑ کر خود نانک اور دوسرے گروؤں کو پوجنے لگے اس لیے گارسان کا یہ کہنا کہ مسلمان اکثر سکھ ہوجاتے تھے درست نہیں اور راس کی مثالیں ملتی ہیں۔ ''مذہبی'' کہلانے کی اصطلاح بھی بے معنی ہے۔

(۴۰)

مسلمان مذہبی طور پر کبھی ہندوؤں سے متاثر نہیں ہوئے۔ سماجی زندگی میں مقامی رسم و رواج اور تہذیب وتمدن کو انھوں نے البتہ اپنانے کی کوشش کی لیکن اس میں متاثر ہونے کی بات نہ تھی۔ مسلمان جب ہندوستان میں داخل ہوئے تو مساوات، آزاد خیالی، رواداری اور فراخ دلی کی خصوصیات اپنے ساتھ لائے۔

اس رواداری اور وسیع الخیالی کی بناپر انھوں نے کچھ چیزیں اپنا لیں لیکن ان چیزوں کا تعلق صرف ظاہری صورتوں اور رسم ورواج سے تھا۔ روحانی اور عملی طور پر مسلمان ہندوؤں سے بہت کم متاثر ہوئے ہیں۔

(۴۱)

رام بابو سکسینہ کی کتاب سے پتہ چلتا ہے کہ صاحب [ظفریاب] اور اسیر کے اشعار کا مجموعہ شائع نہیں ہوا۔ فرانسو اردو اور فارسی دونوں کے شاعر تھے اور انھوں نے تمام اصناف شعر میں طبع آزمائی کی ہے اور ان کے اشعار کی تعداد بڑی کثیر ہے لیکن ابھی ان کا دیوان شائع نہیں ہوا۔ نواب ظفریاب متخلص صاحب اور فرانسو کو سکسینہ نے جرمن نسل کے شعرا بتایا ہے۔ ملاحظہ ہو یورپین شعرا [انگریزی] مرتبہ رام بابو سکسینہ۔ مطبوعہ نول کشور پریس ۱۹۴۱ء صفحہ ۳۰۳۔

(۴۲)

۱۔ سنّی اور شیعہ کی تقسیم کو کیتھولک اور پروٹسٹنٹ سے تعبیر کرنا درست نہیں ہے۔ یہ بھی درست نہیں ہے کہ شیعہ سنّت سے انکار کرتے ہیں اور حدیثوں کو مانتے ہیں۔ شیعہ سنّی دونوں سنّت اور حدیث میں سے کسی کے منکر نہیں ہیں۔ صرف سنّی جسے خلافت کہتے ہیں شیعہ اسے امامت کا نام دیتے ہیں۔ سنّی حضرت ابوبکر، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان، اور حضرت علی چاروں کو خلیفہ مانتے ہیں شیعہ تین کی خلافت کے منکر ہیں۔ صرف حضرت علی کو وہ تسلیم کرتے ہیں اور اس کے بعد وہ خلافت یا امامت کو نسلی توارث میں شمار کرتے ہیں۔

۲۔ ''فقیر'' کا لفظ اس جگہ بزرگ کے معنوں میں درست نہیں معلوم ہوتا اس لیے کہ جو لوگ اپنے اشعار دوسروں کو لکھ کر دیتے تھے وہ غربت کی وجہ سے ایسا کرتے تھے۔ خود مصحفی کے متعلق مشہور ہے کہ وہ غیر معمولی معاوضے پر اپنے اشعار دوسروں کو دے دیا کرتے تھے۔ یہ اشعار کسی اعتقاد یا شاعر کی بزرگی کی بنا پر نہ خریدے جاتے تھے بلکہ معاشی ضرورت سے مجبور ہو کر بعض لوگ دوسروں کو دیتے تھے اور متشاعر قسم کے لوگ شاعروں کی صف میں بیٹھنے کے لیے انھیں خریدتے تھے۔

(۴۳)

جان۔ جان کا نام میر یار علی جان صاحب درست نہیں معلوم ہوتا۔ گارسان کو نام میں کوئی مغالطہ ہوا ہے۔ جان کا نام صاحب جان تھا۔ فرخ آباد کی رہنے والی تھیں اور حسین وصاحب جمال تھیں۔ ملاحظہ ہو ''تذکرۃ الخواتین''۔ صفحہ نمبر ۴۰۔ مرتبہ عبدالباری آسی۔ مطبع نول کشور لکھنؤ۔

۞۞

تذکرۂ شعرا مصنّفینِ اردو

آباد۔ مہدی حسن خان:

پسر غلام جعفر خان۔ وطن لکھنؤ۔ ایک ممتاز ہندوستانی شاعر ہیں۔ شیخ امام بخش ناسخ کے شاگرد تھے اور غزل و واسوخت ان سے یادگار ہیں۔ بہارستان سخن کے نام سے سنہ ۱۸۴۷ء میں لکھنؤ سے جو کتاب شائع ہوئی ہے اس میں آتش و ناسخ کے ساتھ ساتھ ان کا کچھ کلام بھی شامل ہے جو ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کا ذکر سنہ ۱۸۵۴ھ کے جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال Journal of Asiatic Society of Bengal کی جلد نمبر ۷ صفحہ ۶۴۲ میں کیا گیا ہے جس کا عنوان انگریزی میں *The Poems of Nasikh, Atish and Abad* ہے۔ ان کے بعض اشعار مجموعۂ واسوخت مطبوعہ دہلی سنہ ۱۸۴۹ء میں بھی شائع ہوئے تھے۔

آباد کے دیوان کا نام ''نگارستانِ عشق'' ہے۔ یہ دیوان سنہ 1252ھ/ ۳۷۔۱۸۳۶ء میں مرتب ہوا۔ اس میں ۲۳۲ غزلیں ہیں اور ۱۲۶۳ھ/ ۱۸۴۶ء میں موسوی پریس لکھنؤ سے لیتھو کے چھاپے میں شائع ہوا۔ یہ ۵۰ صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحے میں چھوٹی تقطیع پر صرف پانچ پانچ مصرعے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ دیوان اس مجموعے سے الگ ہے جس میں ان کی وہ غزلیں ہیں جو مختلف عربی بحروں میں ہیں اور جو ہندوستانی یا مسلمانوں کی دوسری مشرقی زبانوں میں استعمال ہوتی ہیں۔ اس سلسلے میں میرا مضمون ''اسلامی مشرقی زبانوں کے عروض'' مطبوعہ بہ زبان فرانسیسی: *Memoirs sur la Prosodic des Langues de Orient Musalman.* دیکھیے اور دوسرا جو صرف ہندوستانی کے لیے مخصوص ہے: Journal Asiatique, 1832 میں دیکھیے۔

ابجدی۔ میر اسمعیل:

وہ دکنی شاعر ہیں اور ان کا دیوان صرف غزل اور رباعی پر مشتمل ہے۔ ایسٹ انڈیا آفس کے کتب خان میں دیوان ابجدی کا ایک نسخہ ہے۔ یہ کتاب دکنی زبان میں لکھی گئی ہے لیکن اس کی زبان اردو سے ملتی جلتی

ہے۔ شیکسپیئر کے مطابق ابجدی بمبئی کے گرد و نواح کے باشندے تھے جہاں کی زبان دہلی اور آگرہ کی بولیوں سے بہت مشابہ ہے۔

اس کے علاوہ ابجدی ''تحفۃ البیان'' کے مصنف بھی ہیں۔ یہ کتاب ایک مختصر سی انسائیکلو پیڈیا ہے جس میں ۷۰۰ اشعار ہیں یہ مختلف ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر ایک باب کے شروع میں مصنف نے اس بحر کی تفصیل بیان کی ہے جسے انھوں نے اس باب میں استعمال کیا ہے۔ میرے پاس اس کتاب کا ایک قلمی مسودہ ہے جو ۱۱۹۶ھ/۲۔۱۷۸۱ میں لکھا گیا ہے۔

ابجدی کا ایک فارسی دیوان بھی موجود ہے۔ انھوں نے فارسی زبان میں ایک مثنوی بھی لکھی ہے جس کا نام ''انوار نامہ'' ہے۔ اس کتاب کا ایک نسخہ کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے میں موجود ہے۔

ابرام خان ۔ منشی:

پونا کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کے مذہب کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے جو رتناگری میں *Musalmani Work* کے نام سے رومن اردو میں چھپی ہے۔ اس کتاب کا ذکر *Catalogue of Native Publications of the Bombay Presideny* کے صفحہ ۱۵۲ میں ہے۔ (یہ نام میں نے رومن اردو سے ہو بہو نقل کیا ہے۔ ممکن ہے یہ عربی سے لیا گیا ہو اور لفظ ''ابراہیم'' کا مخفف ہو۔ مترجم)

ابراہیم ۔ عادل شاہ:

عادل شاہ ابراہیم نے سنہ ۱۵۷۹ء سے لے کر اپنے انتقال کے وقت سنہ ۱۶۲۶ء تک بیجاپور پر حکومت کی۔ ان کو ہندوستانی مصنفین میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ انھوں نے فنِ موسیقی پر ایک منظوم کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب کا نام ''نورس'' ہے۔ اس کتاب کے دو نسخے کلکتہ کے ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے میں ہیں۔ اس میں جن نو جذبات کو موسیقی اور اشعار کے ذریعے ظاہر کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہیں: ۱۔ سنگار رس۔ عشق، ۲۔ ہنس رس۔ مسرت، ۳۔ کرونا رس۔ نرمی، ۴۔ بیر رس۔ بہادری، ۵۔ اندر رس۔ غصہ، ۶۔ بھیانک رس۔ خوفناکی، ۷۔ بیبھاتس رس۔ بیزاری، ۸۔ ادبھوت رس۔ تعجب ۔ حیرت، ۹۔ سانت رس۔ آسودگی۔

اشعار میں ان رسوں کو راگ کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ مشہور و معروف ملاّ ظہوری نے اس کتاب کے تین دیباچوں کو فارسی میں لکھا ہے اور اس کا نام ''سہ نثر'' رکھا ہے۔ کریم الدین نے ظہوری کی کتاب کا ترجمہ کیا ہے اور اس پر تبصرے لکھے ہیں۔ اس کتاب کا عنوان ''نثر ظہوری'' ہے۔

ابراہیم۔قاضی ابراہیم بلندری:

وہ بمبئی کے نور محمد کے بیٹے ہیں۔انھوں نے نورالدین کے ساتھ جلال الدین رومی کی چند منتخب مثنویوں کو مرتب کیا ہے۔ یہ مثنویاں جن کو شاہ مستان نے اردو میں ترجمہ کیا ہے بمبئی سے سنہ ۱۲۷۷ھ مطابق ۶۱-۱۸۶۰ء میں شائع ہوئی ہیں۔ یہ ۱۸۰صفحات کی کتاب ہے اوراس کے ہر صفحے میں ۲۱ سطریں ہیں۔ اس کتاب کے حاشیے میں بھی مثنویوں کے اشعار درج ہیں۔

ابراہیم نے بمبئی سے ۵۵-۱۸۵۴ء میں داستانِ امیر حمزہ کا ایک ایڈیشن شائع کیا ہے۔

ابراہیم۔نواب علی ابراہم خان:

لارڈ ہیسٹنگز کے دورِ حکومت میں وہ بنارس کی عدالت میں داروغہ کے عہدے پر فائز تھے۔ ان کی پیدائش پٹنہ میں ہوئی تھی۔ ان کا پورا نام نواب علی ابراہم امین الدولہ ناصر جنگ ہے۔ اور وہ خلیل اور حال تخلص کیا کرتے تھے۔خلیل کے تخلص کے تحت یوسف علی اور شورش نے اپنے تذکرے میں ان کا ذکر کیا ہے۔عشقی البتہ حال کے تخلص کے تحت ان کا ذکر کرتے ہیں۔ان کی والدہ کے جدّ امجد ملا محمد نصیر ایک بہت قابل عالم تھے اور ان کو اخوند مولا شاہ محمد شیرازی سے شرف تلمّذ حاصل تھا۔ ان کا انتقال محمد شاہ کے عہد حکومت میں ہوا۔

ابراہیم۔نواب علی ابراہیم خان:

وہ ''تذکرۂ گلزارِ ابراہم'' کے مصنف ہیں۔اس تذکرے کا نام حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے مشہور واقعے اور خود ان کے نام کی مناسبت سے رکھا گیا ہے۔ انھوں نے اس تذکرے کو سنہ ۱۱۸۶ھ/۷۷-۱۷۷۲ء میں لکھنا شروع کیا اور سنہ ۱۱۹۸ھ/۱۷۸۳ء میں مکمل کیا۔اس تذکرے میں تقریباً ۳۰۰ شعرا کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کے کلام کے نمونے پیش کیے گئے ہیں۔

انھوں نے فارسی شعرا کے بھی دو تذکرے لکھے ہیں۔ پہلے کا نام ''خلاصۃ الکلام'' ہے۔ یہ ایک جلد میں ہے اور اس کے اندر ۷۸ شعرا کی مثنویوں سے اقتباسات درج کیے گئے ہیں۔دوسرے کا نام ''صحفِ ابراہیم'' ہے اور اس میں قصیدے اور غزلیں ہیں۔ اس کتاب میں شعرا کی سوانحِ حیات بھی ہیں اور اس حصّے کو بیاض کہتے ہیں۔انھوں نے *Asiatic Researches* میں ایک مضمون ''آزمائش'' *Ordeal* کے موضوع پر لکھا ہے [جلد اصفحہ ۴۷۱]۔

میرا خیال ہے کہ ابراہیم نے بھی اردو زبان میں اشعار کہے ہیں کیوں کہ عام طور پر اردو کے تذکرہ

نویسوں کو شعر وسخن کا شوق رہا ہے۔ ابراہیم ۱۲۰۸ھ مطابق ۹۳/۱۷۹۲ء میں انتقال کر گئے۔ ان کے سالِ وفات کا تیقن اس لیے کیا جاتا ہے کہ جرأت نے ان کی وفات کی تاریخ لکھی ہے۔

میرا خیال ہے کہ ابراہیم وہی شخص ہیں جن کا ذکر یہاں پر ابراہیم کے نام سے میر نے اپنے تذکرہ میں راقم کے حوالے سے کیا ہے۔ ان دنوں میں ابراہیم خاصے جوان تھے اور ان کی میر سے گہری دوستی تھی۔ میر کی طرح شعر وسخن کا انھیں بھی ذوق تھا اور ان کا اندازِ سخن بھی میر سے کافی حد تک ملتا جلتا ہے۔

آبرو۔ شیخ شاہ بامیان نجم الدین علی خان:

ان کا دوسرا نام شاہ مبارک ہے اور وہ آبرو تخلص کرتے ہیں۔ وہ قلندری سلسلے کے درویش اور حاتم کے ہمعصر تھے۔ آبرو شیخ محمد غوث گوالیاری کے پوتے اور سراج الدین علی خان آرزو کے رشتے دار اور شاگرد بھی تھے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ آبرو لکھنؤ میں پیدا ہوئے لیکن وہ بچپن ہی میں دہلی چلے گئے تھے اور اس وجہ سے انھیں آبرو دہلوی کہتے ہیں۔ انھوں نے دہلی ہی میں شعر وسخن کے فنون سیکھے۔ آبرو ایک بہت ممتاز مصنف ہیں اور ہندوستان میں ان کے کلام کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ انھوں نے ہندوستانی زبان میں ایک دیوان بھی چھوڑا ہے جو خوبصورت تشبیہات کی وجہ سے عوام میں بہت مقبول ہے۔ ان کی تصنیفات میں مثنوی مواعظ آرائشِ معشوق کو خاص طور پر سب سے زیادہ شہرت حاصل ہے۔

میر کے مطابق تقدیر کی طرح آبرو بھی ایک آنکھ سے اندھے تھے۔ مصحفی کہتے ہیں کہ آبرو کے داڑھی تھی اور وہ عام طور پر ہاتھ میں چھڑی رکھنے کے عادی تھے۔ شروع میں وہ نارنول میں رہتے تھے۔ ان کا انتقال محمد شاہ کے دور میں ۱۱۶۹ھ/۵۵-۱۷۵۵ء سے پیشتر ۵۱ سال سے زیادہ کی عمر میں ہوا۔ انھوں نے بہت ہی سادہ اور شگفتہ طبیعت پائی تھی۔

بنی نرائن نے اپنے تذکرے میں ان کی تین غزلیں نقل کی ہیں۔ ان کے علاوہ لطف، ابرہیم اور مصحفی نے ان کے دیوان سے متعدد صفحات نقل کیے ہیں۔

ابل خان [مولوی]:

''مجموعۂ شمس'' کے مصنف ہیں۔ یہ کاپرنکس کے نظامِ شمسی کا خلاصہ ہے جسے ابل خان اور ڈاکٹر ہنٹر [Hunter] نے ہندوستانی میں مرتب کیا اور جسے آگرہ سے اسکول بک سوسائٹی [School Book Society] نے شائع کیا۔

ابوالجلال:

وہ عبدالمجیب الحسنی کے بیٹے اور احیاءُالقلوب فی مولود المحبوب کے مصنف تھے۔ یہ کتاب اردو میں لکھی گئی ہے اور اس میں محمدؐ کی پیدائش، معراج اور وفات کا ذکر ہے۔ سرور الدین نے اپنی نگرانی میں اس کتاب کو ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۷ء میں کلکتہ سے شائع کیا اور اس کا ایک نسخہ ایسٹ انڈیا لائبریری کے کتب خانے میں موجود ہے۔

ابوالحسن۔ امیر الدین احمد:

ان کا دوسرا نام امیر اللہ الہٰ آبادی ہے۔ وہ عظیم آباد میں آباد ہو گئے تھے اور اس کے بعد سیر و سیاحت کی غرض سے کلکتہ بھی تشریف لے گئے۔ انھیں اردو شاعری کا خاص ذوق تھا جس کی وجہ سے انھوں نے اپنے سفر کے دوران میں اردو زبان میں مسرت افزا تذکرہ تصنیف کیا ہے۔

۱۱۹۳ھ/۱۷۷۶ء میں لکھنؤ میں انھوں نے اس تذکرے میں کچھ اضافے بھی کیے ہیں۔ اس تذکرے کا ایک فارسی قلمی مسودہ بھی ہے جو مرحوم Sir W. Ouseley[1] کے مجموعوں میں شامل تھا اور آج کل آکسفرڈ کے کتب خانے میں موجود ہے۔

ابوالحسین۔ محمد:

وہ گلزار ابراہیم کے مصنف ہیں۔ انھوں نے ابراہم آدہم کی مشہور حکایت کو منظوم کیا ہے۔ یہ کتاب ۷۲ صفحوں پر مشتمل ہے اور اس کے ہر صفحے میں ۲۵ سطور ہیں۔ اس کتاب کے حاشیے میں مختصر شرح بھی درج ہے۔ میرٹھ سے سنہ ۱۸۶۵ء میں چھپی ہے۔

ابوالحسن مولوی:

مولوی ابوالحسن صوبہ دہلی میں مرشد نگر کے قریب موضع کاندھلہ کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے مولانا جلال الدین رومی کی مثنوی کی پہلی جلد کا اردو میں ترجمہ کیا ہے جسے نشاط الٰہی بخش نے ۴۰ سال پیشتر شروع کیا تھا۔ اس کتاب کا نام ''مجمعِ فیض العلوم'' ہے۔ میرے پاس اس کتاب کا ایک نسخہ ہے جسے میں نے کریم الدین سے حاصل کیا ہے۔

ابوالفضل:

اکبر کے مشہور و معروف وزیر تھے۔ انھیں ہندوستانی کا بھی انشا پرداز سمجھنا چاہیے کیوں کہ فارسی تصنیفات کے علاوہ انھوں نے اپنی کتاب ''آئینِ اکبری'' میں لکھا ہے کہ انھوں نے الف بیگ کی فارسی

کتاب ''علم الفلک'' کی جدید فہرست کا ہندی میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ اکبر کی خواہش پر کیا گیا تھا۔اس کام میں امیر فتح اللہ شیرازی، کشن جائس گنگا دھر اور مہائس نے ان کا بہت ہاتھ بٹایا ہے۔ان لوگوں کا ذکر آگے آئے گا۔

ابھاس:

میرا خیال ہے کہ انھوں نے اردو میں ''رامائن'' کا ترجمہ کیا ہے۔بہر حال ''رامائن'' کا ایک اردو ترجمہ میرٹھ سے سنہ ۱۸۶۷ء میں شائع ہوا ہے۔ یہ کتاب ۹۳ صفحات پر مشتمل ہے۔

ابھائی رام:

مجھے معلوم نہیں کہ یہ وہی ابھائی سنگھ ہیں جو مارواڑ کے راجہ کے دربار میں ایک مشہور شاعر تھے۔ابھائی رام تاریخی اور شاعرانہ حیثیت سے بہت مشہور ہیں۔انھوں نے زیادہ تر عوامی گیت لکھے ہیں۔[*Asiatic Journal, October 1840*،صفحہ ۱۲۹]

اتحاد۔مرزا آغا جان:

وہ ایک ہندوستانی شاعر اور خوش نویس ہیں لیکن انھوں نے فارسی میں بھی کچھ کلام لکھا ہے۔خواجہ خیر الدین کے لڑکے اور خواجہ وزیر کے شاگرد ہیں۔محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔پچھلے ہنگاموں سے پہلے وہ لکھنؤ میں ایک مطبع کے مالک تھے۔

آتش۔خواجہ حیدر علی لکھنوی:

وہ خواجہ علی بخش مہر کے بیٹے اور مصحفی کے ایک مشہور شاگرد تھے۔ان کا انتقال سنہ ۱۸۴۷ء میں لکھنؤ میں ہوا۔ ہندوستانی تذکرہ نویس ناسخ کے ساتھ آتش کو بھی اودھ کے سب سے ممتاز شعرا میں خیال کرتے ہیں۔اُنھوں نے دو دیوان یادگار چھوڑے جو لکھنؤ میں شائع ہوئے۔ پہلا دیوان جس میں چھوٹی تقطیع کے ۲۵ صفحات ہیں ۱۸۴۵ء میں اور دوسرا دیوان جس میں چھوٹی تقطیع کے ۵۶ صفحات ہیں، ۱۸۴۷ء میں شائع ہوا۔لکھنؤ اور کانپور کی اشاعتوں کی طرح ان میں کوئی خالی حاشیہ نہیں ہے بلکہ حاشیے میں بھی کلام لکھا ہوا ہے۔محسن نے ان کی چند غزلیں نقل کی ہیں اور بتایا ہے کہ وہ ہندوستان کے ہر صوبے میں مشہور ہیں اور عمدہ خیالات کا دلکش اظہار کرتے ہیں۔آتش کا کلیات سنہ ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ء میں چھپا ہے جس میں ۲۹۳ صفحات ہیں اور اس میں بھی ان کے دیوان کی طرح کوئی حاشیہ نہیں ہے۔آتش کے انتقال پر مظفر علی اسیر، ذوق اور منشی اشرف علی نے تاریخیں لکھیں۔

آتش۔مرزا غلام حسین:

وہ مرزا کریم اللہ بیگ کے پوتے اور طپش کے شاگرد تھے۔انھوں نے فنِ عروض و قافیہ کے موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے۔وہ مرشد آباد میں رہتے تھے۔

آتش۔بریلوی:

ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر سرور نے اپنے تذکرے میں کیا ہے۔

اٹل،میر عبدالجلال۔سید:

وہ بلگرام میں پیدا ہوئے اور دہلی میں رہتے تھے۔وہ ایک فوجی آدمی تھے اور ابوالفراج واسطی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ہندی شاعری میں انھوں نے جعفر زٹلی کی تقلید کی ہے حالانکہ نہ ان کو دیکھا تھا اور نہ ان کے شاگرد تھے۔قاسم کے مطابق محمد عطا اللہ،جن سے اٹل کی اکثر ملاقاتیں رہتی تھیں،زٹلی کے حریف تھے۔اٹل عربی و فارسی قصیدہ نگاری کے لیے بھی مشہور ہیں جس میں وہ واسطی تخلص کرتے تھے۔سرور کے تذکرہ لکھنے سے چند سال پہلے ان کا انتقال ہوا۔ہندوستانی تذکرہ نویسوں نے زٹلی اور اٹل وغیرہ کی شاعری کو زٹلیت کہا ہے۔زٹلیت میں صرف یہ نہیں ہے کہ الفاظ ذو معنی استعمال ہوتے ہیں بلکہ ان میں عریانی و فحاشی کے عناصر بھی ہیں۔

اثر،میر محمد دہلوی:

خواجہ نصیر الدین نصیر کے لڑکے اور خواجہ میر درد کے چھوٹے بھائی تھے۔سرور انھیں میاں محمد میر کہتے تھے۔وہ بڑے عالم اور متقی شخص تھے اور عمدہ شاعر ہونے کے علاوہ وہ تصوف سے بھی غایت شغف رکھتے تھے۔جب تک ان کے بھائی بقید حیات رہے اثر اس مذہبی سلسلے کے ایک معمولی رکن تھے جس کے سربراہ ان کے بھائی تھے لیکن اپنے بھائی کے انتقال کے بعد وہ اس سلسلے کے سجادہ نشین ہوگئے۔کریم الدین کہتے ہیں کہ ان کا انتقال چند ہی سال کے بعد ہوگیا۔ان کے ہندوستانی اشعار ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں اور بلحاظِ تعداد بھی ان کے بھائی کے کلام کے مساوی ہیں۔انھوں نے ایک دیوان چھوڑا ہے جو سلاست اور انداز بیان کے لحاظ سے بہت خوب ہے۔

اس کتاب کو انگریزی حکومت نے سقوطِ دہلی کے بعد خریدا تھا۔فہرست میں اس کا نمبر ۱۴ ہے۔ انھوں نے کچھ خیال بھی کہے ہیں اور مصحفی نے خیال کے چار صفحات ان سے نقل کیے ہیں۔لطف کہتے ہیں کہ انھوں نے محبت کے موضوع پر ایک طویل مثنوی بھی تصنیف کی ہے اور انھوں نے اس مثنوی سے چند

اقتباسات بھی درج کیے ہیں۔ بینی نرائن نے ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔

دل میں ہے جور ترے از سر نو یاد کریں — تو سنے یا نہ سنے نالہ و فریاد کریں
ان بتوں کی ہے بڑی دوڑ یہی دل شکنی — یہ کہاں جو یہ کسی دل کے تئیں شاد کریں
ہم اسیروں کی اُسے چاہیے خاطر داری — اور الٹی نہ کہ ہم خاطر صیاد کریں
کبھو ادھر کو بھی ہو جلوہ گری عشوہ گری — تیری دولت کا بھلا ہم بھی تو کچھ یاد کریں
آپ کے دل سے بھلا ٹک تو نکل جائے بخار — اور بھی جی میں جو کچھ سووے تو ارشاد کریں

''تذکرۂ ہندی'' از مصحفی مرتبہ عبدالحق ص ۱۰

اثر۔ نواب حسین علی خان بہادر۔ لکھنوی:

یہ مرزا امیر الدولہ حیدر بیگ خان توران کے نوجوان صاحبزادے ہیں۔ امیر الدولہ نواب آصف الدولہ بہادر کی فوج سے منسلک ہیں۔ اثر اردو کے شاعر ہیں اور امام بخش ناسخ سے تلمذ کرتے ہیں۔ ان سے ایک دیوان کے علاوہ قصاید و مثنویات یادگار ہیں۔ وہ آصف الدولہ نواب اودھ کے بھانجے تھے۔ انھوں نے سنہ ۱۸۶۵ء میں ۹۲ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ کریم الدین اور محسن نے ان کی چند غزلوں اور مثنویوں کا تذکرہ کیا ہے۔ کریم الدین نے اپنے تذکرے میں اور ''خطِ تقدیر'' میں۔

اجمل۔ شیخ شاہ نصیر الدین محمد۔ الہٰ آبادی:

شاہ محمد ناصر الفصلی کے بیٹے اور شاہ غلام قطب الدین کے چھوٹے بھائی اور شاگرد تھے۔ وہ ایک درویش تھے جیسا کہ لفظ شاہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ (اس لفظ پر میرا مضمون دیکھیے: *Memoire sur la Religion Musalmane.*) علی ابراہیم ان سے واقف تھے اور ان کی درخواست پر اجمل نے الہ آباد سے جہاں وہ ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۱ء میں مقیم تھے، چند اشعار علی ابراہیم کے پاس بنارس بھیجے تھے۔ جن کو ابراہیم نے اپنے تذکرے میں شامل کیا ہے۔

مجھے معلوم نہیں کہ ان کا کوئی دیوان مرتب ہوا ہے یا نہیں۔ عشقی کے مطابق وہ بعض کتابوں کے مصنف ہیں۔

اجودھیا پرشاد۔ پنڈت:

اس سے اُس کے ہم نام مصنف کا دھوکہ نہیں ہونا چاہیے جس کا تخلص حیرت تھا اور جس کی سنہ ۱۸۳۴ء میں وفات ہوئی ہے۔ اجودھیا پرشاد ابھی تک حیات ہیں اور مندرجہ ذیل کتابوں کے مصنف ہیں:

۱۔ اردو میں ریاضی کا ایک رسالہ جس کا نام رسالہ علم سیاحت ہے یہ ۷۷ صفحات کا ایک رسالہ ہے جو رڑکی

کالج میں پڑھایا جاتا ہے اور دہلی سے سنہ ۱۸۴۴ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوا ہے۔

۲۔ Marshall کی Astronomy کے پہلے ۸ باب Bonny castle کی Astronomy کے بارھویں باب اور Encyclopedia Britannica کا ضمیمہ جودھیا پرشاد نے ترجمہ کیا ہے۔ میرے خیال میں یہ وہی ترجمہ ہے جس کا نام Marshall's Astronomy ہے۔ اسے اردو میں رسالہ علم ہیئت کہتے ہیں اور یہ رام چندر کی مدد سے ترجمہ کیا گیا ہے۔

۳۔ Introduction to natural Philosophy,or Elements of Nature.

Mechanics, Astronomy, Hydrostatics,Heat, Electricity

یہ رسالہ شیر پرشاد اور دھرم نرائن کے ساتھ مل کر ترجمہ کیا گیا ہے۔

۴۔ Thomas Welster کی Hydrostatics کا ترجمہ جو دہلی سے سنہ ۱۸۵۰ء میں Principles of Hydrostatics] کے نام سے شائع ہوا W. Treagear نے اپنی رپورٹ ۲۳۔ ستمبر سنہ ۱۸۱۴ء میں جس کتاب کی بڑی تعریف کی ہے وہ یہی ہے اور اس کتاب کا اردو کا نام کتاب ''علم ماء'' ہے۔

۵۔ اسکندرِ اعظم کی ایک مختصر تاریخ جس کے مصنف R. Cust. ہیں جو لاہور سے سنہ ۱۸۵۸ء میں وقائعِ اسکندرِ اعظم کے نام سے ۳۲ صفحوں کی چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ اسکندر کی لڑائیوں کے میدانِ جنگ کا ایک نقشہ بھی ہے۔ اس کتاب کا ایک ہندی ترجمہ ''ورتنت Vrittant سکندرِاعظم'' کے نام سے ہوا ہے۔

۶۔ انھوں نے ایک اردو ترجمے کی اصلاح بھی کی ہے جس کا نام وقائعِ بابا نانک ہے۔

۷۔ ایک کتاب جغرافیہ جو پنجاب کے اسکول میں پڑھائی جاتی ہے میجر Fuller کے حکم سے انگریزی زبان سے ترجمہ کر کے لاہور سے شائع کی ہے۔ میرے پاس پہلی جلد موجود نہیں۔ دوسری جلد چھوٹی تقطیع کے ۱۳۴ صفحات میں ہے۔

۸۔ زبدۃ الحساب۔ یہ ریاضی پر ایک مکمل رسالہ ۴ حصوں میں ہے۔ رام دیال نے اسے ''گنت سار'' کے نام سے ہندی میں بھی ترجمہ کیا ہے۔ یہ کتاب پہلے انگریزی میں C.W.W. Alexander انسپکٹر تعلیمات حلقہ لاہور نے لکھی تھی۔

۹۔ دستور العمل مدارس تعلیم المعلمین برائے صوبہ پنجاب۔ اسے اردو میں میجر Fuller ڈائریکٹر تعلیمات کے حکم سے لاہور سے سنہ ۱۸۶۲ء میں چھوٹی تقطیع کے ۳۲ صفحوں پر شائع کیا گیا ہے۔

۱۰۔ ایک ایڈیشن میجر Fuller کے حکم سے ''خرد افروز'' کے اردو ترجمہ کا شائع کیا جو ''مفید الصبیان'' کے

نام سے لاہور سے چھوٹی تقطیع پر ۱۸۶۳ء میں چھپا ہے۔

۱۱۔ جبر و مقابلہ دو حصوں میں میجر Fuller کے حکم سے لاہور سے ۱۸۶۱ء میں چھوٹی تقطیع میں شائع ہوا۔ اس کتاب کا ایک ہندی ترجمہ بھی ''بیج گنت'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔

۱۲۔ جامِ جہاں نما۔ ہندوستان کا جغرافیہ ہے اور لاہور سے چار حصوں میں میجر Fuller کے حکم سے چھوٹی تقطیع پر سنہ ۱۸۶۳ء میں شائع ہوا۔

۱۳۔ اردو میں ایک فارسی قواعد'' مصدر فیوضی'' کے نام سے تالیف کی۔ لاہور سے سنہ ۱۸۶۳ء اور ۱۸۶۴ء اور سنہ ۱۸۶۵ میں ''ویاکرن'' کا ایک ایڈیشن نکالا۔

میرا خیال ہے کہ یہ وہی شخص ہیں جو موہن لال کے ساتھ ''خیر خواہ خلائق'' کے نام سے اجمیر سے ایک اردو اخبار نکالتے ہیں۔

احسان۔ حافظ عبدالرحمٰن خان:

حافظ غلام رسول کے بیٹے ہیں۔ دہلی کے ایک مشہور و معروف شاعر ہیں۔ ان کا تخلص شروع میں رحمان تھا۔ انھوں نے شاہ عالم کے عہدِ حکومت میں شعر کہنا شروع کیا۔ وہ درباری شاعر تھے اور نوابوں اور رئیسوں کی غزلوں پر اصلاح دیا کرتے تھے۔ سنہ ۱۸۴۷ء میں وہ دہلی کی حکومت میں ایک معزز منصب پر فائز تھے۔ انھوں نے ۸۰ سال سے زیادہ کی عمر پائی تھی۔ آپ کا انتقال دہلی میں سنہ ۱۸۵۱ء میں ہوا۔ اس عمر میں بھی انھیں مشاعروں میں جانے کا بڑا شوق تھا۔ انھوں نے بہت ہی نازک عشقیہ غزلیں لکھی ہیں۔ وہ ایک دیوان کے مالک بھی ہیں اور اس دیوان کا ایک نسخہ دہلی کی امپریل لائبریری میں موجود ہے۔ سرور نے اس دیوان سے تقریباً ۲۱ صفحے نقل کیے ہیں۔ کریم چند غزلیں اور ایک قصیدہ جو محمدؐ کی شان میں لکھا گیا ہے اپنے تذکرے میں نقل کرتے ہیں محسن نے بھی چند اشعار نقل کیے ہیں۔

احسان کی شاعری میں کثرت سے تجنیسِ اشتقاق، طباق ابہام اور اضداد کی صنعتیں استعمال ہوئی ہیں۔ اس کتاب کے آخر میں احسان نے سرور کے تذکرے کی تاریخ تالیف لکھی ہے۔

احسن۔ شاہ احسن اللہ:

وہ ہندوستانی شاعر ہیں اور محسن نے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ آبرو کے ہمعصر تھے۔ محسن نے ان کے چند اشعار بھی نقل کیے ہیں۔ قاسم کے مطابق وہ آبرو اور ناجی کے ہمعصر تھے اور ان کا انتقال ۱۱۶۵ھ/۵۲۔۱۷۵۱ء میں ہوا ہے۔

احسن ۔ محمد:

انھوں نے طبیعی فلسفے پر ایک تعارفی مضمون لکھا ہے۔ یہ ۱۳۰ صفحات کی کتاب ہے جو اردو میں لکھی گئی ہے اور مسٹر ٹیلر [Taylor] کی نگرانی میں دو بار شائع ہو چکی ہے۔ *Report of the Vernacular Translation Society.*

انھوں نے ایک دوسری کتاب نفع خریداران کے نام سے لکھی ہے۔ یہ تجارت پر ایک مقالہ ہے جو میرٹھ سے سنہ ۱۸۶۴ء میں کتابی صورت میں شائع ہوا ہے۔ ان کی دیگر تصانیف یہ ہیں:

۱] مجموعۂ مثنویات جس میں متعدد مثنویاں ہیں۔

۲] رسالہ عروض جو علم العروض سے متعلق ہے۔

۳] احسن المسائل جو ایک مذہبی کتاب ہے۔ یہ کتاب بریلی سے سنہ ۱۸۶۸ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں ۳۹۸ صفحے ہیں۔

احسن، بریلی کے جریدے ''احسن الاخبار'' کے مدیر بھی معلوم ہوتے ہیں۔

احسن محمد مولا:

وہ ''دکن کے رہنے والے ہندوستانی'' کے مصنف ہیں۔ اکثر حضرات انھیں غلطی سے انور محمد مولا سمجھتے ہیں۔ سرور کے تذکرے میں انور محمد مولا کا ذکر ہے لیکن انھوں نے اس کتاب کے حاشیے میں احسن کا نام درج کر کے اپنی غلطی کی اصلاح کر لی ہے۔

احسن مرزا:

وہ مرزا عبدالرحمٰن خان کے بیٹے تھے۔ شروع میں وہ سلطان دہلی کے محل سے وابستہ تھے پھر وہ لکھنؤ چلے گئے اور نواب آصف الدولہ کے نائب رضا خان سے دوستانہ تعلقات پیدا کر لیے۔ انھوں نے ایک دیوان تصنیف کیا ہے جس کے چند اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

احسن ۔ مرزا احسن علی ۔ دہلوی:

پہلے ضیا کے شاگرد تھے پھر سودا سے مشورہ کرنے لگے۔ علی ابراہیم کے قول کے مطابق وہ شجاع الدولہ نواب اودھ کے منشی تھے اور بعد میں سنہ ۱۸۰۰ء میں انھوں نے نواب سرفراز الدولہ حسن رضا خان کی ملازمت اختیار کر لی تھی۔

مصحفی کے بقول انھوں نے بہت رچا ہوا مزاج پایا تھا اور وہ اپنے خیالات کو بہت عمدگی کے ساتھ ظاہر

کرسکتے تھے۔ وہ نواب شجاع الدولہ سے منسلک ہونے سے پہلے نواب محمد یونس خان سے بہت گہری وابستگی رکھتے تھے۔ان کا ایک دیوان موجود ہے اور یہ کلام اپنی نفاست، شگفتگی اور زور بیان کی وجہ سے ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ قاسم کے قول کے مطابق احسن کا نام حسن قلی تھا اور وہ مغل تھے۔قاسم نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

سرور کے بقول احسن کا آبائی وطن ایران تھا۔ وہ نوابینِ اودھ شجاع الدولہ اور آصف الدولہ کے معتمد تھے اور انھیں ان کی سرپرستی حاصل تھی۔ کمال ان سے لکھنؤ میں ملے تھے۔ اور ان کے قول کے مطابق انھیں ''ملک الشعرا'' کا خطاب حاصل تھا۔ کمال ان کی صلاحیتوں اور نسلی شرافت کا ذکر کرتے ہیں اور ان کی خوش نویسی اور خطابت کی بھی تعریف کرتے ہیں۔ ان کا ایک دیوان موجود ہے۔ اس میں تین قصیدے حضرت علی، شجاع الدولہ اور سرفراز الدولہ کی مدح میں ہیں۔ اس کے علاوہ سات مختصر مثنویاں اور بے شمار غزلیں بھی ہیں ۔ان کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ توپ خانہ لکھنؤ کے کتب خانے میں ہے اور دوسرا کلکتہ کی ایشیاٹک[۲۱] سوسائٹی کے پاس ہے۔

جب محسن اپنا تذکرہ تصنیف کررہے تھے تو ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

احسن ۔ میاں احسن اللہ:

وہ ہندوستانی شاعر ہیں جنھوں نے اپنے ہم عصر آبرو کا طرزِ بیان اختیار کیا تھا۔ انھوں نے عام روش کے خلاف نئے خیالات کا اظہار کرنے کی کوشش کی۔ ہندوستانی شعرا کے یہاں عام طور پر وہی خیالات وجذبات ہیں جو متقدمین کی شاعری میں پائے جاتے ہیں۔ ان کی شاعری کو ابہام کی وجہ سے لوگ پسند نہیں کرتے تھے۔ فتح علی کے تذکرہ لکھنے سے چند سال قبل احسن کا انتقال ہوگیا۔ فتح علی نے ان کے چند اشعار اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں اور یہاں اس کے دو اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔

مگر الحانِ داؤدی ہے نعمت خاں کی قانوں میں
کہ آہن سے دلوں کو بین لے کر موم کرتے ہیں
بری باتوں کی خو ہرگز نہیں اس کو جو انسان ہے
جو گالی سے زبان کو کام فرمائے تو حیواں ہے

(''تذکرہ ہندی گویاں''، ص ۱۸)

احسان ۔ میر شمس الدین:

وہ ہندوستانی شاعر میر قمر الدین منت کے بیٹے ہیں۔ ہندوستانی تذکرہ نویسوں میں صرف علی ابراہیم نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کا ایک شعر بھی نقل کیا ہے۔

احسان، میر غلام علی۔ حیدرآبادی:

وہ ایک ہمعصر شاعر ہیں۔ شیفتہ اور سرور نے اپنے تذکرے میں ان کا ذکر کیا ہے۔

احسن اللہ۔ محمد:

انھوں نے ایک کتاب ''مراۃ گیتی نما'' لکھی ہے۔ اس میں ترکی اور انگریز سلاطین کا تاریخی طور پر موازنہ کیا گیا ہے۔ انھوں نے ایک دوسری کتاب استغنا التراویح کے نام سے بھی لکھی ہے۔ اس میں نمازِ تراویح کے متعلق بحث کی گئی ہے۔ یہ ۲۳ صفحات کی کتاب ہے اور آگرہ سے سنہ ۱۸۶۸ میں شائع ہوئی ہے۔ ان کی ایک اور کتاب ''احسن الکلام'' ہے جس میں مذہبی مضامین پر بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب اردو میں ہے اور آگرہ سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں ۶۵ صفحات ہیں۔

احسن اللہ خان۔ دہلوی:

وہ سنہ ۱۸۵۲ء میں بقیدِ حیات تھے اور شاعر اور خطیب کی حیثیت سے کافی مشہور تھے۔ وہ قاسم کے شاگرد تھے۔ انھوں نے قصص الانبیا کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ گلشنِ بے خار میں احسن اللہ نام کے دو شعرا کا ذکر کیا گیا ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ دہلی میں ایک دوسرے شاعر بھی احسن اللہ نام کے تھے۔

احسان علی۔ حکیم:

وہ ایک حکیم ہیں۔ انھوں نے اردو میں ایک طبی رسالہ لکھا ہے جس کا نام اخبار طب ہے۔ ۱۹/جولائی ۱۸۶۶ء میں میرٹھ کے ''اخبار عالم'' میں اس کتاب پر ایک تبصرہ بھی شائع ہوا ہے جس میں اس کتاب کی افادیت کا ذکر کیا ہے۔ اس کے مطابق یہ رسالہ مختلف امراض کے علاج کے لیے بہت مفید ہے۔ یہ کانپور میں مطبع نظامی سے شائع ہوا ہے۔ میرے پاس اس کتاب کی ایک جلد ہے جس کو Beams نے مجھے تحفے کے طور پر پیش کیا تھا۔ یہ کتاب دہلی میں مطبع مصطفائی میں چھپی ہے، ۱۲۸۱ھ۔۵/۱۸۶۲ء۔

احقر۔ مرزا جواد علی:

وہ ایک دیوان کے مالک ہیں۔ مصحفی نے اس سے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔ اس کتاب کا ایک نسخہ لکھنؤ کے موتی محل کے کتب خانے میں ہے۔ اس کی ضخامت ۱۲۸ صفحات ہے اور ہر صفحے پر بارہ آیات درج

ہیں۔وہ اپنی ایک غزل میں اپنے استاد حسن سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔حسن مثنوی ''سحرالبیان''
کے مصنف تھے۔

احقر قزلباش قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ان کے آباؤ اجداد خراسان کے رہنے والے تھے لیکن تقریباً دو
پشتوں سے ان کا خاندان ہندوستان میں آ کر آباد ہوگیا تھا چنانچہ احقر کی پیدائش بھی ہندوستان میں لکھنؤ
کے مقام پر ہوئی تھی۔ جب وہ بارہ سال کے تھے تو انھوں نے نجف میں حضرت علی کے مزار اور کربلا میں
حضرت حسین کے مزار پر حاضری دی تھی۔اس کے علاوہ وہ کاظمین بھی گئے تھے اور انھیں بغداد میں امام
موسیٰ بن جعفر کے مزار پر بھی جانے کا اتفاق ہوا تھا۔انھوں نے بارھویں اور آخری امام مہدی کے مزار پر بھی
سامرہ میں حاضری دی تھی۔اس دلچسپ سفر پر انھوں نے چار سال صرف کیے۔اس کے بعد وہ لکھنؤ واپس
آگئے اور وہیں مستقل طور پر رہنے لگے۔سنہ ۱۷۹۳ء میں ان کی عمر بائیس ۲۲ سال تھی۔

احمد۔احمد علی:

صفی پور کے رہنے والے تھے جو لکھنؤ کے نواح میں ہے۔عنایت اللہ کے بیٹے اور میر علی اوسط رشک
کے شاگرد تھے۔اردو کے شاعر ہیں۔محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

احمد۔سید غلام محی الدین حیدرآبادی:

فیض کے حلقہ تلامذہ کے ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر گردیزی نے کیا ہے۔

احمد شاہ غلام احمد۔کانپوری:

شاگرد شیخ امام بخش خان کے بیٹے اور کرنل محمد زینان [Zanian] خاں کے بھتیجے تھے۔ان کے والد
سلطان ٹیپو کی فوج میں کپتان کے عہدے پر فائز تھے اور الٰہی عشقی کے مشہور شاگرد تھے۔ایک دیوان کے
مصنف ہیں اور محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

احمد۔صمصام اللہ:

انعام اللہ خان یقین کے دوسرے بیٹے تھے۔سپاہی اور شاعر تھے۔یورپ میں وفات پائی۔قاسم نے
ان کا ذکر کیا ہے اور ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔

احمد۔شیخ۔دہلوی:

سرور نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کی کئی غزلیں نقل کی ہیں۔ذکا کے بقول وہ میر کلو حقیر کے
شاگرد تھے۔

احمد۔ شیخ حافظ غلام احمد اخوند:

اصلاً پنجاب کے رہنے والے تھے لیکن دہلی میں پیدا ہوئے۔ سرور ان سے ذاتی طور پر واقف تھے اور ان کی تعریف کرتے ہیں۔ شیفتہ نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔

احمد۔ شیخ مولوی حفیظ الدین۔ بردوانی:

جلال الدین محمد کے بیٹے اور شیخ محمد ذاکر صدیقی کے پوتے تھے۔ وہ ایک بہت مشہور ہندوستانی مصنف ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد عرب سے دکن تشریف لائے تھے۔ دو نسلوں کے بعد ان میں سے ایک فرد شیخ حسن نے بنگال میں سکونت اختیار کر لی۔ اس وقت سے لے کر ان کی پانچ پشت تک اس خاندان میں زہد و تقوی کا زور تھا۔ ان میں سے ایک بزرگ جن کا نام شیخ سعدی تھا [اور جو عام طور پر شاہ پوران کے نام سے مشہور تھے]۔ وہ شاہ عبداللہ کرمانی کے بیٹے شاہ عنایت اللہ کے مرید تھے۔ ان کی رہنمائی میں شیخ سعدی نے مدارج طے کیے لیکن اس کے باوجود انھوں نے مغل بادشاہوں کی ملازمت کر لی تھی۔ جلال الدین فورٹ ولیم کالج میں منشی کی حیثیت سے کام کرتے تھے (جلال الدین نے ایک قواعد فارسی میں لکھی ہے جس کا نام ''قواعد ہندی'' ہے۔ اس کا ایک نسخہ میرے پاس موجود ہے۔) اور احمد بیس سال کی عمر تک کلکتہ کے ایک کالج میں تعلیم پاتے رہے جس کو ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ ہسٹنگز نے قائم کیا تھا۔ اس کالج میں انھوں نے عربی اور فارسی کی کما حقہ تعلیم پائی اور بعد میں فورٹ ولیم کالج میں پروفیسر مقرر ہو گئے۔ کلکتہ میں ان کی ملاقات ڈاکٹر گل کرسٹ سے ہوئی جو اردو ادب اور زبان کی ترقی و اشاعت کے لیے مشہور تھے۔ ڈاکٹر گل کرسٹ نے انھیں ''عیار دانش'' کا ترجمہ کرنے پر آمادہ کر لیا اور احمد نے اس کام کو اپنے والد کی مدد سے، جو علم و فضل میں بہت مشہور تھے، انجام دیا۔ نظام حیدر آباد کے کتب خانے میں ایک کتاب ''دانش افروز'' نامی ہے، لیکن معلوم نہیں کہ یہ ''عیار دانش'' کا دوسرا نام ہے یا کوئی دوسری کتاب ہے۔

یہ ترجمہ سنہ ۱۸۰۳ء میں مکمل ہوا اور اس کے صلے میں احمد کو بیش بہا انعام سے سرفراز کیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد احمد نے فورٹ ولیم کالج کی ملازمت چھوڑ دی اور دہلی آ کر ریذیڈنٹ Mr. Metcalfe کی ملازمت میں داخل ہو گئے۔ سنہ ۱۸۱۵ء میں وہ بقیدِ حیات تھے اور دہلی میں میر منشی کی حیثیت سے ملازم تھے۔

''عیار دانش'' متعدد کہانیوں کا مجموعہ ہے جس کو اکبر کے وزیر اعظم ابو الفضل نے کتاب کلیہ اور دمنہ سے فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ یہ مجموعہ ''کراتک دماتک'' کتاب سے اخذ کیا گیا ہے۔ جسے بید پائے فلسفی نے مرتب کیا تھا۔ یہ کتاب ہندی زبان میں لکھی گئی ہے، لیکن میرے خیال میں اس سے سنسکرت مراد ہے۔

احمد کے ہندوستانی ترجمے کو ایک اہم حیثیت حاصل ہے کیوں کہ انھوں نے اصل موضوع سے قریب تر رہنے کی کوشش کی ہے اور ان کا اندازِ بیان بہت ہی شگفتہ اور سلیس ہے۔ یہ ترجمہ ''خرد افروز'' کے نام سے کلکتہ سے سنہ ۱۸۱۵ء میں مسٹر روبک [Roebuck] کے زیرِ اہتمام شائع ہوا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت میں روبک نے مولوی کاظم علی جوان منشی غلام اکبر مرزائی بیگ اور غلام قادر سے مدد لی ہے۔ ۱۸۰۳ء میں اس کی طباعت شروع ہوئی لیکن صرف ۵۲ صفحات مکمل ہوئے۔ میرے پاس اس کی ایک جلد ہے۔ ۱۸۲۷ء میں کلکتہ سے ''خرد افروز'' کا ایک انتخاب شائع ہوا۔ اس کا عنوان ''تعلیقات خرد افروز'' ہے۔ غلام اکبر نے ''باغ و بہار'' کا دوسرا اڈیشن کلکتہ سے ۱۸۱۲ء میں شائع کیا۔ غلام قادر کلکتہ کے بشپ کالج میں عربی اور فارسی کے پروفیسر تھے۔

مسٹر Eastwick نے سنہ ۱۸۵۷ء میں اس کتاب کو دوبارشائع کیا ہے۔ پہلا اڈیشن دو جلدوں میں ہے اور اس میں سولہ ابواب ہیں۔

اس کتاب کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

پہلے باب میں اس کتاب کی کہانی لکھی گئی ہے جو مشہور فلسفی بزرجمہر نے بیان کی ہے۔

دوسرے باب میں حکیم بزرویہ کا ذکر ہے جو اپنے علم سائنس اور دوسری اعلیٰ صفات کے لیے مشہور تھے۔ اس حکیم کو فارس کے بادشاہ نوشیروان نے ہندوستان بھیجا تھا تاکہ وہ اس مشہور کتاب کا ایک نسخہ حاصل کرسکیں۔

تیسرے باب سے اس کتاب کی کہانیاں شروع ہوئی ہیں۔ پہلی کہانی کا مقصد یہ ہے کہ کوئی شخص غلط خبروں پر اعتبار نہ کرے۔

چوتھے باب میں بُرے اعمال کی سزاؤں اور ایک تلخ کام زندگی کا ذکر ہے جو صحیح طریقے سے بسر نہیں کی گئی تھی۔

پانچواں باب دوستوں کے درمیان اتفاق واتحاد کے بارے میں ہے اور ان سے جو مدد ایک دوسرے کو مل سکتی ہے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

چھٹے باب میں دشمنوں کی حرکتوں کو بغور مطالعہ کرنے اور ان کی ریاکاری اور حربوں سے باخبر رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔

ساتواں باب ان مشکلات اور پریشانیوں کے بارے میں ہے جو اپنے مقاصد اور مطمحِ نظر کو نظر انداز

کرنے سے پیدا ہوتی ہیں۔

آٹھواں باب جلد بازی کے خطرناک نتائج کو پیش کرتا ہے۔

نواں باب دور بینی، تدبر اور حکمتِ عملی پر ہے جس کی بدولت دشمن کے حملوں سے کوئی شخص محفوظ رہ سکتا ہے۔

دسواں باب برے لوگوں سے بچنے اور ان کی مسکراہٹوں کا یقین نہ کرنے کے بارے میں ہے۔

گیارھویں باب میں عفوودرگزر کرنے کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں یہ بادشاہوں کی سب سے بڑی خوبی ہے۔

بارھویں باب میں گناہوں کی سزا کا ذکر ہے۔

تیرہویں باب میں ایسی خواہش کا ذکر ہے جس کا حاصل کرنا ناممکن ہے اور جس کی وجہ سے ہم اپنے معاملات کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔

چودھواں باب علم وشرافت کے بارے میں ہے اور اس میں غور وفکر کی بھی ترغیب دی گئی ہے۔

پندرھویں باب میں بادشاہ کو غیر مخلص مشیروں اور بُرے لوگوں کے مشورے سے متنبہ کیا گیا ہے۔

اور آخری باب میں لوگوں کو مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ عارضی مشکلات سے نہ گھبرائیں اور انھیں خدا تعالیٰ کی مشیت سمجھیں۔

ہندوستانی زبان میں ''کلیلہ اور دمنہ'' کی بہت سی دوسری کہانیاں بھی ہیں۔ ایک کا نام ''منتخب القواعد'' ہے۔ اس کتاب کا ایک قلمی نامی نسخہ فورٹ ولیم کالج کے کتب خانے میں موجود ہے۔ دوسری کتاب کا نام ''کلیہ دمنہ ترجمہ در ہندوی ریختہ'' ہے۔ اس کا ایک نسخہ ایسٹ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں ہے۔ ایک تیسری کتاب کا ذکر Sir W. Ouseley کی فہرست میں ہے ۔ T. P. Marmol نے خرد افروز کے کچھ حصہ کا ترجمہ کلکتہ سے سنہ ۱۸۶۱ء میں شائع کیا ہے جس کے ساتھ ایک فرہنگ بھی شامل ہے۔ اس ترجمے کو ''ہندوستانی ریڈر حصہ سوم'' میں بھی نقل کیا گیا ہے۔ ''خرد افروز'' کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں اجودھیا پرشاد پر مضمون دیکھیے ۔ *La Fontaine* کی ایک کہانی جس کا نام ''لکڑ ہارا اور موت'' ہے اسی کتاب کی ایک کہانی سے ماخوذ ہے۔

احمد۔ غلام احمد۔ برہانپوری:

نواب نظام علی خان کی تعریف میں ایک مبارک باد اور سالگرہ کے مصنف کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

احمد فخر الدین:

انھوں نے اردو میں ''کیمیائے سعادت'' کا ترجمہ کیا ہے جو فارسی میں فلسفۂ اخلاق پر غزالی کی مشہور تصنیف ہے۔ ترجمے کا عنوان ''اکسیر ہدایت'' ہے۔ اس کے مطابق یہ چار حصوں پر مشتمل ہے اور لکھنؤ سے ۱۲۸۸ھ/۱۸۶۶ء میں بڑی تقطیع کے ۶۹۰ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔

احمد۔ گجراتی:

علی ابراہیم نے اپنے تذکرے ''گلزار ابراہیم'' میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ان کے بقول وہ مشہور شاعر ولی کے ہمعصر تھے۔ وہ سنسکرت اور برج بھاشا میں بڑی مہارت رکھتے تھے اور انھوں نے بعض اشعار ریختہ میں بھی کہے تھے۔ جن کا نمونہ یہ ہے۔

احمد بتا اب میں کیا کروں راہِ عشق میں　　　سر پر تو سانجھ پڑ گئی اور پاؤں تھک گئے

''گلشن ہند''، ص ۲۸

میرے خیال میں یہ وہی شاعر ہیں جنھیں میر نے احمدی گجراتی بتایا ہے اور ان کے پانچ شعر نقل کیے ہیں لیکن ان میں بدقسمتی سے شاعر کا نام نہیں ملتا۔ میر، ذکا اور سرور بھی احمد گجراتی کا ذکر احمدی کے نام سے کرتے ہیں لیکن اسپرنگر کو ان سے اختلاف ہے۔

احمد۔ محمد امیر:

میرٹھ سے شائع ہونے والے ہفتہ وار اخبار ''نجم الاخبار'' کے ایڈیٹر ہیں۔

احمد۔ منشی شمس الدین احمد:

عبدالرحمٰن کے بیٹے سادات بندر میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے عربی الف لیلۂ کی دو سو کہانیوں کا ہندوستانی میں ترجمہ کیا جو St. George کالج کے لیے'' حکایات الجلیلہ'' کے نام سے دو جلدوں میں مدراس سے شائع ہوا۔

اس کتاب کے دیباچے میں احمد لکھتے ہیں کہ وہ ۳۰ سال کے عرصہ تک St.George کالج میں ملازم رہے اور اس مصروفیت کی وجہ سے وہ کوئی ایسی کتاب نہ لکھ سکے جس سے ان کی شہرت ہوتی لیکن جیسے ہی انھیں فرصت ہوئی تو انھوں نے سوچا کہ اس سے بہتر کوئی صورت نہیں کہ وہ ''الف لیلۂ'' کا ترجمہ عربی سے ہندوستانی میں کریں کیوں کہ یہ کتاب بجا طور پر ایک مدت سے ایشیا اور یورپ میں مقبول رہی ہے۔

انھوں نے ''الف لیلۂ'' کے پہلے عربی ایڈیشن سے دو سو کہانیوں کا ترجمہ کیا ہے اور انھیں اپنے

دوست مولوی محمد حسن علی کو جو St. George کالج میں مدرسِ اوّل کی حیثیت سے ملازم تھے، دکھایا تھا۔ ''الف لیلہٰ'' کا یہ عربی ایڈیشن کلکتہ سے شائع ہوا ہے۔

یہ عربی کہانیاں Habicht اور Fleisher اور Boulac کے ایڈیشن سے بالکل مختلف ہیں۔

احمد۔ منشی غلام احمد:

غلام حیدر عزت مرحوم کے بیٹے تھے۔ اردو میں شکنتلا کی کہانی بطور مثنوی نظم کی ہے، جس کا نام ''فراموش یادٗ'' ہے۔ جو کلکتہ سے سنہ ۱۸۴۹ء سے میں شائع ہوئی تھی۔ پادری برٹرینڈ نے جرنل ایشیاٹک بابت سنہ ۱۸۵۰ء میں اس پر تبصرہ کیا ہے مصنف اس وقت تک زندہ تھے اور کلکتہ میں رہتے تھے۔

احمد۔ منشی نصیر الدین:

ایک مسلمان عالم جو کلکتہ کے مدرسے سے وابستہ تھے۔ انھوں نے Frederic J. Mouat کی انگریزی کتاب *An Atlas Anatomical، Plates of the Human Body* کا اردو ترجمہ کیا ہے جو کلکتہ سے سنہ ۱۸۴۶ء میں شائع ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ وہی شاعر ہوں جن کا تخلص غریب تھا اور جن کا ذکر میں نے اس تخلص کے تحت کیا ہے۔

احمد۔ مولوی احمد خان شاہجہاں پوری:

محسن انھیں صاحبِ دو زبان لکھتے ہیں کیوں کہ وہ اردو اور فارسی دونوں میں غالبًا یکساں طور پر کامل مہارت رکھتے تھے۔

احمد۔ مولوی اوحد الدین۔ بلگرامی:

اردو کی ایک اعلیٰ درجے کی لغت کے مصنف ہیں جس کا نام'' نفائس اللغات'' ہے جو لکھنؤ سے سنہ ۱۲۵۷ھ مطابق سنہ ۱۸۴۱ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں ۹۴۰ صفحات ہیں۔ یہ پہلا مستقل اور مبسوط قابلِ ذکر لغت ہے جو کسی ہندوستانی مسلمان نے اپنی مادری زبان میں لکھی ہے۔ پرانے قاعدے کے مطابق لغات میں تشریحات فارسی میں لکھی جاتی تھیں چنانچہ اس لغت میں بھی یہ تشریحات فارسی میں لکھی گئی ہیں۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عربی، فارسی اور ترکی کے مترادفات دیے گئے ہیں اور بڑی خوبی سے شعرا کے کلام سے اسناد پیش کی گئی ہیں۔ یہ لغت بہت مقبول ہوئی ہے۔ اس لیے میر حسن رضوی لکھنؤی نے اس کا ایک خلاصہ فارسی میں ''انفاس النفائس'' کے نام سے شائع کیا ہے اور یہ خلاصہ لکھنؤ سے سنہ ۱۲۶۲ھ ۱۸۴۵ء میں شائع ہوا ہے۔ اس لغت کا ایک دوسرا خلاصہ لکھنؤ سے دوبار سنہ ۱۸۴۷ء میں شائع ہوا ہے۔ اس دوسرے

خلاصے کے مصنف مولوی محبوب علی رامپوری ہیں۔ یہ کتاب بڑی تقطیع کے ۱۷۲ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کا نام ''منتخب النفائس'' ہے۔

احمد نے اردو زبان میں اردو کی مختصر قواعد بھی لکھی تھی۔

احمد۔ میر احمد علی:

میر عزت اللہ عشق کے شاگرد ہیں۔ قاسم نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہ وہی احمد ہیں جن کا نام احمد علی ہے اور جو سکندری کے باشندے اور الہ آباد میں سرکاری سرشتہ دار تھے۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

احمد۔ نظام احمد:

وہ ایک دوسرے شاعر ہیں جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔

احمد الدین:

احمد الدین ایک کتاب ''زبدۃ الہند'' کے مصنف ہیں جس میں اُس اسرافِ بے جا کا ذکر ہے جو ہندوستان میں شادی کے موقع پر ہوتا ہے۔ یہ کتاب سنہ ۱۸۶۴ء میں میرٹھ سے شائع ہوئی ہے۔

۱۔ ملخص القرآن اردو میں ہے اور ۱۸۶۴ء میں میرٹھ سے اور سنہ ۱۸۶۵ء میں بریلی سے شائع ہوا ہے۔

۲۔ ریاض الحسنات۔ بریلی سے سنہ ۱۸۶۵ء میں چھپی ہے۔

احمد بیگ۔ مرزا:

یہ مصنف اب سے چند سال پہلے تک زندہ تھے اور قزلباش قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ شیفتہ کا بیان ہے کہ وہ فوج میں ایک آفیسر تھے۔ انھوں نے ان کے اشعار بھی نقل کیے ہیں۔ سرور ان سے واقف تھے اور ان کی غزل گوئی کی تعریف کرتے ہیں۔ منولال نے بھی اپنے ''گلدستۂ نشاط'' میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

احمد حسن۔ میر:

حکیم میر اعظم کے بیٹے اور فوائدِ دارین کے مصنف ہیں۔ اس کتاب کا موضوع چالیس [۴۰] مشہور احادیث ہیں۔ یہ کتاب ۱۲۶۳ھ/۴۷-۱۸۴۶ء میں مدراس سے چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی ہے۔

احمد خان۔ سید:

''استفتائے عذاب عقاق'' کے مصنف ہیں۔ اس اردو کتاب کو انگریزی حکومت نے سنہ ۱۸۵۷ء میں سقوطِ دہلی کے بعد خریدا تھا۔ طبع شدہ فہرست میں اس کا نمبر ۱۰۷۰ ہے۔

احمد شاہ:

احمد شاہ جو بساوی کے لقب سے مشہور ہیں۔ شورش نے انھیں ہندوستانی شعرا میں شمار کیا ہے۔

احمد شاہ بہادر۔ سلطان دہلی:

وہ اکثر سلاطین کی طرح اس قابل ہیں کہ انھیں بھی ہندوستانی شعرا میں شمار کیا جائے۔ صرف شورش نے انھیں شعرا میں شمار کیا ہے اور احمد شاہ بساوی سے مختلف شخص بتایا ہے۔

احمد شریف:

اسپرنگر کے بقول وہ اردو میں حکمت پر ایک نظم کے مصنف ہیں جس کا نام ''دواالدعا'' ہے۔ ان کا انتقال ۱۰۸۲ھ/۷۲-۱۶۷۱ء میں ہوا۔ اسپرنگر لکھتے ہیں کہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں اس کا ایک قلمی نسخہ ہے جس میں تین حصے ہیں۔ ایک حصے میں ''دواالدعا'' دوسرے میں ''کوک شاستر'' اور تیسرے میں طب کے موضوع پر ریختہ اشعار ہیں۔ فہرست میں اس کا نمبر ۵۱ ہے۔

احمد صاحب۔ سید:

سید درویش کے بیٹے اور ایک نظم کے مصنف ہیں جو اسلامی عقائد سے متعلق ہے اور جو انھوں نے اپنی شاگرد شرافت النساء بیگم کے لیے لکھی تھی۔ اس کتاب کو شہزادی کے نام سے منسوب کیا گیا ہے اور اس کا نام ''رسالہ منظومہ عقائد شرفیہ'' ہے۔ اسے رحمت اللہ نے ۱۲۶۳ھ/۴۷-۱۸۴۶ء میں مدراس سے شائع کیا تھا۔

احمد علی حافظ:

وہ مدحات کے مصنف ہیں۔ یہ ۸ صفحات کا رسالہ فارسی اور اردو میں ہے اور سنہ ۱۸۶۸ھ میں دہلی سے شائع ہوا ہے۔

احمد علی خان مرزا: وہ فتح علی خان کے بیٹے ہیں۔ وہ ایک اردو شاعر ہیں جن کا ذکر ذکا نے کیا ہے۔

احمد علی۔ سید شکوہ آبادی:

وہ ''تشریح النفائس'' یا ''تشریح الانفاس'' کے مصنف ہیں۔ یہ ایک فال نامہ ہے جس میں تقدیری امور کا حال ملتا ہے۔ یہ غالباً ایک ہندو کی تصنیف ''سرودھا'' سے ماخوذ ہے۔

۱۔ انھوں نے ایک اور کتاب لکھی جس کا نام ''نصاب غریب'' ہے اور جو فارسی اور اردو کی منظوم نعت ہے۔

۲۔ رسالہ مولود شریف۔ لکھنؤ، ۶۸ صفحات۔

احمد علی سید۔ سراداہی:

فیض آباد کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے ''گل وصنوبر'' کی کہانی منظوم کی ہے۔ یہ نظم انھوں نے شاہ اودھ کی فرمائش پر لکھی تھی۔ یہ کہانی جس کا ترجمہ میں نے Revue Orientale بابت سنہ ۱۸۶۶ء میں دیا ہے ہندوستانی نظم میں بہت سے مصنفین کا موضوع بنی ہے۔

۱۔ گل وصنوبر کی ایک کہانی دکنی زبان میں ہے اس کا ایک نسخہ نظام حیدر آباد کے کتب خانے میں موجود ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ وہی نام ہے جس کا ایک نامکمل قلمی نسخہ ایسٹ انڈیا لائبریری میں موجود ہے۔ Leyden[1] کی فہرست میں اس کا نمبر ۵۴۶ ہے۔

۲۔ ایک اور ''قصۂ گلشن ہند'' یا ''قصۂ گل وصنوبر'' کے نام سے ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج کے کتب خانے میں موجود تھا اور اب ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے مجموعوں میں شامل ہے۔

۳۔ یہ کہانی کلکتہ میں اردو اور بنگالی میں لکھی گئی ہے اور اس میں ہندی اشعار شامل کیے گئے ہیں۔ سنہ ۱۸۶۵ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن تصحیح کے بعد شائع ہوا تھا جو چھوٹی تقطیع کے ۶۱ صفحات پر مشتمل ہے۔

احمد علی نے ہندوستانی نثر میں دو کتابیں لکھی ہیں۔ پہلی کا نام ''مور پنکھی'' ہے اور دوسری کہانی کا عنوان ''رشکِ پری'' ہے۔ یہ فیض آباد میں سنہ ۱۲۴۱ھ/۶۶-۱۸۲۵ء میں لکھی گئی۔

احمد علی نے مثنوی ''نل ودمن'' بھی لکھی ہے۔ میرے خیال میں یہ وہی مثنوی ہے جو لکھنؤ میں ۱۲۲۹ھ /۱۴-۱۸۱۳ء میں چھپی تھی۔ قیاس ہے کہ یہ فارسی سے ترجمہ ہے یا اس کی تقلید میں لکھی گئی ہے۔ اس میں ۱۶۷۵ اشعار ہیں اور تین کالم کے پچاس صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۔ یوسف زلیخا۔

۲۔ ذکا نے ایک ریختہ دیوان کا ذکر کیا ہے۔ مجھے فارسی کی ایک تصنیف ''شعلہ جان سوز'' مصنف باقر علی خان میں احمد [احمد علی خان] ولد عنایت احمد خان کی ایک اردو تاریخ ملی ہے۔

احمد علی۔ شیوراج پوری:

حسبِ ذیل کتابوں کے مصنف ہیں:

۱۔ قصۂ جمجہ پادشاہ۔ یہ ایک ہندی نظم ہے جس میں اس بادشاہ کے متعلق حضرت مسیح کا ذکر ہے۔ یہ کتاب لکھنؤ سے چھوٹی تقطیع کے ۹ صفحوں میں چند کالموں پر شائع ہوئی تھی۔ ڈاکٹر اسپرنگر کے پاس اس کا

ایک قلمی نسخہ تھا جو ۶۰۰ صفحات پر مشتمل تھا اور ۱۲۲۳ھ/ ۹-۱۸۰۸ء میں نقل ہوا تھا۔

۲۔ قصۂ منصور۔ جو مطبع مصطفائی کانپور سے سنہ ۱۸۵۱ء میں ۲۰ صفحوں پر شائع ہوا تھا اور ہر صفحے پر ۱۹ اشعار تھے۔ اس قصے کا موضوع ابو مغیٰ حسین بن منصور المعروف بہ حلاج کی وفات یا شہادت ہے۔ انھیں حلاج اس لیے کہتے ہیں کہ انھوں نے ایک دن دھنے کی مدد کی تھی۔ یہ مشہور صوفی بزرگ تھے جو جنید بغدادی المعروف بہ سید طائفہ کے مرید تھے اور بغداد میں سنہ ۳۰۹ھ [۹۲۲ء] میں خلیفہ مقتدر کے حکم سے دار پر چڑھادیے گئے کیونکہ انھوں نے اپنے عالمِ شوق میں اناالحق کہہ دیا تھا۔ بعضوں کا قول ہے کہ انھیں اس لیے ہلاک کیا گیا کہ وہ کہتے تھے کہ زہد اور فیضان سے حج کی تلافی ہو جاتی ہے۔ بہر حال اس غیر معمولی انسان کا ذکر مسلمان صوفیا اکثر کرتے ہیں۔ صوفی کو ایک بہت بڑا ولی مانتے ہیں اور بہت سی کرامتیں ان سے منسوب کرتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ عیسائی تھے اور Herbelot نے *Bibliotheque Orientale* میں ان کے چند اشعار بھی نقل کیے ہیں جن سے اس کی تائید ہوئی ہے۔

احمد علی۔ مولوی میر احمد علی:

دہلی کالج کے پروفیسر اور ''چشمۂ فیض'' یا ''فیض کا چشمہ'' کے مصنف ہیں جو ہندوستانی زبان میں اردو کی قواعد ہے اور دہلی سے سنہ ۱۸۴۵ء میں شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب Vernacular Translation Society کے زیر اہتمام چھوٹی تقطیع کے ۳۴ صفحوں میں مرتب ہو کر کئی بار شائع ہوئی۔ انھوں نے ہندوستانی میں شعر بھی کہے ہیں۔ وہ دہلی کالج میں، جو دیسی باشندوں کے لیے کھولا گیا تھا، طالبِ علم تھے اور بعد میں اس کالج میں مرزا علی احمد کے نام سے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اردو شاعری میں حکیم میر عزت اللہ عشق سے مشورہ کیا ہے۔ کریم الدین کے بقول ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔ غالباً یہ وہی مصنف ہیں جن کا نام سید احمد علی دہلوی ہے اور جو ''رسالہ تحرک الاعضا'' کے نام سے آگرہ سے شائع ہوا ہے۔

احمد گرجانی یا جرجانی:

وہ ایک اچھے ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر شیفتہ نے کیا ہے اور دوسرے احمد سے ممتاز کرنے کے لیے گرجانی یا جرجانی کے نام سے یاد کیا ہے۔

احمد وہاب:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر Gilchrist نے اپنے *Hindustani Grammar* میں کیا ہے۔ احمد وہاب اردو اور ہندی زبانوں میں لکھتے تھے۔

احمد یار:

''احمد یاری'' کے مصنف ہیں۔ یہ کتاب پنجابی بولی میں فارسی رسم الخط میں لکھی گئی۔ یہ بیماریوں اور ان کے علاج پر ایک رسالہ ہے جو چھوٹی تقطیع کے ۶۳ صفحوں میں سنہ ۱۸۶۷ء میں لاہور سے شائع ہوا ہے۔

احمدی، خواجہ احمد علی مرحوم:

دہلوی تھے لیکن لکھنؤ میں رہتے تھے۔ جرأت کے شاگرد تھے۔ ہندوستانی میں شعر کہتے تھے، محسن نے ان کے اشعار اپنے تذکروں میں نقل کیے ہیں۔

احمدی۔ شیخ احمد وارث:

وہ ایک ممتاز ہندوستانی شاعر ہیں، وہ زمانیہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان قاضی شمس الدین ہراوی سے تعلق رکھتا تھا جو مشہور صوفی اشرف الدین بہاری کی اولاد میں تھے۔ انھیں اپنے بزرگوں سے پرگنہ زمانیہ کی تحصیلِ مال گزاری اور سوار فوج کے ایک دستے کی کمان ورثے میں ملی تھی۔ غازی پور کے نواب فضل علی خان نے انھیں اپنی ملازمت میں لے لیا تھا۔

۱۱۹۶ھ/۸۲-۱۷۸۱ء میں انھوں نے اپنے ہندوستانی کلام سے ۱۰۰ اشعار منتخب کر کے علی ابراہیم کو بھیجے تھے کہ وہ انھیں اپنے تذکرے میں شامل کر لیں۔ غالباً یہ اشعار علی ابراہیم کو نہ ملے اور انھوں نے احمد کے صرف آٹھ دس اشعار نقل کیے ہیں جو انھیں معلوم تھے۔

احمدی۔ نظام الدین:

ایک خوش نویس ہونے کے علاوہ وہ ہندوستانی اور ایک فارسی دیوان کے مصنف ہیں۔ ان کی ولادت ۱۲۰۰ھ/۸۶-۱۷۸۵ء میں ہوئی۔ ۱۲۲۹ھ/۱۴-۱۸۱۳ء میں وہ مالابار میں رہتے تھے۔

اخگر۔ احمد نور خان۔ رامپوری:

نور محمد خان کے بیٹے اور بندیلکھنڈ کے قریب مہوبا کے کوتوال تھے۔ ایک دیوان کے مصنف ہیں، ان کے اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

اخگر۔ لالہ ٹیک چند:

اخگر جہاندار شاہ کے بیٹے اور مرزا خرم بخت کے معتمد اور خزانچی تھے۔ انھوں نے ہندوستانی میں شعر کہے ہیں اور قاسم نے ان کا ذکر کیا ہے۔

اخگر۔ میاں حیدری:

اٹاوہ کے رہنے والے، کلب حسین خان بہادر نادر کے شاگرد، ایک ہندوستانی شاعر ہیں، محسن نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

اختر۔ ابومنصور ناصر الدین حضرت سلطان عالم:

نواب اودھ مرزا محمد واجد علی شاہ بادشاہ سلطان ابنِ سلطان بلقب زیب طغرا۔ ۱۲۶۳ء میں نواب اودھ بنے اور ۱۸۵۶ء تک بادشاہ رہے۔ جب انگریزوں نے اسے اپنے علاقے میں شامل کرلیا تو انھیں کلکتہ میں احتیاط کے طور پر کچھ عرصے کے لیے نظر بند رکھا گیا اور ۹ر جولائی ۱۸۵۹ء کو رہا کر دیا گیا۔ اس کے بعد ان کے تین بیٹے جن میں مرزا محمد ہزبر علی بھی شامل تھے، اپنے چچا اور دادی کے ساتھ ملکہ کے عہد میں سلطنت کی ضبطی کے خلاف پیروی کرنے انگلستان آئے۔ ۲۹۔ دسمبر ۱۸۶۸ء کے ''اودھ اخبار'' میں ہزبر علی کی ایک غزل شائع ہوئی ہے۔ ہزبر علی اپنے والد اور دادا کی طرح شعر گوئی کا ذوق رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں میرا مطبوعہ ۱۸۶۹ء دیکھیے جس میں میاں ہزبر کا واجد علی شاہ کی غزل پر ایک مخمس شامل ہے۔

جس وقت اختر کی دادی کا پیرس میں انتقال ہوا شہزادے کی عمر ۱۸ سال کی تھی اور انھوں نے ۴ر مارچ ۱۸۵۸ء میں ان کے جنازے میں شرکت کی۔ ان کے ایک بھائی کا انتقال ہو چکا ہے اور دوسرے حیات ہیں۔ جب بادشاہ کلکتہ میں نظر بند ہوئے تو فوج نے ان کے ایک چھوٹے بیٹے کو جس کا نام برجیس قدر تھا تخت پر بٹھا دیا۔ یہ شہزادہ واجد علی شاہ کے حرم میں کسی بیگم کے بطن سے تھا جو ملکہ تو نہیں تھیں لیکن سلطنت کی ضبطی کے بعد بڑا اثر و رسوخ رکھتی تھیں۔ واجد علی شاہ کے ایک پوتے نواب ممتاز الدولہ تھے جو انگریزوں سے ۷۰۰ روپیہ ماہانہ پنشن پاتے تھے۔ ان کے علاوہ انگلستان اور فرانس میں خاص طور پر ۱۸۶۶ء میں اودھ کے ایک شہزادے نواب اقبال الدولہ کا پتہ چلتا ہے جس کا خطاب ''ولی عہد ممالک اودھ'' تھا۔

سرور اپنے تذکرے میں اختر تخلص کے تحت ان کا ذکر کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ وہ زمرۂ سلاطین میں تھے۔ محسن انھیں شہنشاہِ فصاحت بتاتے ہیں۔ یہ بادشاہ امجد علی شاہ بادشاہ کے بیٹے اور جانشین تھے اور اپنے دارالخلافہ لکھنؤ میں جس کو اختر نگر بھی کہتے ہیں، شعر و سخن کے شائق دوسرے مسلمان سلاطین کی طرح بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں جو شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں تین دیوان اور تین مثنویاں بھی ہیں۔ ان کے علاوہ فارسی ہندوستانی شعرا کا ایک ضخیم تذکرہ بھی تصنیف کیا ہے جس میں ۵۰۰ شعرا کا ذکر ہے لیکن Mr. F.E. Hall کی کوشش کے باوجود مجھے اس کا کوئی نسخہ نہ مل سکا کیونکہ یہ غدر کے زمانے میں ضائع ہوگیا۔ انھوں

نے اپنی غزلوں کو موسیقی کی دھنوں میں لکھا ہے جن کو وہ اپنے محل میں جسے لکھنؤ میں پرستان کہتے تھے، گاتے تھے۔ واجد علی شاہ حکومت کی ضبطی سے پہلے اپنا زیادہ تر وقت اپنے زنانے میں گزارتے تھے۔

ولی عہدی کے زمانے میں انھوں نے ایک مجموعۂ کلام مرتب کیا تھا۔ لکھنؤ سے ''دیوان فیض'' کے نام سے مہدی علی قبول نے محمد حسین کے مطبع محمدی سے شائع کیا ہے۔ میرے پاس اس دیوان کا ایک نسخہ ہے۔ اس میں ایک خصوصیت جو اسے اس قسم کی دوسری تصانیف سے ممتاز کرتی اور اہمیت دیتی ہے وہ یہ ہے کہ اس میں ان بحروں کے نام بھی دیے ہوئے ہیں جو مشرقی مسلمان استعمال کرتے ہیں اور جن میں سے بعض بہت نادر ہیں۔ یہ چھوٹی تقطیع کے ۲۲۰ صفحات پر ہے۔ برٹش میوزیم میں اس شاہ زادے کی ایک عشقیہ مثنوی کا قلمی نسخہ موجود ہے۔ انگریزی میں اس کا عنوان *Tale of Love* ہے۔

اختر۔ قاضی محمد صادق خان:

ہگلی کے رہنے والے ہیں۔ قاضی محمد لعل کے بیٹے اور مرزا قتیل کے شاگرد ہیں۔ اٹاوہ میں انھوں نے ۱۲۳۱ھ/۱۶۔۱۸۱۵ء میں ایک صوفیانہ مثنوی لکھی ہے جس کا نام ''سراپا سوز'' ہے۔ یہ مثنوی ۶۵۰ اشعار پر مشتمل ہے اور چھوٹی تقطیع کے ۳۲ صفحات پر لکھنؤ سے شائع ہوئی ہے۔ مولوی کرامت علی اظہر نے اس کتاب کی تدوین کی ہے۔

اختر نے ایک ہندوستانی دیوان بھی لکھا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے نواب اودھ غازی الدین حیدر کی شان میں ایک قصیدہ بھی تصنیف کیا ہے جس کا نام ''محامد حیدری'' ہے۔ ان کے علاوہ کچھ اور کلام بھی ہے۔ ان میں سے فارسی شعرا کا ایک تذکرہ ہے جس کا عنوان ''آفتاب عالم تاب'' ہے اور ایک فارسی دیوان ہے۔ محسن کے ''سراپا سخن'' میں اختر کی ایک دلکش غزل نقل کی گئی ہے لیکن وہ فارسی میں ہے۔ ۱۸۵۴ء میں اختر زندہ تھے۔

اختر۔ مرزا اکبر علی مرحوم:

لکھنؤ کے باشندہ تھے اور سرہند کے پیرزادوں کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ عبیداللہ کے بیٹے اور سید موتی کے پوتے تھے جو نواب قمرالدین خان کے بیٹوں میں تھے۔ مصحفی ان کے ہم عصر تھے اور لکھتے ہیں کہ وہ بڑے مہربان اور خوش تقریر انسان تھے۔ انھوں نے پہلے انجام تخلص اختیار کیا اور ہندوستانی شاعری میں نام پیدا کیا۔ وہ دستکاری کے فن میں بڑے ماہر تھے۔ اس کے علاوہ آتش بازی کے کام سے بھی بخوبی واقف تھے۔

ایک روز وہ لکھنؤ میں مرزا جانی کے ساتھ آئے جو کربلا سے نئے نئے آئے تھے۔ مرزا جانی جو میر محمد نعیم خان سے ملاقات بھی رکھتے تھے، ان کے گھر گئے اور انھوں نے اختر کی تعریف کی اور میر محمد نعیم خان کو ان کے ملازم رکھنے پر آمادہ کرلیا۔ مصحفی بھی انھیں کے ساتھ وابستہ تھے اور اختر ان کے ساتھ رہنے لگے اور ان کو اپنا کلام دکھانے لگے۔ انھوں نے اسی طرح کچھ مدت گزاری یہاں تک کہ مصحفی شاعری سے بے زار ہو گئے اور ان کے کلام پر اصلاح دینی چھوڑ دی۔ اس کے بعد اختر نے میاں قلندر بخش جرأت سے مشورہ کیا جو ایک مشہور شاعر تھے اور جن کا ذکر بعد میں کیا جائے گا۔ مصحفی کے بقول ۱۷۹۳ء میں اختر کی عمر ۳۰ سال سے زیادہ تھی۔ انھوں نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔ کمال بھی انھیں جانتے تھے اور ان کی شاعری کی تعریف کرتے تھے۔ ان کے بقول انھوں نے قصائد اور غزلیات کا ایک دیوان مرتب کیا ہے۔

اخی۔ شیخ غلام، اخی بلگرامی:

وہ ناصر جنگ بہادر نواب فرخ آباد کے ملازم تھے بعد میں [Turner Macan] مولف شاہ نامہ کے پاس بطور منشی نوکر ہو گئے۔ انھوں نے ایک مثنوی ''قصۂ مہر و ماہ'' کے نام سے لکھی ہے۔ جس کا ایک خوبصورت نسخہ مجھے اپنے مرحوم دوست Falconer کی مہربانی سے ملا تھا۔ یہ مثنوی اس انتخاب میں شامل ہے جو ۱۸۴۷ء میں پیرس کے مدرسہ السنۂ شرقیہ کے لیے شائع ہوا تھا۔ میں نے اپنے ۱۸۵۱ء کے خطبے میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اس مصنف نے فارسی میں ایک دیوان ''تحفۃ الشباب'' کے نام سے لکھا ہے۔ جس کی تاریخ تصنیف ۱۲۲۴ھ/ ۱۸۰۹ء لکھی ہے۔ اس دیوان میں اخی نے چند نظمیں اپنے مربی Turner Macanú کی شان میں لکھی ہیں جو غیر منقوط ہیں۔

اخیر۔ شیخ یزداں بخش:

ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر ''مسرت افزا'' میں کیا گیا ہے۔

ادب۔ غلام محی الدین:

حیدرآباد کے رہنے والے اور فیض کے شاگرد تھے۔ باطن نے اپنے تذکرے ''گلشنِ بے خزاں'' میں ان کا ذکر کیا ہے۔

ادراک۔ مرزا باقر۔ لکھنوی:

انور علی کے بیٹے اور محسن الدولہ بہادر کے استاد تھے۔ آپ کو خواجہ وزیر سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ آپ ایک دیوان کے مالک ہیں اور محسن نے اس سے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

ادہم:

عبدالعلی نام تھا۔ انھوں نے ایک بہت ہی دلچسپ مثنوی صوفیانہ رنگ میں تصنیف کی ہے جس کا عنوان ''مجموعۂ عاشقین'' ہے۔ برٹش میوزیم میں اس مثنوی کا ایک نسخہ ہے جس میں اس مثنوی کے اہم کرداروں کی تصویریں بھی ہیں۔ اس مثنوی میں ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو مسلم ہندو اور نصرانی مذاہب سے بالا ہو کر خداوند تعالیٰ سے بے حد محبت رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں میں ان خصوصیت کے ساتھ مسیحی اولیائے کرام میں حضرت مریم اور ان کے بیٹے کا ذکر کروں گا جن کی تصویر بعینہٖ اسی نوع کی ہے جو عام طور پر ہم مغرب کے نقوش میں پاتے ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ان خدا ترس صوفیوں کے ساتھ ساتھ جن کا ذکر اس مثنوی میں کیا گیا ہے ہندومت کے دیوتاؤں مثلاً گنیش، وشنو اور کرشنا کا بھی ذکر ہے۔ ان کے چند اشعار حضرت مریم کے نقش کے ساتھ ہیں۔ یہ اشعار حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی پیدائش کے واقعات سے متعلق ہیں اور قرآن مجید کی تفصیلات پر مبنی ہیں۔

ادہم۔ رامپوری: اردو کے شاعر ہیں۔ کمال نے ان کی دو غزلیں نقل کی ہیں۔

ارسی۔ مولوی محمد:

وہ ایک مسلم عالم ہیں۔ آپ نے ''تاریخِ ابو الفدا'' کے اردو ترجمے کے سلسلے میں کریم الدین کو مدد دی ہے۔

آرام۔ خیر اللہ:

سردھنہ کے رہنے والے اور سمرو کے یہاں خاص عہدے پر مامور تھے۔ ان کا خطاب ظفریاب اور تخلص صاحب تھا۔ قائم کے قول کے مطابق ان کا انتقال اوائل عمری ہی میں ۱۲۱۵ھ/۱۸۰۰ء میں ہوگیا۔ ان کا کلام بڑا عمدہ ہے۔ منولال نے اپنے گلدستے میں ان کا ایک شعر نقل کیا ہے۔ اسپرنگر کے مطابق ان کا انتقال ہیضے سے ہوا تھا۔

آرام۔ رائے پریم ناتھ:

وہ رائے سن ناتھ کے بیٹے تھے۔ قاسم، قائم اور سرور ہندوستانی شعرا میں ان کو شمار کرتے ہیں۔ وہ ایک کشتری تھے اور خطِ نستعلیق میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ وہ ایک اچھے تیر انداز تھے اور دوسرے فنون کا بھی شوق رکھتے تھے۔ وہ فارسی اور ریختہ دونوں میں شعر کہتے تھے اور ۲۰۰۰ اشعار کا ایک ریختہ دیوان ان سے یادگار ہے۔ وہ پہلے دہلی میں رہتے تھے اور بعد کو بندرا بن چلے گئے تھے۔ ۱۲۱۵ھ/۱-۱۸۰۰ء میں وہ زندہ تھے۔

آرام۔ غلام علی خان:

وہ کوئی دوسرے شاعر ہیں جن کے متعلق مجھے معلومات نہیں ہیں۔

آرام۔ لکھن لال:

وہ کائستھ قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ ریاضی دان اور شاعر تھے۔ انشاء اللہ خان انشاء کے شاگرد تھے۔ شیفتہ یہ شعر نقل کرتے ہیں:

ہمدمو مجھ سے یہ کہتے ہو نہ تو یار سے مل
اس کو سمجھاؤ ذرا یہ کہ نہ اغیار سے مل

''گلشنِ بے خار'' مترجم ص ۶

انھوں نے ''مجمع القوانین'' کے نام سے ایک انتخاب بھی لکھا ہے جو سنہ ۱۸۵۱ء میں لاہور سے شائع ہوا۔

آرام۔ مولوی عبدالحفیظ:

انھوں نے مشتاق کے ''بوستانِ سعدی'' کے اردو ترجمے پر ایک تاریخ لکھی ہے۔

ارتضیٰ خان:

وہ ''مراۃ الاشباہ'' کے مصنف ہیں۔ یہ مغل اور اودھ کے شاہی خاندان کی تاریخ ہے جو اردو میں لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب فیروز پور سے ۱۸۶۸ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس کے ۱۰۴ صفحات ہیں۔

ارزانی۔ محمد

وہ ''میزان الطِب'' کے مصنف ہیں۔ یہ ان کتابوں میں سے ہے جو ۱۸۵۷ء میں دہلی کے زوال کے بعد برٹش حکومت نے خرید لی تھیں اور فہرست میں اس کا نمبر ۱۰۷۶ ہے۔

اس کتاب کے بعد ان کا ایک رسالہ ''قارورۂ نبض'' شائع ہوا۔ اس کتاب میں ان اصولوں پر بحث کی گئی ہے جو نبض کی تشخیص میں بڑی مدد دیتے ہیں کیونکہ قدیم عربی طب میں پیشاب کے امتحان کو بڑا اہم خیال کیا جاتا تھا۔

آرزو۔ مرزا علی محمد۔ لکھنوی:

ان کے والد مرزا ابو جعفر اوریا ہیں، جو کانپور کے ضلع میں ہے، تحصیلدار تھے، ان کے استاد روش تھے۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جن کے چند اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔

آرزو۔ سراج الدین علی خان:

وہ آگرہ کے رہنے والے تھے۔ وہ ہندوستان کے مشہور شاعروں میں سے ہیں اور خان صاحب کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں۔ وہ ۱۱۰۱ھ/ ۱۶۸۹/۰ء میں گوالیار میں پیدا ہوئے حالانکہ وہ اکبرآبادی کہلاتے ہیں۔ وہ شیخ حسام الدین حسامی یا حسام کے بیٹے تھے۔ جنھوں نے فارسی میں ''کامروپ اور کاملتا'' کے موضوع پر ایک ناول لکھا ہے۔ وہ میر عبدالصمد سخن کے شاگرد تھے اور میر نے اپنے ''نکات الشعرا'' میں بیان کیا ہے کہ اس زمانے تک کوئی شاعر خان آرزو سے زیادہ ممتاز اور تعلیم یافتہ نہ تھا۔ وہ شاہ عالم ثانی کے دورِ حکومت میں رہتے تھے اور میر کی طرح فتح علی حسینی نے بھی ان کی بڑی تعریف کی ہے اور انھوں نے ان کو مجلسِ شعر وسخن کا چراغ کہا ہے۔

لطف کا بیان ہے کہ آرزو بارہ سال کی عمر سے شعر کہتے تھے اور ۲۴ سال کی عمر میں انھوں نے وہ تمام کتابیں پڑھ لی تھیں جو تعلیمی نقطۂ نظر سے ضروری تھیں۔

انھوں نے اپنے زمانے کے علما وفضلا کی صحبتوں سے استفادہ کیا۔ سلطان محمد فرخ سیر کے عہد میں وہ گوالیار میں ایک اہم عہدے پر مامور تھے اور ۱۱۳۶ھ/ ۲۴-۱۷۲۳ء میں وہ دہلی چلے گئے جہاں انھوں نے شعرگوئی شروع کی۔ ۱۱۴۷ھ/ ۳۵-۱۷۳۴ء میں شیخ محمد علی حزیں ایران سے دہلی آئے جہاں ہر شخص ان سے ملاقات کرنے کا مشتاق تھا لیکن آرزو اس جوش وخروش میں شریک نہیں ہوئے بلکہ انھوں نے ان کے دیوان پر سخت تنقید کی اور ان کے کلام کی کمزوریوں کو ایک رسالے تنبیہ الغافلین میں شائع کیا۔

آرزو غیر معمولی شاعر تھے اور ان میں قوتِ متخلیہ کے ساتھ اظہارِ بیان کی بے پناہ قوت تھی اور اسی لیے وہ شہرت رکھتے تھے۔ دہلی کی تباہی کے بعد نواب سالار جنگ کے مشورے پر لکھنؤ چلے گئے جہاں ۱۱۶۹ھ/ ۶-۱۷۵۵ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔ آرزو کی خواہش کے مطابق سالار جنگ نے ان کی لاش کو دفن کرنے کے لیے دہلی بھجوادیا۔

آرزو نے ایک فارسی اور ایک اردو دیوان یادگار چھوڑا۔ ان کی اردو شاعری کو بہت پسند کیا گیا اور تذکرہ نگاروں نے ان کے اشعار بھی نقل کیے ہیں لیکن ان کا زیادہ کلام فارسی میں ہے۔ انھوں نے فارسی میں ۳۲۰۰۰ اشعار کہے ہیں۔ ان کے فارسی کلام کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ محیطِ اعظم علم بدیع Rhetorics پر ایک رسالہ ہے۔

۲۔ عطیۂ کبریٰ۔ یہ علمِ بیان کا ایک رسالہ ہے جس کا ایک نسخہ کلکتہ سے شائع ہوا۔

۳۔ سراج اللغات۔ یہ ''برہانِ قاطع'' کی طرح ایک لغت ہے جو ۱۱۴۷ھ/۳۴-۱۷۳۴ء میں لکھا گیا اور جس کا ایک قلمی نسخہ F. Falconer کے پاس موجود تھا۔

۴۔ چراغِ ہدایت۔ یہ ''سکندر نامہ'' اور عراقی کے قصائد کی شرح ہے۔

۵۔ خیابان۔ یہ ''گلستان'' کا تبصرہ ہے۔

۶۔ مجمع النفائس۔ یہ ہندوستان کے فارسی شعرا کا تذکرہ ہے۔ میر کے ''نکات الشعرا'' میں اس تذکرے کا اکثر حوالہ دیا گیا ہے۔ یہ تذکرہ ۱۷۵۰ء/۱۱۶۴ھ میں لکھا گیا ہے۔

میں نے ان کا ذکر بہت کم کیا ہے اس لیے کہ وہ زیادہ تر فارسی میں لکھتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آرزو ''غرائب اللغات'' کے مصنف ہیں۔ یہ اردو میں صوفیانہ الفاظ کا لغت ہے جس کا ذکر Breton نے *Vocabulaire Des Termes Mystiques* [صوفیانہ اصطلاحات کی لغات] میں کیا ہے۔ چند اردو شعرا آرزو کے شاگرد تھے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور میر تقی میر ہیں جو میر حسن اور سودا کی طرح اردو کے انتہائی باکمال شاعر ہیں۔

ارشاد۔انوار علی بیگ:

وہ ہندوستانی شاعر ہیں ۱۲۳۸ھ/۲۳-۱۸۲۲ء میں ان کا انتقال ہوا اور باطن نے ان کا ذکر کیا ہے۔

ارمان۔مرزا شاہ علی:

وہ میاں جعفر علی حسرت کے بھائی اور مرزا قلندر بخش جرأت کے شاگرد تھے اور لکھنؤ میں رہتے تھے۔ قاسم، سرور اور شیفتہ کے مطابق وہ جعفر علی حسرت کے بیٹے تھے۔ وہ اردو کے ان شعرا میں سے ہیں جنھوں نے جدید طرز اختیار کیا ہے۔ وہ ہندوستان کے رومانی شاعروں میں سے ہیں۔ کمال نے ارمان کی بڑی تعریف کی ہے اور ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ اسپرنگر کے بیان کے مطابق وہ الور میں ناظر کے عہدے پر مامور تھے اور وہیں ان کا انتقال ہوگیا۔

ارمان۔نواب مجاہد جنگ

وہ حیدرآباد کے ایک ممتاز شخص ہیں اور شاعری کرتے ہیں۔ ان کے استاد میر اسد علی خان تمنا ہیں۔ قاسم نے ان کی تعریف کی ہے اور ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

آزادہ۔آرام

منولال نے ان کا ذکر کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ رام سنگھ آزاد یا آزادہ ہیں جن کا تذکرہ سرور نے کیا

ہے۔ وہ اوائل عمر ہی میں بینائی سے محروم ہو گئے تھے لیکن وہ شعر و سخن میں دلچسپی لیتے رہے اور نہایت ہی پُر زور اور مرصّع غزلیں کہتے تھے۔ وہ درویش مشرب تھے اور مہدی علی خان کے مشاعروں میں اکثر شرکت کیا کرتے تھے۔ انھوں نے لاہور کے ایک سفر میں انتقال کیا۔ یہ واقعہ سرور کے تذکرے کی تصنیف سے پہلے پیش آیا ہے۔

آزاد۔ بورا مل

وہ ہندو تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے۔ انھوں نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کا عنوان ''التجاءِ عاصی و توبۂ حقیقی'' ہے۔ یہ رسالہ لاہور سے سنہ ۱۸۶۸ء میں شائع ہوا۔

آزاد۔ خواجہ زین العابدین:

علی ابراہیم کے بقول وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو محمد شاہ کے زمانے میں رہتے تھے لیکن وہ ان کا صرف ایک شعر نقل کرتے ہیں۔ میرے پاس علی ابراہیم کے تذکرے کے دو قلمی نسخے ہیں اور آزاد کا ذکر صرف ایک نسخے میں موجود ہے۔ دوسرے قلمی نسخے میں آزاد کے بجائے ان کی جگہ مظفر علی آزاد کا ذکر ہے۔

آزاد۔ شیخ اسد اللہ:

وہ ایک اور ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر باطن نے کیا ہے۔

آزاد۔ شیخ امیر الدین، بریلوی:

یہ ہندوستانی شاعر غلام علی عشرت کے شاگرد تھے۔ سرور نے اپنے تذکرے میں ان کا ذکر کیا ہے۔

آزاد۔ شیخ عبداللہ۔ لکھنوی:

وہ محمد بخش استاد کے شاگرد تھے۔ سرور نے ان کی تعریف کی ہے اور وہ ان کو ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے ہیں۔

آزاد۔ محمد فاضل:

وہ حیدر آباد کے ایک تیز طرّار مزاحیہ شاعر ہیں۔ ان کا اسلوب بڑا پاکیزہ ہے۔ وہ ولی کے ہم عصر ہیں اور ان کا کلام ولی سے ملتا جلتا ہے۔ وہ آزاد منش فقرا سے تعلق رکھتے تھے اور اسی لیے انھوں نے آزاد تخلص اختیار کیا ہے۔ یہ تفصیل ہمیں میر اور علی حسینی سے ملی ہے لیکن انھوں نے ان کا صرف ایک شعر نقل کیا ہے۔ انھوں نے ایک کتاب ''ظفر نامہ'' لکھی ہے۔ یہ ایک دس ابواب کی مثنوی ہے جس میں یزید پر محمد حنیف کی فتح دکھائی گئی ہے۔ محمد حنیف یا بنی حنیفہ علی اور ان کی دوسری بیوی حنیفہ کے بیٹے تھے۔ حنیف نے سلطنت

حاصل کرنے سے کئی بار انکار کر دیا جو انھیں اُموی خلیفوں کے دشمنوں کی طرف سے دی جا رہی تھی۔ ان کا انتقال ۸۱ھ میں پندرھویں اموی خلیفہ عبدالملک کے زمانے میں ہوا۔ ان کے کئی لڑکے تھے لیکن بقول Mr. Herbelot وہ مشہور نہیں ہوئے۔ ان کو ابن علوی بھی کہتے ہیں۔ میکنیزی کے کتب خانے میں ظفرنامے کا ایک نسخہ موجود ہے۔ ایسٹ انڈیا آفس کے کتب خانے میں بھی ایک نسخہ ہے جس کا نمبر لیڈن قلمی نسخے کی فہرست میں ۳۳۷ ہے اور جس کا عنوان ''قصہ در احوالِ جنگ محمد حنیف'' یا ''جنگ نامہ'' ہے لیکن اس کتاب کا مصنف دوسرا ہے اور ملائی زبان میں اس موضوع پر ''حکایت محمد حنیف'' کے نام سے ایک قصہ موجود ہے جس میں محمد حنیف کی شاندار کامیابی کا ذکر ہے اور ملائی باشندے اس کو جذبۂ ہمتِ مردانگی کو ابھارنے کے لیے پڑھتے ہیں۔

ازل، مرزا آغا حسن۔ لکھنوی:

وہ مرزا عباس کے بیٹے اور میر وزیر صبا کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جن کے چند اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

آزاد۔ مولوی غلام علی:

میرے خیال میں ان کو میر غلام علی آزاد بلگرامی سے خلط ملط کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ انھوں نے ایک ''بلی نامہ'' تصنیف کیا ہے اور اس کا اہم کردار ایک بلی ہے۔ یہ قصہ La Fontaine کی کہانی سے ماخوذ ہے لیکن اس کتاب میں مشرقی محاورے اور اقتباسات کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اس کتاب کو حاجی محمد حسین نے ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۷ء میں شائع کیا ہے اور اس کے ۲۰ صفحات ہیں۔

آزردہ۔ مولوی اور مفتی صدرالدین خان:

وہ ایک بہت ہی مشہور اور ممتاز ہندوستانی شاعر ہیں، شیفتہ نے ان کی ضرورت سے زیادہ تعریف کی ہے۔ اپنے تذکرے میں متعدد صفحات پر ان کی مدح سرائی میں فارسی اور عربی زبان کی تمام قوتوں کو صرف کر دیا ہے لیکن ان تمام حسین الفاظ کے گورکھ دھندے میں صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ دہلی میں صدر الصدور یا صدر امین کے عہدے پر فائز تھے۔

کریم الدین نے ان کے متعلق زیادہ صحیح لکھا ہے کہ ان کی کم از کم ایک خوبی یہ ہے کہ انھوں نے نہ صرف اردو زبان میں تصنیفات کی ہیں بلکہ عربی زبان میں بھی شعر کہے ہیں جو ہندوستان میں ایک غیر معمولی چیز ہے۔ سنہ ۱۸۴۷ء میں آزردہ کی عمر ۵۰ سال کی تھی۔ دہلی میں ان کے متعدد ممتاز شاگرد ہیں اور

''گلشنِ بے خار'' میں ان کے اشعار کو ایک صفحے پر نقل کیا گیا ہے۔
شیفتہ نے سودا کے متعلق جو مضمون لکھا ہے اس میں اس بات کا بھی ذکر ہے کہ آرزدہ نے اردو شعرا کے بارے میں ایک مختصر سا تذکرہ بھی تصنیف کیا ہے۔ لیکن ڈاکٹر اسپرنگر آزردہ سے بخوبی واقف تھے اور حیرت ہے کہ انھوں نے اس تذکرے کے متعلق کچھ بھی تحریر نہیں کیا۔
آزاد۔ میر غلام علی خان بلگرامی حسینی واسطی:
ان کا ذکر افسوس نے اپنی کتاب ''آرائشِ محفل'' کے باب ''اودھ'' میں اس طور پر کیا ہے:
میر غلام علی آزاد بھی شعر و سخن و علم و فضل میں اپنے معاصرین کے بیچ لاثانی تھے بلکہ اشعارِ عربی تو اس فصاحت و بلاغت و بہتات کے ساتھ اہلِ ہند میں کسی نے اس سے آگے نہیں کہے۔ قصائد اس کے اس بات پر دال ہیں اور اس کی تعریف میں فصیحانِ عرب کی زبانیں لال۔ پیدائش اس کی ۱۱۱۴ھ [گیارہ سو چودہ ہجری] میں اور وفات اس کی ۱۲۰۲ھ [بارہ سو دو ہجری] میں ہوئی۔ اس کا پوتا مفتی میر حیدر بھی اس زمانے اور اپنے معاصرین میں یگانہ تھا۔ علومِ عربیہ میں مہارتِ تمام اور فنونِ فارسی میں دست گاہ بالا کلام اس کو تھا۔ نثر کی جمیع اقسام پر قادر تھا اور نظم کے تمام اسراروں کا ماہر صاحبانِ کمپنی دام ظلہم کی سرکار میں مفتی گری کی خدمت پر برسوں سرفراز رہے اور صاحبانِ عالی شان کے نزدیک اپنے ہم چشموں میں ہمیشہ ممتاز۔ اتفاقاً ۱۲۱۷ء میں قبائل اس کے بلگرام کو روانہ ہوئے۔ میر موصوف ان کے پہنچانے کے لیے آپ بھی تاعظیم آباد ساتھ ہوا۔ مرشد آباد تلک پہنچا تھا کہ مرض الموت نے آگھیرا آخر منزل مقصود تک جانے نہ دیا مگر اول منزل پہنچایا [آرائشِ محفل، ص ۱۲۴، در بیان بلگرام، کراچی یونیورسٹی لائبریری]
۱۔ خزانۂ عامرہ کے مصنف ہیں جو سب سے قیمتی فارسی تذکرہ ہے۔ اس کتاب کے دیباچے میں دوسرے تذکروں کی تفصیل بھی دی گئی ہے۔
۲۔ دو دیوان ایک فارسی اور ایک عربی کے علاوہ ہندی میں لکھا ہے۔ انھوں نے شاہ نواز خان کے ''مآثر الامرا'' کا پہلا ایڈیشن بھی نکالا ہے۔
۳۔ رسالہ غزالانِ ہند۔ اس کتاب کا ذکر فرزادہ قلی کی فہرست میں کیا گیا ہے۔ غالباً یہ وہی تذکرہ ہے جس کا ذکر ''سروِ آزاد'' کے نام سے اس کے دیباچے میں کیا گیا ہے۔
۴۔ ہندوستانی کلام: جس کا ذکر منولال نے اپنے ''گلدستۂ نشاط'' میں کیا ہے۔
آزاد کے حالات پر London Journal of Asiatic Society، جلد ۹ صفحہ ۱۱۹ دیکھیے۔

آزاد۔ میر فقیر اللہ:

معلوم ہوا ہے کہ وہ ولی کے ہم عصر تھے اور حیدر آباد کے رہنے والے تھے۔ وہ فراقی دکنی کے ساتھ دہلی چلے گئے۔ قائم، کمال، سرور، شیفتہ اور کریم الدین کہتے ہیں کہ وہ ایک ہر دلعزیز شاعر تھے۔

آزاد۔ میر محمد امیر الدین۔ بریلوی:

یہ ایک ہندوستانی شاعر اور میر غلام علی کے شاگرد تھے اور کافی مشہور ہو گئے تھے۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جس کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔

آزاد۔ میر مظفر علی یا شاید ظفر علی:

ان کا انتقال غالباً مرشد آباد واقع بنگال میں ہوا جہاں وہ رہتے تھے۔ علی ابراہیم نے ان کی ایک اچھی غزل نقل کی ہے۔

استاد۔ شیخ محمد بخش بریلوی:

صرف شورش نے ان کا ذکر کیا ہے۔

اسحاق۔ محمد:

''قصۂ حسن و دل'' کو فارسی زبان سے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ کتاب چھوٹی تقطیع کے ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے اور دہلی سے ۱۸۶۸ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کا ایک اور ایڈیشن ہے جس میں فارسی اور اردو دونوں عبارتیں ہیں۔ یہ لندن سے W. Price کی نگرانی میں بڑی تقطیع پر ۱۸۲۷ء میں شائع ہوئی ہے۔

اسحاق۔ مرزا علی خان لکھنوی:

فدا علی خان کے بیٹے نواب مرزا علی خان کے پوتے اور نواب سالار جنگ کے پڑپوتے تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں اور نواب عاشور علی خان بہادر کے شاگرد تھے۔ آپ ایک دیوان کے مالک ہیں جس کے کچھ اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

اسعد۔ مرزا اسعد بخت:

مرزا احسن بخت کے بیٹے اور شاہ عالم شاہ کے پوتے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں۔ سرور کہتے ہیں کہ وہ ملتان اور کابل چلے گئے تھے اور یہ کہ بچپن ہی سے وہ شاعری کرتے تھے۔ انھوں نے شگفتہ اور نازک اشعار لکھے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۲۰ھ/ ۷۔۱۸۰۶ء میں زندہ تھے۔

اسد۔ میر امانی

سودا کے ایک شاگرد ہیں۔ یہ دہلی کے رہنے والے تھے لیکن چند تذکرہ نویس انھیں آگرے کا بتاتے ہیں۔ علی ابراہیم کہتے ہیں کہ وہ شاہ عالم کے زمانے میں بنگال تشریف لے گئے اور مرشد آباد میں سکونت اختیار کرلی۔ مصحفی کا بیان ہے کہ وہ ایک نوجوان خوش وضع شخص تھے۔ صاحب دیوان ہیں۔ ان کے قصیدے، غزل اور مثنوی کو بہت پسندیدہ نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ ان میں سے ان کی ایک مثنوی جو تاش کے کھیل سے متعلق ہے خاص طور پر مشہور ہے۔ میر ذوالفقار علی سے، جو اسد کے ہمسایہ تھے، مصحفی کو معلوم ہوا کہ وہ لکھنؤ گئے تھے اور وہاں سے یورپ جانے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن راستے میں قزاقوں نے حملہ کرکے ان کو ہلاک کردیا۔ ان کی عمر اس وقت تقریباً ۶۰ سال کی تھی۔ عشقی ان کو اسد علی کہتے تھے۔

اسد۔ لالہ کرت سنگھ:

وہ دہلی کے ایک کھتری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ اردو زبان میں شاعری کرتے تھے اور ایک فارسی دیوان کے مالک بھی ہیں۔ سرور کے مطابق وہ متصدی کے عہدے پر فائز تھے یعنی حکومت میں تصنیف و تالیف کا کام انجام دیتے تھے۔

اسد اللہ خان۔ نواب:

انھوں نے ہدایت النظائر کے نام سے مشہور فارسی کتاب نظائر افسانہ کا اردو ترجمہ کیا ہے۔

اسد علی خان:

ہدایت نامہ کے مصنف ہیں جو بریلی سے شائع ہوا ہے۔

اسرار۔ لکھنوی:

وہ ہم عصر شاعر مرزا مغل کے بیٹے ہیں اور صاحبقران کے شاگرد تھے۔ ایک دیوان کے مالک ہیں جس کے چند اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

اسفان:

یہ ایک انگریز شاعر ہیں۔ آپ کی پیدائش ہندوستان میں ہوئی تھی۔ میں اس کے صحیح نام سے واقف نہیں لیکن اسپرنگر کے مطابق غالباً ان کا نام Stephen تھا۔ سرور اور کریم نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

ذکا اسفان کے دوست تھے۔ ان کے مطابق اسفان کا نام اور تخلص ایک ہی ہے۔ وہ دہلی میں ایک

عیسائی خاندان میں پیدا ہوئے اور ایک جانب سے یورپی النسل تھے۔ وہ ۱۲۱۵ھ/ ۱۸۰۱-۱۸۰۰ء میں بقیدِ حیات تھے۔

اسفر۔مولوی سید امجد علی:

وہ آگرہ کے پیرزادہ تھے اور مشہور پیر عبدالقادر گیلانی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ حکیم محمد علی کے بڑے بھائی تھے اور عبدالقادر بغدادی کے مرید تھے۔

انھوں نے ہندوستانی میں شعر بھی کہے ہیں اور سرور نے اپنے تذکرے میں ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

اسْکل۔نصرانی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر شیفتہ نے اپنے تذکرے ''گلشنِ بے خار'' میں کیا ہے۔

اسلام۔شیخ الاسلام:

کریم الدین اسلام کو مسیح الاسلام کہتے ہیں۔وہ دورِ حاضر کے ایک ممتاز اردو شاعر تھے۔ وہ تھانہ کے رہنے والے تھے۔ یہ مقام دہلی کے صوبے میں ضلع سہارنپور میں واقع ہے۔ وہ علم وفضل کا سرچشمہ تھے اور ان کی ذات بلند خوبیوں کی حامل تھی۔ وہ سنہ ۱۸۳۳ھ میں انتقال کر گئے۔شیفتہ اور کریم نے اپنے تذکرے میں ان کا ذکر کیا ہے۔

اسماعیل۔حاجی مولوی محمد:

وہ ایک عالم اور خدا ترس مسلمان ہیں اور سید احمد کے سب سے زیادہ پُر جوش رفیقِ کار ہیں۔سید احمد طریقۂ محمدیہ کے، جو وہابی فرقے سے بہت قریب تر ہے، بانی ہیں۔اسماعیل مولوی عبدالغنی کے اکلوتے بیٹے اور مشہور مذہبی عالم ولی اللہ کے پوتے ہیں۔موخرالذکر کے چار بیٹے تھے۔ان میں سے ایک مولوی اسماعیل کے والد ہوئے دوسرے مولوی شاہ عبدالغفور تھے اور تیسرے لڑکے رفیع الدین تھے جنھوں نے قرآن کی ایک بہت ہی جامع اور بلند پایہ تفسیر لکھی ہے اور چوتھے عبدالقادر ہیں۔عبدالقادر نے قرآن کا ایک بہت ہی مقبولِ عام ترجمہ کیا ہے۔ یہ چاروں حضرات سید احمد کی اس تحریک کے کارکن تھے جس کو انھوں نے چند سال ہوئے ہندوستان میں شروع کیا تھا۔

اسماعیل دہلی کے قریب موضع فودا میں ۱۱۹۶ھ میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں ان کے والد کا انتقال ہوگیا اور ان کے چچا عبدالقادر نے ان کی پرورش کی۔ بعد میں ان کی شادی عبدالقادر کی نواسی سے ہوئی۔ وہ

بچپن ہی سے غیر معمولی طور پر ذہین تھے۔ انھوں نے فلسفہ، ریاضی، علم البلاغت، حدیث و قرآن اور فقہ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ پھر وہ سید احمد کے ساتھ حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے اور جب واپس ہوئے تو اپنی تمام قوت گویائی کو مذہبی اصلاح کی حمایت میں صرف کر دیا۔ دہلی میں وہ اکبر آبادی مسجد میں، جہاں سید احمد رہتے تھے، ہر روز وعظ و تقریر کرتے تھے اور جمعرات اور جمعہ کو وہ جامع مسجد میں تقریر کرتے تھے۔ ایک بڑا مجمع ان کی تقریروں کو جس میں وہ اسلام کے صحیح اصول کو بیان کرتے تھے، بڑے غور وخوض سے سنا کرتا تھا۔ ان کی کامیابی سے مولویوں میں بہت رشک وحسد کا جذبہ پیدا ہو گیا اور اُنھوں نے اسماعیل کی مخالفت شروع کر دی۔ چنانچہ ایک موقعہ پر اسماعیل اور دوسرے مولویوں کے درمیان جامع مسجد میں مناظرہ ہوا، لیکن جیسا عام طور پر ہوتا آیا ہے اِس مناظرے کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا کیونکہ ہر شخص بزعم خویش یہی سمجھتا تھا کہ اس معرکے میں جیت اس کو ہوئی۔ اسماعیل نے اپنی تقریر کا سلسلہ حسبِ دستور جاری رکھا بلکہ مولوی کی مخالفت نے ان کے عزم اور ارادے کو اور مضبوط بنا دیا اور ان کے ماننے والوں کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی۔ میر شہامت علی کے بقول اسلام نے ہندوستان میں اس سے پیشتر اس قدر کامیابی حاصل نہیں کی تھی۔ بے شمار بدعتیں ختم ہو گئی ہیں اور پیروں کے مزاروں پر جانے کا رواج اور تعزیہ داری کی رسم بھی بہت کم ہو گئی ہے۔ اللہ کی وحدانیت اور سنّت کے متعلق ہندوستانی مسلمانوں میں شعور پیدا ہو گیا ہے۔ بہت سی مسجدیں جو پہلے غیر آباد تھیں اب نمازیوں سے بھری نظر آتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقامی حکّام اسماعیل کی تحریک سے خطرہ محسوس کرنے لگے اور انھوں نے اس کو ختم کرنے کے لیے اسماعیل کی تقریر پر پابندی عائد کر دی۔

اسماعیل اور عبدالحئیٰ کی معیت میں سید احمد حج بیت اللہ کی غرض سے کلکتہ آئے اور وہاں سے یہ تینوں حضرات مکہ شریف تشریف لے گئے۔ وہ ۱۸۲۲ء میں کلکتہ سے روانہ ہوئے اور ایک سال بعد اکتوبر میں واپس آگئے۔

۲۸-۱۸۲۷ء میں اسماعیل سید احمد اور عبدالحئیٰ کے ساتھ پشاور روانہ ہوئے اور وہاں جہاد کرتے ہوئے سید احمد کے ساتھ شہید ہو گئے۔ یہ واقعہ پاخل اور دھمنور کے پہاڑی علاقوں میں ہوا جب وہ سکھوں کے خلاف برسرِ پیکار تھے۔ اسماعیل کو بالاکوٹ میں دفن کیا گیا ہے۔ مولوی اسماعیل نے بہت ہی بلند ادبی ذوق پایا تھا۔ وہ نیک دل ہونے کے علاوہ بہت مستقل مزاج بھی تھے۔ ان کی تقریر بہت ہی صاف، شگفتہ اور پُراثر ہوتی تھیں۔

شہامت علی کے مطابق اس صدی میں مولوی اسماعیل کے برابر کوئی بڑا آدمی ہندوستان میں پیدا نہیں

ہوا ہے۔ ان کی ذات بڑی بے لوث تھی اور وہ صرف اپنے ہم مذہب افراد کی خوشی کے خواہاں تھے۔ اسی وجہ سے وہ اپنے زمانے کے سب سے زیادہ مقبول اور عزیز عالم سمجھے جاتے ہیں۔ انھوں نے اپنی ان تحریروں کے ذریعے مسلمانوں کو بہترین طریقے پر زندگی بسر کرنے کا زرّین اصول بتایا ہے:

۱۔ انھوں نے اردو میں ایک کتاب ''تقویۃ الایمان'' لکھی ہے جو سید احمد کے دوسرے رفقائے کار کی کتابوں کی طرح اردو میں تصنیف کی گئی ہے۔ یہ دہلی میں چند سال ہوئے چھپی ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے لیکن اسماعیل نے صرف پہلی جلد مکمل کی تھی یہ جلد توحید اور شرک کے متعلق ہے اور اس کے مطابق حضرت محمدؐ کا مذہب ہندوؤں کے اختلاط کی وجہ سے ہندوستان میں مسخ ہو گیا تھا۔ دوسری جلد کو ان کے ایک شاگرد نے مکمل کیا ہے لیکن شہامت علی کے مطابق یہ پہلی جلد سے مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس جلد کا موضوع بھی کم دلچسپ ہے کیونکہ اس کتاب میں صرف پند و نصائح درج ہیں۔ پہلے حصے کو خود شہامت علی نے، جو وہابی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں، ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ Journal of Royal Asiatic Society کی جلد نمبر ۳ اور صفحہ نمبر ۳۱۶ میں شائع ہوا ہے۔ ترجمہ ۵ صفحات میں ہے اور میں اپنے ناظرین کو مشورہ دوں گا کہ وہ اس کو ضرور پڑھیں۔

مصنف کی نظر میں یہ مقصد تھا کہ مسلمانوں کو پیروں سے باطل عقیدت، دور دراز قبروں کی زیارت اور ان تمام چیزوں سے جو اللہ کی خالص توحید سے روکتی ہوں بچایا جائے۔

کلکتہ کے Journal of Royal Asiatic Society میں اس کتاب کی بعض دلچسپ تفصیلات شائع ہوئی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اسماعیل نے اپنی تحریروں میں جن عقائد کا اظہار کیا ہے وہ اسلام کے صحیح اور سچے عقائد ہیں۔ دراصل عوام میں مذہبی افراط و تفریط اور بے بنیاد رسومات کو تمیز کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے۔

۲۔ اسماعیل نے ایک دوسری کتاب لکھی ہے جس کا نام ''صراط المستقیم'' ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ کتاب فارسی میں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کو مولوی محمد علی رامپوری نے جو اسماعیل کے ہم مذہب تھے ان کی غیر موجودگی میں کلکتہ سے شائع کیا ہے۔ اس کتاب پر کلکتہ کے Journal of Asiatic Society میں تبصرہ کیا گیا ہے۔ ۷/ نومبر ۱۸۳۲ء۔ مولوی عبدالحئی نے جو عبدالعزیز کے داماد اور میرے خیال میں اسماعیل کے بھائی ہوتے تھے، اس کتاب کی تصنیف میں اسماعیل کی مدد کی ہے۔ بعض دوسری کتابیں بھی ہیں جن کا نام ''صراط المستقیم'' ہے اس سلسلے میں ''دبستان'' کے فارسی اڈیشن کا صفحہ ۴۰۰ ملاحظہ فرمائیے۔

۳۔ اسماعیل نے ایک مثنوی بھی لکھی ہے۔ اس کا نام ''سلکِ نور'' ہے اور اس میں صوفیانہ خیالات ہیں۔ یہ کتاب ۲۰ صفحات پر مشتمل ہے اور کلکتہ اور لکھنؤ سے ۱۲۶۹ھ/۳-۱۸۵۲ء میں شائع ہوئی ہے۔

۴۔ الضیاح الحق (Demonstration of Truth) ایک ہندوستانی رسالہ ہے جس کا اشتہار مدراس کے اخبار صبح صادق میں ۱۲/اپریل ۱۸۶۵ء میں دیا گیا ہے۔

۵۔ وفات نامہ۔ یہ محمدؐ کے انتقال کے متعلق ہے۔ اس کتاب کو انگریزی حکومت نے سقوطِ دہلی کے بعد خرید لیا تھا۔ فہرست میں اس کا نمبر ۱۰۷۹ ہے۔

اسماعیل۔ مرزا محمد:

یہ مصنف دکن کے رہنے والے ہیں۔ انھوں نے دو کہانیاں نثر میں لکھی ہیں۔ ایسٹ انڈیا آفس کے کتب خانے میں ان دونوں افسانوں کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔ پہلی کہانی کا عنوان حکایتِ سوداگر ہے جو ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

دوسری کہانی۔ ''نقل موس کہ بادشاہت کرد'' ہے اور صرف ۳ صفحات کی ہے۔

یہ دو قصے دکنی ہندوستانی زبان میں لکھے گئے ہیں۔ آخری قصے کا ایک انگریزی ترجمہ Asiatic Journal جلد ۳۲ میں صفحہ ۲۵۲ پر شائع ہوا ہے

اسماعیل خان محمد:

وہ میرٹھ کے ہفتہ وار ہندوستانی اخبار Lawrence Gazette کے مدیر ہیں اور غالباً Aligarh Institute Gazette کے مدیر محمد اسماعیل یہی شخص ہیں۔

اسیر (Balthazar-Sombre or Samru):

وہ نصرانی فرنگی تھے۔ ان کے والد جنرل سمبرو یا سومبر نے جنھیں عام طور پر ظفریاب کہتے ہیں، ایک ہندو عورت سے شادی کی جس کے بطن سے اسیر پیدا ہوئے۔ جنرل ظفریاب نے دوسری شادی سردھنہ کی رانی سے کی تھی جو میرٹھ میں واقع ہے۔ سرور اسیر سے بخوبی واقف ہیں اور ان کا بیان ہے کہ وہ شاہ نصیر دہلوی کے شاگرد تھے۔ اسیر شاعر تھے۔ سرور نے ان کے چند اشعار جو کافی حد تک طبع زاد ہیں نقل بھی کیے ہیں۔ وہ ماہر خوش نویس، عمدہ مصور اور موسیقار تھے۔ وہ صاحب تخلص کرتے تھے۔ سرور نے اپنے تذکرے میں دو مختلف مضامین لکھے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ یہ دو مختلف اسیر ہیں لیکن میرے خیال میں انھوں نے غلطی کی ہے۔ سرور اسیر کو نواب مظفر الدولہ ممتاز الملک ظفریاب خان بہادر نصرت جنگ کے نام سے یاد کرتے

ہیں۔ سرور کے بقول وہ غیر موحد یعنی نصرانی تھے۔ ان کے والد کا نام ظفریاب خان سمبرو تھا اور والدہ کا زیب النسا سمبرو۔ وہ خیراتی خان دلسوز کے شاگرد تھے۔ وہ دہلی میں رہتے تھے اور وہاں کے مشاعروں میں حصہ لیا کرتے تھے جن میں خود سرور بھی جایا کرتے تھے۔ وہ ۱۲۴۳ھ/ ۸۔۱۸۲۷ء میں قبل از وقت انتقال کر گئے۔

ان کی ایک بیٹی تھی جس کا نام جولیانا تھا اور جس کی شادی جان الگزینڈر ڈائس سے ہوئی تھی۔ اس شادی سے ۱۸۰۸ء میں ایک نرینہ اولاد ہوئی اس کا نام ڈائس سمبر تھا۔ بیگم سمرو نے اس لڑکے کو بچپن ہی سے اپنی اولاد کی طرح پالا تھا۔ ۱۸۳۶ء میں جب رانی سردھنہ کا انتقال ہوا تو ڈائس سمبر کو ان کی کثیر دولت حاصل ہوئی جس کو لے کر وہ یورپ واپس چلے گئے اور انگلستان میں لیڈی میری این جروس سے شادی کرلی۔ وہ اپنے مشرقی تلون مزاجی کی وجہ سے غیر متوازی دماغ کے آدمی سمجھے جاتے تھے چنانچہ اسی وجہ سے انھیں نظر بند کر دیا گیا تھا اور ان کی وفات کے بعد ۱۸۴۸ء میں ان کے وصیت نامے کو بھی مسترد کر دیا گیا۔

ڈائس سمبر کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ اردو میں اپنے دادا کی طرح بہت اچھا کلام کہتے تھے اور میں نے خود پیرس میں ان کو اپنا کلام بہت ہی خوب انداز میں پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ کوئی شخص Balthazar Bombonna جو کسی فرانسیسی شخص کی نسل سے تھے، اکبر کے عہد میں ہندوستان آئے۔ ان کو شاہزادہ مسیحی کہتے ہیں۔ وہ سنہ ۱۸۱۸ء میں بھوپال کے جوان شہزادے کی حکومت میں مشیرِ خاص کے منصب پر فائز تھے۔

اسیر۔ خلیفہ سید گلزار علی:

آگرہ کے رہنے والے تھے۔ وہ میر محمد ولی ناصر کے لڑکے اور شاگرد تھے اور باطن کے تذکرہ لکھتے وقت ان کی عمر ۴۰ سال کی تھی۔ ان کا ایک دیوان ہے۔ اس دیوان سے محسن نے چند غزلیں نقل کی ہیں۔

اسیر۔ منشی مظفر علی تدبیر الدولہ۔ دبیر الملک سید:

وہ آگرہ کے قریب اَیتھی کے باشندے اور مصحفی کے شاگرد تھے۔ ان کے والد میر مدد علی علوی کا سلسلۂ نسب حضرت عباس سے ملتا ہے۔ وہ دس سال کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ لکھنؤ آ گئے۔ جب لکھنؤ کو ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنی حکومت میں شامل کرلیا تھا تو اس وقت وہ اودھ میں تھے اور اکثر شاہِ اودھ کی معیت میں نظر آیا کرتے تھے۔ ان کے عزیز سید علی نے فارسی زبان میں جلال العیون کا ترجمہ کیا ہے۔

اسیر نے ایک دیوان ریختہ لکھا ہے۔ محسن نے متعدد غزلیں اس سے نقل کی ہیں۔ ان کا ایک فارسی دیوان بھی ہے۔ انھوں نے ایک ''عشق نامہ'' بھی لکھا ہے لیکن مجھے اس کا موضوع معلوم نہیں۔ ان کی ایک

دوسری کتاب معارج الفوائز ہے۔ اس کی چودہ فصلیں ہیں جن میں ائمہ کے معجزات کا ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب امجد علی شاہ فرمانروائے اودھ کے عہدِ حکومت میں ۵۱-۱۸۴۲ء میں لکھی گئی اور کانپور سے ۱۲۶۷ھ / ۱-۱۸۵۰ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کی ضخامت ۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے ایک مثنوی بھی لکھی ہے جو ۱۲۶۳ھ/ ۱۸۴۶ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب ۳۶ صفحات کی ہے۔

اسیر۔ میر ہدایت علی:

میرٹھ کی عدالت کے ایک رکن تھے۔ وہ ہندوستانی شاعری میں اسیر تخلص کیا کرتے تھے اور فارسی میں اسیری۔ وہ سید امیر علی کے لڑکے تھے۔ ان کی پیدائش لکھنؤ کے قریب زید پور میں ہوئی تھی۔ وہ مصحفی اور نواب حسین علی خان اثر کے شاگرد تھے۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ان کا ذکر کیا ہے اور چند اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

اشتیاق۔ مولوی شاہ ولی اللہ:

وہ عظیم المرتبت روحانی پیشوا وصوفی شیخ احمد مجدد الف ثانی کے معنوی جانشین اور بعض تذکرہ نویسوں کے مطابق وہ اپنے دادا شاہ محمد کامل کے توسط سے شیخ احمد کے پڑپوتے تھے۔ ابراہیم کے مطابق وہ سرہند میں پیدا ہوئے اور فیروز شاہ کے محل میں رہتے تھے۔ وہ ایک بہت بلند عالم تھے اور خصوصاً حدیث اور قرآن میں زبردست درک وفہم رکھتے تھے۔ انھوں نے بہت ہی قابلِ قدر مذہبی کتابیں لکھی ہیں اور وہ ہندوستانی میں بہت بڑی شہرت کے مالک ہیں۔

لطف ان کی دو کتابوں کا ذکر کرتے ہیں۔ ایک شہادتِ حسین کے متعلق رسالہ، اور دوسری کتاب معاویہؓ کی تعریف میں ہے۔ پہلی کتاب کا نام ''قرۃ العین فی ابطال شہادت الحسین'' ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف اپنے مذہبی عقائد کے مطابق بہت ہی سخت قسم کے سنی تھے۔ دوسری کتاب کا عنوان ''جناب العالیہ فی مناقب معاویہ'' ہے۔ وہ شعر وادب سے زیادہ اپنے زہد وتقویٰ کے لیے مشہور ہیں۔ انھوں نے چند فارسی اشعار بھی کہے ہیں لیکن ان کا ممتاز کلام زیادہ تر اردو زبان میں ہے۔ ہندوستانی تذکرہ نویسوں نے ان کے کلام کو بہت کم نقل کیا ہے۔ کمال ان کو قدیمی شعرا میں شمار کرتے ہیں اور ان کے مطابق وہ شاہ حاتم کے ہم عصر تھے۔ اشتیاق کا ۱۱۶۱ھ/ ۱۷۴۸ء میں انتقال ہوا ہے۔ سرور نے ان کے کلام کو متعدد صفحات میں نقل کیا ہے۔ لطف کے مطابق وہ مولانا عبدالعزیز دہلوی کے والد تھے۔ مولانا عبدالعزیز نے بہت سی دلچسپ کتابیں لکھی ہیں۔ ایک کا نام ''ردِّ روافض'' ہے۔ یہ ملحد مسلمانوں کے خلاف ایک رسالہ ہے اور میرا خیال ہے کہ اس

میں اسلام کے حقیقی اسپرٹ کے خلاف جو بدعتیں داخل ہوگئی ہیں ان کی مخالفت کی گئی ہے۔

اشراق۔ حکیم محمد رضا۔ لکھنوی:

وہ رضا علی خان کے بیٹے اور رسالہ دار الہ یار بیگ خان کے پوتے ہیں۔ وہ امیر الدولہ حیدر بیگ خان کے بھانجے بھی ہیں۔ شیخ امداد علی بحر کے شاگرد ہیں۔ ان کا ایک دیوان ہے اور محسن نے اس سے چند غزلیں نقل کی ہیں۔

اشرف۔ میر اور منشی اشرف علی۔ دہلوی:

وہ آگرہ کے میڈیکل کالج میں طب کے پروفیسر اور ڈپٹی سرجن تھے اور شاعری میں قاسم کے شاگرد تھے۔ وہ دہلی کے علمی اخبار ''قرآن السعدین'' کے مدیر تھے۔ وہ کئی کتابوں کے موئف ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب زچگی کے متعلق اور موتی لال کی تاریخِ افغانستان کے متعلق ہے۔ اس کتاب کا ایک دوسرا ایڈیشن ہے جو ۱۸۵۱ء میں دہلی مطبع العلوم سے شائع ہوا ہے۔ ان کی تصنیفات یہ ہیں:

۱۔ کچھ کلام اور خاص طور پر ایک واسوخت جو ''مجموعۂ واسوخت'' میں شامل ہے اور دو تاریخیں جو ''گلزارِ نشاط'' کے خاتمے پر دی ہوئی ہیں۔

۲۔ ہدایت المبتدی۔ یہ کتاب ۸۳ صفحات کی ہے اور ۱۸۵۰ میں بنارس سے شائع ہوئی ہے۔

۳۔ تاریخِ کشمیر جو کہ محمد اعظم کی فارسی تاریخ کا ترجمہ ہے۔ یہ کتاب ۱۸۴۹ء میں دہلی سے شائع ہوئی۔

اشرف ۱۸۵۱ء میں دہلی کے پریس مطبع العلوم کے منیجر تھے۔

اشرف۔ حافظ غلام اشرف خان۔ دہلوی:

وہ اپنے کردار و اخلاق دونوں کے لیے بہت مشہور تھے۔ وہ خوش نویسی خصوصاً نسخ میں اور موسیقی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ وہ مذہبیات سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے اور انھوں نے قرآن کی تفسیر بھی لکھی ہے جو ابھی تک مکمل نہیں ہوئی۔ انھوں نے حافظ تخلص اختیار کیا ہے اور متصوفانہ اشعار کہے ہیں وہ خیال، ٹپہ، ترانہ اور ٹھمری بھی لکھتے تھے۔ انھوں نے ایک باجا بھی ایجاد کیا جس کا نام سندر بین ہے، لیکن وہ اردو شاعری میں خصوصاً مشہور ہیں اور حکیم قدرت اللہ خان قاسم کے شاگرد ہیں۔ ان کی بعض غزلیں بہت مقبول ہو چکی ہیں اور کوچہ و بازار میں پڑھی جاتی ہیں۔ وہ خود بھی خانم بازار میں اپنے اشعار گاتے تھے اور کریم الدین نے ان سے ہولی کے تہوار کے موقعے پر ملاقات کی۔ ان کی وفات کا سال تقریباً ۱۸۲۷ء ہے۔

اشرف۔ شیخ اشرف علی:

وہ مصطفیٰ آباد کے رہنے والے ہیں جسے کسمنڈی بھی کہتے ہیں اور جو لکھنؤ کے قریب ہے۔ ان کے والد مظہر علی ہیں اور ان کے استاد اصغر علی خان نسیم دہلوی تھے۔ اشرف ایک شاعر اور خوش نویس ہیں۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے دیوان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

اشرف۔ حسین:

بنارس کے رہنے والے ہیں۔ وہ میر ہادی علی بے خود کے شاگرد ہیں اور کانپور کے مجسٹریٹ خادم حسین کے دوست ہیں۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر محسن نے کیا ہے۔

اشرف۔ اشرف علی:

وہ ایک ہم عصر ہندوستانی شاعر ہیں اور ۳/ جنوری ۱۸۶۵ء کے ''اودھ اخبار'' میں ان کے کچھ اشعار چھپے ہیں۔

اشرف۔ مولوی اشرف حسین:

وہ ایک ہم عصر ہندوستانی شاعر ہیں جن کی ۳ غزلیں بابو ہری چندر کی کتاب ''غزلیات'' میں موجود ہیں۔ یہ کتاب ۱۸۶۸ء میں بنارس سے شائع ہوئی۔

اشرف۔ محمد۔ اوّل اور ثانی:

ڈاکٹر اسپرنگر کی طرح میں بھی ان دونوں شاعروں کو ایک دوسرے سے جدا خیال کرتا ہوں۔

۱۔ محمد اشرف لکھنوی۔ وہ پہلے مرشد آباد میں رہتے تھے جہاں John Briston کے منشی تھے۔ وہ شاہ عالم ثانی کے دور حکومت میں نجم الدین آبرو کے ہم عصر تھے۔ ذکا غالباً غلطی سے انھیں ولی کا ہم عصر سمجھتے ہیں۔ سپرنگر کے مطابق وہ ''شرنامہ'' کے مصنف ہیں، '[شد نامہ'] یا ''شد نانہ'' کے نہیں۔ لیکن اس کتاب کے موضوع کی مجھے خبر نہیں۔

۲۔ محمد اشرف کاندھلہ کے رہنے والے اور امام الدین کے بیٹے تھے جو کہ سہارنپور کے علاقہ میں ہے۔ وہ ایک خوش مذاق، جوان شاعر ہیں جن کی عمر شورش کی تذکرہ نگاری کے وقت تقریباً ۳۰ سال کی تھی۔

اشرف علی:

بمبئی کے رہنے والے۔ وہ ایک ہم عصر مصنف ہیں۔ ان کی ایک ہندوستانی کتاب تعلیم کے موضوع پر بمبئی سے شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب چھوٹی تقطیع کے ۵۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

اشرف خان:

حکیم شرف خان فروغ دہلوی کے بیٹے اور محسن کے شاگرد تھے۔ شیفتہ نے ان کا ذکر کیا ہے۔ اسپرنگر کا خیال ہے کہ یہ وہی شاعر ہیں جو حافظ غلام اشرف کے نام سے مشہور ہیں اور جن کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے۔

اشرف خان۔ منشی:

وہ رسالہ ''تشریح الجرائم'' کے مصنف ہیں۔ یہ رسالہ لاہور سے کوہِ نور پریس سے شائع ہوا۔

اشفاق۔ شیخ سرفراز علی۔ بریلوی:

مرزا خان نوازش حسین کے شاگرد ہیں۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر ذکا نے اپنے تذکرے میں کیا ہے۔

آشفتہ۔ مرزا رضا علی خان:

وہ محمد شفیع حکیم کے بیٹے اور مرزا مجو ذرہ کے چھوٹے بھائی اور مرزا رضی کے بھائی تھے۔ وہ ہندوستان کے ممتاز شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں۔ وہ آگرہ میں پیدا ہوئے اور دہلی، فیض آباد اور لکھنؤ میں رہتے تھے۔ ان کا انتقال لکھنؤ میں ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ وہ مکرم خان کے بیٹے اور سعادت خان کے دوست تھے۔ ۱۲۰۸ھ/۹۴-۱۷۹۳ء میں طبیب کی حیثیت سے بنگال کے بیمار نواب مبارک الدولہ کو دیکھنے مرشد آباد گئے۔ نواب کا انتقال ہوجانے کے بعد بھی نواب کے بیٹے نصیر الملک ان کی بڑی عزت کرتے تھے اور انھوں نے سات سال تک آشفتہ کو اپنے ہاں رکھا۔ انھوں نے مرشد آباد میں رہ کر ایک لاکھ کے قریب روپیہ کمایا لیکن ۱۲۱۴ھ/۱۷۹۹ء میں جب وہ کلکتہ جانے لگے تو ان پر بہت سا قرضہ تھا۔ مصحفی کا بیان ہے کہ وہ غیر متوازن اور آزاد منش آدمی تھے۔ وہ طبابت میں جو کہ انھوں نے اپنے والد سے سیکھی تھی، کوئی خاص لیاقت نہ رکھتے تھے۔ پھر بھی وہ شعر وسخن میں کمال رکھتے تھے اور میر سوز اور میر محمدی مائل کے شاگرد تھے۔ کمال نے میر سوز کے یہاں ان سے ملاقات کی تھی۔ آشفتہ میر فرزند علی ممنون سے بھی مشورہ لیا کرتے تھے۔ انھیں شاعری ورثے میں ملی تھی اور وہ اندازِ بیان اور حسنِ ادا میں بڑا کمال رکھتے تھے، ان کے کلام میں درد و سوز کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ وہ اپنے ہاں مشاعرہ بھی منعقد کرتے تھے۔ لطف ان سے خوب واقف تھے اور مندرجہ ذیل تفصیلات ہمیں انھیں سے ملی ہیں۔ لطف کے مطابق آشفتہ موسیقی میں بڑی مہارت رکھتے تھے اور شاعری سے زیادہ موسیقی میں دلچسپی لیتے تھے۔

لطف ان سے اس لیے خوش نہیں ہیں کہ انھوں نے اپنا دیوان کیوں نہیں مرتب کیا۔ ہندوستان کے مسلمان شاعر دیوان مرتب کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ جو صاحبِ دیوان نہ تھے وہ کمتر خیال کیے جاتے تھے۔ لطف اور بنی زائن نے ان کی چند غزلیں نقل کی ہیں۔

آشفتہ۔ جرأت الدولہ ضیغم الملک ہادی علی خان بہادر قائم جنگ۔ لکھنوی:

ان کے والد نواب مہدی علی خان بہادر تھے اور ان کے بھائی نواب محسن الدولہ بہادر۔ وہ شیخ امان علی سحر کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جس کے چند اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

آشفتہ:

عظیم الدین آشفتہ اور بھورے خان نام کے جو دو شاعر ملتے ہیں وہ دراصل ایک ہیں۔ اس لیے ان پر الگ الگ دو مضمونوں کو ایک ہی خیال کرنا چاہیے کیونکہ سرور اور قاسم نے اپنے تذکرے میں بتایا ہے کہ عظیم الدین آشفتہ بھورے خان کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ وہ ایک کامیاب افغانی شاعر تھے اور مائل سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ وہ مہدی علی خان کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ وہ تجارت بھی کرتے تھے۔ آخر میں شاعری کو ترک کر کے چشتی سلسلے میں مرید ہو گئے تھے۔ کریم الدین کے مطابق وہ ۱۲۲۱ھ/ ۷۔۱۸۰۶ء میں زندہ تھے۔

آشفتہ۔ سید منور علی خان:

وہ سید نواز علی خان رضوی کے بیٹے تھے اور دہلی میں پیدا ہوئے۔ وہ علمِ طب میں بڑا کمال رکھتے تھے۔ انھوں نے طب حکیم غلام حیدر خان سے پڑھی تھی جو دہلی کے بہت مشہور طبیب تھے۔ وہ شعر بھی کہتے تھے اور نواب مصطفیٰ خان شیفتہ کے شاگرد تھے۔ شیفتہ کا خیال ہے کہ ان کا تخلص بہت موزوں تھا اس لیے کہ وہ ایک غم پسند اور آشفتہ مزاج آدمی تھے۔ ۱۸۴۶ء میں ان کی عمر تقریباً ۴۰ سال کی تھی اور مجسٹریٹ تھے۔ کریم الدین نے ان کی تعریف کی ہے اور ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔ محسن نے بھی ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

ڈاکٹر اسپرنگر کا خیال ہے کہ آشفتہ ۱۸۵۴ء میں زندہ تھے اور میرٹھ میں رہتے تھے۔

اشک۔ محمد خلیل علی خان:

وہ فیض آباد کے رہنے والے تھے اور فرزند علی موزوں کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان کی تصانیف حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ ''قصۂ امیر حمزہ''۔ یہ اردو نثر کی کتاب ہے جو ۱۲۱۵ھ/ ۱۔۱۸۰۰ء میں لکھی گئی۔ اس کتاب کے

دیباچے میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ قصہ پہلے ۱۴ جلدوں میں محمود غزنوی کے لیے اس زمانہ کے سب سے مشہور شعرا نے لکھا تھا۔ اشک کے خیال میں یہ قصہ بہت اہم ہے اس لیے کہ اس میں مختلف قوموں کی معاشرت و تمدن، فنونِ حرب اور ملک و سلطنت کو تصرّف میں لانے کی تفصیلات ملتی ہیں اور اسی لیے محمود انتظامِ سلطنت میں کسی سے مشورہ کرنے کے بجائے اس کتاب کا ایک حصہ روز پڑھ لیا کرتا تھا۔

اس کہانی میں حمزہ ڈان کوئیکزوٹ کی طرح عمر نامی ایک سائیس رکھتے ہیں۔ اس قصے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حمزہ ڈان کوئیکزوٹ کی طرح مختلف مہمات و واقعات پر قابو پاتا ہے اور عمر سانجو پانزہ کی طرح بہت سے مضحکہ خیز کارنامے پیش کر کے اس میں دلچسپی پیدا کرتا ہے۔ میرے پاس اس کتاب کی پہلی جلد کے دو قلمی نسخے موجود ہیں۔ کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج میں اس کی چھ جلدیں ہیں۔ مصنف کا ارادہ اس کام کو ۲۲ جلدوں میں کرنے کا تھا مگر وہ نہ ہو سکا۔

۱۸۰۲ء میں Essays of the Students of Fort William College میں اس بات کا اعلان کیا گیا ہے کہ یہ کتاب زیرِ طبع ہے اور پھر Primitiaes Orientales کے صفحے ۵۲ میں یہ اعلان ہوا کہ وہ ۱۲۷۱ھ / ۵۔۱۸۵۴ء میں بمبئی سے طبع ہو چکی ہے۔ اس کتاب میں چار جلدیں ہیں، ان میں ۵۶۸ صفحات ہیں۔ جس قلمی نسخے کا تذکرہ کیا گیا ہے اس میں صرف پہلی جلد شامل ہے۔ قلمی اور طبع شدہ کتابوں میں پہلا حصہ بالکل یکساں ہے۔ چاروں جلدوں میں ۸۷ داستانیں ہیں۔ پہلی جلد کو حضرت قاضی ابراہیم پالن پوری نے شائع کیا ہے۔ یہ شیخ محمد کے پریس سے چھپی ہے جو کہ شیخ اسماعیل نادر کے بیٹے ہیں۔ اس کتاب کی ایک داستان Mr. Bertrand نے فرانسیسی زبان میں ترجمہ کر کے ۱۸۶۹ء کے رسالے "Orient" میں شائع کی۔

میرے پاس ایک نسخہ ہے جو ۳۴۰ صفحات پر ہے اور جسے ۱۲۲۸ھ / ۱۸۱۳ء میں منشی سراج الدین معروف بہ منشی محمد صلاح نے بمقام بہرائچ نقل کیا ہے۔

اس کہانی کی پہلی کتابت ملا جلال بلخی کے ہاتھوں ہوئی ہے۔ پہلے حصے کا عنوان ''مولد قصہ'' ہے اور پہلی جلد سے لے کر چھٹی جلد تک صرف ہیرو کے بچپن کے حالات ہیں اور ''ہرمزنامہ'' والی جلدوں میں اس کی جوانی کا ذکر ہے اور جگر باختر اور بالا باختر میں اس کی جوانی کے واقعات ہیں۔ عروبۂ شمالیہ پائیں باختر اور برج نامہ میں جوانی کے آخری ایام کی تفصیل ہے۔ ''صندلی اور تورج نامہ'' میں اس کے بڑھاپے کے آغاز اور خاتمے کا ذکر ہے۔ ''لعل نامہ'' پر کتاب کا خاتمہ ہوتا ہے۔ ایسٹ انڈیا آفس کے کتب خانے میں

Leyden کے قلمی نسخوں میں ایک کتاب ہے جس کا نام ''قصہ ہرمز'' ہے۔

Bibliotheque Orientale Herbelot میں اس تاریخی افسانے کے ہیرو کے متعلق حسب ذیل واقعات درج ہیں:

حمزہ جن کو ابوعمر بھی کہتے ہیں عبدالمطلب کے بیٹے اور ہاشم کے پوتے ہیں جو اس رشتہ سے حضرت محمدؐ کے چچا ہوتے ہیں۔ وہ حضرت محمدؐ کے والد حضرت عبداللہ کے بھائی تھے اور بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے اعلانِ نبوت کے دو سال بعد اسلام قبول کیا۔ چونکہ ان کے بھتیجے حضرت محمدؐ ان کو بہادر اور اہم سمجھتے تھے اس لیے ان کو اسد اللہ کہا کرتے تھے۔ ان کو اسلام کا پہلا نشان رایت الاسلام بھی سپرد کیا گیا۔ یہ ہجرت کے پہلے سال کا واقعہ ہے۔ حضرت حمزہ جنگِ بدر میں شہید ہوئے۔ یہ جنگ حضرت محمدؐ اور اہلِ قریش کے درمیان ہوئی تھی۔ قریش نے شکست کھائی اور اس میں ۱۴ مسلمان شہید ہوئے اور انھی میں حمزہ بھی تھے۔

غالباً اردو میں اس موضوع پر کئی کتابیں موجود ہیں۔ پیرس کے قومی کتب خانے میں امیر حمزہ کی جنگوں کے قصہ کا ایک قلمی نسخہ ''قصہ جنگ امیر حمزہ'' موجود ہے جن کو فرانسیسی مستشرق Ouossant نے ۱۱۹۸ھ/ ۱۷۸۳ء میں نقل کیا۔ اس کتاب میں ۲۰ مختلف قصے ہیں اور چھوٹی تقطیع کے ۱۹۲ صفحوں پر ہے۔ ۱۸۶۵ء اور ۱۸۶۷ء میں لکھنؤ سے ان کہانیوں کے دو منظوم ایڈیشن شائع ہوئے ہیں جو ۳۷۶ صفحات پر ہیں اور ہر صفحے میں ۲۵ سطریں ہیں۔ ۱۸۴۵ء میں کلکتہ سے اردو بنگلہ زبان میں ایک اور ایڈیشن شائع ہوا۔

۲۔ اشک نے ''رضوان شاہ'' نامی قصہ نثر میں لکھا۔ اس رضوان شاہ کا ذکر ہیرو کی حیثیت سے اردو کے کئی شاعروں کے یہاں ہوا ہے۔ اشک کی کتاب کا نام گلزار چین یا قصہ رضوان شاہ اور روح افزا ہے۔ رضوان شاہ چین کے بادشاہ کا بیٹا اور روح افزا جنوں کے بادشاہ کی بیٹی ہے۔ لندن کی ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے میں اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے جو ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۴ء میں نقل کیا گیا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہ وہی کتاب ہے جس کا ایک با تصویر نسخہ کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے۔ ٹیپو کے کتب خانے میں قصہ رضوان شاہ کے نام سے اس کہانی کی ایک منظوم کتاب موجود ہے جو دکنی زبان میں لکھی ہوئی ہے۔

۳۔ اشک نے ابوالفضل کی مشہور کتاب ''اکبر نامہ'' کا ترجمہ کیا ہے جس کا نام ''واقعاتِ اکبری'' ہے۔ Gladwin نے اکبر نامے کے تیسرے حصے ''اکبر نامہ'' کا ترجمہ کیا ہے اور بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی نے آئین اکبری کا ایک ایڈیشن شائع کیا ہے جس کا تعلق اس مسودے سے ہے۔ اکبر نامے کے پہلے حصے میں اکبر کے آباؤ اجداد کا حال ہے۔ دوسرے حصے میں اکبر کی زندگی کا بیان ہے اور تیسرے میں اکبر کے

انتظامِ سلطنت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۴۔ ''منتخب الفوائدؔ'' جو محمد منصور سید ابو فرح خلیل کی فارسی کتاب کا ترجمہ ہے۔ یہ کتاب اردو لغت کے پہلے مصنف کیپٹن Taylor کے مشورے سے ۱۲۱۴ھ/۱۷۹۹ء میں لکھی گئی ہے۔

اشک کی کتاب میں ۳۴ ابواب ہیں جن میں مختلف موضوعات مثلاً صفاتِ شہنشاہی، قانونِ جہاں بانی، فنِ حرب اور علمِ حیوانات وغیرہ پر بحث کی گئی ہے۔

۵۔ لندن کی ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے میں اشک کی کتاب ''رسالۂ کائنات'' کا ایک نسخہ موجود ہے۔ یہ کتاب علمِ طبیعیات کی ایک ابتدائی کتاب ہے اور دس ابواب پر مشتمل ہے۔

۱) پہلا باب ہوا اور ہوا میں رہنے والے جانوروں کے متعلق ہے۔
۲) دوسرا باب بادل اور بارش کے بارے میں ہے۔
۳) تیسرے باب میں اولے اور شبنم وغیرہ کا ذکر ہے۔
۴) چوتھا باب بجلی اور گرج کے متعلق ہے۔
۵) پانچواں باب ہوا، موسم اور سموم پر بحث کرتا ہے۔
۶) چھٹا باب قوسِ قزح پر ہے۔
۷) ساتواں باب شہابِ ثاقب کے بارے میں ہے۔
۸) آٹھواں باب زلزلے کی بحث ہے۔
۹) نویں باب میں چشموں کا بیان ہے۔
۱۰) دسواں باب دنیا کے اس حصے سے بحث کرتا ہے جو آباد ہے۔

۶۔ ''انتخابِ سلطانیہ'': یہ شاہانِ دہلی کی مختصر نثری تاریخ ہے جس میں قدیم ترین زمانے یعنی اونگریال سے لے کر شاہ عالم کے عہد تک کا ذکر ہے۔ یہ کتاب ۱۲۱۹ھ/۵۔۱۸۰۴ء میں ۳۰۰ صفحوں پر لکھی گئی ہے اور اس کا ایک نسخہ کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے میں ہے جو پہلے فورٹ ولیم کالج میں تھا۔

اشک نے مبارک کے مشہور بیٹے ابو الفضل کی فارسی کتاب ''تاریخِ اکبری'' کا ۱۲۲۴ھ/۱۰۔۱۸۰۹ء میں ترجمہ کیا۔

اشک نے مرثیہ، سلام اور غزلیں بھی کہی ہیں۔ وہ اپنے بھائی اور کمال کے شاگرد ہیں۔

اشک۔ رامپوری:
ان کا خاندان افغان تھا۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔

اشک۔ مولوی ہادی علی۔ لکھنوی:
وہ مولوی شیخ حسین علی کے بیٹے اور مرزا محمد رضا برق کے شاگرد تھے۔ وہ ایک متقی مسلمان اور صاحب دیوان شاعر ہیں۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ان کی چند غزلیں نقل کی ہیں۔ وہ محمدی پریس میں اصلاح کرنے کے کام پر مامور ہیں۔ اس پریس سے اردو کی متعدد کتابیں شائع ہوئی ہیں۔

اشک۔ سید علی محسن۔ لکھنوی:
سید آغا میر جنتی کے بیٹے اور شاہد کے شاگرد۔ وہ ایک اور ہندوستانی شاعر ہیں جن کے چند اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔

اشکی۔ مرزا غلام محی الدین:
وہ مرزا غلام حیدر کے بیٹے اور شاہ عالم ثانی کے پوتے تھے اور دہلی میں ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء میں کریم الدین کے یہاں وہ ایک مشاعرے میں شریک ہوئے تھے اور دو غزلیں سنائی تھیں ان کی عمر ۴۰ کے قریب تھی۔ وہ ممنون کے شاگرد تھے لیکن ان کے انتقال کے بعد مفتی صدر الدین خان آزردہ سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ کریم الدین نے اپنے طبقات الشعرا میں ان کی بڑی تعریف کی ہے۔

اشکی۔ میر وارث علی:
ان کے والد شاہ کلب علی پٹنہ کے رہنے والے تھے اور ان کے استاد عشقی نے ان کا ذکر کیا ہے۔

آشنا۔ میر زین العابدین:
وہ حکیم اصلح الدین خان کے بیٹے، آوارہ کے بھائی اور سراج الدین آرزو کے ہم عصر تھے۔ ان کا دوسرا نام میر نواب تھا۔ فتح علی حسینی نے اپنے تذکرے میں ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ شاید یہ وہی شاعر ہیں جو ایک درویش تھے اور جن کا ذکر آشنا کے نام سے ابراہیم نے اپنے تذکرے [گلزار] میں کیا ہے۔ ابراہیم نے ان کا ایک معمولی شعر نقل کیا ہے۔

آشنا۔ مناسنگھ دہلوی:
وہ ایک کھتری ہیں جو محمد شاہ کے دورِ حکومت میں رہتے تھے۔ وہ فارسی اور اردو میں شاعری کرتے تھے۔ کریم نے ان کے چند خیال نقل کیے ہیں۔

آشنا۔ حکیم میر علی:

وہ سہارنپور کے ایک سید تھے اور نواب نجیب الدولہ کے دربار میں حکیم تھے بعد میں وہ نواب قلی خان کے حکیم ہو گئے۔ وہ فارسی اور ہندوستانی میں شعر کہتے تھے۔ ان کا ذکر قاسم نے کیا ہے۔

آشنا۔ مرزا جگن:

قاضی رحمت اللہ کے دوسرے بیٹے تھے۔ قاسم ہندوستانی شاعروں میں ان کو شمار کرتے ہیں اور ذکا کہتے ہیں کہ وہ ایک ہم عصر ہندوستانی شاعر ہیں۔

آشنا۔ سید محمد۔ لکھنوی:

اکبر غفران مآب سید حافظ وارث علی صاحب کے بیٹے اور ناصر کے شاگرد تھے۔

آشوب۔ میر امداد علی خان۔ دہلوی:

وہ ایک جوان ہم عصر شاعر ہیں۔ ان کے والد روشن علی خان فروغ ہیں اور ان کے استاد میر نظام الدین ممنون۔ وہ خاص طور پر غزل لکھتے ہیں۔ ''گلشنِ بے خار'' کے مصنف ان سے واقف ہیں اور ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔

اصالت، سید فضل علی، لکھنوی:

سید وارث علی کے بیٹے اور امانت کے شاگرد ہیں۔ آپ ایک ہندوستانی شاعر ہیں اور محسن نے آپ کے چند اشعار اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

آصف:

یہ نواب اودھ آصف الدولہ کا تخلص ہے جو کہ نواب شجاع الدولہ کے بیٹے اور نواب ابوالمنصور خان کے پوتے تھے۔ محسن کا بیان ہے کہ وہ صوبہ اودھ کے نواب وزیر اور اپنے وقت کے حاتم تھے۔ وہ فیض آباد میں پیدا ہوئے اور محمد یحییٰ علی خان آصف الدولہ کہلاتے تھے۔ آصف ۱۷۷۵ء سے لے کر اپنے انتقال کے سال ۱۷۹۷ء تک حکمراں رہے۔ مولّف نے اپنی کتاب میں آصف کی سیاسی زندگی کو نظر انداز کر کے صرف شاعر و ادیب کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے۔ علی ابراہیم نے آصف کے ہر اردو شعر کو ایک انتہائی تابناک اور خوبصورت موتی سے تشبیہ دی ہے۔ مصحفی کے مطابق اگرچہ ان کا عربی نام آصف ہے اور وہ یحییٰ کہلاتے ہیں لیکن وہ اپنے زمانے کے سلیمان اور عیسیٰ بھی کہے جاسکتے ہیں۔ دراصل آصف نے بڑی اعلیٰ تعلیم پائی ہے اور ان میں علمی و ادبی شغف و صلاحیت نوعمری ہی سے نمایاں تھی۔ انھیں شعر و سخن سے خاص لگاؤ تھا اور

بڑے پاکیزہ اشعار کہتے تھے۔ بنی نرائن نے ان کے کلام سے چند منتخب ٹکڑے نقل کیے ہیں۔ ڈاکٹر گلکرسٹ نے اپنی کتاب Stranger's East India Guide میں اردو ترجمے کے ساتھ ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔ مصحفی نے بھی آصف کے چند اشعار کا حوالہ دیا ہے اور علی ابراہیم نے ایک صفحے میں ان کے کلام کا انتخاب دیا ہے۔ آصف کا کلام جس پر تخیُّلی فضا چھائی ہوئی ہے، ایک دیوان کی صورت میں مرتب ہو چکا ہے اور ہندوستان میں اسے قبولِ عام حاصل ہے۔ ان کی بعض غزلوں نے عوامی گیت کی حیثیت حاصل کی ہے اور کچھ غزلیں Price کے انتخاب میں شامل ہیں۔ فورٹ ولیم کالج کے کتب خانے میں ان کے دیوان کا ایک نسخہ موجود ہے۔ آصف کے وہ اشعار خاص طور پر شہرت رکھتے ہیں جو مسلمانوں کے تہوار محرم کے متعلق کہے گئے ہیں۔ ایسٹ انڈیا آفس کے کتب خانے میں ان کی ایک بیاض بھی موجود ہے۔ اس میں ان کی اردو اور فارسی غزلوں کا انتخاب ہے۔ یہ قلمی مسودہ پہلے گورنر جنرل لارڈ ہیسٹنگز کے پاس تھا۔

آصف کی ایک غزل Price کی کتاب ''ہندی اور ہندوستانی انتخاب'' میں شائع ہوئی ہے۔

آصف۔ محمد

یہ عوام پسند گیتوں کے مصنف ہیں۔ وہ مولوی قدرت اللہ دہلوی کے استاد تھے۔ ان کا عرف رفوگر تھا۔ اسپرنگر کا خیال ہے کہ یہ ان کا تخلص ہے۔

اصغر۔ بابر یا میر اصغر علی:

دورِ حاضر کے ایک شاعر ہیں اور معلمی کا پیشہ کرتے ہیں۔ وہ ان شعرا کے ہم عصر تھے جو معلم بھی تھے۔ کریم الدین کا بیان ہے کہ وہ فارسی جانتے تھے اور یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ فارسی زبان جو کہ ہندوستانی مسلمانوں میں لٹن کی حیثیت رکھتی ہے زیادہ مقبول تھی ۔ وہ ایک صاحب دیوان شاعر ہیں جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔

اصغر۔ رائے کرت سنگھ:

وہ ایک کھتری ہیں اور اچھے ہندوستانی شعر کہتے ہیں۔ قاسم نے ان کا ذکر کیا ہے۔

اصغر۔ علی اصغر خان:

ان کا دوسرا نام ظفر الدولہ نواب جان معتبر الملک رفیع الامرا نواب اصفر خان بہادر ناصر جنگ ہے۔ ان کے والد علی اکبر تھے جو کہ نواب اودھ کے وزیر نواب شرف الدولہ بہادر کے دوست تھے۔ اصفر خود نواب دہلی کے وزیر تھے اور آتش کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا جس سے چند غزلیں محسن نے اپنے

تذکرے میں نقل کی ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد کشمیر کے رہنے والے تھے لیکن وہ دہلی میں پیدا ہوئے اور اسی شہر میں رہتے تھے۔ ان کا انتقال ۱۲۷۶ھ/۶۰-۱۸۵۹ء میں ہوا۔

اصغر۔ میر اصغر علی:

قاسم کے مطابق وہ پہلے اصغر میر امجد علی اصغر سے مختلف ہیں اور دہلی کے قریب مارہرہ کے سید تھے۔ وہ دو دیوان کے مالک ہیں۔ شاید یہ وہی اصغر علی ہیں جو سنہ ۱۸۵۱ء میں اردو اخبار ''قرآن السعدین'' کے مدیر تھے اور یہ نام دہلی کے مشہور فارسی شاعر امیر خسرو کے مجموعۂ کلام کی تقلید میں رکھا گیا ہے۔ یہ اخبار دہلی سے نکلتا ہے اور اس میں علمی و ادبی مضامین شائع ہوتے ہیں۔ اصغر سے پہلے اس کے مدیر موتی لال دھرم نرائن اور اشرف علی تھے۔

اصغر۔ میر امجد علی:

وہ آگرہ کے ایک سید اور حکیم محمد میر کے چھوٹے بھائی ہیں۔ ان کا تخلص امجد تھا۔ وہ قادری تھے اور بغداد کے ایک مشہور بزرگ صوفی شاہ عبداللہ کے خلیفہ تھے۔ ان کا ایک اردو دیوان آگرہ سے شائع ہوا ہے۔ قائم اور باطن کے بیان کے مطابق وہ فارسی کے بھی شاعر تھے۔

اصغر حسین۔ سید:

وہ ''مجمع البحرین'' کے مدیر ہیں۔ یہ لدھیانہ کا ایک اردو اخبار ہے اور ۱۸۶۰ء سے شائع ہوتا ہے۔ ہر پرچے میں ۱۲ صفحات ہوتے ہیں۔

اصغر علی۔ حکیم:

وہ ''علاج الغربا'' یا ''تسہیل الشفا'' کے مصنف ہیں۔ یہ کتاب فارسی میں لکھی ہے اور غلام امام نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ چھوٹی تقطیع کے ۲۹۶ صفحات پر ہے اور میرٹھ سے ۱۸۶۵ء میں شائع ہوا ہے۔ ایک دوسرا ایڈیشن کانپور سے شائع ہوا جو ۲۴۹ صفحات کا ہے۔

اضطراب۔ پیر میاں:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر ابوالحسن نے اپنے ''مسرت افزا'' میں کیا ہے۔

اظفری: محمد ظاہر الدین مرزا علی بخت:

یہ شاہزادہ کلاں گورگانی کے نام سے بھی مشہور ہیں اور شاہ اورنگ زیب سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۲۱۱ھ/ ۹۷-۱۷۹۶ء میں وہ زندہ تھے۔ وہ پہلے مدراس چلے گئے اور بعد میں کلکتہ اور دہلی میں رہے۔ انھوں نے ایک

دیوان لکھا ہے جس کا ایک نسخہ لکھنؤ کے موتی محل کے کتب خانے میں موجود تھا۔ اس دیوان میں غزلیں اور رباعیاں شامل ہیں۔ بنی نرائن اس شاعر کے دس شعر نقل کرتے ہیں۔

اظہر۔شیخ صابر علی:

یہ ہندوستانی شاعر مظہر کے شاگرد تھے اور ابوالحسن ان کا ذکر کرتے ہیں۔

اظہر۔خواجہ۔دہلوی:

وہ مرحوم نواب وزیر عمادالملک کے ایک دوست تھے اور ہندوستانی میں بہت شگفتگی کے ساتھ شعر لکھتے تھے۔ان کا انتقال سرور کے تذکرہ مکمل ہونے سے پہلے ہوگیا۔

اظہر۔سید علی حسن:

وہ لکھنؤ کی عدالتِ دیوانی کے ناظر تھے۔ ان کے والد مولوی ارشاد علی تھے اور ان کے استاد مولوی محمد بخش شاہد۔انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جس سے چند اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

اظہر۔غلام محی الدین، دہلوی:

ان کا شمار ہندوستانی شعرا میں ہوتا ہے۔ان کا نام حضرت محی الدین کے نام کی نسبت سے رکھا گیا تھا جو ہندوستان کے ایک مشہور ولی ہیں۔ اوائلِ اسلام میں مسلمانوں کا یہ دستور تھا کہ وہ اپنے نام کے ساتھ غلام کا لفظ صرف اللہ تعالیٰ کے نام کے شروع میں استعمال کیا کرتے تھے۔ انبیاءِ کرام، حضرت علی اور دوسرے بزرگوں کے نام کے شروع میں غلام کا لفظ استعمال نہ کرتے تھے لیکن اب یہ دستور ہندوستان میں بیشتر پایا جاتا ہے۔

اظہر غلام حسن سروری اور میر فرزند علی موزوں کے شاگرد تھے جو فارسی زبان میں شعر کہتے تھے۔ اظہر دہلی میں ایک مکتب میں پڑھایا کرتے تھے۔ اس کے بعد وہ کالج چلے گئے۔ ذکا اور قاسم کے مطابق وہ سروری کے بیٹے تھے۔شیفتہ نے ان کے اشعار اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

اظہر۔میر غلام علی۔دہلوی:

وہ میر شمس الدین فقیر کے شاگرد تھے۔ اُنھیں اپنی ذہانت اور صلاحیتوں پر بڑا زعم تھا۔ ابتدا میں وہ مرشد آباد میں رہتے تھے لیکن بنگال کی آب و ہوا کی نامناسبت کی وجہ سے وہ عظیم آباد میں سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ یہاں انھوں نے گوشہ نشینی اختیار کرلی تھی اور شاہ عالم کے دورِ حکومت میں یہیں انتقال بھی فرمایا۔ انھوں نے اردو اور فارسی میں متعدد تصانیف چھوڑی ہیں جن میں دو دیوان، ایک ریختہ اور دوسرا فارسی زبان میں ہے۔

اعجاز، شیخ کرامت علی:

وہ ایک ہم عصر ہندوستانی شاعر ہیں۔ ۱۹/اکتوبر ۱۸۶۹ء کے اخبار اردو میں ان کا کلام شائع ہوا ہے۔

اعجاز۔نواب اصغر علی خان، لکھنوی:

نجابت علی خان کے بیٹے اور نواب شجاع الدولہ بہادر کے پوتے تھے۔ آپ کو شیخ امام بخش ناسخ سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ وہ ایک دیوان کے مصنف بھی ہیں اور محسن نے اپنے تذکرے میں اس سے چند غزلیں بھی نقل کی ہیں۔

اعظم۔محمد:

یہ شاعر لکھنؤ کے ایک عطر ساز کے بیٹے اور آصف الدولہ نواب اودھ کے ملازم ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان اعظم خان سے مختلف ہیں جن کا ذکر منولال نے کیا ہے اور ان اعظم علی خان سے بھی کوئی تعلق نہیں جن کے متعلق سرور اور شیفتہ نے اپنے تذکروں میں ذکر کیا ہے۔

یہ دہلی کی افغان قوم سے تعلق رکھتے تھے اور شاہ محمد نصیر کے شاگرد تھے۔ شروع میں انھیں شعر و شاعری سے دلچسپی تھی لیکن بعد میں وہ سائنس سے گہری دلچسپی لینے لگے غالباً یہ وہی نوجوان میر اعظم علی ہیں جن کے متعلق ذکا نے لکھا ہے کہ وہ نصیر کے شاگرد تھے۔ وہ لکھنؤ کے باشندے تھے لیکن بعد میں دہلی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

اعظم۔شاہ محمد:

وہ سندیلہ کے رہنے والے تھے اور شروع میں فوجی ملازم تھے لیکن بعد میں ملازمت سے سبکدوش ہو کر مراد آباد میں مقیم ہو گئے تھے۔ وہ ریختہ میں شاعری کرتے تھے لیکن ان کی خصوصیت یہ تھی کہ انھوں نے اپنے کلام کو کبھی بھی قلم بند نہیں کیا بلکہ وہ مشاعروں میں اور دیگر مجالس میں زبانی سنایا کرتے تھے۔

اعظم۔مرزا اعظم علی بیگ، مرحوم

وہ مرزا اشرف علی بیگ کے بیٹے خلیفہ عبدالرحیم کے پوتے اور آتش کے شاگرد تھے۔ وہ ابتدا میں الٰہ آباد کی نظامت میں ملازم تھے اور اس کے بعد وہ آگرہ کی صدر دیوانی عدالت میں پیش کار مقرر ہو گئے تھے۔ جن دنوں میں شیفتہ اپنا تذکرہ تصنیف کر رہے تھے تو ان کی عمر ۵۰ سال کی تھی۔ ان کے اشعار کو ایک دیوان کی شکل میں مرتب کیا گیا ہے اور محسن نے اس سے غزلوں کے چند نمونے نقل کیے ہیں۔

اعظم۔ منشی علی:

وہ آگرہ کے کالج میں فارسی کے پروفیسر تھے۔ ۱۸۵۳ء میں وہ بہت ہی طویل العمر تھے اور انھوں نے نظامی کے سکندر نامے کا اردو میں ترجمہ کیا ہے جو ۱۸۴۹ھ میں آگرہ سے شائع ہوا اور اس کا ایک نسخہ ایسٹ انڈیا آفس کے کتب خانے میں موجود ہے۔

انھوں نے مولانا جلال الدین رومی کی طرز پر ایک مثنوی بھی لکھی ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ وہی اعظم علی خان پسر قلندر علی خان ہیں جن کے متعلق سرور اور ذکا نے لکھا ہے کہ وہ اس دور کے ایک پرانے شاعر تھے۔

اعظم۔ مرزا اعظم شاہ:

وہ محمد شرف کے بیٹے، خلیفہ عبدالکریم کے پوتے اور آتش کے شاگرد تھے۔ محسن اپنے تذکرے میں ان کے اشعار نقل کرتے ہیں۔ اعظم کے آبا و اجداد ترکستان کے رہنے والے تھے اور بعد میں دہلی چلے گئے لیکن غدر سے پہلے ان کا خاندان لکھنؤ میں مقیم تھا۔

اعلیٰ۔ میر علی دہلوی:

میر ولایت اللہ خان کے بیٹے تھے اور وہ نواب اودھ شجاع الدولہ کے دربار سے وابستہ تھے اور شاہ زادہ مرزا محمد جہاں دار شاہ کے مصاحب تھے۔ علی ابراہیم، جو ان سے انگریزوں اور نواب شجاع کی لڑائی کے زمانے میں ملے تھے، لکھتے ہیں کہ اعلیٰ بڑی عیش و عشرت کی زندگی گزارتے تھے۔

میرا خیال ہے کہ یہ وہی شاعر ہیں جنھیں محسن نے ''سراپا سخن'' میں امیر اعلیٰ علی کے نام سے یاد کیا ہے۔

آغا۔ سید آغا علی۔ لکھنوی:

سید صاحب علی کے بیٹے اور اصغر علی دہلوی کے شاگرد تھے۔ محسن نے ان کے کچھ اشعار نقل کیے ہیں۔ غالباً یہ مرزا آغا خان لکھنوی ہیں جن کا سرور نے ذکر کیا ہے۔ مرزا آغا خان مرثیہ لکھا کرتے تھے۔

آغا۔ حسن۔ لکھنوی:

مرزا امیر کے بیٹے اور میر وزیر صبا کے شاگرد تھے۔ وہ ایک دیوان کے مالک ہیں جس سے چند اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

آغاز:

وہ شاہ عالم ثانی کے دوسرے بیٹے شاہ زادہ سلیمان شکوہ کے مصاحب تھے۔ شاہزادہ سلمان شکوہ اپنے والد کے بعد دہلی کے تخت پر متمکن ہو سکتے تھے۔ کمال تنہا تذکرہ نویس ہیں جنھوں نے آغاز کا تذکرہ کیا ہے۔

کیا وہ دراصل لکشمن نرائن آغاز لکھنوی ہیں جنھوں نے جنرل Ochterlony کی ملازمت اختیار کرلی تھی اور جو ۱۸۲۶ء میں انتقال کر گئے؟ ممکن ہے کہ لکشمن نرائن آغاز وہی شاعر ہوں جن کا ذکر بعد میں زیرک کے تحت آیا ہے۔

آفاق:

میر فرید الدین خان نام ہے۔ محسن فرید الدین کے بجائے فخر الدین کہتے ہیں۔ وہ کشمیر کے رہنے والے تھے۔ پہلے دہلی میں رہتے تھے لیکن سیاسی حالات کی وجہ سے حیدرآباد چلے آئے۔ وہ فراق کے شاگرد تھے۔ کمال ان کے اچھے دوست تھے اور انھوں نے آفاق کی غزلوں اور مخمس سے ۱۷ اصفحات نقل کیے ہیں۔ شیفتہ کے مطابق آفاق میر بہاؤ الدین بسنت کے لڑکے تھے۔ وہ شاہ سلیمان جلال آبادی سے بھی قرابت رکھتے تھے۔ شاہ سلمان کو علم سائنس اور تقوی و خدا ترسی میں نمایاں شہرت حاصل تھی۔ منولال نے اپنے ''گلدستۂ نشاط'' میں آفاق کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ میرے خیال میں یہ اشعار اکثر تشبیہ و استعارات میں ہیں اور ان کا ترجمہ کرنا تقریباً ناممکن ہے۔

آفاق۔ میر حسن علی لکھنوی:

میر ہجو کے بیٹے اور میر احسان علی مخلوق کے پوتے تھے۔ آپ کو مہدی حسن خان عباد سے فیضِ تلمذ حاصل تھا۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ان کا ذکر کیا ہے۔

آفتاب، شاہ عالم ثانی:

شاہ عالم ثانی عام طور پر آفتاب تخلص کرتے تھے لیکن بعض اوقات وہ علی گوہر اور شاہ عالم بھی تخلص کرتے تھے۔ آپ کا دورِ حکومت سنہ ۱۷۶۱ء سے لے کر آپ کی وفات ۱۸۰۶ء تک تھا۔ غدر کے دوران میں دہلی کے تخت پر سراج الدین شاہ فائز تھے جو شاہ عالم ثانی کے پوتے تھے۔

آفتاب کی ایک تصنیف ''منظوم اقدس'' ہے۔ اس میں پریوں کی کہانیاں ہیں جو ۱۳۰ ابواب میں لکھی گئی ہیں۔ اس کتاب میں تقریباً گیارہ ہزار اشعار ہیں۔ اس کہانی کے اہم کردار شاہزادہ شجاع الشمس پسر مظفر شاہ والیِ خطا و ختن اور اس کے وزیر کے لڑکے اختر سعید ہیں۔ اس میں ان دونوں کی سرگزشتِ زندگی ہے اور ان کی شادیوں اور فتوحات کے واقعات ہیں۔ اس کتاب میں خاص طور سے بڑی تفصیل کے ساتھ مشرقی درباروں کی رسومات، شادی سے قبل اور شادی کی رسم و رواج اور زچگی وغیرہ کی دلچسپ رسمیں درج ہیں۔ اندازِ بیان بہت ہی صاف و شستہ ہے۔ اس کتاب میں جابجا غزلیں، فارسی رباعیاں، دوہے اور ایک پالنا بھی ہیں۔

''منظوم اقدس'' سے اس کتاب کی تاریخِ تصنیف بھی معلوم ہوتی ہے جو ۱۲۰۱ھ مطابق ۷-۱۷۸۶ء ہے۔ کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی میں اس کتاب کا ایک نسخہ ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب شاہ عالم کی اپنی تحریر میں ہے۔ یہ کتاب ۱۵۱۱ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کے ہر صفحے میں ۹ سطریں ہیں۔ فہرست میں ان کا نمبر ۳۷ ہے۔

آفتاب ایک دیوان کے بھی مالک ہیں۔ اس کا ایک خوبصورت نسخہ لکھنؤ میں موتی محل کے کتب خانے میں ہے۔ اس کتاب میں ۲۴۴ صفحات ہیں اور اس کے ہر صفحے میں ۸ سطریں ہیں۔

''گلزارِ ابراہیم'' کے مصنف نے شاہ عالم کے دو اشعار نقل کیے ہیں:

صبح تو جام سے گزرتی ہے　　شب دل آرام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے　　اب تو آرام سے گزرتی ہے

''گلشنِ ہند بہ شمول گلزارِ ابراہیم''، ص ۹

مصحفی شاہ عالم کے زہد و تقویٰ اور ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کی تعریف کرتے ہیں ان کے متعلق یہ عربی مقولہ نقل کرتے ہیں کہ'' کلام الملوک، ملوک الکلام''۔

شاہ عالم نے بے شمار ہندوستانی گیت اور دوہے لکھے ہیں۔ انھوں نے فارسی زبان میں بھی شاعری کی ہے۔ انھوں نے اپنے دربار میں ہندو اور مسلم شعرا و مصنفین کو جمع کیا تھا اور ان کی اچھی تصنیفوں کی بڑی قدر کرتے تھے۔ W.Price کے ''منتخباتِ ہندی و ہندوستانی'' Hindee and Hindustanee Selection میں شاہ عالم کی دو غزلیں ہیں جو بہت ہی مقبولِ عام ہوگئی ہیں۔ ان میں سے ایک غزل اور پانچ دوسری غزلیں بینی نرائن کے انتخاب میں موجود ہیں۔ آفتاب کی ایک غزل ذیل میں ہے:

[نوٹ: محمد شاہ عالم ثانی کے اردو، فارسی اور مذہبی کلام کا جو مجموعہ'' نادراتِ شاہی'' کے نام سے امتیاز علی عرشی نے ہندوستانی پریس رامپور سے ۱۹۴۴ء میں شائع کیا ہے اس میں وہ غزل موجود نہیں ہے۔ جس کا ترجمہ گارساں دتاسی نے نقل کیا ہے۔ مترجم]

آفرین۔ شیخ قلندر بخش:

ایک ہندوستانی مصنف ہیں۔ آپ سہارنپور کے رہنے والے تھے اور یہیں آپ کی پیدائش بھی ہوئی تھی۔ آپ کا سلسلۂ نسب مشہور فقیہہ امام ابو حنیفہ کوفی سے ملتا ہے۔ آپ کو فنِ شعر و سخن میں بڑا کمال حاصل تھا۔ رسالہ تحفۃ الصنائع آپ کی تصنیف ہے۔ آپ کا ایک دیوان بھی ہے جس میں قصیدے، مثنویاں اور

مناقب درج ہیں۔ سرور ان کو جانتے تھے۔ انھوں نے ان کے متعدد اشعار اور اپنے تذکرے کی تاریخ جو آفرین نے لکھی تھی، نقل کی ہے۔

افسر۔ نواب احمد یار خان:

محمد یار خان امیر کے بیٹے تھے اور اپنے والد کے نقشِ قدم پر ہندوستانی شاعری میں فکر کیا کرتے تھے۔ رام پور میں رہتے تھے اور کمال نے افسر سے یہیں ملاقات کی تھی۔ انھوں نے کمال کے تذکرے کے لیے چند اشعار بھی کہے تھے جسے موخر الذکر نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

افسر نے ریختہ اور فارسی میں شاعری کی ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر کا خیال ہے کہ وہ شیخ احمد علی دہلوی ہیں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اسپرنگر سے سہو ہوا ہے۔

افسر۔ نصرت خان:

بہرائچ کے رہنے والے اور فتح خان افغانی کے لڑکے تھے۔ ان کا قیام لکھنؤ میں تھا اور وہیں انھوں نے انتقال کیا۔ وہ ہندوستانی زبان میں شاعری کرتے تھے۔ محسن نے ان کا کچھ کلام اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے۔

افسر۔ غلام اشرف:

غلام رسول کے لڑکے تھے۔ لکھنؤ میں ہندوستانی زبان میں شاعری کرتے تھے۔ وہ مرثیے اور سلام میں اشرف اور دوسری اصنافِ سخن میں افسر تخلص کرتے تھے۔ وہ ذات کے شیخ تھے اور ان کے مورثِ اعلیٰ شاہی مویشیوں کی رکھوالی کرتے تھے۔ انھیں شعر و سخن کا بے حد شوق تھا۔ انھوں نے متعدد اشعار کہے ہیں جنھیں دہلی کی ادبی مجالس میں پڑھا ہے۔ مصحفی نے ان کے اشعار کی تعریف اپنے تذکرے میں کی ہے اور ان کی دو غزلیں اور دو رباعیاں بھی نقل کی ہیں۔ میں نے اس کتاب کی تدوین کے سلسلے میں مصحفی کے تذکرے سے کافی استفادہ کیا ہے۔

سرور نے ایک دوسرے افسر کا، جو مراد آباد کے رہنے والے تھے، ذکر کیا ہے لیکن وہ ان کے نام یا مزید تفصیل سے واقف نہ تھے۔

افسوس۔ مرزا غفور بیگ:

ان کے آباؤ اجداد تورانی تھے۔ افسوس فوج میں ملازم تھے لیکن انھیں ہدایت اور فراق کی بدولت اردو ادب اور شاعری سے دلچسپی پیدا ہوگئی تھی۔ قاسم نے اپنے تذکرے میں بیان کیا ہے کہ افسوس اکثر انھیں اپنا کلام بھی دکھایا کرتے تھے۔ افسوس نے دہلی [۷۹] میں انتقال کیا اور اگرچہ قاسم نے اس کے بعد اپنا تذکرہ

لکھنا شروع کیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ افسوس کو ایک بلند مرتبہ شاعر سمجھتے ہیں۔ انھوں نے ان کے دس اشعار بھی اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

افسوس۔ میر شیر علی:

وہ ایک بلند پایہ ممتاز ہندوستانی مصنف ہیں۔ میر کے مطابق وہ مظفر علی خان کے لڑکے اور میر غلام مصطفیٰ کے پوتے یا بھتیجے تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب محمدؐ سے امام جعفر کے ذریعے ملتا ہے۔ ان کا خاندان آگرہ صوبے میں نارنول کے مقام پر آکر آباد ہوا اور اس بنا پر وہ لوگ اپنے کو نارنولی کہتے ہیں۔ افسوس کے والد اور دادا محمد شاہ کے عہد میں دہلی آئے اور اعلیٰ مناصب پر فائز ہوئے۔ افسوس کی پیدائش دہلی میں ہوئی اور یہیں انھوں نے اپنے والد کے زیرِ سایہ ابتدائی تعلیم حاصل کی۔

افسوس کی عمر جب گیارہ سال تھی تو دہلی کی حکومت کا تختہ الٹ گیا۔ ان کے والد نے بعد میں نواب قاسم علی خان صوبیدا بنگال کی ملازمت اختیار کرلی اور یہاں وہ داروغۂ اسلحہ کے عہدے پر مامور کیے گئے۔ انھوں نے جعفر علی خان کے عہد کے اختتام تک پٹنہ میں بہت ہی عزت اور وقار کی زندگی بسر کی۔ اس کے بعد وہ لکھنؤ تشریف لے گئے اور وہاں سے حیدرآباد پہنچے جہاں انھوں نے انتقال کیا۔ اس وقت افسوس کی عمر ۳۹ سال کی تھی۔ وہ اپنے والد کے پہنچنے سے دوسال پہلے لکھنؤ میں آگئے تھے جہاں انھوں نے نواب اسحاق خان [جونواب آصف الدولہ کے چچا تھے] کے پاس مقرب کی حیثیت سے ملازمت اختیار کرلی تھی۔ افسوس نے لکھا ہے کہ بچپن ہی سے انھیں سعدی کی ''گلستان'' اور ولی کے دیوان کو پڑھنے کا بے حد شوق تھا۔ ان کی صلاحیتیں ترقی کرتی گئیں اور وہ قدیم شعرا کے طرز پر شعر کہنے لگے۔ کتب بینی کے علاوہ انھیں مشہور ہندوستانی شعرا مثلاً سوز، میر، حیدر علی، حیران اور میر حسن سے بھی ملنے کا اتفاق ہوا ہے جس سے ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کو کافی حد تک فائدہ پہنچا ہے۔ مصحفی اور لطف کہتے ہیں کہ حیران افسوس کے استاد تھے۔

کمال انھیں مصحفی کے شاگردوں میں شمار کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنے طرزِ بیان میں اس قدر کمال حاصل کرلیا تھا کہ ممتاز شعرا بھی ان کے کلام کو بڑی وقعت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ان کے دیوان کے دیباچے میں لکھا ہے کہ انھوں نے فارسی اور اردو شاعری کے علمِ عروض کو بلند پایہ استادوں سے سیکھا ہے اور ان دونوں میں وہ اعلیٰ مہارت رکھتے ہیں۔ انھیں اردو زبان سے زیادہ دلچسپی تھی اور یہی وجہ ہے کہ ان کا بیشتر کلام اردو زبان میں ہے۔ وہ لکھنؤ میں عربی اور علمِ طب کی تعلیم حاصل کر رہے تھے جب انھوں نے اپنا دیوان اردو زبان میں مکمل کیا۔ یہ دیوان بہت کامیاب ہوا۔ مرزا جوان بخت پسر شاہ عالم جب دہلی سے لکھنؤ

تشریف لائے تو انھیں افسوس کے کلام کو سننے کا موقع ملا۔ جسے انھوں نے بہت پسند کیا اور افسوس کو اسی بنا پر اپنے حلقۂ احباب میں داخل کرلیا۔ یہ ایک بہت بڑا امتیاز تھا کیونکہ جوان بخت اپنے رفقا کو بڑی چھان بین کے بعد منتخب کرتے تھے۔ افسوس نے چند سال اسی طرح گزارے۔ اس کے بعد مرزا حسن رضا خان، سرفراز الدولہ جو نواب آصف الدولہ کے نائب تھے، ان سے دلچسپی لینے لگے۔

کرنل اسکاٹ کے مشورے پر افسوس ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازمت کے ارادے سے کلکتہ تشریف لے گئے اور وہاں فورٹ ولیم کالج میں ملازم ہوگئے۔ یہاں ڈاکٹر گلکرسٹ نے انھیں سعدی کی ''گلستان'' کو ترجمہ کرنے اور دوسری کتابوں کو شائع کرنے کا کام دیا۔ افسوس کا انتقال ۱۸۰۹ء میں ہوگیا۔ مصحفی اور لطف جو افسوس سے بخوبی واقف تھے ان کی اعلیٰ خصوصیات اور ذہنی صلاحیتوں کی تعریف کرتے ہیں۔ ان کے دیوان کے دیباچے میں اس کے مصنف نے افسوس کے انکسار اور نیکی کی خاص طور پر تعریف کی ہے۔ محسن انھیں عہد گزشتہ کا مشہور شاعر تصور کرتے ہیں۔

افسوس کی حسب ذیل تصنیفات ہیں:

۱۔ ان کا ایک دیوان جس سے ابراہیم، بینی نرائن، لطف اور ڈاکٹر گلکرسٹ نے اپنے تذکرے میں کچھ اقتباسات درج کیے ہیں۔ اس کتاب کا ایک نسخہ ایسٹ انڈیا کے کتب خانے میں موجود ہے جسے ڈاکٹر لیڈن نے تحفے کے طور پر اس کتب خانے کو پیش کیا تھا۔ اس کی ایک جلد میرے پاس بھی ہے۔ اس کتاب کی ترتیب یوں ہے۔ شروع میں تین قصیدے ہیں: ایک حضرت امام، دوسرا نواب آصف الدولہ اور تیسرا لارڈ ولزلی کی شان میں لکھے گئے ہیں اس کے بعد پانچ سلام اور سات مرثیے ہیں۔ پھر اصل دیوان شروع ہوتا ہے۔ دیوان کے بعد رباعیاں ہیں جو مختلف مضامین پر لکھی گئی ہیں۔ پھر مخمس، واسوخت اور تاریخ کی باری آتی ہے۔ آخر میں مثنویاں اور مرثیے ہیں۔ شیفتہ کا خیال ہے کہ افسوس نے اپنی مثنویاں اور مرثیے بڑی کاوش اور احتیاط سے لکھے تھے۔

۲۔ ''باغ اردو'' جو سعدی کی ''گلستان'' کا ترجمہ ہے، یہ کتاب دو جلدوں میں لکھی گئی۔ اسے کلکتہ سے ۱۸۰۲ء میں شائع کیا گیا تھا۔ اس کا دوسرا اڈیشن گلکرسٹ کی زیر نگرانی کلکتہ سے ۱۸۰۸ء میں شائع ہوا۔ یہ کتاب سعدی کی ''گلستان'' کی طرح نظم اور نثر دونوں میں ہے اور میرا خیال ہے کہ یہ اردو زبان میں سب سے بہتر ترجمہ ہے۔ ''گلستانِ سعدی'' کے ہندوستانی میں متعدد ترجمے ہیں۔ ایک ترجمہ دکنی زبان میں بھی ہے اور اس ترجمہ کا ایک نسخہ امپریل لائبریری میں ہے۔ نظام حیدرآباد کے کسی وزیر کے کتب خانے میں

ایک دکنی ترجمہ موجود ہے جو غالباً امپریل لائبریری کے ترجمے کی دوسری نقل ہے۔ برٹش میوزیم اور ایسٹ انڈیا لائبریری میں بھی اس کتاب کے دو ترجمے ہیں۔ Doctor Forbes کے پاس ایک دکنی ترجمہ ہے اور فہرست میں اس کا نمبر ۱۲۳ ہے۔ Boutros نے ۱۸۲۵ء میں دہلی سے ''گلستان'' کا ایک اور ترجمہ شائع کیا ہے۔ اس کتاب کے متعدد ترجمے شائع ہوئے ہیں۔ ۱۸۳۵ء اور ۱۸۴۸ء بمبئی کے علاوہ ۱۸۶۶ء میں ایک دوسرا ترجمہ بھی چھپا ہے۔

۳۔ ''آرائشِ محفل'': افسوس کی سب سے اہم تصنیف ہے۔ یہ کتاب اس نوع کی دوسری مشرقی تصانیف سے بہت بلند ہے۔ بدقسمتی سے اس کتاب کا صرف پہلا حصہ کلکتہ سے شائع ہوا ہے کیونکہ اس کے بعد مصنف کا انتقال ہوگیا۔ معلوم ہوا ہے کہ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ فورٹ ولیم کالج میں موجود ہے۔

جو حصہ شائع ہوا ہے اس کے مضامین یہ ہیں:

۱۔ ہندوستان کے متعلق عمومی اشارات اور اس کے باشندوں کے رسم ورواج۔

۲۔ ہندوستان کے ہر صوبے کا بیان۔

۳۔ جدھسٹر سے لے کر پرتھوی رائے تک دہلی کے راجاؤں کا تذکرہ۔

اگرچہ یہ کتاب منشی سجان رائے بٹالوی کی فارسی کتاب ''خلاصۃ التواریخ'' کے پس منظر میں لکھی گئی ہے لیکن اس کے باوجود اسے ایک مستقل طبع زاد کتاب کی حیثیت حاصل ہے۔ کیونکہ افسوس نے اپنی کتاب میں چند نئی باتیں لکھی ہیں اور سجان رائے نے ''خلاصۃ التواریخ'' میں جہاں کہیں غلطیاں کی ہیں ان کی اصلاح بھی کی ہے۔

اس کتاب کا ایک ایڈیشن کرنل لیز [Lees.] نے کلکتہ سے ۱۸۶۳ء میں شائع کیا ہے۔ ایک دوسرا ایڈیشن بمبئی سے ۱۸۴۵ء میں شائع ہوا ہے۔

افسوس نے دوسری کتابوں پر نظرِ ثانی بھی کی ہے۔

۱۔ ''مذہبِ عشق''۔ گل بکاؤلی کو جدید اردو زبان میں لکھا ہے۔

۲۔ ''نثرِ بے نظیر''۔ حسن کی مثنوی سحر البیان کو نثر میں لکھا ہے۔

۳۔ فسانۂ ایسوپ [*Fables of Esope*] کا اردو میں ترجمہ کیا جو کلکتہ سے ۱۸۰۳ء میں شائع ہوا ہے۔ اس کی تصنیف میں انھوں نے ڈاکٹر گلکرسٹ [Gilchrist] سے مدد لی ہے اس کتاب کا نام *Oriental Fabulist* ہے۔

۴۔ ''بہارِ دانش''۔ یہ کتاب محمد فیض اللہ کی مدد سے مکمل کی گئی ہے۔

ذیل میں'[آرائشِ محفل'' سے چند اقتباسات درج کیے جاتے ہیں، جس سے اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکے گا۔

نوٹ: ''آرائشِ محفل'' کے حسبِ ذیل ابواب کا ترجمہ گارساں دتاسی نے پیش کیا ہے۔

۱۔ ''یہ چند سطریں مملکتِ ہندوستان کی تعریف میں''

۲۔ ''چند سطریں موسم بہار و برسات کی تعریف میں''

۳۔ ''گجراتی بیل گاڑی وغیرہ کے بیان میں''

۴۔ ''ہندوستان کے باشندے''

افسوس۔منشی رونق علی:

''اودھ اخبار'' کے مدیر اور خواجہ عزیز الدین عزیز کے شاگرد تھے۔ وہ ہندوستانی اور فارسی زبان میں شاعری کرتے ہیں۔

افسردہ۔مرزا پناہ علی بیگ۔لکھنوی:

شاعر ہیں۔آپ کی ایک کتاب کا نام معجزہ ہے۔آپ نے کثرت سے مرثیے لکھے ہیں جو ہندوستان میں بہت مقبول ہیں۔کریم نے اپنے''طبقات الشعرائے ہندی''میں ان کے چار اشعار نقل کیے ہیں۔

افصح۔شاہ فصیح:

مرزا بیدل کے شاگرد تھے۔ وہ ایک بہت ہی صالح مسلمان اور درویش تھے۔لکھنؤ میں رہتے تھے اور سنہ ۱۱۹۲ھ/۱۷۷۸ء میں وہیں انتقال کیا۔انھوں نے ایک فارسی دیوان اور متعدد ہندوستانی غزلیں چھوڑی ہیں۔علی ابراہیم نے اپنے گلزار میں ان کے کلام کے چند نمونے پیش کیے ہیں جو ذیل میں درج ہیں:

کر یاد تجھے جدھر گئے ہم — ہم تو نہ رہے کدھر گئے ہم

زاہد سوئے کعبہ ہم سوئے دیر — ادھر نہ گئے اُدھر گئے ہم

جب ہوئے تجھ سے جدا جیتے ہیں کیا مرتے ہیں

زندگانی بھی کہاں موت کے دن بھرتے ہیں

کیا بلا شوخ کی قامت دیکھی — ہم نے جیتے ہی قیامت دیکھی

''گلزار ابراہیم بہ شمول گلشنِ ہند''، ص۳

افصح۔ آغا حیدر علی:

مرزا حسن علی بیگ لکھنوی کے بیٹے تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا تذکرہ باطن نے کیا ہے۔

افضل۔ منشی اسد اللہ حسن یار خان:

لکھنؤ میں بخشی عملۂ سلطانی کے منصب پر فائز تھے۔ وہ باقر علی خان کے بیٹے کرنل محمد یار خان کے پوتے اور خواجہ حیدر علی آتش کے شاگرد تھے۔ وہ ایک دیوان کے مصنف ہیں جس کا ذکر محسن نے اپنے تذکرے میں کیا ہے۔

افضل۔ کمال شاہ محمد۔ الٰہ آبادی:

ایک اردو دیوان کے مالک ہیں۔ وہ ایک گوپال نامی ہندو کے گہرے دوست تھے۔ انھوں نے اس کے متعلق ایک نظم لکھی ہے جس کا عنوان ''بکٹ کہانی'' ہے۔ اس کتاب کے دو قلمی نسخے ایسٹ انڈیا لائبریری میں ہیں۔ اس کا دوسرا نام بارہ ماسا ہے۔ اس نام کی متعدد دوسری ہندوستانی تصنیفات بھی ہیں۔ فرزادہ قلی کے کتب خانے میں اس نام کی ایک کتاب ہے لیکن مجھے اس کا موضوع معلوم نہیں۔

افضل مسلمان تھے لیکن انھوں نے دوہے اور گیت بھی ہندی زبان میں لکھے ہیں۔ افسوس نے اپنی آرائشِ محفل میں افضل کو ایک مشہور شاعر کی حیثیت سے متعارف کیا ہے۔ علی ابراہیم نے ''بکٹ کہانی'' کا ایک شعر بھی نقل کیا ہے۔

مسافر سے جنھوں نے دل لگایا انھوں نے سب جنم روئے گنوایا

''گلشنِ ہند''، ص ۴۸

افضل۔ محمد:

کمال ایک دوسرے محمد افضل کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ ولی سے بھی زیادہ قدیم شاعر ہیں اور اس لیے اس تخلص کے دوسرے شاعروں سے بالکل مختلف ہیں۔ وہ سولھویں صدی کے آخر اور سترھویں صدی کے شروع کے شاعر ہیں۔ کمال کے مطابق وہ جھنجانہ کے رہنے والے تھے۔ کمال کے بقول ان کا اندازِ بیان پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا تھا کیوں کہ جس دور میں ریختہ شاعری کا نشو و نما جاری تھا افضل اس دور میں دکنی زبان میں شعر و سخن کی مشق کرتے تھے۔

کمال قائم کے تذکرے سے افضل کا ایک شعر نقل کرتے ہیں۔ یہ اس شعر سے بالکل مختلف ہے جو محمد کمال شاہ افضل کے مضمون میں درج ہے۔

افضل۔ شاہ غلام اعظم۔ الہ آبادی:

وہ شاہ ابو المعالی کے صاحبزادے اور حضرت شاہ اجمل خان صوبیدار الہ آباد کے پوتے تھے۔ انھوں نے ناسخ سے فیضِ تلمّذ حاصل کیا۔ وہ تین دیوان اور ایک مثنوی کے مالک ہیں جو ہندوستان میں کافی مشہور ہیں۔ محسن نے ان کے چند اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

افضل علی۔ میر:

وہ سنہ ۱۸۴۰ میں ستارہ کے راجہ کے وکیل کی حیثیت سے لندن میں تھے۔ میں نے کریم خان کے سیاحت نامے پر ان کے متعلق کچھ تفصیل سے لکھا ہے۔ انھوں نے ''منتخباتِ اردو'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں مکالمے، محاورے اور ہندوستانی کہانیاں ہیں۔

اس کتاب کے مسودے کا ذکر ڈاکٹر فوربس [Forbes] کے *Catalogue of Oriental Manuscript* میں موجود ہے اس کا صفحہ ۱۸۲ اور نمبر ۲۵۶ ہے۔

افگار۔ میر جنون:

وہ ایک شاعر ہیں۔ ''مسرت افزا'' میں ان کا نام ''جیون'' بتایا گیا ہے۔ ''گلزارِ براہیم'' سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خراسان میں طوس تشریف لے گئے تھے جہاں امام رضا کے مزار پر مجاور کی حیثیت سے کچھ عرصے تک قیام کیا۔ مندرجہ ذیل اشعار سے ان کے خیالات کی ترجمانی ہوتی ہے۔

علی کا بیاہ ایسا جگمگا تھا   شب معراج جس کا رت جگا تھا

''گلشنِ ہند و گلزارِ ابراہیم''، ص ۳۵

افغان۔ امام علی خان لکھنوی:

قاسم انھیں الف خان کہتے ہیں۔ وہ ایک درویش صفت آدمی تھے اور حقیقت میں کافی طمینان کی زندگی بسر کرتے تھے۔ سرور نے اپنے تذکرے میں ان کا ذکر کیا ہے اور علی ابراہیم نے ان کے دو اشعار بھی نقل کیے ہیں۔ یہ اشعار ذیل میں درج ہیں:

پہلے قدم میں عشق کے میرا تو جی گیا
مجنوں یہ چند روز بھلا کیوں کر جی گیا

آئینہ خوبی کا اپنی سب مارے تھا لاف   ہوگیا خجلت سے پانی دیکھ کر رخسار صاف

''گلشن ہند و گلزار ابراہیم''، ص ۳۵

اکبر۔نواب محمد اکبر خان:

ایک ہندوستانی شاعر ہیں۔

اکبر۔محمد قاسم:

سید قلندر حسین کے ساتھ مدراس سے ایک اخبار 'اخبار قریش' کے نام سے نکالتے ہیں جو ۱۷ اکتوبر سنہ ۱۸۶۵ء میں نکلنا شروع ہوا۔ یہ مہینے میں تین بار شائع ہوتا تھا۔ اس کے دو کالم ہوتے تھے اور ہر کالم میں ۲۱ سطریں اور ۱۲ صفحے ہوتے تھے۔

اکبر علی۔مولوی:

''مرغوب القلوب'' کے مصنف ہیں۔ اس کتاب میں سوال و جواب کے انداز پر عقائدِ اسلام کے مطابق ۴۴ مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف ہندوستان کے وہابیوں یعنی سید احمد کی پیروی کرنے والوں کے خلاف تھے۔ یہ کتاب دکنی زبان میں لکھی گئی ہے اور سنہ ۱۸۴۸ء میں مدراس سے شائع ہوئی۔

اکبر۔مکرم الدولہ سید اکبر علی خان مستقیم جنگ:

نواب اقتدار الدولہ کے بیٹے تھے جو فتح علی خان کے نام سے زیادہ مشہور ہیں اور تاج محل بیگم والدہ جہاں دار شاہ کے بھائی ہیں۔ انھیں شاعری اور موسیقی سے بڑا لگاؤ تھا۔ وہ اپنے والد کے ساتھ لکھنؤ سے حیدر آباد گئے۔ انھوں نے تذکرہ نگار کمال سے جن کو وہ بے حد پسند کرتے تھے اپنی ملازمت میں آنے کو کہا۔ کمال ان سے اکثر ملتے رہتے تھے۔ کمال نے اس وقت تک تقریباً چالیس ہندوستانی دیوان جمع کر لیے تھے۔ اکبر نے ان کو دلچسپی سے پڑھا اور کمال کی صحبت سے شاعری کا اچھا مذاق پیدا کر لیا۔ عہد جوانی میں ان کا انتقال ہوگیا۔ کمال ان کی مہربانیوں کو یاد کر کے بہت افسوس کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنے تذکرے میں ایک مرثیہ اور تاریخِ وفات لکھی اور اس نوجوان شاعر کے اشعار دس صفحوں سے زیادہ میں دیے ہیں جس میں وہ مثنوی بھی شامل ہے جو اکبر نے اپنے مرنے سے ایک دو دن پہلے لکھی تھی۔

اکبر۔منشی مرزا محمد علی۔الہ آبادی:

ٹھگوں کی خاص زبان میں ایک لغت ''مصطلحات ٹھگی'' کے نام سے لکھی ہے جو کلکتہ سے سنہ ۱۸۳۹ء میں چھوٹی تقطیع کے ۱۹۷ صفحات پر شائع ہوئی۔

اکبر۔نواب محمد اکبر خان بہادر۔دہلوی

نواب مصطفیٰ خان شیفتہ مصنف ''گلشنِ بے خار'' کے چھوٹے بھائی اور مومن کے شاگرد تھے۔ اور اس

وقت زندہ تھے جب ان کے بھائی اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے۔ شیفتہ نے ان کی بڑی تعریف کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اکبر نے بچپن ہی سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ ان کے بہت سے اشعار بھی نقل کیے ہیں۔ محسن نے ان کے دیوان کا ذکر کیا ہے اور ان کی ایک غزل بھی نقل کی ہے۔

اکبر۔ حاجی شاہ:

بجو بیگ کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو دہلی میں رہتے تھے۔ مصحفی کے بقول وہ ایک جوان اور دوست دار آدمی تھے۔ وہ مغل بادشاہ کے دربان تھے۔ کمال نے سلیمان شکوہ کے یہاں ان سے ملاقات کی۔ جب مصحفی نے شاہ جہاں آباد میں ایک ادبی مجلس قائم کی تو یہ پہلے شخص تھے جو اپنے اشعار دکھانے لائے۔ اس کے بعد ان کا تعلق شاہ حاتم سے ہوگیا جو محفلِ مشاعرہ منعقد کرتے تھے۔ اس مشہور صوفی مصنف کی صحبت میں انھوں نے بڑا روحانی اور ادبی فیض پایا۔ انھوں نے ایک دیوان مرتب کیا جو قدما کے طرز میں تھا۔ جس میں پیچیدہ تشبیہیں اور استعارے تھے۔ مجھے یہ اطلاعات مصحفی سے ملی ہیں جو اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ وہ ان چیزوں کو پسند نہیں کرتے۔ اس بنا پر وہ ان کے صرف تین شعر نقل کرتے ہیں۔ یہ شعر ایک غزل کے ہیں۔ بنی نرائن نے بھی ''دیوان جہاں'' میں نقل کیا ہے۔

اکبری۔ دیوان امرناتھ:

ایک رئیس تھے جو ہندوستانی اور فارسی میں شعر کہتے تھے۔ ان کا کلام سنہ ۱۸۶۶ء میں کوہِ نور پریس لاہور سے شائع ہوا۔

اکرام علی۔ مولوی:

وہ تراب علی کے بھائی تھے۔ فورٹ ولیم کالج کے سکریٹری Mr. Abraham Locket اور تراب علی نے اکرام کو کلکتہ آنے پر آمادہ کیا۔ سنہ ۱۸۱۶ء میں اکرام Mr. Abraham Locket کی کوشش سے، جو ایک ممتاز مستشرق اور کئی کتابوں کے مصنف تھے، فورٹ ولیم کالج میں لائبریرین مقرر ہوئے۔ Mr. John William Taylor جو اس کالج میں ہندوستانی زبان کے پروفیسر تھے، اکرام میں دلچسپی لینے لگے اور انھوں نے اکرام کو مشورہ دیا کہ وہ ''اخوان الصفا'' کا عربی سے اردو میں ترجمہ کریں۔ انھوں نے یہ بھی مشورہ دیا کہ وہ سادہ اور سلیس زبان استعمال کریں اور ان الفاظ سے اجتناب کریں جس سے اندازِ بیان کے مشکل ہونے کا احتمال ہو۔ اکرام علی نے Taylor کے مشورے کے مطابق اس کا ترجمہ کیا اور اس کتاب کا نام ''ترجمۂ اخوان الصفا'' رکھا۔ رسالہ: Public Disertations of the Students of the

College of Fort William میں کسی نے غلطی سے ''اخوان الصفا'' کے مترجم کا نام تراب علی بتایا ہے۔اس کتاب کو عربی میں ''تحفۃ الاخوان الصفا'' کہتے ہیں۔''اخوان الصفا''، ''رسائل اخوان الصفا'' کا۔ جو ایک مکمل کتاب ہے، صرف پہلا باب ہے۔حاجی خلیفہ کے مطابق اس کتاب کا مصنف قرطبہ کا مجرطی ہے۔

اس ترجمے کے متعدد ایڈیشن ہیں۔ ایک ایڈیشن ہگلی سے سنہ ۱۸۴۶ء میں شائع ہوا ہے۔ دوسرا سنہ ۱۸۵۱ء میں دہلی سے، تیسرا سنہ ۱۸۶۶ء میں لاہور سے اور ایک نسخہ ۱۸۶۱ء میں لندن سے Rieu and Forbes کی سرپرستی میں شائع ہوا.Mr. Lees نے ایک اور ایڈیشن کلکتہ سے سنہ ۱۸۶۲ء میں شائع کیا۔

اس کتاب میں انسان اور جانور کے درمیان ایک مکالمہ ہے اور اس مکالمے میں دونوں اپنی خصوصیات اور برتری کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اکرام علی اپنے ہندوستانی ترجمے کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ ذی فہم حضرات اس کتاب کی کہانی سے متاثر نہیں ہوں گے لیکن وہ اس کتاب کو اس غرض سے پڑھیں گے تاکہ اس کے موضوع کی روحانیت اور مذہب کے متعلق جو اشارات کیے گئے ہیں، ان سے استفادہ کرسکیں۔

اس کتاب کو دس مختلف عرب مصنّفین نے لکھا ہے جس میں ابو مسلمان ابوالحسن ابو احمد وغیرہ کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اس کتاب کے مصنّفین بصرہ میں رہتے تھے اور اپنا وقت مذہبی اور سائنٹفک معلومات کے حاصل کرنے میں صرف کرتے تھے۔انھوں نے ۵۱ مختلف رسالے تصنیف کیے ہیں جن میں سے بیشتر کا موضوع علم سائنس ہے۔اخوان الصفا ان میں سے ایک رسالہ ہے۔ ان کا مقصد جانوروں پر انسان کی برتری وفوقیت کو ثابت کرنا تھا۔ان کے مطابق انسان جانوروں پر اس لیے فائق وفائز ہے کہ اسے روحانی باتوں کا علم ہے۔اس کتاب میں یہ تمام برحق باتیں جانوروں کی زبان سے ادا کی گئی ہیں تاکہ وہ لوگ جو مذہب سے غافل ہیں ان پر اس کا عمدہ اثر پڑ سکے۔

ہندوستانی ترجمہ سنہ ۱۲۲۵ [سنہ ۱۸۱۰ء] میں مکمل ہوا اور اس کے ایک سال بعد کلکتہ سے شائع کیا گیا۔ ''اخوان الصفا'' کا عربی نسخہ لارڈ Minto کے عہد میں ایک سال بعد کلکتہ سے شائع ہوا۔ اردو ترجمہ اپنے اندازِ بیان کی شگفتگی اور سلاست کی وجہ سے بہت ہی کامیاب ثابت ہوا ہے حالاں کہ اس ترجمے میں کثرت سے عربی اور فارسی الفاظ کو استعمال کرنے کی ضرورت بھی پڑی ہے۔James Michael نے اس ترجمے سے چند اقتباسات شائع کیے ہیں۔ اور ان کا خیال ہے کہ اخوان الصفا ہندوستانی کتابوں میں سب سے بہتر کتاب ہے۔حکومتِ ہند نے اس کتاب کو اردو امتحانات کے نصاب میں داخل کرلیا ہے۔

Asiatic Journal جلد ۲۸ میں اخوان الصفا کا ایک ترجمہ شائع ہوا ہے۔ T. P. Manuel نے ''اخوان الصفا'' کا ایک دوسرا ترجمہ کلکتہ سے سنہ ۱۸۶۰ء میں شائع کیا ہے۔ اس کے ساتھ مشکل الفاظ کی ایک فہرست بھی شامل ہے۔ دیگر ترجمے بھی لندن سے سنہ ۱۸۶۹ء میں شائع ہوئے ہیں۔ ایک کے مترجم J. Dawson اور دوسرے کے J. P. Platts ہیں۔ میں نے خود اس کتاب کا ترجمہ سنہ ۱۸۶۴ء میں کیا ہے جو Revue De L'Orient میں شائع ہوا ہے۔ عربی زبان سے جرمن زبان میں ایک براہ راست ترجمہ بھی ہے جو برلن سے سنہ ۱۸۵۸ء میں شائع ہوا ہے۔

اکرام۔ حکیم اکرام اللہ خان دہلوی:

وہ حکیم ہدایت اللہ خان کے بیٹے تھے محسن نے ان کا ذکر کیا ہے اور چند اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

اکرم۔ خواجہ محمد دہلوی:

ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو منظوم تاریخ گوئی میں شہرت رکھتے ہیں۔ یہ تفصیل علی ابراہیم سے معلوم ہوئی ہے اور انھوں نے ان کا یہ شعر بھی نقل کیا ہے۔

اک بار مرے دیر میں زاہد اگر آوے
میں جانوں جو مسجد کی طرف پھر نظر آوے

''گلزارِ ابراہیم وگلشنِ ہند''، ص ۳۶

آ گاہ۔ میر حسن علی:

وہ طبیب اور شاعر تھے اور دہلی کے سلطان کے پاس ملازم تھے۔ کریم کے مطابق وہ ۱۲۲۱ھ/ ۱۸۰۶-۷ء میں بھی اسی کام پر مامور تھے۔ شیفتہ کے مطابق وہ ضیا کے شاگرد تھے۔ یہ شاعر غالباً آ گاہ نور خان ہیں جن کا تذکرہ اس کتاب میں ہے۔ اسپرنگر نے جو فہرست مرتب کی ہے اس میں بھی یہی خلط ملط معلوم ہوتا ہے لیکن ان کے مطابق آ گاہ نور خان شاہ واقف کے شاگرد تھے اور آ گاہ میر حسن علی ضیا کے شاگرد تھے۔

آ گاہ۔ نور خان:

وہ ایک قصہ گو ہیں اور اس فن میں مشہور میر احمد کے شاگرد ہیں۔ وہ ایک ہندی شاعر بھی ہیں اور فنِ شعر و سخن میں میر ضیا الدین ضیا سے شرفِ تلمذ رکھتے ہیں۔ ''گلزارِ ابراہیم'' کی تصنیف کے دوران میں سنہ ۱۷۸۰-۴ میں وہ ابھی جوان تھے۔

آ گاہ۔ محمد صلاح۔ دہلوی:

وہ مغل بادشاہ محمد شاہ کے دورِ حکومت کے شاعر ہیں۔ جب سرور اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو انھیں دنوں میں ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ انھوں نے متعدد دلکش غزلیں کہی ہیں جو اپنے حسنِ بیان اور معنی کے لحاظ سے بہت ہی خوب ہیں۔ یہاں ان کا ایک شعر درج ہے جس کو فتح اللہ حسینی نے نقل کیا ہے:

پیری میں کرو سیر جہاں کی تو مزا ہے
دن ڈھلنے میں ہوتا ہے تماشا گذری کا

''تذکرہ ریختہ گویاں'' از فتح علی حسینی، ص ۱۶

الفت۔ رائے منگل سین:

یہ ایک ہندو اور قوم کے کائستھ ہیں اور پٹنہ میں رہتے تھے۔ اس کے بعد وہ دہلی چلے آئے اور ملازمت اختیار کر لی اور یہاں آ کر ریختہ میں جرأت کے شاگرد ہوئے۔ شیفتہ اور سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

الفت:

مظفر نگر دہلی کے رہنے والے اور ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر شیفتہ نے کیا ہے اور ایک شعر نقل کیا ہے:

ہمیشہ کہتے تھے الفت کو لوگ دشت نصیب
لو آج کوچے میں تیرے ہوئی بہشت نصیب

الفت۔ محمد:

محمد الفت حیدر آباد دکن کے مضافات کے رہنے والے تھے۔ ایک ''قطعہ مبارک باد'' کے مصنف ہیں جو عیدِ قرباں کے موقع پر لکھا گیا ہے۔ یہ مسلمانوں کا ایک تہوار ہے جو اسرائیلیوں کی تقریب whitsuntide سے مشابہ ہے۔

اسپرنگر کا خیال ہے کہ یہ وہی شاعر ہیں جن کا نام محمد عثمان الفت ہے اور جن کا ذکر کرناٹک کے فارسی شعرا کے تذکرے ''صبحِ وطن'' میں کیا گیا ہے۔

الفت۔ شاہ الفت حسین موسوی:

J. F. Corcoran کے منشی تھے جن کی مدد سے انھوں نے ''جوہر اخلاق'' کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ F. Corcoran نے دہلی اور لکھنؤ میں بولی جانے والی اردو میں اسیپ کی کہانیوں سے کیا ہے۔ یہ کتاب کلکتہ سے ۱۸۴۸ء میں ۶۶ صفحوں پر خط نستعلیق میں شائع ہوئی۔

الم۔محمد علی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر شیفتہ نے کیا ہے۔ذوق کے شاگرد تھے۔

الم۔آغا مہدی۔لکھنوی:

آغا مرزا کے بیٹے اورنواب عاشور علی خان بہادر کے شاگرد تھے۔ایک دیوان کے مالک ہیں جس کے چند اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

الہا:

یہ ایک ہندوستانی شاعر اور ایک فوجی تھے۔ وہ ایک خاص طرزِ تحریر کے لیے مشہور ہیں جس کا ذکر دیباچے میں کیا جاچکا ہے۔

الہام۔فضائل بیگ:

عبدالولی عزلت کے شاگرد اور محمد شاہ کے بیٹے ہیں۔احمد شاہ کے عہدِ حکومت میں بقیدِ حیات تھے۔فتح علی حسینی نے اپنے تذکرے میں ان کے دو اشعار نقل کیے ہیں۔ یہ دو اشعار نوجوان موسیقار کلونت کی تنقید میں کہے گئے ہیں۔

اللہ صاحب۔میاں یا میر:

خواجہ میر کے بیٹے اور ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر قاسم نے کیا ہے۔

الٰہی بخش۔مولوی:

کرشن گڑھ کے راجہ کے جمعدار تھے۔انھوں نے ایک کتاب ''خیال'' کے نام سے لکھی ہے جس میں ہندوستان کے انگریزوں کی مخالفت کی ہے۔الٰہی بخش انگریزوں کی اس لیے مذمت کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے ایک عورت کو اپنا فرماں روا مقرر کرلیا ہے ۔ دراصل ہندوستانی ایسٹ انڈیا کمپنی کو ایک بوڑھی ملکہ تصور کرتے ہیں۔

الٰہی بخش نے ایک دوسری کتاب ''بکٹ کہانی'' لکھی ہے جو ایک عشقیہ افسانہ ہے۔یہ کتاب دہلی سے سنہ ۱۸۶۸ء میں ۱۶ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔

الٰہی بخش انصاری:

ساگر کالج میں وہ انگریزی زبان کے پروفیسر ہیں۔انھوں نے اردو میں ایک جغرافیہ لکھا ہے جس کا نام ''جغرافیہ ساگر'' ہے۔اس کتاب میں جغرافیائی مضامین کو سوال و جواب کے ذریعے سمجھایا گیا ہے۔ یہ

۵۴ صفحات کی کتاب ساگر سے سنہ ۱۸۵۹ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کا ایک ہندی ایڈیشن بھی ہے۔

امام:

ذکا نے اس شاعر کا تذکرہ کیا ہے۔ انھوں نے ۱۶ صفحات کی ایک مثنوی لکھی ہے جس کا نام ''گلشنِ عشق'' ہے یہ کانپور میں سنہ ۱۲۶۷ھ [۱۸۵۱ء] میں چھپی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ وہی امام الدین ہوں جنھوں نے ''مفتاح الصلوٰۃ'' لکھی ہے۔

امام علی:

انھوں نے اردو میں ''جواہر القرآن'' نامی کتاب لکھی ہے۔

امام بخش۔ کشمیری:

انھوں نے بقول مصحفی جہاں دار کے مسودے کی مدد سے اردو شاعروں کے متعلق ایک تذکرہ تصنیف کیا ہے۔

امام بخش صاحب خان:

انھوں نے عوامی گیت لکھے ہیں۔

امام الدین۔ نواب:

کشمیر کے صوبیدار تھے۔ انھوں نے کابل پر حملے کے وقت بہت نمایاں حصہ لیا تھا۔ پنجاب میں بھی انھوں نے فوجی کارروائیوں میں شرکت کی ہے۔ سنہ ۱۸۵۲ء میں انھوں نے Sir H. Edwards کی ایک کتاب *Year in the Punjub* ''پنجاب میں ایک سال'' کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ کتاب *Lahore Chronicle* کے مطابق سنہ ۱۸۵۳ء میں شائع ہونے والی تھی۔

امام الدین۔ مولوی:

اردو میں ''مختصر جغرافیہ'' کے مصنف ہیں۔ یہ کتاب امرتسر سے سنہ ۱۸۶۷ء میں شائع ہوئی ہے۔

امام الدین۔ [حکیم]:

انھوں نے دو کتابیں لکھی ہیں۔

۱۔ ''میزان المزاج''۔ یہ حفظانِ صحت سے متعلق ہے اور مارچ سنہ ۱۸۶۶ء میں لاہور کے ''کوہ نور'' اخبار میں اس کا اشتہار شائع ہوا ہے۔

۲۔ ''آئینہ طبابت''، یہ آگرہ کا ایک ماہنامہ طبی رسالہ ہے۔

امام الدین علی ۔سید ۔دہلوی:

انھوں نے برہانپور کے فتح محمد کی فارسی کتاب '' مفتاح الصلوٰۃ '' کا اردو میں ترجمہ کیا ہے جس کو'' ترجمۂ مفتاح الصلواۃ '' کہتے ہیں۔ یہ مذہبیات کی ایک مشہور کتاب ہے جس میں حج ونماز، طہارت وغیرہ کے متعلق مکمل ہدایتیں ہیں۔

اس کتاب کا اصل ماخذ عربی زبان میں ہے اور اس کے مصنف شیخ احمد بن سلمان ہیں۔ فورٹ ولیم کالج کے کتب خانے کی فہرست کے مطابق یہ کتاب دکنی اردو میں لکھی گئی ہے۔ اس کتب خانے میں اس کتاب کا ایک نسخہ بھی موجود ہے۔

ایمان ۔شیر محمد خان صاحب:

وہ ہندوستانی شاعر ہیں اور حیدرآباد میں رہتے تھے۔ آپ کو نظام سے کافی قربت حاصل تھی۔ وہ علم تاریخ اور فن شاعری سے بخوبی واقف تھے۔ وہ ایک اچھے مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اعلیٰ دماغ اور خوبی کے مالک تھے۔ کمال کے مطابق وہ دکن کے ایک ممتاز شاعر تھے۔ بنی نراین نے ان کی پانچ غزلیں اور ایک مخمس نقل کیا ہے۔ یہ مخمس قائم کی ایک غزل سے متاثر ہو کر لکھا گیا ہے۔

ایمان کی ایک غزل ذیل میں درج ہے:

گر اٹکی ہو تری زلفِ گرہ گیر میں جاں   آ جاتی رہے یک نالۂ شب گیر میں جاں

آبِ حیواں سے بجھا ہے مگر اس کا پیکاں   تازہ پڑتی ہے ترے تیرِ نخچیر میں جاں

آوے جس دم کہ تو اعجازِ مسیحائی پر   بات کہتے ہیں پڑی قالبِ تصویر میں جاں

''دکن میں اُردو''، ص ۳۵۵

امامی ۔خواجہ امام بخش:

امامی اصل نام ہے۔ علی ابراہیم نے غلطی سے امان لکھا ہے۔ میں نے اس نام کی تصدیق ''مسرت افزا'' سے کی ہے۔ دہلی میں پیدا ہوئے اور مرشد آباد میں رہتے تھے۔ وہ خواجہ عاصی کے بیٹے ہیں۔ آپ اردو کے شاعر تھے اور شروع میں نواب سراج الدولہ کے والد ہیبت جنگ کے یہاں ملازم تھے۔ کچھ عرصے بعد آپ نے ملازمت چھوڑ دی اور دہلی میں عسرت اور گمنامی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ وہ شاہ عالم کی تخت نشینی کے ۲۴ ویں سال ۱۷۸۵ء میں دہلی میں مقیم تھے۔ جب عشقی اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو امامی دہلی ہی میں تھے۔

ان تمام تفصیلات کا علم مجھے علی ابراہیم کے تذکرے سے ہوا ہے۔ ابراہیم نے امامی کا صرف ایک شعر نقل کیا ہے۔ محسن کے مطابق امامی نے زیادہ تر مرثیے لکھے ہیں۔ ان کے انتقال کا سبب ایک تقریر تھی جو انھوں نے ایک مجمع میں کی تھی اور جس کی تکان سے وہ بے دم ہو گئے۔

امان۔ خواجہ بدرالدین خان۔ دہلوی:

۷۔ اور ۲۸ نومبر سنہ ۱۸۶۵ء کے ''اودھ اخبار'' کے مطابق وہ ''حدائق الانظار یا ریاض الابصار'' کے مصنف ہیں لیکن ۲ جنوری سنہ ۱۸۶۶ء کے ''کوہ نور اخبار'' لاہور میں بیان کیا گیا ہے کہ امان کی تصنیف کا نام حدائق النظائر ہے۔ دہلی، ۱۸۶۷ء، چھوٹی تقطیع، ۲۶۸ صفحات۔

محمد شاہ سلطان دہلی کے دور میں میر تقی خیال احمد آبادی نے ''نظائرِ افسانہ'' کے نام کی ایک کتاب لکھی ہے۔ یہ کتاب ۱۵ جلدوں میں ہے۔ یہ ایک قسم کی منظوم انسائیکلو پیڈیا ہے جس میں فلسفہ، علم نجوم اور تواریخ وغیرہ کے مضامین ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کتاب کا نام ''بوستان خیال'' بھی ہے۔ اس کتاب کی دو جلدوں کا نام ''طلسمِ اجرام واجسام'' ہے۔

خواجہ بدرالدین خان جو خواجہ امان خان کے نام سے بھی مشہور ہیں نواب مرزا اسد خان غالب کے بھتیجے تھے۔ انھوں نے ''طلسمِ اجرام و اجسام'' کا ترجمہ دہلی کی خاص ٹکسالی زبان میں کیا ہے اور اسے دہلی سے ۲۲۱۸ صفحات میں شائع کیا ہے۔ اس کے ہر صفحے میں ۲۹ سطریں ہیں۔ اس کی طباعت کا اشتہار ۲؍جنوری سنہ ۱۸۶۶ کے ''کوہ نور اخبار'' میں دیا گیا ہے۔ اس اخبار کے مطابق اس وقت تک صرف دو جلدیں شائع ہوئی تھیں اور تیسری جلد کی تصنیف میں مصنف ان دنوں مصروف تھے۔

امان علی۔ منشی۔ لکھنوی:

وہ بمبئی کے اردو اخبار ''کشف الاخبار'' کے مدیر ہیں۔ یہ ایک ہفتہ وار اخبار ہے جو سنہ ۱۸۶۸ء سے ہر چہار شنبہ کو شائع ہوتا ہے اور ۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

امانت۔ سید آغا حسن موسوی۔ دہلوی:

وہ میر آغا رضوی کے بیٹے اور میاں دل گیر کے ایک ممتاز شاگرد ہیں۔ وہ لکھنؤ میں رہتے تھے اور مرثیہ گو شاعر تھے۔ اپنے یہاں مشاعرہ بھی منعقد کرتے تھے۔

انھوں نے حسبِ ذیل تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔

۱۔ ایک اردو دیوان جس سے شیفتہ، سرور اور محسن نے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔

۲۔ ایک واسوخت جس میں ۳۰۷ اشعار ہیں۔ یہ ایک قسم کا عاشقانہ کلام ہے جو ۱۸۴۶ء میں لکھنؤ سے اور ۱۸۴۰ء میں بنارس سے شائع ہوا ہے۔

۳۔ وہ مرثیہ گوئی کے لیے بہت مشہور رہیں۔ ان کا ایک مرثیہ اول رزمیہ میرے پاس ہے جو کرنل Nassau Lees نے مجھے دیا تھا۔ معلوم نہیں کہ یہ وہی مرثیہ ہے جو لکھنؤ میں ''مرثیۂ امانت'' کے نام سے چھپا ہے۔

۴۔ ''اندر سبھا''۔ یہ ہندی ناٹک ۱۸۶۸ء میں آگرہ سے چھوٹی تقطیع کے ۴۰ صفحات پر شائع ہوئی اور ۱۲/اپریل سنہ ۱۸۶۵ء کے اخبار ''صبحِ صادق'' مدراس میں اس کا اشتہار دیا گیا تھا۔

یہ کتاب ۱۸۶۷ء میں دہلی سے ''چوہے نامہ'' کے ساتھ دوبارہ شائع ہوئی ہے۔ اس ایڈیشن میں ۲۸ صفحات ہیں۔

امانت رائے:

وہ دہلی کے محلے دریبہ میں رہتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسرے امانت [سید آغا حسن موسوی] سے مختلف ہیں۔

امانی۔ خواجہ امام بخش:

وہ عظیم آباد کے رہنے والے تھے۔ نواب سراج الدولہ پسر ہیبت جنگ کے دورِ حکومت میں زندہ تھے اور سنہ ۱۷۸۵ء میں شاہ عالم ثانی کے ۲۴ویں جلوس تک بھی زندہ تھے اور پٹنہ میں رہتے تھے۔ یہ سب تفصیلات مجھے علی ابراہیم سے ملی ہیں لیکن علی ابراہیم امانی کا صرف ایک شعر نقل کرتے ہیں۔

امانی۔ میر۔

وہ خواجہ برہان الدین عاصمی کے بیٹے ہیں اور دہلی میں پیدا ہوئے بعد میں ۱۱۸۱ھ/۸۔۱۷۶۷ء میں مرشد آباد میں رہنے لگے جہاں تعزیہ داری بڑی دھوم دھام سے ہوتی تھی۔ وہ صرف حضرت امام حسین کے متعلق مرثیہ ہی نہیں کہتے تھے بلکہ مینار پر کھڑے ہوکر مرثیہ خوانی بھی کرتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ محرم کی ایک شب میں بے ہوش ہوگئے اور اس عالم میں ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ ۱۱۸۷ھ/۴۔۱۷۷۳ء میں علی ابراہیم نے تین صفحوں میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔ میری نظر سے کسی کتاب میں ان کا ایک قصیدہ گزرا ہے جو نواب آصف الدولہ کی شان میں لکھا گیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ قصیدہ سادہ اور دلکش زبان میں ہے۔

امانی۔ شیخ۔ دہلوی:

شیفتہ کے مطابق ایک اور ہندوستانی شاعر ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس سے مختلف ہیں۔

امجد۔ میر حسین علی خان:

وہ دکن کے ایک ہندوستانی شاعر ہیں شیفتہ نے اپنے تذکرے میں ان کا ذکر کیا ہے۔

امجد علی خان۔ نواب:

وہ فتح گڑھ کے رہنے والے اور ''افسانۂ رنگین'' کے مصنف ہیں جو مختلف موضوعات پر مشتمل ہے۔ یہ اردو کتاب آگرہ سے سنہ ۱۸۵۰ء میں شائع ہوئی ہے۔

امجد۔ مولوی محمد۔ دہلوی:

وہ مولوی ارشد کے بیٹے اور مولوی عبدالرحمٰن کے والد تھے۔ انھوں نے عبدالرسول سہارنپوری سے تعلیم پائی۔ وہ نظام الدین ممجز کے شاگرد اور مولوی فقیر الدین کے مرید تھے اور امجد خود بھی کئی شاگرد رکھتے تھے۔ انھوں نے ہندوستانی فارسی اور عربی میں کئی رسالے لکھے ہیں۔ ہمیں یہ تفصیل کریم الدین سے ملی ہے۔ جن کے بیان کے مطابق وہ سنہ ۱۷۹۳ء میں زندہ نہیں تھے لیکن علی ابراہیم کا خیال ہے کہ اس سنہ میں ان کی عمر ۷۰ سال کی تھی۔ مصحفی ان کے بڑے مداح ہیں اور ان کا بیان ہے کہ امجد میں شاعرانہ قوت ان کی دوسری قوتوں کے مقابلے میں کم تھی۔

یہاں پر ایک غزل درج کی جاتی ہے جس کا حوالہ بنی نرائن نے دیا ہے:

جاں بہ لب تشنہ جگر یاں سے چلا جاتا ہوں — لے خبر جلدی سے ساقی کہ مرا جاتا ہوں

مت ہم آغوشی کو آنا میری۔ اے سیل سرشک — اپنی ہی موج میں میں آپ بہا جاتا ہوں

حشر میں بھی نہ اُٹھوں گا میں ٹک اک آنکھ لگے — اپنی بیداری سے یاں تک تو خفا جاتا ہوں

ایک عالم نے تیری تیغ سے پائی ہے نجات — سب گنہگاروں میں اک میں ہی رہا جاتا ہوں

جو کہا تو نے کہ آ بیٹھ تو میں بیٹھ گیا — جو کہا تو نے کہ 'جا' یاں سے 'کہا' جاتا ہوں

جس گھڑی آپ کو دیکھوں ہوں میں چوں قطرہ اشک — اپنی نظروں سے بھی امجد میں گرا جاتا ہوں

''تذکرۂ ہندی''، از مصحفی، ص ۱۵۔۱۶، مطبع انجمن

امداد علی۔ سید:

وہ بنارس میں تحصیل دار تھے۔ آپ مظفر پور میں بہار سائنٹیفک سوسائٹی کے معتمد بھی تھے۔ آپ کی

تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ ''ہدایت نامۂ پٹواریاں'' *Explanatory of the nature, forms and mode of preparing the several Patwarees' papers kept and filed in the Collector's Office by Patwarees.*

یہ ۸۰ صفحات کی کتاب ہے جو منشی چرونجی لال کی مدد سے لکھی گئی ہے۔

۲۔ *"Extracts from the settlement Administration papers of villages in Parganah Kosi, Zilla Muttra, in 13 separate pamphlets."*

۳۔ ''جہادِ اکبر''۔ یہ ایک نظم ہے جو ۱۲۶۸ھ بمطابق سنہ ۲۔۱۸۵۱ء میں دہلی میں لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب ۲۷ صفحات کی ہے۔

۴۔ ''خزینۃ الامتحان مال''۔ یہ آگرہ سے سنہ ۱۸۵۸ء میں چھپی ہے۔ اس میں ۶۵۱ صفحات ہیں۔

۵۔ ''دستور العمل''۔ ۲۳۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

۶۔ ''امداد المساحت''۔ ۳۲ صفحات کی کتاب ہے جو کانپور سے سنہ ۱۸۶۸ء میں شائع ہوئی ہے۔

۷۔ ''بحر المصائب''۔ اس کتاب میں حضرت حسین کے مصائب کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ ۶۰۰ ء کی کتاب ہے اور لدھیانہ سے شائع ہوئی ہے۔

۸۔ نور الہدیٰ: یہ کتاب شیعہ اور سنّی فرقوں کے مذہبی اختلافات پر لکھی گئی ہے۔ کانپور سے سنہ ۱۸۶۶ء میں چھپی ہے اس میں ۴۴ صفحات ہیں۔

۹۔ یہ ایک مثنوی ہے جو میرٹھ سے سنہ ۱۸۶۴ء میں شائع ہوئی ہے۔

۱۰۔ چند رسالے

۱۱۔ چونکہ وہ بہار سائنٹیفک سوسائٹی کے معتمد بھی تھے اس لیے میرا خیال ہے کہ ''اخبار الاخبار'' کی ادارت بھی ان کے سپرد تھی۔

امراؤ سنگھ۔ راؤ:

وہ ''راگ مالا'' کے مصنف ہیں جو میرٹھ سے سنہ ۱۸۶۴ء میں شائع ہوئی ہے۔

امن۔ میر دہلوی:

ڈاکٹر گلکرسٹ نے اپنی کتاب *Hindi Manual* میں لکھا ہے کہ امن کا تخلص لطف بھی تھا جسے وہ اپنی

فارسی شاعری میں استعمال کرتے تھے۔ کریم ان کا امان کہتے ہیں اور ان کے خیال میں امن ان کا تخلص تھا۔ وہ ایک اچھے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کو شاعری سے فطری لگاؤ تھا اس لیے وہ شعروشاعری میں کسی کے شاگرد نہ تھے جیسا کہ ''گنجِ خوبی'' کے دیباچے سے ظاہر ہے۔

میر امن کا بیان ہے کہ وہ اردو روز مرّہ سے بخوبی واقف ہیں کیوں کہ وہ دہلی کے ایک نہایت ممتاز خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے آباؤ اجداد نے بھی اس ماحول میں زندگی بسر کی۔ ان کا خاندان ہمایوں کے عہد سے مغلیہ حکومت کی خدمت کرتا چلا آرہا تھا۔ اور اعلیٰ خدمات و وفاداری کے صلے میں انھیں جاگیر و منصب عطا ہوئی تھی۔ دہلی کی تباہی کے زمانے میں سورج مل جاٹ نے امن کی جاگیر ضبط کرلی اور احمد شاہ درانی بادشاہ نے ان کا سارا مال و سامان لوٹ لیا۔ امن نے دہلی کو چھوڑ دیا اور کچھ دنوں کے لیے ایک دوسرے شہر کو چلے گئے۔ لیکن وہ وہاں خوش نہ تھے اس لیے بچوں کو چھوڑ کر ایک اچھی ملازمت کی خاطر کلکتہ چلے گئے۔ وہ کچھ دنوں بیکار رہے اور پھر ایک نوجوان مسلح کے معلم ہوگئے۔ منشی جینی نے جان گلکرسٹ سے ان کا تعارف کرایا۔ اس وقت سے ان کی معاشی حالت بہتر ہوگئی اور وہ دس افراد پر مشتمل خاندان کی پرورش کرتے تھے۔ یہ سنہ ۱۸۰۱ء کا واقعہ ہے کہ انھوں نے دلچسپ فارسی ''قصہ چہار درویش'' کا اردو میں ترجمہ کیا اور اس کا نام ''باغ و بہار'' رکھا۔ یہ کتاب کلکتہ کے علاوہ مدراس سنہ ۲۴۔۱۸۲۲ کانپور ۴۲۔۱۸۳۳ء سے اور دہلی۔ میرٹھ سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کا ایک ایڈیشن رومن رسم الخط میں ایشیاٹک جرنل جلد میں بھی شائع ہوا۔ اس کتاب کا شمار اردو کی ان چند عمدہ کتابوں میں ہے جو اردو میں منتقل کی گئی ہیں۔ اس کا ایک اچھا ترجمہ انگریزی میں ہوا The Tale of the Four Durwesh, translated from the Oordoo tongue. :کلکتہ ۱۸۱۳ء۔ اسے Ferdinand Smith نے دلچسپ حاشیائی نوٹ دے کر شائع کیا لیکن یہ کتاب، دوسری ان کتابوں کی طرح جو ہندوستان میں شائع ہوئی ہیں، نایاب ہے۔

یہ ''قصہ چہار درویش'' فارسی کے مشہور شاعر امیر خسرو دہلوی نے لکھا تھا۔ امیر خسرو کی اکثر تصانیف فارسی میں ہیں لیکن اردو شعرا میں بھی ان کا شمار کیا جاتا ہے اس لیے کہ انھوں نے اس وقت اردو زبان میں شعر گوئی شروع کی جب اسے بہت کم لوگ استعمال کرتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ امیر خسرو نے یہ قصہ اپنے پیر نظام الدین اولیا کی علالت کے زمانے میں ان کا دل بہلانے کے لیے لکھا تھا اور نظام الدین اولیا اس زمانے کے زبردست بزرگ ہیں جو پاک دل اور تارک الدنیا ہونے کی وجہ سے غیر معمولی شہرت رکھتے تھے۔

اس قصے کو اور کئی مصنفین نے فارسی میں لکھا ہے جن کی William Jones نے بڑی تعریف کی ہے۔ یہ ترجمہ جو کہ انھوں نے ڈاکٹر گلکرسٹ کے زیرِ نگرانی شروع کیا ہوا تھا ختم کرنے کے بعد ایک اور مشہور قصے ''اخلاقِ محسنی'' کا ترجمہ شروع کیا جو ''انوارِ سہیلی'' کے مصنف حسین واعظ کاشفی نے لکھا تھا۔ اس ترجمے کا کچھ حصہ دیوناگری رسم الخط میں ''گنجِ خوبی'' کے عنوان سے کلکتہ سے شائع ہوا ہے۔ جو حصہ کلکتہ میں شائع ہوا ہے اس میں ۱۴ ابواب ہیں۔ ایسٹ انڈیا آفس کے کتب خانے کے نسخے میں کوئی تاریخ نہیں ہے۔ لیکن Primitea Orientales جلد ۳ صفحہ ۳۰ میں لکھا ہے کہ یہ ۱۸۰۴ء میں شائع ہوئی ہے۔ میں میرے پاس اس کتاب کا مکمل قلمی نسخہ فارسی رسم الخط میں ہے۔ یہ نسخہ دراصل Sandford Arnot کی ملکیت تھا جو کہ ایک اسکاچ متشرق تھے اور جن کا عالمِ نوجوانی ہی میں سنہ ۱۸۳۱ء میں انتقال ہوگیا۔ اس ترجمے کا اندازِ بیان نہایت سادہ اور شگفتہ ہے اور اس کی زبان اعلیٰ طبقے کی زبان کی نمائندہ ہے۔ یہ ترجمہ لفظ بہ لفظ نہیں ہے بلکہ بہت جگہ فارسی سے زیادہ مفصل ہے۔ میرا خیال ہے یہ اردو ترجمہ فارسی سے کہیں زیادہ جامع اور دل کش ہے۔ امن نے اس خیال سے کہ جو لوگ عربی سے ناواقف ہیں وہ بھی کتاب کو پڑھ سکیں۔ حدیث اور قرآن کے عربی حوالوں کو نظر انداز کر کے صرف ان کے ترجمے لکھ دیے ہیں۔

ان ترجموں سے پہلے شاید امن نے اپنا ایک دیوان مرتب کرلیا تھا اور اس لیے پروفیسر گلکرسٹ ان کو مصنف کی حیثیت سے بہت پسند کرتے تھے اور M. Raumer کے پاس ایک قلمی نسخہ تھا جس میں امن کا کچھ کلام شامل تھا۔ معلوم نہیں کہ امن نے اس کے علاوہ بھی کچھ کہا ہے یا نہیں۔ امن کی کتاب کی خوبی کو جو کہ ''اخلاقِ محسنی'' کا ترجمہ ہے ہگلی کے غلام حیدر نامی شخص نے سنہ ۱۸۴۶ء میں ۳۶۶ صفحات پر کلکتہ سے شائع کیا ہے۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ وہی ترجمہ ہے جو مدراس میں ''تحسین اخلاق'' کے نام سے سنہ ۱۸۴۰ء شائع ہوا ہے۔ ''تحسین اخلاق'' دراصل ''اخلاقِ جلالی'' اور ''اخلاقِ محسنی'' دونوں کا ترجمہ ہے۔ ''اخلاق جلالی'' کا ترجمہ سنہ ۱۸۳۰ء میں دہلی سے بھی شائع ہوا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ مسٹر M.V. Tregear نے اس ترجمے کو ناپسند کیا ہے اور اس کے اسباب پر کوئی روشنی نہیں ڈالی۔ ''باغ و بہار'' امیر خسرو دہلوی کی تصنیف ''قصۂ چہار درویش'' کا ترجمہ خیال کیا جاتا ہے لیکن حقیقت میں یہ اس کہانی کی ایک نئی صورت ہے۔ یہ کہانی ''چہار درویش'' کے نام سے بنگالی اور بنگال کی لشکری زبان میں بھی ترجمہ ہوئی ہے جو سنہ ۱۸۳۵ء میں کلکتہ سے ۲۰۰ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔ ایک ترجمہ ''قصہ چہار درویش'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔

کلکتہ کا اڈیشن رومن رسم الخط میں اور اس کا مترجم Rosario ہے۔ یہ بنگالی، ہندوستانی اور انگریزی لغت کے مصنف ہیں۔ کلکتہ میں ''چہار درویش'' کے نام سے ہندی ترجمہ بھی ہوا ہے جو ۱۸۶۷ء میں شائع ہوا ہے۔

ڈنکس فوربس نے L.F. Smith کے ترجمے کو مرتب کیا ہے۔ کیپٹن Hollings نے کلکتہ میں اور E.B. Eastwick نے لندن میں سنہ ۱۸۵۲ء میں بھی ترجمے کیے ہیں اور متعدد نئے اڈیشن ہندوستان کے شہروں مثلاً کلکتہ، بمبئی، مدراس، دہلی اور آگرہ اور انگلستان میں چھپے ہیں۔

جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے کہ ''باغ و بہار'' فارسی کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ یہ عطا حسین خان تحسین کی ''نوطرز مرصع'' کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے جو کہ فارسی کا ترجمہ معلوم ہوتا ہے۔ ''باغ و بہار'' کے حروف کے اعداد کا مجموعہ ۱۲۱۷ نکلتا ہے جو کہ ''باغ و بہار'' کی تاریخ تصنیف ہے۔ بقول سرسید احمد خان، میر امن اردو کے سب سے بڑے نثر نگار ہیں اور ان کا اردو نثر میں وہی مرتبہ ہے جو میر تقی میر کا شاعری میں۔ [آثارالصنادید، ۱۰۶، مطبع نامی پریس ۱۹۰۴ء۔ مترجم]

''باغ و بہار'' اردو کی بے مثال کلاسیکل کتاب خیال کی جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے فوجی افسروں کے امتحانات کے نصاب میں داخل ہے۔ کرنل Lees[ل] نے سنہ ۱۸۶۷ء میں کلکتہ سے ''باغ و بہار'' کے دو انتخاب شائع کیے ہیں۔ پہلا انتخاب چھوٹے درجوں کے لیے ''بے تال پچیسی'' کے انتخاب کے ساتھ اور دوسرا ''پریم ساگر'' کے انتخاب کے ساتھ اعلیٰ درجوں کے لیے ہے۔

امن۔ روشن بیگ۔ دہلوی:

وہ حمید الدولہ منصرم کے چھوٹے بھائی تھے جو بہادر شاہ سلطان دہلی کے پردادا ہوتے ہیں۔ امن شاہ نصیر کے شاگرد تھے جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے۔ انھوں نے تعلیم حاصل نہیں کی تھی لیکن انھیں قدرت کی طرف سے شعر و سخن کا عمدہ مذاق عطا ہوا تھا جس کی وجہ سے ان کے کلام میں ایک خاص رنگ پایا جاتا تھا اور ان میں اسی کی وجہ سے کافی شہرت رکھتے تھے۔ شیفتہ کہتے ہیں کہ وہ شاہزادہ ابوجعفر بہادر کے دربار سے منسلک تھے جو بعد میں ۱۸۳۷ء میں دہلی کے تخت پر سراج الدین کے نام سے فائز ہوئے۔ شاہ سراج الدین خود شعر و شاعری کا عمدہ مذاق رکھتے تھے۔ ان کا ایامِ جوانی ہی میں انتقال ہوگیا اور شیفتہ اور کریم نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

امید۔ علی نواب خان:

جہان خان کے بیٹے تھے۔ جس وقت بنی نرائن اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے یہ ہوگلی میں مقیم تھے۔ انھوں

نے ''دیوان جہاں'' میں ان کی ۵ غزلیں نقل کی ہیں۔

امید۔ مرزا محمد رضا قزلباش خان۔ ہمدانی:

بچپن میں وطن چھوڑ کر اصفہان چلے گئے اور مرزا طاہر معروف بہ واحد کے شاگرد ہو گئے، اس کے بعد اورنگ زیب کے عہد میں ہندوستان چلے آئے اور بہادر شاہ کے عہد میں قزلباش خان کے خطاب سے سر فراز ہوئے۔ بہت سی جنگی مہموں میں شریک ہوئے۔ ۱۷۴۶ء میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کا شمار اردو شعرا میں ہے انھوں نے اردو میں بکثرت غزلیات کہی ہیں اور فارسی میں ۸۰۰۰ شعر لکھے ہیں۔ لطف نے ان کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ ان کے اشعار کے دو نمونے دیے ہیں۔ یہی شاعر مغل کے نام سے فارسی کے شاعروں میں شمار ہوتے ہیں اور آذر کے فارسی تذکرے ''آتش کدہ'' میں ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کا فارسی دیوان بہت مشہور ہے۔

امید۔ حیدر آبادی:

قاسم نے ہندوستانی شعرا میں ان کا ذکر کیا ہے۔

امید۔ مولوی فرحت علی۔ غازی پوری:

غلام شاہ کے بیٹے اور کلب حسین نادر کے شاگرد اور ہندوستانی کے ایک شاعر ہیں۔ محسن نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

امیر سنگھ:

مہاراجہ ہلکر کے اتالیق تھے۔ انھوں نے ''بھگوت گیتا'' کا اردو میں ترجمہ کیا ہے جس کے ساتھ دیوناگری رسم الخط میں اصل سنسکرت بھی شامل ہے۔ اس میں قواعد صرف ونحو کا تجزیہ، تشریحی نوٹ اور دیباچہ وغیرہ بھی شامل ہے۔ یہ فارسی رسم الخط میں سنہ ۱۸۶۵ء میں دہلی سے شائع ہوا ہے۔ اس میں ۴۸۷ صفحے اور ہر صفحے میں ۲۱ سطریں ہیں۔

''بھگوت گیتا'' کا ایک اور اردو ترجمہ ہے جو اخبار'' خیر خواہ ہند'' فروری سنہ ۱۸۶۳ء میں شائع ہوا تھا۔ ایک ایڈیشن اٹاوہ سے ۱۱۰ صفحات پر نکلا۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہ وہی امیر سنگھ کا ترجمہ ہے یا دوسرا جو لاہور کے علمی رسالے ''گیان پردائی پتریکا'' میں شائع ہوا ہے اور جس کے ایڈیٹر پنڈت مکند رام ہیں۔

''بھگوت گیتا'' کے ایک ہندی نسخے کا ذکر Rev. J.Long کی مرتبہ فہرست *Descriptive Catalogue.* کلکتہ میں سنہ ۱۸۶۷ء میں کیا گیا ہے، جس میں ۱۶۴ صفحات ہیں۔

امیر۔ نواب محمد یار خان:

نواب محمد علی خان روہیلہ کے بیٹے تھے جو ہندی اور اردو دونوں میں لکھتے تھے۔ وہ ایک افغانی امیر تھے اور رامپور میں رہتے تھے۔ امیر بڑی خوبیوں کے آدمی تھے۔ وہ اپنے زمانے کے مشہور موسیقار ہونے کے ساتھ ساتھ عمدہ ستار بجانے کے لیے بھی مشہور تھے۔

وہ حکیم کبیر سنبھلی کے ملنے والوں میں تھے جن کی صحبت میں انھیں شعر و شاعری سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ انھوں نے مرزا رفیع سودا اور میر سوز سے بھی، جو اس وقت فرخ آباد میں مہربان خان رند کے گھر کے قریب رہتے تھے، مشورہ سخن کرنا چاہا۔ ان حضرات کو مدعو کیا کہ وہ ان کے ساتھ آ کر رہیں لیکن انھوں نے معذوری ظاہر کی۔ اس کے بعد انھوں نے میاں محمد قائم کو لکھا جو اس وقت بسولی میں رہتے تھے۔ انھوں نے دعوت قبول کر لی اور ان کے استاد ہو گئے۔ امیر انھیں سو روپیہ ماہوار دیا کرتے تھے۔ امیر نے دوسرے مصنفین و مولفین مثلاً فدوی لاہوری، میر نعیم پروانہ، علی شاہ مراد آبادی، میاں عشرت ہزال اور حکیم کبیر صاحب کو بھی بلایا اور اپنے ساتھ رہنے کی دعوت دی۔ مصحفی بھی، جنھوں نے اپنے تذکرے میں یہ ساری تفصیل دی ہے، ان کے ساتھ رہے۔ امیر خوش نویسی سے بھی بڑی دلچسپی لیتے تھے اور عقیل خان نامی مشہور خوش نویس کو بھی وہ اپنے یہاں رکھتے تھے۔ عقیل امیر کے اشعار کو رنگ برنگ کی بیاضوں میں لکھتے رہتے تھے۔ لیکن یہ خوشی کا دور زیادہ دنوں نہ رہ سکا۔ جب ضابطہ خان کو شاہ عالم نے مرہٹوں کی مدد سے سکرتال میں شکست دی تو یہ تمام ادبی شخصیتیں ان کے دربار سے رخصت ہوئیں۔ مصحفی لکھنؤ روانہ ہوئے اور ایک سال بعد دہلی چلے گئے اور وہیں امیر کے انتقال کی خبر سنی جو حافظ رحمت کی شکست کے بعد ۱۷۷۴ء میں ہوا۔

سرخ چشم اتنی کہیں ہوتی ہے بیداری سے
لہو اترا ہے تری آنکھوں میں خونخواری سے

وقت رخصت کے ترے اے مرے جی کے دشمن
تھام تھام آج رکھا دل کو میں غم خواری سے

بس میں آیا جو تمہارے اسے چاہو سو کرو
کیا ستم آدمی سہتا نہیں لاچاری سے

کسی نے نظروں میں خدا جانے اسے مل ڈالا
نرگس آج آنکھ اٹھاتی نہیں بیماری سے

کیا کہوں ولولہ شوق کو تیرے میں امیر
گھر میں جاتے ہیں پرائے تو خبرداری سے

''تذکرہ ہندی'' از مصحفی، ص۱۴

حیدر آباد میں سراج الدولہ کے کتب خانے کی فہرست میں ایک کتاب ''دیوان امیر حق دہلوی'' نام کی

موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ امیر ہیں جن کا ذکر ابھی میں نے کیا ہے۔ یہ صرف اس قدر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے حق کو تخلص کے طور پر اختیار کرلیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حق امیر سے مختلف ہوں۔

امیر۔نواب امین الدولہ معین الملک نصیر جنگ بہادر:

ان کو مرزا مینڈھو، مدھو یا منڈو بھی کہتے ہیں۔ وہ نواب اودھ شجاع الدولہ کے بیٹے اور نواب آصف الدولہ کے بھائی تھے جو خود بھی اودھ کے نواب اور اردو کے شاعر تھے۔ چند تذکرہ نویس انھیں 'امین' کہتے ہیں۔ غلام قادر کی بغاوت سے قبل وہ شاہ عالم کے یہاں میر آتش تھے۔ وہ ریختہ میں شعر کہنے کے علاوہ اپنے یہاں محفلِ مشاعرہ بھی منعقد کرتے تھے۔ پھر لکھنؤ چلے گے جہاں وہ ۱۲۲۱ھ/۷۔۱۸۰۶ء میں حیات تھے۔ انھوں نے دو دیوان ایک فارسی اور ایک اردو یادگار چھوڑے ہیں۔ قاسم، سرور، شیفتہ اور کریم نے ان کا ذکر کیا ہے۔ کریم نے ان کی ذہانت اور طباعی کی تعریف کی ہے اور ساتھ ہی چند اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

امیر۔امیر الدولہ نوازش خان۔دہلوی:

وہ حمید الرحمٰن خان کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ ناظم الدین کے شاگرد ہیں۔ سرور کے مطابق وہ اپنے گھر میں مشاعرہ کرتے تھے اور خود بھی شاعری کرتے تھے۔

امیر۔شیخ امیر بخش:

حسین بخش دہلوی کے بیٹے تھے اور ملازم تھے۔ باطن اپنے ''گلشن بے خزاں'' میں ان کے چند اشعار نقل کرتے ہیں۔

امیر۔شیخ امیر الدین:

مارواڑ کے کوتوال تھے۔ یہ ایک دوسرے ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔

امیر۔شیخ امیر علی:

ذکا کے مطابق وہ سید تھے۔ سرور اور قاسم ان کے متعدد اشعار نقل کرتے ہیں لیکن ان کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں دیتے۔ وہ صرف اتنا کہتے ہیں کہ دہلی کے رہنے والے تھے اور بعد میں دکن چلے گئے تھے۔

امیر۔امیر الدولہ دہلوی:

وہ شاہ نصیر کے شاگرد تھے۔ شیفتہ کے مطابق وہ نہ صرف شاعر تھے بلکہ علمِ نجوم میں خاصا ملکہ رکھتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ یہ وہی امیر ہیں جن کے متعلق سرور نے لکھا ہے کہ وہ ایک خوش دل نوجوان تھے اور علم نجوم سے بڑا شغف رکھتے تھے۔ لیکن ذکا کا بیان ہے کہ یہ امیر ان امیر سے الگ ہیں۔

امیر۔ شیخ محمد امیر:

وہ شیخ گیتو کے بیٹے شیخ ہابیل کے پوتے تھے۔ وہ کلکتہ کے رہنے والے تھے۔ وہ اس شہر میں ۱۸۴۸ء میں ۵۷ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ وہ ایک مصور تھے اور ان کے چاروں بیٹے بھی مصوری ہی سے دلچسپی لیتے تھے۔

انھوں نے ایک طویل قصہ لکھا ہے جو نظم اور نثر میں ہے اور جس کا نام "ہفت سیار" ہے۔ اس کتاب کا موضوع خراسان کے شاہزادہ بدر الزماں شاہ ولد انور شاہ کی عجیب وغریب داستان ہے۔ اس کہانی کے ہیرو کو جنوں کے بادشاہ ہلال شاہ مدد دیتے ہیں۔ متعدد مہمات کو سر کرنے کے بعد وہ حلوائی کے بھیس میں نکلے اور پھر بدر النساء سے شادی کر لی جو ختن کے راجہ نعمت شاہ کی سب سے چھوٹی بیٹی تھی۔ بعد ازاں وہ زہر سے مر گئے لیکن وہ دوبارہ زندہ ہو گئے اور بعد کو انھیں ایک دیو نے نگل لیا۔ پھر بھی محفوظ رہے۔ پھر خواجہ خضر ان کی مدد کو آتے ہیں اور ایک نہ نظر آنے والی ٹوپی اور ایک درخت کا پتہ دیتے ہیں جو کشتی کے طور پر استعمال ہو سکتا ہے۔ اور ایک طلسمی پھل بھی دیتے ہیں۔ شہزادہ کشتی پر بیٹھ کر دریا کو پار کرتا ہے اور فردوس شہر کے قریب پرستان میں پہنچ جاتا ہے۔ وہاں اسے ایک پری ملتی ہے جس کا نام زہرہ ہے۔ شہزادہ نے اس سے شادی کر لی اور اسے اپنے ملک لے گیا۔

بدقسمتی سے مشرقی افسانوں میں کوئی جدت یا رنگارنگی نہیں بلکہ تمام افسانے تقریباً ایک ہی قسم کے ہیں۔

امیر:

لاہور کے رہنے والے اور مندرجہ ذیل کے مصنف یا مولف ہیں:

۱۔ جنگ نامہ حیدر درخیبر ۲۔ معجزۂ جعفر صادق

۳۔ معجزۂ عالیہ ۴۔ عدالت علی وسخاوت امام حسین

امیر۔ منشی امیر احمد لکھنوی:

مولوی کرم احمد کے بیٹے تھے جو شاہ حسین کی اولاد میں تھے۔ مظفر علی اسیر کے شاگرد تھے۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے دیوان کی چند غزلیں نقل کی ہیں۔

امیر احمد۔ محمد:

وہ میرٹھ کے ہفتہ وار اخبار "نجم الاخبار" کے مدیر ہیں جس کا ایک ہندی ایڈیشن بھی "بدیا درشن" کے نام سے نکلتا ہے۔ اس ہندی ایڈیشن کے مدیر پنی رام ہیں۔ اس اخبار اور صورت کے اسی نام کے ایک اور

اخبار میں مغالطہ نہ ہونا چاہیے کیوں کہ اس کے مدیر محمد منظور ہیں۔
امیر علی۔سید:

وہ دہلی کے اخبار ''نورِ مشرق'' کے مدیر ہیں۔ یہ اخبار سنہ ۱۸۵۴ء جاری کیا گیا جس کا مقصد ہندوستانیوں میں تعلیم اور جذبۂ خیر سگالی کو عام کرنا تھا۔
امیر الدین۔شیخ:

وہ سنہ ۱۸۵۱ء کے ''باغ و بہار'' کے ایڈیشن کے ناشر ہیں۔ یہ ایڈیشن مولوی غلام نبی جان صاحب نے درست کرا کے منشی عبدالحلیم صاحب کی مدد سے شائع کیا۔
امیر۔محمد:

ایک دوسرے شخص ہیں جو سنہ ۱۸۵۰ء میں آگرہ کے اخبار ''قطب الاخبار'' کے مدیر تھے۔
امین۔خواجہ محمد امین الدین:

وہ پٹنہ کے باشندے تھے لیکن ان کا اصل تعلق کشمیر سے تھا۔ ''گلزار ابراہیم'' اور عشقی کے مطابق وہ بلاس رائے اخلاص کے شاگرد تھے اور قاضی وحید الدین خان کے بیٹے تھے۔ امین نواب مظفر جنگ میر محمد رسا خان اور علی ابراہیم کے دوست تھے اور اپنے دور کے ایک مشہور شاعر تھے۔ ان کے کلام میں ان کے دوسرے ہم وطنوں کے مقابلے میں ان کا ذہن زیادہ واضح نظر آتا ہے۔ ان کا اندازِ تحریر بڑا دلکش ہے اور ان کی صحبت بہت دلچسپ رہا کرتی تھی۔ وہ دہلی میں مصحفی کے ہمسایہ تھے اور ان کے ادبی حلقے میں رہتے تھے۔
امین اس زمانے میں امپریل فارمیسی [دواخانے] کے داروغہ تھے۔ ۱۱۹۴ھ/۸۴-۱۷۸۳ء سے وہ میر محمد رضا خان مظفر جنگ بہادر کے یہاں ملازم تھے اور ایک روحانی زندگی کی طرح خوش اور آزاد زندگی بسر کر رہے تھے۔
ان کا انتقال ''سراپا سخن'' کے آغاز سے پہلے ہو چکا تھا۔ انھوں نے کوئی زیادہ اشعار نہیں لکھے ہیں۔ پھر بھی ایک دیوان ان سے یادگار ہے۔ اس دیوان کے ۱۰ صفحات علی ابراہیم نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ انھوں نے اسلامی فقہ کے متعلق ایک منظوم کتاب ''رسالہ عقائد'' کے نام سے لکھی ہے، جس کا ایک نسخہ کلکتہ ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے میں موجود ہے۔
امین۔میر علی:

وہ سید زادے تھے اور پہلے دہلی میں رہتے تھے پھر دکن چلے گئے۔ ہم انھیں شیفتہ کے توسط سے جانتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ محمد امین دکنی ہوں جنھوں نے اورنگ زیب کے عہد میں ۱۱۰۹ھ/۱۷۰۰-۱۶۹۷ء میں

''یوسف زلیخا'' لکھی ہے۔ یہ ''یوسف زلیخا'' مولانا جامی کی ''یوسف زلیخا'' سے مختلف ہے اور میرے پاس امین کی ''یوسف زلیخا'' کا ایک قلمی نسخہ ہے جو مجھے میرے دوست A. Troyer نے فورٹ ولیم کالج کے نسخے سے نقل کرا کے عنایت کیا ہے۔ اس میں ۳۰۰ صفحے ہیں۔نظام حیدرآباد کے کتب خانے میں ایک ''یوسف زلیخا'' کا نسخہ ہے جو دکنی زبان میں ہے۔غالباً وہی امین کی تصنیف ہے۔۱۸۶۵ء میں کلکتہ سے اس افسانے کا ایک اردو بنگالی اڈیشن شائع ہوا ہے جو چھوٹی تقطیع کے ۲۷صفحات پر ہے۔

میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ''گلشنِ سعادت'' ان کی اپنی تصنیف ہے۔ پیرس کے ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے میں ''گلشنِ سعادت'' کا ایک نسخہ موجود ہے جو Ariel de Pondichery نے دیا ہے اور غالباً ۱۱۱۲ھ/۱۷۰۰ء میں نقل کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ فارسی ہونے کے باوجود اس میں بے شمار ہندی دوہے شامل ہیں۔

''یوسف زلیخا'' کی حکایت قرآن میں بھی بیان کی گئی ہے جو یہودیوں کی روایت اور خاص طور پر یشر کی کتاب کے ذریعے سے مشہور ہے۔اس کے بعد یہ کہانی ہندوستانی، فارسی، پشتو، ترکی وغیرہ میں لکھی گئی ہے۔

امین۔محمد امین اباگنی:

انھوں نے قدیم اندازِ بیان میں ''نجات نامہ'' کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔توپ خانہ لکھنؤ کے کتب خانے میں اس مثنوی کا ایک نسخہ موجود ہے۔ وہ ۱۰ صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحے میں ۱۵ ابیات ہیں۔

امین۔میر محمد:

وہ بنارس کے رہنے والے اور میر غلام علی آزاد بلگرامی کے شاگرد ہیں۔ قاسم انھیں ہندی شعرا میں شمار کرتے ہیں۔

امین۔مرزا محمد اسمٰعیل۔دہلوی:

پہلے وحشت تخلص رکھتے تھے۔ قاسم ان کے متعدد اشعار نقل کرتے ہیں۔ ذکا ان سے واقف تھے۔ان کے مطابق امین فوج میں تھے اور بعد میں منشی کی حیثیت سے ملازم ہو گئے تھے۔

امین۔امین الدین خان:

قاضی وحید الدین خان کے بیٹے اور کلکتہ مدرسے کے موجودہ امین کے دادا ہوتے ہیں۔ امین کا انتقال ۱۱۸۶ھ/۳-۱۷۷۲ء میں ہو گیا۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر تھے۔

امین چند۔ منشی:

وہ پنجاب میں پیدا ہوئے اور اس صوبے میں کلیکٹر ٹیکس کے عہدے پر مامور ہوئے۔ انھوں نے R. Cust کی سیاحت کا حال [۲۔۱۸۵۰ء] میں اردو میں لکھا ہے۔ اس کتاب کے پہلے حصے کا نام سفر نامہ ہے اور انگریزی میں اس کا نام *Travels in the Punjab* ہے۔ یہ حصہ ۱۸۵۰ء میں دہلی سے چھوٹی تقطیع کے ۳۵۸ صفحات پر شائع ہوا ہے۔ اس حصے کا ایک دوسرا ایڈیشن سنہ ۱۸۵۹ء میں لاہور سے شائع ہوا اور یہ ۳۴۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس پہلے حصے میں پنجاب، کشمیر، سندھ، دکن، خاندیش، مالوہ اور راجپوتانہ کے اس سفر کا حال ہے جو R. Cust نے ۱۸۵۰ء میں کیا تھا۔ اس کتاب کے دوسرے حصے میں بنگال اور شمالی مغربی صوبہ کے سفر کے حالات ہیں۔ یہ حصہ پہلے حصے کے ساتھ *Tour in the Punjab Bombay and Central India* کے نام کے ساتھ لاہور سے سنہ ۱۸۵۹ء میں ۴۳۴ صفحات پر چھپا ہے۔

امین چند ''ہدایت نامہ پٹواریان'' کے مصنف بھی ہیں جس کے چند ایڈیشن لاہور سے فارسی، ناگری اور گرمکھی رسم الخط میں شائع ہو چکے تھے۔

امین چند نے ''تاریخ حصار'' بھی لکھی ہے۔

امین خان۔ خواجہ:

مرشد آباد کے رہنے والے تھے۔ سرور کے مطابق وہ ایک دوسرے ہندوستانی شاعر ہیں۔

انتظار علی نقی خان۔ دہلوی:

وہ علی اکبر خان کے بیٹے تھے۔ ان کا انتقال سنہ ۲۔۱۷۸۱ء میں ہوا۔ وہ نواب علی وردی خان محبت جنگ کے عہدِ حکومت میں مرشد آباد چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ علی ابراہیم کو بھی ان سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ وہ انھیں ایک بہت ہی ممتاز شاعر سمجھتے ہیں اور ان کے تقریباً ایک درجن اشعار نقل کرتے ہیں۔

سرور اور شیفتہ کسی اور انتظار کا ذکر کرتے ہیں جو فغاں اور آبرو کے ہمعصر تھے اور احمد شاہ کے دور میں رہتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ یہ وہی شاعر ہیں جن کا اس جگہ تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

انجام۔ نواب عمدۃ الملک امیر خان:

وہ نواب بقاء اللہ خان کے بیٹے اور نواب عمدۃ الملک [شاہ عالم] کے بھتیجے تھے۔ ان کا خاندان ایران کے صفویہ حکمرانوں کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ کریم الدین نے ان کی زندگی کے حالات بڑی تفصیل سے چار صفحوں میں لکھے ہیں۔ اگرچہ ان میں کوئی دلچسپ بات نہیں ہے لیکن کریم کا بیان ان کی مداحی میں

ہے اور اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ محمد شاہی دور میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ وہ مرزا بیدل کے شاگرد تھے اور دوہے، گیت اور مکرنی کے لیے مشہور ہیں۔ ان کی شہرت موسیقی کے ماہر، نثر نگار اور اچھے مقرر کی حیثیت سے بھی تھی۔ ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۶ء میں کسی شخص نے انھیں انتقاماً قتل کر دیا۔

انجام۔ وزیر علی:

وہ ایک ہم عصر شاعر ہیں اور ۳ جنوری ۱۸۶۵ء کے ''اودھ اخبار'' میں ان کی ایک نظم شائع ہوئی ہے۔

اندر مان۔ منشی:

انھوں نے فارسی زبان میں ایک قواعد اردو میں لکھی ہے اور اس کو ''رسالہ مفردات'' کہتے ہیں۔ یہ مراد آباد سے سنہ ۱۸۶۸ء میں ۲۴ صفحات پر شائع ہوا ہے۔

ان کی دوسری اردو کتاب ''صولت ہند'' ہے۔ اس میں مذہب اسلام پر اعتراضات کیے گئے ہیں۔ یہ مراد آباد سے سنہ ۱۸۶۸ میں شائع ہوئی ہے اور اس کے ۲۵۲ صفحات ہیں۔

انسب۔ میر ابو طالب۔ لکھنوی:

وہ سید اکرام علی کے بیٹے تھے اور میر کلو عرش کے شاگرد تھے۔ ایک دیوان کے مالک ہیں جس کے چند اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

انسخ، سید ابو تراب۔ لکھنوی:

وہ منجھو صاحب بھی کہلاتے ہیں۔ اُن کے والد سید اکرام علی اور ان کے استاد میر کلو عرش تھے۔ انھوں نے ایک ہندوستانی دیوان لکھا ہے جس کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔

انس۔ سید محمد مرزا:

وہ فیض آباد میں پیدا ہوئے اور لکھنؤ میں رہتے تھے۔ ان کے والد کا نام علی مرزا تھا۔ انس امام بخش ناسخ کے ممتاز شاگرد تھے۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جس کی چند غزلوں کو محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے۔

انس۔ میر مہر علی۔ لکھنوی:

وہ مرثیہ نویس میر مستحسن خلیق کے بیٹے اور میر حسن کے پوتے تھے۔ میر حسن مشہور ''مثنوی بدرِ منیر'' یا ''سحر البیان'' کے مصنف ہیں۔ انس کو اپنے والد اور دادا سے شرفِ تلمذ حاصل تھا اور محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

انسان۔ امیر اسد الدولہ یار خان:

وہ لطف علی خان کے بیٹے ہیں اور پیر جگنو کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ وہ آگرہ میں پیدا ہوئے لیکن دہلی میں سکونت اختیار کر لی تھی اور اس وجہ سے وہ انسان دہلوی بھی کہلاتے تھے۔ کمال کے مطابق وہ امیر خان کے شاگرد تھے لیکن قائم اس سے متفق نہیں ہیں۔ ان کے خیال میں انسان امیر خان کے صرف دوست تھے۔ ان کا شمار متقدمین میں ہوتا ہے کیوں کہ قدیم شعرا کے طرز پر لکھا کرتے تھے۔ وہ ۷۰۰ سپاہیوں کے امیر تھے [ہفت ہزاری]۔

وہ محمد شاہ کے دربار میں ممتاز امیر کی حیثیت رکھتے تھے اور عوام میں ان کو بڑی عزت و وقار کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ علی ابراہیم کے مطابق وہ احمد شاہ کے عہد میں تھے۔ انسان کو محمد شاہ کے دربار میں امتیازی حیثیت حاصل تھی جس کی وجہ سے ان کے ہم عصر اکثر ان سے رشک کرتے تھے۔ وہ غیر معمولی مصروفیت کے باوجود شعر وسخن کے لیے وقت نکال لیتے تھے اور انھیں حقیقت میں فطرت کی طرف سے بہت رچا ہوا مذاق ملا تھا۔ وہ اردو میں عام طور پر صوفیانہ اشعار کہتے تھے۔ انھیں مرثیہ کہنے میں خاص طور پر کمال حاصل تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے عالمِ جوانی میں انتقال کیا۔ غالباً فتح علی حسینی کے تذکرہ لکھنے سے چند سال پیشتر وہ انتقال کر چکے تھے۔ میر کہتے ہیں کہ انھیں موت بہت جلد آئی شاید اسے لیے کہ زمانہ کسی سے وفا نہیں کرتا۔

انشا۔ حکیم میر انشاء اللہ خان:

وہ ایک ممتاز شاعر اور مصنف ہیں۔ محسن کے مطابق وہ ایک عالم تھے اور انھوں نے ہر موضوع پر کتابیں لکھی ہیں۔ وہ حکیم ماشا اللہ مصدر خان کے بیٹے ہیں جن کو لوگ عام طور پر اردو کا بوعلی سینا سمجھتے ہیں۔ ان کے آبا اجداد کا وطن نجفِ اشرف تھا لیکن انشا خود مرشد آباد میں پیدا ہوئے اور بعد میں لکھنؤ میں رہنے لگے۔ سنہ ۱۲۰۰ھ/ ۶-۱۷۸۵ء میں وہ لکھنؤ میں رہتے تھے اور شاہزادہ سلیمان شکوہ سے گہرے تعلقات رکھتے تھے۔ انھوں نے عربی، فارسی اور طب کی عمدہ تعلیم حاصل کی۔ وہ کشمیری اور مارواڑی زبان میں بھی کافی مہارت رکھتے تھے۔

وہ اپنے بچپن ہی سے شعر وسخن سے دلچسپی رکھتے تھے اور مختلف زبانوں میں اشعار کہتے تھے۔ انھوں نے عربی میں قصیدے اور مثنویاں لکھی ہیں اور ترکی زبان میں غزلیں کہی ہیں۔ انھوں نے ہندی اور فارسی میں دو دیوان لکھے ہیں اور ہندی میں بہت سے قصیدے اور مثنویاں لکھی ہیں۔ انھوں نے ایک بہت ہی اعلیٰ مثنوی

فارسی زبان میں لکھی ہے جس کا نام ''شیر و برنج'' ہے۔ یہ کتاب مولانا بہاالدین املی کی کتاب ''نان وحلوا'' کے مقابلے میں لکھی گئی ہے۔ انشا نے اردو شاعری کی طرف خاص توجہ دی ہے اور وہ اردو شاعر کی حیثیت سے کافی مشہور ہیں۔ ان کی شاعری اپنی شگفتگی اور پاکیزگی خیال کی وجہ سے بہت مقبول ہے۔

ان کی شاعری کا مجموعہ ایک دیوان کی شکل میں ہے اور اس کا ایک نسخہ کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج کے کتب خانے میں موجود ہے۔ ان کی شاعری کے مکمل مجموعے کو کلیات کہتے ہیں۔ اس کلیات میں ایک دیوان ریختہ اور دوسرا ریختی زبان میں ہے۔ دراصل ریختی بیگمات کی زبان ہے۔

محسن کے مطابق یہ ایک نادر دیوان ہے جس میں صرف بے نقط الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ انشا کی کلیات کا ایک نسخہ سراج الدولہ حیدر آبادی کے کتب خانے میں ہے۔ بنی نرائن نے اپنے تذکرے میں ان کے کلام کے گیارہ نمونے پیش کیے ہیں اور محسن نے ان کے چند دوسرے اشعار نقل کیے ہیں۔ انشا نے نواب عماد الملک کی مدح میں ریختہ زبان میں ایک قصیدہ لکھا ہے۔ جس کی خصوصیت بھی یہی ہے کہ اس میں صرف بے نقط الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا کمال ہے۔ ذیل میں ان کی ایک غزل ہے جو ہندوستان میں بہت مقبول ہے۔

آئی تھی ایک حور مجھے دیکھ ہٹ گئی | دانتوں کے نیچے داب زبان جھٹ پلٹ گئی
آہٹ کو مرے تاڑ کے چوکھٹ سے ٹک اچک | جھٹ پٹ وہ ہٹ کواڑ کے پٹ سے چمٹ گئی
آئی نسیم صبح جو کل کوئے یار سے | ہمراہ فوج ہوش کی باعث سے مٹ گئی
شب میں نے جونہی ہاتھ لگایا تو وہ میری | بے اختیار شرم کے مارے سمٹ گئی
ہم دو گھڑی بھی ساتھ ترے سو رہے نہ ہائے | باتوں میں یونہی چار پھر رات کٹ گئی
مجھ سے لپٹ کے آخری شب جا رہے کہاں | کیا جانے ان دنوں کی یہ کیوں رات گھٹ گئی
کم بخت آ ہوا خلل انداز خواب میں | ہے ہے فروس صبح کی چھاتی نہ پھٹ گئی
انشا کی گفتگو وہ دھواں گرم کہ اسرخ | آ کر بہار اس کے گلے سے لپٹ گئی

[محسن، ملاحظہ ہو ''کلیات انشاء''، ص ۱۴۷، مطبوعہ نول کشور پریس، ۱۸۷۶ء، مملوکہ انجمن ترقی اردو]

مذکورہ بالا تفصیلات کے علاوہ انشا کے متعلق میری معلومات یہ ہیں۔ ان کے والد حکیم ماشا اللہ خان ایک ممتاز طبیب تھے اور شعر و سخن میں کافی دلچسپی لیتے تھے۔ ان کا تخلص مصدر تھا۔

ان کے دیوان کا ایک انتخاب بھی شائع ہوا ہے جس کا نام ''انتخاب دیوانِ انشاء اللہ خان'' ہے۔ اس کا

ایک نسخہ دہلی کے شاہی محل کے کتب خانے میں موجود ہے۔

انشا کی ایک دوسری کتاب ''دریائے لطافت'' ہے جو انھوں نے مرزا محمد حسن قتیل کی شرکت میں لکھی ہے۔ یہ اردو زبان کی ایک قواعد ہے اور اس کے ۴۶۷ صفحات ہیں اور یہ کتاب مرشد آباد سے سنہ ۱۸۴۸ء میں چھپی ہے۔

کمال انشا کے کلام کو ۶۵ صفحات میں نقل کرتے ہیں۔ ان میں زیادہ تر غزلیں ہیں اس کے علاوہ اس میں دہلی میں ۱۲۰۸ھ/۴-۱۷۹۳ء سندھیا کے انتقال پر ایک قطعہ ہے اور دو مخمس ہیں۔ ایک مخمس فدوی کے ہجو پر ہے اور دوسرا حضرت محمدؐ پر درود و سلام ہے۔

Presidency College Calcutta کے پرنسپل M.L.Clint نے انشا کی ایک کہانی کو جو کہ نظم و نثر میں ہے Journal of Asiatic Society of Bengal میں اردو عبارت اور اس کے ترجمے کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اس کا ایک قصہ ۱۸۵۲ء میں اور دوسرا ۱۸۵۵ء میں شائع ہوا۔ اس کہانی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فارسی اور عربی الفاظ استعمال نہیں کیے گئے ہیں لیکن یہ بہت ہی شستہ اور سلیس اردو میں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کا اندازِ بیان حریری کی طرح مشکل و پیچیدہ ہے لیکن مشرق میں اسے بے حد پسند کیا جاتا ہے۔ لکھنؤ میں موتی محل کے کتب خانے میں انشا کی کلیات کا ایک بہت ہی خوبصورت نسخہ ہے۔ اس میں فارسی اور اردو اشعار دونوں ہیں۔

اس کتاب کے اردو اور فارسی اشعار کی فہرست حسبِ ذیل ہے: فارسی اشعار کے ۲۸ صفحات اور ہر صفحے میں ۱۵ اشعار ہیں۔ اردو اشعار کے تقریباً ۱۰۰ صفحات، شیر و برنج کے ۵۰ صفحات، ہندوستانی غزل کے ۴۰ صفحات، رباعی کے ۸ صفحات، اماموں کی شان میں قصیدے ۴۲ صفحات، اور بے نقط غزلوں کے ۱۴ صفحات ہیں۔ آخر میں چند غزلیں اور مثنویاں ہیں۔ ان میں سے ایک کا عنوان سحرِ حلال ہے۔ کچھ کلام بیگماتی زبان میں اور کچھ صوفیانہ لب و لہجے میں ہے۔

اس کتب خانے میں انشا کی ایک اردو مثنوی ہے جس کا نام ''مُرغ نامہ'' ہے۔ اس کا موضوع مرغوں کی لڑائی ہے۔ اس کتاب کے قلمی نسخے کی ضخامت ۵۰ صفحات پر ہے اور ہر صفحے میں ۴ بیت ہیں۔ ۱۲۲۰ھ/۶-۱۸۰۵ میں یہ کتاب لکھی گئی ہے۔

انشا کا لکھنؤ میں سنہ ۱۸۵۷ء کے غدر سے پہلے انتقال ہو گیا تھا۔ وہ سعادت علی خان شاہِ اودھ کے بہت ہی گہرے دوست تھے۔

انصاف ۔ شیخ یحییٰ ۔ جونپوری:

وہ ہندوستانی شاعر ہیں اور محمد شاہ کے عہدِ حکومت میں رہتے تھے۔ وہ شیخ خوب اللہ الہٰ آبادی کے شاگرد تھے۔ ان کا ذکر ناصر کے مضمون یں بھی آئے گا۔ علی ابراہیم نے ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔

انصاف ۔ عبدالرحمٰن خان:

آگرہ کے رہنے والے اور سالار بخش کے بیٹے کے پوتے تھے۔ وہ ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر باطن نے کیا ہے اور اس کے حوالے سے اسپرنگر بھی ان کا ذکر کرتے ہیں۔ محسن نے بھی ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ وہ مہاراجہ بلونت سنگھ بہادر کے داروغۂ اصطبل تھے۔

انند داس بھگت:

غالباً وہی مصنف ہیں جنھوں نے ''بھگوت گیتا'' کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ شاہ عالم کے جلوس کے ۳۲ ویں سال میں [۱۷۹۳ء میں] کیا گیا ہے۔ پروفیسر مرحوم H.Wilson کے پاس اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ تھا۔ اس نسخے میں ''بھگوت گیتا'' کے پہلے نو ابواب ہیں۔ نظام حیدر آباد کے کتب خانے میں اس ترجمہ کا ایک دکنی نسخہ موجود ہے۔

اندوہ ۔ مرزا عبدالغفور بیگ ۔ دہلوی:

وہ ایک فوجی تھے اور ان کے آباؤ اجداد مغل تھے۔ سرور نے ان کے ہندوستانی اشعار کا ذکر کیا ہے۔

اندوہ ۔ سید علی حسین خان مرحوم ۔ دہلوی:

شمس الدولہ درگاہ قلی خان کے بیٹے اور مصحفی کے شاگرد تھے۔ محسن اپنے تذکرے میں ان کے چند اشعار نقل کرتے ہیں۔

انور ۔ آفتاب رائے:

سرور اور ذکا اس مصنف کا ذکر کرتے ہیں وہ Civil Service سے وابستہ تھے۔

انور ۔ غلام علی:

وہ کالی کے رہنے والے ہیں جو آگرہ کے صوبہ میں واقع ہے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ایک شعر علی ابراہیم نے نقل کیا ہے۔

سونی دہن پر تیرے جو شرط ہے مسی کی
تیرے لبوں کا بوسہ مصری ہے کالپی کی

''گلشن ہند،'' ص ۳۰

انور۔سید مہدی حسین۔لکھنوی:

میر احمد علی کے بیٹے اور مرزا کوثر کے شاگرد۔محسن نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔

انور محمد:

وہ مدراس کے ہندوستانی اخبار ''عمدۃ الاخبار'' کے مدیر ہیں۔ یہ اخبار ہر مہینے میں ۳ بار شائع ہوتا ہے اور ۸ صفحات پر مشتمل ہے اور کبھی کبھی تصویریں بھی چھپتی ہیں۔

انور۔ولی محمد خان:

ان کا خاندان شیخ ہے اور دہلی میں رہتا ہے۔ان کے والد اور دادا دونوں عدالت میں داروغہ تھے۔انور ایک ہم عصر شاعر ہیں اور ۱۸۲۷ء میں پیدا ہوئے۔وہ ہندوستانی اور فارسی میں غزل کہتے ہیں۔سرور اور کریم ان کی بڑی تعریف کرتے ہیں اور ان کے بہت سے اشعار نقل کرتے ہیں۔

انوار:

سرور نے صرف ان کے تخلص کا ذکر کیا ہے۔ غالباً یہ ایک دوسرے اور انور سے مختلف ہیں کیوں کہ دوسرے کے نام کے املا میں فرق ہے لیکن یہ طباعت کی غلطی ہوسکتی ہے۔

انیس۔امیر الدولہ نوازش خان:

وہ شاہ نواز خان کے بھانجے تھے جو شاہ عالم کے وزیر اول کی حیثیت سے بہت مشہور تھے۔ان کے استاد نظام الدین ممنون تھے۔انیس بھی وزیر اول کے عہدے پر تھے لیکن شعر گوئی کا بھی شوق رکھتے تھے اور شیفتہ اور کریم کا بیان ہے کہ وہ دہلی میں مشاعرہ کی مجلسیں منعقد کرتے تھے۔

انیس۔حمید الرحمٰن:

وہ میاں جان کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ یہ انیس امیر الدولہ نوازش خان کے صاحبزادے ہیں۔ وہ اردو کے شاعر بھی ہیں اور قاسم نے ان کی بڑی تعریف کے ساتھ ہی اشعار بھی نقل کیے ہیں۔معلوم نہیں کہ یہ وہی منشی میاں جان ہیں جنھوں نے ''دستور الارقام'' لکھا ہے جو کہ سنہ ۱۸۵۹ء میں الٰہ آباد سے ۴۸ صفحوں پر شائع ہوا ہے۔خطوط کے اس انتخاب میں انشا پردازی کا وہ لطف نہیں ہے جو تشبیہ و استعارات کی رنگ آمیزی کی وجہ سے مشرق میں بہت پسند کیا جاتا ہے بلکہ چارلس اسٹورٹ کی فارسی کتاب کی طرح تجارتی اور کاروباری خطوط کے نمونوں کا مجموعہ ہے۔

آوارہ۔ میر محمد کاظم:

وہ میر زین العابدین آشنا کے چچازاد بھائی اور فتح علی حسینی کے چھوٹے بھائی کے خسر تھے۔ اس تذکرہ نویس کے بقول وہ ایک اچھے ہندوستانی شاعر ہیں۔ غالباً یہ وہی شاعر ہیں جن کا ایک واسوخت، مجموعہ واسوخت میں شامل ہے۔

آواری۔ ابنِ نشاطی:

وہ دکن کے ایک شیعہ مصنف ہیں۔ حسبِ ذیل ان کی تصانیف ہیں۔

ا۔ انھوں نے ایک عجیب کہانی دکنی زبان میں ''پھول بن'' نام کی منظوم کی ہے۔ یہ کہانی تیلنہ شاہ اور شاہزادی پھول بن سے متعلق ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک فارسی کتاب ''بساطین'' کا ترجمہ ہے۔ محمد ابراہیم نے اپنی تصنیف ''انوارِ سہیلی'' میں ''پھول بن'' کا ذکر کیا ہے اور بتایا کہ وہ دکنی زبان کا بہترین کلام ہے۔

C. Stewart کے مطابق یہ کتاب ۱۰۵۹ھ/ ۱۶۴۹ء میں لکھی گئی ہے اور انڈیا آفس کے ایک قلمی نسخے کے مطابق اس کتاب کی تصنیف کا سال سنہ ۱۰۶۶ھ/ ۶۔۱۶۵۵ء ہے۔ یہ نسخہ باتصویر ہے لیکن افسوس ہے کہ مکمل نہیں ہے، بہت سے اوراق غائب ہیں اور بہت سے ایسے خستہ حالت میں ہیں کہ پڑھنا مشکل ہے۔ اسی کتب خانے میں اس کتاب کا ایک اور قلمی نسخہ موجود ہے جو چھوٹی تقطیع کے ۱۳۰ صفحات پر مشتمل ہے لیکن اس نسخے میں صرف ابنِ نشاطی کا نام لکھا ہے۔

۲۔ ''طوطی نامہ''، جو ہندوستانیوں کے لیے ایک پسندیدہ منظوم کہانی ہے۔ یہ ایک مثنوی ہے جو سنہ ۱۰۴۹ھ/ ۴۰۔۱۶۳۹ء میں لکھی گئی تھی۔ یہ نخشبی کی فارسی کتاب کا دکنی ترجمہ ہے۔ پیرس میں ایک بہت خوبصورت باتصویر نسخہ موجود ہے۔ یہ نسخہ Feuillet de Conches کے پاس ہے جو ان کے لیے ہندوستان سے جنرل Allard لے گئے تھے۔

اس موضوع پر ہندوستان میں کئی کتابیں ہیں جن کے مصنف غواصی، حیدری اور دوسرے ہیں۔ میں ذیل کی دو کتابوں سے واقف ہوں:

ا۔ ایک دکنی نثر میں جس کا ایک نسخہ Falconer کے پاس تھا۔

۲۔ ایک ہندی رسم الخط میں جس کا ایک خوبصورت نسخہ میرے پاس ہے۔

فورٹ ولیم کالج کے کتب خانے میں ''منتخب طوطی نامہ'' کا بھی ایک نسخہ ہے۔ لیکن میں نہیں کہہ سکتا یہ کہاں سے نقل کیا گیا ہے۔ آواری کا کلام گولکنڈہ کے سلطان، سلطان عبداللہ قطب شاہ غازی وارث محمد

حیدرآبادی کے نام سے معنون ہے جو کہ محمد قلی قطب شاہ کے بھائی ہیں۔ محمد قلی قطب شاہ اردو کے بہت عمدہ شاعر ہیں اور اس کتاب میں ان پر ایک مضمون موجود ہے۔

عبداللہ مغلیہ شہنشاہ شاہ جہاں کے مطیع تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ''طوطی نامہ'' وہی ہے جس کا ذکر غواصی کے ذکر میں کیا گیا ہے۔ اس دوسری کتاب کا مصنف غواصی ہے اور شاید غواصی، آواری ابن نشاطی ایک ہی ہیں۔

اوباش۔ شیخ امیر الزمان بجنوری:

وہ لکھنؤ کے ایک شیخ زادے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اردو شاعر کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں۔ سنہ ۱۸۹۳ء میں وہ نوجوان تھے۔ اوباش کے استاد مصحفی نے ان کی بڑی تعریف کی ہے اور چند اشعار ان کے نقل کیے ہیں:

یار وہ مجھ سے مہ جبیں نہ ہوا   میری خواہش پہ آسمان نہ پھرا
دین و دنیا سے ہم پھرے پر آہ   اپنی خو سے وہ بدگماں نہ پھرا
ہوگئے پیر انتظار میں ہم   تو بھی اوباش وہ جواں نہ پھرا

''تذکرہ ہندی'' از مصحفی، ص۳۰

اوج۔ عبداللہ:

سروتھ کے رہنے والے تھے۔ سرور ہندوستانی شعرا میں ان کو شمار کرتے ہیں۔

اوج مرزا علی حسین۔ لکھنوی:

مرزا عسکری سے تعلق رکھتے تھے۔ آتش ان کے استاد تھے۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جس کے اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

اوج۔ مولوی امام الدین:

وہ لکھنؤ کے ضلع میں پھانی کے رہنے والے تھے۔ ان کے استاد عاشور علی خان بہادر تھے۔ محسن نے اس ہندوستانی شاعر کے چند اشعار اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

اوصاف:

محسن نے اپنے تذکرے میں اس اردو شاعر کی ایک غزل نقل کی ہے جس کا موضوع ایک خوبصورت نازک پاؤں کا سراپا ہے۔

اولاد۔ میر اولاد علی:

وہ بارہ کے سید ہیں اور ایک مسلمان عالم ہیں اور اردو شاعر کی حیثیت سے ان کا ذکر کریم اور حیدری کے تذکروں میں کیا گیا ہے۔ حیدری نے اپنے تذکرے میں ان کا نام میر علی اولاد رکھا ہے۔ شاید یہ وہی شخص ہیں جو آج کل ڈبلن میں ہندوستانی، فارسی اور عربی کے پروفیسر ہیں۔ یہ پروفیسر زبردست عالم بھی ہیں اور شعر بھی کہتے ہیں۔ میں نے ان کا ذکر اپنے ۱۸۶۷ء کے خطبے میں کیا ہے۔

اولیاء [میر]:

وہ ایک شریف مسلمان تھے اور لکھنؤ کے قریب موہن میں پیدا ہوئے لیکن مرشد آباد میں رہتے تھے جہاں، جس وقت علی ابراہیم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے، ان سے ملے۔ علی ابراہیم کہتے ہیں کہ وہ ایک اچھے شاعر تھے اور اپنے ''تذکرہ گلزار'' میں ان کے کچھ اشعار نقل کرتے ہیں۔ محسن نے بھی ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

اویس۔ شیخ غلام محی الدین۔ پیرزادہ:

ان کا آبائی وطن سرہند تھا لیکن وہ دہلی میں پیدا ہوئے اور ۱۲۱۳ھ ۹۸۔۱۷۹۸ء میں بریلی میں رہتے تھے۔ یہاں انھوں نے شاعر کی حیثیت سے شہرت حاصل کی اور ۱۲۱۵ھ/۱۔۱۸۰۰ء میں وہ دکن تشریف لے گئے۔ قاسم کے بقول انھوں نے بریلی میں ۱۲۲۱ھ/۷۔۱۸۰۶ء میں انتقال کیا۔

آہ۔ میر اکبر علی خان لکھنوی:

سید ولایت علی خان کے بیٹے اور میر محمد حسین خان کے پوتے ہیں۔ وہ مرصع رقم کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے کیوں کہ انھوں نے ایک نہایت ہی خوش نما انداز ایجاد کیا تھا۔ آہ ایک ہندوستانی دیوان کے مصنف ہیں اور محسن نے ان کے دیوان سے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

آہ۔ میر مہدی:

عشقی کے مطابق وہ اپنے والد میر محمد سوز کے نقشِ قدم کی پیروی کرتے تھے۔

اہل اللہ۔ شاہ:

آپ شاہ ولی اللہ کے چچا تھے۔ انھوں نے ''رسالہ چہار باب'' تصنیف کیا ہے جس میں اسلام کے اصولوں کو بیان کیا گیا ہے اور قانونِ وراثت کی تشریح کی گئی ہے۔ یہ کتاب ۵۰ صفحات پر مشتمل ہے، مارچ ۱۸۶۶ھ میں میرٹھ کے ''اخبار عالم'' میں اس پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

ایجاد۔ مرزا آغا خان:

یہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں۔ مجھے ان کے نام کے متعلق کوئی تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

اشوری داس:

انھوں نے ہندوستان میں شادیوں کے موقعے پر فضول اخراجات کے متعلق ایک مضمون لکھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس مضمون میں ان تنقیدوں کا جواب ہے جن میں فضول اخراجات کی مخالفت کی گئی ہے۔ یہ مضامین مختلف افراد اور تعلیمی اداروں کی طرف سے وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں۔ اس مضمون کا عنوان جواب مضمون ہے اور یہ میرٹھ سے سنہ ۱۸۶۲ء میں شائع ہوا ہے۔

ایما۔ سید حسین علی خان:

میر وفا خان کے لڑکے تھے اور ان کا آبائی وطن خراسان تھا وہ حیدر آباد میں رہتے تھے۔ کمال ان سے اچھی طرح واقف تھے اور انھوں نے ان کی بڑی تعریف کی ہے۔ کمال نے ان کی متعدد غزلیں اور ایک طویل قصیدہ نقل کیا ہے۔

ایمان۔ سید محمد خان حیدر آبادی:

وہ ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر محسن نے اپنے تذکرے میں کیا ہے اور ان کے چند اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

الم۔ میر صاحب دہلوی:

بقول مصحفی خواجہ میر درد کے بیٹے اور شیفتہ کے مطابق میر درد کے بھتیجے اور خواجہ محمد میر کے بیٹے ہیں۔ جو خواجہ محمد میر خواجہ کے بھائی تھے۔ الم ایک مشہور صوفی بزرگ تھے اور ۱۷۹۶ء میں جوان تھے۔ مصحفی لکھتے ہیں کہ وہ ایک نیک دل اور خوش مزاج شخص تھے اور شاعری کا اعلیٰ مذاق رکھتے تھے جو انھوں نے اپنے والد سے ورثے میں پایا تھا۔ خاص طور پر وہ رباعی اور مطلع خوب لکھتے تھے۔

۱۱۹۴ھ/۱۷۸۰ء میں ان کا قیام مرشد آباد میں تھا جہاں ان کے دوست راجہ دولت رام بھی رہتے تھے۔ لطف کہتے ہیں کہ وہ دہلی میں ۱۲۱۵ میں گوشہ نشین ہوگئے تھے اور ۱۲۲۱ھ/۷-۱۸۰۶ء میں زندہ تھے۔ انھوں نے ہندوستانی شاعری میں گراں قدر اضافہ کیا ہے اور ان کی کچھ غزلوں کو مصحفی، علی ابراہیم اور لطف نے نقل کیا ہے۔

آسی۔ رام پوری:

وہ ایک شاعر ہیں جن کا ذکر قاسم نے کیا ہے اور بعض اشعار کا حوالہ بھی دیا ہے۔

اشتر۔ میر محمد:

میر درد کے چھوٹے بھائی تھے۔ ''مسرت افزا'' میں ان کا ذکر اردو شاعر کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔

اظہر۔ شیخ اور مولوی کرامت علی:

وہ ضلع فرخ آباد کے قصبے شیخ پور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد امانت علی اور ان کے استاد شیخ نصیر دہلوی تھے۔ محسن نے ان کے دیوان سے چند غزلیں نقل کی ہیں۔ اظہر خاص طور پر اپنے قطعات تاریخ کی وجہ سے ممتاز تھے۔ کریم الدین نے سرور کے ''فسانۂ عجائب'' پر ۱۲۵۳ھ/۱۸۴۳ء میں اظہر کی ایک تاریخ نقل کی ہے۔

اعزاز: میر باقر علی لکھنوی:

میر اسد صبر کے بیٹے اور میر علی اوسط اشک کے شاگرد تھے۔ اس اردو شاعر کے چند اردو اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔

الہام۔ شیخ شرف الدین عرف شاہ ملول:

انھوں نے دو فارسی دیوان کے علاوہ اردو اشعار بھی کثرت سے کہے ہیں۔ پہلے ملول اور بعد میں الہام تخلص اختیار کیا۔ وہ لکھنؤ میں رہتے تھے جہاں ان کے شاگرد اور دوست سیکڑوں کی تعداد میں موجود تھے۔ ان کا خاندان لکھنوی تھا لیکن ان کے آباؤ اجداد کا وطن مردا آباد تھا۔ ۱۷۹۳ء میں وہ ستر سال سے زیادہ عمر کے تھے۔ لطف نے ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔

اوج۔ میر محمود جان:

وہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور کانپور میں رہتے تھے۔ ان کے والد جواد شاہ تھے اور ان کے استاد کا نام علی اوسط رشک تھا۔ وہ صاحبِ دیوان ہیں۔ ان کے چند اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔

اولیٰ:

علی ابراہیم نے صرف اس قدر بتایا ہے کہ اولیٰ کا سلسلۂ نسب حضرت علی اور بارہہ کے سیدوں سے ملتا تھا۔ تذکرہ نگار نے ان کا صرف ایک معمولی شعر نقل کیا ہے۔

ببر۔ بابر علی شاہ۔ دہلوی:

یہ ایک ہمعصر شاعر اور شاہ محمد اسمٰعیل مائل کے شاگرد ہیں۔ قاسم اور سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔ ان کا یہ دستور ہے کہ وہ ہر مہینے کی ۱۳ اور ۲۹ تاریخ کو ایک مجلسِ مشاعرہ منعقد کرتے ہیں اور اس میں شرکت کرنے والوں میں تحفے تقسیم کرتے ہیں۔

باسط خان:

انھوں نے ''گلشنِ ہند'' کے نام سے ایک کہانی لکھی ہے۔ غالباً یہ وہی قصہ ہے جس کا ذکر احمد علی کے مضمون میں کیا گیا ہے۔

باسط۔ لالہ انند سروپ:

وہ بنارس میں تحصیلدار تھے اور شعر بھی کہتے تھے۔

باطن۔ حکیم میر اور سید غلام قطب الدین:

وہ آگرہ کے رہنے والے اور خلیفہ گلزار علی اسیر کے شاگرد ہیں۔ وہ ہندوستانی میں شعر و سخن کرتے تھے اور محسن نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔ انھوں نے ''گلشنِ بے خزاں'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے لیکن ڈاکٹر اسپرنگر کا خیال ہے کہ یہ ''گلشنِ بے خار'' کا ترجمہ ہے لیکن اس کی زبان اچھی نہیں ہے۔ دراصل یہ ''گلشن بے خار'' کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ باطن نے اس کا جواب لکھا ہے اور جن شاعروں پر شیفتہ نے تنقید کی ہے باطن نے ان کی تعریف کی ہے۔

باطن کا خاندان عرب سرائے میں رہتا تھا جو دہلی سے ۵ میل جنوب میں واقع ہے لیکن ان کے دادا آگرہ چلے گئے تھے جہاں وہ طبابت کا پیشہ کرتے تھے اور یہیں انھوں نے ۱۲۵۹ھ/۴۔۱۸۴۳ء میں وفات پائی۔ باطن کی پیدائش آگرہ میں ہوئی اور وہ بھی طبابت کرتے تھے۔

میرا خیال ہے کہ انھوں نے ''بیاضِ باطنی'' بھی لکھی ہے جو فارسی کا ایک تذکرہ ہے اور جس کا ذکر N.Blaud نے اپنے مضمون میں کیا ہے۔

باقر علی:

وہ ''کسور اعشاریہ'' کے مصنف ہیں۔ یہ کتاب میرٹھ سے ۱۸۶۴ء میں شائع ہوئی ہے۔

باقر۔ مولوی محمد علی:

وہ ۱۸۴۴ء سے موتی لال کے ساتھ ''دہلی اردو اخبار'' کے مدیر ہیں۔ ابتداً اس اخبار کے مدیر سید حسین اور محمد حسن رخشی تھے۔ غالباً وہ دہلی کے ایک دوسرے اخبار ''مظہر الحق'' کے مالک ہیں لیکن اس کی ادارت کے فرائض کسی دوسرے شخص کے سپرد ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے اس نام سے ایک کتاب بھی لکھی ہے جس میں مسلمانوں کے مختلف مذہبی مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔ اس میں عربی کی متعدد عبارتیں نقل کی گئی ہیں اور یہ کتاب دہلی سے ۱۸۵۰ء میں شائع ہوئی ہے۔

غالباً انھوں نے مولوی محمد علی کے نام اور محمد کے تخلص سے ایک کتاب لکھی ہے جس کا عنوان ''آ ثار محشر'' ہے۔ یہ کتاب رفیع الدین کی فارسی کتاب کا اردو میں منظوم ترجمہ ہے۔ رفیع الدین شیخ عبدالعزیز دہلوی کے بھائی تھے۔

باقر۔ میر قربان علی خان:

سمانہ کے رہنے والے تھے۔ آپ کا لقب مخلص علی خان تھا اور آپ خرم تخلص کرتے تھے۔ باقر علی کے والد کا نام امجد علی خان تھا اور علی وردی خان اور سبحان علی خان کمبوہ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ باقر کے ایک بھائی کا نام میر فرزند علی تھا۔

باقر دہلی اور لکھنؤ میں رہتے تھے اور ہندوستانی اور فارسی زبانوں میں شاعری کرتے تھے۔ انھوں نے فارسی میں ''شعلہ جاں سوز'' کے نام سے ایک مقصہ لکھا ہے جس کے آخری حصے میں احمد علی خان احمد کی ایک تاریخ ہے جس سے اس کتاب کی تاریخ نکلتی ہے۔ ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۷ء۔ انھوں نے زیادہ تر مرثیے لکھے ہیں۔ کمال ان کے استاد تھے اور انھوں نے اپنے تذکرے میں باقر کی بڑی تعریف کی ہے۔

منولال نے بھی اپنے گلدستے میں باقر کے چند اشعار، جو تشبیہات اور استعارات سے پُر ہیں، نقل کیے ہیں۔

باقر نواب۔ محمد باقر خان۔ لکھنوی:

وہ ظہیر الدولہ غلام یحییٰ بہادر کے بیٹے تھے جو محمد علی شاہ کے وزیر اعظم تھے۔ باقر ایک ہندوستانی شاعر تھے اور انھیں خواجہ وزیر سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

باقی:

یہ مشہور ترکی شاعر نہیں ہیں بلکہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں۔ ان کا ذکر محسن نے ''سراپا سخن'' میں کیا ہے۔

بالا۔ رحم رسول:

وہ ناہر ہرا کے رہنے والے تھے لیکن ان کا آبائی وطن بلگرام تھا اور وہ مشہور بزرگ شاہ برکت کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ سرور نے ان کے ہندوستانی اشعار کا ذکر کیا ہے۔

بالغ۔ مولوی حاجی قدرت اللہ:

وہ مشہور مسلمان دینی پیشوا فخر الدین کے مرید تھے۔ وہ المدان میں رہتے تھے جو دوآبہ میں سراوا کے قریب ہے۔ وہ اپنے تقدس اور علمی معلومات کے لیے مشہور تھے۔

انھوں نے ایک فارسی دیوان چھوڑا ہے اور ہندوستانی زبان میں بے شمار غزلیں کہی ہیں۔ سرور نے ان کے ہندوستانی قصیدے کے چند ابتدائی اشعار نقل کیے ہیں۔

بال گوبند۔ منشی اور بابو:

متھرا کے رہنے والے تھے اور مندرجہ ذیل رسالوں کے مدیر ہیں:

۱۔ آگرے کا اردو اخبار جوان کے پریس سے شائع ہوتا ہے۔

۲۔ آگرے کا ماہانہ ادبی اردو رسالہ ''تذکرۂ بال گوبند''۔ اس رسالے کے ذریعے گوبند کی متعدد شائع کردہ کتابوں کا عوام میں تعارف ہوا ہے۔

۳۔ آگرہ سے ایک اردو مجلّہ جس کا نام ''تقویم'' ہے۔ ۱۸۶۸ء میں جو مجلّہ شائع ہوا تھا اس میں بڑی تقطیع کے ۵۶ صفحات تھے۔

بال مکند:

سکندر آباد کے رہنے والے اور ایک ہم عصر شاعر ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ اسی نام کے ایک دوسرے قدیم شاعر سے مختلف ہیں جو حضور تخلص کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کا ذکر حضور کے تحت آئے گا۔ بال مکند سکندر آبادی نے ایک مثنوی لکھی ہے جس کا نام ''لختِ جگر'' ہے جو اندور سے ۱۸۵۰ء میں شائع ہوئی ہے۔

بحر۔ شیخ امداد علی۔ لکھنوی:

وہ شیخ امام بخش خان ناسخ کے بیٹے اور ممتاز شاگرد ہیں۔ انھوں نے ہندوستانی اشعار کا ایک دیوان مرتب کیا ہے اور اس سے چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔ انھوں نے ایک واسوخت بھی لکھا ہے جو ''مجموعۂ واسوخت'' میں شامل ہے۔ شیفتہ ان کو میاں بحر کہتے ہیں۔

بختاور سنگھ۔ راؤ:

وہ ''تاریخِ بدایوں'' کے مصنف اور ایڈیٹر ہیں۔ یہ کتاب الٰہ آباد سے چھوٹی تقطیع کے ۸۴ صفحات پر ۱۸۶۸ء میں شائع ہوئی ہے اور اسی سال بریلی سے بھی اس کا ایک دوسرا ایڈیشن شائع ہوا ہے۔

بخش یا الٰہی بخش:

وہ ایک طوائف زادے تھے اور ان کے باپ کا کسی کو کوئی علم نہیں ہے۔ انھوں نے تارک الدنیا کی وضع اختیار کرلی تھی اور ایک کمبل میں ملبوس رہتے اور ہاتھ میں فقیروں کا ڈنڈا ہوتا تھا لیکن اس کے باوجود ان کی نجی زندگی کافی حد تک ہوسناکی اور عشرت پسندی میں گزری ہے۔ وہ پانی پت میں پیدا ہوئے اور وہیں بود و

باش بھی اختیار کی۔ ان کا انتقال ۱۸۳۷ء میں اسی مقام پر ہوا ہے۔ وہ غزل گوئی کی اچھی استعداد رکھتے تھے۔ انھوں نے ایک دیوان بھی چھوڑا ہے۔ اس دیوان کا ایک نسخہ ان کے شاگرد برق کے پاس پانی پت میں موجود تھا۔

بخشش علی۔ سید۔ فیض آبادی:

انھوں نے مشہور و معروف فارسی کتاب ''سیر المتاخرین'' کا اردو میں ترجمہ کیا ہے جو جدید ہندوستان کی ایک تاریخ ہے۔ اس کتاب کا ایک انگریزی ترجمہ بھی موجود ہے۔ بخشش علی نے اپنی کتاب کا نام'' اعمال نامہ'' رکھا ہے۔ کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے میں اس کتاب کا ایک نسخہ موجود ہے۔ Prinsep نے اس کتب خانے کی کتابوں کی ایک فہرست شائع کی ہے اور اس میں اس کتاب کا بھی ذکر ہے۔

۴۔۱۸۴۳ء کی *Report of Public Instruction* کے مطابق ''اعمال نامہ'' دہلی سے شائع ہوا ہے۔

بخشی۔ حسین بخش:

آگرہ کے رہنے والے تھے اور کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ سرور نے ان کا ذکر شاعر کی حیثیت سے اپنے تذکرے میں کیا ہے۔

بدر:

انھوں نے ایک افسانہ لکھا ہے جس کا نام'' ہشت چمن'' ہے اور جو لکھنؤ میں شائع ہوا۔ یہ مصنف غالباً وہی بدر [سید آغا علی خان] ہیں جو میر عباس شوستری کے بیٹے اور محمد بخش شاہد کے شاگرد تھے۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ان کا ذکر کیا ہے۔

برشتہ۔ آغا حسین علی۔ لکھنوی:

وہ میر تقی میر کے شاگرد ہیں۔ انھوں نے ایک ہندوستانی اور ایک فارسی دیوان مرتب کیا تھا جس کے اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

برشتہ۔ میاں مشرف یا شرف الدین۔ دہلوی:

وہ بھورے خان عظیم الدین آشفتہ کے شاگرد تھے اور قاسم ہندوستانی شاعروں میں ان کو شمار کرتے ہیں۔

برکات یا برکت، سید برکت علی خان:

وہ صوبہ اودھ میں خیر آباد میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے بے شمار غزلیں کہی ہیں جو زیادہ تر عشقیہ رنگ میں ہیں۔ سرور، شیفتہ اور کریم نے اپنے تذکروں میں ان کا ذکر کیا ہے۔ وہ صوبے کے گورنر جنرل Ochterlony کی ملازمت میں تھے جو برکت کو ایک ممتاز عالم سمجھتے تھے اور اس لیے انھوں نے ان کو اپنے دارالسلطنت میں رکھا تھا۔ بعد میں جنرل Ochterlony نے ان کو راجہ پٹیالہ کا مختار مقرر کردیا تھا۔ برکت نے خیر آباد میں ۱۲۴۴ھ/۹۔۱۸۲۸ء میں انتقال کیا۔

برکات علی:

وہ ''خزانۂ برکت'' کے مصنف ہیں۔ یہ علمِ ہندسہ کا ایک خلاصہ ہے اور دہلی سے ۱۸۶۸ء میں چھوٹی تقطیع پر ۶۰ صفحات میں شائع ہوا ہے۔

برکات۔ مفتی برکت اللہ خان:

وہ ضلع سہارنپور میں کوتانہ کے رہنے والے تھے اور مفتی قدرت اللہ کے بیٹے تھے۔ فارسی اور ہندوستانی میں شعر وسخن کرتے تھے۔ ابوالحسن نے ان کے ہندوستانی اشعار کو ۴ صفحات میں نقل کیا ہے۔

برق۔ خواجہ محمد انصاری۔ پانی پتی:

وہ بخش کے شاگرد تھے اور اپنے وقت کا زیادہ تر حصہ قلندروں کی صحبت میں گزارتے تھے۔ آپ نے تعلیم حاصل نہیں کی تھی لیکن اس کے باوجود برجستہ اشعار کہتے تھے اور ستار کے بڑے ماہر تھے۔ انھوں نے اپنے استاد کی طرح بہت ہی رنگین زندگی بسر کی ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بھنگ کا نشہ کرنے کی بھی بُری عادت رکھتے تھے۔ ۱۸۲۷ء میں ان کی عمر ۴۰ سال کی تھی۔ اور وہ بہت ہی دبلے تھے۔ کریم نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

شاید یہ وہی برق [پروانہ علی شاہ مراد آبادی] ہیں جو شاد یار خان کے شاگرد تھے اور جن کا ذکر مصحفی نے کیا ہے۔

برق۔ فتح اللہ:

وہ مرزا محمد رضا کے بیٹے ہیں اور شعر وسخن سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان کا ایک واسوخت لکھنؤ اور دہلی کے'' مجموعۂ واسوخت'' میں شائع ہوا ہے۔ شاید یہ وہی مولوی فتح اللہ ہیں جن کا ایک رسالہ دہلی کے دارالاسلام پریس کی مطبوعات میں سے ہے۔ مجھے اس کتاب کا موضوع معلوم نہیں۔

برق ۔ فتح الدولہ بخش الملک مرزا محمد رضا خان بہادر:

وہ مرزا کاظم علی صالح کے بیٹے ہیں اور ناسخ کے ایک ممتاز شاگرد۔ وہ ایک دیوان کے مصنف بھی ہیں جس کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔

برق ۔ قاضی محمد نجم الدین:

ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر باطن نے کیا ہے۔

برق ۔ مرزا خدا بخش بہادر:

وہ خاندانِ تیموریہ کے ایک شاہ زادے ہیں اور نصیر کے شاگرد تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر ذکا نے کیا ہے۔

برق ۔ میاں شاہ جی یا جیو۔ لکھنوی:

وہ غلام ہمدانی مصحفی کے شاگرد تھے۔ بنی نرائن نے ان کی مندرجہ ذیل غزل کو نقل کیا ہے:

یوں لاکھ ہوں دنیا میں تو کچھ کام نہیں ہے — واللہ کہ تجھ بن مجھے آرام نہیں ہے

ہووے دل پژمردہ میرا کیوں کہ شگفتہ — ہے باغ میں گل پر وہ گل اندام نہیں ہے

کیا دھوم سے امڈی ہے گھٹا ایسی ہوا میں — افسوس کہ ساقی دے و جام نہیں ہے

اے برق نہ جی اپنا جلا یاد میں اس کی — کچھ خوف تو اس کام کا انجام نہیں ہے

''تذکرۂ ہندی'' از مصحفی، ص ۴۵

برق ۔ لالہ بھگوان دت ۔ لاہوری:

وہ ایک ممتاز ہمعصر شاعر ہیں اور نصیر سے شرفِ تلمّذ رکھتے ہیں۔ ۱۸۴۴ میں وہ بقیدِ حیات تھے۔ کریم نے ان کا ذکر کیا ہے۔

برہمن ۔ داتا رام:

وہ ایک ہندو برہمن تھے اور اردو میں شعر کہتے تھے۔ انھوں نے تخلص کے لیے اپنی ذات کو پسند کیا۔

بزاز ۔ حسین بخش:

وہ آگرہ کے ایک تاجر تھے اور ہندوستانی میں فکرِ سخن کرتے تھے۔ شیفتہ نے ان کا ذکر کیا ہے۔

بسمل ۔ پنڈت سندر لال آنجہانی:

وہ بخشی ٹیکا رام کے بیٹے تھے۔ ان کا آبائی وطن کشمیر تھا لیکن لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ وہ کانپور میں محافظِ

دستاویزات تھے۔ ان کے استاد کا نام امام بخش ناسخ تھا۔ بسمل ایک دیوان کے مصنف ہیں جس سے چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔

بسمل۔ پنڈت منولال:

وہ اورنگ آباد کے کائستھ اور سید محمد علی نظیر کے شاگرد تھے۔ بسمل اردو زبان کے شاعر اور ہندی کے نثر نگار تھے۔ کریم نے ان کا ایک شعر نقل کیا ہے۔

بسمل۔ حافظ حفیظ اللہ:

یہ ہندوستانی شاعر دہلی میں پروفیسر تھے اور ان کے استاد نصیر تھے۔ ذکا نے ان کا ذکر کیا ہے۔

بسمل۔ سیدی حمید:

وہ پٹنہ کے بلال محمد خان کے بیٹے تھے اور ابتدا میں منیر الدولہ کے پاس ملازم تھے۔ بعد میں بنگال چلے گئے اور یہاں اپنی شاعری کی وجہ سے کافی مشہور ہو گئے۔ یہ تفصیل عشقی کے ذریعے معلوم ہوئی ہے جن کا اسپرنگر نے حوالہ دیا ہے۔

بسمل۔ علی یار خان:

وہ چند ہندوستانی اور فارسی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی ایک کتاب ایسٹ انڈیا لائبریری میں موجود ہے۔

انھوں نے اپنے اشعار کے دو مجموعے مرتب کیے ہیں جن کا نام ''پہیلی ریختہ'' ہے۔ ایک میں ۵۰۰ پہیلیاں ہیں اور اس کتاب کو آصف الدولہ کے نام معنون کیا گیا ہے۔ دوسری کتاب میں ۳۰۰ پہلیاں ہیں۔ یہ دونوں کتابیں لکھنؤ توپ خانہ لائبریری میں تھیں۔

بسمل۔ گدا علی بیگ:

یہ ہندوستانی شاعر فیض آباد میں اٹھارویں صدی کے دوسرے نصف حصے میں رہتے تھے۔ علی ابراہیم نے اپنے گلزار میں ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ اسپرنگر کے مطابق بسمل نے ''دنیوی نامہ'' کے نام سے ایک مثنوی بھی لکھی ہے۔

بسمل۔ محمد بیگ یا مرزا اللہ یار بیگ۔ لکھنوی:

وہ مرزا محمد امین بیگ طاہر کے بیٹے اور شاگرد تھے۔ انھوں نے ایک دیوان مرتب کیا ہے جس کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔

بسمل ۔ محمد عبدالحکیم ۔ دہلوی:

یہ ہندوستانی شاعر حکیم پیر بخش کے بیٹے اور مولوی امام بخش صہبائی کے بھتیجے ہیں۔ محسن نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

بسمل ۔ مرزا بجھو بیگ ۔ دہلوی:

وہ مغل تھے اور فوج میں ملازمت کرتے تھے۔ وہ شعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے جسے انھوں نے سودا سے حاصل کیا تھا۔ انھوں نے ایک دیوان چھوڑا ہے جس کا سرور اور ذکا نے ذکر کیا ہے۔

بسمل ۔ مولوی محمدی:

میاں صاحب کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ غالباً یہ وہی شخص ہیں جنھیں محسن بسمل محمدی بیگ کہتے ہیں۔ وہ عربی ادب، حدیث وفقہ، فلسفہ اور اس دور کے ضروری سائنٹیفک علوم کے ماہر تھے۔ انھوں نے [''وقایہ'' اور ''ہدایہ'' کو بھی پڑھا تھا جو فقہ کے موضوع پر شرح کی مشہور کتابیں ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے حدیث میں ''مشکوۃ'' اور ''صحیح بخاری''] کا بھی مطالعہ کیا تھا۔ وہ مرحوم مولوی فخرالدین کے گہرے دوست تھے اور قاسم کو ان سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ انھوں نے صرف ونحو کے متعدد رسالے لکھے ہیں اور ان میں سے ایک کا نام ''معارج التصریف'' ہے۔ اس کے علاوہ وہ فارسی اور ہندوستانی زبان میں شعر وسخن بھی کرتے تھے جو دو دیوان کی صورت میں محفوظ ہیں۔ اِن میں ایک فارسی کا اور دوسرا اردو کا دیوان ہے۔ انھوں نے چند مثنویاں بھی لکھی ہیں۔ ایک ''جبل بسمل'' ہے اس میں نماز کے متعلق تمام مسائل درج ہیں۔ کریم الدین نے اس بات پر تاسّف کا اظہار کیا ہے کہ ان کے وارثین کو ان کی کتابوں کی صحیح قدر و قیمت معلوم نہیں تھی کیوں کہ ان دنوں وہ زیادہ مقبولیت حاصل نہیں کر سکی تھیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے ان کی کتابوں کو بڑی بے قدری کے ساتھ فروخت کر دیا تھا۔

بسمل نے ''مشارق الانوار'' کا اردو میں ترجمہ کیا ہے اس کے علاوہ انھوں نے ابتدائی تعلیم کے متعدد رسالے الٰہی بخش کی خاطر لکھے ہیں جو ایک کمسن بچہ تھا اور جسے وہ بہت ہی عزیز رکھتے تھے۔

بسمل ۔ میر جبر علی:

وہ الٰہ آباد کے صوبے میں چتر گڑھ کے رئیس تھے۔ جب سرور اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو وہ بقیدِ حیات تھے۔ وہ ایک طویل عرصے تک عظیم آباد میں مقیم رہے۔ بعد میں بنارس [جسے مسلمان محمد آباد یا اسلام آباد کہتے ہیں] چلے گئے تھے جہاں وہ مہاراجہ چیت سنگھ کے مدارالمہام مقرر ہو گئے تھے۔ ۱۱۹۶ھ/۲-۱۷۸۱ء میں

ابراہیم کو ان سے ملنے کا وہیں اتفاق ہوا تھا۔ وہ بہت ہی نرم دل، ذہین اور آزاد شخص تھے اور اس دور کے شعرا میں انھیں ایک بلند حیثیت حاصل تھی۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے۔ ابراہیم، لطف اور محسن نے اپنے تذکروں میں اس دیوان کے متعدد صفحات کو نقل کیا ہے۔

بشیر۔ سید محمد علی۔ دہلوی:

وہ مشہور صوفی قادر بخش کے بیٹے تھے اور کول میں جو دہلی کے قریب ہے داروغہ تھے۔ وہ کچھ عرصے تک صوبہ اودھ میں سلون میں بھی رہے تھے۔ ان کا شمار ہندوستانی شعرا میں ہوتا ہے۔

بشیر۔ میر بشارت علی شاہ:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر مصحفی اور دوسرے تذکرہ نویسوں نے کیا ہے۔ ابتدا میں وہ دہلی میں رہتے تھے اور بعد میں لکھنؤ میں بود و باش اختیار کر لی تھی جہاں نظام الدین ممنون کے شاگرد تھے۔ شیفتہ کہتے ہیں کہ جب وہ لکھنؤ سے دہلی واپس آ رہے تھے تو ۱۲۰۴ھ/ ۹۰۔۱۷۸۹ میں دوران سفر مرض ہیضہ میں مبتلا ہو کر انتقال کر گئے۔ قاسم کے مطابق وہ مرشد آباد چلے گئے تھے اور ذکا کا بیان ہے کہ ان کی وفات یہیں ہوئی ہے۔

بشیر ناتھ۔ پنڈت:

وہ صوبہ بندیل کھنڈ میں رتلام کے مقام پر ایک ہفتہ وار ہندی اردو رسالے کے مدیر ہیں۔ یہ رسالہ ۱۸۶۸ء سے ''رتن پرکاش'' کے نام سے نکلتا ہے۔ اس کا ہر شمارہ اردو میں چار صفحوں میں ہوتا ہے اور بعد میں ہندی میں اس کا ترجمہ ہوتا ہے۔ میرٹھ کے اخبار عالم نے اس رسالے کے خیالات اور اندازِ بیان کی بڑی تعریف کی ہے۔

بقا۔ محمد بقاء اللہ:

وہ خوش نویس حافظ سیف اللہ کے بیٹے تھے۔ وہ اکبرآباد [آگرہ] میں پیدا ہوئے لیکن اپنی کم عمری میں لکھنؤ میں آباد ہو گئے۔ وہ بہت ہی خوش خط تھے۔ فنِ خوش نویسی مشرق میں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ان کے اشعار بہت ہی عمدہ ہوتے تھے۔ ابتدا میں وہ غبن تخلص کرتے تھے لیکن جب وہ کمالِ عروج پر پہنچ کر دہلی تشریف لائے تو انھوں نے اپنے استاد شیخ ظہور الدین کی خواہش پر اپنا تخلص بقا کر لیا۔ وہ میر درد کے بھی شاگرد تھے لیکن زیادہ تر انھیں مرزا فاخر مکین سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ مصحفی سے ان کے گہرے دوستانہ مراسم تھے اور دہلی میں ان سے اکثر ملا کرتے تھے۔

مصحفی لکھتے ہیں کہ جب وہ اپنا تذکرہ تصنیف کر رہے تھے تو ان دنوں بقا ایک خوش طبع نوجوان شاعر تھے جو اپنی زندگی سے بے حد خوش اور مطمئن نظر آتے تھے۔ جیسا کہ عام طور پر خدا ترس لوگوں میں یہ خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ وہ بہت زندہ دل آدمی تھے اور ہجو کہنے میں کمال رکھتے تھے۔ دہلی میں میر سے ان کی کچھ لاگ ڈاٹ ہوئی تھی اور لکھنؤ میں بھی مرزا محمد رفیع سودا سے ان کی تھوڑی سی مخالفت ہوگئی تھی۔ لطف کے مطابق وہ سنہ ۱۲۰۶ھ [مطابق سنہ ۱۷۹۱ء میں] کربلائے معلی اور نجف میں حضرت علی کے مزار پر زیارت کے لیے تشریف لے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔

بقا نے ایک دیوان چھوڑا ہے جو کلکتے کی ایشیاٹک سوسائٹی میں موجود ہے۔ سرور اور محسن نے ان کے اشعار کو متعدد صفحات میں درج کیا ہے۔

فاخر مکین، جن کا میں اوپر ذکر کر چکا ہوں، اپنی صلاحیتوں پر اس قدر ناز کرتے تھے کہ وہ علی حزیں سے بھی اپنے آپ کو بلند سمجھتے تھے۔ اگر چہ علی حزیں جدید ہندوستان کے ایک مشہور ادیب ہیں اور اپنے زہد اور تقویٰ کی وجہ سے مسلمانوں میں بڑی مقبولیت رکھتے ہیں۔ علی حزیں کی خودنوشت وسوانحِ عمری کو F.C. Belfour نے شائع کیا ہے۔ فاخر مکیں کی جسارت قابلِ غور ہے کہ انھوں نے علی حزیں کے اشعار پر اصلاح دینے کی کوشش بھی کی ہے۔ ان کی اس حرکت پر سودا نے جو ہندوستان کے Juvenal کہے جاسکتے ہیں ایک ہجو بھی لکھی ہے۔ [ملاحظہ ہو ''کلیاتِ سودا''، جلد اوّل، ص ۴۰۳، مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ ۱۹۳۲ء۔ مترجم]

بقا۔ میر بقا خان:

یہ ہندوستانی شاعر ایک دیوان کے مصنف ہیں۔ منولال خان نے ان کا ایک بہت اچھوتا شعر نقل کیا ہے۔

ماہِ نو انجم کے عقدے کس طرح سے واکرے
ہوں جہاں لاکھوں گرہ واں ایک ناخن کیا کرے

''مجموعۂ نغز''، ص ۱۱۰ جلد اول

صہبائی نے بھی اپنی ''حدایق البلاغت'' میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

بلاقی۔ سید:

دکن کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے ایک مثنوی لکھی ہے جس میں محمدؐ کے واقعۂ معراج کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کا نام ''معراج نامہ'' ہے۔ میرے پاس نسخ رسم الخط میں ۱۳ مختلف مثنویوں اور غزلوں کا ایک مجموعہ ہے جس میں ''معراج نامہ'' بھی شامل ہے۔ اس مجموعے کو محمد ابراہیم کیتی کے لڑکے شیخ احمد نے نقل

کیا ہے۔ یہ کتاب ۱۲۱۹ھ/۵۔۱۸۰۴ء میں مرتب ہوئی ہے اور اس کے آخر میں شیخ احمد نے اپنے چند اشعار بھی درج کیے ہیں۔ اسپرنگر کے مطابق غدر سے پہلے اس کتاب کے متعدد نسخے لکھنؤ میں موجود تھے۔

بلدیو بخش۔ منشی:

وہ ضلع آگرہ میں انسپکٹر تھے اور مندرجہ ذیل تصنیفات کے مصنف ہیں:

۱۔ ''رسالہ ڈاک بجلی کا''۔ یہ کتاب ہندوستانی زبان میں ہے اور آگرہ سے چھوٹی تقطیع میں ۸۰ صفحات پر سنہ ۱۸۵۴ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس موضوع پر اردو میں ایک دوسری کتاب بھی ہے جس کے مصنف J.D. Beale ہیں جو آگرہ کالج میں پروفیسر کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ اس کتاب کا نام ''بجلی کی ڈاک کا مختصر بیان'' ہے اور یہ آگرہ سے شائع ہوئی ہے۔

۲۔ ''رسالہ کسور اعشاریہ''، جو الٰہ آباد سے سنہ ۱۸۶۰ء میں چھوٹی تقطیع پر ۲۲ صفحات میں شائع ہوا ہے۔

۳۔ ''مصباح المساحت'' کا دوسرا حصہ

۴۔ ''تختۂ مسطح کا ہدایت نامہ''۔ الٰہ آباد۔ ۴۶ صفحات

بلدیو سہائے:

وہ دہلی کے اخبار ''نورِ مغربی'' کے مدیر تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس اخبار کا تعلق Indian Standard یا Delhi Advertiser سے بھی تھا۔ یہ اخبار ان لوگوں کی مخالفت میں جاری کیا گیا تھا جو اس کے مدیر کے مذہبی عقائد سے اختلاف رکھتے تھے۔ یہ اخبار سنہ ۱۸۵۷ کے غدر کے بعد بند ہو گیا۔

بندرابن۔ یا برندابن:

وہ آگرہ کے ایک کھتری تھے اور فیض آباد میں محکمۂ ڈاک کے انسپکٹر تھے۔ انھوں نے ہندو فلسفے کے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے جس کا عنوان ''بہارِ بندرابن'' ہے۔ یہ کتاب نثر میں لکھی گئی ہے اور اس میں ہندو اور مسلمان شعرا کے کلام کو نقل کیا گیا ہے۔ اس کے دو ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ اس کا دوسرا ایڈیشن، جس کا ایک نسخہ میرے پاس ہے، لکھنؤ سے ۱۸۶۲ء میں ۳۲۲ صفحات پر شائع ہوا ہے۔

بندگی بہادر۔ نواب:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں اور ان کا ایک واسوخت ''مجموعۂ واسوخت'' میں شامل ہے۔

بندہ مل۔ لالہ:

وہ دہلی کے ایک دوا فروش تھے۔ انھوں نے حکیم احسن اللہ خان رئیس دہلی کی خواہش پر ایک کتاب

''قصۂ ممتاز'' لکھی ہے جو دہلی کی خاص ٹکسالی زبان میں ہے۔ اس کتاب کا اشتہار ۲ جولائی ۱۸۶۹ء کو ''انسٹیٹیوٹ گزٹ'' میں شائع ہوا ہے اور اس میں اس کی تعریف بھی کی گئی ہے۔

بنسی دھر۔ پنڈت:

وہ صوبہ شمال مغربی کے اسکولوں کے انسپکٹر جنرل ہیں۔ انھوں نے متعدد کتابیں لکھی ہیں لیکن ان میں زیادہ تر ہندی کتابیں ہیں۔ اردو کتابوں کی تعداد اس لحاظ سے بہت کم ہے۔ انھوں نے تصنیف و ترجمہ کا کام H.S. Reid کی خواہش پر شروع کیا تھا۔ مسٹر ریڈ ان دنوں محکمۂ تعلیمات کے ڈائریکٹر تھے۔ ان کی اردو کتابوں کی تفصیل ذیل میں ہے۔

۱۔ ''مراۃ الاشاعت''۔ یہ شری لال کی ہندی کتاب ''سمایا پرلودھ'' کا اردو ترجمہ ہے۔

۲۔ ''پند نامۂ کاشت کاران''۔ اس کتاب کو بنسی دھر اور H.S. Reid نے مل کر لکھا ہے۔ یہ کتاب روشن علی تحصیلدار مہابن اور موتی لال تحصیلدار مات [متھرا ضلع] کے مکالموں کا نتیجہ ہے اور الٰہ آباد سے سنہ ۱۸۶۰ء میں چھوٹی تقطیع پر ۲۰ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔

۳۔ ''دستورِ معاش''۔ یہ کتاب بچوں کے لیے اقتصادیات کے موضوع پر لکھی گئی ہے۔ یہ چھوٹی تقطیع میں ۶۴ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔ اس کے ہر صفحے پر ۷ اسطریں ہیں۔

۴۔ ''مبادی الحساب''۔ یہ ہندی کتاب ''گنیت'' یا ''ریکھا گنیت پرکاش'' کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب موہن لال کے تعاون سے لکھی گئی ہے۔

۵۔ ''مصباح یا مراۃ المساحت''۔ یہ ہندی کتاب ''کشتر چند ریکا'' کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے ہیں اور اس کا ایک ایڈیشن لاہور کے کوہِ نور پریس سے بھی شائع ہوا ہے۔ چند دیگر ایڈیشن آگرہ سے سنہ ۵۹۔۱۸۵۳ء میں شائع ہوئے ہیں۔ چرونجی لال نے اس ضمن میں تعاون کیا ہے۔

۶۔ ''تاریخِ ہند''۔

۷۔ انھوں نے ''تثلیث اللغات'' کی تدوین میں مدد کی ہے۔ یہ اردو، ہندی اور انگریزی زبانوں کی ایک لغت ہے۔

۸۔ ''گنجِ سوالات''۔ یہ ۲۰ صفحات کا ایک رسالہ ہے جو سنہ ۱۸۵۰ء میں تصنیف کیا گیا تھا۔ اس میں اسکول کے طالب علموں کے لیے اردو نصاب کی کتابوں کے متعلق سوالات ہیں۔

۹۔ ''حقائقِ موجودات''۔ یہ سائنس کے موضوع پر ایک مختصر رسالہ ہے جو شری لال کی ہندی کتاب

''بدیانکر'' یا ''ودیانکر'' کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب کو مرزا نثار علی بیگ نے آگرہ سے متعدد بار شائع کیا ہے۔

۱۰۔ ''کسور اعشاریہ''۔ یہ کتاب H.S.Reid کی مدد سے تصنیف کی گئی ہے۔

۱۱۔ ''اصولِ حساب''۔ یہ کتاب ''گنیت ندھان'' کا اردو ترجمہ ہے۔

۱۲۔ ''قصۂ سبدھی کبدھی''۔ یہ کرشن دت کی ہندی کتاب ''بدھن بھلودایا'' کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ اور ایک ایڈیشن ۱۸ صفحات پر چھوٹی تقطیع میں سنہ ۱۸۵۸ء میں آگرہ سے شائع ہوا ہے۔

۱۳۔ ''دھرم سنگھ کا قصہ''۔ یہ ہندی کتاب دھرم سنگھ کا ''بریتانت'' یا ''ورتیانت'' کا اردو ترجمہ ہے اور آگرہ سے سنہ ۱۸۵۸ء میں چھوٹی تقطیع پر ۱۸ صفحات میں شائع ہوا ہے۔

۱۴۔ ''خلاصۂ نظامِ شمسی''۔ اس کتاب کو خواجہ ضیاء الدین نے آگرہ اسکول بک سوسائٹی کی طرف سے آگرہ سے سنہ ۱۸۵۷ء میں شائع کیا ہے جس کے ۴۴ صفحات ہیں۔ اس کتاب کا ایک اور ایڈیشن لاہور سے شائع ہوا ہے جسے پنڈت اجودھیا پرشاد نے میجر Fuller کے حکم سے ۳۶ صفحات میں شائع کیا ہے۔ اس کے ہر صفحے پر ۱۸ سطریں ہیں۔

۱۵۔ ''اصولِ علم حساب''۔ یہ ایک ہندی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ ایک ایڈیشن آگرہ سے سنہ ۱۸۵۴ء میں ۲۳۶ صفحات پر چھوٹی تقطیع میں نکلا ہے۔

۱۶۔ ''تحریرِ اقلیدس''۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ غالباً پہلے حصے کی تدوین کے سلسلے میں بنسی دھر نے موہن لال سے مدد لی ہے اور یہ جزو الہ آباد سے سنہ ۱۸۶۰ء میں ۱۶۰ صفحات پر چھوٹی تقطیع میں شائع ہوا ہے۔ دوسرے حصے کی ترتیب میں بھی انھوں نے موہن لال سے مدد حاصل کی ہے اور یہ حصہ بھی پہلی کتاب کی طرح الہ آباد سے نکلا ہے لیکن اس میں صرف ۱۲۲ صفحات ہیں۔

۱۷۔ ''نتیجہ تحریرِ اقلیدس''۔ یہ ایک ہندی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب کے تین حصے ہیں اور پہلے اور دوسرے حصے میں علی الترتیب ۱۰۸ اور ۱۵۰ صفحات ہیں۔ اس کتاب کے چند ایڈیشن ہیں اور ان میں سے دو آگرہ سے سنہ ۱۸۵۴ اور سنہ ۱۸۵۶ء میں شائع ہوئے ہیں۔

۱۸۔ ''مراۃ الصدق''۔ یہ کرشن دت کی ایک ہندی کتاب ''ست نیرو بن'' کا اردو ترجمہ ہے اور دہلی سے سنہ ۱۸۵۹ء میں شائع ہوا ہے۔ اس کا ایک دوسرا ایڈیشن چھوٹی تقطیع پر ۱۲۰ صفحات میں نکلا ہے۔

۱۹۔ ''جبر المقابلہ''۔ یہ کتاب پنڈت موتی لال کی مدد سے لکھی گئی ہے اور میرٹھ سے سنہ ۱۸۶۹ء میں ۲۲۲ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ بنسی دھر آگرہ کے نورالعلم پریس سے ایک اردو اخبار ''آب حیات ہند'' کے نام سے نکال رہے ہیں۔

بنیاد۔ لکھنوی:

وہ مصحفی کے شاگرد تھے۔ سرور ان کو ہندوستانی شاعروں میں شمار کرتے ہیں۔

بوٹا مل۔ لالہ:

وہ لاہور کے اردو اخبار، ''سرکاری اخبار'' کے صحیفہ نگار ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے ''زبدۃ الحساب'' کے دوسرے اور تیسرے حصے کو بھی لکھا ہے جو لاہور سے ۱۸۶۳ء میں ۱۹۶ اور ۱۳۶ صفحات پر شائع ہوئے ہیں۔

بہادر پنڈت راجہ رام:

راجہ دیا رام پنڈت کے بھائی ہیں۔ انھوں نے چند غزلیں کہی ہیں جنھیں طوائفیں گایا کرتی ہیں۔ قاسم نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔

بہادر۔ راجہ بنی:

وہ بہار کے راجہ تھے اور جسونت سنگھ پروانہ کے والد۔ شیفتہ ہندوستانی شعرا میں ان کو شمار کرتے ہیں او ران کے اشعار نقل کرتے ہیں۔ شاید یہ وہی شاعر ہیں جن کی ایک مثنوی سنہ ۱۸۶۵ میں آگرہ سے شائع کی گئی ہے۔

بہادر سنگھ۔ دہلوی:

وہ ایک ممتاز مصنف ہیں جو حاتم کے شاگرد تھے۔ جس وقت قاسم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے وہ بریلی میں رہتے تھے۔

بہادر علی۔ میر۔ دہلوی:

وہ فوج میں ملازم تھے اور شورش کے مطابق شعر کہنے سے زیادہ شعر و شاعری کی باتوں سے دلچسپی رکھتے تھے۔ شورش کہتے ہیں کہ ان کے تذکرے کی تصنیف سے کچھ عرصہ پہلے بہادر علی کو ہلاک کردیا گیا تھا۔

بہادر۔ مرزا معزالدین:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کے چند اشعار منولال نے اپنے گلدستے میں نقل کیے ہیں۔

بہار۔ مرزا علی۔ لکھنوی:

مرزا حاجی بیگ کے بیٹے اور میر علی اوسط رشک کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جس کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔ ان کی ایک دوسری منظوم تصنیف ''مولود شریف'' یا ''عرض بہار'' ہے۔ اس کتاب کا موضوع محمدؐ کی پیدائش سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ کتاب چھوٹی تقطیع میں ۶۶ صفحات پر مشتمل ہے اور لکھنؤ سے ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء میں شائع ہوئی۔

بہار۔ منشی لالہ رائے ٹیک چند:

آپ کا دہلی کے ایک کھتری خاندان سے تعلق تھا۔ اپ کو منطق اور قواعد میں بڑا عبور حاصل تھا۔ بہار گزشتہ صدی کے آخری دور کے مصنف تھے۔ وہ سراج الدین علی خان آرزو اور فتح علی حسینی سے گہری دوستی رکھتے تھے۔ انھوں نے فارسی زبان کے متعلق فارسی میں ایک بڑی ضخیم کتاب لکھی ہے جس کا نام ''بہارِ عجم'' ہے۔ یہ کتاب فارسی کی ایک لغت ہے اور اس کو بہار نے سات مرتبہ نقل کیا ہے۔ ۱۷۵۲ء سے ۱۷۸۲ تک ہر بار اس میں انھوں نے اس کی خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کی ہے اور اس طرح اس کی افادیت میں اضافہ کیا ہے۔ ان کے انتقال کے وقت اس کتاب کا ساتواں نسخہ ان کے شاگرد اندرمان کے پاس تھا۔ موخر الذکر نے اس کتاب کا ایک خلاصہ کیا ہے اور یہ کتاب بھی ''بہارِ عجم'' کے نام سے مشہور ہے اور فارسی کی بہترین لغت سمجھی جاتی ہے۔ Roebuck نے ''برہان قاطع'' کا جو ضمیمہ لکھا ہے اس کی تصنیف میں انھوں نے اس کتاب سے مدد لی ہے لیکن حقیقت میں یہ خلاصہ اصل ''بہارِ عجم'' کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

ٹیک چند نے فارسی ادب اور اس زبان کی مختلف مقامی بولیوں کا بغائر مطالعہ کیا تھا اور فارسی زبان اور ایران کی بولیوں کو سیکھنے کے لیے ایران بھی تشریف لے گئے تھے۔ وہاں کی بول چال کی زبان اور نثر کو سمجھنے کے لیے اس لغت سے پوری مدد مل سکتی ہے۔ اس کے برعکس ایران کے مشہور شعرا کا کلام بہت ہی دقیق ہے اور دوسری خرابی یہ ہے کہ مختلف نسخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ فارسی شعرا کی قدیم شرحیں عام طور پر موجود نہیں اگرچہ ان کی سخت ضرورت محسوس کی جاتی ہے کیوں کہ ان کی شاعری میں ایسی تشبیہات ہیں جو آسانی سے سمجھ میں نہیں آتیں اور کچھ ایسے الفاظ اور محاورے ہیں جو عام طور پر زبان میں استعمال نہیں ہوتے۔ چنانچہ بہار کی لغت مصطلحات کو سمجھنے میں بہت مفید ہے۔ بہار نے فارسی زبان کا بڑی کاوش سے مطالعہ کیا تھا۔ انھوں نے ہندوستان اور ایران کے علما اور ادیبوں کی صحبت حاصل کی تھی جس کی وجہ سے وہ فارسی زبان کے بیشمار مسلمہ شاہکاروں کو جمع کرنے اور ان کی مشکلات کو حل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ عربی، ترکی اور

دوسری زبانوں کے وہ الفاظ جو فارسی میں مستعمل ہیں وہ بھی اس لغت میں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سی اصطلاحات، جدید طرزِ نگارش کے نمونے اور تشبیہات اس کتاب میں داخل ہیں جو کسی دوسری لغت میں نہیں پائی جاتیں۔ بہار نے اس کتاب کو ۱۱۸۲ھ/۶۸-۱۷۶۷ء میں مکمل کیا تھا۔

یہ کتاب دہلی سے شائع ہوئی ہے۔ اس ایڈیشن کی پہلی جلد میں ۸۱۷ صفحات ہیں اور ہر صفحے میں ۲۸ سطریں ہیں۔ اس ایڈیشن کا اشتہار قرآن السعدین میں شائع ہوا ہے۔ اس کے دوسرے ایڈیشن کا اشتہار میرٹھ کے ''اخبار عالم'' [۵/دسمبر سنہ ۱۸۵۷ء] میں شائع ہوا ہے۔ اس کتاب کے ۱۲۳۰ صفحات ہیں اور ہر صفحے میں ۲۴ سطریں ہیں۔

بہار نے ایک دوسری کتاب ''ابطال ضرورت'' کے نام سے شائع کی ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے دو دیگر لغات بھی تصنیف کی ہیں۔

میراں سے واقف تھے اور ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کے معترف تھے۔ وہ ہندی اور ہندوستانی زبانوں میں بھی لکھا کرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کا نام اس کتاب میں شامل ہے۔ فتح علی حسینی نے بہار کے اردو اشعار کو اپنے تذکرے کے چار صفحات پر نقل کیا ہے۔

بہاری لال۔ پنڈت اور منشی:

وہ ایک ہمعصر مصنف ہیں جو ابتداً رڑکی کے ٹومسن کالج میں پروفیسر تھے اور بعد میں راجہ کھتری کے معلم کی حیثیت سے ملازم ہوگئے تھے۔ انھوں نے حسبِ ذیل کتابیں ہندوستانی زبان میں لکھی ہیں۔

۱۔ ''ہدایت نامہ ترتیب دفتر کلکٹری''۔ اس کتاب کو پنڈت سورج بھان نے ۱۸۵۸ء میں لاہور سے ۲۰ صفحات پر شائع کیا ہے۔

۲۔ ''رسالہ دربیان کھدائی مٹی'' جو آگرہ سے شائع ہوا۔

۳۔ ''پیمائش خسرہ''۔ اس کے چند ایڈیشن ہیں۔

۴۔ ''اصولِ علمِ ہندسہ''۔ یہ Tate کی کتاب کا اردو ترجمہ ہے اور رڑکی سے ۴۴ صفحات پر شائع ہوا ہے۔

۵۔ ''رسالہ درباب پیمائش خطوط وسطح''۔ یہ Elliot کی کتاب کا اردو ترجمہ ہے اور آگرہ اور رڑکی سے ۱۸۵۸ء میں شائع ہوا ہے۔ اس کتاب میں ۶۸ صفحات ہیں۔

۶۔ ''رسالہ دربیان بنانے سڑکوں کے'' جو H.Bingham کی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب رڑکی سے ۱۸۶۱ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس کا دوسرا نام ''رسالہ تیاری سڑک'' ہے۔

۷۔ ''تاریخ راجستان''۔ یہ اس علاقہ کی تاریخ ہے جسے راجپوتانہ بھی کہتے ہیں۔ یہ Aitchison کی کتاب کا اردو ترجمہ ہے اور اس میں راجپوتانے اور حکومتِ برطانیہ کے سیاسی تعلقات کو بھی بتایا گیا ہے لیکن میرٹھ کے ''اخبار عالم'' [۲۹/نومبر ۱۸۶۶ء] کے مطابق اس کتاب کے مترجم لالہ جوالا سہائے ہیں۔ یہ کتاب دو جلدوں میں لکھی گئی ہے۔ ایک جلد میں صرف اودے پور کا ذکر ہے اور دوسری جلد میں راجپوتانے کی دیگر ریاستوں کے متعلق تذکرہ کیا گیا ہے۔

بھانجہ یا بھانجی۔ شاہ:

یہ ہندوستانی شاعر محمد شاہ کے دور میں رہتے تھے۔ ان کے متعلق صحیح طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ہندو تھے یا مسلمان بدقسمتی سے وہ لواطت کے قبیح مرض میں مبتلا تھے۔ اسپرنگر، ذکا اور قاسم نے ان کا ذکر کیا ہے۔

بہجت۔ مولوی عبدالمجید۔ دہلوی:

وہ ایک ہمعصر شاعر اور محمد بسمل کے شاگرد ہیں۔ انھوں نے دہلی میں تعلیم حاصل کی ہے اور ادب و سائنس سے کافی استفادہ کیا ہے۔ سرور اور ذکا نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔

بھید۔ میر میران یا سید نوازش خان:

میر اور فتح علی حسینی کہتے ہیں کہ وہ دکن کے مصنف ہیں اور انھوں نے ان کا ایک شعر نقل کیا ہے:

آہ! اگر باغ سے وہ سروِ خراماں گزرے
اشکِ قمری کا گلستان میں طوفاں گزرے

وہ ایرانی سفیر سید مرتضٰی خان کے بیٹے اور نواب معتمد خان کے بھائی تھے۔ قائم کہتے ہیں کہ وہ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ ان کا تخلص میران تھا یا کوئی دوسرا تخلص رکھتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ میران کا اصل تخلص بھید نہیں تھا۔ بہر حال اسپرنگر کے مطابق ان کا تخلص بھید ہی تھا اور وہ کہتے ہیں کہ شورش ان کو میر میدان کہتے تھے لیکن شاید یہ خلط ملط ان کے قلمی نسخے کی غلطی کے سبب سے ہے۔

بھیرو۔ پرشاد

وہ ہربنس کے ساتھ بنارس کے مطبع مفید ہند کے ناظم ہیں اور رسالہ ''سیر بن ہند'' کو ہربنس کے شرکت میں نکالتے ہیں۔ یہ رسالہ یکم ستمبر سنہ ۱۸۵۰ء سے مہینے میں دوبار ۸ صفحات پر بنارس سے نکلتا ہے۔

میں صحیح طور پر نہیں کہہ سکتا کہ وہ وہی بھیرو پرشاد ہیں جنھوں نے ''راجنیتی'' کتاب لکھی ہے۔ یہ کتاب ہندوستانی زبان میں بمبئی سے ۱۸۶۴ء میں ۳۱۵ صفحات پر چھپی ہے۔

بیان:

شجاع الدولہ کے بیٹے مرزا سیف علی بھی بیان تخلص کرتے تھے لیکن بعد میں انھوں نے شگفتہ تخلص اختیار کرلیا تھا۔ ان کا ذکر شگفتہ کے عنوان میں آئے گا۔

بیان۔ احسن اللہ:

وہ آگرہ میں پیدا ہوئے اور دہلی میں رہتے تھے۔ آپ کو مرزا جانِ جانان مظہر سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ قاسم، سرور اور کریم الدین ان کو خواجہ احسن الدین خان کہتے ہیں اور ان کے خیال کے مطابق ان کا آبائی وطن کشمیر تھا۔ بیان نے مولوی فخر الدین سے بیعت کی تھی اور صوفی طریقت کو اختیار کرلیا تھا۔ سنہ ۱۷۹۳ء میں وہ دکن چلے گئے اور یہاں نظام علی خان کی حکومت میں ایک اعلیٰ منصب پر فائض ہوگئے۔ انھوں نے حیدرآباد میں ہی انتقال کیا۔

اپنی زندگی کے آخری دور میں وہ علمِ قواعد سے گہری دلچسپی لینے لگے۔ انھوں نے ایک مثنوی لکھی ہے جس کا نام ''چیچک نامہ'' ہے۔ ذکا نے اسپرنگر کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کتاب کا نام ''جنگ نامہ'' تھا اور میرے خیال میں یہ نام زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

بیان ایک بہت ہی لستان شاعر ہیں اور وہ اپنے حسن اور بلند کرداری اور اعلیٰ ذہنی خوبیوں کے لیے مشہور ہیں۔ ان کے اشعار میں شگفتگی، سلاست اور غیر معمولی روانی پائی جاتی ہے۔

انھوں نے ایک دیوان مرتب کیا ہے اور اس سے لطف، مصحفی اور فتح علی حسینی نے متعدد اقتباسات نقل کیے ہیں۔

بے باک۔ میر نجف علی:

ایک ممتاز ہندوستانی مصنف ہیں۔ وہ سید موسوی تھے یعنی ان کا شجرۂ نسب ساتویں امام حضرت جعفر کے بیٹے موسیٰ کاظم سے ملتا ہے۔ ان کے اباؤ اجداد عرب تھے لیکن چند پشتوں سے یہ خاندان کول میں رہتا تھا۔ بے باک کی پیدائش بھی یہیں ہوئی ہے لیکن وہ نو سال کی عمر میں دہلی چلے آئے اور کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد پھر کول واپس چلے گئے۔ انھوں نے علم القواعد فارسی اور طبِ یونانی کی تعلیم حاصل کی اور ۲۲ سال کی عمر میں طبیب ہوگئے۔ ان کو شعر وسخن سے بڑی وابستگی تھی اور اکثر لوگ ان کے کلام سے واقف تھے۔ مصحفی کا دعویٰ ہے کہ وہ بیباک کے سارے کلام سے واقف ہیں کیوں کہ بے باک اپنے اشعار ان کے پاس بھیجا کرتے تھے۔

بیتاب۔ بہادر سنگھ۔ بریلوی:

ذکا ان کو ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے ہیں۔

بیتاب۔ پنڈت مہتاب رائے آنجہانی۔ دہلوی:

محسن نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

بے تاب سنتو کورائے:

یہ ایک ہندو تھے جو ہندوستانی میں شعر کہتے تھے۔ وہ محمد قیام الدین علی قائم کے ہم عصر اور شاگرد تھے۔ علی ابراہیم اور مصحفی نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

بیتاب۔ سید کلب علی:

پٹنہ کے رہنے والے اور فیض علی کے بیٹے اور کمال علی کمال کے بھائی تھے۔ وہ اردو شاعری سے دلچسپی رکھتے تھے اور عشقی کے بقول انھیں آبِ حیات کی دریافت کرنے کا سودا سا تھا۔

بیتاب۔ سیوک رام:

وہ ہندو تھے لیکن بعد میں مذہب اسلام قبول کرلیا تھا اور قاسم کے بقول ہندوستانی میں کامیاب اشعار کہتے تھے۔

بیتاب۔ شاہ محمد علیم، الٰہ آبادی:

ان کو علیم الدین بھی کہتے ہیں۔ قاسم، شیفتہ اور کمال کہتے ہیں کہ وہ حاتم کے شاگرد اور آبرو کے ہمعصر تھے۔ سرور کہتے ہیں کہ پرانے شعرا کے انداز میں شاعری کرتے تھے۔ بیتاب قاضی متخر کے بھائی تھے او ران ہی کی طرح ایک بلند فقیہہ تھے۔ آپ شاہ عالم ثانی کے دور کے ایک بہت ہی ممتاز شاعر ہیں۔

مصحفی نے ان کے تین اشعار نقل کیے ہیں جو ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

اس کے ابرو ہلال کی مانند　　خال اس کا بلال کے مانند

کیوں نہ ہو ہم سے وہ سخن باغی　　جس کا قد نونہال کے مانند

گل رخاں کی گلی میں اے بیتاب　　خاکِ پا ہے گلال کے مانند

اسپرنگر نے شورش کے حوالے سے میر محمد علی بیتاب کا ذکر کیا ہے لیکن اس سے زیادہ ان کے متعلق کوئی تفصیل بیان نہیں کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ شاید وہ اسی بیتاب کا ذکر کرتے ہیں۔ اسپرنگر کہتے ہیں کہ یہ محمد علیم یا علیم الدین بیتاب نہیں ہیں کیوں کہ جن دنوں سرور اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو وہ بقیدِ حیات تھے۔

بیتاب ۔ شیخ خیر الدین:

آگرہ کے رہنے والے شاعر مجرم کے شاگرد ہیں۔ ذکا نے اپنے تذکرے میں ان کا ذکر کیا ہے۔

بیتاب ۔ شیخ ولی اللہ:

یہ ہندوستانی شاعر پانی پت میں پروفیسر ہیں اور نجف [محمد علی] کے والد ہیں۔ ذکا نے ان کا ذکر کیا ہے۔

بیتاب ۔ عباس علی خان:

وہ نواب عبدالعلی کے بیٹے، نواب غلام محمد خان کے پوتے اور فیض اللہ خان نواب رامپور کے پڑپوتے تھے۔ شیفتہ کہتے ہیں کہ وہ ایک خوش طبع جوان شاعر تھے۔ بیتاب کچھ دنوں تک لکھنؤ میں مقیم رہے لیکن جن دنوں میں شیفتہ ''گلشنِ بے خار'' لکھ رہے تھے تو بیتاب دہلی منتقل ہو گئے تھے۔ ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر ۲۵ سال کی تھی۔ وہ ممتاز شاعر مومن کے شاگرد تھے۔

بیتاب ۔ محمد اسمٰعیل ۔ دہلوی:

وہ ایک ممتاز ہندوستانی شاعر ہیں اور میاں یکرنگ کے شاگرد۔ انھوں نے عمدہ غزلیں کہی ہیں۔ میر کہتے ہیں کہ اگرچہ وہ ایک درویش تھے لیکن انھیں کافی دولت بھی عطا ہوئی تھی۔ وہ جعفر علی خان کے محل کو جاتے ہوئے گھوڑے سے گر کر دو تین مہینے کی علالت کے بعد انتقال کر گئے۔

بے تاب ۔ مرزا کلو بہادر:

وہ دہلی کے ایک شاہزادے ہیں۔ سرور ہندوستانی شاعروں میں ان کو شمار کرتے ہیں۔

بیتاب ۔ میر مدن ۔ دہلوی:

وہ دہلی کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور سراج الدولہ کی حکومت میں مرشد آباد میں بخشی کے عہدے پر فائز تھے۔ اسپرنگر نے شورش اور عشقی کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ ایک جنگ میں مارے گئے۔

بیتاب ۔ نواب احمد بخش خان ۔ مرحوم:

وہ عماد الملک نواب غازی الدین خان وزیر کے دوست تھے۔ دہلی میں پیدا ہوئے لیکن کندورا میں رہتے تھے جو کالپی کے ضلعے میں واقع ہے۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جس کے چند اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

بے جان ۔ راجہ زور آور خان:

وہ کول کے رہنے والے ہیں۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

بے جان۔ شیر سنگھ:

وہ دہلی کے ایک کھتری ہیں جو علمِ نجوم کے بڑے ماہر تھے۔ ان کی مالی حالت بہت ہی خستہ تھی جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ علمِ نجوم کو ان دنوں ہندوستان میں وہ وقعت حاصل نہیں تھی جو اس سے پیشتر تھی۔ وہ چھت پر ستاروں کو دیکھنے کے لیے گئے ہوئے تھے اور وہاں سے گر کر ہلاک ہو گئے [۱۲۱۸ھ/۱۸۱۳ء یا ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۴ء]۔ انھوں نے ہندوستانی اشعار لکھے ہیں اور قاسم و سرور نے انھیں اپنے تذکروں میں نقل کیا ہے۔

بے جان۔ عزیز خان:

ان کا آبائی وطن افغانستان اور خاندان روہیلہ ہے۔ مصحفی ان سے واقف تھے اور انھوں نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

بیچارہ:

سرور کے مطابق یہ ہندوستانی شاعر پنجاب کے رہنے والے ہیں۔ میر تقی نے اپنے تذکرے میں ان کا یہ شعر نقل کیا ہے:

پیہ سے جدا ہونا نہ تھا چاہا خدا کا یوں اُٹھا
جز صبر اب چارہ نہیں بیچارہ ہو رہنا پڑا

بے خبر۔ لکھنوی:

یہ شاعر نورالاسلام منظر کے شاگرد ہیں۔ ذکا نے ان کا ذکر کیا ہے۔

بے خواب:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر شیفتہ نے اپنے ''گلشنِ بے خار'' میں کیا ہے۔

بے خود۔ سید اور میر ہادی علی۔ لکھنوی:

وہ سید ناصر علی سحر مرحوم کے بیٹے اور خواجہ وزیر کے ممتاز شاگرد ہیں۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جس کی متعدد غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔ انھوں نے ''جلوۂ اخترِ رُشد'' کے نام سے ایک مثنوی بھی لکھی ہے جو غالباً مذہبی مثنوی ہے۔

بیخود۔ لالہ نراین داس:

یہ دہلی کے ہمعصر ہندوستانی شاعر ہیں۔ ابتداً وہ متصدی کی حیثیت سے ملازم تھے بعد میں میرٹھ کی

عدالت میں امین ہو گئے تھے۔ شیفتہ اور کریم کہتے ہیں کہ وہ ہدایت کے شاگرد ہیں لیکن فراق اور درد سے بھی اصلاح لیا کرتے ہیں۔ سرور کو مہدی علی خان کی ادبی مجلس میں بے خود سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔ قاسم کے مطابق وہ دہلی میں مہاجن تھے۔

بے خود۔ ہدایت علی دہلوی:

وہ میر مہدی کے بیٹے اور لاہور کے خوش نویس شیخ محمد کے دوست ہیں۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

بیدار۔ غلام حیدر:

یہ شاعر دہلی میں پیدا ہوئے اور لکھنؤ میں رہتے تھے۔ ذکا نے ان کا ذکر کیا ہے۔

بیدار۔ منشی بے سمن لال:

یہ ہندوستانی شاعر مظہر کے شاگرد تھے۔ آپ نے بڑی طویل العمری میں پٹنہ میں انتقال کیا۔

بیدار۔ میر محمد علی یا میر محمدی۔ دہلوی:

مشہور ہندوستانی شاعر اور مرتضیٰ قلی خان فراق کے دوست اور شاگرد ہیں۔ ذکا کے مطابق وہ آگرہ کے رہنے والے ہیں۔ وہ میر درد اور دہلی کے دیگر ہمعصر مصنفین کے بھی دوست ہیں۔ میر حسن کے مطابق وہ مرتضیٰ قلی خان فراق کے شاگرد تھے لیکن سعادت خان ناصر کے بقول وہ ثناءاللہ فراق کے شاگرد تھے۔ آپ دہلی کی تمام ادبی مجلسوں میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ ان کا لباس کچھ عجیب، غیر معمولی سا تھا جو عام لباس اور درویشوں کے خرقے سے امتزاج رکھتا تھا۔ وہ عرب سرائے میں رہتے تھے جو دہلی کا ایک محلہ ہے۔ انھوں نے ایک دیوان ریختہ میں لکھا ہے جو بہت ہی مقبول ہے اور جس کا ایک نسخہ دہلی کی امپریل لائبریری میں ہے انھوں نے فارسی زبان میں بھی اشعار کہے ہیں۔ ان کا اندازِ بیان نہایت ہی پاکیزہ اور پرزور ہے۔ وہ فخر الدین صاحب سے بڑی عقیدت رکھتے تھے اور جب کبھی وہ عرب سرائے سے باہر جایا کرتے تو ان کا دستور تھا کہ وہ غازی الدین خان کے مدرسے فخر الدین صاحب سے ملنے ضرور تشریف لے جاتے۔ مصحفی کو وہیں ان سے ملنے کا متعدد بار اتفاق ہوا ہے۔

فخر الدین ان کے مرشد تھے اور بیدار بعد میں ان کے جانشین بھی ہو گئے تھے۔ سنہ ۱۷۹۳ء میں بیدار آگرہ میں رہتے تھے اور پھر وہ دہلی چلے آئے جہاں سنہ ۱۲۱۲ھ/ ۸۔ ۱۷۹۷ء میں ان کا انتقال ہوا۔

مصحفی نے اپنے تذکرے میں بیدار کے دیوان سے ۶ صفحات نقل کیے ہیں اور علی ابراہیم نے ۵ صفحے۔

اسپرنگر نے عشقی کے تذکرے کا مطالعہ کیا ہے اور ان کا خیال ہے کہ عشقی نے بیدار کو تین مختلف شاعروں کی حیثیت سے نقل کیا ہے جو بالکل غلط ہے۔

۱۔ میر محمد علی، ۲۔ میر محمدی، ۳۔ میاں محمدی

بیدل۔ خواجہ غلام حسین:

یہ ہندوستانی شاعر حافظ عبدالرحمٰن خان احسان کے شاگرد تھے۔ فتح علی حسینی نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔

بیدل۔ محمد بخش اللہ:

مرہٹوار کے رہنے والے۔ انھوں نے علی گوہر کی غزل پر ایک مخمس لکھا ہے۔ جو ۲۷۔ ستمبر ۱۸۶۸ء کے ''اودھ اخبار'' میں شائع ہوا ہے۔

بیدل۔ مرزا عبدالقادر:

ان کا آبائی وطن چغتائی تھا لیکن وہ ہندوستان میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ ایک ممتاز مفکر شاعر تھے اور آپ کا اندازِ بیان نہایت ہی شگفتہ ہے۔ وہ زیادہ تر اپنی فارسی نگارشات کے لیے مشہور ہیں جو صوفیانہ خیالات سے معمور ہیں۔ آپ کو ہندوستان کا ممتاز فارسی شاعر سمجھا جاتا ہے۔ جوانی میں بیدل شاہزادہ محمد اعظم شاہ کے دربار سے منسلک تھے لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد وہ اس ملازمت کو ترک کر کے گوشہ نشین ہوگئے اور درود و وظائف اور فارسی شعر و سخن میں مشغول ہوگئے، وہ غیر معمولی طاقت کے مالک تھے اور ان کے بہت ہی کم ہم عصر تھے جو ان کا مقابلہ کرسکتے تھے۔ ایک روایت مشہور ہے کہ ایک شیر چند لوگوں کو ہلاک کرنے کے بعد شاہزادہ محمد اعظم شاہ اور ان کے حوارئین پر حملہ آور ہوا لیکن بیدل نے اس خونخوار جانور کو ایک بکری کی طرح نہایت ہی آسانی سے مار ڈالا۔ بے شمار افراد جن میں بڑے بڑے روسا اور چھوٹے عوام دونوں شامل تھے، بیدل سے ملنے کے لیے ان کے گوشۂ تنہائی میں آیا کرتے تھے۔ ایک اور روایت ہے کہ نواب نظام الملک صوبیدار دکن نے انھیں متعدد بار دکن آنے کی دعوت دی لیکن اس کے جواب میں انھوں نے حسبِ ذیل فارسی شعر لکھ کر بھیج دیا۔

دنیا اگر دہند نہ جنبم جائے خویش
من بستہ ام حنائے قناعت بنائے خویش

''گلشن ہند''، ص ۶۴

ان کی کلیات تقریباً ایک لاکھ اشعار پر مشتمل ہے لیکن اس میں ایک شعر بھی اس دنیا کے افراد کی تعریف

میں نہیں ہے۔ انھوں نے دہلی میں سنہ ۱۱۳۷ھ/۵۔۱۷۱۴ء میں وفات پائی۔ میر تقی، علی ابراہیم اور لطف نے ان کے دو ہندوستانی اشعار نقل کیے ہیں جو بہت ہی مشہور ہیں:

مت پوچھ دل کی باتیں، وہ دل کہاں ہے ہم ہیں
اس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم ہیں
جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا
پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم ہیں

بیدم۔ حافظ قلندر بخش:

وہ کندہ کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ وہ پانی پت میں پیدا ہوئے اور پیر زادوں کے پاس رہتے تھے۔ جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے وہ حافظ قرآن تھے اور تمام اسلامی تعلیمات سے واقف تھے۔ وہ ادب اور زبان کو سیکھنے کے لیے دہلی اور لکھنؤ تشریف لے گئے اور بعد میں بہت ہی اعلیٰ پائے کے ہندوستانی اور فارسی اشعار کہنے لگے جنھیں انھوں نے ایک دیوان کی صورت میں مرتب کیا ہے۔ کریم ان سے واقف تھے بلکہ انھیں بیدم سے ملنے کا بھی اتفاق ہوا ہے لیکن ان کا خیال ہے کہ موخر الذکر کو اپنی صلاحیتوں پر بے جا ناز تھا۔ وہ فارسی کلام میں زیرک تخلص کیا کرتے تھے لیکن جب وہ عربی قصیدے لکھا کرتے تو عالم کے تخلص کو استعمال کرتے کیوں کہ زیرک یہاں مناسب معلوم نہیں ہوتا تھا۔ عام طور پر وہ بیدم کے تخلص سے مشہور ہیں کیوں کہ انھوں نے اسے بچپن سے اختیار کیا تھا۔ سنہ ۱۸۴۷ء میں وہ پانی پت میں رہتے تھے اور ان دنوں ان کی عمر ۴۰ سال تھی۔

بیربل:

اکبر کے مشہور وزیر تھے۔ بہت سے اشعار کو، جو ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں، بیربل سے منسوب کیا جاتا ہے اور Sir Henry Elliot نے اپنی *Supplementary Glossary* میں متعد اشعار کو نقل کیا ہے۔

بیرنگ۔ دلاور علی خان:

وہ فوج میں ملازم تھے اور سودا کے ہم عصر اور غلام مصطفیٰ یک رنگ کے شاگرد اور رشتے میں بھائی ہوتے تھے۔ ان کے بھائی کا تخلص یکرنگ تھا اس لیے ابتدا میں وہ ہم رنگ تخلص کرتے تھے اور اسپرنگر انھیں اسی تخلص سے یاد کرتے ہیں۔ وہ مستند شعرا کے کلام کے انداز میں بہت خوب شعر کہتے تھے۔ ان کے اشعار

متعدد تذکروں میں نقل کیے گئے ہیں اور خاص طور پر میر اور حیدری کے تذکروں میں ان کا ذکر ہے۔ انھوں نے دہلی میں وفات پائی۔

بے زار۔ حسین بخش:

یہ ہندوستانی شاعر آگرہ کے رہنے والے ہیں۔ شیفتہ نے ان کا ذکر کیا ہے۔

بے صبر۔ منشی مکند:

وہ ضلع سہارنپور میں منشی ہیں اور مرزا اسد اللہ خان غالب دہلوی کے شاگرد ہیں۔ ۱۲ر دسمبر سنہ ۱۸۶۵ء کے ''اودھ اخبار'' میں ان کی ایک طویل غزل شائع ہوئی ہے۔

بے قرار۔ سید کاظم حسین دہلوی:

وہ علی اعظم خان کے بیٹے اور نواب سیف الدولہ راضی خان صلابت جنگ کے رشتے میں بھائی ہیں۔ یہ ہمعصر شاعر نصیر اور فدوی کے شاگرد ہیں۔ سرور اور شورش نے ان کا ذکر کیا ہے۔ قاسم انھیں میر منو کہتے ہیں۔ ذکا نے کاظم حسین بیقرار دہلوی اور مرزا کاظم حسین بیقرار دہلوی کے عنوان سے دو مضامین لکھے ہیں اور ان کا بیان ہے کہ یہ دونوں نصیر کے شاگرد تھے لیکن اسپرنگر کا خیال ہے کہ یہ دونوں حضرات ایک ہی فرد ہیں۔

بے قید۔ سید فضائل علی خان:

وہ محمد علی خان کے بیٹے تھے۔ ابتدا میں وہ نواب عمدۃ الملک امیر خان کے مصاحب تھے اور بعد میں محمد شاہ کے دور میں ٹھٹھہ [سندھ] میں صوبیدار ہو گئے تھے۔ انھوں نے قدیم شعرا کے اندازِ بیان میں تقریباً پانچ سو بیت کی ایک مثنوی لکھی ہے جس کا موضوع ایک جوان رقاصہ ہے جس سے وہ محبت کیا کرتے تھے۔ علی ابراہیم نے اپنے ''تذکرۂ گلزار'' میں اس کا ایک طویل حصہ نقل کیا ہے۔

بیکس۔ سید امیر امام بخش:

وہ دہلی کے اجمیری دروازے کی ایک مسجد کے موذن تھے اور شعر و سخن سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ قاسم کے تذکرہ لکھنے سے کچھ عرصہ قبل ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

بیکس۔ مرزا محمد۔ عظیم آبادی:

انھوں نے بعض بہت ہی عمدہ اشعار کہے ہیں۔ قاسم اور سرور نے شیخ کی مذمّت میں ان کی ایک رباعی نقل کی ہے۔ بیکس ایرانی نژاد تھے جس کی وجہ سے وہ فارسی زبان میں بھی، جو ان دنوں علما اور تعلیم یافتہ طبقے

کی زبان تھی، شعروسخن کیا کرتے تھے۔ انھوں نے ایک ممتاز فارسی دیوان بھی چھوڑا ہے جس سے کچھ اشعار ذکا نے نقل کیے ہیں۔

بے کل۔ سیّد عبدالوہاب:

وہ دولت آباد کے رہنے والے اور میر عبدالولی عزلت کے شاگرد تھے۔ غالباً وہ مرشد آباد میں رہتے تھے کیوں کہ علی ابراہیم نواب سراج الدولہ کے دورِ حکومت میں ان سے اسی شہر میں ملے تھے۔ علی ابراہیم نے ان کے چند اشعار اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

بیمار:

وہ مراد آباد کے رہنے والے تھے لیکن دہلی میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ کریم جو ۱۸۴۸ء میں اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے کہتے ہیں کہ وہ ایک جوان شاعر تھے جن کی شاعری کا معیار کچھ زیادہ بلند نہیں تھا اور وہ زیادہ تر فارسی زبان میں لکھا کرتے تھے۔

بے نوا:

وہ سنام کے رہنے والے اور حسرت کے شاگرد تھے۔ محمد شاہ کے دور میں آرزو اور آبرو کے ہم عصر تھے۔ بے نوا نے ایک مخمس لکھا ہے جس کا کسی خاص واقعے سے تعلق ہے اور جس کے متعلق میر تقی نے اپنے تذکرے میں ذکر کیا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سبھ کرن نام کا ایک دولت مند جوہری تھا جس نے ایک عورت کو، جو جُوتے بیچا کرتی تھی، قتل کردیا۔ اس واقعے نے تمام جوتے بنانے والوں میں بڑی بے چینی کی لہر پیدا کردی اور انھوں نے مسلمانوں کو جو مسجد میں جمعے کی نماز پڑھنے جایا کرتے تھے اس فریضے کی ادائگی سے روک دیا۔ ظفر خان روشن الدولہ نے جو طرہ باز کے نام سے مشہور تھے اس عورت کی حمایت میں آواز بلند کی اور بالآخر یہ واقعہ روسا کے درمیان تصادم کی صورت میں تبدیل ہوگیا اور متعدد افراد اس جھڑپ میں مارے گئے۔ ظفر خان کو شکست کھانی پڑی اور وہ اس واقعے سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے گھر سے نکلنا بند کردیا۔ ذیل میں بے نوا کے دو اشعار ہیں جنھیں علی ابراہیم نے نقل کیا ہے۔

تم ہو بوس و کنار کی صورت — میں ہوں امیدوار کی صورت

بیسوا ہو زکوٰۃ حسن کی دے — اور میاں مالدار کی صورت

"گلشنِ ہند"، ص ۶۵

بے نوا۔ مقبول شاہ:

انھوں نے ایامِ جوانی ہی میں دنیا کو ترک کر کے قلندری اختیار کر لی تھی اور دراصل اس لیے انھوں نے بے نوا تخلص اختیار کیا ہے۔ اسپرنگر نے ذکا کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ ''تنبیہ الغافلین'' کے مصنف رفیع الدین کلکتوی کے مرید تھے۔ ہندوستانی شاعری میں انھیں عزت اللہ عشق سے شرفِ تلمذ حاصل تھا لیکن وہ عام طور پر مرثیہ لکھنے کے لیے مشہور ہیں اور اس فن سخن میں وہ حافظ محمد حافظ سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ کریم الدین کے بقول وہ ۱۸۴۷ء میں بقیدِ حیات تھے۔

بنی نرائن:

وہ دہلی کے کھشتری خاندان سے تعلق رکھتے تھے لیکن لاہور میں پیدا ہوئے۔ وہ مہاراجہ سدرشت نراین رائے کے بیٹے، لکشمی نرائن کے پوتے اور کھیم نراین رند کے بھائی تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ جہاں تخلص کرتے تھے اور ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی ہندوستانی کتابوں کی فہرست میں ان کا ذکر اسی تخلص کے تحت ہے۔

وہ مندرجہ ذیل کتابوں کے مصنف ہیں:

۱۔ ''دیوانِ جہاں''۔ اس کتاب میں ہندوستانی شعرا کے کلام کا انتخاب ہے اور اس کے دیباچے میں بنی نراین نے لکھا ہے کہ وہ ہندوستان میں بڑے اطمینان کی زندگی بسر کر رہے تھے لیکن قسمت کی خرابی سے اُنھیں کلکتہ جانا پڑا اور مزید شومئی قسمت یہ ہوئی کہ انھیں کلکتہ میں ۱۲ سال تک بغیر کسی ملازمت کے بڑی عسرت کی زندگی بسر کرنی پڑی۔ مشہور شاعر حیدر بخش سے انھی دنوں ان کی ملاقات ہوئی اور حیدر بخش حیدری نے ان کی حالتِ زار سے متاثر ہو کر ان سے دلچسپی لینی شروع کر دی۔ بعد میں وہ مشہور عالم T. Roebuck سے واقف ہو گئے اور اُنھوں نے اِنھیں ایک اچھی ملازمت دے کر ان کی مشکلات کو بڑی حد تک دور کر دیا۔ دراصل انھوں نے Roebuck کی خواہش پر ہی ۱۸۱۴ء میں ہندوستانی شعرا کے کلام کا ایک مجموعہ شائع کیا جس کا نام ''دیوانِ جہاں'' ہے۔ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سے شروع ہوتی ہے اور اس کے بعد ایک منظوم دیباچہ ہے۔ اس کتاب کے دوسرے حصے میں اردو شعرا کا کلام نقل کیا گیا ہے اور تیسرے حصے میں خود بنی نرائن کے اشعار درج ہیں۔

۲۔ ''قصہ شاہ درویش''۔ اس کتاب کا نام اور موضوع ہلالی کی منظوم فارسی کتاب سے اخذ کیا ہے۔ H.H. Wilson کے پاس اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ بھی موجود تھا جو اردو نستعلیق میں لکھا تھا۔ یہ بنی نراین

کی پہلی کتاب ہے جسے فارسی سے ترجمہ کیا گیا ہے اس کا دوسرا نام چار یا'' چہار گلشن'' ہے۔ Roebuck نے فورٹ ولیم کالج کی ایک روداد میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے [۳۳۹ صفحہ]۔ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ فورٹ ولیم کالج کے کتب خانے میں تھا لیکن آج کل یہ کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی کے پاس ہے۔ یہ ایک دلچسپ کہانی ہے۔ مرحوم W. Ouseley کے قلمی نسخوں میں جو آج کل Oxford Bodlevic کے کتب خانے میں ہیں بنی نرائن کی کتاب'' چار گلشن'' کا بھی ایک نسخہ ہے۔ ۱۸۴۶ء میں تفضل حسین نے کلکتہ سے اس کا ایک ایڈیشن شائع کیا تھا۔

۳۔ ''تنبیہہ الغافلین''۔ بنی نرائن نے اس فارسی کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کتاب کو شاہ رفیع الدین کلکتوی نے مشہور مسلمان مصلح قوم سید احمد صاحب کی خواہش پر تصنیف کیا تھا۔ بنی نرائن نے یہ ترجمہ ۱۲۴۵ھ/۳۰۔۱۸۲۹ء میں مکمل کیا تھا لیکن اب تک چھپا نہیں۔ یہ کتاب اپنے ماخذ کے مطابق ۲۰ ابواب پر مشمل ہے اور اس کے ۲۵۰ صفحات ہیں۔ اس کتاب کے دو اور ترجمے ہیں۔ مقبول کے ''تعلیم نامہ'' میں اس اردو ترجمے کا ذکر ہے لیکن یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ انھوں نے کس کتاب کے متعلق کہا ہے۔

۴۔ انھوں نے قصوں کا ایک انتخاب بھی تصنیف کیا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بنی نرائن نے ترک مذہب کر کے اسلام قبول کر لیا تھا اور سید احمد کی جماعت میں شامل ہو گئے تھے۔ انھوں نے سید احمد کے ایک مقالے کا بھی ترجمہ کیا تھا اور اس کتاب کے دیباچے میں انھوں نے اپنے آپ کو مسلمان بتایا ہے۔

بے ہوش، شیخ دیدار بخش:

وہ آگرہ میں ایک پروفیسر اور شگفتہ شاعر ہیں۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

بے ہوش۔ منشی گرودیال:

وہ ایک ہم عصر شاعر ہیں۔ ان کی ایک غزل مئی سنہ ۱۸۶۹ کے'' اودھ اخبار'' میں شامل ہے۔

بیہوش۔ منشی میر عبدالرشید:

شکار پور کے رہنے والے وہ ایک ہم عصر شاعر ہیں جن کا ذکر کریم نے کیا ہے۔

باقر:

انھوں نے مرگاوتی اور جمنی بھاو کے قصے کو مثنوی کی صورت میں دلچسپ طریقے سے نظم کیا۔ یہ قصہ کا مروپ کے قصے سے مشابہ ہے۔ مصنف نے اپنے کو ہندوی لکھا ہے لیکن وہ دکنی معلوم ہوتا ہے۔ اس میں چار سو اشعار ہیں اور کتاب تین حصوں میں تقسیم ہے۔ اس میں بنارس کے راجہ جاتیرا کے بیٹے جمنی بھاو اور

کنچن پور [دکن] یا کنچن نگر کے راجہ روپ رانا کی بیٹی مرگاوتی کی داستان ہے۔ باقر کے مطابق یہ قصہ بنگالی اور فارسی میں بھی لکھا گیا ہے۔ بنگالی قصہ شیخ فیض بخش کی تالیف ہے اور کیدار پور سے ۱۸۴۹ء میں شائع ہوا ہے۔ منشی قدرت اللہ نے بھی اسے لکھا اور ۱۸۶۵ء میں کلکتہ سے اسی موضوع پر ایک کتاب اردو، بنگالی میں شائع ہوئی۔ [چھوٹی تقطیع ۳۲ صفحات]

بایزید انصاری:

وہ سلسلہ روشنی یا جلالی کے بانی ہیں۔ مصنفِ ''دبستان'' کے مطابق وہ بمقام جالندھر [پنجاب] ۱۵۲۴ء میں پیدا ہوئے لیکن جو بات اس سلسلے میں ہے وہ یہ ہے کہ ''دبستان'' کے مصنف اور ''مخزنِ افغانی'' کے پشتو مصنف اخوند درویزی کے مطابق وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے پشتو، ہندی، عربی اور فارسی میں لکھا ہے۔ انھوں نے اپنے نظریات کو افغانوں کے لیے پشتو میں، ہندوؤں کے لیے ہندی میں اور ایرانیوں کے لیے فارسی میں واضح کیا ہے۔ انھوں نے ان تینوں زبانوں میں ایک کتاب لکھی ہے جو ''خیر البیان'' کہلاتی ہے۔ اس کتاب میں بایزید کا ذکر صرف ہندوستانی مصنف کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔ اگر قارئین کو ان کے نظریات و حالات زندگی سے دلچسپی ہو تو انھیں ڈاکٹر لیڈن کے ان مضامین کا مطالعہ کرنا چاہیے جو ایشیاٹک ریسرچ جلد نمبر ۱۰ میں شامل ہیں۔

بے خبر۔ محمد بیگ۔ خیر آبادی:

وہ مغلیہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور ایک ہندوستانی شاعر تھے جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔

برق۔ مرزا محمد رضا خان:

مرزا کاظم علی صالح کے بیٹے اور ناسخ کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ایک دیوان مرتب کیا ہے۔ جس کے چند اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔

پاکباز۔ میاں یا میر صلاح الدین:

وہ مکھن کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ وہ سید میاں شاہ کمال کے بیٹے اور سید شاہ جلال کے پوتے تھے۔ وہ دہلی میں یکرنگ اور عزلت کے مشورے سے شعر و سخن میں دلچسپی لینے لگے۔ پاکباز نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ ہر مہینے کی ۱۵ تاریخ کو ان ادبی مجالس میں شریک ہوا کرتے تھے جن کا میر نے اپنے تذکرے میں ذکر کیا ہے۔ فتح علی حسینی نے ان کے چند اشعار اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

پاکباز محمد شاہ کے دور میں رہتے تھے۔ قاسم اور سرور کے مطابق انھوں نے ۳ ہزار اشعار کہے ہیں جو ایک دیوان کی شکل میں مرتب کیے گئے ہیں۔ توپ خانہ لکھنؤ میں اس کا ایک نسخہ تھا جس میں غزلوں کے علاوہ ایک ساقی نامہ، ایک واسوخت اور رباعیاں وغیرہ تھیں۔ اس کتاب میں ۱۵۱ صفحات ہیں۔

پتمبر سنگھ:

وہ ایک ہندو تھے جنھوں نے عیسائی مذہب قبول کرلیا تھا۔ پتمبر سنگھ نے ہندوستانی میں اپنی ایک سرگزشتِ حیات لکھی ہے جو کلکتہ سے ۱۸۲۰ء میں شائع ہوئی ہے اور جس کا انگریزی عنوان *Memoir of Potambar Singh a native christian* ہے۔ اس کتاب کے متعدد ایڈیشن مذہبی مجلس کی طرف سے شائع ہوئے ہیں۔ پتمبر نے ''سیار الاسلام'' کی تصنیف میں نور محمد، رام کرشن اور سید محمد کی معاونت کی ہے۔

پذیر۔ سید نثار علی:

سید گلزار علی کے بیٹے تھے۔ جن دنوں باطن اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو ان کی عمر صرف تیرہ سال تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کم سنی ہی میں شاعرانہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ باطن نے ان کو ''گلشنِ بے خزاں'' میں ایک ہندوستانی شاعر کی حیثیت سے نقل کیا ہے۔

پربھو داس۔ بابو:

وہ '' تازہ اشعار'' کے مصنف ہیں جو الٰہ آباد سے ۱۸۶۸ء میں چھوٹی تقطیع کے ۲۲ صفحات میں شائع ہوئے ہیں۔

پربھو دیال:

وہ دہلی کے ہفتہ وار اردو اخبار ''فوائد الشائقین'' و'' قواعد الشاہدین'' کے مدیر اور رئیس التحریر ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اخبار گورنمنٹ گزٹ کا محض ایک اردو ترجمہ ہے اور ان ہندو مسلم عوام کے لیے شائع ہوتا ہے جو انگریزی زبان سے ناواقف ہیں۔

پربھو لال:

وہ رسالہ '' پیائش مقناطیسی'' Magnatis کے مصنف ہیں۔ یہ کتاب اردو میں ہے اور اس کا ذکر *"Selections from the Records of Government"* [آگرہ] میں ۱۸۵۵ء میں کیا گیا ہے۔

پرسن کمارتر۔ بابو:

انھوں نے فارسی سے اردو میں طب کا ایک رسالہ ترجمہ کیا ہے جس کا عنوان ''علمِ طب کا بیان'' ہے۔

پروانہ۔سید پروانہ علی شاہ۔مراد آبادی:

وہ ایک ممتاز ہندوستانی شاعر ہیں۔انھیں بھنگ پینے کی عادت تھی اور بعض لوگوں کا اعتقاداً خیال تھا کہ بھنگ کے نشے میں رہ کر وہ لوگوں کے دلوں کی باتوں سے واقف ہوجاتے تھے۔

وہ اپنے استاد محمد قائم کی کوششوں سے محمد یار خان والیِ رامپور کی حکومت میں ملازم ہوگئے تھے۔انھوں نے بعد میں درویشی اختیار کرلی تھی۔ ہندوستانی تذکرہ نگاروں نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

پروانہ۔راجہ یا رائے جسونت سنگھ۔لکھنوی:

وہ عام طور پر گاگا جی یا کاکا جی کہلاتے تھے۔ان کے والد مہاراجہ بنی بہادر نواب شجاع الدولہ کے یہاں ایک اہم عہدے پر مامور تھے اور ان کے استاد لالہ یا رائے سرب سُکھ سنگھ دیوانہ تھے۔ وہ ایک بذلہ سنج اور اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص تھے۔ پہلے وہ فارسی میں شعر کہتے تھے لیکن قبولِ عام حاصل کرنے کے لیے انھوں نے فارسی زبان کو ترک کردیا کیونکہ وہ ہندوستان کے لیے ایک طرح کی مردہ زبان ہوچکی تھی اور اپنی مادری زبان اردو میں شعر کہنا شروع کیا۔ مصحفی کا بیان ہے کہ وہ اردو شعر گوئی میں بارہ سال تک شب و روز لگے رہے۔جس وقت مصحفی اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے، اس وقت پروانہ نے اردو شعر گوئی میں غیر معمولی مشق بہم پہنچالی تھی۔ انھوں نے غزل اور قصیدے میں سودا کی تقلید کی ہے لیکن نیا تخیلی رنگ بھی دیا ہے۔ان کا کلام دلچسپ اور شگفتہ ہے۔ وہ میر تقی، میر حسن اور میاں بقاء اللہ کا بڑا ادب کرتے تھے اور ان سے مشورۂ سخن بھی کرتے تھے۔آخر میں وہ مصحفی سے مشورہ کرنے لگے تھے اور اپنے کلام پر اصلاح لیتے تھے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے کلام کا ایک مختصر دیوان مرتب کیا تھا اور اس کا ایک نسخہ فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں موجود ہے۔

شاہ عالم ثانی کی حکومت کے چوبیسویں سال یعنی ۱۷۸۵ء میں لکھنؤ میں مقیم تھے اور ۱۲۰۹ھ/ ۹۴-۱۷۹۵ء میں زندہ تھے۔ اسپرنگر کے پاس ان کا ایک دیوان تھا جس میں ناسخ کا ایک قطعۂ تاریخ بھی شامل ہے اور اس سے پروانہ کی وفات کا سال ۱۲۳۸ھ/ ۲۳-۱۸۲۲ء نکلتا ہے۔ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں ان کے دیوان کا جو نسخہ ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ۱۲۲۵ھ/ ۱۱-۱۸۱۰ء میں لکھا گیا ہے۔

پریشان۔میر محمد واجد:

وہ ایک صوفی شاعر ہیں جو دانا پور میں رہتے تھے۔ان کے والد ذاکر علی ذاکر تھے۔نساخ کے دیوان کے آخر میں ان کی ایک نظم بھی شامل ہے۔

پریاداس۔ دہلوی:

وہ ''دقیق الاخبار'' کے ایڈیٹر تھے۔ یہ اردو اخبار دہلی سے پہلی دسمبر ۱۸۵۱ء کو جاری ہوا۔ اس اخبار کے خریداروں میں ہندو بڑی کثیر تعداد میں تھے۔ میرا خیال ہے کہ یہ پریا داس متر ہیں جنھوں نے شیوا پرشاد کی کتاب ''مراۃ الغافلین'' کا اردو سے ہندی میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ کتاب آگرہ سے ۱۸۵۹ء میں چھوٹی تقطیع کے ۳۸ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔

پریم ناتھ رائے:

وہ ذات کے کھتری تھے۔ قائم نے ان کو ہندوستانی شعرا میں شمار کیا ہے۔

پناہ علی۔ منشی میر:

انھوں نے اردو کی ایک جنتری ۱۸۶۹ء میں تصنیف کی ہے جو آگرہ سے چھوٹی تقطیع پر ۲۰ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔

پنچھی۔ شاہ دہلوی:

وہ ایک درویش تھے اور آزاد سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے ہندوستانی میں بے شمار اشعار کہے ہیں لیکن صرف علی ابراہیم نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کا صرف ایک شعر نقل کیا ہے۔ کریم کے بقول وہ محمد شاہ کے دور میں رہتے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ہندو تھے اور بعض دوسرے لوگ ان کو مسلمان سمجھتے تھے لیکن میرا خیال ہے کہ وہ ایک صوفی منش آدمی تھے اور مذہب کے تحت پابند نہ تھے۔

پھندن لال۔ لالہ:

غالباً ہندو تھے جو بعد میں اس مذہب کو ترک کر کے مسلمان ہو گئے تھے کیونکہ انھوں نے اردو کی ایک مثنوی میں ہندو مذہب کے نقائص اور مسلمانوں کے دین کی خوبیوں کو بیان کیا ہے۔ اس مثنوی کا نام ''اصولِ دینِ احمد'' یا ''خوبیِ دینِ اسلام'' ہے۔ یہ کتاب بریلی سے ۱۸۶۵ء میں چھوٹی تقطیع پر ۱۲۸ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔ اس کے ہر صفحے میں ۲۱ سطریں ہیں۔ J.Long نے بھی اصولِ دینِ محمدی کے نام سے اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

پیام۔ شرف الدین علی خان:

اکبر آباد [آگرہ] میں پیدا ہوئے تھے اور مغل بادشاہ سلطان محمد شاہ کے دور میں رہتے تھے۔ وہ ایک ممتاز شاعر ہیں جنھوں نے ایک ریختہ دیوان چھوڑا ہے۔ انھوں نے فارسی میں بھی شعر کہے ہیں اور شیفتہ کا

خیال ہے کہ وہ فارسی شاعر کی حیثیت سے زیادہ ممتاز ہیں۔ آرزو اور علی قلی خان ولہ نے بھی اپنے تذکروں میں ان کی بڑی تعریف کی ہے۔ میران کے ہم عصر ہونے کے علاوہ ان کے صاحب زادے میاں نجم الدین سلام کے گہرے دوست بھی تھے۔ میر نے پیام کے چند اشعار نقل کیے ہیں اور ان کے بعد علی ابراہیم اور فتح علی حسینی نے بھی ان اشعار کو اپنے تذکروں میں درج کیا ہے۔ قاسم بھی ان کا ذکر کرتے ہیں۔

پیارے لال۔ منشی یا لالہ:

وہ دہلی کے ایک کالج کے پرنسپل ہیں اور ان کی مندرجہ ذیل تصنیفیں ہیں:

ا۔ ''ہدایت نامۂ پیمائش'': یہ کتاب میرٹھ سے ۱۸۶۴ء میں چھپی ہے۔

۲۔ ''مفتاح الارض'': اردو میں جغرافیے کی کتاب ہے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن منشی عنایت حسین نے لاہور سے شائع کیا ہے۔ اس میں ۱۶۱ صفحات ہیں اور ہر صفحے میں ۲۰ سطریں ہیں۔

۳۔ ''رسالہ دہلی سوسائٹی'': یہ کتاب اردو میں دہلی سے ۱۸۶۷ء میں چھوٹی تقطیع کے ۴۲ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

۴۔ ''علاء الدین کے عجیب وغریب چراغ اور ۴۰ چوروں کی کہانی'':

یہ اردو کی کتاب ہے اور لاہور میں چھوٹی تقطیع کے ۲۱۴ صفحات پر [۱۸۶۷ء] میں چھپی ہے۔

۵۔ Sir N. Muir نے، جو صوبہ شمال مغربی کے گورنر ہیں، ان سے اردو میں ہندوستان کی تاریخ تصنیف کرنے کی فرمائش کی تھی۔ اس کے علاوہ انھوں نے اور دوسری کتابوں کے لکھنے کی فرمائش بھی کی ہے۔ پیارے لال ''سرکاری اخبار'' کے مدیر بھی ہیں۔

پیر:

معلوم ہوتا ہے کہ یہ دکن کے ایک ہندوستانی شاعر کا تخلص ہے جو سُنّی جماعت سے تعلق رکھتے تھے اور جن کا نام محمود تھا۔ انھوں نے دوسری اصناف میں طبع آزمائی کرنے کے علاوہ ''قصۂ ملکہ و بادشاہ'' کے نام سے ایک مثنوی بھی لکھی ہے۔ یہ ملکہ یونان کی ایک شاہزادی تھی جس کے متعلق فارسی میں بھی ایک قصہ تصنیف کیا گیا ہے۔ اس فارسی قصے کا ایک نسخہ پیرس کی امپریل لائبریری کے قلمی نسخوں کے مجموعوں میں موجود ہے۔ ہندوستانی قصے کے مصنف نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ انھوں نے اس قصے کو فارسی سے ترجمہ کیا ہے لیکن تقریباً ہر شخص اس بات سے واقف ہے کہ مشرق میں اکثر ترجمے کے معنی یہ ہیں کہ اصل موضوع کی نقل اتاری جاتی ہے یا صرف واقعات کو ایک دوسری زبان میں بیان کر دیا جاتا ہے۔

غالباً یہ وہی مصنف ہیں جن کا ذکر میر نے میر محمود کے نام کے تحت میں کیا ہے اور جن کے دکنی اشعار بھی نقل کیے ہیں۔ کمال نے محمود کے نام سے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کے صرف ایک شعر کو اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے۔

لوگاں کہیں پتھر سے کچھ سخت نہیں لیکن
جو کوئی پیا سے بچھڑا وہ سخت ہے پتھر سے

''نکات الشعرا'' از میر، ص ۹۹

تائب۔ حافظ عبداللہ دہلوی:

دورِ حاضر کے ایک شاعر ہیں جن کا ذکر ذکا نے کیا ہے۔ وہ عبدالرحمٰن احسان کے شاگرد تھے۔

تاب۔ مہتاب رائے:

ان کا آبائی وطن کشمیر تھا لیکن وہ دہلی میں پیدا ہوئے۔ شیفتہ نے شاعر کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے۔ سرور ان کو تائب کہتے ہیں۔

تاباں۔ میر عبدالحیٔ دہلوی:

یہ ایک ایسے ہندوستانی مصنف ہیں جو اپنی شاعرانہ اور ذہنی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ اپنی خوبصورتی کے لیے بہت مشہور ہیں۔ ابتداً میں شاہ حاتم کے شاگرد تھے اور بعد میں محمد علی حشمت، شاگرد محمد غنی بیگ قبول کشمیری کے شاگرد ہوئے۔ وہ میر باقی کے بیٹے اور میر ولایت اللہ کے بھائی محتشم علی خان سے بھی مشورۂ سخن کرتے تھے۔ سودا اور مظہر سے ان کے دوستانہ تعلقات تھے۔ تاباں نے اردو کا ایک دیوان مرتب کیا ہے جو کافی مشہور ہے۔ انھیں عربی کے تقریباً ایک ہزار اشعار یاد ہیں۔ میر تقی، مصحفی اور فتح علی حسینی نے اپنے تذکروں میں ان کے اشعار چند صفحوں میں نقل کیے ہیں۔ لطف کا بیان ہے کہ خوبصورتی میں دہلی میں ان کا جواب نہ تھا اور دہلی کی تمام عورتیں ان کے پیچھے دیوانی ہو رہی تھیں لیکن وہ ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئے اور ایک نوجوان درویش شاہ سلیمان سے محبت کرنے لگے۔ مصحفی نے اس نوجوان شاعر کے حسن و جمال کا بڑے جوش و خروش کے ساتھ ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ انھیں نہ جانتے تھے کیونکہ ۱۷۷۶ء میں مصحفی کے دہلی جانے سے پہلے تاباں کا کم عمری میں انتقال ہو چکا تھا لیکن چاندنی چوک میں پرانی تصویروں کی ایک دکان میں انھوں نے تاباں کی ایک تصویر دیکھی تھی۔ تاباں کے باپ دادا کا سلسلۂ نسب حضرت محمدؐ سے ملتا ہے۔ تشبیہوں اور استعاروں میں جو فارسی کی جان ہیں، میر نے تاباں کی بڑی تعریف کی ہے لیکن ان کے لطف کو

ترجمے میں برقرار نہیں رکھا جاسکتا۔ میر سے ان کے دوستانہ تعلقات تھے لیکن جلد وہ ان سے کھنچ گئے کیونکہ تاباں نے شراب پینی شروع کر دی تھی اور وہ اس قدر پیتے تھے کہ جب ان سے کوئی ملنے جاتا تو مدہوش پاتا۔ اسی لیے ان کے احباب نے ان سے ملنا چھوڑ دیا تھا۔ آخر کار انھوں نے اپنے دوستوں سے شراب ترک کرنے کا وعدہ کیا اور اس پر قائم رہے لیکن بدقسمتی سے وہ آماس کی بیماری کی وجہ سے زیادہ دن زندہ نہ رہ سکے۔

لطف کے بیان کے مطابق تاباں کا انتقال ضعیف عمری میں ہوا۔ ان کا کہنا ہے کہ ۱۲۰۱ھ/ ۸۷-۱۷۸۶ء میں بمقام لکھنؤ وہ ان سے ملے تھے۔ اس وقت ان کی خوبصورتی کی بڑی شہرت تھی اور فی الواقع وہ اس کے مستحق تھے۔

بنی نراین نے ان کی تین غزلیں نقل کی ہیں:

عشق کیا ہے جا کسی کامل سے پوچھا چاہیے ماجرا اس کا کسی عاقل سے پوچھا چاہیے

کیا تڑپنے میں مزا ہے قتل ہو ظالم کے ہاتھ اس کی لذت کے تئیں بسمل سے پوچھا چاہیے

ہم سے کیوں ملتا نہیں عطار کا بیمار ہے درد اپنے کی دوا قاتل سے پوچھا چاہیے

کیوں چڑھاتا ہے ہر اک دم تیوری تلوار کھینچ آج بر ہم کس پہ ہے قاتل سے پوچھا چاہیے

جس نے اس کا زخم کھایا ہو اُسے معلوم رہے تیغ ابرو کی صفت گھائل سے پوچھا چاہیے

یار کے جور و جفا و ظلم سے معلوم نہیں کیا گزرتی ہوگی تاباں دل سے پوچھا چاہیے

''دیوانِ تاباں'' مرتبہ عبدالحق ص ۱۵۷

تاثیر۔ لالہ کنہیا لال۔ فرخ آبادی:

ان کے والد کیول کشن ہیں اور ان کے استاد کا نام سید اسماعیل منیر ہے۔ وہ تعمیرات کے انجینئر ہیں۔ محسن نے ان کی چند غزلیں نقل کی ہیں۔ انھوں نے غزلوں کے علاوہ اردو میں ''رسالہ در باب آلاتِ پیائش وترکیب پیائش'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب کے چند اڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک Thompson College Press سے ۱۸۵۷ء میں چھوٹی تقطیع کے ۱۷۶ صفحات میں رڑکی سے نکلا ہے۔

تارک۔ زاہد بیگ۔ دہلوی:

یہ ہندوستانی شاعر میر عزت اللہ عشق کے شاگرد تھے۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ ''عروضِ زاہدیہ'' کے مصنف ہوں جو آگرہ سے ۱۸۵۰ء میں شائع ہوا ہے۔

تانا۔ ابوالحسن شاہ:

یہ گولکنڈہ کے قطب شاہی خاندان کے آخری سلطان ابوالحسن شاہ کا تخلص تھا۔ لطف نے اپنے تذکرے کے تین صفحات میں ان کا ذکر کیا ہے اور ان کی شاندار تعریف کی ہے۔ ۱۶۹۰ء میں اورنگ زیب نے گولکنڈہ کو حاصل کر کے ابوالحسن شاہ کو اسیر کر لیا تھا۔ ان کا انتقال ۱۷۰۴ء میں ہوا ہے اور لطف کا خیال ہے کہ ان کی موت اسی لیے واقع ہوئی کہ وہ اپنی اسیری میں ان مناسب مراعات اور سامانِ راحت سے محروم کر دیے گئے تھے جس کے وہ ہمیشہ سے عادی رہے تھے۔ اس سلسلے میں لطف نے انسانی زندگی میں شان و شوکت کی ناپائیداری کا ذکر نثر و نظم میں کیا ہے۔

تپان۔ مرزا احمد بیگ خان:

نواب عطا اللہ خان کے بیٹے اور کچاک کے سردار تکتمش خان کے پوتے تھے۔ وہ دلی میں پیدا ہوئے اور کلکتہ میں رہتے تھے۔ تپان مرزا جان تپش سے شرفِ تلمذ رکھتے تھے اور اپنے استاد کی طرح ہندوستانی شاعری میں ایک کامیاب شاعر تھے۔

وہ ایک دیوان کے مالک ہیں جس سے محسن نے چند اقتباسات پیش کیے ہیں۔

تپش۔ مرزا محمد اسماعیل:

وہ مرزا جان کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ ان کے والد مرزا یوسف بیگ بخارا کے رہنے والے تھے اور جلال بخاری کے سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ تپش دہلی میں پیدا ہوئے اور خواجہ میر درد کے شاگرد تھے۔ وہ سنسکرت کے ماہر ہیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہندوستان کے ایک مسلم شاعر کو سنسکرت زبان کا بہت ہی عمدہ ذوق تھا۔ حقیقت میں انگریزی علما نے اس زبان کے احیا کے لیے بڑی خدمت کی ہے۔ اگرچہ خود برہموں نے اسے نظر انداز کر دیا تھا۔ ان دنوں تعلیم یافتہ ہندو اور مسلمان اس زبان سے دوبارہ دل چسپی لینے لگے ہیں۔ شیفتہ کے بقول اس ملک کے ادبی ذوق کی ترویج میں تپش کا بڑا حصہ ہے۔ شیفتہ ان کی بڑی تعریف کرتے اور ان کے متعدد اشعار کو نقل کرتے ہیں۔

انھیں مرزا خان تپش یا مرزا خان دہلوی بھی کہتے ہیں۔ ان کے والد بخارا سے تعلق رکھتے تھے لیکن وہ

خود لکھنؤ میں رہتے تھے۔ ان کا خاندان مغل تھا اور سید جلال بخاری سے ان کا سلسلہ ملتا ہے۔ یہ مشہور اردو شاعر ہیں جنھوں نے دوسری چیزوں کے علاوہ ایک کتاب ''شمس البیان'' نامی لکھی ہے۔ یہ کتاب ان ضرب الامثال کا مجموعہ ہے جو رباعیات، قطعات اور شعروں میں استعمال ہوئی ہیں۔ یہ کتاب ٹھیٹ ہندوستانی میں ہے۔ تپش کا کلام کلیات کی صورت میں مرتب ہو چکا ہے جس کا ایک نسخہ فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں موجود ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ اصل نسخہ ہے۔

تپش نے ایک اردو مثنوی بھی ''بہارِ دانش'' کے نام سے لکھی ہے۔ اصل قصہ فارسی میں ہے اور شیخ عنایت اللہ کا لکھا ہوا ہے۔ اس کا کچھ حصہ Colonel Dow نے انگریزی میں کیا تھا جس کو مسٹر Jonathan Scott نے مکمل کیا۔ مسٹر Scott نے انگریزی عنوان *Garden of Knowledge* غلط دیا ہے۔ اس کے بعد اس کا ایک حصہ مسٹر Lescallier نے فرانسیسی میں ترجمہ کیا ہے۔ ''گلزارِ دانش'' کے نام سے جس کتاب کا ذکر حیدری کے بیان میں کیا گیا ہے وہ ''بہارِ دانش'' سے مختلف ہے۔ تپش نے ایک دیوان بھی مرتب کیا ہے۔

تپش مرزا سلیمان شکوہ کے دربار سے وابستہ تھے۔ مرزا سلیمان شکوہ نے ان کی سفارش راجہ کالی کرشنا کے والد مہاراجہ کرشنا بہادر سے بھی کی تھی جو کہ ہندوستانی ادیبوں میں اس لیے بڑے مشہور تھے کہ انھوں نے سنسکرت، بنگالی، اردو اور انگریزی میں متعدد کتابیں شائع کی تھیں۔

انھوں نے مرزا محمد یار بیگ سائل سے علمِ معنی و بیان کی تعلیم حاصل کی اور متصوفانہ شعر کہنے لگے اور میر درد کو اپنا استاد بنایا۔ وہ سیاسی مشیر تھے اور مرشدزادہ آفاق جہاندار شاہ صاحب کے یہاں منصب دار تھے جن کے ساتھ وہ بنارس گئے تھے۔ یہاں علی ابراہیم کو ۱۱۹۸ھ/۸۳-۱۷۸۳ء میں ان سے ملنے کا موقع ملا۔ علی ابراہیم کا بیان ہے کہ تپش اس وقت ایک وجیہہ، منکسر المزاج اور بڑی خوبیوں کے نوجوان تھے۔ مصحفی ان کے گہرے دوست تھے۔ ان کا بیان ہے کہ تپش سولہ سال کی عمر سے شعر و سخن میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ ان کا کلام پاکیزہ اور اثر انگیز ہوتا تھا۔ وہ ایک خوش طبع قابلِ اعتماد شخص تھے۔

تپش ۱۸۱۲ء میں گورنر کی دعوت پر کلکتہ گئے۔ واپس ہو کر پٹنہ میں مقیم ہوئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ ۱۸۱۴ء میں وہ حیات تھے۔ وہ لکھنؤ اور مرشد آباد بھی رہ چکے تھے اور یہیں کمال سے ان کی ملاقات ہوئی تھی۔ بنی نراین نے تپش کے کلام سے آٹھ مختلف اقتباسات دیے ہیں۔

کلیاتِ تپش کا نام ''گلزارِ مضامین'' ہے جو ۱۱۹۹ھ/۸۴-۱۷۸۴ء میں چھپا ہے۔ فورٹ ولیم کالج میں اس کا

ایک نسخہ ۸۰۳ صفحات کا موجود ہے۔ ہر صفحے پر ۱۳ سطریں ہیں۔

''بہارِ دانش'' نامی مثنوی جہاں دار شاہ اور بہرہ ور بانو کی داستان ہے جو عنایت کی فارسی کتاب سے ماخوذ ہے اور ۱۸۰۲ء میں گورنر جنرل ہیرنگ ٹن اور کپتان ٹیلر کی فرمائش پر لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کے دیباچے میں اردو شاعری اور شعرا کا مختصراً ذکر کیا گیا ہے اور ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے کتب خانے میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔ اس میں ۸۰۰ صفحے اور ہر صفحے میں ۱۱ سطریں ہیں۔ اس کتاب کو محمدی پریس کلکتہ نے شیر علی افسوس اور محمد فیض اللہ نے ۱۲۵۵ھ/۴۰۔۱۸۳۹ء میں چھوٹی تقطیع کے ۲۷۸ صفحات میں شائع کیا ہے۔ اور کئی نسخے ہیں جن میں سے ایک چھوٹی تقطیع میں ۲۴۷ صفحات میں ۱۸۵۶ء میں چھپا ہے۔ تپش کلکتہ کی جیل میں بند بھی رہے لیکن وجوہات اور اوقات نامعلوم ہیں۔ ۱۸۱۴ء میں جیل سے چھٹنے کے بعد ان کا انتقال ہوا۔ جیل میں رہ کر انھوں نے یوسف زلیخا کا قصہ ریختہ میں لکھا تھا۔

تترچند۔ لالہ:

انھوں نے حساب کے موضوع پر عمدہ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو لاہور سے ۳۶ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

تجرد۔ میر عبداللہ:

سید عبدالولی عزلت کا بیان ہے کہ تجرد ان کے شاگرد تھے۔ تجرد دکن میں پیدا ہوئے تھے اور شعر و سخن کا بڑا عمدہ مذاق رکھتے تھے۔ میر اور گردیزی نے ان کا صرف ایک شعر نقل کیا ہے:

تجھ رو میں لطف ہے سو ملک کو خبر نہیں
خورشید کیا ہے اس کی فلک کو خبر نہیں

''نکات الشعرا'' ص ۱۰۵

تجلی۔ میر حسن۔ دہلوی:

وہ میر حاجی کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے والد میر محمد حسین کلیم ہیں۔ میر تقی ان کے ماموں اور استاد تھے۔ وہ صاحبِ دیوان ہیں جن کے چند اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔ محسن کا بیان ہے کہ انھوں نے لیلیٰ مجنوں نامی ایک مثنوی بھی لکھی ہے لیکن دراصل اس مثنوی کے مصنف محمد حسین تجلی ہیں۔

تجلی۔ شاہ تجلی علی۔ حیدرآبادی:

وہ ایک درویش ہیں جنھوں نے ہندوستانی میں اشعار کہے ہیں۔ سرور اور محسن نے ان کا ذکر کیا ہے۔

تجلی۔ میر محمد حسین:

شیفتہ کے مطابق وہ میاں حاجی تجلی کے لڑکے اور میر تقی میر کے بھانجے تھے۔ میر محمد حسین تجلی اور میاں حاجی تجلی میں بعضوں کو مغالطہ ہوا ہے کیونکہ ان دونوں کے نام ایک سے ہیں۔

شیفتہ کے بیان کے مطابق ''لیلیٰ مجنوں'' کے مصنف دراصل حاجی تجلی ہیں اور دوسرے تذکرہ نگاروں کے مطابق میر محمد حسین تجلی ہیں۔ ''لیلیٰ مجنوں'' کے ایک قلمی نسخے میں مصنف کا نام میر تجلی بتایا گیا ہے۔ ''لیلیٰ مجنوں'' کی یہ مثنوی تجلی کے مجموعۂ کلام کی ''شرح شوق'' کا ایک حصہ ہے جس کا ایک نسخہ فرح بخش لکھنؤ کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس نسخے کے مندرجہ ذیل تین حصے ہیں:

۱۔ لیلیٰ مجنوں: یہ ۱۱۹۹ھ/۵۔۱۷۸۴ء میں لکھی گئی ہے اور اس میں ۲۲۰ صفحے ہیں۔ ہر صفحے میں ۱۱۳ اشعار ہیں۔ ۲۳/ستمبر ۱۸۵۴ء کی رپورٹ میں V.Treguar نے یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ کتاب ترجمہ کی گئی ہے۔

۲۔ غزلیات: یہ ۱۴۰ صفحوں میں ہیں اور ہر صفحے میں ۱۶ اشعار درج ہیں۔

۳۔ رباعیاں، قصائد، مرثیے وغیرہ:

کریم الدین نے ۱۸۴۴ء میں دہلی سے '[افسانۂ لیلیٰ مجنوں]' کے نام سے اس کتاب کا ایک ایڈیشن شائع کیا ہے جس میں چھوٹی تقطیع کے ۱۲۲ صفحے ہیں اور ہر صفحے میں ۲۰ سطریں ہیں۔ ڈاکٹر گلکرسٹ کے پاس اس کا ایک بڑا نفیس نسخہ تھا جو ۱۷۹۱ء میں نقل کیا گیا تھا۔ یہ نسخہ بعد میں Duncan Forbes کے کتب خانے میں چلا گیا۔ یہ بڑی تقطیع کے ۲۸۲ صفحات پر شائع ہوا ہے اور ہر صفحے میں ۱۱ سطریں ہیں۔

ابتدا میں تجلی عرب سرائے، دہلی کے نزدیک رہتے تھے جہاں وہ اپنی ذہنی صلاحیتوں اور دوسرے اوصاف کے لیے کافی شہرت رکھتے تھے۔ اس کے بعد وہ لکھنؤ چلے گئے جہاں کمال کے مطابق تقریباً ۱۷۹۹ء میں وہ اپنے رشتہ دار میر تقی کے یہاں انتقال کر گئے۔

میر محمد حسین تجلی اردو میں بڑے کامیاب شعر کہتے تھے اور حسبِ ذیل کتابیں ان سے یادگار ہیں:

۱۔ ایک دیوان جس میں بحرِ کامل کے وزن پر غزلیات ہیں۔ بحرِ کامل ایک قدیم ترین عربی بحر ہے جو عربی شاعری میں عام طور پر استعمال کی گئی ہے اور دہلی میں وہ بہت پسند کی جاتی ہے۔

۲۔ متعدد مخمس اور مسدس۔

۱۷۹۳ء میں ان کی عمر تقریباً ۴۰ سال تھی۔ مجھے یہ تفصیلات مصحفی سے حاصل ہوئی ہیں جو تجلی کے

دوست تھے اور جنھوں نے تجلی کو فنِ سپاہ گری کا مشاق بتایا ہے۔ انھوں نے ان کے کلام کا نمونہ بھی ایک صفحے میں نقل کیا ہے۔

بنی نراین نے بھی ان کی ایک غزل درج کی ہے:

طرب رنگ رخِ گل پہ آشکار آیا ۔۔۔ کلی سے کھل گئے جونہی وہ گلعذار آیا

تڑپ کے جان نکل جائے گی ابھی صیاد ۔۔۔ نہ کہو باغ میں پھر موسم بہار آیا

ملا میں خاک میں مر مر کے آہ پر تو بھی ۔۔۔ نہ بے قراری دلِ کے تئیں قرار آیا

میری وفا پہ روز شک تھا اے ظالم ۔۔۔ یہ سر یہ تیغ ہے لے اب تو اعتبار آیا

یہ شوق دیکھو پسِ مرگ بھی تجلی نے ۔۔۔ کفن میں کھول دی آنکھیں سنا جو یار آیا

''تذکرۂ ہندی'' از مصحفی، ص۵۰

تجمل۔ محمد عظیم بیگ۔ لکھنوی:

وہ ایک اچھے شاعر ہیں جو زیادہ تر مرثیہ کہتے تھے۔ ان کے استاد جرأت تھے۔ جن دنوں ''گلشنِ بے خار'' تصنیف کیا جا رہا تھا وہ زندہ تھے۔

تحسین۔ محمد حسین خان:

وہ دورِ حاضر کے ایک شاعر ہیں جو اپنے ہم وطنوں میں کافی شہرت رکھتے ہیں۔

تحسین الدین۔ شیخ:

وہ دکنی منظوم قصے ''کام روپ اور کلا'' کے مصنف ہیں جس کا فرانسیسی ترجمہ میں نے کیا ہے۔ تحسین مصنف کا لقب بھی ہوسکتا ہے کیونکہ ''کام روپ اور کلا'' کا جو قلمی نسخہ مجھے حال ہی میں ملا ہے اس کے آخری شعر میں فضل علی کا نام آیا ہے۔ ممکن ہے فضل علی، ان کا تخلص ہو لیکن میرا خیال ہے کہ یہ نسخے کے کاتب کا نام بھی ہوسکتا ہے کیونکہ میرے پاس جو تین مختلف نسخے ہیں ان میں تین مختلف نام لکھے ہوئے ہیں۔

سر گوراوسلی کے پاس اس کا قلمی نسخہ تھا اور ہندوستان کے مختلف کتب خانوں کی فہرستوں میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔

مشہور شاعر گوئٹے کا بیان ہے کہ انھوں نے اس نظم کے ابتدائی حصے کا وہ ترجمہ پڑھا جو پروفیسر کوزے گارٹن Prof. Kosegarten نے ''کامارو پا'' کے نام سے کیا ہے اور اس سے وہ بہت لطف اندوز ہوئے ہیں۔ مجھے پتہ نہیں کہ یہ ترجمہ اردو یا فارسی، کس زبان سے کیا گیا ہے کیونکہ دونوں کا قصہ ایک سا ہے۔

میرے پاس دو نسخے فارسی کے ہیں۔ ایک خوبصورت نسخہ امپریل لائبریری میں بھی ہے۔ اس میں بہت سے دلچسپ خاکے ہیں جو مرحوم Jomard کے بنائے ہوئے ہیں۔

ایسٹ انڈیا آفس کی لیڈن کی فہرست میں ۴۲۳ نمبر پر ''کلا کام'' کے نام سے ایک دکنی مثنوی کا ذکر ہے۔ اس عنوان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کلا کی تاریخ ہوگی لیکن میرے خیال میں یہ بالکل مختلف کتاب ہے۔

میری نظر سے یہ کتاب گزری ہے۔ اس میں دوسری باتوں کے علاوہ دوسرے مذہب کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونے کے مسئلے پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ پھر بھی اس میں بعض چیزیں محذوف ہوگئی ہیں اور اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اصل قلمی نسخے سے نقل نہیں کی گئی۔ اس کے مطالب کا سمجھنا بھی دشوار ہے۔ اس کتاب کے مصنف کے نام کے متعلق بھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ انڈیا آفس میں اس کتاب کا جو نسخہ ہے وہ کسی یورپین کا نقل کیا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن اس کے آخر میں کاتب کا نام سید موسیٰ رضا علی درج ہے۔

جب میں نے ''قصۂ کام روپ کلا'' کو شائع کر دیا تو مجھے ایک اور نیا قلمی نسخہ اکیڈمک سوسائٹی ایکس [Academic Society, Aix] کے ایک ممبر Mr. Montmeyan سے ملا۔ یہ بہت اچھا نسخہ ہے اور اس کی اصل عبارت اس نسخے کے مطابق ہے جس کا میں نے ترجمہ کیا ہے۔ پہلے نسخے میں بعض باتیں واضح نہ تھیں، وہ اس میں واضح ہیں۔ یہ آخری نسخہ ان باقی چار قلمی نسخوں سے بہتر ہے جن سے میں نے اپنا ترجمہ مکمل کیا تھا۔ مثال کے طور پر رس رنگ موسیقار کے متعلق پہلے نسخوں میں کوئی وضاحت نہیں کی گئی لیکن آخری میں یہ خرابی نہیں ہے۔

کام روپ کی کہانی صرف ہندوستانی نظم میں نہیں بلکہ نثر میں بھی لکھی گئی ہے۔ مثلاً کندن لال لاہوری کا مرتب کیا ہوا نثری حصہ جس کا ذکر میں نے اس کتاب میں کیا ہے۔ فارسی نظم میں بھی یہ قصہ لکھا گیا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ کہانی ابتداً سنسکرت میں تھی لیکن سنسکرت میں اس کا کوئی نسخہ اب دستیاب نہیں ہوتا میں دو فارسی نسخوں کا ذکر کر سکتا ہوں ایک نثر میں احمد بن اسلام خان عالمگیری نے دوسرا نظم میں محمد صالح نے لکھا ہے۔

ضیغم نے کلکتہ سے کام روپ کا ایک اردو قصہ شائع کیا ہے جو میرے ترجمے کا خلاصہ معلوم ہوتا ہے۔ کریم الدین تذکرہ نگار کے والد سراج الدین نے بھی کام روپ کا قصہ لکھا ہے۔

''الف لیلیٰ'' میں شہزادہ سمرقند کا جو قصہ ہے وہ کام روپ سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔ اسپنسر کی The Fairy Queen کا موضوع بھی یہی ہے اور کامروپ کی طرح اس میں بھی آرتھر خواب میں ایک خوبصورت پری کو دیکھتا ہے اور اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا ہے۔

تحسین۔ سید یا میر محمد عطا حسین خان:

وہ اٹاوہ کے باشندے ہیں اور ان کو مخاطب بھی کہتے ہیں۔ ابتدا میں وہ تحسین تخلص کرتے تھے لیکن اپنے والد میر محمد باقر شوق کے انتقال کے بعد ''مرصّع رقم'' تخلص اختیار کیا۔ سودا کے اشعار کے مطالعے سے ان میں شعر و سخن کا شوق پیدا ہوا۔ ان کا قیام لکھنؤ، کلکتہ، عظیم آباد [پٹنہ] اور فیض آباد میں رہا۔ فیض آباد میں ان کے سرپرستوں میں نواب شجاع الدولہ ابوالمنصور خان بہادر صفدر جنگ اور مرزا حیٔ خان بہادر ہزبر جنگ تھے۔ ان کی شان میں انھوں نے ایک قصیدہ بھی لکھا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے نواب شجاع الدولہ ابوالمنصور کی فرمائش پر ''گلدستۂ داستان'' تصنیف کی تھی جسے ہزبر نے پسند کیا تھا۔ اس کا ایک نسخہ Historia Gacundae Hindostanice کے نام سے برٹش میوزیم میں موجود ہے۔ یہ وہی ''قصۂ چہار درویش'' ہے جس کو میر امن دہلوی نے ''باغ و بہار'' کے نام سے لکھا ہے۔ تحسین نے امیر خسرو کی فارسی کتاب سے اسے اردو میں ترجمہ کیا اور ''نوطرزِ مرصّع'' نام رکھا۔ لوگوں کا خیال ہے انھوں نے اپنے ترجمے میں فارسی اور عربی آمیز طرز اختیار کیا ہے۔ اس کتاب کے دو نسخے فورٹ ولیم کالج کے کتب خانے میں ہیں۔ لنڈن کے رائل ایشیاٹک سوسائٹی میں جو نسخہ ہے وہ ۱۲۴۱ھ/۱۸۲۶ء میں نقل کیا گیا ہے۔ میرے پاس بھی اس کا ایک نسخہ ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر کے کتب خانے میں جو نسخہ ہے فہرست میں اس کا نمبر ۱۷۴۶ ہے۔ حال ہی میں یہ کتاب دہلی سے دوبارہ شائع ہوئی ہے اور ۱۸۴۶ء میں Story of Farkunda Sir King of Rum کے انگریزی نام کے ساتھ بمبئی سے شائع ہوئی ہے لیکن اس عنوان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا موضوع کوئی دوسرا ہے۔ پھر وزیر نظام حیدر آباد کے کتب خانے کی جو فہرست مجھے جی اسٹورٹ نے بھیجی ہے اس میں ''قصۂ چہار درویش'' کے نام سے ایک قلمی نسخے کا ذکر ہے لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ آیا یہ تحسین ہی کی کتاب ہے۔

اس کے علاوہ تحسین نے ''ضوابطِ انگریزی'' اور ''تواریخِ قاسمی'' نامی کتابیں بھی لکھی ہیں لیکن چونکہ یہ کتابیں فارسی میں ہیں اس لیے میں صرف ان کا حوالہ دے سکتا ہوں۔ شاید یہ وہی تحسین ہیں جن کا ذکر سرور نے قدیم مصنف کی حیثیت سے کیا ہے۔

تحمل۔ لکھنوی:

شیفتہ نے اپنے ''گلشنِ بے خار'' میں ہندوستانی شاعر کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے۔

تحیُّر۔ میاں غلام مصطفیٰ:

وہ فراق کے شاگرد اور قرآن کے مترجم شاہ یا مولوی رفیع الدین کے بیٹے تھے۔ ان کے والد اور ان کے چچا عبدالعزیز اپنے علم و تقویٰ کے لیے بہت مشہور ہیں۔ تحیُّر نے اردو میں شعر کہے ہیں۔ جن دنوں قاسم اور شیفتہ اپنے تذکرے لکھ رہے تھے تو وہ زندہ تھے۔ ذکا انھیں تحسین کہتے ہیں۔

تحیُّر۔ دہلوی:

وہ ایک اچھے شاعر تھے جن کا انتقال سرور کے تذکرہ لکھنے سے پہلے ہو گیا تھا۔

تحیُّر۔ مرزا محمد بیگ۔ لکھنوی:

وہ مرزا رستم بیگ خراسانی کے بیٹے اور شیخ امداد علی بحر کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ایک دیوان مرتب کیا جس سے ایک طویل غزل محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہے۔

تدبّر۔ مرزا اسکندر قدر۔ لکھنوی:

وہ مرزا محمد خورشید قدر بہادر قیصر کے بیٹے ہیں۔ محسن انھیں ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے ہیں اور انھوں نے اپنے تذکرے میں ان کے چند اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

تراب۔ نواب حشمت الدولہ افتخار الملک مرزا ابوتراب خان بہادر۔ لکھنوی:

وہ مرزا ابوطالب خان بہادر کے بیٹے اور بادشاہ محمد علی شاہ کے رشتے دار تھے۔ محسن نے ان کے دیوان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

تراب۔ مولوی شاہ تراب علی شاہ:

وہ ایک پرہیزگار ہندوستانی شاعر تھے اور حضرت شاہ کاظم کے بیٹے اور سجادہ نشین تھے۔ تراب لکھنؤ کے قریب کاکوری میں پیدا ہوئے لیکن دہلی اور بعد ازاں کلکتہ میں مقیم رہے۔ جن دنوں باطن اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تراب کی عمر تقریباً ۵۰ سال تھی۔ اکرام علی خان ان کے بھائی تھے جن کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے۔

تراب کا انتقال ۱۲۳۵ھ/۲۰۔۱۸۱۹ء میں ہوا ہے۔ انھوں نے بڑے شگفتہ متصوفانہ اشعار کہے ہیں جو کلیات کی شکل میں مرتب کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب کانپور سے ۱۸۶۴ء میں چھوٹی تقطیع کے ۳۵۰ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔ اس کے ہر صفحے میں ۱۹ سطریں ہیں۔

تربینی سہائے:

انھوں نے ''قصۂ ہوش افزا'' کے نام سے ایک کہانی لکھی ہے جو آگرہ سے ۱۸۶۸ء میں چھوٹی تقطیع

کے ۵۸ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

میر بہادر علی۔ لکھنوی:

یہ جرأت کے شاگرد تھے۔ قاسم نے ان کا ذکر کیا ہے۔

تفتہ: منشی ہرگوپال۔ سکندر آبادی:

وہ مرزا اسد اللہ خان غالب دہلوی کے شاگرد اور دورِ حاضر کے ایک شاعر ہیں۔ ذیل میں ان کی تصنیفات کی فہرست ہے:

۱۔ ایک دیوان جو مطبع کوہ نور لاہور سے شائع ہوا ہے۔ اس دیوان کے چند نسخے انعام کے طور پر مدرسوں میں تقسیم کیے گئے ہیں۔ [۱۴ر فروری ۱۸۶۴ء]

۲۔ ''تزئینِ گلستان''۔

۳۔ ان کا ایک فارسی قصیدہ ۱۴ر فروری ۱۸۶۵ء کے ''اودھ اخبار'' میں شائع ہوا ہے۔ یہ قصیدہ منشی نول کشور کی شان میں لکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے منشی گنیش پرشاد کے انتقال کے موقعے پر چند تاریخیں لکھی ہیں جو ''مجموعۂ تاریخ انتقال'' میں شائع ہوئی ہیں۔

ترقی۔ میر محمد تقی خان:

وہ شجاع الدولہ نواب اودھ کے رشتے دار تھے اور فیض آباد کے معزز دولت مند امرا میں شمار کیے جاتے تھے۔ انھیں شعر وسخن کا بڑا ذوق تھا۔ وہ فیض آباد میں مشاعرے منعقد کرتے تھے جہاں حاضرینِ مشاعرے کا پرجوش استقبال کیا جاتا تھا۔ انھوں نے اردو میں متعدد شگفتہ اشعار کہے ہیں لیکن یہ زیادہ تر حزنیہ ہوتے تھے۔ قاسم نے اپنے تذکرے میں ان کے بہت سے اشعار نقل کیے ہیں۔

ترقی۔ وزیر آصف الدولہ رستم الملک مرزا محمد نواب آغا تقی خان بہادر فیل جنگ:

وہ سید محمد امیر خان کے بیٹے اور میر سوز کے شاگرد تھے۔ ان کے آباو اجداد نیشا پور کے رہنے والے تھے لیکن وہ فیض آباد میں پیدا ہوئے اور لکھنؤ میں مقیم تھے۔ انھوں نے ایک دیوان یادگار چھوڑا ہے جس کے چند اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

ترمذی۔ مولوی میر محمد علی:

انھوں نے ہندوستانی شعرا کا ایک تذکرہ لکھا ہے جس کا ذکر علی ابراہیم کے تذکرے اور Fitz Edw.Hall کے مضمون میں آیا ہے۔ ان کو مولوی اور سید محمد علی بھی کہتے ہیں۔ انھوں نے فردوسی کے

''شاہ نامہ'' کے خلاصے ''شمشیر خوانی'' مرتبہ کو کل بیگ کا ترجمہ بھی کیا ہے۔

سب کو معلوم ہے کہ یہ صرف ''شاہ نامہ'' کا خلاصہ نہیں بلکہ اس میں بہت سی حکایتوں کے علاوہ اشعار بھی بطور حوالہ دیے گئے ہیں۔ اس خلاصے کی مدد سے Mr. Atkinson نے ''شاہ نامہ'' کا خلاصہ مرتب کیا ہے۔

ترمذی کا ترجمہ'' شاہ نامہ'' کے نام سے ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے کتب خانے میں موجود ہے جو پہلے فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے کتب خانے میں تھا۔ یہ نثر میں ہے اور اصل سے قریب تر ہونے کی ساتھ ساتھ اندازِ بیان کی شگفتگی اور دلکشی کے لیے بھی مشہور ہے۔

اس کے علاوہ ترمذی نے ذیل کی ۵ مثنویاں بھی لکھی ہیں جو کانپور سے ۱۲۶۹ھ/۳/۔۱۸۵۲ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی ہیں:

۱۔ ''قصۂ عاد اوّل''

۲۔ ''قصۂ عاد ثانی''

۳۔ ''رسالۂ جہادیہ در متن کتاب و برحاشیہ''۔

۳۔ ''قصۂ شاہ روم''۔ یہ دہلی سے ۱۲ صفحے پر اور کانپور سے ۱۶ صفحوں پر ۱۲۷۷ھ/۱۔۱۸۶۰ء میں شائع ہوا ہے۔

۵۔ ''قصۂ اصحاب کہف''۔ اس کے دہلی سے دو ایڈیشن نکلے ہیں۔ ترمذی نے ''معجزۂ نبوی''، ''قصۂ محمود شاہ'' اور ''عبرت نامہ'' کے عنوان سے تین اور مثنویاں لکھی ہیں۔

تسخیر، شاہزادہ عالی وقار مرزا محمد سلمان قدر بہادر لکھنوی:

وہ مرزا احمد خورشید قدر بہادر قیصر کے بیٹے اور مرزا محمد آسمان قدر بہادر نمود کے پوتے تھے۔ ان کا خاندان صاحب قرآن امیر تیمور گرگانی سے تعلق رکھتا تھا۔ تسخیر میر ہادی علی بے خود سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ ان کا شمار ہندوستانی شعرا میں کیا گیا ہے اور محسن نے دل کے موضوع پر ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔

تسکین۔ پنڈت گنگا داس۔ کشمیری:

کریم نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کا بیان ہے کہ وہ ریختہ میں شعر کہتے ہیں۔

تسکین۔ میر حسین۔ دہلوی:

یہ ہندوستانی شاعر مغل سلطان فرخ سیر کے وزیر، میر حیدر خان قائل سے متعلق تھے۔ وہ بہت ہی بلند

خیال شاعر ہیں اور ان کے کلام کا انداز نہایت ہی عمدہ ہے۔ وہ ریختہ شاعری میں حکیم محمد مومن خان مومن سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ شیفتہ نے بیان کیا ہے کہ تسکین ان کے دوست تھے۔ انھوں نے تسکین کے اشعار کو اپنے تذکرے میں متعدد صفحات پر جگہ دی ہے۔ قاسم بھی ان سے واقف تھے اور اکثر ملا کرتے تھے۔ تسکین ابتدا میں لکھنؤ میں رہتے تھے، بعد میں میرٹھ چلے گئے۔ کریم کے مطابق ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر تقریباً ۴۱ سال تھی۔ محسن کہتے ہیں کہ وہ صاحبِ دیوان ہیں۔

تسکین۔ میر سعادت علی:

یہ ہندوستانی مصنف بریلی میں پیدا ہوئے اور دہلی کے رہنے والے تھے۔ ان کے چچا میر علی خان حمید تھے۔ مصحفی کے مطابق ابتدا میں وہ میر احمد علی رسا کے شاگرد تھے اور بعد میں میر قمر الدین منت سے مشورۂ سخن کرنے لگے۔ وہ ایک اچھے شاعر تھے۔ مصحفی نے اپنے تذکرے میں ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ ذکا کا بیان ہے کہ وہ نظام الدین ممنون سے اصلاح لیتے تھے۔

تسلیم۔ محمد اکبر خان۔ افغانی:

وہ رامپور کے رہنے والے تھے اور خلیفہ غلام محمد عباسی بریلوی سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ سرور نے ہندوستانی شاعر کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے۔

تسلیم۔ شیخ امیر اللہ۔ فیض آبادی:

وہ مولوی عبدالرحمٰن کے بیٹے اور اصغر علی خان نسیم دہلوی کے شاگرد تھے۔ حسبِ ذیل کتابوں کے مصنف ہیں:

۱۔ ایک دیوان
۲۔ ''نالۂ تسلیم''، مثنوی
۳۔ ''دل و جان''، مثنوی
۴۔ ''شامِ غریباں''، مثنوی

یہ آخری کتاب محمد معشوق نے ۱۲۸۳ھ/ ۷-۱۸۶۶ء میں شائع کی ہے۔ اس میں چھوٹی تقطیع کے ۳۶ صفحات ہیں اور ہر صفحے میں ۱۹ اشعار ہیں۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

تسلیم۔ منشی محمد انور حسین:

وہ ایک ہم عصر مصنف ہیں جن کا کچھ کلام ''اودھ اخبار'' میں شائع ہوا ہے۔

تسلی۔ میر شجاعت علی۔ دہلوی:

نصیر کے شاگرد اور ایک ہم عصر ہندوستانی شاعر ہیں اور ابھی تک حیات ہیں۔ سرور کا بیان ہے کہ وہ عربی کے ماہر ہیں۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

تسلی۔ لال ٹیکا رام:

وہ آصف الدولہ کے سپہ سالار، گوپال رائے کے بیٹے اور نواب اودھ کی فوجی عدالتِ عالیہ کے صدر لالہ بھولا ناتھ کے بھائی تھے۔ وہ ایک ہندو ہیں جنھوں نے اردو میں بڑے کامیاب اشعار کہے ہیں۔ مصحفی نے ان کی ذہانت اور صلاحیت کی بڑی تعریف کی ہے۔ ان کے آبا و اجداد اٹاوہ ضلع آگرہ سے تعلق رکھتے تھے لیکن تسلی خود لکھنؤ میں پیدا ہوئے تھے۔ ۱۷۹۳ء میں اگرچہ ان کی عمر ۲۵ سال سے زیادہ نہ تھی پھر بھی وہ کافی مشہور تھے۔

فارسی اشعار کے علاوہ انھوں نے اردو میں حسبِ ذیل کتابیں لکھی ہیں:

۱۔ متعدد مثنویات

۲۔ دو دیوان جن کے نسخے ہندوستان کے ادبی حلقے میں بہت مقبول ہیں اور جن کے اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔

تسلی اردو شاعری میں مصحفی سے اصلاح لیتے تھے لیکن فارسی میں ان کے استاد محمد فاخر مکین تھے۔ ذکا نے ان کا تخلص تسکین بتایا ہے۔

مصحفی نے چار صفحوں میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔ ان کی ایک غزل یہ ہے جسے بنی نرائن نے اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے:

گزر چمن میں اگر وقتِ صبح تو نہ کرے — نسیم پاس نہ جا گل کے اس کو بو نہ کرے

کوئی بشر نہ زمانے میں ہووے گا ایسا — کہ جس کے دل میں جگہ تیری آرزو نہ کرے

کوئی اڑانے سے باز آئے ہے صبا اس کے — ہماری خاک کو جب تک کہ کوبہ کو نہ کرے

جہاں میں اور تسلی کا کون پوچھے حال — جو اس کے حال پہ اے یار رحم تو نہ کرے

''تذکرۂ ہندی'' از مصحفی ص ۵۷

تصدق۔ تصدق حسین لکھنوی:

قاسم علی خان کے بیٹے اور مولوی محمد بخش شہید کے شاگرد تھے۔ اس اردو شاعر کے اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

تصور۔ ذکی الدولہ میر تصور علی:

وہ میر صفدر علی خان کے بیٹے اور شاہی داروغہ تھے۔ ابتدا میں وہ بنارس میں رہتے تھے اور بعد میں لکھنؤ چلے گئے۔ ان کے تین دیوان یادگار ہیں، ایک ریختہ میں دوسرا ریختی اور تیسرا فارسی میں۔

محسن نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔

تصور۔ سید رجب علی۔ دہلوی:

وہ شاہ نصیر کے شاگرد ہیں۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔ ممکن ہے یہ وہی مولانا سید رجب علی خان بہادر ہوں جنھوں نے ''تفسیر سورۃ الفجر'' کے نام سے قرآن کے ایک سورہ کی شرح لکھی ہے۔ یہ شرح لاہور سے شائع ہوئی ہے۔

تصور۔ میر اور سید احسان حسین:

وہ سید حیدر حسین خان کے بیٹے اور امام زین العابدین کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ذکا انھیں سید حسن خان، قاسم سید حیدر علی، سرور سید حسین خان اور شیفتہ انھیں سید حیدر حسن خان کہتے ہیں۔ مصحفی کا بیان ہے کہ وہ ایک نوجوان، خوب رُو، خوب سیرت شخص تھے۔ ۱۷۹۳ء میں جب مصحفی اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو ان کی عمر ۲۵ سال تھی۔ ان کے استاد کا نام میاں قلندر بخش جرأت ہے۔ علی ابراہیم نے ان کے بے شمار اردو اشعار کا ذکر کیا ہے۔ کمال ان کے گہرے دوست تھے اور وہ تصور کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔ انھوں نے جامی کی ایک غزل پر ایک مخمس لکھا ہے جسے کمال نے اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے۔ کریم ان کا نام حیدر علی بتاتے ہیں اور ان کا بیان ہے کہ وہ لکھنؤ کے قریب پنکور یا بنگور کے رہنے والے تھے۔

تصویر۔ شاہ جواد علی۔ مرشد آبادی:

وہ ایک درویش ہیں جنھوں نے شاعری میں ایک نئے انداز کی بنا ڈالی ہے لیکن ادبی حلقوں میں اسے پسند نہیں کیا جاتا۔

قد و قامت اس بتِ مغرور کا ایک جھکا ہے خدا کے نور کا

''تذکرۂ ہندی'' از مصحفی ص ۶۴

تصویر:

وہ ایک شاعر ہیں جن کا ذکر باطن نے اپنے ''گلشنِ بے خزاں'' میں کیا ہے۔

تعشق۔ راجہ تعشق حسین غلام، رسول الثقلین:

مانک پور کے رہنے والے اور ایک ہم عصر شاعر ہیں جو جوش سے شرف تلمذ رکھتے تھے اور اچھے صاحب کے نام سے مشہور ہیں۔ انھوں نے ہندوستانی اشعار کہے ہیں۔ ان کی ایک غزل اور ایک مثنوی ستمبر ۱۸۶۹ء کے ''اودھ اخبار'' میں شائع ہوئی ہے۔

تعشق۔ سید مرزا لکھنوی:

وہ محمد انس کے بیٹے اور شاگرد تھے۔ ان سے ایک دیوان یادگار ہے جس سے چند اشعار ''سراپا سخن'' میں درج کیے گئے ہیں۔

تعشق۔ مولوی یا میر سید محمد:

یہ ڈاکٹر میر عزت اللہ خان عشق کے داماد اور شاگرد ہیں۔ دلّی کے انگریزی کالج میں عربی کے پروفیسر ہیں۔ ان کا سلسلۂ نسب مشہور صوفی بزرگ عبدالقادر گیلانی سے ملتا ہے۔ وہ عربی، فارسی اور بعض دوسرے علوم وفنون کے بڑے زبردست عالم ہیں۔ اردو شعرگوئی کے علاوہ انھوں نے عربی سے چند اردو ترجمے کیے ہیں۔

۱۔ فرائضِ سراجیہ: یہ سراج الدین سجاوندی کا اردو ترجمہ ہے۔

۲۔ شمسیہ یا رسالۂ شمسیہ۔ اس مشہور رسالے کا تعشق نے ترجمہ کیا ہے اور اس پر ایک دیباچہ بھی لکھا ہے۔

۳۔ ہندی لغت: جو مطبع العلوم دہلی سے ۱۸۵۱ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ تعشق ''تحفۃ الحدائق'' نامی اخبار کے مدیر بھی ہیں۔ یہ اردو اخبار دہلی سے ۱۸۵۱ء میں ہفتے میں دو بار نکلتا تھا۔ تعشق نے اپنے کالج کے پرنسپل کی درخواست پر بہت سی کتابوں کی تدوین و تصحیح بھی کی ہے۔ ان کی عمر ۱۸۴۷ء میں ستر سال تھی۔

تعالٰی۔ میر شمس الدین:

وہ لکھنؤ کے قریب رہتے تھے اور کمسنی میں ہی اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کی وجہ سے کافی مشہور ہوگئے۔ وہ اپنے عمدہ مذاق اور حسن کے لیے پسندیدہ نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ بدقسمتی سے ان کا جوانی ہی میں انتقال ہوگیا۔ فتح علی حسینی نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

تقی۔ محمد تقی خان:

وہ بہادر خان کے بیٹے تھے۔ بعض تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ وہ دہلی میں پیدا ہوئے لیکن بعض دوسرے انھیں لکھنوی بتاتے ہیں۔ بہرحال وہ کانپور میں رہتے تھے اور سرور اور محسن نے ان کا ذکر کیا ہے۔

ابتدا میں وہ مرزا محمد رضا معجز سے شرفِ تلمذ رکھتے تھے لیکن بعد میں خواجہ وزیر سے مشورۂ سخن کرنے لگے۔ تذکرہ نگاروں نے ان کی چند غزلیں نقل کی ہیں۔

تقی۔سید اور میاں محمد۔دہلوی:

وہ میر گھاسی کے نام سے بھی مشہور ہیں۔تذکرہ نگار ہندوستانی شاعر کی حیثیت سے ان کا ذکر کرتے ہیں اور ان کے چند اشعار بھی نقل کرتے ہیں۔تقی، فخرالدین اور میر محمد اعظم سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔

انھوں نے اشعار کے علاوہ اسلامی فقہ پر ''رسالہ میراث'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو لکھنؤ سے ۱۲۸۱ء میں چھوٹی تقطیع کے ۱۴ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔ یہ مصنف غالباً وہی سید تقی ہیں جنھوں نے ''مرشدالمومنین'' لکھی ہے۔

تقی۔حافظ محمد۔دہلوی:

وہ ایک شاعر ہیں جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔

تلسی پال۔پادری:

وہ ہندو مذہب کو ترک کر کے عیسائی ہو گئے تھے اور پال [Paul] کا نام اختیار کرلیا تھا جسے اپنے ہندی نام کے ساتھ استعمال کیا کرتے تھے۔وہ انگریزی کلیسا سے منسلک تھے اور اس کے ایک پادری کی حیثیت سے انھوں نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام'' سرگزشتِ پادری تلسی پال'' ہے۔ یہ کتاب کانپور سے ۱۸۶۸ء میں چھوٹی تقطیع کے ۳۴ صفحات پر پادری Hoernle کے زیرِ اہتمام شائع ہوئی ہے۔

تلسی رام۔لالہ:

وہ لالہ رام پرشاد اگروال کے بیٹے اور مرزاپور کے باشندے تھے۔وہ دہلی میں سررشتہ دار کے عہدے پر فائز تھے۔انھوں نے حسب ذیل کتابیں لکھی ہیں:

۱۔ مخزنِ عشق: یہ غالباً وہی کتاب ہے جس کا اشتہار ۱۷ر جنوری ۱۸۵۹ء کے'' کوہِ نور اخبار'' لاہور میں دیا گیا ہے۔

۲۔ جگتی مال: ممکن ہے کہ یہ وہی کتاب ہو جو ''بھگتما مال'' کے نام سے پانچ مختلف ماخذات کی مدد سے اردو میں مرتب کی گئی ہے اور اس کی ترتیب میں کافی توجہ اور محنت سے کام لیا گیا ہے۔ یہ کتاب قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ اور پہلی مرتبہ مطبعِ کوہِ نور سے شائع ہوئی ہے اور دوسری مرتبہ مطبع العلوم سوہانہ ضلع گڑگاؤں سے ۱۸۶۷ء میں شائع ہوئی ہے۔اس میں چھوٹی تقطیع کے ۴۰۴ صفحات اور مرتب

کا نام جوالا سہائی ہے۔

تمیز۔منشی کالی رائے:

وہ فتح گڑھ میں ڈپٹی کلکٹر تھے اور حسب ذیل کتابیں ان سے یادگار ہیں:

۱۔ ''[فتح گڑھ نامہ'': یہ کتاب اردو میں ہے اور صوبہ شمال مغربی کے گورنر Thompson کی فرمائش پر لکھی گئی ہے اور بڑی تقطیع کے ۲۰۴ صفحوں پر دہلی سے ۱۸۴۹ء شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب اس ضلعے کے پورے علاقے اور بعض بڑے خاندانوں کے سلسلۂ نسب کے متعلق بڑا قیمتی تاریخی مواد فراہم کرتی ہے۔

۲۔ ''کھیت کرم'': یہ کتاب زراعت سے متعلق ہے، شمال مغربی صوبے کے گورنر کی درخواست پر لکھی گئی ہے اور ۱۸۴۱ء میں دہلی سے اور ۱۸۴۶ء میں آگرہ میں شائع ہوئی ہے۔

اس کا ایک دوسرا ایڈیشن بھی چھوٹی تقطیع کے ۵۴ صفحوں پر ۱۸۴۹ء میں دہلی سے شائع ہوا ہے۔ اس کتاب میں زمین کی قسموں، زراعت کے آلات اور آب پاشی کے موضوعات شامل ہیں۔ یہ باتصویر ہے اور اس میں اصطلاحات کی تشریح فارسی اور دیوناگری دونوں رسم الخطوں میں کی گئی ہے۔

اردو ایڈیشنوں سے قطعِ نظر اس کے ایک ہندی ایڈیشن کا اعلان بھی یکم جون ۱۸۵۵ء کے آگرہ گورنمنٹ گزٹ میں ہوا ہے۔

۳۔ ''مفیدِ عام'': یہ ایک مختصر رسالہ ہے جو چھوٹی تقطیع پر ۱۸۵۷ء میں لاہور سے شائع ہوا ہے اور جس میں سن عیسوی اور سن ہجری وغیرہ کی تاریخیں نکالنے کی وضاحت کی گئی ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ تمیز نے اشعار بھی کہے ہیں اور ان کی ایک غزل ۹ر فروری ۱۸۶۹ء کے ''اودھ اخبار'' میں چھپی ہے۔

تلک چند:

انھوں نے ''گلشنِ عشق'' کے نام سے ایک اردو مثنوی لکھی ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ آیا یہ وہی مثنوی ہے جس کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں موجود ہے۔ شاید یہ وہ نظم ہے جسے نصرتی نے لکھا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس صورت میں تلک چند نصرتی کا اصل نام ہے۔

تمنا۔میر اسد علی:

وہ دکن کے ایک شاعر ہیں۔ دوسرے اشعار کے علاوہ انھوں نے نواب نظام علی خان کی شان میں ایک قصیدہ بھی لکھا ہے جس کا مطلع کریم نے نقل کیا ہے۔ سرور نے ان کی ایک رباعی بھی درج کی ہے۔

تمکین۔بھگتا مال۔پنڈت:

وہ لکشمی رام پنڈت کے بیٹے ہیں اور فدا کے تخلص سے بھی مشہور ہیں۔ ان کا آبائی وطن کشمیر تھا لیکن وہ دہلی میں پیدا ہوئے۔ شروع میں فدا ان کے استاد تھے لیکن بعد میں وہ میدان شاعری میں تمکین کو اپنا مدمقابل سمجھنے لگے تھے۔ انھوں نے خاص طور پر عشقیہ اشعار کہے ہیں جس کا ایک نمونہ سرور نے پیش کیا ہے۔

تمکین۔ میاں یا میر صلاح الدین۔ دہلوی:

وہ محمد شاہ کے دور کے ایک درویش تھے اور اپنی آزادیٔ خیال اور ندرتِ کردار کے لیے کافی ممتاز تھے۔ انھوں نے ہندوستانی میں خاصے کامیاب اشعار کہے ہیں۔ میر، فتح علی حسینی اور علی ابراہیم نے ان کا صرف ایک شعر نقل کیا ہے۔:

حسن اور عشق کو جس روز کہ ایجاد کیا
مجھ کو دیوانہ کیا، تجھ کو پری زاد کیا

تمکین۔ محمد یوسف:

وہ دہلی میں پیدا ہوئے اور اسی شہر کے کالج میں تعلیم و تربیت پائی۔ دہلی کالج کے پہلے پرنسپل Felix Boutros تھے، اس کے بعد اسپرنگر اور پھر Francis Taylor ہوئے جو ۱۸۵۷ء کے غدر میں ہلاک کر دیے گئے۔

تمکین ایک جوان خوش مزاج، خوش مقال اور بلند تخیل رکھنے والے شاعر ہیں۔ کریم کا بیان ہے کہ ان کو تمکین کے بجائے نمکین کہنا چاہیے کیونکہ ان کے خیالات نہایت ہی نادر ہیں اور وہ اپنے سانولے رنگ اور شگفتہ چہرے کے اعتبار سے اس لقب کے لیے زیادہ موزوں ہیں۔

کریم نے ان کی چند قابلِ قدر غزلوں کو نقل کیا ہے جنھیں انھوں نے کسی موقعے پر سنا تھا۔ ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر ۱۹ سال تھی اور وہ حال ہی میں کالج سے نکلے تھے۔

تمکین۔ میر سراج الدین:

وہ ایک اچھے جدید ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر صرف منو لال نے اپنے ''گلدستۂ نشاط'' میں کیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اور میاں یا میر صلاح الدین تمکین ایک ہی شخص ہو لیکن ڈاکٹر اسپرنگر کے تذکرے اور میری تفصیلات کے باوجود میں صحیح طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔

تمکین۔ میر ثنا علی:

یہ علمِ رمل میں مہارت رکھتے تھے ۱۲۳۸ھ/۲۳۔۱۸۲۲ء میں شوکت جنگ کے ساتھ فرخ آباد سے دہلی

وقت تک کسی اور ماخذ میں، شعرا کے ضخیم سے ضخیم تذکروں کے شمول، نظر نہیں آتیں۔ اگرچہ مصنف نے کسی مربوط تاریخ کے بجائے اس وقت تک کی عام روایت ''تذکرہ نویسی'' کے انداز میں اسے لکھا ہے لیکن اس کا تحریر کردہ طویل مقدمہ (پیش لفظ) اس انداز سے مختلف ہے۔ متن میں شعرا اور مصنفین کا تذکرہ اس نے حروف تہجی کی ترتیب سے کیا ہے اور ان سے متعلقہ تمام دستیاب معلومات کو وہاں جمع کر دیا ہے اور بالعموم اپنا ماخذ بھی بتا دیا ہے کہ اسے اس شخص کے بارے میں معلومات کہاں سے ملی ہیں۔ اس طرح اب کسی شخص پر کوئی مزید کام کرنا چاہے تو دتاسی کی اس تصنیف میں درج ماخذ کے توسط سے ایک رہنمائی آسانی سے میسر آسکتی ہے۔ بالعموم یہ ماخذ ہم عصر ماخذ ہیں اس لیے اور بھی اہم اور ناگزیر ہیں۔ یہ بھی ایک امتیاز اس تصنیف کا ہے کہ اس میں شامل ایک بہت بڑی تعداد ایسے شعرا و مصنفین کی ہے جن کے نام یا جن کے بارے میں معلومات نہ کسی تاریخ ادب میں اور نہ کسی تذکرے میں ملتی ہیں۔ اکثر افراد، کتابوں و مطبوعات اور مطابع کے بارے میں معلومات کے لیے یہ تصنیف واحد ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے ہر طرح کے معیاری مطالعے اور استناد کے لیے یہ ہمیشہ ناگزیر رہے گی۔

حواشی:

۱۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے، جو فرانسیسی زبان میں کامل مہارت رکھتے تھے، دتاسی کے نام کے لیے اسی تلفظ پر اصرار کیا ہے۔

۲۔ اس ضمن میں اس کے خیالات کے لیے: ''خطبات گارساں دتاسی'' (اورنگ آباد، ۱۹۳۵ء)، ص ۳۶۔۳۹ وبعدہٗ۔

۳۔ ۱۷۹۴ء میں فرانس کے مغربی ساحلی شہر مارسلیز میں پیدا ہوا۔ ۱۸۱۷ء میں پیرس پہنچ کر اس وقت کے معروف مستشرق سلویستر دی ساسی (Slivestre de Sacy) کی شاگردی اختیار کی اور فارسی، عربی، ترکی زبانیں سیکھیں۔ ۱۸۲۲ء میں ادارۂ شرقیات (Societey Asiatica) کا معتمد نامزد ہوا۔ اس عرصہ میں اسے اردو زبان سیکھنے اور اس میں مہارت حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ جس کے لیے اس نے انگلستان کا سفر کیا اور اردو دان انگریزوں سے یہ زبان سیکھی۔ واپس آکر ۱۸۲۸ء میں پیرس کے السنۂ شرقیہ کے اسکول میں اردو (ہندوستانی) کا استاد مقرر ہوا۔ پھر ساری عمر اسی حیثیت میں اردو تدریس و تحقیق میں منہمک رہا۔ ۱۸۷۸ء میں انتقال ہوا۔

۴۔ اردو تذکرہ نویسی پر جو کتابیں لکھی گئیں، ان میں اس تذکرے پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے، مثلاً: سید عبداللہ ''شعرائے اردو کے تذکرے'' (لاہور، ۱۹۵۲ء)، ص ۶۲۔۷۱؛ ڈاکٹر فرمان فتح پوری ''اردو شعراء کے تذکرہ نویسی'' (لاہور، ۱۹۷۲ء)؛ لیکن ان سے قطع نظر قاضی عبدالودود اور محمد محفوظ الحق کے مضامین مشمولہ ''گارسان دتاسی'' مصنفہ قاضی عبدالودود (پٹنہ، ۱۹۹۵ء) ص ۱۵۱۔۱۸۴؛ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، ''طبقات الشعرائے ہند اور مولوی کریم الدین'' مشمولہ: ''صحیفہ'' (لاہور، جولائی ۱۹۶۷ء)، ص ۹۔۳۰؛ قیمتی معلومات پر مشتمل ہیں۔

۵۔ ''تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی''، جلد اول کی اشاعت اول'' مشمولہ: ''گارساں دتاسی'' (پٹنہ، ۱۹۹۵ء)، صفحہ ۶۲۔۳۹۔

وقت تک کسی اور ماخذ میں، شعرا کے ضخیم سے ضخیم تذکروں کے بشمول، نظر نہیں آتیں۔ اگرچہ مصنف نے کسی مربوط تاریخ کے بجائے اس وقت تک کی عام روایت ''تذکرہ نویسی'' کے انداز میں اسے لکھا ہے لیکن اس کا تحریر کردہ طویل مقدمہ (پیش لفظ) اس انداز سے مختلف ہے۔ متن میں شعرا اور مصنفین کا تذکرہ اس نے حروف تہجی کی ترتیب سے کیا ہے اور ان سے متعلقہ تمام دستیاب معلومات کو وہاں جمع کر دیا ہے اور بالعموم اپنا ماخذ بھی بتا دیا ہے کہ اسے اس شخص کے بارے میں معلومات کہاں سے ملی ہیں۔ اس طرح اب کسی شخص پر کوئی مزید کام کرنا چاہے تو دتاسی کی اس تصنیف میں درج ماخذ کے توسط سے ایک رہنمائی آسانی سے میسر آسکتی ہے۔ بالعموم یہ ماخذ ہم عصر ماخذ ہیں اس لیے اور بھی اہم اور ناگزیر ہیں۔ یہ بھی ایک امتیاز اس تصنیف کا ہے کہ اس میں شامل ایک بہت بڑی تعداد ایسے شعرا و مصنفین کی ہے جن کے نام یا جن کے بارے میں معلومات نہ کسی تاریخ ادب میں اور نہ کسی تذکرے میں ملتی ہیں۔ اکثر افراد، کتابوں و مطبوعات اور مطابع کے بارے میں معلومات کے لیے یہ تصنیف واحد ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے ہر طرح کے معیاری مطالعے اور استناد کے لیے یہ ہمیشہ ناگزیر رہے گی۔

حواشی:

۱۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے، جو فرانسیسی زبان میں کامل مہارت رکھتے تھے، دتاسی کے نام کے لیے اسی تلفظ پر اصرار کیا ہے۔

۲۔ اس ضمن میں اس کے خیالات کے لیے: ''خطبات گارساں دتاسی'' (اورنگ آباد، ۱۹۳۵ء) ص ۴۶۔۴۹ وبعدہٗ۔

۳۔ ۱۷۹۴ء میں فرانس کے مغربی ساحلی شہر مارسلیز میں پیدا ہوا۔ ۱۸۱۷ء میں پیرس پہنچ کر اس وقت کے معروف مستشرق سلویستر دی ساسی (Slivestre de Sacy) کی شاگردی اختیار کی اور فارسی، عربی، ترکی زبانیں سیکھیں۔ ۱۸۲۲ء میں ادارۂ شرقیات (Societey Asiatica) کا معتمد نامزد ہوا۔ اس عرصہ میں اسے اردو زبان سیکھنے اور اس میں مہارت حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ جس کے لیے اس نے انگلستان کا سفر کیا ور اردو دان انگریزوں سے یہ زبان سیکھی۔ واپس آکر ۱۸۲۸ء ہی پیرس کے السنۂ شرقیہ کے اسکول میں اردو (ہندوستانی) کا استاد مقرر ہوا۔ پھر ساری عمر اسی حیثیت میں اردو تدریس و تحقیق میں منہمک رہا۔ ۱۸۷۸ء میں انتقال ہوا۔

۴۔ اردو تذکرہ نویسی پر جو کتابیں لکھی گئیں، ان میں اس تذکرے پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے، مثلاً: سید عبداللہ ''شعرائے اردو کے تذکرے'' (لاہور، ۱۹۵۲ء) ص ۶۴۔۷۱؛ ڈاکٹر فرمان فتح پوری ''اردو شعراء کے تذکرہ نویسی'' (لاہور، ۱۹۷۲ء)؛ لیکن ان سے قطع نظر قاضی عبدالودود اور محمد محفوظ الحق کے مضامین مشمولہ ''گارسان دتاسی'' مصنفہ قاضی عبدالودود (پٹنہ، ۱۹۹۵ء) ص ۱۵۱۔۱۸۴؛ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، ''طبقات الشعرائے ہند اور مولوی کریم الدین'' مشمولہ: ''صحیفہ'' (لاہور، جولائی ۱۹۶۷ء) ص ۹۔۳۰؛ قیمتی معلومات پر مشتمل ہیں۔

۵۔ ''تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی''، جلد اول کی اشاعت اول'' مشمولہ: ''گارساں دتاسی'' (پٹنہ، ۱۹۹۵ء) صفحہ ۶۲۔۳۹۔

گئے وہاں ان کی ہندوستانی شاعر ذکا سے ملاقات ہوئی اور ذکا نے انھیں اردو شعرا کی صف میں جگہ دی۔

تمنا۔ محمد اسحاق خان:

آبائی وطن کشمیر تھا لیکن دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ احسن اللہ خان بیان کے بیٹے تھے اور بنارس میں جہاندار شاہ کے بیٹے مرزا حاجی صاحب سے منسلک تھے۔ انھوں نے اردو شاعری میں ایک خاص مقام حاصل کیا ہے لیکن ان کا بہت ہی جوان سالی میں انتقال ہوگیا۔ کریم الدین نے ان کا ذکر کیا ہے۔

تمنا۔ مرزا مغل خان یا جان:

آگرہ کے رہنے والے اور مرزا حاتم علی بیگ مہر کے شاگرد تھے۔ وہ دہلی کے ایک رئیس تھے۔ ۱۸۴۸ء میں اپنے یہاں مشاعرے منعقد کرتے تھے۔ باطن اور محسن نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

تمنا۔ خواجہ محمد علی۔ عظیم آبادی:

وہ خواجہ عبداللہ تائید کے بیٹے اور علی ابراہیم کے دوست تھے۔ علی ابراہیم نے اپنے گلزار میں ان کی تعریف کی ہے اور ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ جن دنوں محسن اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے، وہ فوت ہو چکے تھے۔

تمنا۔ عباس قُلی:

وہ مغلیہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور دہلی میں پیدا ہوئے۔ بہ اعتبارِ پیشہ وہ سپاہی تھے اور شاعری سے بھی بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔ سرور ان کے گہرے دوست تھے۔ ذکا بھی ان سے واقف تھے لیکن ان کا بیان ہے کہ جس وقت وہ اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

تنہا۔ محمد عیسیٰ:

لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ان کے آباؤ اجداد دہلی کے رہنے والے تھے اور وہ خود بھی دہلی میں رہتے تھے۔ بنی نراین کا بیان ہے کہ جن دنوں وہ اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے [۱۸۱۴ء] تو تنہا دہلی میں رہتے تھے۔ ۱۷۹۳ء میں ان کی عمر ۲۷ سال تھی اور اس لیے ۱۸۱۴ء میں ان کی عمر ۴۸ سال ہوگی۔ وہ فوج میں ملازم تھے۔ مصحفی جو ان کے استاد تھے بیان کرتے ہیں کہ تنہا اعلیٰ صفات کے مالک تھے۔ انھوں نے بچپن ہی سے شاعری شروع کر دی تھی اور بعد میں وہ اپنی فکرِ رسا کی وجہ سے بہت ہی قابلِ قدر اشعار کہنے لگے۔ انھوں نے غزلوں اور دوسری اصنافِ شاعری میں اشعار کا ایک دیوان چھوڑا ہے جس میں مرثیے اور سلام بھی پائے جاتے ہیں۔ مصحفی ان کے اشعار کو تین صفحوں میں نقل کرتے ہیں اور بنی نراین نے بھی ان کا ایک مخمس نقل کیا ہے۔

تنہا۔ سعد اللہ خان:

پٹھان قوم سے تعلق رکھتے ہیں اور ہندوستان کے ایک شاعر ہیں۔ تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ وہ ایک جوان خوش مزاج شخص ہونے کے علاوہ نہایت ہی حمیدہ اوصاف کے حامل تھے۔ وہ میر قدرت اللہ خان کی صحبت میں رہ کر شعر و سخن سے دلچسپی لینے لگے۔ انھوں نے ۲۰ سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کر دیا جسے وہ قائم، عاشق [مہدی علی] اور فراق کو دکھایا کرتے تھے۔ ان کا انتقال بہت ہی کم عمری میں ہوا ہے۔ سرور اور کریم ان کا ذکر کرتے ہیں۔

تنہا۔ شیخ عوض علی:

وہ ایک خوش مذاق ہندوستانی شاعر ہیں جو محمد وحید خان کے بیٹے اور محمد سعید خان کے پوتے تھے۔ ان کے دادا قائم علی خان کے بیٹے اور قاسم علی خان، ساکن مدینہ کے پوتے تھے۔ وہ ہمایوں کے ہمراہ ہندوستان آئے تھے اور اکبر کے دربار میں بہت ہی ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ قاسم اور تنہا کی اولاد بھی سلطانانِ دہلی کے پاس بہت ہی معزز عہدوں پر فائز رہی ہے۔ تنہا ایک بہت اچھے خوش نویس تھے اور دہلی میں مصحفی کے شاگرد تھے۔ بعد میں انھیں میرٹھ میں عشق سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ جن دنوں کمال اپنا ''مجموعہ الانتخاب'' لکھ رہے تھے تو وہ زندہ تھے۔

تنہا۔ منشی اور سید کفایت علی:

وہ سید اور میر الٰہی بخش مرحوم کے بیٹے اور میرٹھ کے ایک رئیس تھے۔ ان کے بھائی باندہ کے سررشتہ دار تھے اور وہ خود زردیسی [پنجاب] میں سررشتہ دار کے عہدے پر مامور تھے۔ ان کے استاد مرزا حاتم علی بیگ مہر تھے جو امام بخش ناسخ کے شاگرد تھے۔ ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء میں وہ دہلی میں رہتے تھے اور مغل خان تمنا کے یہاں مشاعروں میں شریک ہوا کرتے ہے۔ محسن نے ان کے چند اشعار اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

تمنا۔ عاشق علی خان:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جس کا ایک شعر منولال نے اپنے ''گلدستۂ نشاط'' میں نقل کیا ہے۔

تنویر۔ میر کاظم حسین:

ان کے والد، آصف الدولہ کی بیوی بیگم صاحبہ کی سرکار میں داروغہ تھے اور ان کے دادا مرثیہ گو میر اکبر علی مقبل تھے۔ تنویر فیض آباد میں پیدا ہوئے لکھنؤ میں پرورش ہوئی اور میر اوسط رشک کے شاگرد ہوئے۔ محسن

نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

توانا۔ سید اکرام علی۔ فتح پوری:

وہ سید سبحان علی کے بیٹے تھے۔ ابتدا میں وہ منشی تونگر سنگھ عاشق کے شاگرد تھے، جو خود مرزا قاتل سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ شروع میں ناتواں تخلص کرتے تھے لیکن جب وہ مشہور شاعر نصیر سے مشورۂ سخن کرنے لگے تو انھوں نے توانا تخلص اختیار کرلیا تھا۔ وہ ایک دیوان کے مالک ہیں جس سے محسن نے چند اقتباسات نقل کیے ہیں۔

تھامس۔ جان۔ دہلوی:

ان کے والد ایک یورپین تھے ۔وہ خان صاحب کے نام سے مشہور تھے اور شاہ نصیر الدین کے شاگرد تھے۔ شیفتہ نے ان کا جو شعر نقل کیا ہے وہ بہت معمولی ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ اُن ہی Georges Thomas کے بیٹے ہیں جنھوں نے ستلج کے کنارے ایک چھوٹی سی سلطنت قائم کی تھی جس کا دارالخلافہ ہانسی تھا۔

تھانیسری۔ شاہ امام بخش:

وہ عبدالقادر گیلانی کے سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ قاسم نے ان کے زہد وتقویٰ کی بڑی تعریف کی ہے۔ انھوں نے بہت سے حسین اردو اشعار کہے ہیں جن میں اللہ اور اس کی مخلوق کی یکتائی کا اظہار کیا گیا ہے۔

توقیر۔ عبدالقادر:

وہ پنجاب میں پیدا ہوئے لیکن دہلی میں رہتے تھے۔ محسن نے انھیں اردو شعرا میں شمار کیا ہے اور ''سراپا سخن'' میں چند اشعار نقل کیے ہیں۔

توقیر۔ لالہ نراین داس۔ فرخ آبادی:

وہ لالہ پھول چند کے بیٹے اور سید اسماعیل حسین منیر کے شاگرد ہیں۔ یہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کے چند اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

توقیر۔ شیخ احسان اللہ:

وہ بجنور میں پیدا ہوئے اور لکھنؤ میں رہتے تھے۔ ان کے والد شیخ محمد رضا تھے اور ان کے دادا غلام سرور ''قاف نامہ'' کے مصنف تھے۔ انھوں نے ایک دیوان مرتب کیا ہے جس کے چند اشعار محسن نے اپنے

تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

ٹیپو۔ سلطان۔ یا ٹیپو صاحب:

وہ ۱۷۴۹ء میں پیدا ہوئے اور جیسا کہ ہر شخص جانتا ہے وہ ۱۷۹۹ء میں بمقام سرنگا پٹم بہادری سے لڑتے ہوئے مارے گئے۔ وہ حیدر علی کے بیٹے تھے اور ۶/دسمبر ۱۷۸۲ء میں بغیر کسی دقت کے تخت کے وارث ہوگئے۔ میں ان کا ذکر سیاسی حیثیت سے نہیں بلکہ صرف ہندوستانی مصنف کی حیثیت سے کروں گا۔

ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کی فہرستِ کتب میں ''مفرح القلوب'' نامی کتاب ٹیپو کے نام سے منسوب ہے جو کہ دکنی اشعار کا ایک انتخاب ہے۔ اس کتاب کے ۹ نسخے اس کتب خانے میں ہیں۔ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ ٹیپو کی تصنیف ہے لیکن شاید ان کے نام سے معنون کی گئی ہے۔ ان کی اور کتابیں بھی اس کتب خانے میں ہیں جو فارسی میں لکھی گئی ہیں۔ ان میں ''حکم نامہ'' اور علم نجوم کے متعلق ''زبرجد'' نامی کتابیں شامل ہیں۔

مختصر یہ کہ ٹیپو نے ۹۶ ہندوستانی غزلیں کہی تھیں جن کو بچے اکثر گاتے تھے۔

ثابت۔ اصالت خان:

وہ افغانی النسل ہندوستانی شاعر تھے جو پٹنہ میں کافی عرصے سے رہتے تھے۔ یہ وہ دور تھا جب علی ابراہیم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے [۲-۱۷۸۰ء]۔ وہ مرزا محمد علی فدوی سے مشورۂ سخن کرتے تھے اور ہندوستانی میں کامیاب اشعار کہتے تھے۔ ثابت اپنے دور میں کافی مشہور تھے اور سرور کا بیان ہے کہ وہ ایک ممتاز ہندوستانی شاعر تھے۔ عشقی کے مطابق وہ پٹنہ میں ۱۲۱۰ھ/۶-۱۷۹۵ء میں فوت ہوئے۔

ثابت۔ حیدر آبادی۔ دکنی:

وہ ایک شاعر ہیں جن کی ایک رباعی کو [جو نواب ارسطو جاہ کے متعلق لکھی گئی تھی] سرور نے نقل کیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ وہی خواجہ حسن ثابت ہوں جن کی تاریخ وفات ۱۲۳۶ھ/۲۱،۱۸۲۰ء ناسخ نے لکھی ہے۔

ثابت۔ شجاعت اللہ خان:

ان کا آبائی وطن پانی پت تھا لیکن سرور کے مطابق وہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ وہ لکھنؤ میں رہتے تھے اور مرزا جعفر علی حسرت کے شاگرد تھے۔ ان کے دادا نواب دلیر خان تھے۔ ''گلزار ابراہیم'' میں ان کا صرف ایک شعر درج کیا گیا ہے۔

ثابت۔ مرزا معز الدین بہادر:

وہ مرزا احسن بخت بہادر کے بھائی اور فن شاعری میں حافظ عبدالرحمٰن احسان کے شاگرد تھے۔ ان کے

اشعار کافی مقبول ہیں اور قاسم نے ان میں سے متعدد نمونے پیش کیے ہیں۔ جن دنوں ذکا اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے، ثابت زندہ تھے۔

ثاقب۔ سید شمس الدین دہلوی:

وہ ایک درویش تھے اور آبرو سے شرفِ تلمذ رکھتے تھے۔ اگرچہ قاسم اور سرور نے بیان کیا کہ وہ اور میاں شہاب الدین ثاقب دو مختلف شاعر ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ یہ دونوں ایک ہی شخص ہیں۔

ثاقب۔ مرزا مہدی، لکھنوی:

مرزا انور علی بیگ کے بیٹے اور ناسخ کے شاگرد تھے۔ وہ کچھ عرصے تک نواب محسن الدولہ کے معلّم رہے۔ انھوں نے ہندوستانی اشعار کا ایک دیوان مرتب کیا ہے، جس کی چند غزلیں محسن نے نقل کی ہیں۔

ثاقب۔ میاں شہاب الدین:

وہ ایک درویش تھے اور دہلی میں محمد شاہ کے دور میں رہتے تھے۔ ان کا شمار قدیم ہندوستانی شعرا میں کیا جاتا ہے۔ انھوں نے ذہنِ رسا پایا تھا اور وہ میاں شاہ مبارک آبرو اور سراج الدین علی خان آرزو سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ میر ان سے بخوبی واقف تھے اور جن دنوں وہ اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے، ثاقب اپنے وطن، بارہ کے قریب، تو برہ واپس تشریف لے آئے تھے جہاں وہ روزانہ کے مشاغل سے علیحدہ رہ کر ریاضت وعبادت میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ قائم ۱۱۶۴ھ/ ۱-۱۷۵۰ء میں ثاقب سے ملے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ان دنوں وہ سیوہار میں رہتے تھے۔ ہندوستانی تذکرہ نویسوں نے ان کے دو اشعار نقل کیے ہیں۔

ثاقب۔ میر غالب الدین:

وہ ولی کے ایک ہم عصر تھے اور ذکا کا بیان ہے کہ ان کے اشعار قدیم طرزِ بیان میں ہیں۔

ثریا:

ان کو بڑی بیگم بھی کہتے ہیں۔ عشق نے طبقاتِ سخن میں اور رنج نے بہارستانِ ناز میں ان کا ذکر کیا ہے۔ وہ مرزا علی خان کی بیوی تھیں جو دہلی کے شاہی امام تھے اور جن کا انتقال ۱۸۲۵ء میں ہوا ہے۔ ان کے شوہر کے انتقال کے بعد دہلی کے بادشاہ ان کی مدد کرتے تھے لیکن ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد ان کی مالی حالت بہت خستہ ہو گئی تھی اور اس لیے وہ دہلی کو ترک کر کے آگرہ چلی گئی تھیں جہاں وہ اپنے عزیزوں کے ساتھ قیام کر رہی تھیں۔ رنج کو اس کی خبر نہیں کہ وہ ہنوز زندہ ہیں یا انتقال کر چکیں۔ ان کا بیان ہے کہ ثریا اپنے شوہر کی زندگی ہی میں بہت عمدہ اشعار کہتی تھیں لیکن ان کے انتقال کے بعد انھوں نے شعر و شاعری کا ذوق ختم کر دیا تھا۔

ذیل میں ان کے دو اشعار درج کیے جاتے ہیں:

بتا دیں ہم تمھارے کا کل شب گوں کو کیا سمجھے　　سیہ بختی ہم اپنی یا اسے کالی بلا سمجھے

جسے دیکھا اٹھا کر نیم بسمل کر دیا اس کو　　تری مژگاں کو ہم سوفار مژگاں قضا سمجھے

''تذکرۂ شاعرات اردو'' ص ۱۶۵

ثروت۔ درویش علی:

وہ ایک صوفی تھے اور اردو زبان میں شاعری بھی کرتے تھے۔ کریم کا بیان ہے کہ وہ ایک بہت ہی عجیب وغریب کردار کے مالک تھے۔

ثروت۔ مرزا محمد صادق۔ لکھنوی:

انھیں عرفِ عام میں آغا ثروت کہتے تھے۔ وہ راجہ تکت رائے کے بیٹے کے معلم تھے۔ انھوں نے عشقیہ اور المیہ دونوں اصناف میں شاعری کی ہے جس کا ذکر سرور نے کیا ہے۔

ثروت۔ مفتی غلام مخدوم:

پھلوری کے رہنے والے، وہ مولوی جمال الدین کے بیٹے اور مولوی آیت اللہ جوہری کے شاگرد تھے۔ وہ ایک غریب سید تھے لیکن انھوں نے اپنے حالات کے برعکس ثروت تخلص اختیار کیا تھا۔ بہرحال کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیز ان کے لیے فالِ نیک ثابت ہوئی کیونکہ انھوں نے ۴۰ ہزار روپے وراثت میں حاصل کیے تھے۔ وہ ایک جید عالم تھے اور پٹنہ میں قیام کرتے تھے۔ جن دنوں عشقی اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ شیفتہ نے ان کے ہندوستانی اشعار کا ایک نمونہ پیش کیا ہے۔

ثمر۔ سید ابوتراب۔ لکھنوی:

شاہ مرزا خان کے بیٹے اور شیخ امام علی سنجر کے شاگرد ہیں۔ وہ ہندوستانی اشعار کہتے ہیں جن کا ایک نمونہ محسن نے پیش کیا ہے۔

ثمر۔ مرزا علی۔ لکھنوی:

وہ مرزا جعفر علی بیگ کے بیٹے اور غلام ہمدانی مصحفی کے ایک ممتاز شاگرد ہیں۔ انھوں نے ایک ریختہ دیوان یادگار چھوڑا ہے جس کی چند غزلیں محسن نے نقل کی ہیں۔ اس ہندوستانی دیوان کے علاوہ وہ ایک فارسی دیوان کے مالک بھی ہیں۔ ان کا انتقال سراپا سخن کے لکھنے سے پہلے ہوا ہے۔

ثنا۔ قاضی ثنا اللہ خان۔ فرخ آبادی:

ایک ہندوستانی شاعر تھے جو کوئل کی عدالت میں سرشتہ دار کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ یہیں باطن کو ان سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔ یہ ان کے تذکرے کی تصنیف سے پیشتر کا واقعہ ہے۔ انھوں نے حُرمتِ غنا کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس کو حکومتِ برطانیہ نے دہلی کے غدر کے بعد [۱۸۵۷ء] خرید لیا تھا۔ فہرستِ کتب میں اس کا نمبر ۱۲۶۷ ہے۔

ثنا۔ میر شمس الدین۔ عظیم آبادی:

وہ شاہ مشتاق طلب کے شاگرد، ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا کلام بہت تھوڑا ہے۔ مصحفی اور بنی نراین نے ان کے صرف دو اشعار نقل کیے ہیں۔ شیفتہ اور کمال کا بیان ہے کہ وہ کشمیری تھے۔

جام۔ کنورلیس۔ بدھولی:

غلام محی الدین عشق کے بیٹے اور مسرور کے شاگرد ہیں۔ شیفتہ نے اپنے ''گلشنِ بے خار'' میں ان کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے پادری T. Wylier کی ''تعلیم الایمان'' کو جو پہلے انگریزی میں تھی درست کیا ہے۔ انگریزی کتاب کا عنوان *Teaching of Faith* ہے اور اس کا اردو ترجمہ ۱۸۶۱ء میں بمقام لدھیانہ کیا گیا ہے۔ یہ ۲۷۲ صفحوں میں ہے۔

جام پہلے ہندو تھے بعد میں عیسائی ہو گئے اور پادری ہو کر پادری کنورلیس کہلانے لگے۔

جامی:

یہ ایک مشہور فارسی شاعر کا نام ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہندوستانی مصنف بھی اسی نام کے تھے۔ انھوں نے ''عقائدِ جامی'' کے نام سے ایک کتاب مذہب اسلام پر لکھی ہے۔

جان۔ جان عالم خان:

نواب رئیس الدولہ ظفر خان کے بیٹے اور سید محمد سوز کے شاگرد تھے۔ وہ ایک اچھے خوش نویس ہونے کے علاوہ عربی کے ماہر بھی تھے۔ علی ابراہیم انھیں ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے ہیں اور ان کے اشعار کا ایک نمونہ اپنے تذکرے میں درج کرتے ہیں۔

جان۔ علی شاہ:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر سرور اور شیفتہ نے کیا ہے۔ وہ مرحوم بہرام خان نواب کے رشتے دار، میر تقی کے شاگرد اور سکندر آباد کے نتھن شاہ کے مرید تھے۔ ان کے آبا و اجداد محمد شاہ کے دربار

میں امیر تھے۔ بعد میں انھوں نے دنیا کو ترک کر دیا اور سکندر آباد میں ایک خانقاہ بنا کر وہاں زندگی کے دن گزارنے لگے۔ انھوں نے کافی اچھی غزلیں لکھی ہیں۔

جان۔ میر یار علی جان صاحب یا صاحب جان:

محسن انھیں ''شانِ ریختی'' کہتے ہیں۔ ان کا جی صاحب نامی شاعرہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جان میر امن کی بیٹی ہیں۔ فرخ آباد میں پیدا ہوئی ہیں اور لکھنؤ میں رہتی تھیں جہاں انھوں نے ادبی شہرت حاصل کی ہے۔

لیکن لکھنؤ جانے سے پہلے وہ اورنگ آباد اور بھوپال میں بھی قیام کر چکی تھیں۔ جان نے بچپن ہی میں موسیقی اور ادب کی تعلیم حاصل کر لی تھی۔ وہ فارسی جانتی تھیں اور ''گلستان''، ''بہارِ دانش'' اور ''بوستان'' پڑھ چکی تھیں۔ عاشور علی خان بہادر نواب کے مشورے سے ہندوستانی میں شعر کہنا شروع کیا۔ کریم الدین نے ان کو اپنا استاد بتایا ہے اور اپنے کلام پر ان سے اصلاح لی ہے۔ ۱۸۴۵ء۔ مگر کریم کے مطابق ۱۸۴۷ء، جب کہ ان کی عمر ۲۷ سال تھی تو لکھنؤ میں ان کلام ''دیوانِ میر یار علی جان'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس کتاب میں ۸۵ صفحات ہیں اور اس میں کوئی حاشیہ نہیں ہے۔ یہ کتاب ہندوستان کی سوسائٹی میں بہت جلد مقبول ہوگئی۔ ان کی زبان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے عورتوں کی بول چال کا خاص انداز اختیار کیا ہے اور اسی بنا پر انھیں ریختی کہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اپنے اشعار میں ہر جگہ مذکر کے بجائے مونث لکھا ہے مثلاً وہ غزل کو غزلی اور ریختہ کو ریختی وغیرہ کہتی ہیں۔ ان کے دیوان میں سعادت یار خان رنگین کی طرح بہت سے چٹکلے ہیں لیکن وہ رنگین کے مقابلے میں زیادہ لطیف اور نازک ہیں۔ محسن اور کریم نے ان کی چند غزلیں نقل کی ہیں۔

جائسی یا جواسی۔ ملک محمد:

ان کو جائسی داس بھی کہتے ہیں اور اس نام سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے ہندو مذہب کو ترک کر کے اسلام قبول کر لیا تھا۔ سید عبداللہ جو لندن میں اردو زبان کے پروفیسر ہیں ان کا سلسلۂ نسب براہِ راست جائسی سے ملتا ہے۔ جائسی نے ہندی میں دوہے اور گیت لکھے ہیں۔ وہ شمال کے ہندوستانی مسلمانوں کی طرح کی اردو استعمال کرتے تھے۔ کال بروک نے اپنی کتاب میں ان کا ذکر کیا ہے اور ڈاکٹر گلکرسٹ نے بھی اپنی کتاب ہندوستانی قواعد میں ان کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے ایک نظم ''پدماوت'' کے عنوان سے لکھی ہے اور یہ نظم چتوڑ کی رانی پدماوت کی کہانی ہے اور ہندی زبان میں لکھی گئی ہے۔ اس کا ناگری رسم الخط میں ایک خوبصورت نسخہ ایسٹ انڈیا آفس کے کتب خانے میں ہے۔ یہ کتاب ۲۰۷ صفحات کی ضخیم جلد میں ہے

اور اس کے ہر دو صفحات کے بعد خوبصورت نقوش ہیں۔ اس کتب خانے میں اس کتاب کا ایک دوسرا نسخہ فارسی رسم الخط میں ہے۔ اس کتاب کے ۳۰۰ صفحات ہیں اور اس میں متعدد رنگین تصویریں بھی ہیں۔ امپریل لائبریری میں بھی فارسی رسم الخط میں ایک اور نسخہ موجود ہے اور Leyden کے کتب خانے میں اس کتاب کا ایک نسخہ کیتھی، ناگری میں ہے جو اس سے پیش تر Wilmet کے پاس تھا۔ فہرست میں اس کا نمبر ۵۔۱۳۴ ہے۔ اس کے علاوہ متعدد دیگر کتب خانوں اور خاندانوں میں اس کتاب کے قلمی نسخے پائے جاتے ہیں۔ یہ کتاب کئی بار شائع ہوئی ہے۔ ایک کا اشتہار میرٹھ کے ''اخبار عالم'' میں ۲۳/اگست ۱۸۶۶ء میں شائع ہوا ہے۔ ایک دوسرا ایڈیشن فارسی رسم الخط میں لکھنؤ سے ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء میں شائع ہوا ہے۔ یہ چھوٹی تقطیع میں ۳۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

پدماوت ہی کے موضوع پر ہندوستانی زبان سے فارسی میں متعدد ترجمے کیے گئے ہیں۔ ایک ان میں مکنزی کے مجموعے کی فہرست میں ہے اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ فارسی نظم کے ساتھ ساتھ اس میں جا بجا ہندی اشعار بھی نقل ہوئے ہیں۔

پدماوت سلان کے راجہ کی بیٹی تھی اور چتوڑ کے راجہ رتن سین سے بیاہی گئی تھی۔ جب علاء الدین نے ۱۲۰۳ھ میں چتوڑ پر فوج کشی کی تو اس موقعے پر ۱۳۰۰ عورتوں نے جن میں خود پدماوت بھی شامل تھی ایک پہاڑ کے غار میں چھپ کر اپنے جسم میں آگ لگا کر خودکشی کر لی تاکہ ''مسلمانوں'' کے قبضے میں نہ آسکیں۔

پادری کٹرو نے ''تاریخِ مغلیہ'' کے نام سے ایک ناول لکھا ہے جس میں انھوں نے اکبر کے فتحِ چتوڑ [۱۵۶۹ء] کو علاء الدین کے چتوڑ کے واقعے سے خلط ملط کر دیا ہے اور پدماوت کی کہانی کو اس کتاب میں بیان کرتے ہیں۔ کٹرو پدماوت کو پدمنی کہتے ہیں لیکن یہ بالکل غلط ہے کیونکہ میجر ڈیوڈ برگس نے اکبرنامے کا ترجمہ کیا ہے اس میں کہیں بھی اس واقعے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

جائسی نے ایک اور کتاب لکھی ہے جس کا نام ''سورا'' ہے۔ یہ دوہرے اشعار میں ہے اور اس کا ایک نسخہ بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے میں ہے۔

انھوں نے ایک دوسری کتاب ''پرامرتھ جیاجی'' کے نام سے لکھی ہے اور اس کا ایک قلمی نسخہ کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے میں موجود ہے۔

ان کی ایک اور تصنیف ''کہناوت'' ہے اور ڈاکٹر اسپرنگر کے پاس اس کا ایک خوبصورت قلمی نسخہ ہے۔ یہ ۱۰۶۷ھ/۷۔۱۶۵۶ء میں نقل کیا گیا تھا۔ پیرس کے قومی کتب خانے میں فارسی رسم الخط میں اس کا ایک

قلمی نسخہ ہے۔

جائسی نے ۹۴۷ھ/۵۰۔۱۵۴۹ء میں اپنی کتاب ''پدماوت'' لکھی ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیر شاہ کے دورِ حکومت میں زندہ تھے۔ یہ کتاب ہندی زبان میں لکھی گئی ہے لیکن اس کا رسم الخط فارسی یا دیوناگری ہے۔ اس میں ۵۰۰اشعار ہیں۔ ''پدماوت'' کا ایک اڈیشن لکھنو سے چھوٹی تقطیع پر ۱۸۴۴ء میں شائع ہوا ہے۔

جرأت:

وہ فیض آباد کے رہنے والے ہیں۔ شورش کے بقول وہ دوسرے ہم تخلص شعرا سے مختلف ہیں۔

جرأت۔ مرزا مغل:

وہ عبدالباقی خان کے بیٹے اور حمید الدین خان کے پوتے تھے۔ وہ نیچہ میں پیدا ہوئے اور بریلی میں انتقال ہوا۔ وہ اچھے اشعار لکھتے تھے کریم نے ان کا ذکر کیا ہے سرور کے مطابق ان کا تخلص جمال تھا۔

جرأت۔ مرزا یحیٰی مان یا قلندر بخش۔ دہلوی:

حافظ مان کے بیٹے تھے۔ وہ ہندوستانی شاعری میں بڑی ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔ ان کے جدِّ امجد میں سے ایک کا نام یحیٰی مان تھا اور اکبر کے دورِ حکومت تک ان کا سارا خاندان اسی نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ شیفتہ کا بیان ہے کہ ان کے مورثِ اعلیٰ کا نام یحیٰی رائے مان محمد شاہی تھا جو نادر شاہ کے حملے میں گرفتار ہوئے اور قتل کر دیے گئے۔ اس میں انھوں نے بڑی ہمت اور جوان مردی کا ثبوت دیا۔ وہ دہلی میں چاندنی چوک کی ایک گلی میں رہتے تھے جواب کوچہ رائے مان کے نام سے مشہور ہے۔ جرأت بچپن ہی میں دہلی کو چھوڑ کر مشرقی ہندوستان کی طرف چلے گئے۔ وہیں بڑھے اور جوان ہوئے اور بعد میں اندھے ہوگئے۔

جرأت شاعری، ہندو علمِ نجوم اور موسیقی کا اچھا مذاق رکھنے کی وجہ سے بہت جلد مشہور ہوگئے۔ وہ مرزا جعفر علی خان حسرت کے شاگرد تھے اور خود بھی استادی کے درجے پر پہنچ گئے۔ انھوں نے اپنی ایک نظم میں خود بتایا ہے کہ وہ دہلی کے برباد ہونے کے بعد اسے چھوڑ کر فیض آباد چلے گئے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے وہ لکھنو گئے اور پھر وہاں سے فیض آباد پہنچے، [۱۱۹۷ھ/۳۔۱۷۸۲ء] پہلے وہ نواب محبت خان کے دربار سے منسلک ہوئے۔ [۱۲۱۵ھ/۱۔۱۸۰۰ء] اور بعد میں شاہ سلیمان شکوہ کے دربار سے ان کا تعلق ہوگیا۔

غلام عباس جرأت کے بیٹے تھے جن کا انتقال ۱۲۰۴ھ/۹۰۔۱۷۸۹ء میں ہوا۔ جرأت کے کلام میں ان

کی وفات سے متعلق ایک قطعۂ تاریخ ملتا ہے۔

جرأت نے اردو میں بے شمار اشعار کہے ہیں اور ان سے ایک ضخیم کلیات یادگار ہے۔ ان کے دیوان کی بہت سی غزلیں ہندوستان میں بہت مقبول ہو چکی ہیں اور ان کی تقلید میں دورِ جدید کے شعرا نے غزلیں کہی ہیں۔ انھوں نے غزل کے علاوہ کئی عشقیہ مثنویاں بھی لکھی ہیں۔ یہ مثنویاں مخرب اخلاق ہونے کی وجہ سے ترجمے میں نہیں آسکتیں۔ یہ بات قابلِ افسوس ہے اس لیے کہ ان میں سے بعض مثنویاں بڑی دلچسپ ہیں اور ان کا اندازِ بیان بڑا دلکش وشگفتہ ہے۔ ایک مثنوی خواجہ حسن صاحب کے متعلق بھی ہے۔ یہ ایک عشقیہ قصہ ہے لیکن اس میں عاشق ومعشوق کے حسن ومحبت کے ذکر کو اتنا طول دیا گیا ہے کہ ایک دو صفحے میں لکھے جانے والے حالات کو ۵۸ صفحوں میں بیان کیا گیا ہے۔ ان کے کلام میں ہجویات بھی ہیں۔ سب سے اچھی ہجو برسات کے موضوع پر ہے۔ ان کی دوسری ہجویں سردی، خارش اور چیچک کے موضوعات پر ہیں۔ ان ہجویات میں ذومعنی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور رندی ومستی کی تلمیحات لائی گئی ہیں۔ جرأت بدقسمتی سے ایسے مشرقی شاعر ہیں جن کے ہاں فحش اور عریاں خیالات کثرت سے آئے ہیں۔ کمال کا بیان ہے کہ شجاع الدولہ کے دورِ حکومت میں لکھنؤ میں تھے اور جس وقت کریم اپنا تذکرہ مرتب کر رہے تھے وہ وہاں موجود تھے۔ جرأت ان کے ایک گہرے دوست اور استاد تھے۔ کمال کے خیال میں جرأت شاعروں کے سرتاج ہیں اور اگرچہ مسلمان ہیں لیکن ہندی دوہے، گیت اور پہیلی وغیرہ بھی بڑی عمدہ کہتے ہیں لیکن انھوں نے اپنے منتخب کلیات میں ہندی شاعری کو شامل نہیں کیا۔

کمال نے جرأت کی کچھ رباعیاں جو ہندی دوہے کی شکل میں ہیں اور کچھ طویل اقتباسات ان کے کلیات سے نقل کیے ہیں۔ ناسخ کے ایک قطعے سے ان کی تاریخِ وفات نکلتی ہے [۱۲۲۵ھ/۱۱-۱۸۱۰ء]۔ محسن انھیں اپنے زمانے کا اہم شاعر اور منجم خیال کرتے ہیں۔

نوٹ: ملاحظہ ہو ''مختار اشعار'' جلد اوّل (دیوان شیخ قلندر بخش جرات) مرتبہ ومنتخبہ مولوی سید حسین بلگرامی مطبوعہ ۱۸۹۷ء مطبع مفید عام آگرہ، باہتمام قادر علی خان۔ مملوکہ لیاقت نیشنل لائبریری کراچی۔ (مترجم)

جرأت۔ میر شیر علی:

مرزا رفیع سودا کے ہم عصر تھے۔ فتح علی حسینی کے تذکرہ لکھنے سے چند سال پہلے دہلی سے چلے گئے اور دکن میں سکونت اختیار کی تھی۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں اور تذکرہ نویسوں نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں لیکن ان کا کلام بہت نہیں ہے۔ فتح علی حسینی ان سے خوب واقف تھے اور کہتے ہیں کہ وہ عالم تھے۔

جرأت ۔ میر محمد حسین:

سید علی واسطی الحسینی کے بیٹے تھے، وہ اکبر پور میں پیدا ہوئے جو فتح پور کے قریب ہے۔ جرأت شیخ احمد علی کامل کے شاگرد تھے۔ محسن اپنے تذکرے میں ان کے چند اشعار نقل کرتے ہیں۔

جرأت ۔ میر محمد رضا:

عشقی ان کو میر مستقیم کہتے ہیں۔ وہ سید محمد وحید کے بیٹے تھے جو سید صدرالدین کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے والد جاگیردار اور کافی ممتاز شخص تھے۔ جرأت فوج میں آفسر تھے اور بہت ہی متقی شیعہ تھے۔ سادات کو ہر مہینے ۳۲ روپیہ دیتے تھے۔ انھوں نے اردو اور فارسی میں شعر کہے ہیں۔

جراح ۔ غلام نصیر ۔ کشمیری:

پیشے کے لحاظ سے جراح تھے۔ وہ دہلی میں پیدا ہوئے۔ حافظ مقیط رمضانی جراح کے بیٹے تھے۔ وہ شاعری میں امین کے شاگرد تھے لیکن شیفتہ کو بھی اپنی غزلیں دکھاتے تھے۔ شیفتہ کے بقول ان کا انتقال گلشن کی تصنیف سے چند سال پہلے ہوا ہے۔

جری ۔ مرزا سرفراز علی:

مرزا نوازش علی ان کے باپ ہیں اور ان کے دادا کا نام مرزا غضنفر بیگ ہے۔ جری ضلع لکھنؤ کے علاقے محمود نگر کے زمیندار تھے۔ ان کے استاد مرزا محمد رضا برق تھے جو ناسخ کے ممتاز شاگردوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ جری کے چند اور اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔ انھوں نے نہال چند کے قصۂ مذہب وعشق یا گل بکاؤلی پر نظر ثانی کی ہے۔ یہ کام لکھنؤ کے حسینی پریس کے منتظم میر حسن رضوی کی فرمائش پر کیا گیا تھا۔ میر حسن رضوی نے ان سے کہا تھا کہ وہ اس قصے کو آسان اور نئے طرز میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔ اس ترمیم شدہ ایڈیشن کا نام صحیح نامۂ بکاؤلی ہے۔ اس کے دو ایڈیشن نکلے ہیں، ایک ایڈیشن ۱۰۲ صفحوں کا سنہ ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء میں شائع ہوا ہے۔

جریح ۔ مرزا سرفراز علی:

یہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا مجھے صرف نام معلوم ہے۔

جذب ۔ سید میر عزت اللہ خان:

میر بھکاری کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ وہ بریلی کے ایک ممتاز فرد ہیں۔ سرور اور شیفتہ نے ان کی بڑی تعریف کی ہے اور ان کے بیان کے مطابق وہ علمِ قانون، عربی اور دوسرے علوم سے واقف تھے۔ ساتھ ہی

ریختہ گوئی میں بھی کمال رکھتے تھے۔ انھیں سیر و سیاحت کا بڑا شوق تھا اور انھوں نے مختلف ملکوں کا سفر بھی کیا تھا۔ وہ اپنے آخری سفر میں جوانی کے عالم میں بمقام بخارا فوت ہوئے۔ جذب دہلی میں ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازم تھے۔

جذب۔ میر مظہر علی:

اردو اور فارسی میں شعر لکھتے تھے۔ فارسی میں سیفی تخلص رکھتے تھے۔ عشقی کے مطابق وہ ایک عالم و فاضل شخص تھے اور ان کا انتقال سنہ ۱۸۳۴ء میں ہوا ہے۔

جذبی۔ ابو عبداللہ محمد:

ایک اردو رسالے ''دلائل الخیرات'' کے مصنف ہیں جو مسلمانوں کے روزانہ ورد کی ایک کتاب ہے۔ اس رسالے کا اشتہار میرٹھ کے ۲۳/اگست ۱۸۶۶ء کے ''اخبار عالم'' میں دیا گیا ہے۔

جعفر شریف۔ یا لالہ میاں:

علی شریف قریشی کے بیٹے تھے، وہ ایک سنّی مسلمان ہیں۔ وہ ایلورا میں پیدا ہوئے جو قدیم گولکنڈہ کا ایک علاقہ ہے اور ۱۸۳۲ء میں یہیں قیام کرتے تھے۔ ان کے والد ناگور کے رہنے والے تھے۔

جعفر شریف کی ایک اہم ہندوستانی تصنیف کا نام ''قانونِ اسلام'' ہے۔

اس کتاب کو ڈاکٹر Dr. Hecklots نے جو ایک عالم تھے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ Dr. Hecklots کا انتقال جنوری ۱۸۳۴ء میں ہوا ہے۔ اس کتاب کے ترجمے کو سکاٹ لینڈ کے مستشرق Sandford Arnot نے بھی دیکھا ہے۔ افسوس ہے کہ Sandford Arnot کا قبل از وقت انتقال ہوگیا جس سے علمِ سائنس اور ان کے دوستوں کو شدید نقصان پہنچا ہے۔

یہ رسالہ اسلام کے متعلق ایک اہم تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے اور دکن میں اسلام کی مکمل تصویر پیش کرتا ہے۔ میں نے Journal des Savants میں ۱۸۳۳ء میں اس کتاب کا تجزیہ کیا ہے اور ہندوستان میں مذہب اسلام کی خصوصیتوں پر روشنی ڈالی ہے۔ اس مضمون کا مطالعہ ناظرین کے لیے مفید ثابت ہوگا۔ اس موضوع پر میرے دوسرے مضامین کو بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ ایک مضمون Journal Asiatique Nouveau جلد ۹ میں بیگم میر حسن علی کی تصنیف کے متعلق شائع ہوا ہے۔ دوسرے مضمون کا عنوان Memoire sur la Religion Musulmane ہے۔

جعفر علی خان:

ایک دوسرے ہندوستانی شاعر ہیں۔ منولال اپنے ''گلدستۂ نشاط'' میں ان کے چند اشعار نقل کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک شعر ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

چمکتے دانت دیکھے یار کے مسّی لگانے میں
جڑی ہیں قطبیاں الماس کی نیلم کے خانے میں

''مجموعۂ نغز'' جلد، اوّل از قاسم ص ۱۶۸

غالباً یہ مصنف وہی مولوی جعفر علی خان ہیں جو ۱۸۴۴ء میں دہلی کالج میں پروفیسر تھے۔ انھوں نے محمد حسن علی خان اور مولوی سدید الدین کی مدد سے ''الف لیلہ'' کے ایک انتخاب کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ دہلی سے شائع ہوا ہے۔

جعفر علی خان۔ دہلوی:

مرزا مومن خان کے بیٹے تھے۔ یہ ہندوستانی شاعر محمد شاہ اور شاہ عالم کے عہد حکومت میں فوجی افسر تھے اور سو ہزاری کے عہدے پر مامور تھے۔ انھوں نے ۱۱۶۸ھ/۵۔۱۷۵۴ء میں محمد شاہ کے حکم سے ایک ۵۰ صفحے کی مثنوی لکھی ہے۔ اس مثنوی کا موضوع قلیان ہے جو ایک قسم کا حقّہ ہوتا ہے۔

جعفر یا جعفری۔ مرزا:

پٹنہ کے رہنے والے تھے۔ وہ فیض علی خان کے بیٹے ہیں۔ انھوں نے بہت ہی اچھی تعلیم پائی تھی۔ وہ تھانیدار تھے اور جس وقت کہ عشقی اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

جعفر۔ میر۔ دہلوی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں۔ بنی نراین نے ان کی دو غزلیں نقل کی ہیں۔ Price نے *Hindustanee Selection* میں بھی ان کی ایک غزل شائع کی ہے۔

مجھے معلوم نہیں کہ یہ وہی شاعر ہیں جن کا میر نے جعفر کے نام کے تحت ذکر کیا ہے۔

جعفری۔ لکھنوی:

ذکا نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ غالباً ہم عصر شاعر مرزا حسن علی جعفری ہیں جنھوں نے مثنوی تحفۂ جعفری لکھی ہے۔ اس کتاب میں کہانیاں اور اخلاقی مضامین ہیں۔ یہ کتاب حیدری پریس میں لکھنؤ سے ۱۲۶۲ھ/۶۔۱۸۴۵ء میں شائع ہوئی ہے۔ یہ ۱۰۴ صفحات کی کتاب ہے اور اس کے حاشیے میں ایک دوسری

مثنوی بھی درج ہے۔

غالباً یہ وہی شاعر ہیں جن کا قاسم اور سرور نے تذکرہ کیا ہے اور جنھوں نے سرور نگر کے شہر کی رسمِ بنیاد کے موقعے پر ایک قطعہ لکھا تھا۔

جعفری۔ میر باقر علی۔ دہلوی:

ان کو جعفر شاہ بھی کہتے ہیں ۔قاسم کے مطابق ان کا تخلص جعفر ہے۔ وہ قمرالدین منّت کے لڑکے اور میر نظام الدین ممنون کے چھوٹے بھائی ہیں۔ سرور انھیں شاعروں کی شان کہتے ہیں۔ سرور ان کے استاد بھی تھے۔ اگر چہ وہ اپنے بڑے بھائی کی صلاحیتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ ہندوستانی شعرا میں ایک بلند حیثیت رکھتے تھے۔ جعفری حجاز سے واپس آنے کے بعد ''گلشنِ بے خار'' کی تکمیل سے ایک سال پہلے انتقال کر گئے۔

انھوں نے ''تاریخ طبری'' کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ مرحوم L. Dubeux نے اس فارسی کتاب کو فرانسیسی زبان میں ترجمہ کرنا شروع کیا تھا۔ H. Zoteuberg نے جو ایک جوان سالہ ممتاز عالم اور میرے شاگرد ہیں، اس کتاب کا از سرِ نو ترجمہ کرنا شروع کیا ہے۔

''تاریخ طبری'' کا اردو ترجمہ فورٹ ولیم کالج کے طالب علموں کے لیے کیا گیا تھا۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے اور اس کا ایک نسخہ H. M. Wilson کے کتب خانے میں موجود ہے۔

جگت نرائن۔ پنڈت:

انھوں نے ''مجموعۂ ضابطۂ کارروائی پولیس'' لکھا ہے۔ یہ چھوٹی تقطیع کا مجموعہ ۳۶۰ صفحوں پر دہلی سے سنہ ۱۸۶۰ء میں شائع ہوا ہے۔ میرا خیال ہے اور نظام الدین کی رو سے بھی انھوں نے ایک دوسرا مجموعہ لکھا ہے جس کا عنوان ''مجموعۂ ضابطۂ فوجداری'' ہے۔ لاہور سنہ ۱۸۶۷ء۔

جگل کشور:

انھوں نے گنگا پرشاد کی مدد سے ''رودادِ ایسوسی ایشن مراد آباد'' لکھی ہے جو مراد آباد سے چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی۔

جگن۔ میاں:

ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ وہ شیر افگن خان کے عم زادے ہیں اور میر محمد تقی میر کے شاگرد تھے۔ شاید یہ وہی شاعر ہیں جو مرزا جگن آشنا کے نام سے مشہور ہیں۔

جگ ناتھ، منشی:

انھوں نے ''بھگوت گیتا'' کے دسویں باب کا اردو نظم میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ تصویروں کے ساتھ لکھنؤ سے ۱۲۸۰ھ/۴-۱۸۶۳ء میں شائع ہوا ہے یہ چھوٹی تقطیع کی کتاب کے ۲۲۴ صفحات پر ہے اور ہر صفحے پر ۲۶ سطریں ہیں۔

جگنو۔میاں:

علی ابراہیم کے مطابق ان کا نام جاگنوں ہے لیکن میر اور فتح علی حسینی کے تذکرے میں جگنو ہے۔ شیر افگن خان ہستی کے ماموں زاد بھائی ہیں۔ وہ محمد شاہ کے عہدِ حکومت میں شمالی ہند میں رہتے تھے۔ انھیں میر تقی سے تلمذ حاصل کرنے کا بے حد فخر تھا۔ اس سے زیادہ تذکرہ نویسوں سے کوئی تفصیل معلوم نہیں ہوسکی ہے۔ اس کا ایک شعر ذیل میں ہے:

ایسے مریض عشق کو آزار ہی بھلا
چنگا ہو تو ستم ہو یہ بیمار ہی بھلا

''گلشن ہند''، ص ۱۰۱

جلا، نواب مرزا واجد علی خان۔لکھنوی:

وہ اودھ کے شاہزادے تھے اور نواب فخر الدین حیدر کے بیٹے۔ ان کے دادا نواب شجاع الدولہ بہادر تھے اور ان کے استاد نواب عاشور علی خان بہادر۔

وہ ایک دیوان کے مالک ہیں جس کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔

جلال:

نصیر آباد کے رہنے والے، وہ ایک ہمعصر ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر قاسم نے اپنے تذکرے میں کیا ہے۔

جلال۔ضامن علی۔لکھنوی:

حکیم اصغر علی ''داستان گو'' کے بیٹے ہیں اور امیر علی خان ہلال کے شاگرد۔ وہ ہندوستانی میں شاعری کرتے ہیں اور محسن نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

جلال۔جلال الدین حسین دہلوی:

وہ کمال شاہ کمال الدین حسین کمال کے چھوٹے بھائی ہیں۔ کریم ہندوستانی شعرا میں ان کو شمار کرتے ہیں۔

قاسم جمال الدین لکھتے ہیں جو غالباً غلط ہے۔ شاید یہ وہی جمال [میر جمال الدین حسین] ہیں جن کا ذکر اسپرنگر کرتے ہیں۔ میر جمال الدین حسین پٹنہ کے رہنے والے ہیں۔ شورش اور اسپرنگر نے ان کا ذکر کیا ہے۔

جلال۔ ملا یا ملان۔ بلخی:

ان کا لقب قصہ خوان ہے۔ انھوں نے ایک قصہ ''امیر حمزہ'' کے نام سے لکھا ہے۔ یہ قصہ نثر میں ہے اور اس کا موضوع وہی ہے جس کا ذکر میں نے اشک کے بیان میں کیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لال نے اپنا قصہ اشک کے قصے سے متاثر ہو کر لکھا ہے۔ Romer کے پاس اس قصے کا ایک قلمی نسخہ تھا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس میں امیر حمزہ کی داستان کا صرف پہلا جزو ہے جو ''قصہ مولید'' کہلاتا ہے اور جس کو بقول جلال سب سے پہلے اشک نے لکھا تھا۔

جلال۔ مرزا بندے علی سیّد:

ان کا خاندان ایرانی تھا لیکن وہ دہلی میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک بہت ہونہار نوجوان تھے۔ لیکن افسوس ہے کہ جوانی میں ہی ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ ان کا کلام شگفتہ ہوتا ہے۔ سرور ان کا ذکر کرتے ہیں۔

جلال الدین:

مرشد آباد کے رہنے والے۔ وہ جلال الدولہ بھی کہلاتے تھے۔ انھوں نے ایک مثنوی لکھی ہے۔ شورش کے مطابق اچھی تاریخیں بھی لکھتے ہیں۔

جلیس۔ محمد:

ایک درویش ہیں اور بدایون میں رہتے ہیں۔ محسن ان کا ایک شاعر کی حیثیت سے شمار کرتے ہیں اور انھوں نے اپنے تذکرے میں ان کے اشعار کا ایک نمونہ بھی دیا ہے۔

جلیس۔ نواب مہدی علی خان:

ان کا خاندان نیشاپور سے تعلق رکھتا تھا لیکن وہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ نواب صمصام الدولہ مرزا جو کے بیٹے اور مرزا مہدی کوثر کے شاگرد تھے۔ محسن نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔

جمال۔ علی:

سرور کے مطابق یہ اردو شاعر نسلاً یہودی تھے۔ وہ میرٹھ کے مولوی غلام احمد کے پوتے تھے اور عشق کے شاگرد جمال کو بتلا بھی کہتے ہیں۔ وہ میرٹھ میں رہتے تھے اور بعد میں ایک ملازمت کے سلسلے میں حیدر آباد دکن چلے گئے۔

جمال الدین۔ فقیر سیّد:

لاہور کالج کے ایک ممتاز طالب علم ہیں۔ انھوں نے ۱۔۱۸۶۰ میں انگریزی سے ''رپورٹ محکمۂ سرشتہ تعلیم'' کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ رسالہ سنہ ۱۸۶۲ء میں لاہور سے شائع ہوا ہے اور چھوٹی تقطیع کے ۲۱ صفحات پر مشتمل ہے۔

جمال الدین خان۔ محمد:

انھوں نے اردو زبان میں ایک فارسی قواعد لکھی ہے جس کا عنوان ''اصولِ عجوبہ'' ہے۔ یہ قواعد سنہ ۱۸۶۶ء میں کانپور سے شائع ہوئی اور چھوٹی تقطیع کے ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

جمشید۔ مرزا جمشید بیگ:

آگرہ کے رہنے والے۔ وہ مرزا حیدر بیگ کے بیٹے ہیں اور مرزا عنایت علی ماہ کے شاگرد۔ محسن نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

جمنا پرشاد۔ منشی:

کانپور کے اخبار ''شعلۂ طور'' کے مدیر ہیں۔ یہ ایک ہفتہ وار اخبار ہے جو منگل کے روز شائع ہوتا ہے اور ہر پرچہ ۱۶ صفحات پر مشتمل ہوتا ہے۔

جمنا پرشاد ایک ماہوار رسالہ بھی نکالتے ہیں۔ یہ ایک اسلامی طب کا رسالہ ہے جس کا نام ''بحرِ حکمت'' ہے۔ یہ لاہور کے کوہِ نور پریس سے شائع ہوتا ہے اور ۱۶ صفحات کا ہے لیکن آج کل اس کے مدیر منشی گوری شنکر ہیں۔

جمنا پرشاد نے دو رسالے بھی تصنیف کیے ہیں:

۱۔ ''قانون متعلقہ عدالتِ خفیفہ'' جو کانپور سے ۱۸۶۸ء میں چھوٹی تقطیع پر ۳۶ صفحات میں شائع ہوا ہے۔

۲۔ ''فیصلہ جات عدالتِ عالیہ''۔ یہ اردو رسالہ کانپور سے چھوٹی تقطیع پر ۲۴ صفحات میں نکلا ہے۔

جمیل الدین:

وہ میرٹھ کے Lawrence Gazette کے مالک اور مضمون نگار بھی ہیں۔ یہ اخبار محبِ کشور ہند پریس سے نکلتا ہے۔ اس کے مدیر کا نام محمد اسمٰعیل خان ہے۔ انھوں نے اردو زبان کے موضوع پر ایک تقریر کی تھی جو ۳ نومبر سنہ ۱۸۶۸ء کے ''اودھ اخبار'' میں شائع ہوئی ہے۔

جنت۔ علی ہادی۔ لکھنوی:

محمد معروف کے بیٹے اور امانت کے شاگرد۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کے چند اشعار محسن اپنے تذکرے میں نقل کرتے ہیں۔

جنون۔ چندا پرشاد۔ لکھنوی:

وہ کالکا پرشاد کے بیٹے اور نواب عاشور علی خان بہادر کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ۱۲۶۶ھ/۵۰۔۱۸۴۹ء میں ایک مجموعہ یادگار چھوڑا ہے جس میں کہانیاں پہیلیاں اور لطیفے ہیں اور جس کو لکھنؤ کے مشہور مدیر حاجی محمد حسین نے کلکتہ سے شائع کیا ہے۔ جنون نے ہندوستانی میں بھی شعر کہے ہیں اور ان کے کلام کو محسن نے اپنے تذکرے میں شامل کیا ہے۔

جنون۔ شیخ شاہ غلام مرتضی۔ الہ آبادی:

شاہ تیمور سہرامی کے بیٹے اور مولوی محمد برکت کے شاگرد تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر تذکرہ نویسوں نے کیا ہے۔ جنون ایک درویش تھے اور راندھے ہوگئے تھے۔ وہ صوفیانہ شاعری کرتے تھے۔ ان کے چند اشعار قاسم نے نقل کیے ہیں۔

جنون۔ شیخ محمد فخر الاسلام، دہلوی:

پیر ترک کے خاندان سے ہیں۔ وہ ایک ہمعصر ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔

جنون۔ محمد جیون:

وہ ایک عالم اور متقی ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر ذکا نے کیا ہے۔ وہ سراوہ کے قریب رہتے تھے۔

جنون۔ مرزا نجف علی خان:

مرزا محمد علی خان دیوانہ کے بیٹے۔ اپنے والد کی طرح انھوں نے بہت ہی کامیاب اشعار کہے ہیں۔ وہ اور ان کے والد بنارس کے رہنے والے تھے اور انگریزی حکومت میں ملازم تھے۔ جنون اور ان کے والد سے شیفتہ دہلی ہی میں ملے تھے اور وہ ان کے چند اشعار نقل کرتے ہیں۔

جنون۔ میر فضل یا فیض علی۔ دہلوی:

وہ ایک فوجی تھے اور درد کے شاگرد۔ میرا خیال ہے کہ یہ شاعر وہی جنون ہیں جن کا ذکر علی ابراہیم نے کیا ہے۔ ان کے مطابق وہ میر کے دوست تھے۔ محسن نے بھی ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔ پہلے جنون مست تخلص رکھتے تھے اور محرم کی مجلس پڑھتے تھے۔ کریم کہتے ہیں کہ وہ میر امانی اسد کے شاگرد تھے اور اپنے استاد

کی وفات کے بعد ولی اللہ مبارک سے مشورہ کرنے لگے تھے۔

جنون۔میر مہدی:

وہ میر عباس کے بیٹے تھے۔جنون کو میر مغل بھی کہتے ہیں۔فیض آباد میں پیدا ہوئے لیکن لکھنؤ اور کانپور میں رہتے تھے۔وہ میر علی اوسط رشک کے چھوٹے بھائی اور شاگرد تھے۔ہندوستانی میں بھی شعر کہتے تھے اور محسن نے ان کی ایک نظم ناف کے موضوع پر نقل کی ہے جو کسی اچھے مذاق کا پتہ نہیں دیتی۔

جنون۔نواب مہدی خان:

خانہ زاد خان کے بیٹے اور نواب سربلند خان کے شاگرد۔ان کے استاد عشق گھسیٹا تھے۔شورش ان سے پٹنہ میں ملے تھے۔پھر وہ کلکتہ چلے گئے۔وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں۔

جوالا پرشاد یا جوالا سہائی۔منشی۔گڑ گانوی:

وہ منشی مانک چند کے بیٹے تھے جو مارچ ۱۸۶۹ء میں انتقال کر گئے۔منشی محمد علی نے ان کی تاریخ وفات پر قطعہ لکھا تھا جو میرٹھ کے ''اخبار عالم'' میں شائع ہوا۔(جولائی ۱۸۶۹ء) وہ جھالو گورنمنٹ کے منتظم خاص ہیں اور ''پرکاش'' نام کا ایک رسالہ ہر ماہ آگرہ سے نکالتے ہیں اس کے دو ایڈیشن ہیں، ایک سنسکرت اور ہندی میں اور دوسرا سنسکرت اور اردو میں۔

انھوں نے ضلع میرٹھ کا جغرافیہ بھی لکھا ہے جو میرٹھ سے ۱۸۶۸ء میں بڑی تقطیع کے ۲۴ صفحات پر شائع ہوا ہے۔

انھوں نے Aitchinson کی کتاب کا ترجمہ کیا ہے جس کا عنوان ''عمدۃ تاریخ یا کتاب صلح نامہ جات وعہد و پیمان سرکار انگریزی ورؤسا وامرائے ہندوستان'' ہے۔

یہ کتاب چار حصوں میں منقسم ہے:

۱۔ راجستان اور راجپوتانہ کے صلح نامے۔

۲۔ برٹش انڈیا اور مالوہ کے صلح نامے جو کہ اندور اور گوالیار کے متعلق ہیں۔

۳۔ شمالی اور جنوبی ہند کے صلح نامے جو اودھ، نیپال اور دہلی کے ساتھ کیے گئے ہیں۔

۴۔ پنجاب کشمیر اور صوبہ سرحد اور بہاولپور و پشاور کے صلح نامے۔

جوالا شنکر:

انھوں نے مدرسوں کے لیے ایک رسالہ لکھا جس کا نام ''مبتدی نامہ'' ہے اور جو میرٹھ سے ۱۸۶۴ء شائع

ہوا ہے۔

جوان۔ شیخ محب اللہ۔ دہلوی:

وہ حکیم تھے اور ان کے آباؤ اجداد یہودی تھے۔ کریم کہتے ہیں کہ وہ میر عزت اللہ عشق کے شاگرد تھے اور اشعار کہتے تھے۔

جوان۔ مرزا کاظم علی دہلوی:

وہ ایک ممتاز ہندوستانی مصنف ہیں۔ اور ۱۱۹۶ھ/۲۔۱۷۸۱ء میں لکھنو میں رہتے تھے۔ شیفتہ ان کو سید کاظم علی دہلوی کہتے ہیں اور ان کے مطابق وہ نصیر کے شاگرد تھے۔ وہ ۱۸۰۰ء میں لکھنو سے کرنل اسکاٹ کی دعوت پر کلکتہ چلے گئے اور فورٹ ولیم کالج میں اردو کے پروفیسر ڈاکٹر گلکرسٹ کے ساتھ اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہو گئے۔ بنی کا بیان ہے کہ وہ سنہ ۱۸۱۴ میں زندہ تھے اور کلکتہ میں رہتے تھے جہاں ان کی طرح ان کے لڑکے میاں اور ممتاز بھی تصنیف و تالیف میں مشغول تھے۔

جوان مندرجہ ذیل کتب کے مصنف ہیں۔

۱۔ انھوں نے شکنتلا کی کہانی کے موضوع پر ایک اردو قصہ لکھا ہے۔ اسے سب سے پہلے نواز نے برج بھاشا میں لکھا تھا۔ یہ کالی داس کی ''شکنتلا'' کی نقل نہیں ہے بلکہ اس پر ''مہا بھارت'' کا اثر ہے۔ یہ کتاب سنہ ۱۸۰۲ء میں کلکتہ سے ناگری رسم الخط میں اور سنہ ۱۸۰۴ میں رومن رسم الخط میں شائع ہوئی ہے۔ ڈاکٹر گلکرسٹ نے سنہ ۱۸۲۶ میں لندن سے اس کا ایک ایڈیشن نکالا ہے۔ Price کے *Hindee and Hindustanee Selections* میں اس کتاب کے چند اقتباسات دیے گئے ہیں۔ بھن جی داسا بھائی نے بمبئی سے اس کا ایک اور ایڈیشن شائع کیا ہے۔

۲۔ جوان نے قرآن کا بھی اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ وہی ترجمہ ہے جو ۱۸۰۴ء میں کلکتہ میں ڈاکٹر گلکرسٹ کے زیر نگرانی شروع کیا گیا تھا۔

۳۔ انھوں نے دکن کے بہمنی خاندان کی تاریخ بھی لکھی ہے جو فرشتہ کی تاریخ سے ماخوذ ہے۔ Roebuck نے فورٹ ولیم کالج کے رسائل میں اس تاریخ کا ذکر ۱۵۹ صفحوں میں کیا ہے۔

۴۔ ان کی سب سے مشہور کتاب ''بارہ ماسہ'' ہے جو ایک قسم کی مثنوی ہے جس کا دوسرا نام ''دستور ہند'' ہے۔ اس کا مقابلہ Ovide کے کلام سے کر سکتے ہیں۔ یہ کتاب سنہ ۱۸۱۲ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں ہندو اور مسلمانوں کے رسم و رواج اور تہواروں کا بیان ہے اور موسم کی تبدیلیوں اور چاند

کی گردشوں کا پورا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ ۸۵۸ھ/۱۴۵۴ء میں جو واقعات ہوئے ہیں ان کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ میں نے اپنے دو مضامین میں اس کتاب کے بہت سے اقتباسات نقل کیے ہیں۔ان مضامین کے نام یہ ہیں۔ *Memoire sur La religion musalmanes dans L'Inde* (یہ ہندوستان کے مذہب اسلام پر ایک رسالہ) اور *Fetes Populaires des Hindous* [ہندو تہواروں پر لکھا گیا ہے]۔

اس موضوع پر چند اور ہندوستانیوں نے بھی کتابیں لکھی ہیں۔ گوپال نے بھی ایک کتاب لکھی ہے۔ میں نے ان کا ذکر بھی کیا ہے اور بعد میں وحشت کی کتاب کے سلسلے میں ان کا مزید ذکر کروں گا۔اسی موضوع پر پیرس کی امپیریل لائبریری میں ایک قلمی نسخہ موجود ہے جس کا عنوان ''دوازدہ ماسہ'' ہے۔ یہ ایک ۲۸ صفحے کی مثنوی ہے۔جس میں ۱۲ ابواب ہیں۔ یہ مثنوی Ouessant کے لیے کلکتہ میں نقل کی گئی تھی۔

۵۔ جوان کا کلام بھی ملتا ہے جو غالباً دیوان کی شکل میں مرتب کر دیا گیا ہے۔ ''گلزار ابراہیم'' میں ان کے کچھ اشعار دیے گئے ہیں اور *Stranger's East India Guide* میں بھی ان کے اشعار ملتے ہیں۔ بنی نرائن نے اس مشہور مصنف کی بارہ غزلیں نقل کی ہیں۔ان میں سے دو کلکتہ کے ایک مشاعرہ منعقدہ جولائی ۱۸۱۴ء میں پڑھی گئی تھیں۔

۶۔ انھوں نے للولال کی مدد سے ''سنگاسن بتیسی'' بھی لکھی ہے۔اس کے علاوہ انھوں نے ''خرد افروز'' اور سودا کے کچھ کلام کی تصحیح بھی کی ہے۔

جوان۔مرزا نعیم بیگ:

شاہ جہاں آباد [دہلی] کے رہنے والے اور مصحفی کے مطابق ایک خوبصورت اور خوش مقال نوجوان تھے۔ وہ مشہور مرزا محمد سلیمان شکوہ کے دوست تھے اور بچپن ہی سے شعر و شاعری سے دلچسپی لیتے تھے۔ چونکہ اکثر دہلی جاتے رہتے تھے اس لیے مصحفی ان سے واقف ہیں۔ جوان نے اپنا پر جوش اور پر تخیل کلام مصحفی کو دکھایا جس کا تذکرہ مصحفی نے دو صفحوں میں کیا ہے۔ شیفتہ کا بیان ہے کہ ان کے تذکرے کے مکمل ہونے سے کچھ عرصہ پہلے جوان کا انتقال ہو گیا۔

جواہر۔میاں لکھو:

وہ پٹنہ کے رہنے والے ہیں اور شعر و سخن سے بڑی دلچسپی رکھنے کے علاوہ خود شعر بھی کہتے ہیں۔ شورش نے ان کا ذکر کیا ہے۔

جواہر سنگھ صاحب۔ منشی:

ان کے کلام کا ایک حصّہ ۳۔ جنوری ۱۸۶۵ء کے ''اودھ اخبار'' میں شائع ہوا ہے۔

جواہر لال۔ حکیم:

یہ پیشے کے لحاظ سے حکیم اور آگرہ کے ''اخبار النواح ونزہت الاروح'' کے مدیر ہیں۔ اس اخبار کے چھاپہ خانے کا نام ''مصدر النوادر'' ہے۔ اس اخبار میں پہلے اچھے علمی اور ادبی مضمون نکلتے تھے لیکن سنہ ۱۸۵۱ء کے بعد سے اس میں دلچسپی کم ہوگئی۔ صرف روزانہ کی خبریں شائع ہوتی ہیں جسے وہ دوسرے اخباروں مثلاً گورنمنٹ گزٹ (Government Gazette) سے حاصل کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ اخبار بند ہوگیا اور اس کی جگہ اب اٹاوہ سے ایک ہندی اخبار ''پرجاہت'' نکلتا ہے۔ ''پرجاہت'' کا اردو ترجمہ ''محبت الرعایا'' اور انگریزی ترجمہ People's Friend عوام دوست ہوتا ہے۔ یہ کثیر تعداد میں شائع ہوتا ہے اور اس کے چھاپے خانے کا نام مصدر التعلیم ہے۔

جواہر مندرجہ ذیل کتابوں کے مصنف ہیں:

۱۔ ''تاریخِ انگلستان'' جسے دہلی کالج کے طالب علموں نے ہندی میں Pinnock's edition of Goldsmith سے ترجمہ کیا ہے۔ یہ ۷۸۰ صفحے کی کتاب ہے جس میں اصطلاحی الفاظ کی ایک فہرست بھی دی ہوئی ہے۔

۲۔ ''مخزن التواریخ''۔ یہ تاریخ کی کتاب ہے اور ہندوستان کے عہدِ مغلیہ سے تعلق رکھتی ہے۔ جواہر نے اس کا ایک خلاصہ ''منتخب التواریخ'' کے نام سے سنہ ۱۸۵۵ء میں آگرہ سے شائع کیا ہے جو چھوٹی تقطیع کے ۳۰۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دیوناگری اور فارسی رسم الخط میں کئی ایڈیشن شائع ہوئے ہیں جن میں سے ایک ۱۸۴۷ء کا ہے۔

انھوں نے خود بھی فارسی اور انگریزی کتابوں کی مدد سے معدنیات کے موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے جو الٰہ آباد سے سنہ ۱۸۶۰ء میں چھوٹی تقطیع کے ۲۶ صفحوں میں چھپی ہے۔

جودت۔ رائے ہرداب رام:

کٹک کے رہنے والے تھے اور نواب الدولہ سرفراز خان کے دربار سے تعلق رکھتے تھے۔ بعض لوگ انھیں جودت دہلوی کہتے ہیں اس لیے کہ وہ دہلی میں پیدا ہوئے اور بعض انھیں جودت مرادآبادی کہتے ہیں کیونکہ ان کا انتقال مرادآباد میں ہوا ہے۔ وہ شورش کے شاگرد تھے اور زیادہ تر فارسی میں لکھتے تھے۔ شاہ عالم

کے دورِ حکومت میں انتقال کر گئے۔ علی ابراہیم نے جوان کے جاننے والوں میں تھے ان کی ایک رباعی نقل کی ہے:

واعظ تیری بات دل سے کہنے کا نہیں
پتھر کی چوٹ شیشہ ہے سہنے کا نہیں
جا زاہدِ خشک جب تلک تو ہے میرے پاس
لو ہو مری چشمِ تر سے بہنے کا نہیں

''گلشنِ ہند وگلزارِ ابراہیم'' ص ۱۰۰

جوش۔ رحیم اللہ:

وہ ایک مخنثی نوجوان تھے جو دہلی کے بازاروں اور مشاعروں میں اپنا کلام سناتے تھے۔ وہ ذہین الطبع آدمی تھے اور مصحفی سے شعر و شاعری میں اصلاح لیا کرتے تھے۔ کچھ سال وہ اس طرح مشقِ سخن کرتے رہے اور ایک اچھے غزل گو ہو گئے۔ وہ ۱۷۹۳ء سے ۱۷۹۴ء تک دہلی میں قیام کرتے تھے۔

کمال نے ان کا تخلص جوشش لکھا ہے۔ شیفتہ کے مطابق وہ صوفی تھے اور ظریفانہ کلام کے لیے بہت مشہور تھے۔ ان کے دو دیوان ہیں ایک میں مزاحیہ کلام ہے اور دوسرے میں غزل و رباعیات ہیں۔ انھوں نے مہدی علی خان کے مشاعروں میں بھی شرکت کی تھی۔

جوش۔ محمد نظام الدین:

وہ ''قصۂ سیاہ پوش'' کے مصنف ہیں جو فارسی قصے کی نقل ہے۔ یہ کتاب دہلی سے ۱۲۶۸ھ/۲۔۱۸۵۱ء میں چھوٹی تقطیع کے ۳۲ صفحات پر شائع ہوئی۔ اس کتاب کا ایک دوسرا ایڈیشن ۱۲۷۷ھ/۱۔۱۸۶۰ء میں ۱۴ صفحات پر بھی شائع ہوا ہے۔

جوش۔ مرزا شیخ نیاز احمد:

کیرانہ میں پیدا ہوئے اور بچپن سے دہلی میں رہے۔ وہ شیخ محمد ابراہیم ذوق کے شاگرد تھے۔ وہ ۱۸۴۷ء میں دربارِ شاہی میں ملازم تھے۔ جب ان کی عمر صرف ۱۹ سال تھی تو انھوں نے اپنے اشعار میں ذہانت اور طباعی کا ثبوت دیا ہے۔ کریم نے ان کی دو غزلیں نقل کی ہیں۔

جوش۔ مرزا و میر وارث علی مرحوم۔ لکھنوی:

یہ ہندوستانی شاعر میر حسن علی کے بیٹے تھے اور ناسخ کے شاگرد تھے۔ محسن صرف اپنے تذکرے میں اُن

کا ذکر کرتے ہیں، کوئی اور تفصیل نہیں دیتے لیکن ان کے متعدد اشعار نقل کرتے ہیں۔

جوش۔نواب احمد حسن خان بہادر:

ان کو اچھے صاحب بھی کہتے ہیں۔ بریلی میں پیدا ہوئے اور لکھنؤ میں رہتے تھے۔نواب مقیم خان کے بڑے بیٹے تھے۔ان کے والد محبت خان محبت کے بیٹے تھے اور نواب حافظ الملک حافظ رحمت خان صوبے دار کٹھار کے پوتے تھے جو نواب ظفر یار خان راسخ بہادر کے شاگرد تھے۔ وہ فارسی میں شعر کہتے تھے۔

انھوں نے حسب ذیل تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں:

۱۔ ''گلدستۂ سخن'' کے نام سے ایک دیوان جو کانپور سے ۱۲۶۹ھ/۳۔۱۸۵۲ء میں چھوٹی تقطیع کے ۴۴ صفحات میں شائع ہوا۔

۲۔ ''نگارستانِ جوش'' جو اردو کلام کا ایک انتخاب ہے اور کانپور سے ۱۲۶۹ھ میں شائع ہوا۔ دیوان کے شروع میں نواب اودھ واجد علی شاہ کی تعریف میں ایک غزل لکھی ہے اور اس کے بعد آتش، رند اور مصحفی کی غزلوں پر مخمس ملتے ہیں۔

مقیم سکے فارسی اشعار کے انتخاب منتخب الاشعار میں ان کا ایک قطعۂ تاریخ شامل ہے۔

جوشش۔شیخ محمد روشن:

پٹنہ کے رہنے والے تھے۔ وہ جسونت ناگر رائے کے بیٹے تھے اور محمد عابد دل کے بھائی۔ وہ ایک مشہور زبان دان اور ہندوستانی شاعر ہیں۔ انھوں نے ایک مزاحیہ دیوان لکھا ہے جو ۳۰۰۰ اشعار پر مشتمل ہے۔ شیفتہ، سرور اور منو لال نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔۱۱۹۴ھ/۱۷۸۰ء میں جب علی ابراہیم کا تذکرہ مرتب کر رہے تھے تو جوشش نے انھیں اپنا کچھ کلام بھیجا تھا تاکہ وہ انھیں اس میں شامل کرلیں۔ ابراہیم کے تذکرے میں جوشش کے اشعار کا انتخاب ۲۰ صفحوں میں دیا گیا ہے۔ان کے بیان کے مطابق جوشش کا کلام بہت اچھا ہے اور میر درد کے کلام سے اس کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔

جویا۔راجہ محمد حسین علی خان:

وہ لکھنؤ کے ضلع میں کولہر کے چکلہ دار تھے۔ محسن نے اس ہندوستانی شاعر کا ذکر کیا ہے۔

جویا۔شیخ علی حسین:

وہ عظیم آباد کے رہنے والے شیخ فتح علی کے بیٹے اور عطا صاحبہ کے داماد تھے۔ عطا صاحبہ نصیر الدین حیدر بادشاہ کی بیوی شہزادی قدسیہ محل کی استانی تھیں۔

جو یا رشک کے شاگرد تھے۔ وہ پٹنہ سے لکھنؤ آئے جہاں ان کے والد ایک اچھے عہدے پر مامور تھے۔ اس کے بعد وہ کانپور پہنچے اور وہاں سے عظیم آباد واپس چلے گئے۔ جس وقت محسن اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو وہ عظیم آباد ہی میں تھے۔ انھوں نے ایک دیوان یادگار چھوڑا ہے جس کی چند غزلیں ''سراپا سخن'' میں شامل ہیں۔

جولان:

لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور آگرہ میں رہتے تھے۔ یہ ہندوستانی شاعر خواجہ حیدر علی آتش کے شاگرد تھے۔ محسن نے ان کا ذکر کیا ہے لیکن وہ صرف ان کا تخلص جانتے تھے۔

جولان۔ میر حسین یا حسن علی خان:

وہ دکن کے ایک شاعر ہیں۔ سرور اور قاسم ان کے متعدد اشعار نقل کرتے ہیں انھوں نے ایک بلند پایہ قصیدہ بھی لکھا ہے۔

جولان۔ میر بہادر علی شاہ۔ دہلوی:

مصحفی کے مطابق ان کا نام میر رمضان علی تھا اور محمد شاہ کے دور حکومت میں وہ دہلی میں رہتے تھے۔ وہ اپنے زمانے کے مشہور تیر انداز تھے لیکن شاعری بھی کرتے تھے۔ ان کا انتقال سرور کے تذکرے کی تکمیل سے کچھ عرصے پہلے ہوا ہے۔ وہ سلیمان شکوہ اور جرأت کے شاگرد تھے۔ میرا خیال ہے کہ ان کا ایک واسوخت ''مجموعۂ واسوخت'' لکھنؤ اور دہلی میں شامل ہے۔ ان کے چند اشعار کمال نے نقل کیے ہیں۔ جن میں سے ایک حسبِ ذیل ہے:

کنج قفس میں دیکھ کر بے بال و پر مجھے
اے ہم سفر چھوڑ گئے تم کدھر مجھے

''گلشنِ بے خار''، ص ۵۵

جوہر۔ پنڈت دینا ناتھ۔ لکھنوی:

پنڈت دیوی پرشاد کے بیٹے اور آغا حسن امانت کے شاگرد تھے۔ ان کا دوسرا نام سالیائی ہے۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

جوہر۔ دیوالی سنگھ:

بریلی کے ایک کشتری ہیں اور ہندوستانی میں شعر کہتے ہیں۔

جوہر۔ مرزا احمد علی خان:

وہ فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ فتح پور اور دہلی میں رہتے تھے۔ ان کے آباداجداد ایرانی تھے اور قزلباش قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ نواب بندو کے دوست اور اسمٰعیل حسین منیر کے شاگرد تھے۔ جوہر دہلی کے ایک فساد میں مارے گئے۔ وہ ہندوستانی اور فارسی دونوں کے شاعر تھے۔ Price نے *Hindee and Hindustanee Selection* میں ان کی ایک غزل کا ترجمہ نقل کیا ہے۔

جوہر۔ منشی شیورام:

ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کی ایک عمدہ غزل منولال نے نقل کی ہے۔ یہ غزل بہت اچھی ہے لیکن الفاظ کے لطیف آہنگ اور تخیلی نزاکتوں کی بنا پر ان کا ترجمہ سخت مشکل ہے۔ انھوں نے ہندوستانی زبان میں ایک فارسی قواعد بھی لکھی ہے اور یہ کتاب ''شاہ نامہ'' کے مدون Turner Macan کے نام معنون کی گئی ہے۔ Duncan Forbes کے کتب خانے میں اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔

جوہر۔ منشی لالہ جواہر سنگھ:

لکھنؤ میں تحصیلدار تھے۔ ان کے والد رائے بخت یار سنگھ راقم کائستھ ذات سے تعلق رکھتے تھے اور بخشی الملک راجہ لال جی بہادر کے بھانجے تھے۔ وہ اردو میں جرأت کے شاگرد تھے اور جوہر تخلص تھا۔ مہاراجہ انکٹ رائے نے ان کی پرورش کی اور بعد میں راجہ کے محافظِ دفتر ہوگئے۔ اس درمیان وہ ایک حسین طوائف کی محبت میں گرفتار ہوگئے۔ یہ لکھنؤ کی حسین ترین طوائف خیال کی جاتی تھی۔ اس کا نام اجاگر تھا۔ انھوں نے اس پر ایک غزل بھی کہی جسے کمال نے نقل کیا ہے۔ یہ غزل بہت عمدہ ہے لیکن چونکہ انھوں نے اپنی محبوبہ کے لیے مخصوص قسم کے بہت اشارے استعمال کیے ہیں اس لیے اس کا ترجمہ کرنا مشکل ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہ غزل ان کے دیوان میں شامل ہے یا نہیں۔ ان کے دیوان کا نام ''مخزنِ فصاحت'' ہے اور وہ ۱۸۶۲ء میں لکھنؤ سے چھوٹی تقطیع کے ۱۲۴ صفحات میں شائع ہوا ہے۔ محسن کا بیان ہے کہ ان کا ایک دیوان فارسی میں بھی ہے۔ انھوں نے چند قصیدے بھی کہے ہیں جن میں سے ایک ۳رجنوری ۱۸۶۵ کے ''اودھ اخبار'' میں شائع ہوا ہے۔

جوہری۔ اندر جیت:

وہ دہلی کے ایک جوہری تھے اور نصیر کے شاگرد۔ قاسم اور سرور ان کا ذکر کرتے ہیں۔

جوہری۔ مولوی آیت اللہ:

پھلواری کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے فارسی اور اردو میں تصنیف کی ہے۔ فارسی شاعری میں سوزش تخلص رکھتے تھے۔ عشقی کے بقول ان کا انتقال سنہ ۱۸۴۰ء میں ہوگیا تھا۔

جہاں دار۔ مرزا جواں بخت شاہ:

وہ ایک شاہزادے ہیں اور شاہ عالم ثانی کے بیٹے اور عالم گیر ثانی کے پوتے ہیں۔ ان کا شمار ممتاز ہندوستانی شعرا میں کیا جاتا ہے۔ وہ ۱۱۹۸ھ/۴-۱۷۸۳ء میں مغلوں کی حکومت کے زوال کے ایام میں دہلی کو چھوڑ کر لکھنؤ چلے گئے۔ لکھنؤ میں آصف الدولہ نے ان کا بڑی گرم جوشی سے خیر مقدم کیا۔ گورنر جنرل لارڈ Warren Hastings نے ان کا تعارف علی ابراہیم سے کرایا اور بنارس میں وہ اکثر علی ابراہیم سے ملتے رہے۔ لکھنؤ کے قیام کے دوران میں جہاں دار ہر مہینے میں دوبار مشاعرہ منعقد کرتے تھے جس میں اردو شعرا کو مدعو کیا جاتا تھا۔ لطف جو جہاں دار سے مل چکے ہیں کہتے ہیں کہ وہ ۱۲۰۱ھ/۷-۱۷۸۶ء میں بنارس میں انتقال کر گئے۔

ایسٹ انڈیا آفس کے کتب خانے میں ان کے کلام کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔ اس کتاب کو ''بیاض عنایت مرشد زادہ'' کہتے ہیں اور اس نسخے کو انھوں نے Lord Hastings کو بطور تحفہ پیش کیا تھا۔

ابراہیم اور لطف ان کے ذوق کی بلندی کا ذکر کرتے ہیں اور ان کے متعدد اشعار بھی اپنے تذکروں میں نقل کیے ہیں۔ جہاں دار کی ایک غزل کو بینی نرائن نے بھی نقل کیا ہے لیکن علی ابراہیم کے یہاں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ مصحفی نے ان کے اشعار دو صفحات میں نقل کیے ہیں اور وہ شاہزادہ جہاں دار کے سائنٹفک میلانِ طبع کی تعریف کرتے ہیں۔

مصحفی کے مطابق جہاں دار نے فارسی میں بھی اشعار کہے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ اپنے انتقال سے پہلے جہاں دار نے ہندوستانی شعرا کے متعلق ایک تذکرہ بھی لکھا تھا لیکن نہ معلوم یہ مسودہ کس طرح امام بخش کشمیری کے قبضے میں آگیا جس کو موخر الذکر نے بغیر کسی جھجک کے اپنی تصنیف میں استعمال کرلیا۔ ذیل میں ان کی ایک مختصر سی غزل ہے جو ہندوستان میں کافی مقبول ہے۔

نہ پوچھو دہر میں کیا کر چلے ہم — اسی کی آرزو میں مر چلے ہم
رہے اک شب جو اس ماتم کدے میں — بسانِ شمع رو رو کر جلے ہم
رہے در پر بتاں کے تم جہاندار — خدا حافظ تمہارا، گھر چلے ہم

''گلشن ہند وگلزار ابراہیم''، ص ۹۹۰

جہانگیر۔ میر جہانگیر بیگ۔ دہلوی:

وہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور اس شہر میں بہت ہی عیش پسند اور ہنگامہ خیز زندگی بسر کی۔ آخری عمر میں وہ بہت خاموش اور پاگل سے ہوگئے تھے۔ چنانچہ ایک روز انھوں نے مولانا عبدالعزیز میر شاہ درویش کو جب کہ وہ وعظ کہہ رہے تھے قتل کر دیا۔ اس جرم کی پاداش میں ان کو قید ہوگئی اور وہیں ان کا انتقال ہوگیا۔ ۱۲۲۸ھ/۱۸۱۳ء میں شیفتہ نے اپنے تذکرے میں ان کا ذکر کیا ہے۔

جھمن۔ لالہ جھمن:

وہ ایک کائستھ اور بشن ناتھ کے بیٹے تھے۔ ہندوستانی کے شاعر اور دہلی کے رہنے والے تھے۔ ان کے بڑے بھائی جگر ناتھ امیر الامرا ضابطہ خان کے منشی تھے۔ انھوں نے اردو میں بہت سی غزلیں کہی ہیں اور ہندی میں بھی شاعری کی ہے۔ انھوں نے ہجو اور قصیدے بھی لکھے ہیں اور اس خوبی کے ساتھ کہ ہر شعر میں ممدوح کا نام آیا ہے۔ ان کا کچھ کلام صنعتِ منقوطہ میں اور کچھ کلام صنعتِ غیر منقوطہ میں بھی ہے۔ ان کا کچھ کلام مربع میں بھی لکھا جاسکتا ہے۔ مغربی قوموں کے لیے یہ کچھ زیادہ دلچسپ نہیں ہے۔ جھمن نے ''بہارِ دانش'' کا ترجمہ بھی کیا ہے جو فارسی کا ایک مشہور قصہ ہے اور جو Scott Jonathan کے ترجمے کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ وہ میر درد سے مشورہ کرتے تھے۔ کریم کے مطابق وہ ۱۱۹۰ھ/۱۷۷۶ء تک زندہ تھے اور بہت غریب تھے۔

جے دیال سنگھ:

وہ ''آئینۂ مذہبِ ہنود'' کے مصنف ہیں۔ یہ کتاب اردو میں لکھی گئی ہے اور سنہ ۱۸۶۸ء میں کانپور میں شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں ۱۲۹ صفحات ہیں۔

جے گوپال حکیم:

انھوں نے ''مرضِ ہیضہ'' پر ایک رسالہ لکھا ہے۔ یہ کتاب یونانی طب سے متعلق ہے۔ اس رسالے کا اشتہار لاہور کے ''کوہِ نور'' میں ۶ مارچ ۱۸۶۶ کو دیا گیا ہے۔

جیلانی۔ غلام:

یہ ہندوستانی شاعر رامپور کے رہنے والے تھے۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

جمنا یا جمنا بیگم۔ نواب:

مرزا بابر مرحوم کی بیٹی اور مرزا جہاندار شاہ کی بیوی ہیں۔ وہ فارسی اور ریختہ میں شعر کہتی تھیں۔ مصحفی نے

ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ شاعرہ جاناں بیگم سے مختلف ہیں جن کا تذکرہ اس کتاب میں ہے۔ شیفتہ کہتے ہیں کہ جس طرح خود ان کا حسن پردے میں پوشیدہ تھا، ان کی زندگی کے حالات بھی معلوم نہیں تھے۔ یہ تمام حالات صرف کمال کے ذریعے سے معلوم ہوئے ہیں۔

جیون۔ مولا محمد:

وہ صوبہ دہلی کے علاقہ جھجھر میں رہتے تھے۔ ان کو عرفِ عام میں محبوب عالم کہتے تھے۔ ان کی تصانیف حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ ''محشر نامہ''۔ یہ ایک مثنوی ہے اور اہلِ سنت کے عقائد کے مطابق ہے۔ اصل کتاب اورنگ زیب کے دورِ حکومت میں لکھی گئی [۱۷۰۷۔۱۶۵۶]۔ لکھنؤ کے کتب خانہ موتی محل میں اس کا ایک نسخہ موجود تھا جو ۵۰ صفحہ پر ہے اور ہر صفحے میں ۱۵ ابیات ہیں۔

۲۔ ایک اور مثنوی ''حشر نامہ'' ہے جس میں قیامت کا بیان ہے۔ اسی کتب خانے میں اس کا ایک نسخہ تھا جو ۲۱ صفحات پر ہے اور ہر صفحہ میں ۱۵ ابیات ہیں۔

۳۔ درد نامہ۔ اس میں حضرت محمدؐ کی زندگی اور تاریخِ اسلام کے بعض دوسرے واقعات شامل ہیں۔ اس میں ۱۰۰ صفحات ہیں اور ہر صفحے میں ۱۵ ابیات ہیں۔

۴۔ ''خواب نامۂ پیغمبرؐ''۔ اس میں حضرت محمدؐ کی معراج کا بیان ہے۔

۵۔ ایک چھوٹی سی نظم ہے جس میں حضرت فاطمہؓ کا ذکر کیا گیا ہے۔ مجھے معلوم نہیں یہ سارا کلام جیون کے مجموعۂ مثنویات میں، جس کا ایک نسخہ اسپرنگر کے پاس تھا، شامل ہے یا نہیں۔ یہ دیوان ۲۳۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

جیون داس۔ لالہ:

ان کی تصنیفات حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ انھوں نے صوبہ پنجاب کے شعبۂ منصفی کے فیصلوں ''کورسرکلرات'' کے عنوان سے ترجمہ کیا ہے اور اس کا ایک مجموعہ ۱۸۵۳ء اور ۱۸۵۶ء کے درمیان لاہور سے شائع ہوا ہے۔ میرے پاس ایک نسخہ ہے جو R. Cust نے دیا تھا۔ اس کا ایک دوسرا حصہ بھی ہے جس کو محمد مرزا نے ترجمہ کر کے سنہ ۱۸۶۰ء میں شائع کیا ہے۔

۲۔ ''سوالات دستور العمل داروغانِ ممالکِ پنجاب''۔ یہ رسالہ لاہور سے سنہ ۱۸۵۸ء میں چھوٹی تقطیع کے

۱۰۴ صفحات پر شائع ہوا ہے۔

چھٹا:

وہ ایک مشہور و ممتاز اردو شاعر ہیں جو نواب حسام الدولہ کے ملازم تھے۔ ان کے اشعار کا رنگ امام بخش بیکس کے کلام سے ملتا جلتا ہے۔

چشتی۔ مولوی نور احمد:

انھوں نے ''تحقیقاتِ چشتی'' نامی کتاب مرتب کی جو دراصل پنجاب کے متعلق ایک قسم کی قاموس ہے اور حکومتِ برطانیہ نے شائع کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس کتاب کا اشتہار لاہور کے ''کوہِ نور'' اخبار میں کئی مرتبہ نکلا تھا۔ اس میں ہندوستان کی تاریخی عمارات اور پنجاب کی تاریخ کے حالات وغیرہ ہیں۔

چراغ۔ سراج ثانی:

وہ پہلے رحمٰن یار خان کے نام سے مشہور تھے اور دکن کے نواب میر نظام علی خان کے یہاں منتظم اعلیٰ تھے۔ کمال کا بیان ہے کہ انھوں نے سراج اول کی ہدایت پر کوئی دس بارہ سال پہلے حیدر آباد میں فقیری اختیار کرلی ہے اور وہ خدا کی عبادت و ریاضت میں غرق رہتے ہیں لیکن اپنے روحانی استاد کی طرح کبھی کبھی اشعار بھی کہتے ہیں۔ ان کی کمال سے بڑی دوستی تھی کیوں کہ کمال کا مذہبی نقطہ نظر بھی وہی تھا۔ اس لیے انھوں نے چراغ کے بہت سے اشعار نقل کیے ہیں۔

چراغ شاہ۔ ملتانی:

سید حکیم شاہ کے ساتھ ''دستور العمل امورات متعلقہ شادی وغمی'' نامی کتاب مرتب کی ہے۔ یہ کتاب لاہور سے ۱۸۶۸ء میں چھوٹی تقطیع کے ۱۶ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

چرکین۔ شیخ باقر علی:

وہ لکھنؤ کے قریب قصبہ اودلی کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے چرکین تخلص اختیار کیا اس لیے کہ وہ بڑی گندی شاعری کرتے تھے۔ اس طور سے انھوں نے اپنے تخلص کے ساتھ انصاف کیا ہے۔ کریم الدین کو ان کی تفصیل نہیں معلوم پھر بھی انھوں نے ان کے دو اشعار نقل کیے ہیں۔

چرکین کا دیوان لاہور سے شائع ہوا ہے اور محسن نے اپنے تذکرے میں ان کی چند غزلیں نقل کی ہیں۔

چرنجی لال۔ منشی:

وہ اسکول کے انسپکٹر تھے اور انھوں نے حسبِ ذیل کتابیں لکھی ہیں:

۱۔ ''چرنجی لال انشاء''۔ یہ کتاب دو مرتبہ شائع ہوئی ہے۔ ایک ایڈیشن آگرہ سے ۱۸۵۳ء میں دوسرا ۱۸۵۸ء میں چھوٹی تقطیع کے ۳۶ صفحات پر چھپا ہے۔ اس کا ایک تیسرا ایڈیشن بھی ہے جو ۱۸۶۱ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب میں خطوط، درخواستیں اور مضامین لکھنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ Mr. H.S.Reid نے جو مدراس کے مہتمم اعلیٰ تھے اس کتاب کو بہت پسند کیا اور نصاب کے لیے منتخب کرلیا۔

۲۔ ''دھرم سنگھ کا قصہ'' جو کہ ''دھرم سنگھ کو رتنت'' کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب لاہور سے ۱۸۵۱ء اور ۱۸۶۵ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی ہے۔

۳۔ ''قصہ سراجپور یا سراج کی کہانی''۔ یہ کتاب آگرہ سے ۱۸۵۰ء میں ۱۸ صفحات پر شائع ہوئی۔ اس کے چند ایڈیشن ہیں اور ان میں سے ایک وہ ہے جو لاہور سے ۱۸۶۰ء میں چھوٹی تقطیع میں ۱۳ صفحات پر ہے۔ شاید یہ وہی کتاب ہے جو ان کے نام سے Rev.S.Long کے *Descriptive Catalogue* [۱۸۶۷ء] میں شامل ہے اور جو میرٹھ سے ۱۸۶۵ء میں شائع ہوئی ہے۔

۴۔ ''خیالات الصنائع''۔ یہ نیچرل سائنس کا ایک مقالہ ہے جو آگرہ سے ۱۸۵۳ میں چھوٹی تقطیع میں ۵۲ صفحات پر چھپا ہے۔

۵۔ ''شارع التعلیم''۔ یہ فارسی اساتذہ کی رہنمائی کے لیے ہے۔

۶۔ ''نسخہ گنج طالع''۔ آگرہ سے سنہ ۱۸۶۰ میں ۶۴ صفحے پر چھوٹی تقطیع میں شائع ہوا ہے۔

۷۔ ''تثلیث اللغات''۔ یہ کتاب مسٹر H.S.Reid اور پنڈت بنس دھر کے اشتراک سے لکھی گئی ہے۔ اس کی تین جلدیں ہیں۔ پہلی جلد میں عربی و فارسی کے وہ فصیح الفاظ ہیں جو اردو میں مستعمل ہیں۔ یہ الہ آباد سے سنہ ۱۸۶۰ میں چھوٹی تقطیع کے ۲۱۴ صفحات پر چھپی ہے۔ دوسری جلد میں اردو میں استعمال ہونے والے ہندی الفاظ ہیں۔

یہ الہ آباد سے سنہ ۱۸۶۰ میں چھوٹی تقطیع کے ۱۲۰ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔ تیسری جلد میں پہلی دو جلدوں کے الفاظ کو حروفِ تہجی کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہے۔ یہ بنارس سے سنہ ۱۸۶۰ء میں ۲۲۸ صفحات پر چھپی ہے۔

۸۔ ''ہدایتیں درباب تعلیم نفس''۔ اس کتاب میں اس اردو ترجمے کو وضاحت سے پیش کیا گیا ہے جو سی۔ فنک نے ایک انگریزی مضمون سے کیا تھا جو Weekly Visitor میں Rev John Todd کے نام سے چھپا تھا اور جو *Hints on self improvement* نامی کتاب سے ماخوذ تھا۔ میرے پاس

ایک نسخہ ہے جو آگرہ سے سنہ ۱۸۴۷ء میں چھوٹی تقطیع پر ۲۰۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ''تعلیم النفس یا رسالہ تعلیم النفس'' کے نام سے الٰہ آباد سے سنہ ۱۸۵۹ء میں چھوٹی تقطیع پر چھپا تھا۔

۹۔ ''حقائق الوجودات'' یہ پنڈت بنس دھر کی مدد سے لکھی گئی ہے۔

۱۰۔ ''مصباح المساحت یا مراۃ المساحت''۔ یہ ایک ہندی کتاب سے ترجمہ کی گئی ہے اور بلدیو بخش بھی اس میں شریک تھے۔

چمپا:

وہ نواب حسین الدولہ کے خاندان کی ایک خاتون شاعرہ ہیں اور رقاسم کا خیال ہے کہ جدید ہندوستانی شاعرات میں ان کا شمار کیا جاسکتا ہے۔

چمن لال۔ منشی:

آپ پنڈت ایشوری سہائے کی رفاقت میں میرٹھ سے اردو اخبار'' جامِ جہاں نما'' نکالا کرتے تھے۔ ''جامِ جہاں نما'' کا اشارہ جمشید کے جام کی طرف ہے جس کی خصوصیت یہ تھی کہ دنیا کے تمام واقعات کا نقشہ اس میں نظر آتا تھا۔ یہ اخبار ۱۸۵۱ میں پہلی بار نکالا گیا اور مطبع جامِ جہاں نما سے شائع ہوتا تھا۔ اس اخبار میں ۳ صفحات ہوتے تھے جس میں *Government Gazette* سے اقتباسات درج کیے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ صوبہ شمال مغربی کی صدر عدالت کے فیصلے اور روزمرّہ کی خبریں شائع ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ اس اخبار کے ساتھ ایک صفحے پر ایک ضمیمہ بھی ہوتا تھا جو خریداروں کو مفت بھیجا جاتا تھا۔ اس ضمیمے میں مہابھارت کا فارسی ترجمہ درج ہوتا تھا جو فیضی نے کیا تھا۔

میرا خیال ہے کہ یہ حکیم چمن لال ہیں جو سقوطِ دہلی کے موقع پر ۱۱ رمئی ۱۸۵۷ء کو مارے گئے تھے۔

چنتامنی۔ پنڈت:

وہ ''مختصر بیان جغرافیہ ہند'' کے مصنف ہیں۔ یہ کتاب اردو میں لکھی گئی ہے اور کانپور سے ۱۸۶۷ء میں چھوٹی تقطیع کے ۲۰ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

چندا بائی:

وہ حیدرآباد کی مشہور رانی ہیں۔ ان کا ایک دیوان بھی ہے جس کا ایک نسخہ ایسٹ انڈیا آفس کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس نسخے کو اس غیر معمولی خاتون نے Malcolm کو تحفے کے طور پر ایک مجلسِ رقص میں پیش کیا تھا [اکتوبر سنہ ۱۷۹۹]۔

اس رانی کا لقب ماہ لقا تھا اور چندا تخلص کرتی تھیں۔ وہ اپنے حسنِ مذاقِ سخن، موسیقی اور رقص کے لیے مشہور تھیں۔ کمال ان کی مہمان نوازی اور خاطر و مدارات کی تعریف کرتے ہیں جن سے ان کو اپنے دورانِ قیامِ حیدر آباد میں مستفیض ہونے کا موقعہ ملا تھا۔ وہ ان کو شاعرہ کی حیثیت سے بھی پیش کرتے ہیں اور ان کی چند غزلیں بھی نقل کی ہیں۔

ذکا کے مطابق ان کے دیوان پر شیر محمد خان ایمان نے سرسری طور پر نظرِ ثانی کی ہے۔

چندر ناتھ۔ یا چند ناتھ۔ بابو:

وہ ۱۸۶۶ء لاہور کے سرکاری اخبار کے مدیر تھے۔ انھوں نے میجر فلر Fuller ناظم تعلیمات، صوبہ پنجاب کے مشورے پر ''حقائق الموجودات'' بھی شائع کی۔ یہ کتاب لاہور سے ۱۸۶۵ء میں ۹۲ صفحات پر چھپی ہے۔ یہ کتاب نیچرل سائنس کے موضوع پر ہے اور سوالات و جوابات کی شکل میں مدارس کے لیے لکھی گئی ہے۔ اس میں تشریحی تصاویر بھی ہیں۔

انھوں نے ''تحریرِ اقلیدس'' بھی شائع کی ہے۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں اور لاہور سے ۱۸۶۵ء میں چھوٹی تقطیع پر چھپی ہے۔

چندریکا پرشاد:

انھوں نے ''سلک مسلسل'' نامی ایک کتاب مرتب کی جس میں اردو کے ایسے الفاظ کو جمع کیا گیا ہے جو ذو معنی رکھتے ہیں۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جسے عرب دیر کی کتاب کی طرح پسند کرتے ہیں اور جو لکھنؤ سے ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۴ء میں شائع ہوئی ہے۔

چوگان۔ بابر علی شاہ دہلوی:

ذکا نے اپنے تذکرے میں ان کا ذکر کیا ہے۔ شیفتہ نے انھیں جولان سمجھ لیا ہے۔ بہر حال ان کا انتقال ۱۸۳۵ میں ہوا۔

چوگان:

یہ دکن کے ایک شاعر ہیں جن کا ذکر ذکا نے کیا ہے۔

حاتم۔ شیخ ظہور الدین۔ دہلوی:

انھیں شاہ حاتم بھی کہتے ہیں۔ میر اور حسینی ان کو محمد حاتم دہلوی کہتے ہیں۔ مصحفی کے مطابق محمد حاتم اور شاہ حاتم الگ الگ ہیں۔ ان کا شمار ہندوستان کے چند مشہور ترین شعرا میں کیا جاتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے

کہ لفظ ''ظہور'' سے ان کی تاریخ پیدائش نکلتی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ۱۱۱۱ھ/۰۰-۱۶۹۹/۱۷ء میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ ایک سپاہی تھے لیکن ان کا تعلق ہندوستان کے قدیم مرزا خاندان سے تھا۔ مصحفی کہتے ہیں کہ انھوں نے سنا ہے کہ محمد شاہ کے عہدِ حکومت کے دوسرے سال میں ۱۱۳۲ھ/۲۰-۱۷۱۹ء میں ولی کا دیوان دہلی میں پہنچ چکا تھا اور اس کے اشعار اتنے مقبولِ عام تھے کہ لوگوں نے انھیں ازبر کرلیا تھا۔ چنانچہ حاتم نے بھی ولی کے کلام سے متاثر ہو کر اپنی مادری زبان میں شعر کہنا شروع کر دیا اور اوراس میں بڑی حد تک کمال حاصل کرلیا۔ وہ دہلی میں مصحفی کی ادبی مجالس میں شریک ہوا کرتے تھے اور وہاں اور اس کے علاوہ دیگر مقامات پر وہ اپنے عہد کے بہترین ہندوستانی شاعر سمجھے جاتے تھے اور دوسرے شعرا ان کو استادِ فن سمجھا کرتے تھے۔ حاتم نے اپنے پہلے دیوان کی ابتدا میں دو تین صفحات پر اپنے شاگردوں کے نام درج کیے ہیں تا کہ لوگوں کو ان کے شاگردوں کی تعداد معلوم ہوسکے۔ ان ناموں میں مرزا رفیع سودا کا نام بھی ہے جن کو شمالی ہندوستان کا ممتاز ترین شاعر سمجھا جاتا ہے۔ قمری تاریخ کے لحاظ سے حاتم نے تقریباً سو سال کی عمر پائی تھی۔ ان کا دہلی میں ۱۷۹۱ء میں انتقال ہوا ہے۔

حاتم نے دو دیوان لکھے ہیں۔ پہلے دیوان کا اندازِ بیان بہت ہی پیچیدہ اور ولی سے ملتا جلتا ہے۔ اس دیوان میں ہر غزل کے درج کرنے سے پہلے وہ اس کی بحر بھی لکھ دیتے ہیں۔ انھوں نے دوسرے دیوانِ میں سودا اور میر کی طرح نیا انداز بیان اختیار کیا ہے۔ علی ابراہیم نے ان کا کلام چار صفحات پر نقل کیا ہے۔ یہ انتخاب خود علی ابراہیم نے کیا تھا۔ نظام حیدرآباد کت کتب خانے میں ایک ''دیوان حاتم'' ہے۔ میں قطعی طور پر نہیں کہہ سکتا کہ اس میں ایک ہی دیوان ہے یا دونوں۔

جیسا کہ میں اوپر بیان کر چکا ہوں کہ ولی کے دیوان کو پڑھنے کے بعد حاتم اور ان کے دوست مثلاً ناجی، مضمون اور آبرو نے ریختہ میں شاعری کرنا شروع کر دی تھی۔

ہندوستانی شاعری میں لوگوں کو دلچسپی اس قدر ہوگئی تھی کہ حاتم کے شاگردوں کی تعداد ۴۵ ہوگئی تھی۔ اس دور سے قبل ہندوستان کے مسلم شعرا فارسی میں شاعری کرتے تھے اور اردو زبان میں فکرِ سخن کرنے والوں کی تعداد بہت ہی مختصر تھی۔ حاتم اور ان کے ہمعصر شعرا کا ابتدائی کلام بہت مشکل اور پیچیدہ انداز میں ہے۔

حاتم کے پہلے دیوان میں بھی یہی خامیاں ہیں لیکن اس کے اشعار کا انتخاب خود حاتم نے کیا تھا۔ حاتم کے پہلے دیوان کا نام دیوان زادہ ہے۔ اس دیوان میں چار ہزار اشعار ہیں۔ دوسرے دیوانِ میں پانچ ہزار اشعار درج ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوسرے دیوان میں پہلے دیوان کے چند اشعار کے علاوہ غالباً حاتم

کے متعدد نئے اشعار درج ہیں۔ موتی محل لکھنؤ کے کتب خانے میں حاتم کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ موجود تھا اور اس نسخے کو ۱۷۶۵-۶ء/۱۱۷۹ھ میں لکھا گیا تھا۔ اس کتاب میں دیباچے کے علاوہ ۲۱۲ صفحات پر غزلیں ہیں اور ہر صفحے پر ۱۳ بیت درج کیے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ ۷۶ صفحات میں مختلف اصناف کے اشعار ہیں۔

انھوں نے مُقفّٰی و مرصّع نثر میں ایک فہرست لکھی ہے جس میں ان چیزوں کو بیان کیا گیا ہے جس سے حزن وغم کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ کمال نے اپنے تذکرے میں اس کو نقل کیا ہے۔ یہ ایک نادر تصنیف ہے اور حریری کے کلام سے بہت زیادہ ملتی جلتی ہے۔ بدقسمتی سے اس کو فرانسیسی زبان میں ترجمہ نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ متعدد غزلوں کی طرح یہاں بھی رکیک خیالات کا بڑی آزادی کے ساتھ اظہار کیا گیا ہے۔ اپنی عمر کے آخری ایام میں حاتم نے اس دنیا کو ترک کر کے درویشی اختیار کر لی تھی۔ اس کا حجرہ شاہی محلات کے بہت ہی قریب تھا اور بہت سارے لوگ ان کے پاس روحانی اصلاح کے لیے آیا کرتے تھے۔

حاتم۔ سید حاتم علی خان:

جونپور کے رہنے والے تھے وہ ایک دوسرے ہندوستانی شاعر اور میاں مضمون کے شاگرد تھے۔ عشقی نے ان کا ذکر کیا ہے۔

حاتم۔ مرزا حاتم علی بیگ:

ان کا ایک قصیدہ اور چند اشعار ۱۲؍جنوری ۱۸۶۹ء کے ''اودھ اخبار'' میں شائع ہوئے تھے۔

حاذق:

انھوں نے ''سرفراز نامہ'' لکھا ہے لیکن مجھے معلوم نہیں ہے کہ اس کتاب کا موضوع کیا ہے۔

حاضر۔ محمد شاہ:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر کمال نے کیا ہے۔

حافظ۔ حیدر آبادی:

انھوں نے ایک دیوان مرتب کیا ہے جس کا ایک نسخہ حیدر آباد کے راجہ چندو لال کے کتب خانے میں موجود تھا۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ آیا یہ وہی مصنف ہیں جن کا ذکر میر نے عاجز کے مضمون میں کیا ہے۔

حافظ۔ محمد اشرف:

وہ ایک اچھے موسیقار، شاعر اور مشہور متقی تھے۔

حافظ۔شجاع الدین:

وہ ''کشف الخلاصہ'' کے مصنف ہیں جس کا ایک نسخہ نظام حیدرآباد کے وزیر کے کتب خانے میں موجود ہے۔ یہ منظوم کتاب کئی ابواب میں تقسیم ہے اور اس میں مسلمانوں کے عقائد سے بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب ۱۸۳۹ء میں کلکتہ سے ۲۴ صفحات پر شائع ہوئی ہے اور منشی تمیز الدین ارزانی ان کا حوالہ دیتے ہیں۔ اس کے دو حصے ہیں اور میرے پاس پہلا حصہ ہے۔

حافظ۔خیراللہ۔دہلوی:

وہ ایک دوسرے ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر باطن نے کیا ہے۔

حافظ۔صدرالاسلام خان بہادر:

انھوں نے Norton's Duties of a Justice of Peace کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔

حافظ۔نظام الدین:

انھوں نے حضرت محمدؐ کی شان میں ''بست رسالہ'' لکھا ہے۔ یہ کتاب لاہور سے ۱۸۶۷ء میں ۶۴ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

حفیظ۔محمد:

ان کے باپ کشمیری تھے لیکن وہ دہلی میں پیدا ہوئے۔ وہ مرثیہ نگاری اور مرثیہ خوانی کے لیے خاص شہرت رکھتے تھے۔ انھوں نے جلال الدین رومی کی مثنوی کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور اس کو بڑے اچھے انداز سے پڑھتے تھے۔ ان کی ریختہ شاعری میں جدت اور دلکشی ہے۔ جب انھوں نے اردو میں شعر کہنا شروع کیا تو فراق اور قاسم سے اصلاح لی۔ سرور کہتے ہیں ان کا انتقال ۱۲۵۰ھ/۵۔۱۸۳۴ء میں ہوا۔

حالی۔میر محبّ علی خان:

وہ مرشدآباد کے رہنے والے تھے۔ سرور اور شیفتہ ہندوستانی شعرا میں انھیں شمار کرتے تھے۔

حامد حسین۔سید:

انھوں نے شیعہ عقائد کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ''استحضار الافہام'' ہے۔ اس کتاب کو ''خواب منتہا الکلام عام'' بھی کہتے ہیں۔ یہ لدھیانہ سے سنہ ۱۸۶۳ء میں ۱۱۲۲ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

حامد علی۔مرزا محمد:

واجد علی شاہ والئ اودھ کے بیٹے اور جانشین تھے۔ مجھے ان سے پیرس میں ملنے کا اتفاق ہوا ہے جہاں

ان کی دادی، سابقہ ملکۂ اودھ کا انتقال ہوا تھا۔ وہ اپنے والد اور بہن کی طرح ہندوستانی شاعری سے بڑی دلچسپی رکھتے ہیں اور انھیں ہندوستانی شعرا میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کی ایک غزل ''اودھ اخبار'' کی اشاعت مورخہ ۲۹ر دسمبر ۱۸۶۸ء میں شائع ہوئی ہے۔

حب۔ قاضی یا میر احمد علی:

وہ فرید آباد میں رہتے تھے جہاں ان کے خاندان کے بزرگ قاضی کے عہدے پر فائز رہ چکے تھے۔ ان کی عمر ۱۳ سال کی تھی تو تقریباً ۶ ماہ کے دوران ان کے والد اور دادا کا انتقال ہو گیا لیکن راجہ بہادر سنگھ بہادر نے ان کو اپنی تفویض میں لے لیا اور ان کی تعلیم بھی راجہ بہادر کی سرپرستی میں ہوئی۔ اپنی تعلیم کو مکمل کرنے کے بعد وہ عزت اللہ عشق سے مشورۂ سخن کرنے لگے لیکن سرور کا بیان ہے کہ وہ قدرت اللہ خان قاسم کے شاگرد تھے۔ ان کا انتقال کریم کے ''طبقات الشعرا'' لکھنے سے چند سال پیشتر ہو چکا تھا۔

حبیب۔ مراد آبادی:

شیفتہ نے انھیں ہندوستانی شعرا میں شمار کیا ہے۔ دوسرے کلام کے علاوہ انھوں نے ایک مثنوی بھی لکھی ہے جو لکھنؤ سے ۱۸۴۶ء اور ۱۸۴۹ء میں شائع ہوئی۔ اس کا نام ''اسرار محبت'' ہے۔ یہ کتاب سابق شاہ اودھ کی تعریف میں لکھی گئی ہے۔ محسن کے مطابق ان کو قدیم شعرا میں شمار کرنا مناسب ہوگا اور میرا خیال ہے کہ محسن کی اس سے مراد یہ تھی کہ حبیب پرانے شعرا کے طرز پر لکھا کرتے تھے۔ محسن کا بیان ہے کہ انھوں نے اس شاعر کے متعلق کسی تذکرے میں کوئی تفصیل نہیں دیکھی اور اس لیے انھوں نے ان کے صرف چند اشعار نقل کیے ہیں۔

حبیب۔ حیدرآبادی:

بعض لوگ انھیں حبیب اللہ کہتے ہیں اور بعض محمد حبیب یا حسیب کہتے ہیں۔ وہ عزلت کے شاگرد تھے۔ اسپرنگر کا خیال ہے کہ وہ غالباً حسیب ہیں جن کا ذکر بعد میں آئے گا۔

حبیب حسین۔ سید دہلوی:

وہ اعتماد پور کے منصف کے وکیل تھے۔ وہ ہندوستانی شاعر ہیں جو زیادہ تر بریلی میں رہتے تھے۔ ان کے استاد ظفریاب خان راسخ تھے۔

حبیب اللہ:

علی ابراہیم نے اس ہندوستانی شاعر کا ذکر کیا ہے اور انھوں نے ان کا ایک شعر نقل کیا ہے:

سوزباں سے موبہ مو کہتا ہوں میں شانے کی طرح
ہاتھ میں تجھ زلف کے ہے دل کے الجھانے کی طرح

''گلزارِابراہیم وگلشنِ ہند'' مرتبہ عبداللہ خان،ص ا

حبیب اللہ بیگ مرحوم۔ دہلوی:

وہ ایک دوسرے شاعر ہیں جن کا ذکر محسن نے کیا ہے اوران کے اشعار کا ایک نمونہ بھی پیش کیا ہے۔

حجام۔ عنایت اللہ:

وہ سہارنپور میں پیدا ہوئے، دہلی میں مدت سے رہتے تھے اور وہ دہلی کے بڑے اچھے حجام شمار کیے جاتے تھے کیوں کہ وہ دوسرے حجاموں کی طرح گلی گلی مارے مارے نہیں پھرتے تھے۔ ان کو شعر وشاعری سے بڑی دلچسپی تھی اور بقول مصحفی ان کے کلام میں لطافت اور نرمی بالوں سے بھی زیادہ ہے۔ دہلی کی تمام ادبی مجلسوں میں وہ شریک ہوتے تھے اور اکثر خراجِ تحسین حاصل کرتے تھے۔ ہر غزل کے مقطعے میں وہ اپنے تخلص حجام کا استعمال معنوی اعتبار سے اس انداز سے کرتے تھے کہ ہر سننے والا لطف اندوز ہوتا تھا۔ دہلی میں ہر شخص چھوٹا اور بڑا انھیں پسند کرتا تھا۔

حجام کو سودا کا شاگرد ہونے پر بڑا فخر تھا۔ وہ اس بات پر بھی فخر کرتے تھے کہ مولوی فخر الدین صاحب نے انھیں سلسلۂ چشتیہ سے منسلک کردیا۔ وہ اپنے مرشد فخر الدین صاحب کی ڈاڑھی بنانے اور خضاب لگانے ہر منگل اور جمعے کو جاتے تھے اور اس زمانے سے وہ خود بھی فقیروں کی پگڑی اور پوشاک استعمال کرنے لگے اور اس وجہ سے وہ اپنے محلے میں شاہ جی کہلاتے تھے۔ وہ چشتیہ خاندان کی مجلسوں میں بے تکلف شرکت کرتے تھے اور ان کے بزرگوں سے ملاقات بھی کرتے تھے۔ کمال کا بیان ہے کہ وہ قائم اور دوسرے ممتاز شعرا سے بغرضِ مشورۂ سخن ملتے تھے۔ اسپرنگر نے قاسم کے حوالے سے لکھا ہے کہ حجام پرورش بھی تخلص کرتے تھے۔

مصحفی اپنا تذکرہ لکھنے سے بہت پہلے حجام سے واقف ہو چکے تھے ان دنوں حجام کی عمر تقریباً ۳۵ سال تھی اور ۶ سال سے دہلی میں مقیم تھے۔ ان کا انتقال ۱۲۰۲ھ/۸۸-۱۷۸۷ء میں بمقام دہلی بہ عمر ۸۶ سال ہوا۔

ہے دل میں کہ اک روز ان آنکھوں سے یہ پوچھوں
جیتے ہیں کس واسطے بیمار تمھارے
اس شوخ کے کوچے میں نہ جایا کرو

چھن جائیں گے اک دن کہیں ہتھیار تمہارے
روز رخسار کے لیتا ہے مزے مولوں کے
بہتر اس سے کوئی حجام ہنر کیا ہو گا
بسان نافہ ٔ لیلیٰ کے اک دو گام غلط
خدا کرے کہ ادھر بھی تیرا سمند کرے

''تذکرۂ ہندی،'' ص ۷۸

حریف۔ خواجہ مکرم خان۔ دہلوی:

وہ خواجہ محمد خان کے بیٹے تھے اور حکومتِ بنگال میں ملازم تھے۔ ان کا جوان سالی میں انتقال ہوا ہے۔ وہ ہندوستانی شاعری کے لیے مشہور ہیں۔ شورش نے ان کا اپنے تذکرے میں ذکر کیا ہے۔

حزیں:

وہ ایک اردو شاعر ہیں اور ان کے متعلق مصحفی صرف اس قدر بتاتے ہیں کہ وہ محمد شاہ کے دور میں رہتے تھے۔ انھوں نے ان کے ۳ اشعار نقل کیے ہیں جنھیں مصحفی نے کسی موقعے پر سنا تھا۔

اس بے وفا کے عشق میں کچھ ہم کو حس نہیں
پاؤں تلک بھی اس کے ہمیں دسترس نہیں
ویراں ہوا خزاں سے چمن یاں تلک کہ ہم
چاہیں تو جل مریں تو کہیں خار وخس نہیں
اس فصل گل میں کیوں نہ گریباں کو کیجیے چاک
جاتی ہے یوں بہار حزیں ہائے بس نہیں

''تذکرۂ ہندی''، ص ۷۹

حزیں۔ ابوالخیری دہلوی:

اردو کے ایک شاعر ہیں اور بنی زائن نے ان کی ایک عمدہ غزل نقل کی ہے:

اس بے وفا کے عشق میں کچھ ہم کو حس نہیں
پاؤں تلک بھی اس کے ہمیں دسترس نہیں

ویراں ہوا خزاں سے چمن یاں تلک کہ ہم
چاہیں تو جل مریں تو کہیں خار و خس نہیں
اس فصل گل میں کیوں نہ گریباں کو کیجیے چاک
جاتی ہے یوں بہار حزیں ہائے بس نہیں

''تذکرۂ ہندی''، ص ۷۹

حزیں۔شیخ محمد علی:

وہ اپنے زہد وتقویٰ اور علم وفضل کے لیے مشہور ہیں۔ وہ اصفہان میں ۱۶۹۲ء میں پیدا ہوئے تھے اور محمد شاہ کے دور میں ہندوستان چلے آئے تھے۔ ان کا انتقال ۶۶-۱۷۶۷ء میں بنارس میں ہوا۔ میں نے اپنے مضمون Memoire sur La religion Musalmane dans L'Inde میں صفحہ ۱۰۴ پر ان کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے فارسی زبان میں متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ ان کی ایک کہانی کی کتاب کا نام ''ساقی نامہ'' ہے۔ ان کی دلچسپ یاد داشت کا ترجمہ M. Belfour نے انگریزی زبان میں کیا ہے۔ انھوں نے چند دیوان لکھے ہیں جو ایک ضخیم جلد کی صورت میں ہیں۔

انھوں نے ہندوستانی زبان میں بھی اشعار کہے ہیں۔ منولال نے اپنے ''گلدستۂ نشاط'' میں ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں لیکن Mr. F. E. Hall کا خیال ہے کہ یہ اشعار کسی دوسرے شاعر کا کلام ہے جو حزیں تخلص کیا کرتے تھے۔

حزیں۔میر محمد باقر۔دہلوی:

وہ مظہر کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ابتدا میں ظہور تخلص اختیار کیا تھا جو غالباً فارسی میں استعمال کرتے تھے۔ بعد میں وہ حزیں تخلص کرنے لگے۔ قائم کے بقول وہ آگرہ کے رہنے والے تھے۔ لیکن انھوں نے پٹنہ اور جہانگیر آباد میں بھی قیام کیا ہے۔ عشقی کہتے ہیں کہ ان کا انتقال احمد شاہ کے دور میں ۱۱۹۳ھ/۱۷۷۹ میں ہوا ہے لیکن علی ابراہیم جو حزیں کے گہرے دوست تھے، بتاتے ہیں کہ ان کا انتقال پٹنہ میں ہوا۔

انھوں نے قصیدے لکھے ہیں اور تذکرہ نویسوں نے ان قصیدوں کے متعدد اشعار کو نقل کیا ہے۔ انھوں نے ایک ''ساقی نامہ'' اور ایک دیوان بھی تصنیف کیا ہے۔

اسپرنگر نے میر محمد باقر حزیں کو شیخ محمد علی حزیں کے نام کے تحت میں لکھا ہے۔

حزیں۔ میر خجستہ بخت بہادر:

قاسم ان کو صاحب عالم و عالمیاں کہتے ہیں کیوں کہ وہ دہلی کے شاہی خاندان کے ایک شاہزادے تھے۔ ان کو شعر و سخن سے بڑا شغف تھا۔ کریم کے مطابق آپ نے بے شمار اشعار اور چھوٹی غزلیں کہی ہیں۔

حزیں۔ میر بہادر علی:

وہ میر نجف علی دہلوی کے بیٹے تھے جو ۱۸۵۷ کے پہلے ولی عہدِ سلطنتِ مغلیہ کے گہرے دوست تھے۔ ان کے دادا کا نام میر علی بخش خان سید تھا جو ایک ممتاز خوش نویس اور نواب میر جملہ کے بھتیجے تھے۔ موخر الذکر کو مستقیم الدولہ کا خطاب بھی عطا ہوا تھا۔ حزیں کا شمار اس دور کے شعرا میں کیا جاتا ہے۔ وہ کریم کے دوست زین العابدین خان عارف سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ کریم کا بیان ہے کہ سنہ ۱۸۴۷ء میں حزیں اپنے اشعار کو دیوان کی صورت میں مرتب کرر ہے تھے۔ ان دنوں ان کی عمر محض ۳۵ سال تھی لیکن اسپرنگر نے لکھا ہے کہ ۱۸۵۳ء میں حزیں دہلی میں رہتے تھے اور ان دنوں ان کی عمر ۶۰ سال تھی۔ میرا خیال ہے کہ حزیں اپنی شکل و شباہت سے ۶۰ سال کے معلوم ہوتے ہوں گے کیوں کہ مشرق کے باشندے اپنی عمر سے زیادہ سن رسیدہ معلوم ہوئے ہیں۔

حسرت۔ مرزا جعفر علی:

وہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور ان کے والد کا نام مرزا ابو الخیر تھا جو لکھنؤ میں اکبری دروازے کے قریب ادویات کی دکان رکھتے تھے۔ اردو ادب کے معلم ہونے کے علاوہ وہ ایک ممتاز شاعر بھی تھے۔ تذکرہ نویس انھیں میر اور میاں کہتے ہیں۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جس میں غزلیں اور متعدد قصیدے ہیں۔ ان کا شمار لکھنؤ کے چند ممتاز شعرا میں ہوتا ہے۔ جن دنوں علی ابراہیم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو لکھنؤ کے بیشتر نو جوان شعرا حسرت سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ مصحفی کو لکھنؤ کے چند مشاعروں میں حسرت سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ وہ ایک جوان سال، نرم دل شخص تھے اور نہایت عمدہ مذاق رکھتے تھے۔ کچھ عرصے تک وہ مرزا جہاندار شاہ کے پاس ملازم رہے تھے لیکن اپنے والد کے انتقال کے بعد انھوں نے اس ملازمت کو ترک کر دیا اور اپنے والد مرحوم کی ادویات کی دکان کو سنبھال لیا تھا۔ اس کے بعد یکا یک انھوں نے ترکِ دنیا کر کے درویشوں کا لباس پہن لیا اور گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اس کے باوجود ملک کے شعرا انھیں استادِ فن سمجھتے تھے لیکن وہ خود رائے سرب سنگھ دیوانہ سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ لطف کے مطابق وہ اپنے آخری ایام میں دہلی میں رہتے تھے اور ان کا انتقال ۱۲۱۰ھ/ ۹۶-۱۷۹۵ء میں ہوا ہے۔ ان کے شاگرد جرأت

کی کلیات میں ایک تاریخِ انتقال درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ۱۲۰۶ھ/۲-۱۷۹۱ء میں انتقال کیا۔

حسرت نے انتقال سے چار سال پہلے گوشہ نشینی اختیار کی تھی۔ کمال کے مطابق انھوں نے ایک نہیں بلکہ دو دیوان چھوڑے ہیں اور ان کے علاوہ رباعیاں، مثنویاں اور مخمس وغیرہ بھی تصنیف کیے ہیں۔ کمال نے ان کے کلام کو ۹۲ صفحات میں نقل کیا ہے اور اسی میں ان کے دیوان کی دوسری نظم بھی شامل ہے۔

فرح بخش لکھنؤ کے کتب خانے میں حسرت کے پہلے دیوان کا جو خوبصورت نسخہ ہے اس کی ترتیب مندرجہ ذیل طریقے سے کی گئی ہے۔

۱۔ ۲۴۶ صفحات میں غزلیں ہیں اور ہر صفحے پر ۱۳ بیت ہیں۔

۲۔ رباعیاں اور مخمس ۸۰ صفحات پر ہیں اور ہر صفحے پر ۱۰ بیت ہیں۔

۳۔ قصیدے آئمہ اور آصف الدولہ وغیرہ کے شامل ہیں اس کے ۳۶ صفحات ہیں۔

۴۔ ترجیع بند وغیرہ ۵۲ صفحات

۵۔ ساقی نامہ

۶۔ ایک ہجو [مثنوی] کسی طبیب کے متعلق۔ ۲۰ صفحات

دوسرے دیوان میں غزلوں کو دو سو صفحات میں درج کیا گیا ہے۔ رباعیاں ۶۲ صفحات میں ہیں۔ اس کے علاوہ ۱۶۲ صفحات میں ایک مثنوی ہے جس کا نام ''طوطی نامہ'' ہے۔ یہ ''طوطی نامہ'' طوطارام اور شکر پارہ کی داستانِ محبت کو بیان کرتا ہے۔ اس مثنوی کا موضوع مشہور ''طوطی نامہ'' کی داستان سے مختلف ہے۔

بنی نرائن نے ان کی پانچ غزلیں اور ایک طویل مخمس نقل کیا ہے۔

حسام۔ نواب حسام الدولہ حافظ الملک محمد تقی علی خان بہادر شمشیر جنگ لکھنوی:

وہ مرزا غازی الدین حیدر کے داماد نواب مہدی علی خان کے بیٹے تھے اور نواب اودھ امجد علی شاہ کے داماد تھے۔ ان کے استاد شیخ امان علی سحر تھے۔ انھوں نے ایک کلیاتِ قصائد تصنیف کیا ہے جو لاہور سے شائع ہوئی ہے۔

انھوں نے کچھ اور اشعار لکھے ہیں جن کا ایک نمونہ محسن نے اپنے تذکرے میں پیش کیا ہے۔

حسام۔ چودھری حسام الدین علی:

چودھری سعادت علی کے بیٹے تھے اور لکھنؤ کے علاقے میں پرگنہ گوسائیں گنج میں سلیم پور کے رہنے

والے تھے۔ ان کے استاد کرامت علی خان فرخ تھے۔ وہ صاحبِ دیوان تھے اور اس دیوان کے علاوہ قصائد بھی لکھے ہیں۔ ان کا انتقال کربلا کی زیارت میں ہوا۔

حسرت۔ میر محمد حیات دہلوی:

لطف کے مطابق وہ عظیم آباد کے رہنے والے تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں اور ان کو ہیبت قلی خان بھی کہتے ہیں۔ کچھ عرصے تک وہ نواب صولت جنگ کے لڑکے نواب شوکت جنگ کے پاس تھے۔ شوکت جنگ پوربہ [بنگال] میں صوبیدار کے عہدے پر فائز تھے۔ بعد میں وہ نواب سراج الدولہ شاہ بنگال کے پاس ملازم ہو گئے اور سنہ ۱۱۹۵ھ میں انھوں نے نواب مبارک الدولہ میر مبارک علی خان صوبیدار بنگال کی ملازمت اختیار کر لی۔ انھوں نے ۱۲۱۵ھ/۱۔۱۸۰۰ء میں انتقال کیا ہے۔ وہ اپنی ذہنی صلاحیتوں اور موثر گفتگو کے لیے مشہور ہیں۔ وہ محمد باقر حزیں کے علاوہ مرزا مظہر جانِ جاناں کے بھی شاگرد تھے۔ ان کے دیوان میں تقریباً دو ہزار اشعار ہیں۔ علی ابراہیم ان کے گہرے دوست تھے۔ انہوں نے اپنے تذکرۂ گلزار میں ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں جنھیں خود حسرت نے تذکرے کے لیے منتخب کیا تھا۔

حسرت۔ میاں رسول بخش۔ بدایونی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر ذکا نے کیا ہے۔ ذکا صرف یہ کہتے ہیں کہ ۱۲۴۰ھ/۵۔۱۸۲۴ء میں وہ کلکتہ سے دہلی چلے گئے۔

حسرت۔ خیر الدین محمد۔ الہ آبادی:

وہ ایک دوسرے ہندوستانی شاعر ہیں۔ N. Blaud نے مجھے بتایا ہے کہ ابوالحسن نے اپنے تذکرے میں حسرت کے اشعار ۹ صفحات پر نقل کیے ہیں۔

حسرت۔ زنگی رام:

وہ دہلی کے رہنے والے تھے لیکن فرخ آباد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہ ہندو تھے اور اردو کے مصنف کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ شیفتہ نے ان کا ایک شعر نقل کیا ہے لیکن دوسرے تذکرہ نویسوں کا خیال ہے کہ یہ جعفر علی حسرت کا کلام ہے۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے مگر میرا خیال ہے کہ یہ فارسی زبان میں ہے۔ اس دیوان پر کریم نے تنقید کی ہے اور ان کا بیان ہے کہ حسرت معاشی اعتبار سے بہت ہی خستہ حال تھے اور ان کا انتقال سنہ ۱۸۲۷ء میں ہوا ہے۔

حشمت میر یا سید محتشم علی خان۔ دہلوی:

وہ دہلی کے رہنے والے تھے لیکن ان کا آبائی وطن بدخشاں تھا۔ وہ میر باقی کے بیٹے اور میر ولایت اللہ خان کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان کا شجرۂ حسب حضرت محمدؐ سے ملتا ہے۔ حشمت پیشے کے لحاظ سے سپاہی تھے اور اپنی دینی خوبیوں اور پروازِ خیال کے لیے مشہور رہیں۔ انھوں نے قدرت سے نیک طبیعت پائی تھی او ربہت ہی شریف النفس واقع ہوئے تھے۔ ہندوستانی شاعری کے علاوہ انھوں نے فارسی زبان میں بھی بے شمار اشعار کہے ہیں جنھیں دیوان کی صورت میں جمع کیا گیا ہے۔ حشمت کا شمار دہلی کے ممتاز ہندوستانی مصنّفین میں کیا جاتا ہے۔ ان کے فارسی دیوان کے اشعار میں نئے خیالات کی فراوانی پائی جاتی ہے جن کا حشمت نے نہایت ہی عمدہ پیرائے میں اظہار کیا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک ہندوستانی دیوان بھی لکھا ہے۔ انھوں نے دہلی کو چھوڑ کر مغل پور میں گوشہ نشینی اختیار کرلی تھی۔ وہ میر سے واقف تھے اور ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ وہ محمد شاہ کے عہد میں ۱۱۶۶ھ/۳-۱۷۵۲ء میں فوت ہوگئے۔

حُسن۔ اقتدار الدولہ محتشم الملک مہدی علی خان بہادر ضیغم جنگ لکھنوی:

وہ مرزا امام الدین کے بیٹے اور نواب شجاع الدولہ بہادر کے پوتے اور سعادت خان نصیر کے شاگرد تھے۔ وہ صاحبِ دیوان ہیں جن کے چند شگفتہ اشعار کو محسن نے نقل کیا ہے۔

حسن۔ خواجہ۔ دہلوی:

خواجہ ابراہیم کے بیٹے غیاث الدین کے پوتے اور محمد شریف پسر ابراہیم کے پڑپوتے تھے۔ ان کو خواجہ کمہار مودودی یا حسن بھی کہتے ہیں۔ وہ سید حسینی تھے اور ان کے آباؤ اجداد دہلی کے قریب شاہ جہاں پور کی پہاڑیوں کے باشندے تھے۔

علی ابراہیم کے تذکرہ لکھنے سے چند سال قبل، حسن لکھنؤ چلے آئے تھے اور یہاں نواب سرفراز الدولہ حسن رضا خان بہادر کی ملازمت میں داخل ہوگئے تھے۔ لکھنؤ جانے سے پیشتر انھوں نے بریلی اور فیض آباد میں بھی قیام کیا تھا۔ مجھے ان کی تاریخ پیدائش یا وفات معلوم نہیں۔ مگر علی ابراہیم سے اس قدر معلوم ہوا ہے کہ وہ ۱۱۹۶ھ/۲-۱۷۸۱ء میں حیات تھے۔ وہ اقلیدس اور فنِ موسیقی میں کمال دسترس رکھتے تھے اور انھوں نے ان دونوں مضامین پر چند کتابیں بھی لکھی ہیں۔

اس کے علاوہ انھیں علمِ نجوم اور تصوف سے بھی کافی دلچسپی تھی۔ مصحفی کہتے ہیں کہ وہ صوفی درویش تھے۔

انھوں نے کہانیوں کو منظوم کر کے تصوف کے مضامین اور خاص طور پر وحدت الوجود کے عقیدے کو پیش کیا ہے۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جس کا تذکرہ نویسوں نے حوالہ دیا ہے اور جو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

جن دنوں انھوں نے شعر و سخن سے دلچسپی لینا شروع کی تھی وہ میاں جعفر علی حسرت اور قلندر بخش جرأت [جوان کے دوست بھی تھے] سے مشورے کرنے کے لیے اکثر ملا کرتے تھے۔ وہ بہت ہی زندہ دل اور نیک طبیعت واقع ہوئے تھے۔ انھیں تماشہ بینی کا بھی کافی شوق تھا اور وہ جادوگری اور شعبدہ بازی وغیرہ سے بہت دلچسپی رکھتے تھے۔ انھیں ایک مغنیہ لڑکی سے عشق ہو گیا تھا جس کا نام بخشی تھا۔ چنانچہ ان کی تمام غزلوں کے آخری شعر میں اس محبوبہ کا نام پایا جاتا ہے۔ محسن کا خیال ہے کہ اس محبت میں عشق حقیقی کا رنگ پایا جاتا ہے۔ شاید ان کے اشعار ذو معنی ہوتے تھے۔

حسن۔ میر غلام۔ یا میر حسن دہلوی:

ایک عظیم المرتبت ہندوستانی شاعر ہیں۔ ان کے والد میر غلام حسین ضاحک تھے اور ان کے دادا کا نام میر امام ہروی تھا جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ہرات کے رہنے والے تھے۔ وہ سید خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور ان کا آبائی وطن ہرات تھا۔ زمانے کی سختی کے باعث وہ ہرات سے ترکِ وطن کر کے پرانی دہلی چلے آئے اور یہیں میر حسن کی پیدائش ہوئی اور وہ پروان چڑھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے دادا نے مکۂ معظمہ کا حج کیا تھا اور وہ بہت ہی متقی اور پرہیز گار تھے مگر میر حسن کے والد ان کے بالکل برعکس تھے۔ میر حسن کے والد کو علم و ادب سے بڑی دلچسپی تھی اور فارسی زبان سے انھیں بڑا لگاؤ تھا جس میں انھوں نے شاعری بھی کی ہے۔

میں جس مصنف کے مضمون کا ترجمہ کر رہا ہوں ان کا بیان ہے کہ انھیں میر حسن کے والد کے چند غیر معمولی قصیدوں کو پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ ان کے تخلص سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بہت ہی زندہ دل شخص تھے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ انھوں نے غزلیں کہنا چھوڑ دیں کیوں کہ عام طور پر غزلوں میں تصوف کا رنگ پایا جاتا ہے۔ اس کے باوجود لوگوں کو ان پر کامل اعتماد تھا اور وہ متشرع مسلمانوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ ان کے سر پر عربوں کی طرح سبز عمامہ اور جسم پر ایک طویل عبا ہوتی تھی۔ ان کی ڈاڑھی زیادہ لمبی تھی اور وہ لبوں کے بال منڈایا کرتے تھے۔ قد و قامت کے لحاظ سے ان کا شمار اوسط قد کے لوگوں میں کیا جا سکتا تھا اور وہ گندمی رنگ رکھتے تھے۔

حسن ڈاڑھی منڈایا کرتے لیکن لباس میں وہ اپنے والد کی تقلید کرتے تھے البتہ اس قدر فرق ضرور تھا کہ وہ پرانے ہندوستانیوں کی وضع کا عمامہ باندھا کرتے تھے۔ وہ طویل قد تھے اور ان کا سیاہ رنگ تھا۔ طبیعت میں خاص شگفتگی، مزاح اور زندہ دلی پائی جاتی تھی لیکن اس سے یہ اخذ کرنا صحیح نہیں ہوگا کہ وہ رکیک اور مذموم گفتار کو پسند کرتے تھے۔ اس کے برعکس انھیں فطرت کی طرف سے بہت ہی نیک و نرم طبیعت عطا ہوئی تھی۔ وہ ایک تبحر عالم تھے اور کسی شخص کو اس ممتاز ہستی سے کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ کم سنی ہی سے میر حسن نے شعر و سخن سے دلچسپی لینا اور شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔

میر حسن کو خواجہ میر درد کی صحبت میں رہنے کا اتفاق ہوا تھا اور غالباً اسی صحبت نے ان کے شعر و سخن کے ذوق کو اور بھی بہتر کر دیا تھا۔

حسن نے اپنے بچپن کے ایام کو دہلی میں گزارا۔ دہلی کی تباہی کے بعد حسن اور ان کے والد کو دہلی چھوڑنا پڑا اور وہاں سے ترک سکونت کر کے وہ فیض آباد [۲۳۴] آئے اور بعد میں لکھنؤ پہنچے جہاں میر حسن نے شہرت و مقبولیت حاصل کی۔ لکھنؤ میں حسن نے نواب سالار جنگ بہادر کی ملازمت اختیار کر لی تھی۔ اس کے بعد وہ نواب موصوف کے بڑے بیٹے شہزادہ مرزا نوازش علی خان بہادر صفدر جنگ سے منسلک ہو گئے۔ نوازش علی خان بہادر کو شعر و سخن سے اور اسی بنا پر شاعروں سے بھی بڑی دلچسپی تھی۔ چنانچہ میر حسن بھی ان کے دوست اور مصاحب ہو گئے۔ حسن عربی زبان سے بالکل نابلد تھے لیکن فارسی سے کسی حد تک واقفیت تھی اور انھوں نے اس زبان میں چند رباعیاں اور اشعار بھی لکھے ہیں لیکن ہندوستانی اشعار سے ان کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ضیاء الدین ضیا کو اپنا کلام دکھایا کرتے تھے۔ ضیا اس دور کے مسلّم الثبوت ہندوستانی شاعر تھے۔ میر حسن کی شاعری میں درد، سودا اور میر کے کلام کے رجحانات پائے جاتے ہیں اور ان کے انداز بیان میں غیر معمولی پاکیزگی اور لطافت ہے۔ ان کی زبان بہت ہی شگفتہ اور مرصّع ہے۔ وہ اپنی غزل، رباعی، مثنوی اور مرثیے کے لیے منفرد سمجھے جاتے ہیں لیکن جہاں تک قصیدہ گوئی کا تعلق ہے اس میں وہ زیادہ کامیاب نہیں ہوئے۔ انھوں نے ناز و عشوہ گری کی جو تصویر کھینچی ہے وہ بہت ہی مکمل اور پُراثر ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری خواتین اور بیگمات بہت زیادہ پسند کرتی ہیں۔ سنہ ۱۲۰۰ھ میں ذی الحجہ کے آخری حصے میں وہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور ۱۰ محرم سنہ ۱۲۰۱ھ [اکتوبر سنہ ۱۷۸۶ء] میں اس دارِ فانی سے رحلت کر کے خلدِ جاودانی کو روانہ ہو گئے۔ وفات کے وقت حسن کی عمر پچاس سال سے متجاوز ہو گئی تھی۔ وہ لکھنؤ میں مرزا قاسم علی خان کے باغ کے عقب میں مدفون ہیں۔ انھوں نے چار بیٹے چھوڑے اور وہ سب

سنہ ۱۸۰۳ء میں حیات تھے اور فیض آباد میں رہتے تھے۔ ان میں ان کے تین صاحبزادے شاعر واقع ہوئے تھے۔ ایک کا نام میر مستحسن خلیق اور دوسرے کا نام میر محسن تھا۔ یہ دونوں مرزا تقی کے پاس ملازم تھے۔ مرزا تقی بہو صاحبہ کے داماد تھے جو آصف الدولہ کی والدہ تھیں۔ تیسرے کا نام میر حسن تھا اور خلق تخلص کرتے تھے۔ آپ داراب علی خان انسپکٹر کے پاس ملازم تھے۔

خلق اور خلیق دونوں صاحب دیوان ہیں اور ان کا کلام میر حسن کے کلام سے کافی ملتا جلتا ہے۔ خلیق میاں مصحفی سے جو ایک ممتاز ہندوستانی شاعر ہیں اور جن کو میں نے اس کتاب میں بار بار نقل کیا ہے، اپنے اشعار پر اصلاح لیا کرتے تھے۔

میر حسن کی مندرجہ ذیل تصنیفات ہیں۔

۱۔ ایک دیوان جس میں تقریباً ۸ ہزار اشعار ہیں اور ہندوستانی شاعری کی مختلف بحروں میں لکھے گئے ہیں۔

۲۔ ان اردو مصنفین کے متعلق ایک تذکرہ لکھا ہے جن کا کلام خاصا مشہور ہے۔ اس تذکرے کی خصوصیت ہے کہ اس کو ریختہ میں شاعرانہ طرز میں لکھا گیا ہے۔

۳۔ ''سحر البیان'' جو ایک مثنوی ہے۔ اس کتاب کا نام بہت ہی مناسب اور حسب حقیقت ہے۔ اس میں بے نظیر اور بدر منیر کی محبت کی داستان کو منظوم کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اس کا ہر مصرع بے نظیر اور اس کا ہر شعر بدر منیر ہے۔ یہ مثنوی کلکتہ میں سنہ ۱۸۰۵ء میں چھپی ہے اس مثنوی کو نثر میں بھی منتقل کیا گیا ہے اور اس کا نام ''نثر بے نظیر'' ہے۔ موخر الذکر کتاب کا ذکر حسینی [بہادر علی حسینی] کے ضمن میں آئے گا۔

''سحر البیان'' میر حسن کی سب سے اہم تصنیف ہے۔ اس کتاب میں ہندوستانی باشندوں کی زندگی کے متعلق بہت ہی دلچسپ تفصیلات درج ہیں اس کے علاوہ خواتین کے آرائشِ جمال کے طریقے، رقاصوں کے ناچ اور مسلمانوں کی شادیوں کی رسومات کو بڑی خوبی سے پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں شادیوں کے موقعے پر مسلمانوں کی رسومات کی جو تفصیل درج ہے وہ Mackenzie کی *Transactions of the Royal Asiatic Society* جلد ۳ صفحہ ۱۲ اور بیگم میر حسن کی *Observations on the Musulmans of India* کی جلد نمبر ۱، صفحہ ۳۵ کے بیانات ملتی جلتی ہے۔

اس کتاب میں جو داستان درج ہے اس کا بے نظیر کی اس کہانی سے کوئی تعلق نہیں جس کا ذکر Gauthierd' Arc نے اپنی کتاب *Mille et une Nuits* میں کیا ہے۔

''سحر البیان'' کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے ہیں ایک بدر منیر کے نام سے دہلی میں سنہ ۱۸۵۰ء میں چھپا ہے۔ دوسرا میرٹھ سے مثنوی میر حسن کے نام سے سنہ ۱۸۵۰ء میں شائع ہوا اور ایک تیسرا ایڈیشن آگرہ سے سنہ ۱۸۶۳ میں دیوناگری رسم الخط میں نکلا ہے۔

محسن نے دو اور مثنویوں کا ذکر کیا ہے۔ غالباً ایک کا نام ''گلزار ارم'' ہے جس سے میں چند اقتباس میں اس کتاب میں نقل کروں گا۔

''مجمع الانتخاب'' کے مصنف کمال نے میر حسن کو اکثر نواب سالار جنگ کے پاس لکھنؤ میں دیکھا ہے اور انھوں نے اپنے تذکرے میں ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں جن میں ایک ترکیب بند، ایک مخمس اور دو مثنویاں ہیں۔ بد قسمتی سے ان مثنویوں کا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ وہ کافی فحش انداز میں لکھی گئی ہیں۔ حیرت کا مقام ہے کہ اس مصنف نے ایک نہایت ہی روح پرور دعا لکھی ہے جس کو میں نے اپنی کتاب Aventures de Kamrup میں نقل کیا ہے۔ اسلام میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ زہد و تقویٰ کے ساتھ ساتھ فحاشی اور زناکاری بھی زندگی کا ایک رخ بن گئی ہے۔

سودا نے میر حسن کے والد ضاحک پر متعدد ہجویں لکھی ہیں جنھیں کمال نے اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے۔ موتی محل لکھنؤ کے کتب خانے میں میر حسن کے دیوان کا ایک خوبصورت نسخہ موجود ہے اس میں ۴۶۸ صفحات ہیں اور قصیدے، غزل اور دوسری اصنافِ شاعری پر مشتمل اشعار ہیں۔

حسن مصحفی کے دوست تھے۔ مصحفی نے ان کے اشعار کو اپنے تذکرے کے متعدد صفحات میں درج کیا ہے۔ جن دنوں ابراہیم اپنا تذکرۂ گلزار ۱۱۹۶ھ [۲-۱۷۸۱ء] میں لکھ رہے تھے تو حسن نے لکھنؤ سے بنارس ان کے پاس اپنے کلام کے متعدد نمونے بھیجے تھے جنھیں ابراہیم نے اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے۔ میر حسن نے لکھنؤ کی ہجو اور فیض آباد کی تعریف میں ایک مثنوی لکھی ہے جس کا نام مثنوی در تعریفِ فیض آباد و ہجو لکھنو ہے جسے میں ذیل میں نقل کر رہا ہوں۔

نوٹ:۔ اس نام کی کوئی مثنوی نہیں ہے۔ تعریف فیض آباد اور ہجو لکھنؤ دراصل ''گلزار ارم'' کے اجزا ہیں ملاحظہ ہو مکتوبات میر حسن مرتبہ عبدالباری، مطبوعہ نول کشور پریس لکھنو (مترجم)

بنی نرائن نے اس مشہور شاعر کی چند غزلیں اور ایک واسوخت نقل کیا ہے اور منو لال نے بھی انھیں اپنے گلدستہ میں جگہ دی ہے۔

مذکورہ بالا شاعر کے علاوہ دو دیگر میر حسن بھی ہیں۔ ایک عشقی کے دوست ہیں اور دسرے ذکا کے

دوست اور سید محمد بخاری کے صاحبزادے میر حسن شاہ دہلی کے دوست ہیں۔

حسن ۔ میر محمد ۔ دہلوی:

وہ سودا کے شاگرد تھے اور میر کے مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ تذکرہ نویسوں کا خیال ہے کہ وہ ایک دوسرے محمد حسن سے مختلف شاعر ہیں لیکن علی ابراہیم کو اس سے اتفاق نہیں۔ میر تقی کے تذکرے میں میر حسن پر مضمون کے علاوہ ایک دوسرا مضمون حسن کے متعلق درج ہے۔ انھوں نے اس شاعر کا صرف ایک شعر نقل کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مختلف تذکروں میں حسن کا بیان بڑا مبہم اور غیر واضح ہے۔

حسن ۔ حافظ ابوالحسن ۔ دہلوی:

یہ ہمعصر اردو شاعر مولوی الٰہی بخش نشاط کے بیٹے اور مولوی میر الحسن کے والد ہیں ۔ انھوں نے چند رسالے اور دو مثنویاں لکھی ہیں۔ ان میں سے ایک مثنوی کا نام ''گلزارِ ابراہیمی'' ہے لیکن اس کا تذکرۂ ''گلزارِ ابراہیمی'' سے کوئی تعلق نہیں ۔ اس کا موضوع حضرت ابراہیم ادھم مشہور بزرگ کے صوفیانہ قصے سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسری مثنوی ''بحرِ حقیقت'' ہے جو سرور کے مطابق سنہ ۱۸۴۹ء میں لکھی گئی ہے جب کہ ان کی عمر ستر سال کی تھی۔

حسن ۔ میر غلام حسن:

وہ پٹنہ کے رہنے والے بھوجو اور عشقی کے شاگرد تھے۔ عشقی کہتے ہیں کہ ان کا انتقال ۱۲۰۶ھ/۲-۱۷۹۱ء میں ہوا۔ حسن خاص طور پر مرثیہ لکھتے تھے۔ غالباً یہ وہی حسن ہیں جن کا ذکر کمال کے ''مجمع الانتخاب'' میں کیا گیا ہے۔

حسن ۔ مرزا محمد حسن یا مرزا احسن:

وہ نواب سیف الدولہ سید رضی خان کے بیٹے ہیں ۔ وہ ایک اچھے ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر شیفتہ نے کیا ہے۔

حسن ۔ مولوی حسن علی خان ۔ کشمیری:

وہ دہلی کالج میں پروفیسر ہیں اور وہ حسب ذیل کتابوں کے مترجم ہیں:

۱۔ ''قانونِ مال'' یہ Boutros کی انگریزی کتاب *Principles of Public Revenue with an abstract of the revenue laws* کا اردو ترجمہ ہے جو دہلی سے ۱۸۴۵ء میں چھوٹی تقطیع پر ۲۵۲ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

۲۔ ''گلستان''۔ یہ کتاب سعدی کی ''گلستان'' کا اردو ترجمہ ہے اور اس کے کئی ایڈیشن نکلے ہیں۔

۳۔ ''الف لیلہ''

۴۔ ''کرۂ ارض''۔ یہ جغرافیے کا ایک رسالہ ہے۔

۵۔ ''میزان الطب''۔ یہ کتاب محمد اکبر کی فارسی کتاب کا اردو ترجمہ ہے اور دہلی سے ۱۸۵۲ء میں شائع ہوئی۔ حسن کی سب کتابیں مطبع الاسلام کے پریس سے چھپی ہیں۔

حسن۔ جمال الدین:

وہ مین پوری کے ڈپٹی کلکٹر ہیں۔ انھوں نے ''حالتِ دیہات'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں زمینداری اور پٹے داری کے اصول و قواعد سے بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب آگرہ سے ۱۸۵۰ء میں شائع ہوئی ہے۔

حسن۔ حافظ محمد:

غلام امام لکھنوی کی مولود نام کے آخر میں انھوں نے ایک نعتیہ قصیدہ لکھا ہے۔ [۱۲۸۱ھ/۱۸۶۴ء]

حسن۔ اقتدار الدولہ مہدی علی خان بہادر ضیغم جنگ لکھنوی:

وہ مرزا امام الدین حیدر کے بیٹے اور سعادت خان ناصر کے شاگرد تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کے چند اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

حسن۔ نواب مرزا حسین:

وہ آغا حیدر نیشاپوری کے بیٹے اور محمد بخش کے شاگرد تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کے اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔

حسن۔ سیّد محمد۔ لکھنوی:

وہ میر حسین کے بیٹے میر یحییٰ کے پوتے اور خواجہ وزیر کے شاگرد تھے انھوں نے ایک دیوان مرتب کیا ہے جس کی چند غزلیں محسن نے نقل کی ہیں۔

حسن۔ احمد:

وہ لکھنؤ کے قریب موضع موہان کے رہنے والے ہیں۔ ان کے والد سعادت علی اور ان کے استاد رشک تھے۔ جن دنوں محسن اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے وہ طالب علم تھے۔ وہ شعر و سخن سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے اور ان کی ایک غزل ''سراپا سخن'' میں موجود ہے۔

حسن علی خان کرمانی:

وہ ایک تاریخی نظم کے مصنف ہیں جو ''فتح نامہ ٹیپو سلطان'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں کرناٹک کی فتح اور ٹیپو اور نظام علی خان اور ٹیپو اور مرہٹوں کی جنگ کے حالات ہیں۔ ایسٹ انڈیا آفس کے کتب خانے میں اس کتاب کا ایک نسخہ موجود ہے۔ جس کا نمبر Leyden کی فہرست میں ۱۴۹ ہے۔

یہ ایک مثنوی ہے اور اس کا انگریزی میں کرنل W. Mills نے ترجمہ کیا ہے۔ انگریزی ترجمے کا عنوان *History of the reign of Tippu Sultan* ہے۔ یہ کتاب لندن سے ۱۸۴۴ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی ہے۔

حسن علی خان۔ محمد:

وہ ۱۸۴۴ء میں دہلی کالج میں پروفیسر تھے اور انھوں نے ''الف لیلہ'' کو عربی سے اردو میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے۔

حسن رضوی۔ میر۔ لکھنوی:

انھوں نے مولوی اوحد الدین احمد کی لغت ''نفائس اللغات'' کا ایک خلاصہ لکھا ہے جو ''انفاس النفائس'' کے نام سے ہے۔ یہ لغت احمد کی کتاب کی طرح فارسی میں ہے اور لکھنؤ سے ۱۸۴۵ء میں چھوٹی تقطیع کے ۲۲۰ صفحات پر چھپی ہے۔

مولوی محبوب علی نے بھی اس کو ''منتخب النفائس'' کے نام سے شائع کیا ہے۔

حسنی۔ مرزا محمد لکھنوی:

مرزا حیدر علی کے بیٹے۔ وہ سفید دیو بھی کہلاتے ہیں۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے۔ جس کے کچھ اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

حسیب:

یہ ہندوستانی شاعر حیدر آباد میں پیدا ہوئے اور میر عبدالولی عزلت کے استاد تھے۔ فتح علی حسینی نے ان کے دو اشعار اور میر تقی نے آرزو سے حاصل کر کے ایک شعر نقل کیا ہے۔

حسین۔ محمد حسین علی خان بہادر۔ لکھنوی:

وہ بادشاہی محل کے خواجہ سراؤں کے سردار اور دہلی کے آخری بادشاہ کے مشیر تھے۔ ان کے ایک دیوان کا حوالہ محسن نے دیا ہے۔

حسین ۔ منشی سید غلام حسین ۔ دہلوی:

وہ سید عبداللہ کے بیٹے تھے ۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو ابتدا میں عزیز تخلص کرتے تھے ۔ حسین میرٹھ میں رہتے تھے لیکن بعد میں کلکتہ تشریف لے گئے ۔ ممکن ہے کہ یہ وہی سید حسین ہوں جو ''دہلی اردو اخبار'' کے مدیر ہیں ۔ یہ اخبار دہلی اردو اخبار پریس سے نکلتا ہے اور اس میں زیادہ تر دوسرے اخباروں اور خاص طور پر ''دہلی گزٹ'' سے خبریں حاصل کر کے شائع کی جاتی ہیں جس سے اس اخبار کے منافع کو غریبوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے ۔

حسین ۔ نواب غلام حسین خان:

ان کا آبائی وطن افغانستان تھا لیکن وہ شاہجہاں پور میں رہتے تھے ۔ ان کے والد کا نام نواب محمد شیر داد خان تھا ۔ ہندوستانی تذکرہ نویسوں نے ان کے اخلاق و ذہنی اوصاف کی تعریف کی ہے ۔ اگر چہ حسین کو ریختہ شاعروں میں شمار کیا جاتا ہے لیکن انھوں نے زیادہ تر فارسی زبان میں شاعری کی ہے ۔ سرور اور محسن نے ان کے ہندوستانی اشعار کو اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے ۔

حسین ۔ احسن الدولہ محمد علی خان:

محسن نے اس ہندوستانی شاعر کا ذکر کیا ہے ۔

حسین ۔ حکیم تصدق حسین:

وہ نواب مرزا کے نام سے بھی مشہور ہیں ۔ ان کا ایک واسوخت ''مجموعۂ واسوخت'' دہلی [۱۸۴۹ء] میں شامل ہے ۔ انھوں نے ''بہارِ عشق'' کے نام سے ایک مثنوی بھی لکھی ہے جو کانپور سے ۱۲۶۸ھ/۲۔۱۸۵۱ء میں ۶۷ صفحات پر شائع ہوئی ۔

حسین ۔ سید:

وہ *Hindustanee Selections* کے ایڈیٹر ہیں جو Military Examiners Committee کے احکامات کے تحت مرتب کی گئی ۔ یہ کتاب مدراس سے ۱۸۴۹ء میں دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے ۔ پہلی جلد میں قاز و ہدہد کی کہانی ۴۷ صفحات میں درج ہے اور اسی جلد میں ''باغ و بہار'' کے چار درویشوں کی ایک دوسری کہانی بھی ۲۲۸ صفحات میں نقل کی گئی ہے ۔ دوسری جلد میں گل بکاؤلی کی کہانی کے دو تہائی حصے کو ۶۴ صفحات میں درج کیا گیا ہے ۔ یہ نہال چند کی تصنیف ہے جس کا میں نے فرانسیسی ترجمہ کیا ہے ۔ اس کتاب میں یہ کہانی تاج الملک اور گل بکاؤلی کی شادی پر ختم ہو جاتی ہے اور یہ زیادہ مناسب ہے کیوں کہ

شادی کے بعد جو واقعات لکھے گئے ہیں وہ تمام تر ہندو معاشرت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس دوسری جلد میں انھوں نے اکرام علی کے ''اخوان الصفا'' کو ۱۵۷ صفحات میں نقل کیا ہے۔ اس کتاب کا میں نے بھی ترجمہ کیا ہے اور Dowson اور Platts نے حال ہی میں انگریزی زبان میں منتقل کیا ہے۔ اس جلد میں شیر علی افسوس کی تالیف کردہ گلستان سے ۳۶ حکایات کو پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے آخر میں مولف [سید حسین] نے تکمیلِ کتاب پر اپنی ایک تاریخ درج کی ہے۔ اس کے علاوہ حکیم میر احمد حسین مسرت کی ایک تاریخ بھی اس موضوع پر کتاب میں شامل ہے۔

حسین علی۔ سید:

وہ دہلی کے سقوط سے پہلے دہلی کالج میں پروفیسر تھے۔ انھوں نے ''الف لیلہ'' کا اردو ترجمہ کیا ہے جو دہلی سے ۱۸۴۵ء میں شائع ہوا۔

حسین علی۔ رامپوری:

یہ ہندوستانی شاعر ہیں۔ جن دنوں سرور اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے وہ مرشد آباد میں رہتے تھے۔

حسین علی خان۔ مرزاپوری:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو دوسرے حسین علی سے مختلف ہیں۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

حسین بخش خان:

یہ ہندوستانی شاعر شیخ امیر بخش امیر کے والد ہیں۔ مکسلاور (Maxalawar) کے رہنے والے ہیں۔ انھوں نے جنگ نامہ کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی ہے۔

حسینی میر بہادر علی:

وہ اس صدی کے آغاز میں فورٹ ولیم کالج میں میر منشی تھے اور ہندوستان کے مشہور مصنف ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ میر تخلص کرتے تھے کیوں کہ افسوس نے اپنے ''گلستان'' کے ترجمے کے ضمیمے میں ان کو میر بہادر علی میر لکھا ہے۔ وہ مندرجہ ذیل کتابوں کے مولف و مصنف ہیں:

۱۔ ''نثر بے نظیر''۔ اس میں میر حسن کی مثنوی ''سحر البیان'' کو، جس میں بدر منیر اور شاہزادی سے نظیر کا قصہ نظم کیا گیا ہے، منتقل کیا گیا ہے۔ اس میں نثر و نظم دونوں شامل ہیں اور ۱۲۱۷ھ/۱۸۰۲ء میں گلکرسٹ کی سرپرستی میں کلکتہ سے یہ کتاب شائع ہوئی ہے۔ یہ میر شیر علی افسوس کی تصحیح شدہ ہے۔ ایک ایڈیشن ۱۸۰۲ء میں کلکتہ سے چھپنا شروع ہوا تھا لیکن صرف ۴۸ صفحات چھپ سکے جو کہ *Hindee Manual* میں

شامل کیے جانے والے تھے۔ دوسرا ایڈیشن چھوٹی تقطیع میں کلکتہ سے ۱۸۰۳ء میں شائع ہوا ہے۔ ایک اور ایڈیشن جس کی تصحیح N. Lees نے کی ہے، ۱۸۶۲ء میں چھوٹی تقطیع پر کلکتہ سے نکلا ہے۔ میرے کتب خانے میں ''نثرِ بے نظیر'' کا ایک مختلف نسخہ ہے جس میں چھوٹی تقطیع کے ۱۳۰ صفحات ہیں۔

۲۔ ''رسالہ قواعد ہندی یا اردو'': یہ کلکتہ سے چھپا ہے اور گلکرسٹ کی قواعد اردو کا خلاصہ ہے۔ افسوس نے گلستان کے اردو ترجمے کے آغاز میں اس کتاب کا ایک اقتباس نقل کیا ہے۔ اردو اور فارسی زبان میں اردو کی متعدد قواعد ہیں جن کا ذکر کسی دوسری جگہ کیا جائے گا۔ مسٹر Forbes کے پاس ایک اردو قواعد تھی جس کا نام *A Treatise on Urdu Grammar* ہے اور جس کا نمبر فہرست میں ۹۲ تھا۔ اس کتاب کے مصنف کا نام نہیں ملتا۔

۳۔ ''اخلاق ہندی''۔ یہ کتاب ''ہتوپدیش'' کا اُردو ترجمہ ہے اور نواب بہادر شاہ نصیر الدین کے حکم سے فارسی کی کتاب ''مفرح القلوب'' سے ۱۲۱۷ھ/۱۸۰۲ء میں کیا گیا ہے۔ حسینی کے بعض نسخوں کا عنوان بھی ''مفرح القلوب'' میں ہے۔ اور اسی نام کے چند نسخے ایسٹ انڈیا آفس اور برٹش میوزیم کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ حسینی کا یہ ترجمہ ۱۸۰۳ء میں کلکتہ سے پہلے پہل شائع ہوا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن مدراس سے ۱۸۰۲ء میں چھپا تھا اور اس کے بعد لندن سے ۱۸۲۸ء میں S. Arnot کا ایڈیشن نکلا۔ ایک بمبئی سے ۱۸۲۵ء میں بھی چھپا ہے جس میں ۳۴۲ صفحات ہیں۔ سید عبداللہ نے ایک ایڈیشن حاشیے کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اسی ترجمے کا ایک اقتباس ترینی چون متر اور W. Price کی کتاب *Hindee and Hindustanee Selections* میں شامل ہے۔

اس کتاب کے متعدد اردو ترجمے ہیں۔ D. Forbes کے پاس ایک قلمی نسخہ تھا جو میر بہادر علی کے ترجمے سے مختلف تھا۔ اس میں لفظ بہ لفظ ترجمہ کیا گیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ بنگال میں لکھا گیا ہے۔ بدقسمتی سے اس پر مصنف کا نام نہیں دیا ہوا ہے۔ یہ کتاب چھوٹی تقطیع پر ۲۵۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

۴۔ ''ترجمہ تاریخِ آسام''۔ حسینی نے ۱۸۰۵ء میں مستشرق H. T. Cole Brooke کے ایما پر اس کا ترجمہ کیا ہے۔ اصلی کتاب بہ عہدِ اورنگ زیب ولی احمد شہاب الدین تالش نے لکھی ہے۔ فارسی کتاب کا نام ''تاریخ ملک آسام'' ہے اور میرا خیال ہے کہ اس کا مصنف مسیح الدین ہے۔ یہ ترجمہ حسینی کی بڑی اہم کتاب ہے۔ میرے پاس اس کا ایک نسخہ ہے جو ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے سکریٹری J.Princef نے مجھے دیا تھا۔ یہ فورٹ ولیم کالج کے ایک نسخے سے نقل کرایا گیا تھا۔ Wilson نے Calcutta

Magazine میں اس کی وضاحت پر ایک مضمون شائع کیا ہے۔ اور Th. Pavie نے فرانسیسی میں اس کو ترجمہ کیا ہے۔

حسینی نے مندرجہ ذیل کتابوں کی ترتیب میں مدد دی ہے:

۱۔ *Oriental Fabulist*۔ یہ کتاب دلچسپ اور دوسرے مصنفین کی کہانیوں کا اردو ترجمہ ہے جس کو Dr. Gilchrist نے شائع کیا۔

۲۔ قرآن کا ایک ہندوستانی ترجمہ بھی کاظم علی جوان کی مدد سے کیا ہے۔

حسینی سید عبداللہ کے والد ہیں جنھوں نے عبدالقادر کے اردو ترجمۂ قرآن کو ۱۸۲۹ میں کلکتہ سے شائع کیا ہے۔

حسینی۔ حکیم میر حسین:

وہ ایک اچھے شاعر اور ادب کے عالم تھے۔ بجو نامی ایک رقاصہ ان پر فریفتہ ہوگئی۔ یہ رقاصہ اس زمانے کی تمام رقاصاؤں سے بلحاظِ فنِ رقص اور حسن ممتاز تھی لیکن چونکہ حسینی ایک مذہبی آدمی تھے اور ان کا تعلق محمد فخر الدین کے سلسلے سے تھا اس لیے وہ اس محبت سے متاثر نہیں ہوئے۔ وہ ایک اچھے خوش نویس تھے اور خطِ شکستہ وشفیعہ کی نسبت نستعلیق تحریر میں ماہر تھے جو کہ اردو کی بہترین طرزِ تحریر شمار کی جاتی ہے۔ وہ اچھے موسیقار بھی تھے اور اس فن میں وہ نورنگ کلاونت کے شاگرد تھے۔ وہ علم طب کے بھی ماہر تھے اور قاسم کا تذکرہ مکمل نہ ہونے پایا تھا کہ انتقال کر گئے۔

حسینی۔ منشی:

انگریز انھیں ماسٹر حسینی کہتے تھے۔ دہلی کے زوال سے پہلے وہ دہلی کالج میں پروفیسر تھے۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ۴۰ سال کی تھی اور وہ اپنے علم اور ذہانت کے لیے بہت مشہور تھے۔ انھوں نے اردو میں متعدد ترجمے کیے ہیں۔

۱۔ ''تاریخِ مغلیہ''۔ نور محمد کے ساتھ انھوں نے اس کتاب کا ترجمہ کیا۔ یہ کتاب دہلی سے کئی مرتبہ شائع ہوئی ہے اور اس کا ایک نسخہ امپریل پیلس کے کتب خانے میں تھا۔ میرا خیال ہے کہ یہ اس تاریخ ہندوستان کا ترجمہ ہے جس کا نام: *A History of India from Ancient Time to to the present date.* ہے۔ یہ کتاب دہلی سے ۱۸۴۵ء میں چھپی ہے۔

۲۔ ''تاریخِ ایران''۔ یہ کتاب *Couder's Modern Traveller* یا *Selections from the*

Records کے مطابق Edinburg Cabinet library آگرہ ۱۸۵۵ء صفحہ ۴۳۶ کی مدد سے تیار کی گئی ہے۔ ۱۸۴۵ء میں یہ کتاب چھوٹی تقطیع پر دہلی سے منجانب ورنا کیولر ٹرانسلیشن سوسائٹی چھپی ہے۔

۳۔ ''تاریخِ بنگال''۔ یہ انگریزی کتاب نور محمد کی مدد سے انگریزی کتاب History of Bengal سے ترجمہ کی گئی ہے۔

۴۔ ''شرع شریف''۔ یہ Sir Williams Mac Naghten کی انگریزی کتاب *Principles of Mohammadan Law* کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب دہلی سے ۱۸۴۵ء میں چھوٹی تقطیع پر چھپی ہے۔ اس کے دو ایڈیشن ہیں۔

۵۔ ''قانونِ فوجداری محمدی''۔ یہ Mac Naghten کی انگریزی کتاب *Muhammadan Criminal Laws of Jurisprudence* کا ترجمہ ہے اور ۱۸۴۵ء میں دہلی سے چھپی ہے۔

۶۔ ''قوانین وراثت محمدی''۔ یہ کتاب Mac Naghten کی کتاب *Principles of Mohammadan Law of Inheritance* کا اردو ترجمہ ہے اور دہلی سے چھپی ہے۔ مسئلہ وراثت بڑا الجھا ہوا ہے اور اس موضوع پر کئی کتابیں لکھی گئی ہیں۔

۷۔ ''خلاصہ قانونِ دیوانی کا یا خلاصہ قوانین دیوانی''۔ *Princep's Abstract of Civil Law.* دہلی سے ۱۸۴۵ء میں چھوٹی تقطیع کے ۱۷۵ صفحات پر چھپی ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ وہی کتاب جس کا ذکر J. Dowson کی فہرست میں *Princep's Abstract of the Regulations* کے نام سے کیا گیا ہے۔

۸۔ ''خلاصہ قانونِ فوجداری یا قانون فوجداری''۔ مطبع العلوم دہلی کی فہرست میں اس کا ذکر دوسرے نمبر پر کیا گیا ہے۔ یہ کتاب Skifwith کی کتاب کا ترجمہ ہے اور دہلی کے مجسٹریٹ اور کلکٹر مسٹر Ch. Grant کی فرمائش پر لکھی گئی ہے۔ میرا خیال ہے یہ وہی کتاب ہے جو ''قانونِ فوجداری'' کے نام سے مطبع مصدرالنوادر دہلی سے سنہ 1851 میں چھپی ہے۔ اس کتاب کا ذکر Friend of India فروری ۱۸۵۳ء میں کیا گیا ہے۔

۹۔ ''قواعدِ حسینی یا قواعدِ فارسی''۔ یہ اردو میں فارسی زبان کی قواعد ہے۔ جو سنہ ۱۸۶۵ء میں کلکتہ سے چھپی ہے۔

کریم کا بیان ہے کہ حسینی اپنے کام کے بوجھ سے نجات پانے کے لیے فاختہ اور بلبل پالنے کا شغل رکھتے تھے۔ یہ پرندے انھیں بہت پسند تھے۔

حسینی۔ مولوی حسین علی:

وہ کرنال کے رہنے والے تھے۔ انھیں ہندوستانی شعرا میں شمار کیا جاتا ہے۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

حشم۔ ہری شنکر پرشاد:

انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جو بنارس سے چھوٹی تقطیع کے ۳۸ صفحات پر شائع ہوا۔

حشمت۔ مرزا فجر الدین:

وہ تیموریہ خاندان کے شاہزادے تھے اور اردو زبان میں شعر کہتے تھے۔ ۱۰ شعبان مطابق ۲۳ اگست ۱۸۴۵ء میں حشمت نے اپنا کلام کریم کی ایک مجلسِ مشاعرہ میں پڑھا تھا جس کے چند اقتباسات کریم نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔ ان دنوں حشمت کی عمر تقریباً چالیس سال کی تھی۔

حشمت۔ میر محمد علی خان۔ کشمیری:

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ میر عبدالحیٔ تاباں کے دوست تھے اور بعض کا خیال ہے کہ وہ میر عبدالحیٔ کے استاد تھے۔ وہ اپنی شاعرانہ صلاحیتوں اور بہادری کے لیے مشہور تھے۔ وہ قطب الدین خان کے ساتھ مراد آباد تشریف لے گئے جہاں اول آلذکر محمد علی خان روہیلہ کے خلاف برسرِ جنگ تھے۔ حشمت کا انتقال بھی اس جنگ کے دوران میں ہوا۔ وہ ہندوستانی شاعری میں بڑی قدرت رکھتے تھے۔ یہ تمام تفصیلات علی ابراہیم سے معلوم ہوئی ہیں جنھوں نے ان کے دو اشعار بھی نقل کیے ہیں۔ یہ دو اشعار میر کے تذکرے میں بھی پائے جاتے ہیں۔ میر کا خیال ہے کہ حشمت غنی قبول کے شاگرد تھے۔ وہ دوسروں سے اشعار میں گفتگو کرتے تھے جس میں انھیں بڑی مہارت حاصل تھی۔ انھوں نے ایک دیوان یادگار چھوڑا ہے۔ محسن نے اس دیوان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ ان کا انتقال مراد آباد میں ۱۱۵۸ھ/۶-۱۷۴۵ء میں ہوا ہے۔ ان کے شاگردوں کی بڑی تعداد ہے جن میں ایک محتشم علی خان تھے جو خود حشمت تخلص کرتے تھے۔

حضور۔ شیخ غلام یحیٰ مرحوم:

کریم کے مطابق ان کا نام غلام بخش ہے لیکن اسپرنگران کو غلام یحیٰ کہتے ہیں۔ وہ بہار کے مرکزی شہر عظیم آباد [پٹنہ] کے ایک بہت ہی ممتاز شاعر ہیں۔ انھیں شعر و سخن کا مذاق فطرت کی طرف سے عطا ہوا تھا۔

چنانچہ ان کی شاعری کسی استاد کی اصلاح کی مرہونِ منت نہ تھی۔ اپنی کم سنی میں انھوں نے عربی قواعد کی تعلیم اپنے چچا مولوی محمد باقر سے حاصل کی تھی۔ جن دنوں علی ابراہیم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے، وہ بہت ہی کم عمر تھے اور تجارت کا مشغلہ رکھتے تھے۔ علی ابراہیم ان کے گہرے دوست تھے۔ چنانچہ حضور نے اپنے اشعار کے چند صفحات علی ابراہیم کو روانہ کیے تھے تاکہ ان کے تذکرے میں شامل ہوسکیں۔ حضور نے اپنے اشعار کے علاوہ ایک دیوان تصنیف کیا ہے اور درگاہِ شاہ اوزان پر، جو عظیم آباد میں واقع ہے، ایک مثنوی بھی لکھی ہے۔ علی ابراہیم نے گلزار میں اس مثنوی سے چند اشعار نقل کیے ہیں جنھیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ حضور کا پٹنہ میں انتقال ہوا۔

نوٹ: ملاحظہ ہو ''گلزارِ ابراہیم'' بہ شمول ''گلشنِ ہند'' مرتبہ عبداللہ خان مطبوعہ دارالان پنجاب۔

حضور۔ لالہ بالمکند۔ دہلوی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو اٹھارھویں صدی کے آخری دور میں تھے۔ آپ میر درد کے شاگرد تھے۔ حضور پرانے طرز میں اشعار کہتے تھے اور مشاعروں اور ادبی مجالس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جس کے چند اشعار تذکرہ نویسوں نے نقل کیے ہیں۔ وہ ہندو تھے اور کائستھ ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ جب کہ محسن کہتے ہیں کہ وہ کھشتری تھے۔ حضور کو عربی زبان میں بڑی دستگاہ حاصل تھی۔ یہ حضور کے لیے نہایت ہی نادر بات ہے کیوں کہ عربی زبان سے خود ہندوستانی مسلمان بھی بہت کم واقف تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضور مذہب اسلام کو بڑی قدر و عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

حضور۔ منشی میاں عبدالبصیر:

محسن کہتے ہیں کہ وہ ایک بے نظیر شاعر تھے ان کے والد کا نام مولوی عبدالغنی تھا۔ حضور بلگرام میں پیدا ہوئے تھے لیکن دہلی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہ میر وزیر صبا کے شاگرد تھے۔ محسن نے ان کی متعدد غزلوں کو نقل کیا ہے۔

حضور۔ مولوی مظہر علی:

وہ ایک عظیم المرتبت فلسفی اور کیمیا گر تھے۔ جہانگیر آباد میں رہتے تھے۔ محسن نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

حفیظ احمد خان:

وہ خاور نور کے مطبع کے منتظم اور ''نیّرِ راجستھان'' نامی اردو اخبار کے مدیر ہیں جس کو محمد سلیم اللہ لکھتے ہیں۔ یہ اخبار سنہ ۱۸۶۶ء سے ۸ صفحوں میں نکلتا ہے ہر صفحے میں دو کالم ہوتے ہیں۔

حکم چند۔ منشی:

وہ امرتسر میں تحصیلدار تھے۔ ان کی مندرجہ ذیل تصنیفات ہیں۔

۱۔ ''دستور العمل انفصال مقدمات سرسری محکمۂ مال'' وغیرہ۔ اس کتاب کو R.Cust نے لکھنؤ سے سنہ ۱۸۵۹ء میں چھوٹی تقطیع پر ۲۴ صفحات میں شائع کیا ہے۔

۲۔ ''دستور العمل''۔ یہ کتاب لاہور سے سنہ ۱۸۶۱ء میں چھوٹی تقطیع پر ۸۹ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

۳۔ ''سرکلرات فنانشل ڈپارٹمنٹ پنجاب''۔ یہ کتاب مسٹر R. Cust کی کتاب سے مرتب کی گئی ہے اور لاہور سے سنہ ۱۸۶۰ء میں چھوٹی تقطیع پر ۴۸ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔

۴۔ ''منتخب فہرستِ سرکلرات ریو'' جو لاہور سے سنہ ۱۸۶۱ء میں شائع ہوئی ہے۔

حکم۔ نہال الدین:

وہ لکھنؤ میں کاکوری کے مقام پر پیدا ہوئے تھے اور آگرہ کی عدالت میں سررشتہ دار تھے۔ باطن نے ان کا ذکر کیا ہے اور محسن نے ان کے اشعار کا ایک نمونہ اپنے تذکرے میں پیش کیا ہے۔

حکومت رائے:

وہ ایک مشہور طبیب تھے اور کائستھ ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے متعدد دوہے گیت اور دوسرے کلام ہندی زبان میں لکھے ہیں۔ وہ صوبہ دہلی میں آریاباد کے مقام پر رہتے تھے۔ میرے پاس اس کی ایک مثنوی کا نسخہ ہے جس کا نام ''دلفروز'' ہے۔ یہ ایک قلمی نسخہ ہے جو سراویہ ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۷ء میں لکھا گیا تھا۔ یہ دراصل مجمعِ داستان کا ایک حصہ ہے۔ کیوں کہ اس کتاب میں دو دیگر فارسی تصنیفات بھی شامل ہیں۔

۱۔ ''عدو قصہ''۔ یہ ایک عشق و بہادری کے متعلق کہانی ہے جو نثر میں لکھی گئی ہے۔

۲۔ ''بہرام گور کی منظوم کہانی''۔

یہ قلمی نسخہ کچھ عرصے تک دہلی کے Fraser کے پاس تھا۔ انھوں نے ایران کی سیاحت کی تھی۔ اس کتاب میں ایک باب Fraser کی شان میں لکھا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت رائے ان سے واقف تھے اور غالباً ان کے یہاں منشی کی حیثیت سے ملازم تھے۔

حکیم۔ میر محمد علی۔ لکھنوی:

وہ حکیم میر احمد علی کے بیٹے تھے۔ اس ہندوستانی شاعر کے متعدد اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔ وہ محمد رضا برق کے شاگرد تھے۔

حکیم۔محمد ابراہیم۔لکھنوی:

وہ حکیم یعقوب کے بیٹے اور اصغر علی خان نسیم دہلوی کے شاگرد تھے وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کے چند اشعار سراپا سخن میں نقل کیے گئے ہیں۔

حاکم شاہ صاحب۔سیّد۔لاہوری:

انھوں نے چراغ شاہ کی شرکت میں ''دستور العمل امورات متعلقہ شادی وغمی'' کے نام سے ایک کتاب اردو زبان میں لکھی ہے جو لاہور سے ۱۸۶۸ء میں چھوٹی تقطیع کے ۱۶ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

حقیقت۔سیّد اور میر شاہ حسین خان:

وہ ''سراپا سخن'' کے مصنف محسن کے والد تھے۔ ان کے والد سیّد اور میر عرب شاہ اور ان کے استاد جرأت ہیں۔ ان کے آباو اجداد بلخ کے قریب خوست کے رہنے والے تھے۔وہ دہلی میں پیدا ہوئے لیکن شیفتہ کے بقول ان کی پیدائش بریلی میں ہوئی۔ جوانی ہی میں لکھنؤ گئے اور وہیں رہنے لگے۔ وہ جرأت کے ساتھ شعر وشاعری میں لگے رہتے تھے اور اکثر جرأت کے اشعار بھی نقل کرتے تھے کیوں کہ جرأت اندھے تھے۔امام بخش خان کشمیری نے ایک تذکرہ لکھتے وقت جرأت سے ایک آدمی اپنی امداد کے لیے چاہا تو انھوں نے حقیقت کا نام لیا لیکن امام بخش حقیقت سے زیادہ تر اپنے اس تذکرے کو نقل کرانے کا کام لیتے تھے جو انھوں نے مصحفی کی تقلید میں لکھا تھا۔

مصحفی کا بیان ہے کہ امام بخش نے ان سے وہ مواد عارضی طور پر مانگا تھا جو مصحفی نے اپنے کے تذکرے کے لیے بڑی محنت سے جمع کیا تھا لیکن امام بخش نے اپنی پسند اور ضرورت کے مطابق پورے پورے اقتباسات اور حالات اُڑا لیے۔ مصحفی نے حقیقت کے ذکر میں ان کے فریب اور مکاری کی بڑی مذمت کی ہے۔اس سلسلے میں انھوں نے فارسی کے شاعر نظامی کے مصرعے پر تضمین کرتے ہوئے ایک اردو قطعہ بھی لکھا ہے:

جانتے ہیں سب کہ مدّت سے یہاں   مصحفی کے تذکرے کا شور ہے
تذکرہ یہ جو حقیقت نے لکھا   بے حقیقت مصحفی کا چور ہے

''تذکرۂ ہندی'' ص ۸۷

حقیقت کی اردو تصانیف یہ ہیں:

۱۔ ''جذبِ عشق'': یہ کتاب نثر ونظم دونوں میں ہے اور اس میں موضع سری پرگنہ بندرابن کے اس واقعے کا ذکر ہے جو ۱۷۸۹ء میں رونما ہوا تھا اور جو خود حقیقت کی نظر سے گزرا تھا۔ میر حسین نے یہ کتاب

۱۸۱۱ھ/۷-۱۷۹۶ء میں لکھی ہے جس کا ایک قلمی نسخہ پہلے فورٹ ولیم کالج میں تھا اور اب کلکتہ کی ایشیا ٹک سوسائٹی میں ہے اور اس کتاب کا ایک نسخہ جو ۱۲۱۲ھ/۸-۱۷۹۷ء میں مصنف نے خود نقل کیا میرے پاس ہے۔ اس نسخے کی نقل کے وقت فتح گڑھ میں ڈاکٹر Henderson غالباً منشی تھے۔ یہ کاپی Robert Francis کو بطور تحفہ پیش کی گئی تھی۔ اس کتاب کے شروع میں حمد اور نعت کے بعد میر کی مشہور مثنوی ''شعلۂ عشق'' کا پہلا شعر دیا گیا ہے۔

۲۔ ''ہشت گلزار''۔ یہ ''قصہ بہرام گور'' کی ایک ریختہ مثنوی ہے جو ۱۲۲۵ھ/۱۱-۱۸۱۰ء میں لکھی گئی ہے اور کانپور کے مصطفائی پریس سے ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں ۱۰۸ صفحات ہیں۔

۳۔ حقیقت کے بیٹے کا بیان ہے کہ اس دیوان کے علاوہ جس کا ذکر محسن نے کیا ہے حقیقت نے آٹھ اور کتابیں لکھیں ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ ''تحفۂ العجم''، ۲۔ ''خزینۃ الامثال''، ۳۔ ''صنم گرچمن''

حقیقت ایک انگریز کے ساتھ منشی ہو کر چناپٹم [مدارس] چلے گئے جہاں انھوں نے وفات پائی اور مدفون ہوئے۔

حقیر۔ میر امام الدین دہلوی:

وہ میر گلو یا کلو کے نام سے بھی مشہور ہیں اور مدرسے میں معلمی کرتے تھے۔ میر محمدی قربان کے والد تھے۔ قاسم ان کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔ انھوں نے ان کے ۴۵ اشعار اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔ وہ خاص طور پر مرثیہ اور رباعی وغیرہ کہتے تھے۔

حقیر۔ منشی نبی بخش:

وہ حسین بخش بخشی دہلوی کے بیٹے تھے۔ ان کے آباو اجداد پنجاب کے رہنے والے تھے لیکن ایک صدی سے اس خاندان نے دہلی میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ جن دنوں باطن اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو وہ کول کی عدالت میں سررشتہ دار تھے۔

حقیر۔ شیو سہائے۔ میرٹھی:

وہ شاعر ہونے کے علاوہ موسیقار بھی تھے اور اوقات بسری کے لیے شادیوں اور دوسری اہم رسوم کے موقعے پر شعر کہا کرتے تھے۔ وہ روشن شاہ روشن دہلوی سے مشورۂ سخن کیا کرتے تھے۔ ذکا ان سے واقف تھے اور یہ تفصیلات بھی ذکا سے معلوم ہوئی ہیں جنھیں میں نے اسپرنگر کے توسط سے حاصل کیا ہے۔

حلم۔شاہزادہ مرزا محمد سعید الدین بہادر:

انھیں مرزا فیاض بھی کہتے ہیں۔ وہ بنارس کے رہنے والے تھے اور ان کے والد مرزا محمد ریاض الدین عرف مرزا محمد خان تھے۔ ان کے دادا مرزا خرم بخت بہادر تھے اور پڑ دادا کا نام جہاندار شاہ تھا جو شاہ عالم بادشاہ دہلی کے ولی عہد تھے اور امیر تیمور گورگانی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ حلم میر نواب کے شاگرد تھے اور ایک دیوان کے مصنف تھے۔ محسن نے ان کی ایک غزل کو اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے۔

حکیم۔محمد اشرف خان۔دہلوی:

وہ محمد شریف خان کے بیٹے تھے اور زر بخش کے نام سے بھی مشہور تھے۔ وہ اپنے والد کی طرح طبیب تھے اور ابتدا میں نثار اور بعد میں حکیم تخلص کرتے تھے۔ مصحفی کہتے ہیں کہ وہ دہلی میں حکیم سے ادبی مجالس میں ملا کرتے تھے۔ ان کے بقول حکیم بااخلاق آدمی تھے لیکن انھوں نے پُر جوش اور مغموم طبیعت پائی تھی کیوں کہ وہ بہت زیادہ سریع الحس واقع ہوئے تھے۔ وہ مصحفی کے ساتھ لکھنؤ بھی گئے تھے۔ علوم تاریخ، طب اور موسیقی میں مہارت رکھتے تھے۔ شاعری میں، انھیں میر درد سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ ان کے اشعار زیادہ تر عشقیہ ہوتے تھے۔ حکیم اپنے علم و تجربے اور ذاتی اوصاف کے لیے قابلِ قدر سمجھے جاتے ہیں۔ ان کا انتقال گلشنِ بے خار کی تصنیف سے پہلے ہو چکا تھا لیکن مصنف نے ان کا ذکر اس کتاب میں بڑے تحسین آمیز کلمات کے ساتھ کیا ہے۔ انھیں بادشاہِ وقت کی طرف سے مسیح الزمان کا خطاب ملا تھا کیوں کہ وہ مریضوں کا علاج بے نظیر کامیابی کے ساتھ کیا کرتے تھے۔

حمایت۔حیدرآبادی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر قاسم نے کیا ہے۔ وہ خاص طور پر اپنے قصیدوں کے لیے مشہور ہیں۔

حمزہ۔شاہ:

وہ دہلی میں پیدا ہوئے اور پٹنہ میں رہتے تھے جہاں ان کے کئی مرید ہیں۔ شیفتہ نے ان کا ذکر کیا ہے۔

حمزہ۔شیخ علی:

آپ اٹاوہ میں اسکول ماسٹر تھے۔ سرور نے ہندوستانی شعرا میں ان کا ذکر کیا ہے۔

حمید الدین۔سید۔بہاری:

انھوں نے ''خوانِ نعمت'' کے نام سے ایک کتاب نثر میں لکھی ہے جس کا ایک نسخہ بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی میں موجود ہے۔

حمید باری:

وہ ایک قدیم شاعر ہیں ان کا ذکر سرور نے کیا ہے۔

حمید۔ میر:

جن دنوں علی ابراہیم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے وہ لکھنؤ میں مقیم تھے اور میر نصیر کے مرید تھے۔ میر نصیر خواجہ باسط مرحوم کے جانشین تھے۔ حمید بہت سی خوبیوں کے مالک تھے اور مذہبی عقائد میں کافی رواداری اور آزاد خیالی کا ثبوت پیش کرتے تھے۔ وہ ہندوستانی شاعری سے گہری دلچسپی رکھتے تھے اور اس ضمن میں انھوں نے کافی شہرت حاصل کی ہے۔

حنا۔ عبدالکریم خان۔ لکھنوی:

وہ سرور خان کے بیٹے اور میر وزیر صبا کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جس کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔

حیا۔ مرزا رحیم الدین:

وہ مرزا کریم الدین رسا کے بیٹے ہیں اور ۱۸۰۷ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدا میں وہ اشعار پر اپنے والد سے اصلاح لیا کرتے تھے لیکن بعد میں میاں نصیر اور میاں ذوق کو اپنا کلام دکھانے لگے۔ انھوں نے بہت ہی اعلیٰ قسم کے اشعار کہے ہیں۔ شاہی خاندان کے کسی فرد کے اشعار میں حیا کی طرح زور اور تصویر کشی نہیں پائی جاتی وہ دہلی کو چھوڑ کر بنارس میں رہنے لگے تھے۔ جہاں بھی وہ قیام کرتے تھے ادبی مجالس میں ضرور شریک ہوتے اور شاگردوں کی ایک جماعت چھوڑ جاتے۔ وہ بنارس سے پھر دہلی واپس چلے آئے اور سنہ ۱۸۴۷ء میں شاہی محلات میں رہنے لگے۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا جس کے ۱۲ اشعار کو کریم نے نقل کیا ہے۔

حیات۔ حافظ محمد:

اسپرنگر ان کو حیا کہتے ہیں۔ وہ محمد شاہ کے دور کے ایک شاعر تھے اور ہندوستان کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب والد کی طرف سے چغتائی اور والدہ کی طرف سے رضویہ خاندان سے ملتا ہے۔ سرور کے بقول حیات اس دنیا کو ترک کر کے درویش ہوگئے تھے۔ وہ بہت ہی بلند اخلاق واقع ہوئے تھے اور علم وتجبر کے مالک تھے۔ وہ ہندوستانی میں شاعری کرتے تھے اور گرچہ انھوں نے متعدد لطیف اور موثر اشعار کہے ہیں لیکن ان کا کوئی دیوان نہیں ہے۔ انھیں دوبار حج بیت اللہ کا شرف حاصل ہوا اور ان کا انتقال بھی دوسرے حج کے موقع پر ہوا۔

حیات۔ محمد۔ مرحوم:

تذکرہ نگار انھیں حیات خان کہتے ہیں۔ انھیں نے اردو میں افغان اور افغان قبائل کی تاریخ لکھی ہے جو لاہور سے ۱۸۶۷ء میں ۷۰۰ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔ اس کا عنوان ''حیات افغانی'' ہے۔

حیات ۱۸۴۸ء میں سکھوں کے مقابلے میں مارے گئے اور ان کی ساری دولت و جائداد برباد ہوگئی اس لیے کہ انھوں نے برٹش حکومت سے وفاداری کا اظہار کیا تھا۔ ۱۸۵۷ء میں وہ جنرل Nicholson کے اے ڈی سی تھے اور جب Nicholson لڑائی میں مارے گئے تو محمد حیات خان نے ان کی لاش اٹھا کر الگ کی۔ ابیسینیا کی جنگ میں Sir. R. Napier کے اے ڈی سی کے طور پر ان کی سفارش کی گئی تھی اس کے بعد وہ کڑا میں ڈپٹی کمشنر ہوگئے تھے۔ نومبر ۱۸۶۸ء میں انجمن اشاعتِ علوم لاہور کے جلسے میں انھیں ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے ایک تمغہ انعام میں دیا گیا تھا اور ان کی سماجی خدمات کا عموماً اور کمپنی کی خدمات کا خصوصاً اعتراف کیا گیا تھا۔

حیات علی۔ سید شکوہ آبادی:

انھوں نے ایک کتاب ''رسالہ مولود شریف'' کے نام سے لکھی ہے جو آگرہ سے سنہ ۱۸۵۰ء میں شائع ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ وہی شخص ہیں جنھوں نے ''عشرۂ مبشرہ'' لکھی ہے جس میں دس چھوٹے رسائل مذہبی عقائد اور فقہ کے مضامین پر لکھے گئے ہیں۔ یہ کتاب چھوٹی تقطیع پر سنہ ۱۸۴۴ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں مصنف کو مولوی سید حیات صاحب لکھا گیا ہے۔

حیدر۔ غلام حیدر:

یہ اردو شاعر ہیں جن کا ذکر صرف ''گلزار ابراہیم'' میں کیا گیا ہے۔ ''گلزار ابراہیم'' کا جو قلمی نسخہ میرے پاس ہے، اس میں ان کو حیدری بتایا گیا ہے۔ ابراہیم نے ان کا ایک شعر نقل کیا ہے جس کا ترجمہ مبالغہ آمیزی کی وجہ سے ناممکن ہے۔ شاید غلام علی حیدری بھی یہی شخص ہیں۔

حیدر۔ میر حیدر شاہ دکنی:

ان کو حیدر مرثیہ گو بھی کہتے ہیں کیونکہ انھوں نے کئی مشہور مرثیے لکھے ہیں جو ایک انتخاب کی شکل میں جمع کر دیے گئے ہیں۔ ڈاکٹر اسپرنگر کے پاس اس کا خوبصورت نسخہ تھا۔ وہ ایک سپاہی اور شاعر دونوں حیثیتوں سے مشہور تھے۔ نواب شجاع الدین احمد خان شجاع الدولہ کے دورِ حکومت میں وہ دہلی سے بنگال چلے گئے جہاں وہ نواب علاؤ الدین سرفراز خان کے نواب زادے کے ملازم ہوگئے۔ وہ قدیم طرز پر شعر

کہتے تھے اور ان کا پڑھنے کا انداز ایسا دلکش تھا کہ سننے والوں کا مجمع لگ جاتا تھا۔ انھوں نے ولی دکنی کے دیوان کو مخمس کی شکل میں منتقل کیا ہے۔ اس میں حفیظ کی غزلیں بھی شامل کر لی ہیں۔ وہ جھولے کے گیت لکھنے کے لیے بہت مشہور تھے۔ وہ تقریباً سو سال زندہ رہے اور بہ عہد احمد شاہ پیر محمد شاہ ان کا بنگلی [بنگال] میں انتقال ہوا۔ میرے خیال میں وہ مثنوی دکنی موسوم ''قصہ چندر بدن اور مہیار'' کے مصنف ہیں جس کا ایک نسخہ لالہ چندولال ساکن حیدرآباد کے کتب خانے میں ہے۔ میرے پاس بھی خط نسخ میں اس کا ایک نسخہ ہے جو کئی مثنویوں کا انتخاب ہے اور اس کا عنوان ''حیدر'' ہے۔

حیدر۔ میر حیدر علی خان:

ان کا خاندان لاہور سے تعلق رکھتا تھا لیکن وہ پشاور میں پیدا ہوئے اور وہیں رہنے لگے۔ وہ مشہور صوفی بزرگ شیخ عبدالقادر جیلانی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جن کا ذکر میں نے اپنے *Memoire Surla Religion Musulmane dans l'Inde* میں کیا ہے۔ قاسم ان کے بڑے مداح ہیں اور انھوں نے ان کے کئی اشعار نقل کیے ہیں۔ محسن نے بھی ان کے اشعار نقل کیے ہیں اور ان کے بیان کے مطابق جس وقت وہ ''سراپا سخن'' مرتب کر رہے تھے حیدر فوت ہو چکے تھے۔

حیدر۔ حسام الدین:

وہ صاحب دیوان ہیں جن کا ایک نسخہ دہلی کالج کے کتب خانے میں موجود ہے۔

حیدر۔ سید کمال الدین، لکھنوی:

وہ ''رسالہ مقناطیس'' کے مترجم ہیں جو Library of Useful Knowledge سے نقل کیا گیا ہے۔ انھوں نے ''رسالہ آلات ریاضی'' کے نام سے بھی ایک کتاب ترجمہ کی تھی۔ یہ کتاب اس سے مختلف ہے جو اس نام سے Simson کی انگریزی کتاب سے ترجمہ ہوئی ہے۔ یہ دونوں کتابیں بڑی مقبول ہوئیں اور دہلی سے شائع ہوئیں۔ انھوں نے Paley's Natural Theology کا بھی اردو ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ لکھنؤ کی رسدگاہ کے ڈائریکٹر کرنل Wilcox کی ہدایت پر کیا گیا ہے جو کہ بقول V.Treguar ایک نامعقول کتاب ہے۔ اس کتاب کا عنوان ''خیالات الصنائع'' ہے۔ اس کے چند ایڈیشن ہیں اور ان میں سے ایک لکھنو سے ۱۸۴۸ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوا ہے۔

حیدر۔ مرزا حیدر بیگ، الہ آبادی:

قاسم، سرور اور محسن نے اپنے تذکروں میں ان کا ذکر کیا ہے۔

حیدر۔ میر حیدر علی:

وہ دہلی میں پیدا ہوئے اور فرخ آباد میں رہتے تھے۔ وہ پیشے کے لحاظ سے سپاہی تھے لیکن شعر و سخن سے دلچسپی رکھتے تھے۔ قاسم نے ان کا ذکر کیا ہے۔

حیدر۔ حیدر بخش جونپوری:

وہ نور الحق کے بیٹے ہیں۔ شورش کا بیان ہے کہ وہ ایک مسلمان عالم تھے اور ان کی کئی کتابیں ہیں جن میں سے ایک ساقی نامہ کے نام سے حضرت علی کی شان میں ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ فارسی کی ''تاریخ نادری'' کے اردو مترجم ہیں جن کا ذکر *General Catalogue* میں کیا گیا ہے۔

شاید یہ اور حیدری [حیدر بخش] ایک ہی شخص ہیں۔

حیدر۔ میر مراد علی:

وہ ایک دوسرے ہندوستانی شاعر ہیں لیکن ان کے متعلق میرے پاس کوئی تفصیل نہیں ہے۔

حیدر۔ امیر نواب دلیر الدولہ محمد علی خان بہادر فیروز جنگ:

وہ نواب اسد الدولہ رستم الملک مرزا محمد تقی خان بہادر فیل جنگ ترقی کے بیٹے تھے۔ وہ فیض آباد میں پیدا ہوئے اور لکھنؤ میں رہتے تھے لیکن ان کے آباؤ اجداد نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ وہ فتح الدولہ مرزا محمد رضا خان برق کے ایک ممتاز شاگرد تھے۔ وہ صاحب دیوان ہیں جن کے اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔

حیدر جنگ بہادر:

انھوں نے ہندوستانی زبان کی ایک ابتدائی قواعد لکھی ہے جس کا عنوان *"Key to Hindustani- Easy Method of acquiring Hindustani"* ہے۔ یہ کتاب لندن سے ۱۸۶۱ء میں شائع ہوئی ہے۔

حیدری، شیخ غلام علی، دہلوی:

انھیں شیخ جمعہ بھی کہتے ہیں۔ وہ نئے دور کے ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر علی ابراہیم نے کیا ہے اور ان کے چند اشعار کو انھوں نے اپنے تذکرے میں بھی درج کیا ہے۔ عشقی کا بیان ہے کہ وہ حسین آباد میں طبابت کرتے تھے۔ دہلی کی سیاسی تبدیلیوں اور پر آشوب دور کی وجہ سے وہ اس شہر کو چھوڑ کر پٹنہ تشریف لے گئے جہاں انھوں نے شاعر کی حیثیت سے بڑی شہرت حاصل کی۔

حیدری۔ منشی میر یا سید محمد حیدر بخش:

وہ ایک جدید پر گو اردو شاعر ہیں۔ حیدری ''طوطا کہانی'' کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ شعر و سخن کی

طرف ان کی توجہ گلزار ابراہیم کے مصنف علی ابراہیم خان نے دلائی جن کا انتقال ۱۸۰۱ء کے قریب ہو چکا تھا۔ مذہبی تعلیم انھوں نے مولوی غلام حسین غازی پوری سے حاصل کی۔ حیدری فورٹ ولیم کالج میں ملازم تھے۔ اسپرنگر کو مولوی غلام حیدر سے معلوم ہوا کہ ۱۸۲۸ء میں حیدری کی وفات ہوگئی تھی۔

بنی نراین جو کہ ۱۸۱۴ء میں اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے بیان کرتے ہیں کہ وہ حیدری کے دوست تھے۔ انھوں نے حیدری کا ایک مخمس اور گیارہ غزلیں نقل کی ہیں۔ ایک غزل اپنے اندازِ بیان اور وزن کی روانی کے لحاظ سے بڑی دلچسپ ہے اور اس ادبی خوبی کی وجہ سے اس کا ترجمہ بہت مشکل ہے۔

شاعری سے قطعِ نظر وہ حسبِ ذیل کتابوں کے مصنف ہیں:

۱۔ ''طوطا کہانی'' یہ فارسی کہانی طوطی نامہ کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ قصہ اس سے پہلے ضیاء الدین نخشبی نے آسان اسلوب میں لکھا تھا۔ بعد میں محمد قادری نے بھی آسان اور مختصر کر کے لکھا۔ اس آخری کتاب سے حیدری نے استفادہ کیا ہے لیکن حیدری کا طرزِ تحریر زیادہ واضح اور شگفتہ ہے۔ یہ نظم ونثر دونوں پر مشتمل ہے۔ بنیادی قصہ سنسکرت کی ''سنگھاسن بتیسی'' سے ماخوذ ہے۔

حیدری نے ۱۲۱۵ھ/۱۸۰۱ء میں ''طوطا کہانی'' لکھی اور یہ کتاب کئی مرتبہ کلکتہ سے چھوٹی اور بڑی تقطیع پر شائع ہوئی ہے۔ ۱۲۵۲ھ/۷-۱۸۳۶ء میں محمد فیض اللہ نے اس کا ایک ایڈیشن شائع کیا۔

Hindee Manual کے لیے اس کا ایک ایڈیشن مرتب کیا جا رہا تھا لیکن اس کے صرف ۴ صفحات شائع ہو سکے۔

اس کہانی کے کئی اور ہندوستانی ترجمے ہیں۔ فورٹ ولیم کالج میں اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ ہے جو ابتدائی کتاب کی نقل معلوم ہوتا ہے۔ ایک اور نسخہ نظام کے کتب خانے میں ہے، جو غالباً پہلے سے مختلف ہے اور یہ فارسی کی طرح ''طوطی نامہ'' سے موسوم ہے۔ Royal Library Berlin میں اردو کا ایک طوطی نامہ بھی موجود ہے۔

دہلی سے ۱۸۴۵ء میں ''حکایتِ سکھ بہ سکھ'' کے نام سے ''طوطی نامہ'' کا اردو ترجمہ شائع ہوا ہے۔ اس کا ایک اور ایڈیشن طوطا اتہاس کے عنوان سے لشکری بولی میں چھپا ہے [اس میں ۱۳۰ صفحات ہیں] لندن میں D. Forbes نے فرہنگ کے ساتھ اس کہانی کا ایک ایڈیشن شائع کیا ہے۔

۲۔ ''آرائش محفل''۔ یہ فارسی قصہ حاتم طائی کا اردو ترجمہ ہے جس کا ترجمہ Duncan Forbes نے انگریزی میں کیا ہے۔ حیدری نے ۱۲۱۶ھ/۱۸۰۱ء میں، جو کہ شاہ عالم کی تخت نشینی کا تنتالیسواں سال

تھا،'' آرائش محفلِ حیدری''، لکھی۔ منشی قدرت نے کلکتہ سے یہ کتاب سنہ ۱۸۰۳ء میں شائع کی ہے۔ یہ لفظ بہ لفظ ترجمہ نہیں بلکہ اس میں تقلیدی رنگ غالب ہے لیکن مشرق کے مترجموں کے تخیلات اتنے وسیع و بلند ہیں کہ وہ خالص مترجم نہیں رہ سکے اور اس لیے فارسی سے اردو میں ترجمہ کی ہوئی کتابوں میں تخلیقی اور تصنیفی رنگ نمایاں ہے۔ حیدری کا موضوع اگر چہ حاتم طائی ہی ہے لیکن وہ فارسی کتاب سے بالکل جداگانہ ہے۔ اس کتاب کے مختلف اڈیشنوں میں مجھے اس کا ذکر ضرور کرنا ہے جس کو کشمیری پریس کلکتہ سے سنہ ۱۸۰۹ء میں مولوی ہمدانی دہلوی نے بڑی تقطیع کے ۲۱۴ صفحات پر شائع کیا ہے۔ ایک اور اڈیشن جو حافظ اکرام احمد ضیغم اور صوفی احمد اللہ وغیرہ کا اصلاح شدہ ہے، آرائش بخش پریس کلکتہ سے سنہ ۱۲۷۱ھ/ ۵۵۔۱۸۵۴ء میں عبدالسلام نے چھاپا ہے۔ اس میں چھوٹی تقطیع کے ۳۶۸ صفحات ہیں۔ لکھنؤ سے طبع شدہ ایک اور اڈیشن ہے جس کا نمبر اسپرنگر کی فہرست میں ۱۷۷۴ ہے اور جس کا ایک نسخہ میرے پاس ہے۔ یہ ۱۲۷۱ھ/ ۱۸۵۵ء میں ۱۲۸ صفحات پر چھپا ہے اور ہر صفحے میں ۲۵ سطریں ہیں۔

حاتم طائی ایک ایسا قصہ ہے جسے ہندوستان کے بہت سے مصنفوں نے اپنا موضوع بنایا ہے۔ یہ لشکر کی بولی اور بنگالی بولی میں بھی لکھا گیا ہے۔ یہ قصہ نظام کے وزیر کے پاس اردو میں'' قصۂ حاتم طائی'' نام کی ایک کتاب میں ہے لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کا موضوع بھی یہی ہے۔

۳۔ ''گلِ مغفرت''۔ یہ'' روضۃ الشہدا یا گلشنِ شہیداں'' کا اردو ترجمہ ہے جس میں حضرت محمدؐ سے لے کر حسنؓ تک شہید ہونے والے مسلمانوں کا ذکر کیا گیا ہے لیکن کتاب میں نظم و نثر دونوں شامل ہیں۔ یہ ۱۲۲۷ھ/۱۸۱۲ء میں لکھی گئی ہے۔ حیدری نے مولوی سید علی جونپوری کی فرمائش پر یہ کتاب لکھی تھی۔ اس میں پہلے محمدؐ، فاطمہ، علی، اور آپ کے بیٹے حسن، مسلم اور ان کے بیٹے شہیدان کربلا، قاسم بن حسن، عباس علمدار علی، علی اکبر، علی اصغر اور سب سے آخر میں حسین کا ذکر ہے۔ آخری ضمیمہ پورے کا پورا حسینؓ کے متعلق ہے۔ یہ کتاب'' دہ مجلس'' بھی کہلاتی ہے۔ اس نام سے فورٹ ولیم کالج کے کتب خانے میں فضلی کی کتاب موجود ہے۔ اگر چہ اس میں بارہ ابواب ہیں اور چار ضمیمے کے طور پر شامل ہیں۔ اس کتاب کو سنہ ۱۸۵۷ء میں دہلی کے زوال کے بعد انگریزی حکومت نے خرید لیا اور فہرست میں اس کا نمبر ۱۰۵۸ ہے۔ اس کا فرانسیسی ترجمہ بھی مسٹر Bertrand نے کیا ہے جو کہ ہندوستانی اور ایشیائی زبانوں میں خاص مہارت رکھتے ہیں۔

۴۔ ''گلزارِ دانش''۔ یہ عنایت اللہ کی دانش کا منثور ترجمہ ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ وہی ترجمہ ہے جو سنہ ۱۸۴۵ء میں کلکتہ سے ترجمۂ بہارِ دانش کے نام سے شائع ہوا ہے۔

۵۔ ''تاریخِ نادری''۔ یہ مرزا محمد مہدی کی فارسی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔

Sir. W. Jones نے اس کتاب کا ترجمہ پہلے فرانسیسی میں اور بعد میں انگریزی میں کیا ہے۔ یہ حیدری کی بڑی اہم کتاب ہے اور سنہ ۱۲۲۴ھ میں لکھی گئی ہے۔ میرے پاس اس کا ایک نسخہ ہے جسے James Prinsep نے میرے لیے ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے نقل کرایا تھا اور میرا خیال ہے کہ یہ وہی ترجمہ ہے جس کو اردو اور فارسی میں سوسائٹی نے شائع کیا تھا۔

اردو میں تاریخ نادر شاہ کا ایک اردو خلاصہ پانڈیچری کے مسلمانوں میں بہت مقبول ہے۔ ایک نسخہ مجھے Mr. E. Sice نے دیا ہے۔

میرا خیال ہے کہ یہ وہی حیدر بخش ہیں جنھوں نے ''شاہ نامہ'' کا ایک ہندوستانی خلاصہ تحریر کیا ہے۔ جس کا ایک نسخہ فورٹ ولیم کالج میں موجود تھا لیکن یہ آج کل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں ہے۔

۷۔ ''ہفت پیکر''۔ یہ مثنوی نظامی کی مثنوی اور اس کے موضوع کی تقلید میں لکھی گئی ہے اس کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے۔ اس مثنوی کا تعلق بہرام گور اور ہندوستانی شاہزادی گل اندام کے قصے سے ہے۔

۸۔ ''گلدستۂ حیدری''۔ اس کتاب کا ایک نسخہ پہلے Gilchrist کے پاس تھا جو بعد میں D. Forbes کے پاس گیا اور پھر میرے پاس پہنچا۔ اس میں ۱۰۰ حکایات ایک دیوان اور ہندوستانی شعرا کا ایک تذکرہ شامل ہے۔ Primitive Orientales کی جلد۲ صفحہ۱۴ میں لکھا گیا ہے کہ یہ کتاب کلکتہ سے شائع ہوئی ہے۔

حیدری۔ مرزا علی حسین:

وہ آگرہ کے اردو اخبار ''اخبارِ حیدری'' کے مدیر ہیں۔ یہ اخبار ۱۸۵۹ء میں نکلتا تھا۔

حیران۔ میر حیدر علی۔ دہلوی:

وہ رائے لالہ سرپ سکھ دیوانہ کے ایک شاگرد تھے۔ ان کے اشعار اس قدر مقبولِ عام ہو گئے ہیں کہ انھیں ضرب المثل کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

وہ ایک سپاہی تھے اور اپنے مزاح اور زبان دانی کے لیے بہت مشہور تھے۔

جن دنوں علی ابراہیم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے [۲-۱۷۸۱ء] تو وہ لکھنؤ میں رہتے تھے اور یہیں مصحفی کو

۱۷۹۳ء میں ان سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ بنی نراین کے بقول ان کا انتقال لکھنؤ میں ہوا اور انھوں نے ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔

ایک دوسرے تذکرہ نویس کا خیال ہے کہ وہ خیر آباد میں رہتے تھے۔ وہاں سے وہ مشرقی ہندوستان چلے گئے اور پھر لکھنؤ پہنچے جہاں انھوں نے راجہ ٹیک رائے کے پاس ملازمت اختیار کر لی تھی۔ ۱۲۱۵ھ/۱۔۱۸۰۰ء میں وہ ایک رسالے کے کماندار تھے۔ ان کی آنکھیں زخمی ہو گئی تھیں اور ان کا انتقال اسی زخم سے ہوا۔

حیران۔ حافظ بقاء اللہ:

وہ خوش نویس حافظ ابراہیم خان دہلوی کے بیٹے تھے۔ حیران نہ صرف اپنے والد کی طرح خوش نویسی کے ماہر تھے بلکہ شعر و سخن سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ منولال نے اپنے گلدستہ میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

حیراںؔ کو بعدِ مرگ تکلّف نہیں ضرور
اک مشتِ استخواں ہیں کہیں لے کے داب دو

''مجموعۂ نغز'' از قدرت اللہ قاسم، جلد اول، ص ۲۲۵

حیران۔ لالہ جگن ناتھ:

وہ نسیم دہلوی کے شاگرد تھے۔ ان کا ایک واسوخت ''مجموعۂ واسوخت'' میں شامل ہے۔

حیران۔ میر منو:

وہ پٹنہ کے رہنے والے تھے۔ وہ صاحبِ دیوان ہیں۔ جب ان کی عمر ۳۰ سال کی تھی ان کا انتقال ہوگیا۔ وہ خاص طور پر اپنے مرثیے کے لیے مشہور ہیں جس میں مظلوم تخلص کرتے تھے۔ شورش اور محسن نے ان کا ذکر کیا ہے۔

حیران۔ میر علی حسین:

وہ ایک ہم عصر شاعر ہیں جن کی چند غزلیں ۱۲ جنوری سنہ ۱۸۶۹ء کے ''اودھ اخبار'' میں شامل ہیں۔

حیدر۔ میر مراد علی:

وہ مراد آباد میں پیدا ہوئے اور وہیں تجارت کرتے تھے۔ کمال ان کو لکھنؤ سے جانتے تھے، جہاں سے وہ آئے تھے۔ شیفتہ کا بیان ہے کہ وہ اپنے کاروبار کے سلسلے میں کوہستان تشریف لے گئے تھے اور ان کا

انتقال اسی سفر میں ہوا۔

یہ قافلے یاروں کے آ کر کہیں ٹھہرے ہیں
آوازِ جرس کم ہے یا کچھ ہمیں بہرے ہیں

''تذکرہ ہندی'' از مصحفی

حیرت۔ غلام فخر الدین خان:

وہ نواب معین الملک میر منو کے پوتے اور وزیر نواب اعتماد الدولہ قمر الدین خان کے بیٹے تھے وہ کالپی کے قریب رہتے تھے اور ہندوستانی اور فارسی میں شعر کہتے تھے۔

حیرت۔ پنڈت اجودھیا پرشاد:

وہ کشمیر کے رہنے والے تھے لیکن لکھنؤ میں قیام کرتے تھے جہاں جرأت سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ انھوں نے ایک مختصر سا دیوان مرتب کیا ہے اور چند مثنویاں لکھی ہیں۔ وہ شعر و سخن کے علاوہ موسیقی کے بھی ماہر تھے۔ وہ ۳۵ سال کی عمر میں دہلی تشریف لے گئے تھے اور یہیں ۱۸۳۴ء میں ان کا انتقال ہوا۔ انھوں نے ہندوستانی، فارسی اور عربی زبان کی ایک لغت لکھی ہے جس کا نام ''خلاصۂ نفائس'' ہے اور جو کانپور سے ۸۴ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔

حیرت۔ خواجہ کلّن:

وہ دہلی کے رہنے والے تھے لیکن پٹنہ میں مقیم تھے۔

حیرت۔ شیخ رحم علی:

وہ پٹنہ کے رہنے والے تھے اور شیخ غلام محمد کے بیٹے تھے۔ وہ ان پڑھ اور شرابی تھے لیکن ہندوستانی شعرا میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ جن دنوں عشقی اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

حیرت۔ میر محمد حسین:

وہ ایک دوسرے ہندوستانی شاعر ہیں۔

حیرت۔ میر سیدن:

وہ علی قلی خان کے بھتیجے تھے اور بہار میں نائب تھے۔ شورش ان کے دوست تھے۔

حیرت۔ جعفر علی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کے چند اشعار منولال نے اپنے ''گلدستۂ نشاط'' میں نقل کیے ہیں۔

حیف۔ میر چراغ علی۔ جونپوری:

کمال لکھنؤ میں ان سے ملے تھے لیکن وہ بنارس میں بھی رہتے تھے۔ افسوس ان کے دوست اور استاد بھی تھے اور وہ ان کا تذکرہ ''آرائشِ محفل'' میں بنارس کے مضمون میں کرتے ہیں۔ مصحفی کا بیان ہے کہ وہ ایک باغ و بہار شخص تھے اور بہت ہی منکسر المزاج واقع ہوئے تھے۔ بنی نراین نے ان کی ایک عشقیہ غزل نقل کی ہے جو بہت ہی نازک اور لطیف پیرائے میں لکھی گئی ہے۔

حیف۔ موتی لال:

وہ ذات کے کائستھ تھے اور لالہ بت سین کے بیٹے اور میر سوز کے شاگرد تھے۔ آپ لکھنؤ ۱۱۹۶ھ/۸۲-۱۷۸۱ء میں قیام کرتے تھے۔ علی ابراہیم نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں جو بہت ہی مؤثر ہیں۔

حیف۔ شیخ محمد حاجی۔ مرحوم:

وہ میر محمدی بیدار کے شاگرد تھے۔ محسن نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

حیف۔ سید نجیب الدین یا موید الدین:

وہ لاہور کے اردو اخبار ''دریائے نور'' کے پہلے مدیر تھے۔ یہ اخبار ہر یکشنبہ کو نکلتا تھا۔ جس کے بعد سندر لال مدیر ہوگئے۔ لیکن یہ اخبار اتنی شاندار ابتدا کے باوجود بند ہوگیا۔

خادم۔ حسین خان:

عظیم آباد کے رہنے والے اور حاجی احمد علی قیامت کے بیٹے اور تذکرہ نویس علی ابراہیم کے عم زاد تھے۔ ان کے والد شیوخ بنی ہاشم سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی والدہ کا خاندان حسینی سید تھا۔
وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں اور جس وقت عشقی اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے اس سے پہلے ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

خادم۔ نواب خادم حسین خان بہادر۔ دہلوی:

اشرف الدولہ افراسیاب خان کے بیٹے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے خادم سے مختلف ہیں لیکن مجھے صرف ان کا تخلص معلوم ہے۔

خادم۔ خادم علی خان:

فرخ آباد کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے دو دیوان لکھے ہیں۔ ایک ہندوستانی میں اور دوسرا فارسی زبان میں ہے۔ ریختہ میں ان کے استاد میر تقی میر تھے۔ ان کا آبائی وطن کتھل تھا جو سرہند کے صوبے میں واقع ہے۔ انھوں نے دہلی میں تعلیم پائی اور یہیں اپنی زندگی گزاری۔ ان کے چچا، نواب احمد خان کے پاس

پانچ سو روپے ماہانہ پر ملازم تھے۔ وہ خود نواب موصوف کے بیٹے مظفر نصیر کے پاس ملازمت کرتے تھے اور ان کی تنخواہ محض ۱۵۰ روپے ماہانہ تھی۔ وہ بہت ہی زندہ دل اور نہایت ہی اعلیٰ اخلاق کے حامل تھے۔ انھیں انشا اور خوش نویسی میں بڑا کمال حاصل تھا اور ہندوستانی مسلمانوں کے دوسرے رسم الخطوں میں بھی بہت کامیاب تھے۔ عشقی ان کو قدیم پنجابی بتاتے ہیں، شیفتہ اور کریم نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔

خادم۔ فضلہ:

وہ پانی پت میں پیدا ہوئے اور اسی شہر میں انتقال کیا۔ وفات کے وقت ان کی عمر ۸۰ سال کی تھی [۱۸۴۱ء یا ۱۸۴۲ء]۔ ان کی زندگی کے بارے میں کوئی تفصیل معلوم نہیں لیکن صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ بہت غریب آدمی تھے۔ کریم نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

خادم علی۔ شیخ:

وہ آگرہ کے اردو اخبار ''مطلع الاخبار'' کے مدیر ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے اردو شاعری کے قواعد پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ''عروضِ زاہدیہ'' ہے۔

''مطلع الاخبار'' مطبع اکبری میں آگرہ سے شائع ہوتا تھا۔ اس میں ہر روز دوسرے اخبار نویسوں کے مقابلے میں تازہ بہ تازہ خبریں شائع ہوتی تھیں اور اس کا طرزِ تحریر بھی نہایت عمدہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اخبار بہت ہی مقبولِ عام تھا اور سنہ ۱۸۵۳ء میں اس کے خریداروں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا تھا۔

خاص:

وہ ایک دکنی ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر قاسم نے کیا ہے۔

خاکی۔ غلام حیدر بیگ:

ان کا آبائی وطن بدخشاں تھا لیکن وہ خود دہلی میں پیدا ہوئے تھے اور دکن میں ایک سپاہی کی حیثیت سے ملازمت اختیار کر لی تھی۔ انھوں نے عشق و محبت میں زندگی بسر کی ہے۔ سرور اور شیفتہ نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں جو ان کی زندگی کی صحیح عکاسی کرتے ہیں۔

خاکسار۔ شاہ محمد یار۔ مرحوم:

ان کو میر کلو یا گلو کہتے ہیں۔ وہ قلندری کے سلسلے میں درویش کی حیثیت رکھتے تھے اور دہلی میں قدم شریف کی درگاہ کے محافظ تھے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں محمدؐ کے قدم شریف کا نقش رکھا ہوا ہے۔ وہ مرزا جانِ جاناں مظہر کے شاگرد تھے اور ان کو ہندوستان کے اچھے قدیم شاعروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ قدیم شاعروں

سے مراد وہ شعرا ہیں جو سودا، حسن اور میر سے پہلے تھے۔ جب میر کمسن ہی تھے تو انھیں شعر و سخن سے دلچسپی پیدا ہوگئی تھی اور وہ خاکسار سے اپنے کلام پر اصلاح لینے لگے تھے۔ یہ باتیں ''گلزار ابراہیم'' سے معلوم ہوئی ہیں لیکن خود میر کے تذکرے میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ میر نے اس تذکرے میں خاکسار کی مذمت کی ہے کیونکہ موخر الذکر کو اپنی صلاحیتوں پر بڑا غرور تھا اور وہ بڑے فخر سے اپنے آپ کو ملک الشعرا کہتے تھے۔

میر کے علاوہ چند دوسرے ہندوستانی تنقید نگار ان کو ایک معمولی شاعر سمجھتے ہیں اور ان کا بیان ہے کہ خاکسار نے محض مظہر کی تقلید کی ہے۔ حسینی کو ان لوگوں سے اتفاق نہیں ہے اور ان کا خیال ہے کہ تنقید نگاروں نے خاکسار کے ساتھ بہت ہی سختی سے کام لیا ہے۔ میر کہتے ہیں کہ جب کبھی خاکسار کو فی البدیہہ شعر کہنے کی دعوت دی گئی ہے تو انھوں نے کچھ عذر کر کے اسے ٹال دیا ہے۔

بہرحال میر، ابراہیم، مصحفی، فتح علی حسینی ان کے متعدد اشعار کو نقل کرتے ہیں۔ بینی نراین نے ان کا ایک طویل مخمس کو نقل کیا ہے۔ لطف کہتے ہیں کہ وہ ایک شگفتہ شاعر اور ایک دیوان کے مصنف تھے۔ شورش کا بیان ہے کہ خاکسار نے ایک تذکرہ لکھا ہے جس میں وہ اپنے آپ کو ملک الشعرا کہتے ہیں۔

سرور ان سے واقف تھے اور ان کا انتقال سرور کے تذکرے کی تصنیف سے کچھ عرصہ پہلے ہوا۔

خاکسار۔ غلام محی الدین خان:

وہ مراد آباد میں پیدا ہوئے اور ان کے استاد شوق قدرت اللہ تھے۔ محسن نے ان کا ذکر کیا ہے۔

خاکسار۔ میر سبحان علی:

وہ ایک دوسرے ہندستانی شاعر ہیں لیکن میں صرف ان کے نام کا ذکر کر سکتا ہوں۔

خالہ۔ بدر النساء بیگم:

یہ خاتون فرخ آباد کی رہنے والی تھیں۔ وہ نواب عماد الملک کی خالہ تھیں اور وہ حرم میں خالہ کہلاتی تھیں اور یہی تخلص کرتی تھیں۔ چند تذکرہ نویسوں نے ان کا ذکر کیا ہے اور خاص طور پر عشقی نے۔

خالق۔ مرزا ظہور علی:

مرزا ہوشدار کے بیٹے تھے۔ ان کا شمار ہندوستانی موسیقاروں اور مرثیہ گوؤں میں کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ ہندوستانی زبان میں مشق سخن بھی کرتے تھے۔ وہ نواب نوازش محمد خان شہامت جنگ کی درخواست پر محمد شاہ کے دور میں مرشد آباد چلے آئے تھے اور یہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔

وہ ۱۱۹۹ھ/۵۔۱۷۸۴ء میں خاصے کمسن تھے اور حکومتِ بنگال میں ملازمت کرتے تھے۔ بینی نراین

اور Sice نے ان کی ایک غزل نقل کی ہے لیکن اس میں کوئی خاص خوبی نظر نہیں آتی۔ خالق مرثیوں میں ظہیر تخلص کرتے تھے۔ عشقی کا بیان ہے کہ ان کا انتقال کربلا عراق میں ہوا ہے۔

خالق۔ کرامت اللہ خان:

وہ محمد جعفر خان راغب سے تعلق رکھتے تھے اور مرزا محمد فاخر مکین کے شاگرد تھے۔ عشقی کہتے ہیں کہ یہ ہندوستانی میں شعر کہتے تھے اور ایک فارسی دیوان کے بھی مصنف ہیں۔ وہ جوانی ہی میں انتقال کر گئے۔

خالق۔ عبدالخالق:

وہ دہلی میں مرزا سلیمان شکوہ کے ملازم تھے۔ ان کے چہرے پر چیچک کے کچھ داغ تھے اور ان کی زبان میں لکنت بھی تھی۔ وہ دہلی میں باقاعدگی کے ساتھ مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ وہ گوالیار بھی تشریف لے گئے تھے لیکن باطن جن سے یہ تفصیلات معلوم ہوئی ہیں اس بات کا ذکر نہیں کرتے کہ وہ گوالیار میں کچھ عرصے تک ٹھہرے بھی تھے یا نہیں۔

خالق۔ شیخ خالق بخش:

ان کا خاندان پنجابی تھا لیکن وہ دہلی میں پیدا ہوئے۔ وہ شیخ نبی بخش حقیر کے بھانجے تھے۔ باطن ہندوستانی شعرا میں ان کو شمار کرتے ہیں۔

خان۔ اشرف خان مرحوم۔ دہلوی:

وہ محمد علی خان کے بیٹے تھے اور مصحفی کے شاگرد۔ وہ لکھنؤ میں رہتے تھے اور بعد میں دہلی واپس چلے گئے۔ سرور نے سب تفصیلات بیان کی ہیں اور ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔ محسن کے بقول وہ ایک دیوان کے مالک ہیں اور محمد پناہ آتش ان کو اپنا بیٹا سمجھتے تھے اور ان کے بہت سے شاگرد تھے۔

خان۔ محمد:

وہ افغانی النسل تھے اور ان کا شمار دکن کے شاعروں میں ہوتا ہے۔ ان کو خانی دکنی سے خلط ملط کرنا صحیح نہیں ہوگا کیونکہ خانی دکن کے ایک قدیم شاعر ہیں۔ شیفتہ نے قاسم کے حوالے سے بتایا ہے کہ یہ دونوں شاعر تلاشِ معاش کے لیے دہلی گئے تھے۔ شیفتہ کے بقول خان سعادت یار خان رنگین کے شاگرد تھے۔

خانی:

وہ دکن کے ایک مصنف ہیں جنھوں نے قصۂ ابوالفضل نوری کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔

خاندان:

مراد آباد کے رہنے والے یہ ہندوستانی شاعر جرأت کے شاگرد تھے۔ ان کا ذکر ''مجمع الانتخاب'' اور ''گلشنِ بے خار'' میں کیا گیا ہے۔

خاندان۔سید محمد خان:

وہ قندھار کے رہنے والے تھے۔ وہ قبیلہ شاہ عالم خیل سے تعلق رکھتے تھے اور ابراہیم خلیل خان کے بیٹے تھے۔انھوں نے اردو میں ایک مثنوی لکھی ہے جس کا نام ''شرع محمدی'' ہے۔اس کتاب میں مسلمانوں کے مذہبی عقائد اور اصول زندگی کے متعلق تمام باتیں ہیں جو ہر مسلمان مرد عورت کو جاننا چاہئیں۔ اس کتاب کے چند ایڈیشن ہیں، ایک کانپور سے ۵۱۵ صفحات پر اور دوسرا آگرہ سے ۹۰ صفحات پر شائع ہوا ہے۔ میرے پاس اس کتاب کا ایک نسخہ ہے۔

خرد۔نواب فخر الدین خان:

وہ نواب شرف الدین محمد خان کے بیٹے تھے۔ شیفتہ اور کریم نے ان کی اخلاقی صفات اور ذہنی صلاحیتوں کی بڑی تعریف کی ہے۔ وہ شعروسخن سے بہت ہی کم عمری میں دلچسپی لینے لگے تھے اور قیاس کیا جاتا ہے کہ شیفتہ جو ان کے رشتہ دار تھے، ان کے اشعار پر اصلاح دیا کرتے تھے۔انھوں نے اپنے تذکرے میں خرد کو بہت ہی مختصر جگہ دی ہے لیکن اس تذکرے میں خرد کی ایک تاریخ درج ہے۔اس کے علاوہ خرد نے شیفتہ کے دیوان کے لیے بھی ایک تاریخ لکھی ہے۔

خرم علی۔مولوی:

وہ مندرجہ ذیل تصنیفات کے مالک ہیں:

۱۔ ''رسالہ حج''۔ ایسٹ انڈیا آفس کے کتب خانے کی فہرست کے مطابق اس کتاب کا نام ''تحریر الشہادتین'' ہے۔ یہ کتاب چھوٹی تقطیع پر لکھنؤ سے سنہ ۱۸۴۴ء میں شائع ہوئی ہے۔

۲۔ ایک رسالہ جو کافروں سے جنگ کرنے کے متعلق ہے۔اس رسالے کو لکھنؤ کے ایک اردو اخبار سے "Smith and Elder's Homeward Mail" میں نقل کیا گیا ہے [دسمبر ۱۸۵۷ء]

۳۔ ''نصیحت المسلمین''۔اس کتاب کو انگریز حکومت نے دہلی کے سقوط کے بعد خریدا تھا۔فہرست میں اس کا نمبر ۱۰۰۹ ہے۔

۴۔ ''شفاء العلیل بہ قول جمیل'' غزالی کی کتاب کا اردو ترجمہ ہے اور اس میں مسلمانوں کے مذہبی فرائض بیان کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ایک میرٹھ سے سنہ ۱۸۶۵ء میں

چھوٹی تقطیع پر ۱۲۸ صفحات میں چھپا ہے، جس کا ذکر M.J. Long نے کیا ہے۔ ایک دوسرا ایڈیشن دہلی سے سنہ ۱۸۶۸ء میں چھوٹی تقطیع پر ۱۲۳ صفحات میں نکلا ہے۔ اس کا اشتہار پنجاب کی کتابوں کی اس فہرست میں ہے جو سنہ ۱۸۶۸ء کے آخری مہینوں میں چھپی ہے۔

خاور۔ محمد اکبر:

ایران کے رہنے والے مرزا محمد مہدی سیستانی کے بیٹے تھے اور فارس سے آکر آگرہ میں مقیم ہو گئے تھے۔ فارسی میں وہ مرزا محمد حسین کے شاگرد تھے اور ہندوستانی میں میر وزیر صبا کے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان دونوں زبانوں میں شاعری کرتے تھے لیکن یہاں ان کا صرف ہندوستانی شاعر کی حیثیت سے ذکر کیا جاتا ہے۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ان کی ایک لمبی غزل نقل کی ہے۔

خسرو۔ خواجہ ابوالحسن یا امیر خسرو دہلوی:

وہ مسلم انڈیا کے سب سے بڑے شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں اور انھیں ''طوطی ہند'' بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے آباؤ اجداد ترک تھے جو چنگیز خان کے زمانے میں ماوراء النہر سے ہندوستان آئے۔ دہلی کے سلطان تغلق شاہ ان کے والد کا بڑا احترام اور خیال کرتے تھے۔ ان کا انتقال ہندوؤں سے جہاد کے دوران ہوا۔ دولت شاہ نے انھیں امیر محمود مہتر کہا ہے جو لاچین کے ہزارہ سردار تھے۔

خسرو تیرھویں صدی میں بمقام مومن آباد پیدا ہوئے اور اپنے باپ کے جانشین بنے۔ سلطان محمد تغلق شاہ ان سے گہرے دوستانہ مراسم رکھتا تھا اور انھوں نے اس کی شان میں کئی قصیدے لکھے ہیں۔ وہ سات بادشاہوں کے دربار سے وابستہ رہے اور ان میں سے بعض ان کے دوست تھے۔ وہ عالم پیری میں سعدی سے واقف ہوئے اور کہا جاتا ہے کہ سعدی[۲۶۸] ان سے ملنے کے لیے ہندوستان آئے تھے۔ خسرو آخر میں دنیا ترک کر کے عبادت و ریاضت میں مصروف ہو گئے۔ انھوں نے اپنے کلام سے حاکموں اور بادشاہوں کی تعریف کے اشعار الگ کر لیے کیونکہ دنیا کے تمام بڑے آدمی خدا کے غلام ہیں۔ وہ بہت بڑے خدا رسیدہ بزرگ ہو گئے اور ان کی روحانیت بڑی قوی ہو گئی۔ ان کا متصوفانہ کلام آج تک مسلمان بڑی دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔ وہ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے جو بابا فرید گنج کے مرید تھے۔ جب اولیاء کا انتقال ہو گیا تو خسرو نے بھی مر جانا پسند کیا۔ ان کا انتقال عالم ضعیفی میں ۷۱۵ھ/ ۱۳۱۰-۱۱ء میں ہوا اور وہ اپنے مذہبی رہنما نظام الدین کے قریب دہلی کے انتہائی خوشنما و دلکش حصے میں مدفون ہوئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ خسرو نے فارسی میں ۹۹ کتابیں نثر و نظم میں لکھی ہیں۔ دولت شاہ کے مطابق انھوں

نے ۵ لاکھ اشعار کہے ہیں۔ انھوں نے ایک خمسہ بھی کہا ہے جس میں مسلمانوں کی مشہور کہانیاں ہیں۔ ''قرآن السعدین'' سلطان علاؤالدین کی تعریف میں لکھی گئی ہے اور ''سرگزشتِ دہلی'' بھی ان سے منسوب ہے۔ وہ علمِ موسیقی کے زبردست ماہر تھے اور آخر عمر میں اردو میں بھی شعر کہنے لگے تھے لیکن میر تقی میر نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ انھوں نے کثرت سے اردو شعر کہے ہیں۔ ان کے کچھ شعر ایسے ہیں جو بڑے معنی خیز ہیں اور جن کو فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ منولال نے ''گلدستۂ نشاط'' میں خسرو کا ایک طویل مخمس نقل کیا ہے جس کے ہر بند کا پانچواں مصرع فارسی میں ہے۔ یہاں ایک غزل دی جاتی ہے جو ہندوستان میں بہت مقبول ہوچکی ہے۔ اس غزل کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر شعر کے پہلے مصرعے کا نصف فارسی اور نصف ہندوستانی میں ہے۔ اس غزل سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسے عورتیں بہت پسند کرتی ہوں گی:

ز حالِ مسکیں مکن تغافل دوراہ نیناں ملائے بتیاں
چوتاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیو کاہے لگائے چھتیاں
یکایک از دل دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکیں
کسے پڑی ہے کہ جا سناوے پیارے پی سے ہماری بتیاں
شبانِ ہجراں دراز چوں زلف و روز وصلت چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
چو شمعِ سوزاں چو ذرہ حیراں ہمیشہ گریاں نقش آں
نہ نیند نیناں نہ انگ چیناں نہ آپ آوے نہ بھیجے پتیاں
بحق آں مہ کہ روزِ محشر بداد مارا قربِ خسرو
سپیت من کی دورا ہے راکھوں جو جائے پاؤں پیا کی کھتیاں

''مجموعۂ نغز'' از قدرت اللہ قاسم، جلد اوّل، ص ۲۳۳

انھیں ترک اللہ بھی کہتے ہیں۔ وہ ۶۳۱ھ/۱۲۳۲ء میں پیدا ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہندوستان میں پیدا نہیں ہوئے بلکہ چنگیز خان کے عہد میں یہاں آئے ہیں۔ ''آتش کدہ'' اور ان کے مقبرے کی تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا انتقال ۷۱۵ھ میں نہیں بلکہ ۷۲۵ھ/۵-۱۳۲۴ء میں ہوا۔

میرے دوست F. Falconer مرحوم نے امین احمد رازی کے تذکرے ''ہفت اقلیم'' کو پڑھ کر معلوم کیا

کہ خسرو نے ایک جگہ خود یہ لکھا ہے کہ ان کے اشعار کی تعداد ۵ لاکھ سے کم اور ۴ لاکھ سے زیادہ ہے۔

انھوں نے بعض وقت سلطانی کا تخلص بھی اختیار کیا ہے۔ خسرو کی فارسی کتابوں میں ''دریائے ابرار'' بھی شامل ہے جس کا حوالہ Herbelot نے دیا ہے۔ اسپرنگر نے خسرو کی کچھ پہلیاں اور ان کے کچھ ترجے شائع کیے ہیں جن میں سے کچھ ان سے منسوب ہو گئے ہیں۔

توپ خانہ لکھنؤ کے کتب خانے میں خسرو کا ایک قلمی نسخہ تھا۔ یہ ''نسخۂ پہیلی خسروؔ'' کہلاتا ہے۔ اس میں ۲۰۰ پہلیاں ہیں جو ۱۰ یا ۱۲ چھوٹی جلدوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔

بالا تھا تو سب کو بھایا۔ بڑا ہوا کچھ کام نہ آیا

میں لے دیا اس کا ناؤں۔ بوجھے تو بوجھ نہیں چھوڑ دے گاؤں [دیا بمعنی چراغ]

سرسید احمد خان نے ''آثار الصنادید'' میں لکھا ہے کہ خسرو نے نسبتیں بھی لکھی ہیں اور یہ اردو میں ایک خاص صنفِ سخن ہے۔ اس جگہ ایک نسبت جو میں نے سرسید احمد خان سے حاصل کی تھی لکھی جاتی ہے:

گوشت کیوں نہ کھایا...... ڈوم کیوں نے گایا...... گلا نہ تھا

انار کھایا کیوں نہیں...... وزیر رکھا کیوں نہیں...... دانا نہ تھا

سموسہ کیوں نہ کھایا...... جوتا کیوں نہ پہنا...... تلا نہ تھا

''آثار الصنادید''، سرسید احمد خان، مطبوعہ نامی پریس، ص ۱۰۷، باب سوم انجمن ترقی اردو کتب خانہ۔ مترجم

سرسید احمد خان نے خسرو کے ایک نساب کا بھی ذکر کیا ہے جو اردو، فارسی اور عربی کی لغت ہے اور جس کو ''خالق باری'' کہتے ہیں کیونکہ کتاب انھیں الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔ اسپرنگر نے اس کا نمونہ بھی دیا ہے اور بتایا ہے کہ اس میں تقریباً ۲ ہزار اشعار ہیں۔ یہ کتاب مشہور ہے اور اس کے کئی ایڈیشن آگرہ، کانپور، میرٹھ اور لاہور سے نکلے ہیں۔ یہ مدرسوں میں بھی پڑھی جاتی ہے۔

سرسید احمد خان نے وہی غزل نقل کی ہے جو میں معمولی فرق کے ساتھ نقل کر چکا ہوں۔

خستہ۔ محمد عبداللہ خان:

وہ میر یا میاں جیون کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں۔ آبائی وطن کچھ اور تھا لیکن دہلی میں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ آپ کے استاد کا نام فراق ہے۔ ان کے والد، جو آغا یار خان بھی کہلاتے تھے، نواب مجد الدولہ عبد الاحد خان کے منشی تھے۔ اسپرنگر کا بیان ہے کہ ان کا انتقال ۱۸۴۰ء میں ہوا ہے۔ شیفتہ اور کریم نے ان کا ذکر کیا ہے۔

شیفتہ انھیں غلام قطب کہتے ہیں لیکن قاسم اور کریم کے مطابق ان کا نام میاں قطب تھا۔ وہ ایک شاعر تھے اور اپنے والد سید محمد کرمانی کے ساتھ، جو ایک ولی اللہ تھے، درگاہ نظام الدین کے محافظ تھے۔ یہ مقام دہلی کے قریب واقع ہے۔ ہندوستانی تذکرہ نویسوں کے مطابق خستہ بھورے خان آشفتہ کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ان کے چند اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

خسرو۔ مرزا خسرو۔ جلال بہادر:

یہ ہندوستانی شاعر مرزا احمد جان بنارسی بھی کہلاتے ہیں۔ وہ مرزا محمد خسرو بخش بہادر کے بیٹے ہیں جو شاہ عالم بہادر غازی کے وارث تھے۔ ان کے استاد خلیفہ شاہ غلام قادر تھے۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

خطا۔ مرزا افضل علی بیگ۔ لکھنوی:

وہ مرزا ایوب بیگ کے بیٹے اور خواجہ وزیر کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جس کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔

خلق۔ رائے جدن رائے:

حیدرآباد کے رہنے والے تھے اور ہندوستانی شاعر فیض کے شاگرد تھے۔ باطن نے اپنے ''گلشنِ بےخزاں'' میں ان کا ذکر کیا ہے۔

خلق۔ میر احسن:

خالق کی طرح وہ خواجہ حسن کے بیٹے ہیں۔ جب مصحفی اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے [۴-۱۷۹۳ء] تو ان کی عمر ۱۹ سال کی تھی۔ وہ بہت منکسر المزاج واقع ہوئے تھے اور حسین صورت پائی تھی۔ لوگوں کا خیال ہے کہ انھوں نے اپنے والد سے شعر و سخن کا ذوق ورثے میں پایا تھا اور میر حسن نے انھیں بچپن ہی سے شعر کہنے کی ترغیب و تعلیم دی تھی۔ ''سحر البیان'' کے ایک ایڈیشن میں حسین پر جو مضمون ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خلق ۱۸۰۳ء میں زندہ تھے اور فیض آباد میں رہتے تھے جہاں انھوں نے دراب علی خان ناصر کی ملازمت اختیار کر رکھی تھی۔ انھوں نے اپنے اشعار کو ایک دیوان کی صورت میں مرتب کیا ہے اور مصحفی نے ان کے چند شعروں کو اپنے تذکرے میں نقل بھی کیا ہے۔ جن دنوں سرور اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو وہ لکھنؤ میں ایک طویل عرصے سے مقیم تھے۔

خلیق۔ میر مستحسن۔ لکھنوی:

وہ مشہور شاعر میر حسن کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے [ان کے بڑے بھائی خلق کا ذکر اس کتاب میں ہے۔]۔ ۱۷۹۲ء میں ان کی عمر ۱۹ سال تھی۔ ۱۶ سال کی عمر سے انھیں شعر وسخن کا ذوق پیدا ہوگیا تھا اور وہ شعر کہنے لگے تھے۔ وہ اپنے والد سے مشورۂ سخن کرتے تھے اور میر حسن بڑی خوشی سے ان کے کلام پر اصلاح دیا کرتے تھے۔ ان ہی دنوں مصحفی کو لکھنؤ آنے کا اتفاق ہوا اور میر حسن نے اپنے بیٹے کو ان کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اپنی ادبی تعلیم مکمل کر سکیں۔ ''سحر البیان'' کے ایک ایڈیشن میں میر حسن کے متعلق ایک مضمون ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ خلیق ۱۸۰۳ء میں زندہ تھے اور فیض آباد میں قیام کرتے تھے۔ وہ بہو صاحب، جو آصف الدولہ کی والدہ تھیں، ان کے داماد مرزا تقی کے پاس ملازم تھے۔ مرزا تقی خود ایک اچھے شاعر تھے، جیسا کہ ان کے مضمون سے اندازہ ہوگا۔ خلیق نے ایک دیوان لکھا ہے جس کے چند اشعار کو مصحفی نے نقل کیا۔ شیفتہ کے بقول خلیق کے اشعار کو ان کے بھائی کے کلام سے زیادہ مقبولیت حاصل ہے۔ ذکا کہتے ہیں کہ میں راجہ ٹکٹ رائے کے خاندان میں منشی تھے۔

خلیل۔ سید ابراہیم علی:

مرحوم سید محمد علی بشیر کے بیٹے اور ایک جوان ہم عصر شاعر ہیں جن کا ذکر باطن نے کیا ہے۔ ان کے استاد میر گلزار علی اسیر تھے۔

خلیل۔ شیخ محمد خلیل۔ لکھنوی:

وہ ایک دوسرے ہندوستانی شاعر ہیں جو غلام ہمدانی مصحفی کے شاگرد تھے۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

خلیل۔ میر دوست علی:

وہ بارہ کے قریب بدولی میں پیدا ہوئے لیکن لکھنؤ میں رہتے تھے۔ ان کے والد سید جمال اور ان کے استاد خواجہ حیدر علی آتش تھے۔ وہ نادر مرزا نیشاپوری کے دوست تھے۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جس کے چند اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔

خلیل۔ نواب شرف الدولہ محمد علی ابراہیم خان مرحوم لکھنوی:

وہ خواجہ عبدالحکیم کے بیٹے اور نواب عاشور علی خان بہادر کے شاگرد تھے۔ وہ ایک فارسی اور ایک اردو دیوان کے مالک ہیں۔ محسن نے ان کے اشعار کو اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے

''محافل الشعرا'' کے نام سے فارسی زبان میں ایک تذکرہ لکھا ہے اور اردو میں ایک دوسرا تذکرہ بھی تصنیف کیا ہے جس کا نام ''صحفِ ابراہیم'' ہے۔ وہ بادشاہ محمد علی شاہ کے وزیر اعظم تھے اور لارڈ ہیسٹنگز نے ان کو ضلع بنارس کی دیوانی عدالت کا صدر بھی مقرر کیا تھا۔

انھوں نے حضرت محمد کی شان میں ایک ۸ صفحے کی نظم لکھی ہے جس کا عنوان ''گوہر نعت'' ہے اور جو سنہ ۱۸۶۸ء میں فتح گڑھ سے شائع ہوئی ہے۔

خیال۔غلام حسین خان:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کے اشعار منو لال نے اپنے ''گلدستۂ نشاط'' میں نقل کیے ہیں۔ ان کے مبالغہ آمیز اشعار کا فرانسیسی میں ترجمہ کرنے کی کوشش نہیں کروں گا لیکن میں ان کے ایک لطیف اور سادہ بیت کا فرانسیسی سے ترجمہ نقل کرتا ہوں:

تجھے تو غیر کو منظور منہ دکھانا تھا
نقاب کھولنا گرمی سے اک بہانہ تھا

''شعرائے ہند'' از کریم الدین، ص ۲۶۹

خیال میر جگن کے رشتے دار تھے۔ ان کے والد بڑی خوبیوں کے آدمی تھے۔ ان کے پردادا برکت اللہ خان برکت ہندوستانی اور فارسی زبان کے مشہور شاعر تھے اور انھوں نے خیال کو فن شاعری کی تعلیم دی ہے۔ خیال نے تقریباً ایک لاکھ اشعار کہے ہیں جو دو دیوان میں جمع کیے گئے ہیں۔ سرور نے، جو خیال کے دوست تھے، ان کے متعدد اشعار کو اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے۔ شیفتہ اور کریم نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔

جن دنوں شورش اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے خیال سونی پت میں مقیم تھے۔

خواجہ۔منشی نجف علی۔بناری:

وہ خواجہ قادر بخش کے بیٹے اور راسخ کے شاگرد تھے۔ وہ خواجہ بہاؤ الدین نقش بندی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا ایک ہندوستانی دیوان ہے جس میں ۲۶۸ صفحات ہیں۔ زمانے کے دستور کے مطابق اس دیوان سے پہلے انھوں نے فارسی انشا میں بھی ایک دیوان مکمل کیا تھا اور فارسی میں ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام ''خطوطِ خواجہ'' ہے۔

خوب۔کمال الدین محمد شیستانی:

انھوں نے ۹۸۶ھ/۹۔۱۵۷۸ء میں ایک ہندوستانی صوفیانہ مثنوی لکھی ہے جس کا عنوان ''خوب

ترنگ'' ہے۔ بعد میں ۹۹۰ھ/۳۔۱۵۸۲ء میں ''امواج خوبی'' کے نام سے اس مثنوی کا فارسی ترجمہ کیا جس میں فارسی text کے ساتھ ایک شرح بھی فارسی میں شامل ہے۔

لکھنؤ کے موتی محل کے کتب خانے میں اس مثنوی کا ایک خوبصورت نسخہ موجود تھا جو ۳۹۰ صفحات کا ہے اور ہر صفحے میں ۱۸ سطریں ہیں۔ ایک دوسرا نسخہ ایسٹ انڈیا لائبریری میں بھی ہے اور "Johnson" کی فہرست میں اس کا نمبر ۴۶۰ ہے۔

خودغرض:

یہ شاعر آگرہ میں پیدا ہوئے لیکن دہلی میں رہتے تھے۔ سرور نے ان کے ہندوستانی اشعار کا ذکر کیا ہے۔

خوجم۔ خواجہ سلطان خوجم:

انھوں نے شمشاد شاہ کی تاریخ کے موضوع پر ایک مثنوی لکھی ہے جو نواب اودھ سعادت علی خان [۱۷۹۷ء/۱۸۱۴ء] سے معنون ہے۔ لکھنؤ کے توپ خانہ کے کتب خانے میں اس مثنوی کا ایک نسخہ موجود تھا جو ۱۰۰ صفحات کی کتاب ہے اور ہر صفحے میں ۱۳ ابیات ہیں۔

خورشید:

وہ ''نہ پند'' کے مصنف ہیں جو لاہور سے شائع ہوا۔

خورسند:

وہ ایک جوان اور قابل ہم عصر ہندوستانی شاعر ہیں۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے ''اندر سبھا'' منظوم لکھی ہے جس کا اشتہار ۱۲ اپریل سنہ ۱۸۶۵ء کے اخبار ''صبح صادق'' میں شائع ہوا۔

خورشید۔ خوش وقت علی خان:

آگرہ کے رہنے والے اور تھانیدار محمد داؤد کے بیٹے تھے۔ پہلے وہ کانپور میں رہتے تھے۔ وہ میر علی اوسط رشک کے شاگرد تھے لیکن بعد میں لکھنؤ جا کر مرزا محمد رضا کے شاگرد ہو گئے۔ جس وقت محسن اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو خورشید لکھنؤ میں رہتے تھے۔ ان کے چند اشعار ''سراپا سخن'' میں شائع ہوئے ہیں۔

خوش دل۔ لالہ گوبند لال:

وہ لالہ کانجی مل غریب کے بیٹے ہیں اور کائستھ گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ ایک طباع شاعر ہیں جن کا ذکر ذکاء نے اپنے تذکرے میں کیا ہے۔

خوش دل۔ بنگالی لال:

وہ ایک دوسرے شاعر ہیں جن کا ذکر ابوالحسن اور کمال نے کیا ہے۔

خوش دل۔ دہلوی:

ابوالحسن کا بیان ہے کہ وہ فیض آباد میں دکاندار تھے اور شعر و شاعری میں دلچسپی رکھتے تھے۔

مذکورہ بالا خوش دل شعرا میں کسی ایک نے یا ممکن ہے کہ ایک دوسرے شاعر نے، جو خوش دل تخلص کرتے تھے، ایک کتاب مثنوی قصہ ''سپاہی زادہ'' لکھی ہے۔ یہ مثنوی چوروں یا ٹھگوں سے متعلق ہے۔ مصنف نے یہ کہانی بھکاری داس بجنوری سے سنی تھی۔ یہ کتاب اردو میں منظوم کی گئی ہے اور اس کے متعدد ایڈیشن ہیں۔ اس کتاب کو پہلی بار سلطان المطابع لکھنؤ میں چھاپا گیا۔ اس کے بعد اس کا ایک باتصویر ایڈیشن میرٹھ سے ۱۸۶۳ء میں چھوٹی تقطیع پر ۲۰ صفحات میں شائع ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ وہی ''سپاہی نامہ'' ہے جو دہلی سے شائع ہوا ہے۔ مگر موخر الذکر کتاب فن سپہ گری پر ایک علیحدہ تصنیف معلوم ہوتی ہے۔

خوشنود:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں۔ جن کا ذکر دوسرے تذکرہ نگاروں نے کیا ہے اور میر نے بھی ان کے نام سے یہ ایک شعر نقل کیا ہے:

سب دیں جاگے پڑھ تو بھی بجق آیا نہیں
چپ چپ دیکھ باٹ میں درشن کو دکھلایا نہیں

''نکات الشعراء''، ص ۱۰۲

خوش رس یا خوش۔ حافظ غلام محمد:

ان کا آبائی وطن پنجاب تھا لیکن وہ دہلی میں رہتے تھے۔ کمسنی میں ان پر چیچک کا حملہ ہوا جس کی وجہ سے وہ اپنی بینائی کھو بیٹھے تھے۔ اس کے باوجود وہ حج کو تشریف لے گئے تھے اور قرآن مجید کے حافظ تھے۔ وہ ایک اچھے معلم اور موسیقی کے ماہر بھی تھے۔ وہ نہایت کامیابی کے ساتھ خیال، ٹپہ اور غزل لکھا کرتے تھے۔ ان کے والد حافظ ابراہیم شاہ عالم کے دربار سے منسلک تھے اور اچھے خوش نویس سمجھے جاتے تھے۔

قاسم، کریم اور سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

خیال۔ سنگھ رائے۔ دہلوی:

ایک شاعر ہیں کائستھ ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے ہندوستانی اور فارسی زبان میں تصنیفات

چھوڑی ہیں اور اگر چہ وہ ہندو مذہب سے تعلق رکھتے تھے لیکن اُنھیں عربی زبان سے بھی بڑی دلچسپی تھی۔ ذکاء کے مطابق وہ ذہین تخلص کرتے تھے۔ ممکن ہے کہ ان کا تخلص ذہن ہو۔

خیال۔ جانا ناتھ:

وہ کشمیر کے ایک پنڈت اور باندا ق، زندہ دل اور اچھے شاعر تھے۔ وہ ابتدا میں دہلی میں قیام کرتے تھے لیکن کچھ عرصے بعد حیدرآباد تشریف لے گئے اور وہیں بود و باش اختیار کرلی۔ ان کے ایک قصیدے اور چند غزلوں کو خصوصیت حاصل ہے۔ شیفتہ نے ان کا ایک قطعہ نقل کیا ہے۔

خیر۔ میاں خیر اللہ:

غلام محمد کے بیٹے۔ یہ ہندوستانی شاعر خاص طور پر غزلیں کہتے تھے۔ کمال ان کے استاد تھے اور لکھنؤ میں ان سے ملے تھے جہاں وہ نواب اودھ آصف الدولہ کے ملازم تھے۔

خادم۔ سید حیدر علی:

وہ ایک شاعر ہیں جن کا ذکر ابوالحسن نے کیا ہے۔

خدمت۔ فرحت علی لکھنوی:

بنی نراین نے اپنے انتخاب میں ان کی ایک غزل دی ہے۔

[نوٹ: یہ غزل دستیاب نہ ہوسکی [مترجم]۔

دارہ۔ شاہزادہ مرزا دارا بخت بہادر:

وہ اکبرِ ثانی کے پوتے اور بہادر شاہ [جو دہلی کے آخری مغلیہ بادشاہ تھے] کے بیٹے اور جانشین تھے۔ وہ ایک ممتاز ہم عصر شاعر ہیں۔ قاسم اور سرور نے ان کی بڑی مدح سرائی کی ہے لیکن انھوں نے ان کے چند ہی اشعار نقل کیے ہیں۔ کریم الدین نے اپنے ''گلدستۂ نازنیناں'' میں ان کی دو غزلیں نقل کی ہیں۔ محسن کے بقول جن دنوں میں وہ اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے، دارا کا انتقال ہو چکا تھا۔ انھوں نے بھی دارا کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

داغ:

وہ حیدرآباد کے رہنے والے اور فیضی کے شاگرد تھے۔ ان کا ذکر ''گلشنِ بے خزاں'' میں کیا گیا ہے۔

<u>داغ۔ میر مہدی:</u>

باطن انھیں میر محمدی کہتے ہیں۔ وہ دہلی کے رہنے والے تھے لیکن لکھنؤ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

میر سوز کے بیٹے اور شاگرد تھے اور اپنے باپ ہی کی طرح اردو شاعری میں کافی شہرت رکھتے ہیں۔ ابتدا میں آہ تخلص کرتے تھے لیکن بعد میں داغ کرنے لگے اور آخری وقت تک ان کا یہی تخلص تھا۔ مصحفی کہتے ہیں وہ بہت ہی خوبرو، نیک دل، جواں سال شاعر تھے۔ وہ ایک محبوب سے والہانہ محبت کرتے تھے لیکن انھیں اس میں کامیابی نہیں ہوئی جس کی وجہ سے وہ کچھ اس قدر رنجیدہ خاطر ہوئے کہ موت نے ان کا کام تمام کر دیا۔ جب وہ قریب المرگ تھے تو ان کی محبوبہ نے انھیں ایک خط بھیجا تھا لیکن افسوس کہ بہت دیر ہو چکی تھی۔ اس کے باوجود انھوں نے اپنی رہی سہی طاقت سے کام لے کر اس کے جواب میں شعر لکھ بھیجا جو ذیل میں درج ہے:

از جاں رمقِ بود کہ مکتوبِ تُو آمد
دیگر چہ نویسم خبرم خوب گرفتی

یہ تمام تفصیل مصحفی سے معلوم ہوئی ہے۔ انھوں نے داغ کی ایک رباعی بھی نقل کی ہے جس میں ان کی محبت کی روداد ہے۔ رباعی یہ ہے:

جی لیتی ہے دوستی بری ہوتی ہے — یہ چاہ نہیں بھلی بری ہوتی ہے
سچ کہتے ہیں یہ لگی بری ہوتی ہے — لگتا ہی نہیں ہے جی اس بن آہ

''تذکرۂ ہندی''، ص ۹۸

دانا۔ شیخ فضل علی خان دہلوی:

آپ کو شاہ دانا بھی کہتے ہیں۔ آپ شاہ برہان الدین کے مذہبی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے اور میاں مضمون شاہ جہاں آبادی یا دہلوی کے مرید تھے۔ آپ کافی عرصے تک سلطان دہلی کے دربار سے منسلک رہے۔ اس کے بعد والیٔ بنگال نواب سراج الدولہ کے پاس ملازم ہو گئے۔ لیکن ۱۱۹۴ھ/۱۷۸۰ء میں آپ نے اس دنیا کو ترک کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور درود و وظائف میں مشغول ہو گئے۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جو اب غالباً ناقابلِ تلاش ہے لیکن اس کا تذکرہ ''عیار الشعرا'' میں موجود ہے۔ انھوں نے ہندوستانی میں بھی تصوف کے موضوع پر شعر کہے ہیں اور اس میں نئے تصورات کا اظہار کیا گیا ہے۔ میر کہتے ہیں کہ ایک بار دانا ایک مشاعرے میں تشریف لائے جو ہر مہینے کی ۱۵ تاریخ کو منعقد ہوتا تھا، اس روز ہولی کا دن تھا اور دانا اس مشاعرے میں اس قدر عجیب لباس میں تشریف لائے کہ سودا کو یہ کہنا پڑا کہ میرے دوست نے بھالو کی صورت اختیار کر لی ہے۔ میر کہتے ہیں کہ وہ گاہے گاہے دانا سے ملتے رہتے تھے لیکن ان کے مطابق وہ بڑی حد تک تلون مزاج تھے۔ انھوں نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ علی ابراہیم نے اس

کے برعکس ان کے متعدد اشعار کو اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے کیونکہ دانا کو معلوم تھا کہ وہ اردو شعرا کے متعلق ایک تذکرہ لکھ رہے ہیں اور اس لیے انھوں نے ان کے پاس اپنے متعدد اشعار روانہ کیے تھے تا کہ تذکرے میں شامل ہو سکیں۔

دانا۔ روشن لال۔ لکھنوی:

وہ مہتاب رائے کے بیٹے تھے اور کائستھ برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے استاد نواب عاشور علی خان بہادر تھے۔ محسن نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

داور۔ داد خان:

انھوں نے ہندوستانی اور فارسی زبان کی ایک لغت لکھی ہے۔ اس لغت کا ایک نسخہ میرے پاس ہے جسے غلام غوث نے ۱۷۹۷ء میں نقل کیا ہے۔

دائم۔ علی:

ایک ہندوستانی شاعر ہیں اور بینی نراین کے تذکرہ لکھنے سے قبل کلکتہ میں رہتے تھے۔ بینی نراین نے ان کے گیارہ اشعار نقل کیے ہیں جو بڑی شگفتگی اور روانی رکھتے ہیں۔

داؤد بیگ مرزا:

یہ ہندوستانی شاعر محمد شاہ کے دور میں رہتے تھے اور میر تقی کے مشہور استاد میاں آرزو کے شاگرد تھے۔ ان کے ایک اور استاد عزلت تھے۔ میر تقی اور علی ابراہیم نے اپنے تذکروں میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

داؤد۔ دہلوی:

شورش کے بقول یہ مرزا داؤد بیگ سے مختلف ہیں۔

دبیر۔ مرزا سلامت علی۔ لکھنوی:

وہ ایک ہم عصر شاعر ہیں اور خاص طور پر مرثیہ گو کی حیثیت سے بہت مشہور ہیں۔ وہ ہندوستان میں اپنی ظرافت کے لیے بھی کافی شہرت رکھتے ہیں۔ دبیر مرزا غلام حسین کے بیٹے ہیں جو مرزا آغا جان کے پاس کسی اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں۔ انھوں نے مظفر حسین ضمیر سے فنِ شاعری میں اصلاح لی ہے اور وہ ان کے سب سے مشہور شاگرد ہیں۔ ضمیر خود مرثیہ گو تھے۔ میرے پاس دبیر کے مرثیوں کی ایک کتاب ہے جس میں ۴ مرثیے درج ہیں۔ اس کتاب کو "Nassau Lees" نے جو عربی زبان کے عالم ہیں، مجھے تحفے کے طور پر پیش کیا ہے۔

درخشاں۔سید علی خان۔لکھنوی:

وہ میر مغل کے بیٹے اور منشی ظفر علی اسیر کے شاگرد تھے۔انھوں نے ایک دیوان مرتب کیا ہے۔محسن نے ان کی ایک طویل غزل نقل کی ہے جس میں پتلی کمر کی تعریف بھی کی ہے۔

درخشاں۔مرزا منگا بیگ:

وہ شاہ عالم ثانی کے دور میں رہتے تھے۔گلزارِ ابراہیم کے مکمل ہونے سے کچھ دن پہلے ان کا فیض آباد میں انتقال ہوا۔

یاراں وداعِ عمر کو ہجراں کی رات ہے
مانندِ شمع میری سحر کو وفات ہے

''گلشنِ ہند''، صفحہ ۱۳۴

درد۔خواجہ میر محمد بامیان صاحب۔دہلوی:

وہ ایک مشہور و معروف شاعر تھے۔ان کی شاعری میں تصوف کا گہرا رنگ پایا جاتا ہے۔وہ دہلی کے مشہور بزرگ اور صوفی خواجہ محمد ناصر کے بیٹے تھے۔ان کو عندلیب بھی کہتے ہیں اور وہ اپنے زہد و تقویٰ کے لیے بہت مشہور تھے جنھوں نے ''نالۂ عندلیب'' لکھا ہے۔۔درد شاہ گلشن کے شاگرد تھے (کریم اور مصحفی کے مطابق درد شاہ گلشن کے بیٹے تھے)۔میر ان کے شاگرد تھے اور وہ درد کی بے انتہا عزت کرتے ہیں۔علی ابراہیم نے بھی درد کے متعلق حسبِ ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے:

''جن ایام میں معمورہ شاہجہاں آباد کا اور ہر ایک کوچہ اس خجستہ بنیاد کا مجمعِ اہلِ کمالات سے اور کثرتِ منتخبانِ عدیم المثال سے رشکِ ہفت اقلیم اور غیرت جنت النعیم تھا تو معموری پر شہر کی عرصہ ربع مسکون کا تنگ اور وہ خراب آباد تشبیہ سے ہفت اقلیم تنگ تھا۔ جب کہ متواتر نزولِ آفات کے باعث اور مکرر ورود بلیات کے سبب خراب ہوا۔ اور مصدر عقوبت و عذاب ہوا تو ہر ایک درویش گوشہ نشین نے اور ہر ایک صابر زاویہ گزیں نے اور ہر توانگر مالدار نے اور ہر امیر عالی مقدار نے فرار ہونے کو غنیمت جانا اور بھاگے ادھر کو جدھر پایا ٹھکانا۔مگر سید مولد تیار کہ نام نامی اس کا خواجہ میر درد تھا۔ اس قطب آسمان استقلال نے قبال بھی جگہ سے سرکنے نہ دیا۔متحمل بلاؤں کے اور حامل جفاؤں کے ہوئے اور شاہ جہاں آباد کو چھوڑ کر ایک قدم اپنے کنج عزلت سے نہ

گئے۔ اگر شیخ فرید شکر گنج اسی کو دیکھتا تو جانشینی فقر اسی کو حیراں ہو کر مانند شکر کے انگشت تحیہ کو کاٹتا۔ اور اگر سید حسین جنگ سوار بیچ اسی عرصے کے ہوتا تو زین پوش خدمت کا اسی کے کاندھے پر ڈال کر دوڑتا۔ غرض اسے مجمع فضل و کمال کی التفات طبیعت طرف نظم کے نہ واسطے شہرت اور نام کے ہے بلکہ واسطے گرمانے اور افسردہ دلانِ خام کے ہے۔ اسی شہسوار معرکۂ سخن وری کے تو ہی تند خرام قلم نے بیچ قلمرو معنی آفرینی کے ایک گام بے راہی نہیں کی اور اسی یکۂ تاز عرصہ مضمون تراشی کے ست رنگ آسمان سیر خامہ سے بیچ میدان بلند مقامی کے ایک قدم کوتاہی نہیں کی۔ تعجب نہیں ہے اگر اس عندلیب گلشن من کے کلام معجز نظام کے تحریر سے صفحہ کاغذ کا ہمرنگ برنگ گل ہو۔ اور نغمۂ زبانِ قلم کا ہم آہنگ حقیر بلبل ہو۔ [''گلشنِ ہند''، ص ۱۲۷]

ان کا دیوان کچھ بہت زیادہ ضخیم نہیں ہے لیکن اس میں بہت ہی پُر معنی اور حسین اشعار ہیں جو اس قسم کے دوسرے شعرا کے کلام سے بہت ہی مختلف ہیں کیونکہ درد نے اپنے کلام میں تصوف کے مسائل کو بیان کیا ہے۔ ان اشعار کی مشکلات کو حل کرنے کے لیے درد نے اپنے دیوان کی ایک شرح بھی لکھی ہے۔ انھوں نے غزلوں کا ایک دیوان اور چند رباعیاں بھی فارسی زبان میں لکھی ہیں۔ علی ابراہیم نے درد کے ہندوستانی اشعار کے ۴۰ صفحات کو اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے۔ یہ اشعار حقیقتاً بہت ہی قابل قدر ہیں۔ ان کا اندازِ بیان بہت ہی شگفتہ، رواں اور عام فہم ہے۔ جن دنوں علی ابراہیم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے [۱۱۹۶ھ/۲-۱۷۸۱ء] تو درد دہلی ہی میں قیام کرتے تھے اور وہاں صوفیوں کے پیشوا اور رہنما سمجھے جاتے تھے۔

درد کا دیوان دہلی سے ۱۸۴۷ء میں ۱۴۱ صفحات پر شائع ہوا ہے۔ میرے کتب خانے میں اس کا ایک نسخہ ہے۔ اس کے علاوہ فورٹ ولیم کالج کے کتب خانے میں اور دیگر کتب خانوں میں بھی اس کے نسخے موجود ہیں۔ یہ کتاب اسپرنگر کی کوششوں سے دارالترجمہ کے اخراجات پر مولوی امام بخش صہبائی کی نگرانی میں چھپی ہے۔ مولوی امام بخش نے ان کی ہر غزل کی بحر کی وضاحت بھی کی ہے۔

درد نے تصوف کے موضوع پر رسالہ ''واردات'' لکھا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی پانچ اور تصنیفات ہیں ا۔ ''حرمتِ غنا''، ۲۔ ''دردِ دل'' ۳۔ ''نالۂ درد'' ۴۔ ''آہِ سرد'' ۵۔ ''واقعاتِ درد''۔

مصحفی کا بیان ہے کہ ابتدا میں وہ محمد شاہ کی حکومت میں فوجی ملازم تھے۔ بعد میں انھوں نے دنیاوی تعلقات سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور درویش ہوگئے۔ وہ اس علم اور زہد و تقویٰ میں یگانۂ روزگار تھے اور

انھوں نے دہلی سے باہر کبھی قدم نہیں نکالا تھا۔ وہ سلسلۂ نقشبندیہ سے تعلق رکھتے تھے اور میر کہتے ہیں کہ آپ کی خواہش تھی کہ درد اس جماعت کی امامت قبول فرماتے۔ چنانچہ بعد میں ایسا ہی ہوا۔ درد ایک اعلیٰ درجے کے موسیقار تھے اور ان کا دستور تھا کہ ہر مہینہ کی دوسری تاریخ کو وہ اپنے والد بزرگوار کے مزار کے قریب ایک محفل سماع منعقد کرتے جس میں ماہر موسیقاروں کے علاوہ دہلی کے ہر طبقہ کے لوگ شریک ہوا کرتے تھے۔ وہ عبادت و ریاضت میں اس قدر مستغرق اور دنیاوی معاملات سے اتنا علیحدہ رہتے تھے کہ ایک بار بادشاہ دہلی ان سے ملنے کے لیے بہ نفسِ نفیس تشریف لائے لیکن درد بہت جلد معذرت کر کے کنارہ کش ہو گئے۔

مصحفی کہتے ہیں کہ جن دنوں وہ اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو ایک مرتبہ درد نے اپنی عبادت و ریاضت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حضور تک پہنچنے میں کامیابی حاصل کر لی تھی۔ لطف نے بھی اس واقعہ کا یوں تذکرہ کیا ہے:

"۱۲۰۲ء [بارہ سو دو ہجری] میں اس بلبلِ گلشنِ آزار نے دامِ ہستی سے نکل کر شاخسار کو چمنِ عدم کے آباد کیا۔ ["گلشنِ ہند"، از لطف، ص ۱۲۷]

۱۲۰۹ھ/۴-۱۷۹۳ء میں میر درد کی وفات ہوگئی۔ دوسرے تذکرہ نویسوں کے بقول ان کا انتقال ۱۱۹۶ھ/۲-۱۷۸۱ء یا ۱۱۹۹ھ/۵-۱۷۸۴ء یا ۱۲۰۱ھ/۷-۱۷۸۶ء میں ہوا ہے۔ ذیل میں درد کے صوفیانہ اشعار نقل کرتا ہوں:

جگ میں آ کر ادھر ادھر دیکھا ۔۔۔ تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
جان سے ہوگئے بدن خالی ۔۔۔ جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا
نالہ فریاد آہ اور زاری ۔۔۔ آپ سے ہوسکا سو کر دیکھا
ان لبوں نے نہ کی مسیحائی ۔۔۔ ہم نے سَو سَو طرح سے مر دیکھا
زور عاشق مزاج بھی کوئی ۔۔۔ درد کو قصہ مختصر دیکھا

دردمند۔ کریم اللہ:

وہ عمدۃ الملک کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور شاہ عالم کے دور میں رہتے تھے۔ یہ ہندوستانی شاعری کی نشاۃ الثانیہ کا دور تھا اور دردمند اس عہد کے کامیاب قومی شاعر تھے۔ میرا خیال ہے کہ یہ وہی میر کرم اللہ خان درد ہیں جن کا تذکرہ کیا جاچکا ہے۔

دردمند۔ محمد فقیہ صاحب:

وہ دکن میں پیدا ہوئے تھے لیکن دہلی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ شعر وسخن میں انھیں مرزا جانِ جاناں مظہر سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ انھوں نے کچھ عرصے تک عظیم آباد میں نواب غلام حسین خان پسر نواب اعظم خان کے ساتھ قیام کیا ہے۔ جہاں وہ کاظم کوک سے اکثر ملا کرتے تھے۔ ان دنوں وہ بڑی فراغت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس کے بعد وہ دکن چلے گئے اور وہاں سے دہلی آئے اور دہلی سے نواب علی وردی خان مہابت جنگ کے بھتیجے نواب نوازش محمد خان شہامت جنگ کی دعوت پر مرشد آباد تشریف لے گئے۔ انھوں نے مرشد آباد ہی میں مستقل طور پر اقامت اختیار کر لی تھی اور حکومت کے ملازم ہو گئے تھے۔ ان کا انتقال ۱۱۷۶ھ/۳۔۱۷۶۲ء میں ہوا۔ ''گلزار ابراہیم'' کے سب سے قدیم نسخے میں ان کی وفات کی تاریخ ۱۱۶۶ھ/۳۔۱۷۵۲ء لکھی ہے۔ وہ اپنی شاعرانہ صلاحیتوں، خوش مزاجی اور نیک دلی کے لیے مشہور ہیں۔ علی ابراہیم ان سے واقف تھے اور یہ باتیں علی ابراہیم کے توسط سے معلوم ہوئی ہیں۔ میر کو صرف ایک بار ان سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے چنانچہ وہ دردمند کے متعلق کوئی زیادہ معلومات نہیں بہم پہنچا سکے ہیں۔

دردمند نے ایک ہندوستانی دیوان لکھا ہے جس میں غزلیں اور رباعیاں ہیں۔ انھوں نے ایک مشہور کتاب لکھی ہے جس کا نام ''ساقی نامہ'' ہے۔ اس کا ایک نسخہ کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج میں موجود ہے۔ میر نے ان کی چند مثنویوں کا ذکر کیا ہے جن کے نام قسمیہ، فخریہ اور اشتیاق ہیں اور موخر الذکر مثنوی سے انھوں نے ایک شعر نقل کیا ہے جو ذیل میں درج ہے:

نہ یہ مے نہ یہ باغ رہ جائے گا
نہ ملنے کا یہ داغ رہ جائے گا

''نکات الشعرا''، ص ۱۱۸

درویش۔ میر شاہ علی:

وہ ایک ہم عصر ہندوستانی شاعر ہیں اور ممنون سے شرفِ تلمذ رکھتے تھے۔ ایک فقیر کے بیٹے تھے اور خود بھی فقیر تھے اس لیے انھوں نے اپنا تخلص درویش پسند کیا۔ شیفتہ نے ان کا ذکر کیا ہے۔

دریا۔ پنڈت رتن ناتھ:

وہ پنڈت انند ناتھ شعلہ کے بیٹے تھے جو سبحان علی خان کمبوہ کے وزیر تھے۔ ان کے استاد میر علی اوسط رشک تھے۔ محسن نے اس ہندوستانی شاعر کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

دریغ۔ میر زین العابدین:

دہلی کے سید تھے اور نصیر سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا سرور نے ذکر کیا ہے۔

دل۔ آزاد خان:

پہلے ہندو تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے۔ کریم نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ وہ واقعی ہر طرح آزاد تھے۔ شاید یہ وہی دل [زور آور خان] ہیں جن کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے۔

دل۔ پنڈت دیوی یا دیبی پرشاد:

وہ پٹنہ کے ایک کائستھ خاندان کے فرد اور بریلی کالج کے ایک پرانے طالب علم تھے۔ وہ مرشد آباد میں رہتے تھے اور ضلع فرخ آباد کے انسپکٹر مدارس تھے۔ انھوں نے حسب ذیل کتابیں لکھی ہیں:

۱۔ ''جبر و مقابلہ''۔ یہ Hall کے الجبرا کا اردو ترجمہ ہے جو بریلی سے ۱۸۴۸ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوا۔
۲۔ ''خلاصۂ تواریخِ ہند یا تواریخِ ہند''۔ یہ کتاب بریلی سے ۱۸۴۹ء میں چھوٹی تقطیع پر چھپی ہے۔ اس کے چند اور ایڈیشن آگرہ سے نکلے ہیں۔ ان میں سے ایک ۱۸۵۸ء میں چھوٹی تقطیع پر ۱۰۴ صفحات پر چھپا ہے۔
۳۔ ''مظہرِ قدرت''۔ یہ ایک اردو مقالہ ہے جس میں خالق اور مخلوق پر بحث کی گئی ہے۔ اس میں Paley کی کتاب *Natural Theology* سے استفادہ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ہندی میں بھی شائع ہوئی ہے۔
۴۔ ''رسالہ اصولِ مساحت''۔ یہ کتاب Buket کی کتابوں سے ماخوذ ہے اور الٰہ آباد سے ۱۸۶۰ء میں چھوٹی تقطیع کے ۴۷ صفحات میں چھپی ہے۔
۵۔ ''تاریخِ فرخ آباد''۔ یہ کتاب الٰہ آباد سے ۱۸۵۹ء میں چھوٹی تقطیع پر ۲۲ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔
۶۔ ''تشریح الحروف''۔ کانپور سے ۱۸۵۰ء میں اور الٰہ آباد سے ۱۸۶۰ء میں چھپی ہے۔
۷۔ *Polyglot Grammar and exercises in Persian, English, Arabic, Hindi, Oordo and Bengali.*
۸۔ *Polyglot Munshi on Vocabulary exercises and Pleasant Stories, in English, Persian, Oordoo, etc.*

۹۔ ''ارژنگِ چین''۔ یہ کتاب اردو اور فارسی خوش نویسی کے متعلق ہے اور ۱۸۶۸ء میں کانپور سے چھوٹی تقطیع کے ۲۶ صفحات پر شائع ہوئی۔

۱۰۔ ''مجمع الفوائد''۔ یہ ایک طرح کی اردو قاموس ہے جو انگریزی کتابوں سے ماخوذ ہے۔

۱۱۔ ''تاریخِ پنجاب''۔ یہ کتاب دہلی سے شائع ہوئی۔

۱۲۔ ''مجموعۂ تعزیراتِ ہند''۔ اس کتاب کا اشتہار ۲ ۱۲ اپریل سنہ ۱۸۶۹ء کے سائنٹیفک اخبار علی گڑھ میں دیا گیا ہے۔

دل اردو کے شاعر بھی تھے اور اس لیے انھوں نے اپنے نام کے ساتھ تخلص کا اضافہ کیا۔

دل ۔زور آور خان:

کول کے رہنے والے تھے۔ وہ ابتدا میں کھتری ہندو تھے لیکن بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا اور افغان کے لقب سے مشہور تھے۔ انھوں نے ایک دیوان اور چند مثنویاں لکھی ہیں۔ شیفتہ، کریم الدین اور محسن نے ان کا ذکر کیا ہے۔ محسن کہتے ہیں کہ جن دنوں وہ اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

دل ۔شاہ فتح محمد:

وہ شاہ آبرو کے ہم عصر تھے۔ ان کے دادا گوالیار کے محمد غوث تھے۔ انھوں نے ہندوستانی میں شاعری کی ہے جس کا ایک نمونہ علی ابراہیم نے نقل کیا ہے۔ عشقی کے بیان کے بقول وہ آگرہ میں پیدا ہوئے لیکن فیض آباد میں رہتے تھے جہاں وہ حکیم تھے۔

دل ۔شیخ محمد عابد۔ مرحوم:

وہ عظیم آباد میں پیدا ہوئے تھے اور محمد روشن جوشش کے بڑے بھائی اور جسونت ناگر کے بیٹے ہیں۔ علی ابراہیم کہتے ہیں کہ یہ دونوں بھائی ممتاز مصنفین میں تھے اور وہ طبیعت کے ثقہ پن کے ساتھ بے شمار خوبیوں اور بلند کردار کے حامل تھے۔ دل کے اشعار کا ایک مجموعہ دیوان کی شکل میں ہے۔ اس میں تقریباً دو ہزار اشعار درج ہیں۔ وہ علی ابراہیم سے واقف تھے اور انھوں نے اپنے دیوان کے کچھ اقتباسات ابراہیم کے پاس بھیجے تھے تاکہ ان کے تذکرے میں شامل ہو سکیں۔ علی ابراہیم نے ان سے ۵ یا ۶ صفحات نقل کیے ہیں اور ان کے مطابق یہ اشعار ناخن کی طرح ہیں جو دل کو کریدتے ہیں۔ ذیل میں ایک شعر درج ہے جس کو بینی نراین نے نقل کیا ہے:

نالے ہی سدا بھر بھر دن عمر کے بھرتے ہیں　　　ہیں نزع میں ہم تجھ بن جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

دل کا پٹنہ میں انتقال ہوا ہے۔ انھوں نے ایک مقالہ لکھا ہے جس کا نام ''عروض الہندی''

ہے۔ ہندوستانی تذکرہ نویس اکثر دل کو جوش یا جوشش سے خلط ملط کرنے کے عادی ہیں۔ان کے اور ان کے والد کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ دل اور جوشش خود مسلمان تھے لیکن ان کے والد کا تعلق ہندو مذہب سے تھا۔ایسے واقعات اکثر دیکھنے میں آئے ہیں کہ ہندوؤں نے بت پرستی کو ترک کر کے اسلام قبول کر لیا ہے۔رام موہن رائے نے مذہبِ اسلام کو پورے طور پر قبول نہیں کیا تھا لیکن وہ موحد ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اور اس طرح وہ یہودی، نصرانی یا مسلمان کہے جا سکتے تھے۔ وہ محمدؐ اور قرآن کی بڑی تعظیم اور تکریم کرتے تھے اور مجھے ان سے گفتگو کرنے کا موقع ملا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ محمدؐ اور عیسیٰ علیہ السلام میں کوئی فرق نہیں سمجھتے تھے اور دونوں بزرگوں کو خدا کا رسول مانتے تھے۔

دل۔غلام مصطفیٰ خان۔دہلوی:

وہ غلام محی الدین خان کے بیٹے تھے۔قاسم کا خیال ہے کہ ان میں ایک اچھے شاعر ہونے کی پوری صلاحیتیں تھیں لیکن ان کی زندگی عیش پرستی میں گزرتی تھی۔سرور کا تذکرہ مکمل ہونے سے پہلے ان کا انتقال ہو گیا تھا۔

دل بدھورام۔فرخ آبادی:

وہ اگروال بنیوں کی ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر عشقی نے کیا ہے۔

دل۔مولوی شمس الدین۔دہلوی:

شیفتہ اور کریم نے ان کا ذکر کیا ہے لیکن وہ شاعری سے زیادہ اپنی بزرگی اور زہد کے لیے مشہور ہیں۔ ان کا انتقال ۱۲۵۰ھ/۵۔۱۸۳۴ء میں ہوا۔

دل۔میر مہدی:

وہ ایک دوسرے ہندوستانی شاعر ہیں لیکن میں صرف ان کے نام سے واقف ہوں۔

دل۔نواب عماد الملک:

وہ نظام الملک کے پوتے تھے۔شورش کے بقول وہ صرف شاعر ہی نہیں ہیں بلکہ بہت ساری خوبیوں کے مالک بھی ہیں۔

دلبر:

ان کو چھوٹی بیگم بھی کہتے ہیں۔کریم نے ان کے اشعار نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

''معشوقۂ جاں نواز سراپا ناز پر انداز۔مسیح دم از فرعم خورشید رو۔ماہ طلعت سیمیں تن۔

بلورین ذقن۔ نازک اندام۔ خوش خرام۔ زیبا کلام... قلم میں یہ طاقت کہاں جو ایک
شمعِ حسن و جمال اور وضاحت قیل وقال دلبر مذکورہ سے لکھے۔"

''گلدستۂ نازنیناں'' از کریم الدین، ص ۳۱۹

دل خوش۔ کنور بہادر سنگھ:

وہ دہلی کے ایک کشتری خاندان کے فرد اور دورِ حاضر کے شاعر تھے۔ وہ راجہ خوشحال رائے کے پوتے تھے، جو خود بھی شاعر تھے، جن کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے۔ دل خوش کے استاد شاہ قائم تھے۔ انھوں نے اردو فارسی دونوں میں شعر کہے ہیں لیکن ان کا کلام ان کے دادا کے کلام سے بہتر نہیں ہے۔ سرور اور ذکا نے ان کا ذکر کیا ہے۔

دل سوز۔ خیراتی خان:

شیفتہ اور قاسم کا بیان ہے کہ دل سوز ایک افغان درزی تھے جو شاہ نصیر دہلوی کے مرید اور ثناءُ اللہ خان فراق کے شاگرد تھے۔ وہ علی گڑھ کے قریب ایک گاؤں ٹپل میں رہتے تھے جہاں وہ ظفریاب خان کے کپڑے سیا کرتے تھے اور ان ہی کی صحبت میں شعر و شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ پھر وہ دونوں دوست ہو گئے۔ پہلے وہ شراب پیتے تھے بعد میں چھوڑ دی۔ ان کا انتقال فیض آباد میں ہوا۔

دلگیر۔ میاں جنگی لال:

یہ کائستھ تھے اور اردو کے مشہور مرثیہ نگار۔ وہ مسلمان ہونے سے پہلے بیدم تخلص کرتے تھے لیکن انھوں نے اپنا وہ دیوان جو مسلمان ہونے سے پہلے مرتب کیا تھا دریا میں غرق کر دیا اور اس کے بعد حضرت علی، حسن اور حسین کی شان میں صرف مرثیے کہنے لگے۔ وہ پہلے خائف کے اور بعد میں ناسخ کے شاگرد ہوئے۔ غالباً یہ وہی شاعر ہیں جن کا ذکر شیفتہ نے میر حمایت اللہ خان کے نام سے کیا ہے، جو پہلے ہندو تھے اور عالم خان مجسٹریٹ کے بیٹے تھے۔ وہ علمِ نجوم، علمِ جفر اور پیشن گوئی میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ وہ ایک اچھے شاعر اور مرثیہ نگار تھے اور وہ اپنے ہاں مشاعرہ بھی کرتے تھے، اس میں شیفتہ بھی شرکت کرتے تھے۔

دلہن بیگم یا جانی بیگم جان بہو بیگم اور نواب بہو بیگم:

وہ آصف الدولہ کی بیوی تھیں اور اپنے شوہر کی طرح اردو میں کامیاب شعر کہتی تھیں۔ ان کے والد نواب قمر الدین خان انتظام الدولہ تھے اور ان کے دادا مشہور نواب وزیر اعتماد الدولہ تھے۔
کریم نے ان کے زہد و عبادت کی بڑی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ وہ ملکہ ہوتے ہوئے بھی اپنی

رات عبادت کرنے اور قرآن پڑھنے میں گزارتی تھیں۔

جہاں کے باغ میں ہم بھی بہار رکھتے ہیں مثالِ لالہ کے دل داغدار رکھتے ہیں
بہا ہے پھوٹ کے آنکھوں سے آبلہ دل کا تری کی راہ سے جاتا ہے قافلہ دل کا

دلیر۔شاہ۔عظیم آبادی:

یہ نوجوان مذہب کے پابند اور مطالعے کے بڑے شوقین تھے۔شیفتہ نے ان کا ذکر کیا ہے۔

دلیل۔منشی گھاسی خان:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کی ایک مثنوی ۱۲ جون ۱۸۶۶ء کے ''اودھ اخبار'' میں شائع ہوئی ہے۔

ڈنگر سنگھ:

وہ ''خیال'' کے مصنف ہیں جو ایک قسم کا مختصر ڈراما ہے اور جس کو راجستھان میں بہت پسند کیا جاتا ہے۔"J Robson" نے ان کا ایک خیال شائع کیا ہے۔یہ شکاورت ٹھاکر کا قصہ ہے جسے انگریزوں نے آگرہ میں قید کرلیا تھا اور جو عجیب وغریب انداز سے وہاں سے چھوٹ نکلا تھا۔

دوست:

فرخ آباد کے رہنے والے تھے جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔

دوست۔دوست محمد۔سکندر آبادی:

اردو شاعری میں معجز کے شاگرد تھے۔وہ ایک فارسی دیوان کے مالک ہیں۔دوست کسی بیماری کی وجہ سے بچپن ہی میں اندھے ہوگئے تھے اور حافظِ قرآن تھے۔

دوست۔شیخ غلام محمد:

پٹنہ کے رہنے والے تھے۔ابو الحسن انھیں سید غلام علی کہتے ہیں اور محسن نے ان کا نام خلیفہ غلام احمد بہاری لکھا ہے۔عشقی کا بیان ہے کہ انھوں نے ''اظہارِ دانش'' کے نام سے ''بہارِ دانش'' کا ریختہ میں ترجمہ کیا ہے۔

ان مشہور فارسی کہانیوں کے علاوہ جن میں عورتوں سے بیزاری کا اظہار کیا گیا، اردو میں کئی اور ترجمے موجود ہیں۔ان میں سے ایک بنگال کے مسلمان ملاحوں کی بول چال کے مطابق ہے جس کو "Long" نے مسلمان بنگالی یا اردو بنگالی کہا ہے۔

مرشد آباد میں ایک ملاقات کے موقعے پر انھوں نے علی ابراہیم کو ۱۰۰ اشعار دیے تھے۔

دیدار:

وہ ایک دکنی شاعر ہیں۔انھوں نے ''قصۂ ماہ منور وشمشاد بانو'' کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے جس میں ایک سوداگر بچے اور دختر فرنگی کی محبت کی داستان کو منظوم کیا ہے۔میرے پاس اس مثنوی کا ایک قلمی نسخہ ہے لیکن میرے خیال میں یہ کتاب مکمل نہیں کیونکہ اس میں چھوٹی تقطیع کے صرف ۲۲ صفحات ہیں۔

دیدار۔علی شاہ:

وہ ایک شاعر ہیں جن کا ذکر سرور نے کیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ دیدار دکنی سے مختلف ہیں۔

دیوان چند۔منشی اور حکیم:

وہ پہلے سیالکوٹ کے اردو اخبار ''اخبار چشمۂ فیض'' کے مدیر تھے جو جون ۱۸۵۳ء سے نکلنا شروع ہوا تھا۔بعد میں ''خورشید عالم'' اور ''اخبار پنجاب'' کے مدیر ہوگئے اور ۹ دسمبر سنہ ۱۸۶۵ء سے وہ ''خیر خواہِ پنجاب'' میں کام کرنے لگے۔میرا خیال ہے کہ یہ اخبار قبل الذکر دونوں اخبار کی جگہ سیالکوٹ سے ۱۶ صفحے پر ہر مہینے میں دو بار نکلتا ہے۔

دیوانہ۔رائے سرپ سنگھ۔لکھنوی:

وہ راجہ مہانارین سے تعلق رکھتے تھے اور بعد میں حسرت، حیرت اردو شعرا کے استاد ہوئے۔انھوں نے اردو میں شعر کہے ہیں لیکن زیادہ تر فارسی میں شاعری کی ہے۔ان کے فارسی اشعار کی تعداد ۱۰ ہزار بتائی جاتی ہے جو دو دیوان کی شکل میں مرتب ہیں۔ان کا انتقال ۱۲۰۴ھ/۹۰۔۱۷۸۹ء میں ہوا۔ہندوستانی تذکرہ نویسوں نے ان کے ریختہ اشعار نقل کیے ہیں۔

دیوانہ۔گروبخش رائے:

وہ دہلی میں پیدا ہوئے لیکن مرشد آباد میں رہتے تھے۔وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر شورش نے کیا ہے۔

دیوانہ۔مرزا محمد علی خان:

بنارس کے رہنے والے اور سرکاری ملازم ہیں۔ان کے بیٹے مرزا نجف علی خان جنون ہیں جو خود بھی شاعر ہیں۔شیفتہ نے ان دونوں کا ذکر کیا ہے۔

درد۔میر کرم اللہ خان دہلوی:

وہ امیر خان انجام کے سوتیلے بھائی تھے اور نواب عمدۃ الملک، امیر خان کے بھانجے تھے۔وہ تقریر و تحریر

میں خاص مہارت رکھتے تھے اور بہادر آدمی تھے۔ وہ محمد شاہ کے بیٹے احمد شاہ کے زمانے میں مرہٹوں کے خلاف جنگ میں مارے گئے۔ میر نے ان سے اُس موقعے پر ملاقات کی تھی۔ ان کے بہت سے دردناک اشعار نقل کیے ہیں۔ قاسم کہتے ہیں کہ وہ امیر خان انجام کے بھانجے اور نواب اصالت خان کے پوتے تھے۔ وہ پہلے شاہ ولی اللہ اشتیاق کے شاگرد تھے۔

ذاکر۔ سید حسین دوست۔ مراد آبادی:

ان کا شمار ہندوستانی شعرا میں کیا گیا ہے۔ علی ابراہیم کے علاوہ ان کا ذکر کسی تذکرے میں نہیں پایا جاتا۔ علی ابراہیم نے ان کا صرف ایک شعر نقل کیا ہے۔

ذاکر۔ میر جان۔ لکھنوی:

وہ فخر الدین ماہر کے بیٹے اور شاگرد ہیں۔ وہ صاحبِ دیوان ہیں جن کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔

ذاکر۔ مرزا احمد بیگ۔ دہلوی:

وہ رستم بیگ کے بیٹے ہیں۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

ذاکر۔ ذکر علی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر ناسخ نے اپنے ''دفترِ بے مثال'' میں کیا ہے۔

ذبیح۔ محمد اسماعیل:

وہ اندر کوٹ میرٹھ کے رئیس اور دورِ حاضر کے شاعر ہیں۔ انھوں نے ''بہارستانِ ناز'' پر ایک تاریخ لکھی ہے جو اس کتاب کے آخر میں شامل ہے۔

ذکا۔ ذکاءُ اللہ خان۔ لکھنوی:

وہ نواب محبت خان کے بیٹے اور مشہور حافظ رحمت خان روہیلہ کے پوتے تھے۔ اپنے والد کی طرح وہ ہندوستانی شاعری میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ کریم نے ان کا ذکر کیا ہے۔ شاید وہ اور منشی محمد ذکا ایک ہی شخص ہیں۔

ذرہ۔ مرزا راجہ رام ناتھ:

وہ شاہ عالم کے یہاں ایک اہم عہدے پر مامور تھے۔ چونکہ دہلی کے بادشاہ شاہ عالم اپنا تخلص آفتاب کرتے تھے اس لیے آفتاب کی رعایت سے انھوں نے اپنا تخلص ذرہ رکھا تھا۔ وہ پیدائشی ہندو تھے لیکن

مسلمان ہو گئے تھے۔ وہ محرم کے موقعے پر مرثیے پڑھتے تھے جو خود ان کے کہے ہوئے ہوتے تھے۔ محرم میں وہ سبز لباس پہنتے اور حضرت امام حسین کی پیاس کی یاد میں لوگوں کو پانی پلاتے پھرتے تھے۔ وہ محرم کے زمانے میں غریبوں کو خیرات وزکوۃ بھی دیتے اور جلوس میں شریک ہوتے تھے۔

ذکا۔ مرزا شیخ منشی محمد مخدوم بخش بیگ لکھنوی:

وہ دورِ حاضر کے ایک شاعر ہیں جو شیخ امام بخش ناسخ اور مرزا خانی نوازش کے شاگرد تھے۔ جس وقت سرور اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے وہ سلیمان شکوہ کے پاس دہلی میں تھے۔ انھوں نے زیادہ تر مرثیے کہے ہیں۔ محسن نے ان کے ہندوستانی کلام کا نمونہ دیا ہے۔ انھوں نے انجیل کا مکمل ترجمہ نہ سہی لیکن نصف ہندوستانی ترجمہ ضرور کیا ہے۔ اس ترجمے کا ایک نسخہ ۱۸۵۹ء برٹش بائبل سوسائٹی میں ملا ہے جس کے آخر میں اس طرح کا ایک نوٹ لکھا ہوا ہے کہ یہ ترجمہ ذکا نے پادری دانیال کوری کی فرمائش پر کیا تھا۔ اس کتاب کو بڑی تقطیع پر ۱۸۶۱ء میں رومن رسم الخط میں پادری R.C. Mather اور ان کے بیٹے Woolwich نے، جو پروفیسر تھے، شائع کیا ہے۔

ذکا۔ لالہ خوب چند۔ دہلوی:

وہ کائستھ ذات کے ہندو ہیں اور اردو میں شعر کہتے ہیں۔ منولال نے ان کی متصوفانہ اور عشقیہ غزل نقل کی ہے جو مشرقی شعرا کا محبوب ترین موضوع ہے۔ اگرچہ اس کے استعارات ہمارے ذوق سے ماوراء نہیں ہیں پھر بھی ان میں اس قدر مبالغہ آمیزی ہے کہ ترجمہ کرنا مشکل ہے۔ وہ دورِ حاضر کے ایک شاعر ہیں جو شاہ ناصر کے شاگرد ہیں۔ انھوں نے ایک دیوان مرتب کیا جس کے کچھ حصے سرور اور شیفتہ نے اپنے تذکروں میں نقل کیے۔ انھوں نے ہندوستانی شعرا کا ایک تذکرہ "عیار الشعرا" نامی کے علاوہ بڑی دلکش نثر بھی لکھی ہے۔ انھوں نے اپنے استاد میر نصیر الدین ناصر معروف بہ میر کلو کی درخواست پر یہ تذکرہ لکھا تھا۔ اس تذکرے کی ترتیب میں وہ ۱۲۰۸ھ/۴۔۱۷۹۳ء سے لے کر ۱۲۴۷ھ/۲۔۱۸۳۱ء تک تقریباً ۴۰ سال مصروف رہے۔ یہ تذکرہ فارسی میں ہے اور اس میں تقریباً ۱۵۰۰ شعرا کے حالات، ان کے انتخاب کلام کے ساتھ دیے گئے ہیں۔ یہ چھوٹی تقطیع کے ۱۰۰۰ صفحات پر ہے اور ہر صفحے میں ۱۵ سطریں ہیں۔ ڈاکٹر اسپرنگر کا بیان ہے کہ اس میں تنقیدی عنصر نہیں ہے اور تکرار کے علاوہ اکثر غیر مصدقہ واقعات درج ہیں لیکن ساتھ ہی ان کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ تذکرہ بڑی اہم معلومات فراہم کرتا ہے۔ بدقسمتی سے اس کا کوئی نسخہ یورپ میں موجود نہیں ہے۔ اس پہلو سے قطع نظر ذکا ریاضی اور انشا میں بھی غیر معمولی مہارت رکھتے تھے۔ دورِ حاضر

کے ایک شاعر نسیم میسوری نے ان کی ایک غزل پر مخمس کہا ہے جو کہ ۱۹ جنوری ۱۸۶۷ء کے ''اودھ اخبار'' میں شائع ہوئی ہے۔

ذکا کے پوتے کے حوالے سے ڈاکٹر اسپرنگر نے ان کی وفات کا سال ۱۸۴۶ء لکھا ہے۔

ذکاءُ اللہ۔ منشی محمد:

وہ دہلی کالج میں ریاضی کے پروفیسر تھے۔اس سے پہلے وہ دہلی کالج کے نامور طالب علم بھی رہ چکے تھے۔مندرجہ ذیل تصانیف ان سے یادگار ہیں:

۱۔ ''مختصر احوال مغنیانِ ہندی کے تذکروں کا''۔یہ میرے اس مضمون کا ترجمہ جو میں نے ہندوستانی تذکرہ نگاروں کے متعلق لکھا تھا۔میرا خیال ہے کہ اس کا دوسرا عنوان ''رسالہ درباب تذکروں کے'' تھا۔یہ کتاب دہلی کالج کے پرنسپل فرانسس بٹلر نے ۱۸۵۶ء میں بڑی تقطیع کے ۱۸ صفحات میں شائع کی ہے۔فرانسس بٹلر ۱۸۵۷ء کے غدر میں مارے گئے تھے۔

۲۔ ''تحفۃ الاحباب''۔

۳۔ ''تعلیم الحساب''۔

۴۔ ''منتخب الحساب''۔یہ کتاب میرٹھ سے ۱۸۶۴ء میں چھپی ہے۔ذکاءُ اللہ فارسی کے اچھے عالم ہیں لیکن ریاضی سے انھیں غیر معمولی شغف تھا اور اسی لیے غدر سے پہلے حکومت نے انھیں دتی کالج میں شعبہ علوم کا پروفیسر مقرر کیا تھا تا کہ وہ اردو میں مغربی علوم کا درس دے سکیں۔

ذکر۔دہلوی:

اگر چہ ان کی عمر صرف چودہ سال تھی پھر بھی عشقی نے ان کا ذکر اردو شعرا میں کیا ہے اس لیے کہ وہ اس کم عمری میں بھی بڑے طباع تھے۔

ذکر۔میر حسین۔مراد آبادی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر عشقی نے کیا ہے۔

ذکر۔مرزا فضل علی۔افغانی:

یہ اعلیٰ اوصاف کے مالک ہیں اور پٹنہ میں رہتے ہیں۔جوش نے ان کا ذکر کیا ہے۔

ذکی۔اسد الدولہ رستم الملک ذکی خان بہادر فیل جنگ یا نواب بہادر۔لکھنوی:

وہ نواب دلیر الدولہ آغا حیدر نیشا پوری کے بڑے بیٹے تھے۔ان کے دو استاد تھے۔سرفراز علی قادر اور

میر علی اوسط رشک۔ اپنے دوسرے اشعار کے علاوہ انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جس کی چند غزلیں محسن نے نقل کی ہیں۔ ان کا ایک واسوخت اُس ''مجموعۂ واسوخت'' میں شامل ہے جو دہلی سے ۱۸۴۹ء میں شائع ہوا ہے۔

ذکی۔ میر حیدر حسن۔ دہلوی:

وہ دورِ حاضر کے ایک روحانی شاعر ہیں جن کا ایک قصیدہ ۷ جولائی کے ''اودھ اخبار'' میں چھپا ہے، اس نظم میں ۳۰ اشعار ہیں۔

ذکی۔ محمد:

وہ دورِ حاضر کے ایک جوان شاعر اور محمد تقی کے بیٹے ہیں۔ ان کے اشعار کافی شگفتہ اور دلکش ہوتے ہیں۔ وہ حافظ عبدالرحمن احسان سے مشورۂ سخن کرتے ہیں۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

ذکی۔ جعفر علی خان۔ دہلوی:

مرزا مومن بیگ کے بیٹے اور محمد شاہ کے پاس ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ وہ عمدۃ الملک امیر خان کے مصاحب تھے لیکن ان کے انتقال کے بعد تمام عمر بیکار رہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ محمد شاہ نے ایک بار ان سے حُقّے کے موضوع پر ایک مثنوی لکھنے کی فرمائش کی تھی۔ انھوں نے اس مثنوی کو لکھنا شروع کر دیا تھا لیکن چونکہ محمد بادشاہ نے اسے پسند نہیں کیا اس لیے اس مثنوی کو حاتم نے بعد میں مکمل کیا ہے۔ یہ باتیں میر سے معلوم ہوئی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یہ نظم خوبیوں سے خالی نہیں ہے۔ میر کے تذکرے کی تصنیف سے چار یا پانچ سال پیشتر ذکی اپنے یہاں ریختہ کے شعرا کے لیے مشاعرے منعقد کیا کرتے تھے لیکن کچھ دنوں کے بعد یہ مشاعرے بند ہوگئے۔ میر کو معلوم نہیں کہ یہ کیوں بند کر دیے گئے۔ ذکی کا انتقال ۱۱۷۸ھ/ ۶۵-۱۷۶۴ء میں ہوا ہے۔ ذکی کو اچھے ہندوستانی شعرا میں شمار کیا جاتا ہے۔ وہ ریختہ اشعار کے لیے غیر معمولی صلاحیت رکھتے تھے۔ وہ قدیم انداز بیان میں بھی شاعری کیا کرتے تھے۔ میر نے ذکی کی مختلف غزلوں سے چند نمونے پیش کیے ہیں۔ ان میں ایک نظم حضرت علی کے متعلق ہے۔ یہ نظم جس کا عنوان ''مثنوی در منقبۂ شاہِ ولایت'' ہے، بہت ہی مشہور ہے۔

ذکی۔ شیخ مہدی علی۔ مراد آبادی:

ان کے آباؤ اجداد لکھنؤ کے شیخ زادے تھے اور ان کے والد کا نام کرامت علی تھا۔ وہ ایک مشہور شاعر ہیں جو سہارنپور میں تحصیلدار کے عہدے پر مامور تھے۔ جن دنوں شیفتہ اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے وہ لکھنؤ میں

رہتے تھے۔ان کو سلطانِ دہلی قطب دھاری نے ملک الشعرائے ہند کے لقب سے سرفراز کیا تھا۔شیفتہ کو ان سے دہلی میں ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔بیان کیا جاتا ہے کہ وہ یورپین حضرات سے اکثر ملتے رہتے تھے اور غالباً یہ ان کی صحبت کا نتیجہ ہے کہ ذکی نے سائنٹیفک علوم سے دلچسپی لینی شروع کر دی تھی جو عام طور پر ایشیائی باشندوں میں نہیں پائی جاتی ہے۔وہ خاص طور پر تاریخی مضامین کے لکھنے کے لیے مشہور ہیں جسے مشرق میں بہت پسند کیا جاتا ہے۔ان کے علاوہ انھوں نے نظام حیدرآباد آصف جاہ بہادر کی شان میں ایک معرکۃ الآرا قصیدہ تصنیف کیا ہے۔وہ ایک ریختہ دیوان کے مالک ہیں جس کا شیفتہ نے ذکر کیا ہے اور جس سے محسن نے چند نمونے پیش کیے ہیں۔انھوں نے ایک فارسی دیوان بھی چھوڑا ہے۔ان کی ایک غزل، جو ۱۹ ابیات پر مشتمل ہے، ۹ فروری ۱۸۶۹ء کے ''اودھ اخبار'' میں شائع ہوئی ہے۔

ذوالفقار علی۔مولوی:

پہلے وہ دلّی کالج کے طالب علم تھے پھر چند سال کے لیے بریلی کالج میں چیف پروفیسر ہو گئے۔ ۱۸۵۷ء میں وہ میرٹھ میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔مسٹر فرانسس بٹلر مرحوم ان سے واقف تھے اور ان کا بیان ہے کہ ذوالفقار علی ذہین اور طبّاع ہونے کے علاوہ فارسی اور علوم مغربی سے بھی واقف تھے۔ان کے کلام سے قطعِ نظر انھوں نے اردو میں ''تسہیل الحساب'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو بریلی سے ۱۸۵۲ء میں چھپی ہے۔اس کتاب کو "*Tate's Postalozzian Arithmatic*" مترجم ایچ۔ایس ریڈ [H.S. Reid] کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے۔

ذوق۔منشی آسارام:

پٹنہ کے رہنے والے تھے۔''مسرت افزا'' میں ان کا ذکر فدوی کے شاگرد کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔

ذوق۔شیخ محمد ابراہیم۔دہلوی:

وہ مرزا غلام رسول شوق کے شاگرد تھے اور بیان کیا جاتا ہے کہ وہ دورِ حاضر کے سب سے زیادہ معروف و مشہور اردو شاعر ہیں۔ان کا لقب ملک الشعرا اور خاقانیٔ ہند تھا جو کہ ان کا دوسرا تخلص تھا۔شیفتہ کا بیان ہے کہ اُن کی رنگینیٔ خیالِ نظر میں گل و لالہ کا جلوہ بڑھاتی ہے اور ان کی شمع فکر پروانہ دل کو ایک اچک لے جاتی ہے۔

امام بخش صہبائی کہتے ہیں کہ موجودہ شاعروں میں ان کا مرتبہ سب سے بڑا ہے۔صہبائی نے ان کی تعریف میں بڑے مبالغہ آمیز الفاظ استعمال کیے ہیں اور ۲۵ صفحوں میں ان کے کلام کا انتخاب دیا ہے۔محسن

نے بھی ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

ذوق غزل اور قصیدہ گوئی میں بڑی قدرت رکھتے تھے۔ بنی نراین نے ''قرآن السعدین'' میں ذوق کو ان دونوں صنفوں میں میر اور سودا پر فضیلت دی ہے۔ ذوق نے ایک تذکرہ اور ایک دیوان یادگار چھوڑا ہے۔ مسٹر Boutros دہلوی کے پاس دونوں کتابوں کے نسخے موجود تھے۔ دھرم نراین کے مطابق ذوق نے ایک لاکھ اشعار کہے ہیں۔ ان کے بے شمار شاگرد تھے اور صبح تا شام وہ اصلاحِ سخن میں مصروف ہی رہتے تھے لیکن ان کے نادر اسلوب کو کوئی اپنا نہ سکا۔ دوسروں سے قطع نظر وہ بادشاہ دہلی سراج الدین ظفر کے بھی استاد تھے اور عمدۃ الاستادین کہلاتے تھے۔ سرور اور شیفتہ نے کئی صفحوں میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔ امام بخش نے ''حدائق البلاغت'' میں بھی بہت سے اشعار دیے ہیں۔ اسپرنگر کا بیان ہے کہ بعض راویوں کے مطابق ظفر کا دیوان ذوق کا لکھا ہوا ہے۔

ذوق ۱۸۴۷ء میں تقریباً پچاس سال کے تھے اور دوسرے ایرانیوں اور اکثر ہندوستانیوں کی طرح شیعہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ اس جگہ ان کے دو شعر نقل کیے جاتے ہیں جن میں بدقسمتی سے صوفی شعرا کی طرح وحدت الوجود کا فلسفہ نظم کیا گیا ہے۔

آدمیت اور شے ہے علم ہے کچھ اور شے — کتنا طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا

سب کو دیکھا اس نے اور اس کی دیکھا جوں نظر — وہ رہا آنکھوں میں اور آنکھوں سے پنہاں ہی رہا

''دیوانِ ذوق''، ص ۲ مطبع نول کشور

میرا خیال ہے کہ یہ وہی شاعر ہیں جن کا ذکر قاسم نے اردو ادب کے جدید شاعر کی حیثیت سے کیا ہے اور محمد نصیر الدین نصیر کا شاگرد بتایا ہے۔ نساخ کے دیوان دفترِ بے مثال کے ایک قطعۂ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا انتقال ۱۲۷۱ھ/۵۔۱۸۵۴ء میں ہوا۔

ذوقی شاہ:

وہ ایک آوارہ فقیر تھے اور ہندوستانی میں گیت کہتے تھے جو ہندوستان کے بازاروں میں بہت مشہور تھے۔ منولال نے ان کا ایک شعر نقل کیا ہے:

ہے ہاتھ کماں اس کے اب تیر ہے اور میں ہوں — تدبیر ہے لاحاصل تقدیر ہے اور میں ہوں

''مجموعہ نغز''، ص ۲۶۲

شیفتہ اور کریم نے ایک ذوقی لکھنوی اور ایک ذوقی بنارسی کا ذکر کیا ہے۔ یہ دونوں درویش ننگے پاؤں،

ننگے سر رہتے تھے اور ہندوستانی میں اچھے اشعار کہتے تھے۔ان کے ناموں میں خلط ملط بھی ہوتا ہے کیونکہ وہ لکھنؤ میں پیدا ہو کر بنارس میں یا بنارس میں پیدا ہو کر لکھنؤ میں رہتے تھے۔اسپرنگر نے ان دونوں پر الگ الگ مضمون لکھے ہیں۔ایک ذوقی شاہ بنارسی جو میرٹھ چلے گئے تھے اور ذوقی شاہ لکھنوی جو ۱۲۲۱ھ/ ۷۔۱۸۰۶ء سے پہلے انتقال کر چکے تھے۔

ذوقی۔رام۔مراد آبادی:

ان کا ذکر ''گلشنِ بے خار'' میں کیا گیا ہے۔وہ عطر فروش اور مہدی علی ذکی کے شاگرد تھے۔شیفتہ اور سرور کے مطابق ہولی کے زمانے میں وہ بازار اور گلیوں میں جاتے تھے اور شہنائی بجانے والوں کے لباس میں نظمیں سناتے تھے۔

ذہین۔میر محمد مستعد:

یہ ہندوستانی شاعر فتح علی حسینی کے دوست تھے اور کمسنی ہی میں انتقال کر گئے تھے۔

راجا یا راجہ وگیا جی سنگھ:

وہ بلرامپور کے مہاراجہ تھے اور ہندوستانی میں شعر کہتے تھے۔میران صاحب نامی کی کتاب ''نوش دارو'' میں ان کے اشعار کے متعدد نمونے پیش کیے گئے ہیں۔

راج کرشن بہادر۔مہاراجہ:

وہ ۱۷۸۲ء میں پیدا ہوئے۔ان کے والد مہاراجہ تا یا نوا کرشن بہادر وارن ہسٹنگز کے یہاں منشی کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔یہ ان کی نوجوانی کا وقت تھا۔اس کے بعد وہ لارڈ کلائیو کے ساتھ سیکریٹری کی حیثیت سے دہلی چلے گئے۔اپنے عمدہ کردار کی بدولت انھیں کئی اعزاز ملے۔۱۷۹۸ء میں بہ عمر ۶۳ سال انتقال ہوا۔کلکتہ کے وسط میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو انھوں نے زمین کا ایک بڑا قطعہ دے دیا تھا جہاں سینٹ جان چرچ تعمیر ہوا۔میر جعفر کے صوبیدار ہونے سے قبل اس راجہ نے انگریزوں سے بڑی وفاداری کا اظہار کیا۔میر قاسم سے جنگ کے زمانے میں وہ میجر آدم کے ساتھ اس وقت تک رہے جب تک میر قاسم کو صوبے سے علیحدہ نہ کر دیا گیا۔

راج کرشن رام چرن دیو کے پوتے تھے جو کہ نواب ارکاٹ کے خزانچی تھے۔ان کے دادا کو مرہٹہ کے ایک قبیلے برگی کے خلاف جنگ کا حکم ملا تھا۔انھوں نے اس قبیلے کو کئی مرتبہ شکست دی لیکن خود بھی آخر کار اس میں مارے گئے۔

گورنر جنرل سرجان میکفرسن شہزادہ مرنا، شگفتہ بخت بہادر پسر مرزا جہاندار شاہ وارث عالم شاہ اور دوسرے ہندوستانی شہزادوں کی طرف سے انھیں مہاراجہ بہادر کا خطاب ملا ہوا تھا۔راج کرشن کلکتے میں تھے اور مسلمان وعیسائی کلچر سے خاصی دلچسپی لیتے تھے۔ادب سے انھیں خاصا شغف تھا اور ہندوستانی مصنف کی حیثیت سے وہ ایک لائق شخص تھے۔وہ اپنے یہاں دو اردو شاعر آذر شاہی اور جان نیس کو ملازم کی حیثیت سے رکھتے تھے۔ان کا انتقال ۱۸۲۴ء میں ہوا۔دولڑکیاں اور آٹھ لڑکے پسماندگان میں چھوڑے تھے۔ان کا دوسرا لڑکا کالی کرشنا ہے جو علوم مغربی میں خاصی دستگاہ رکھتا ہے۔رام کرشن کی اردو کتابیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ ''قصہ معظم شاہی''۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر کے بڑے لڑکے معظم بہادر شاہ عالم کا قصہ ہے جو صرف ۵ سال حکمران رہا۔

۲۔ پانچ اردو دیوان۔ان میں مختلف قسم کے کلام کا انتخاب ۷ حصوں میں دیا گیا ہے۔

یہ دونوں کتابیں ان کے بیٹے کالی کرشنا کے پاس ہیں۔

راجہ بہادر:

وہ راجہ شتاب رائے کے بیٹے اور بنگال کے وزیر تھے۔وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر قاسم نے کیا ہے۔

راجہ رام۔منشی:

وہ آگرہ کے کمشنر ہیں۔انھوں نے ''مجمع الفوائد'' نامی کتاب لکھی ہے جو آگرہ سے ۱۸۶۴ء میں چھوٹی تقطیع کے ۱۹۸ صفحات میں چھپی ہے۔ہر صفحے میں ۱۹ سطریں ہیں۔راجہ رام نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم کی حیثیت سے ۲۴ سال کام کیا اور ضعیف العمر ہونے کی وجہ سے ۱۸۵۷ء میں اپنی ملازمت سے سبک دوش ہو کر پنشن لے لی۔

''مجمع الفوائد'' کا ایک نسخہ Shackel and Anderson نے مجھے دیا تھا۔اس میں مصنف کی ایک تصویر بھی ہے جس میں مشرقی رسم ورواج کے مطابق انھیں فرش پر حقہ پیتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔جیسا کہ کتاب کے عنوان سے ظاہر ہے اس میں مختلف موضوع کی مفید باتیں ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدارس کے لیے لکھی گئی ہے۔اس میں اکبر آباد [آگرہ] اور اس صوبے کے دوسرے شہروں کے ساتھ کشمیر کے حالات بھی دیے گئے ہیں جو کہ امین چند کے سفرنامے سے ماخوذ ہیں۔اس کے بعد ہندوستان کے مہاراجوں، نوابوں اور گورنروں کی فہرست ہے۔پھر مشہور پہاڑوں کے ناموں کی فہرست اور ان کے سرد ہونے کے اسباب، سمندر کے اثرات، بارش اور ہوا وغیرہ کا ذکر ہے۔اس کے بعد انگلستان کے تجارتی،

تعلیمی اور اخلاقی مسائل مثلاً حسد، غرور، وقت کی اہمیت، جہالت اور پھر امور خانگی پر اسلامی نقطۂ نظر سے تمثیلی قصوں کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔اس میں ہندوستان میں برٹش حکومت کی تنظیم کا بھی ذکر ہے۔امام غزالی کی مشہور فارسی کتاب ''کیمیائے سعادت'' کا مختصر ترجمہ اور تاریخ دیچلم اور بیدپائے کی کہانیوں کا ایک خلاصہ بھی اس کتاب میں ہے۔اس کے علاوہ اس میں کچھ ایسی اہم باتیں بھی ہیں جن کا دوسری جگہ ملنا مشکل ہے مثلاً اس میں مسلمانوں کے مشہور مقدس مقامات جیسے اجمیر، ملتان، دہلی، لاہور، آگرہ، الہ آباد، پانی پت، تھانیسر، کشمیر، لکھنؤ اور یہاں تک کہ بنارس کا بھی مفصل ذکر ہے کیونکہ بنارس میں اورنگ زیب کی بنوائی ہوئی چند خوبصورت مسجدیں ہیں۔کتاب کا سب سے دلچسپ حصہ وہ ہے جس میں بادشاہِ دہلی کا وہ اعلان نامہ شامل ہے جس میں اس نے ۱۸۵۷ء کے غدر کے وقت ہندوستان کے راجاؤں، نوابوں اور دوسروں کو مخاطب کیا ہے۔آخر میں مغل سلطنت کی مختصر تاریخ بھی دی ہوئی ہے۔

راحت۔بھگونت رائے۔کاکوروی:

ان کے والد دین دیال تھے اور ان کے استاد کا نام سید آغا حسن امانت تھا۔کریم نے ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔غالباً راحت وہی شاعر ہیں جنھوں نے فتحِ دہلی و حالِ بغاوت کے نام سے ایک قصیدہ لکھا تھا۔یہ ایک اردو نظم ہے جس میں انگریزوں کی حمایت میں ایک سو سے زیادہ اشعار ہیں۔یہ قصیدہ آگرہ کے نور الاخبار پریس سے ۱۸۵۷ء میں ۸ صفحات میں شائع ہوا ہے۔محسن نے بھی راحت کا ذکر کیا ہے اور ان کے چند ہندوستانی اشعار نقل کیے ہیں۔

راحت۔مرزا محمد بیگ صاحب۔دہلوی:

دورِ حاضر کے ایک شاعر ہیں اور پٹیالہ میں رہتے ہیں۔ان کا ایک مخمس جو ۱۸ بندوں میں ہے ۳۰ جون ۱۸۶۸ء کے ''اودھ اخبار'' میں شائع ہوا ہے۔میرا خیال ہے کہ انھوں نے ''نل ودمن'' کو بھی اردو میں منتقل کیا ہے جو دہلی سے ۱۸۶۸ء میں چھوٹی تقطیع پر ۴۰ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔

راز۔مرزا یعقوب علی بیگ۔دہلوی:

وہ مغلیہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور ان کا آبائی وطن توران تھا۔یہ ہندوستانی شاعر ناصر کے شاگرد تھے۔سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

راسخ۔خواجہ احمدی خان:

جن دنوں شورش اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے ان کا انتقال ہو چکا تھا۔وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں۔

راسخ۔ شیخ غلام علی خان:

وہ پٹنہ کے درویش تھے اور انھیں فدوی اور میر سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ان کا انتقال ۱۲۴۰ھ/۵۔۱۸۲۴ء میں ہوا ہے۔ابوالحسن اور شیفتہ ان کو ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے ہیں۔راسخ نے مندرجہ ذیل کتابیں تصنیف کی ہیں:

۱۔ ایک دیوان جو لکھنؤ سے ۱۲۶۳ھ/۷۔۱۸۴۶ء میں آتش اور آباد کے دیوان کے ساتھ ۲۵۶ صفحات میں شائع ہوا ہے۔اس کتاب میں تین کالم ہیں اور ہر کالم میں ان تینوں شعرا کا کلام علیحدہ علیحدہ درج ہے۔

۲۔ ''مثنوی ناز و نیاز''۔اس میں اللہ تعالیٰ اور محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] کی شان میں حمد و نعت ہیں۔اس کتاب کو کانپور سے ۱۸۵۱ء میں مصطفیٰ خان کے مطبع سے شائع کیا گیا ہے۔

راسخ۔ طالب حسین:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کی ایک غزل بنی نراین نے اپنے دیوان جہاں میں نقل کی ہے۔

راسخ۔ عنایت اللہ خان:

شمس الدولہ لطیف اللہ خان صادق مجاور جنگ کے بیٹے تھے۔انھوں نے فارسی رسم الخط میں ''کارستانِ ہند'' کے نام سے ''سندھ سوار'' کو نقل کیا ہے۔''سندھ سوار'' برج بھاشا کے اشعار کا ایک مجموعہ ہے۔

راسخ۔ نواب ظفر یاب خان:

بریلی میں پیدا ہوئے تھے اور لکھنؤ میں رہتے تھے۔ان کے والد کا نام مولا میاں تھا اور ان کے دادا مشہور حافظ الملک حافظ رحمت خان بہادر تھے۔باطن کے مطابق وہ اچھی صلاحیتوں کے مالک تھے۔محسن نے بھی ان کا حوالہ دیا ہے اور ان کا بیان ہے کہ وہ نواب منصور خان مہر کے شاگرد اور ایک دیوان کے مصنف تھے۔محسن نے اس دیوان سے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

راضی۔ فقیر احمد فاروقی:

وہ حسین کے بیٹے تھے اور فاروقی کے نام سے اس کتاب میں ان کا ذکر کیا گیا ہے۔وہ دکنی بولی میں لکھا کرتے تھے۔انھوں نے شاہ ابوالحسن کی فرمائش پر ۱۰۴۵ھ/۶۔۱۶۳۵ء میں فارسی کے ''تحفۂ اعظم'' کا ترجمہ کیا ہے۔اس کتاب میں ۱۸۰۰ اشعار درج ہیں اور اس کا ایک نسخہ بیاض کے نام سے ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ کے کتب خانے میں موجود ہے۔یہ کتاب علمِ فقہ پر لکھی گئی ہے لیکن اس کا نام بیاض اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ یہ ایک لمبی کتاب ہے۔

ممکن ہے کہ یہ وہی مولوی قدرت احمد فاروقی ہیں جو حافظ عنایت احمد کے بیٹے تھے اور جنھوں نے ''فقۂ احمدی'' کے نام سے اردو میں ایک کتاب لکھی تھی جو دہلی سے ۱۸۴۷ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی ہے۔ غالبًا یہ رسالہ وہی ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

راغب۔ جانکی پرشاد:

وہ اور مرنج جانکی پرشاد دو مختلف شخص ہیں۔

راغب۔ محمد جعفر خان۔ دہلوی:

وہ نواب لطف اللہ خان صادق کے عزیز تھے اور ایک ممتاز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ نواب لطف اللہ خانکت بھتیجے اور بعض کے مطابق وہ رشتے میں انکے بھائی تھے۔ جن دنوں ابراہیم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے وہ عظیم آباد میں قیام کرتے تھے جہاں انھیں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ وہ فارسی اور ہندوستانی میں بڑے اچھے اشعار کہتے تھے۔ انھوں نے دو اردو دیوان یادگار چھوڑے ہیں جن کا ایک نسخہ فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے کتب خانے میں موجود ہے۔ انھوں نے فارسی کا ایک دیوان بھی چھوڑا ہے۔

عشقی کے تذکرہ لکھنے سے پہلے وہ پٹنہ میں فوت ہو چکے تھے۔

راغب۔ مرزا سلیمان قلی بیگ:

وہ ایک فوجی تھے اور ان کے آبا و اجداد ایران سے تشریف لائے تھے لیکن راغب خود دہلی میں پیدا ہوئے تھے جس کو قاسم ''ہندوستان جنت نشان'' کہتے تھے۔ وہ رنگین کے دوست و شاگرد تھے اور میر انشاء اللہ خان کو اپنا ریختہ کلام دکھایا کرتے تھے۔ سرور کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ انشاء اللہ خان سے کسی مسئلے پر ان کی مخالفت ہوگئی اور اس کے بعد راغب نے ان پر ایک ہجو لکھ ڈالی۔ محسن نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

راقم۔ خلیفہ غلام محمد۔ دہلوی:

وہ ایک مصنف ہیں جو انشا پرداز کی حیثیت سے سے بہت مشہور ہونے کے علاوہ ریختہ اشعار بھی کہتے تھے۔ راقم فارسی اور عربی زبان کے ایک جید عالم تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آج کل عربی زبان کے بلند پایہ عالم ہندوستان میں بہت ہی کمیاب ہیں۔ ان تمام خوبیوں کے علاوہ وہ عربی اور فارسی رسم الخط کے مختلف طرز نگارش کے ماہر تھے جسے مشرق میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ لکھنؤ جانے سے پہلے وہ اپنے اشعار قدرت اللہ قاسم کو دکھایا کرتے تھے۔ انھوں نے قاسم کے ساتھ شرح شمسیہ اور میر کی شرح پڑھی

تھی۔اس کے بعد قاسم وکریم کے مطابق وہ اپنے وطن تشریف لے گئے جہاں علم طب کی تعلیم حاصل کی اور درس وتدریس میں مشغول ہو گئے۔

راقم۔نندراون گوبند۔دہلوی:

وہ ذات کے ہندو اور سودا کے شاگرد تھے۔کمال ان کو نرائن اور محسن انند رام کہتے ہیں۔ابتدا میں وہ میر تقی سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔میر سے میاں ابراہیم نے، جو ایک نوجوان شخص تھے، راقم کا تعارف کرایا تھا، ان کے اشعار قیام الدین قائم کے کلام سے بہت مشابہت رکھتے ہیں۔میر نے ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں اور ذکا اور محسن کا بیان ہے کہ وہ صاحب دیوان ہیں۔کمال کے مطابق راقم متھرا کے رہنے والے تھے۔انھوں نے ان کی چند مختصر غزلیں نقل کی ہیں اور ایک مخمس بھی پیش کیا ہے جو سودا کی ایک مشہور غزل پر لکھا گیا ہے۔ان کے وطن کے متعلق کسی قطعی رائے کا اظہار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ شیفتہ کا بیان ہے کہ بعض حضرات ان کو دہلی کا باشندہ سمجھتے ہیں اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ متھرا کے رہنے والے تھے کیونکہ ان کا نام گوبند تھا۔ان کے استاد کے متعلق بھی تذکرہ نگاروں میں اتفاق نہیں ہے۔بعض تذکرہ نویس بتاتے ہیں کہ وہ مرزا مظہر کے شاگرد تھے اور بعض کا خیال ہے کہ وہ مرزا رفیع الدین سودا کے شاگرد تھے۔

رام پرشاد پنڈت:

وہ رڑکی اسکول کے مدرسِ اوّل تھے لیکن بعد میں پرگنہ بندہ کے تحصیلدار ہو گئے تھے۔وہ ایک ہم عصر مصنف ہیں جنھوں نے مندرجہ ذیل دو کتابیں لکھی ہیں:

۱۔ ''کلیدِ گنجِ امتحان مال''۔اس کتاب کے متعدد ایڈیشن ہیں۔میرے پاس دو جلدیں ہیں۔ایک لاہور سے ۱۸۵۸ء میں اور دوسری لکھنؤ سے ۱۸۵۹ء میں شائع ہوئی ہے۔یہ دونوں کتابیں چھوٹی تقطیع پر ہیں اور موخر الذکر ایڈیشن پر امرتسر کے R.Cust نے نظرِ ثانی کی ہے۔یہ کتاب خاص طور سے صوبہ شمال مغربی کے لیے لکھی گئی ہے۔

۲۔ ''رسالہ درباب استعمال''، تراورس ٹیبلز [Traverse Tables]۔اس کتاب کو شمبھو داس کے ساتھ T. Boileau کی کتاب سے مرتب کیا گیا اور رڑکی سے ۱۸۶۱ء میں چھوٹی تقطیع پر ۵۸ صفحات میں شائع کیا گیا ہے۔

رام پرشاد۔صوبہ دار:

انھوں نے قواعد کے نام سے ایک انگریزی کتاب *"Directions for light Infantry*

"Movements" کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ کتاب پونا سے بڑی تقطیع کے ٨٣ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

رام چند یا رام چندر۔ بابو۔ دہلوی:

وہ ذات کے کائستھ، سندر لال کے بیٹے اور رائے ٹیک چند کے پوتے ہیں۔ وہ ایک ہندو عالم ہیں جو دہلی میں ١٨٥٧ء سے پہلے مقیم تھے اور وہیں کے کالج میں پروفیسر تھے۔ اسی کالج میں انھوں نے ریاضی اور مغربی علوم سے واقفیت حاصل کی اور انگریزی لکھنے پڑھنے میں بڑی اچھی مشق بہم پہنچالی۔ وہ اردو اور فارسی ادب پر گہری نظر رکھتے تھے لیکن ان کو زیادہ دلچسپی ریاضی سے تھی جو انھوں نے انگریزی کتابوں کی مدد سے پڑھی تھی۔ وہ ذہین، آزاد اور خوش مذاق طبیعت کے مالک ہیں اور ان کی ان خصوصیات کی وجہ سے یورپین انھیں بہت پسند کرتے ہیں۔ ١٨٥٧ء میں ان کی عمر تقریباً ٤٠ سال کی تھی۔

انھوں نے اردو میں حسب ذیل کتابیں لکھی ہیں:

١۔ ''جبر و مقابلہ''۔ یہ کتاب Bridge, Euler وغیرہ کی انگریزی کتابوں کی مدد سے لکھی گئی ہے۔ پہلے ٥٠ صفحوں میں انھوں نے اس کا خلاصہ دیا ہے اور پھر ٤٨٤ میں اس کا ترجمہ کیا ہے۔ اس کتاب کے کئی ایڈیشن ہیں اور ان میں سے ایک دہلی سے ١٨٤٥ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوا ہے۔

٢۔ ''اصولِ علم مثلثہ بالجبر''۔ یہ کتاب Hutton اور Beaucharlat کی کتاب کی مدد سے تالیف کی گئی ہے اور دہلی سے ١٨٤٤ء میں چھوٹی تقطیع پر ٣٢٢ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔ غالباً یہ وہی کتاب ہے جو ''علمِ مثلث المستقیم الاضلاع'' کے نام سے دہلی میں کئی مرتبہ چھپی ہے۔ اس موضوع پر دو اور کتابیں بھی ہیں۔ ایک Cape کی اور ایک Godwin کی۔ یہ دونوں اردو میں ترجمہ ہو کر رڑکی سے شائع ہو چکی ہیں۔

٣۔ ''حسابِ جزئیات وکلیات''، جس کا انگریزی عنوان *"Principles of the differential and integral calculus, Translated with Urdu from J.J. Boucharlat's work, with examples and elementary illustrations and a short story history of science* ۔ یہ Boucharlat کی کتاب کا ایک اردو ترجمہ ہے جو دہلی سے ١٨٤٥ء میں ٦١٨ صفحات پر شائع ہوا ہے۔

٤۔ ''کتاب عجائب روزگار''۔

٥۔ ''تذکرۃ الکاملین''۔ یہ اہم شخصیتوں کا اردو تذکرہ ہے جو ١٨٤٩ء میں چھوٹی تقطیع پر دہلی سے شائع ہوا ہے۔

۶۔ ''رسالۂ سرّ الفہم''۔ یہ ریاضی پر ایک چھوٹا سا رسالہ ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ وہی کتاب ہے جو آگرہ سے ۱۸۴۳ء میں چھوٹی تقطیع پر چھپی ہے۔

۷۔ ''ہندسہ بالجبر''۔ یہ کتاب رادھا کرشنا شنکر کے ساتھ انگریزی کتاب *Wand's Algebrial Geometry* کی مدد سے مرتب کی گئی ہے جو کہ دہلی سے چھپی ہے۔ اس کا ذکر شنکر کے حالات میں ملے گا۔

۸۔ ''بھوت نہنگ''۔ اس میں مقامی باشندوں کے توہمات دور کرنے کے لیے کہانیوں کا انتخاب کیا گیا ہے۔

۹۔ ''رسالۂ علم حیات''۔ یہ کتاب Brinkley کی کتاب *Astronomy* کا ترجمہ ہے جو ۱۸۴۷ء میں لکھنؤ سے اور دوسرے مقامات سے چھپی ہے بعض لوگ اسے رسالہ رام چند بھی کہتے ہیں۔

۱۰۔ *Problems of maxima and mimima solved by algebra.* یہ کتاب اردو میں ترجمہ کی گئی ہے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹروں کے حکم اور یونیورسٹی کالج کے پروفیسر A.Morgan کی ہدایت پر لندن سے ۱۸۵۹ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی ہے۔

۱۱۔ ''شکارسری رام چند''۔ مجھے اس کتاب کے موضوع کی خبر نہیں ہے لیکن اس کا اشتہار جنوری ۱۸۶۹ء کی فہرست نول کشور لکھنؤ میں دیا ہوا ہے۔

۱۲۔ *Hutton's Statics and dynamics.* کی Translation Society کا اردو ترجمہ ہے جو دہلی سے شائع ہوا ہے۔

انھوں نے کریم الدین کی کتاب ''تاریخ واقعات ہند'' کو ضیاء الدین کے ساتھ اصل فارسی کتاب کی مدد سے درست کیا۔ وہ دہلی کے دو رسالے ''محبّ ہند'' اور ''فوائد الناظرین'' کے مدیر بھی ہیں۔ میں نے "Calcutta Review" میں ''محبّ ہند'' کی تفصیل پڑھی ہے جو ۱۸۵۱ء سے بند ہوگیا۔ یہ ایک ماہنامہ رسالہ تھا جس کو Oordo Magazine بھی کہتے تھے۔ اس میں مضامین کے علاوہ دور حاضر کے اہم مسائل کے ساتھ ہندوستان کی تعلیمی اور ادبی ترقی کی رفتار کا جائزہ لیا جاتا تھا۔

۱۸۵۱ء سے ''فوائد الناظرین'' بھی بند ہوگیا۔ اس میں خبروں کے علاوہ ایسے مضامین چھپتے تھے جن میں مغرب سے استفادہ کیا جاتا تھا۔ یہ رسالہ ان ہندوستانیوں میں بڑی دلچسپی سے پڑھا جاتا تھا جو مغرب سے واقف ہونے کے خواہش مند تھے۔ یہ پندرہ روزہ اخبار تھا اور اس کی اشاعت ۱۸۵۱ء میں زیادہ ہوگئی

تھی۔اس کے دو ایڈیشن تھے ایک اردو میں ایک ناگری میں۔

رام چند نے ۱۸۵۲ء میں ایک اردو جنتری بھی لکھی ہے۔انھوں نے *Vernacular Reader* کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو دہلی سے ۱۸۴۷ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی ہے۔یہ سائنس کا ایک خلاصہ ہے کیونکہ Mr. H.S, Reid نے اپنے *Selections from Records*[آگرہ ۱۸۵۵ء۔صفحہ ۴۰۷] میں لکھا ہے کہ اس میں مختلف موضوعات پر مضامین ہیں مثلاً پہلے قدرتی مظاہرات۔فن تعمیر کے ساتھ ان کے نمونوں اور حیرت انگیز شکل وصورت کے جانوروں کا بیان ہے۔پھر اخلاقی مسائل مثلاً حق، حسد، غرور، سکون وغیرہ پر مختصر مضامین ہیں اور بعدازاں ہندوستان کی قدیم تاریخ اور نادرشاہ کے حملوں کا ذکر ہے۔

جولائی ۱۸۵۲ء میں رام چند نے سنجیدگی سے ہندو مذہب کو ترک کر دیا اور ایک دوسرے ہندو چمن لال کے ساتھ ۱۸۵۳ء میں بمقام دہلی عیسائی ہوگئے۔ہندوستانیوں میں اس واقعے سے بڑی سنسنی پھیل گئی۔۱۸۶۷ء سے کیشورداس کے ساتھ وہ ایک عیسائی پرچہ ''مواعظ عقبیٰ'' کے نام سے نکالتے ہیں۔

ایک اور رام چند ہیں جن کو انس والری بھی کہتے ہیں اور جنھوں نے ہندوستانی میں دو کتابیں لکھی ہیں جن کے عنوان "*Pocket Brigade Exercise*" اور "*Pocket Drill Exercise*" ہیں۔یہ دونوں کتابیں صوبہ بمبئی کے راتناگری سے ۱۸۶۰ء میں شائع ہوئی ہیں۔

رام سرن داس۔رائے:

وہ دہلی کے ڈپٹی کلکٹر اور ایک ہم عصر مصنف ہیں جو بڑے کثرت نویس ہیں اور جن کی تحریریں علمی افادیت سے پُر ہیں۔انھوں نے اردو اور ہندی میں تعلیمات کے لیے ''رام سرن داس سلسلۂ نصاب'' کے نام سے متعدد کتابیں لکھی ہیں۔اردو میں انھوں نے *An Educational Course for Village Accountants* کا ایک ایڈیشن شائع کیا ہے۔میرے پاس اردو کا ایک نسخہ ہے جو سکندرا سے ۱۸۴۹ء میں چھوٹی تقطیع کے ۲۴ صفحات پر شائع ہوا ہے۔

۲۔ ''اصول الحساب''۔اس کے کئی ایڈیشن ہیں۔ایک آگرہ سے چھوٹی تقطیع پر چھپا ہے۔میرے پاس کلکتہ کا ایک نسخہ ہے جو ۱۸۵۰ء میں چھوٹی تقطیع کے ۳۴ صفحات پر شائع ہوا ہے۔ اس کی دس ہزار کاپیاں چھپی تھیں۔

۳۔ ''مصباح المساحت''۔اس کے بھی کئی ایڈیشن نکلے ہیں جو ہندوستان میں بہت مقبول ہیں۔ان میں سے ایک ایڈیشن باتصویر ہے اور چھوٹی تقطیع کے ۱۲ صفحات پر آگرہ سے ۱۸۴۸ء میں چھپا ہے۔

۴۔ ''پٹواریوں کی کتاب''۔ یہ چار حصوں میں ہے اور شمال مغربی صوبہ کے باشندوں کے لیے لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب کئی دفعہ چھپی ہے اور اس کا ایک ایڈیشن آگرہ سے ۱۸۴۹ء میں چھوٹی تقطیع کے ۸۰ صفحات پر چھپا ہے۔ ایک تشریحی ایڈیشن ۵۵-۱۸۵۳ء میں اور ایک لاہور سے ۱۸۶۳ء میں بڑی تقطیع کے ۵۴ صفحات پر شائع ہوا ہے۔ اس کے اور دوسرے ایڈیشن بھی ہیں۔

رام شنکر:

وہ ۱۸۵۰ء میں شیب چندر کے بعد میرٹھ کے اردو اخبار ''جامِ جمشید'' کے مدیر ہو گئے تھے۔

رام کشن۔ پنڈت:

ان کا آبائی وطن کشمیر تھا لیکن وہ دہلی میں پیدا ہوئے۔ ایک خوش مذاق عالم اور انگریزی زبان کے ماہر ہندو ہیں۔ انھوں نے ہندوستانی میں بڑی صاف ستھری زبان میں کتابیں لکھی ہیں اور ان کے ترجے شگفتگی کے لیے مشہور ہیں۔ ۱۸۴۷ء میں وہ دِلّی کالج میں پروفیسر تھے اور اس وقت ان کی عمر تقریباً ۳۵ سال تھی۔ مندرجہ ذیل اردو کتابیں ان سے یادگار ہیں:

۱۔ ''رسالہ علم طب''۔ یہ انگریزی سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ غالباً یہ کتاب مولوی حسن علی خان کے ساتھ ترجمہ کی گئی ہے۔

۲۔ ''اصول قوانینِ دیوانی اور فوجداری''۔

۳۔ ''اصولِ قوانینِ گورنمنٹ''۔ Norton کی کتاب *"Principles of Government with the principles of English and Anglo Indian Government"* کا ترجمہ ہے۔ اس میں ایک باب اسلام پر بھی ہے۔

۴۔ ''اصولِ دھرم شاستر''۔ یہ Sir. W. McNaghten کی کتاب، جنھوں نے عربی میں ''الف لیلیٰ'' شائع کی ہے، *"Principles of Hindu Law"* کا ترجمہ ہے۔ وہ افغانوں کی آخری جنگ میں مارے گئے۔

۵۔ اصولِ قوانینِ مال۔ یہ کتاب Boutros کی کتاب *"Principles of Public Revenue with an abstract of the revenue law in the Bengal Presidency."* کا ترجمہ ہے۔ یہ کتاب ۱۸۴۵ء میں چھوٹی تقطیع پر ۲۴۴ صفحات میں شائع ہوئی۔

۶۔ ''اصول وقواعد اخلاق اور قوانین کے''۔ یہ Boutros کی *"Principles of Legislation*

"from Bentham and Dumont." کا ترجمہ ہے جو ۱۸۴۴ء میں ۴۱۹ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

۷۔ ''اصولِ قوانینِ ممالکِ مختلف''۔ جو Boutros کا "Principles of the Law of Nations, with historical illustrations" کا ترجمہ ہے اور ۱۸۴۴ء میں چھوٹی تقطیع پر ۳۴۶ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔

۸۔ ''قواعدِ صرف ونحوانگریزی''۔ اس کتاب میں ڈاکٹر اسپرنگر نے بھی مدد دی۔

۹۔ ''مزید الاموال بہ اصلاح الاحوال''۔

۱۰۔ وجودِ خدا کے متعلق Fenelon کے جن خیالات کو F. Ravenshaw نے اپنی کتاب "Fenelan's Thoughts on the existence of a Deity." سے اظہار کیا ہے، ان کا ایک بہت اچھا ترجمہ کیا گیا ہے۔

۱۱۔ ''سیرِ اسلام''۔ اسے انھوں نے میر محمد پتمبر اور سید محمد کے ساتھ مرتب کیا ہے۔

۱۲۔ "Abridgment of Royle's Productive resources of India."

۱۳۔ ''استری سکشا''۔ یہ کتاب ہندی نظم ونثر میں ہے اور کلکتہ سے ۱۸۳۵ء اور آگرہ سے ۱۸۵۹ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی ہے۔ اس میں ۶۰ صفحات ہیں۔

راوی۔ مصاحب علی:

بلگرام کے قریب ناون کے رہنے والے تھے۔ وہ اکرام علی کے بیٹے حافظ عبداللطیف کے پوتے اور مرزا مہدی کوثر کے شاگرد تھے۔ وہ ایک دیوان کے مالک ہیں جن کے اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

راؤ کشن۔ پنڈت:

ابتدا میں وہ مین پوری میں رہتے تھے لیکن آج کل لاہور میں مقیم ہیں۔ انھوں نے اردو میں ''تواریخِ گوشۂ پنجاب'' لکھی ہے جو لاہور سے ۱۸۶۱ء میں ۹۸ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں ایک نقشہ بھی شامل ہے۔

رائی یا رائے۔ مرزا یعقوب بیگ:

ان کا آبائی وطن توران تھا لیکن وہ ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ جن دنوں قاسم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو

وہ نوجوان تھے۔قاسم نے ان کا ذکر کیا ہے۔ذکا نے بھی ان کا ذکر کیا ہے اور ان کا بیان ہے کہ جب وہ اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے رائی کا انتقال ہو چکا تھا۔

ربط:

وہ ایک ہندوستانی شاعر اور جرأت کے شاگرد ہیں۔کمال نے ان کے کلام کو نقل کرنے کے علاوہ ان کے تین مخمس کو اپنے تذکرے میں درج کیا ہے۔ان میں سے ایک مخمس مرزا قائل ایک فارسی غزل پر ہے اور اس مخمس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا آخری بند فارسی کے اصل اشعار پر ختم ہوتا ہے۔ہندوستانی میں اس قسم کی بیشتر نظمیں پائی جاتی ہیں اور خود ہماری زبان میں اسی کے نمونے ملتے ہیں مثلاً فرانسیسی اشعار میں لاطینی زبان کے کلام کو بعض اوقات استعمال کیا جاتا ہے۔

رتن۔بابا:

انھوں نے اردو کی ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ''احادیثِ مرویہ'' ہے۔اس کا ذکر فرزادہ قلی کی فہرستِ کتب میں کیا گیا ہے۔

راجا:

وہ ایک ہندستانی شاعر ہیں جن کا ذکر سرور، ذکا اور عشقی نے کیا ہے۔ممکن ہے کہ یہ وہی میاں محی الدین خان راجا حیدرآبادی ہوں جو مولوی حافظ میر شمس الدین فیض کے شاگرد تھے۔موخر الذکر نے تصوف کے رنگ میں ''ساگر دنیا'' کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے جو مشہور مسلم بزرگ تمیم انصاری کے متعلق ہے۔اس کتاب کو دہلی سے ۱۲۸۱ھ/ ۵۔۱۸۶۴ء میں ۴۴ صفحات میں راجا کے شاگرد منشی میر نظر علی سیف مدراسی اور خاکپا نے شائع کیا ہے۔اس کے ہر صفحے میں ۱۹ سطریں ہیں۔اس کتاب کا ایک نسخہ پیرس کے علومِ السنۂ مشرقیہ کے اسکول میں پایا جاتا ہے۔

رجب۔علی منشی:

انھوں نے اردو میں ''حال ہر دو حصہ زبدۃ الحساب'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو لاہور سے ۱۸۶۸ء میں چھوٹی تقطیع کے ۱۶ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

رجب۔مرزا رجب علی بیگ:

وہ ایک ہندستانی شاعر ہیں جن کے آباؤ اجداد مغل تھے۔رجب دہلی میں پیدا ہوئے اور جب ان کی عمر چالیس کی تھی وہ فرخ آباد تشریف لے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔وہ نواب بنگال کے وزیر راجہ شتاب

رائے کے بیٹے تھے۔ رجب ایک زندہ دل، پُر مذاق شخص تھے اور کسی حد تک لوگوں سے جلد الجھ جایا کرتے تھے۔ ایک بار کسی طوائف سے ان کا جھگڑا ہوگیا اور وہ ان پر چاقو سے حملہ آور ہوئی جس کی وجہ سے ان کے چہرے پر تمام عمر کے لیے ایک داغ پڑ گیا تھا۔ انھوں نے اردو میں اشعار کہے ہیں۔

رجب۔ مولانا محمد رجب علی خان:

وہ حیدرآباد کے اخبار ''مجمع البحرین'' کے مدیر ہیں۔

رحمان:

وہ ولی کے ایک ہم عصر تھے جن کا ذکر قاسم اور سرور نے کیا ہے۔ فورٹ ولیم کالج کے کتب خانے میں ان کے دیوان کا ایک نسخہ موجود ہے۔

رحمان۔ علی خان:

وہ حسبِ ذیل کتابوں کے مصنف ہیں:

۱۔ ''تحفۂ مقبول در فضائلِ رسول''۔ یہ کتاب کانپور سے ۱۸۶۳ء میں چھوٹی تقطیع کے ۲۴ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

۲۔ ''گلزارِ نعت''۔ یہ نظم محمدؐ کی شان میں ہے اور کانپور سے ۱۸۶۸ء میں چھوٹی تقطیع کے ۳۰ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

رحمت اللہ:

وہ ''جمیع الاخبار'' کے مدیر ہیں۔ یہ اردو میں مدراس سے نکلتا ہے۔ یہ اخبار ایک عرصے سے اس شہر سے ہر دوشنبہ کو شائع ہوتا ہے۔ اس میں بڑی تقطیع کے ۸ صفحات ہیں اور ہر صفحے میں ۲۵ سطروں کے دو کالم ہوتے ہیں۔

شاید یہ وہی مولوی رحمت اللہ ہیں جنھوں نے ڈاکٹر وزیر علی کے ساتھ عیسائی مذہب کے خلاف ''اعجازِ عیسوی'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو ہندوستان میں کافی مشہور ہوئی۔

رحمت۔ گنگا پرشاد پنڈت:

ان کا آبائی وطن کشمیر تھا۔ وہ لکھنؤ میں رہتے تھے۔ یہ ہندوستانی شاعر موتی لال کے بیٹے اور امانت کے شاگرد ہیں۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

رحمت۔ رحمت اللہ خان:

ان کے آباؤ اجداد کشمیر کے رہنے والے تھے لیکن رحمت دہلی میں قاضی القضاۃ تھے۔ انھوں نے فارسی غزلوں کا ایک دیوان مرتب کیا ہے۔ اس کے علاوہ اردو میں بہت سے اشعار کہے ہیں جن کا ذکر سرور نے

کیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ وہی مصنف ہوں جنھوں نے Jos Warren کے ساتھ فارسی رسم الخط میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "*Urdu Spelling Book*" ہے۔ یہ کتاب الٰہ آباد مشن کے پریس سے چھوٹی تقطیع میں ۲۴ صفحات پر شائع ہوئی ہے اور اس کا ذکر Zenker نے "*BiblothecaOrientalis*" میں کیا ہے۔

رحیم:

قاسم اور سرور کے مطابق وہ ولی کے ہم عصر تھے۔ میرا خیال ہے کہ ان دونوں حضرات نے ان کو رحمان سے خلط ملط کر دیا ہے۔ رحمان کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے اور میرا خیال ہے کہ چونکہ رحمان اور رحیم تقریباً ہم معنی الفاظ ہیں اور ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' میں پائے جاتے ہیں اس لیے ان سے یہ غلطی سرزد ہوئی ہے۔

رحیم خان:

وہ علم طب کے ماہر اور مندرجہ ذیل کتابوں کے مصنف ہیں:

۱- ''امراض الحاملہ والمیلاد''۔ یہ کتاب لاہور سے ۱۷۹ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔
۲- ''نیا میٹریا میڈیکا''۔ یہ ایک اردو کتاب ہے جو لاہور سے ۱۸۶۸ء میں چھوٹی تقطیع پر ۵۱۸ صفحات میں چھپی ہے۔

رحیم۔ رحیم بخش۔ مرحوم

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کے چند اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

رحیم۔ عبدالرحیم خان۔ لکھنوی:

وہ ایک رسالہ دار دوست محمد خان کے بیٹے اور میر علی بے خود کے ممتاز شاگرد تھے۔ انھوں نے اشعار بھی کہے ہیں لیکن شائع کرنے کے بجائے رحیم نے ان کو دوستوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ محسن نے ان کے اشعار بطور نمونہ دیے ہیں۔

رحیم۔ میر محمد علی:

وہ ایک اور ہندوستانی شاعر ہیں لیکن ہندوستانی تذکروں میں ان کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی۔

رخشاں۔ خیرات علی خان۔ فرخ آبادی:

وہ ایک اور ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر محسن نے کیا ہے اور انھوں نے ان کے اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

رخشاں۔محمد چاند:

وہ محمد شاہ کے بیٹے تھے اور احمد شاہ کے دور حکومت میں رہتے تھے۔ان کا شمار ہندوستانی شعرا میں کیا گیا ہے۔وہ ایک لڑکی پر، جس کا نام ''زعفران'' تھا، فریفتہ ہوگئے تھے۔اس محبت کا یہ عالم ہوا کہ وہ بہت نحیف و لاغر ہوگئے اور ہندوستانی تذکرہ نگاروں کے مطابق ان کے چہرے کا رنگ بھی زعفرانی ہوگیا۔

رخصت۔میر قدرت اللہ۔دہلوی:

وہ میر سیف اللہ کے بیٹے، مرزا جعفر علی حسرت اور قلندر بخش جرأت کے شاگرد تھے۔وہ ایک اردو شاعر ہیں جو ۱۱۹۶ھ/۲-۱۷۸۱ء میں لکھنؤ میں رہتے تھے۔

رسا۔شیخ اور میاں محمد بخش۔لکھنوی:

وہ شیخ محب اللہ کے بیٹے اور پیشے کے طور پر مصور تھے لیکن وہ شعروسخن میں بہت دلچسپی رکھتے تھے اور ایک دیوان کے مالک ہیں۔ان کے استاد اشرف خان، خان تخلص کرتے تھے۔

رسا۔لالہ امبہ پرشاد:

یہ مشہور قصہ گو چندی پرشاد کے بیٹے، راجہ جھاو لال کے بھانجے اور نواب مرزا تقی خان ہوس کے شاگرد ہیں۔البتہ پرشاد کائستھ ذات سے تعلق رکھتے تھے۔قصہ گو کی حیثیت سے وہ میر قاسم علی کے شاگرد تھے جو اپنے دور کے نہایت ممتاز قصیدہ گو گزرے ہیں۔انھوں نے اردو میں اشعار کہے ہیں اور محسن نے ان کو نقل کیا ہے۔

رسا۔مرزا بلخی بہادر:

وہ دہلی کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور میرزا عبد کے بیٹے تھے۔انھوں نے اردو میں اشعار کہے ہیں۔سرور اور کریم نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کے بقول وہ مرزا کریم الدین رسا سے مختلف ہیں۔

رسا۔مرزا کریم الدین:

وہ تیموریہ خاندان کے ایک معاصر شہزادے ہیں اور انھیں ہندوستانی شعرا میں شمار کیا جاتا ہے۔ ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء میں وہ اپنے بیٹوں کے ساتھ کریم کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے اور اپنے اشعار سنایا کرتے تھے۔۱۸۴۷ء میں ان کی عمر تقریباً ۷۰ سال تھی۔انھوں نے بے شمار اشعار کہے ہیں لیکن کریم نے اپنے تذکرے میں نکتہ چینی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ عربی زبان سے واقف نہ تھے اور اس لیے وہ اکثر اپنے اشعار میں عربی حروف مثلاً ''ط'' اور ''ت'' وغیرہ کا غلط استعمال کر جاتے تھے۔

رسا۔ مولوی علیم اللہ:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو اودھ میں رہتے تھے۔ سرور اور شیفتہ نے ان کا ذکر کیا ہے۔

رسا۔ میر علی احمد:

وہ مجتہد میر نجف علی کے بیٹے اور نواب عالی جاہ بہادر کے دوست تھے۔ ان کا آبائی وطن فیض آباد تھا لیکن وہ لکھنؤ میں رہتے تھے اور رشک کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ایک دیوان مرتب کیا جس کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔

رسائی:

وہ اردو کے ایک شاعر ہیں جن کا ذکر علی ابراہیم نے کیا ہے۔

رستم۔ سید حسین بخش:

دوسرے کلام کے علاوہ انھوں نے آصف الدولہ کی شان میں ایک قصیدہ لکھا ہے۔ اس میں ۱۴۰ اشعار درج ہیں۔ اس کا ایک قلمی نسخہ توپ خانہ لکھنؤ میں موجود تھا۔

رستم علی:

وہ دہلی کے اردو اخبار ''سراج الاخبار'' کے مدیر ہیں۔

رستم۔ علی خان احتشام الدولہ۔ دہلوی:

وہ نواب بہادر کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ وہ نواب اشرف خان کے بیٹے نواب صمصام الدولہ خان دوران کے پوتے اور محمد حسین مرزا کے بڑے بھائی ہیں۔ ان کا شمار ممتاز ہندوستانی شعرا میں کیا جاتا ہے۔ زمانے کی سختی سے وہ اپنے وطن دہلی کو چھوڑ کر اپنے بھائی کے ساتھ نواب سعادت علی خان بہادر کی معیت میں صوبہ بنگال و بہار تشریف لے گئے اور بنارس میں رہنے لگے۔ علی ابراہیم نے ''گلزار'' میں ان کی خوبیوں اور صلاحیتوں کی بہت تعریف کی ہے۔ وہ رستم اور ان کے بھائی سے ذاتی طور پر واقف نہ تھے لیکن موخرالذکر نے ان کے پاس اپنے اشعار کے چند صفحات بھیجے تھے۔ [۱۱۹۴ھ/۱۷۸۰ء] جسے انھوں نے اپنے تذکرے میں درج کیا ہے۔

شیفتہ کے مطابق رستم سید خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور صوبہ دہلی میں سہارنپور کی سرکار میں جانست کے مقام پر رہتے تھے۔

محسن اور سرور نے، جو ان کے دوست تھے، ان کے اشعار اپنے تذکروں میں نقل کیے ہیں۔

رستم۔نواب اشرف الدولہ رستم علی خان رستم جنگ بہادر:

وہ عرفِ عام میں اشرف خان کہلاتے تھے اور نواب خان دوران خان بہادر کے بیٹے تھے۔ رستم دہلی میں پیدا ہوئے اور بنارس میں رہتے تھے۔ وہ والی اودھ نواب سعادت علی خان بہادر کے گہرے دوست تھے اور ہندوستانی میں اشعار کہتے تھے جس کا ایک نمونہ محسن نے پیش کیا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ نواب بہادر رستم کے والد ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دونوں خلط ملط ہوئے ہیں۔

رستمی۔کمال خان:

وہ اسماعیل خطاب خان کے بیٹے ہیں جو والی بیجاپور کے معتمد تھے اور دکن کے ممتاز شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں۔ انھوں نے دکنی اور فارسی زبانوں میں قصیدے اور غزل کہی ہیں لیکن ان کی سب سے زیادہ قابلِ ذکر تصنیف ان کی مثنوی ہے جس میں ۲۴ ہزار اشعار درج ہیں۔ اس مثنوی کا نام ''خاور نامہ'' ہے۔ یہ کتاب اسی نام کی فارسی کتاب سے مرتب کی گئی ہے اور اس میں علمی کارنامے درج کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کے آخری باب میں رستمی نے تحریر کیا ہے کہ اس مثنوی کو شہزادی خدیجہ کی فرمائش پر تحریر کیا گیا ہے۔ شاہزادی خدیجہ ابراہیم قطب شاہ کے لڑکے محمد امین قطب شاہ کی بیٹی تھیں۔ وہ والی گولکنڈہ محمد قطب شاہ کے بیٹے سلطان عبداللہ قطب شاہ کی بہن تھیں اور ابراہیم عادل کے بیٹے محمد غازی عادل شاہ کی بیوی تھیں۔ موخرالذکر بیجاپور کے سلطان تھے۔ ان کے بعد شاہ علی ۱۰۷۱ھ/۱۶۶۰ء میں بیجاپور کے تخت پر متمکن ہوئے تھے۔ رستمی کے مطابق انھوں نے اس مثنوی کو ڈیڑھ سال میں تصنیف کیا تھا اور یہ کتاب ۱۰۵۹ھ/۱۶۴۹ء میں مکمل ہوئی تھی۔

رستمی کا خیال تھا کہ اس مثنوی کے لکھنے کے بعد ان کا نام زندۂ جاوید ہو جائے گا جیسا کہ مندرجہ ذیل شعر سے پتہ چلتا ہے:

اگر ماٹی سن ہووے گا زیر خاک　　میرا نام جیتا ہی مج کیا ہے باک

''دکن میں اردو''، ص ۱۲۵

اس کتاب کا ایک نہایت ہی خوبصورت نسخہ ایسٹ انڈیا لائبریری میں موجود ہے۔ یہ کتاب بڑی تقطیع میں ہے اور باتصویر ہونے کے علاوہ نہایت ہی خوبصورت نسخ رسم الخط میں ہے۔ برٹش میوزیم میں اس کتاب کی ایک بہت ہی حسین جلد پائی جاتی ہے جسے ۱۶۸۶ء میں ملتان میں تحریر کیا گیا تھا۔ جس فارسی مصنف سے انھوں نے استفادہ کیا ہے ان کا نام ابنِ ہشام تھا اور انھوں نے اپنا کلام پندرھویں صدی کے شروع میں تحریر کیا تھا۔

رسوا۔ آفتاب رائے:

وہ ایک ہندو جوہری کے بیٹے تھے۔ انھوں نے کم عمری میں ہی محمد شاہ کے دور میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ ابتدا میں وہ فوجی اسلحہ خانے میں ملازم تھے لیکن بعد میں اس ملازمت کو ترک کر دیا تھا۔ بدقسمتی سے وہ شراب کے عادی تھے اور ایک ہندو نوجوان پر جس کا نام منون تھا عاشق ہو گئے تھے۔ اس محبت کے طوفان نے اس قدر زور دکھایا کہ وہ عقل و خرد کو کھو بیٹھے اور حقیقتاً بڑی رسوائی مول لے لی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ رسوا تخلص کیا کرتے تھے۔ وہ ننگے بدن گلی کوچوں میں مارے مارے پھرتے اور جو شخص ملتا اس سے باتیں کرتے کرتے رونے لگتے۔ ان کی زبان پر مندرجہ ذیل شعر ہمیشہ جاری رہتا:

اس عاشقی کے پنتھ میں جس کا گزر ہوا　　رسوا ہوا، خراب ہوا، دربدر ہوا

لوگوں کا بیان ہے کہ ان کی دماغی حالت کچھ بڑی غیر متوازن ہو گئی تھی اور وہ بالآخر ایک سید بزرگ سے ملنے کے لیے امروہہ گئے جہاں ان کا بہت ہی گرم جوشی اور نہایت احترام کے ساتھ استقبال کیا گیا لیکن یہاں بھی شراب کا سلسلہ جاری رہا۔ اس سید اولاد محمد کے پاس شراب کا کچھ ذخیرہ تھا لیکن یہ بہت ہی جلد ختم ہو گیا۔ چنانچہ سید نے ایک لڑکے کو امروہہ کے قریب احمد نگر سے شراب لانے کو روانہ کیا لیکن چونکہ اس لڑکے کو واپس آنے میں کچھ دیر ہوئی تو سید نے رسوا سے کہا کہ وہ باغ میں تھوڑی دیر کے لیے چہل قدمی کو نکلیں۔ اس پر رسوا نے مندرجہ ذیل شعر برجستہ کہا:

ہم گزرے اس شراب سے لڑکے کی خیر ہو　　لڑکا گیا شراب کو، کاہے کی سیر ہو

رسوا کا محمد شاہ کے دور میں دہلی میں انتقال ہوا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے ۱۷۴۷ء سے پیشتر انتقال کیا ہے کیونکہ محمد شاہ ۱۷۴۷ء میں فوت ہوئے ہیں۔ مصحفی کا بیان ہے کہ رسوا نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کی میت کو شراب میں غسل دیا جائے چنانچہ ان کے انتقال پر ان کی وصیت کے مطابق میت کو شراب سے غسل دیا گیا لیکن روایت کے مطابق حیرت کا مقام ہے کہ ان کی لاش یا کفن سے شراب کی کوئی بو نہیں آتی تھی۔ اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسوا رند مشرب ہونے کے باوجود اولیا دہلی میں شمار کیے جاتے تھے۔ حافظ اور دوسرے مسلمان چعرا کے ساتھ بھی اس قسم کے حیرت انگیز واقعات پیش آئے ہیں۔

بعض دیگر تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ رسوا نوجوان جوہری کو ڈولی میں بٹھا کر بازاروں میں لے جایا کرتے تھے اور بچوں اور راہگیروں میں کوڑیاں نچھاور کر کے فرمائش کرتے کہ وہ انھیں زدوکوب کریں۔ انھیں راویوں سے معلوم ہوا ہے کہ یہ جوہری بچہ ایک روز رسوا کی ان نازیبا حرکات سے اس قدر بیزار ہو گیا

کہ اس نے انھیں چھرے سے وار کر کے ہلاک کر دیا۔ مصحفی نے ان واقعات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ صرف خدا تعالیٰ ان باتوں کی اصلیت سے واقف ہے۔ رسوا نے جواں عمری میں انتقال کیا ہے۔ بنی نراین نے ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔

یہ غزل دستیاب نہ ہوسکی [مترجم]۔

رسوا۔ حکیم عنایت حسین بریلوی:

دورِ حاضر کے ایک شاعر ہیں جن کا ایک قصیدہ ۱۴ دسمبر ۱۸۶۹ء کو 'اودھ اخبار' میں شائع ہوا ہے۔

رسوا۔ مولوی حبیب الرحمان۔ سہارنپوری:

وہ ایک ہم عصر شاعر ہیں جن کا ذکر ہندوستانی اخباروں میں کیا گیا ہے۔

رسوخ حسن مرزا۔ لکھنوی:

وہ مرزا بندہ محمد خان کے بیٹے اور مہدی حسین خان آباد کے شاگرد تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کے چند اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

رشک۔ میر علی اوسط:

وہ فیض آباد میں پیدا ہوئے اور لکھنؤ میں رہتے تھے۔ ان کے والد سید اور میر الماں تھے اور انھیں امام بخش ناسخ سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ رشک کربلا کی زیارت کو تشریف لے گئے تھے۔ وہ اعلیٰ شاعرانہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ انھوں نے دوگراں قدر دیوان لکھے ہیں۔ ایک کا نام ''نظم مبارک'' ہے اور اس میں نعتیہ اشعار ہیں۔ اس عنوان سے دیوان کی تاریخ تصنیف ۱۲۵۷ھ/۸۔۱۸۳۷ء نکلتی ہے۔ دوسرے دیوان کو ''نظم گرامی'' کہتے ہیں جو اپنے نام کی وجہ سے کسی قدر تفاخر آمیز معلوم ہوتا ہے۔ یہ ایک اور تاریخی نام ہے جس سے تاریخ ۱۲۶۱ھ/۱۸۳۵ء نکلتی ہے۔

یہ دونوں دیوان لکھنؤ سے ۱۲۶۳ھ/۷۔۱۸۴۶ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئے ہیں اور ایک ہی جلد میں چھاپے گئے ہیں۔ فرق صرف اسی قدر ہے کہ دوسرا دیوان حاشیے میں درج کیا گیا ہے۔ یہاں کا یہ ایک عام طریقہ ہے۔ ان دونوں دیوان کی ضخامت ۴۲۴ صفحات میں ہے۔ کتاب کے آخر میں چند تاریخیں بھی شامل ہیں۔

محسن کا بیان ہے کہ رشک نے تین دیوان تصنیف کیے ہیں۔ دو اردو میں ہیں اور ایک ہندی میں۔

ان کے علاوہ انھوں نے ہندی میں ایک مثنوی بھی لکھی ہے جس کا نام ''ترجمہ حدیثِ رجعت'' ہے اور جو لکھنؤ سے چھپی ہے۔ رشک نے ''لغتِ ہندی'' کے نام سے ایک اور کتاب بھی لکھی ہے۔

رشکی۔ محمد حسن خان۔ مرحوم:

وہ پٹنہ کے رہنے والے ہیں اور خادم حسین خان خادم کے بیٹے۔ عشقی کہتے ہیں کہ وہ ایک نوجوان محنتی شخص ہیں اور ان کے تذکرے میں قابلِ ذکر ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ وہی محمد حسن ہوں جو دہلی سے ''دہلی اردو اخبار'' نکالتے ہیں۔

رشید:

وہ مولانا نظام الدین کے شاگرد تھے اور لکھنؤ میں رہتے تھے جہاں کمسنی میں ہی ایک حادثے میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ وہ سائنس میں بڑی مہارت رکھتے تھے اور اپنی فہم و بصیرت کے لیے مشہور تھے۔ علی ابراہیم نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

اس نام کے ایک اور شاعر ہیں جو لکھنؤ میں رہتے تھے۔ ان کا پورا نام مرزا احمد ذکی رشید تھا اور یہ مرزا مہدی کے بیٹے، مرزا منشی جعفر کے پوتے اور مرزا حاجی قمر کے بھتیجے تھے۔ رشید کو مولوی محمد بخش شہید سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

رضا:

علی ابراہیم نے ایک شاعر کا ذکر کیا ہے جو رضا تخلص کرتے تھے لیکن بدقسمتی سے انھوں نے اس سے زیادہ کوئی تفصیل نہیں بتائی ہے البتہ وہ اس قدر بتاتے ہیں کہ انھوں نے ان کے اکثر کلام کا مطالعہ کیا ہے۔ علی ابراہیم ان کا ایک شعر نقل کرتے ہیں:

ایک دم تو رضا کے پاس آ بیٹھ
آج وہ اس جہاں سے اٹھتا ہے

''گلشن ہند''، ص ۱۳۷

رضا:

وہ گوالیار کے قریب رہتے تھے۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

رضا۔ حمید الدین خان:

ان کے والد حکیم اور مولوی کلو [یا گلو] تھے اور وہ چاند پور میں رہتے تھے۔ سرور کہتے ہیں کہ وہ عظیم پور کے رہنے والے تھے۔ شیفتہ نے اپنے تذکرے میں ہندوستانی شاعر کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے۔

رضا۔ رامپوری:

وہ ایک شاعر ہیں جن کا سرور و شیفتہ نے ذکر کیا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسرے رضا سے مختلف شاعر ہیں۔

رضا۔ سید غلام رضا خان:

وہ بنارس میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد نواب نصراللہ خان تھے اور ان کے استاد مولوی ذاکر علی ذاکر تھے۔ وہ صاحبِ دیوان ہیں۔

رضا۔ شیخ حافظ محمد بخش:

وہ لاہور کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے مختلف قسم کے اشعار کہے تھے۔ جن دنوں سرور اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو وہ فرخ آباد میں رہتے تھے۔ انھوں نے دو دیوان چھوڑے ہیں۔ ایک ہندوستانی میں اور دوسرا فارسی میں ہے۔

رضا۔ محمد۔ دکنی:

قاسم اور سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔ دوسرے کلام کے علاوہ انھوں نے ایک قصیدہ بھی لکھا ہے۔

رضا۔ مرزا احسن یا دہلوی:

یہ اردو شاعر سودا کے شاگرد تھے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسی نام کے دوسرے شعرا سے مختلف ہیں۔ سرور کا بیان ہے کہ رضا مرزا جیون کے نام سے بھی مشہور تھے۔ وہ محمد مرزا جان [یا خان کربیگی] کے بیٹے تھے اور خراسان کے ایک مشہور معروف خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتدا میں رضا کو نصیر سے تلمذ تھا لیکن بعد میں ممنون سے مشورۂ سخن کرنے لگے۔ کمال نے بیان کیا ہے کہ وہ رضا کے گہرے دوست تھے۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ رضا شجاع الدولہ کے عہد میں لکھنؤ میں قیام کرتے تھے اور وہ ایک دیوان کے مصنف بھی ہیں جس کا ایک خودنوشت نسخہ انھوں نے کمال کو پیش کیا تھا۔ ذکا نے اس دیوان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رضا کو محمد کہتے تھے۔ کمال نے اپنے تذکرے میں ان کی متعدد غزلوں کی نقل کرنے کے علاوہ چند مخمس بھی درج کیے ہیں جو خسرو، ہاشم اور حسرت کے کلام پر لکھے گئے تھے۔ شیفتہ ان سے واقف تھے اور ان کا بیان ہے کہ وہ ''گلشنِ بے خار'' کی تصنیف سے چند سال پہلے انتقال کر چکے تھے۔

رضا۔ مرزا علی بیگ:

آگرہ کے رہنے والے تھے۔ ان کے استاد میاں ولی محمد نصیر تھے۔ ان کا شمار ہندوستانی شعرا میں کیا جاتا ہے۔

رضا۔ مولانا عبدالرضا:

وہ تھانیسر میں پیدا ہوئے اور شاعری میں شاہ امام بخش سے مشورہ کرتے تھے۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔ ذکاء نے مولوی ضیاء الدین رضا کے نام سے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کا بیان ہے کہ وہ سودا کے ہم عصر تھے۔

رضا۔ مولوی قطب الدین:

وہ ایک ہم عصر شاعر ہیں جن کی تین غزلیں بابو ہری چندر نے اپنے ''انتخاب غزلیات'' میں شائع کی ہیں۔ یہ رسالہ بنارس سے ۱۸۶۸ء میں چھپا ہے۔

رضا۔ میر اور میرزا علی۔ مانکپوری:

قاسم انھیں رضائی کہتے ہیں۔ وہ ایک اچھے طبیب اور ممتاز شاعر ہونے کے علاوہ دیوانہ کے دوست بھی تھے۔ انھوں نے چند مثنویاں لکھی ہیں اور ان میں ایک خود ان کی محبت کی داستان ہے۔ کریم، ذکا اور عشقی نے ان کا ذکر کیا ہے۔

میرا خیال ہے کہ یہ وہی شاعر ہیں جن کو ابوالحسن علی خان رضائی کہتے ہیں۔

رضا۔ میر رضا علی۔ لکھنوی:

شیفتہ کے مطابق وہ ایک مشہور قصہ گو کے بیٹے تھے اور خود ایک بے مثال خوش نویس ہونے کے علاوہ شاہ دہلی کے طغرا نویس بھی تھے۔ رضا، قاسم، ذکا اور مصحفی سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ مصحفی کا بیان ہے کہ وہ ایک نومشق شاعر تھے لیکن وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ انھوں نے ان کو دہلی میں نہایت ہی بلند پایہ اشعار پڑھتے سنا ہے جو اپنی شگفتگی کے علاوہ بہت ہی رنگین و معنی خیز تھے۔ محسن نے بھی ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ رضا اپنے والد کی طرح بہت اچھے قصہ گو تھے۔

میں صحیح طور پر نہیں کہہ سکتا کہ یہ شاعر وہی مرزا علی رضا ہیں جن کو ایک دوسرے تذکرہ نگار نے نقل کیا ہے اور جو لالہ سرب سنگھ دیوانہ کے ایک دوست تھے۔ انھوں نے ایک عشقیہ مثنوی لکھی ہے اور میرا خیال ہے کہ ''مجربات رضائی'' بھی ان کی ایک دوسری کتاب ہے۔ اس کتاب کا اعلان نول کشور، لکھنؤ کی فہرست کتب میں، جنوری ۱۸۶۹ء میں کیا گیا ہے۔

رضا۔ میر محمد [عشقی کے مطابق محمدی] عظیم آبادی:

وہ میر جمال الدین حسین جمال کے بیٹے تھے اور میر حبیب اللہ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے پردادا قاضی نور اللہ شستری تھے جنہوں نے ''احقاق الحق'' اور ''مجالس المومنین'' کے نام سے کتابیں لکھی ہیں۔

رضا کو عرفِ عام میں میر پتوی بھی کہتے تھے۔ وہ لکھنؤ میں رہتے تھے لیکن مرشد آباد میں انتقال ہوا۔ عظیم آباد کے ادیبوں کی صحبت میں رہ کر انھوں نے شعروسخن کا مذاق پیدا کیا تھا۔ وہ مرزا محمد رفیع سودا کے شاگرد تھے۔

انھوں نے نئے اندازِ بیان میں اشعار کہے ہیں جو ایک دیوان کی صورت میں مرتب کیے گئے ہیں۔ علی ابراہیم اور مصحفی نے ان کے چند اشعار کو نقل بھی کیا ہے۔

رضا۔ میر محمد علی:

لکھنؤ کے ایک سید کے بیٹے اور ضیا کے شاگرد تھے۔ وہ عربی کے فن شاعری کے لیے مشہور تھے اور اس فن میں انھوں نے بڑا کمال حاصل کیا تھا کیونکہ قاسم کے مطابق وہ ایک ممتاز ریختہ گو تھے۔ ان کی دوسری تصنیفات کے علاوہ انھوں نے ایک مثنوی بھی لکھی ہے۔ ذکا ان سے ذاتی طور پر واقف تھے۔ رضا کو اکثر میر محمدی بھی کہتے ہیں۔ شیفتہ اور کریم کے مطابق رضا اور میر محمدی دو مختلف شخص ہیں۔ وہ علی گڑھ کی عدالت میں ناظر کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔

رضوان۔ غلام حسین:

پٹنہ کے رہنے والے تھے۔ وہ شیخ فخرالدین کے بیٹے اور سلیم مجرم اور عشقی سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ عشقی نے ان کا ذکر کیا ہے۔

رضوان۔ نواب وحید علی خان:

وہ نواب نجابت علی خان بہادر کے بیٹے اور نواب مظفر جنگ بہادر کے نواسے تھے جو فرخ آباد کی مسند پر متمکن تھے۔ ان کے دادا کا نام سید اسماعیل حسین منیر تھا۔ رضوان ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کے اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

رضی۔ نواب مرزا سیف الدولہ سید رضی الدین بہادر صلابت جنگ۔ دہلوی:

یہ وہی شاعر ہیں جن کا ذکر میں نے سید رضا خان کے نام سے اس کتاب کے پہلے ایڈیشن میں کیا ہے۔ وہ امراء میں شمار کیے جاتے تھے اور اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کے علاوہ آئمہ کے متعلق بہت وسیع معلومات رکھتے تھے۔

جن دنوں ذکا اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو وہ حکومتِ برطانیہ کے ملازم تھے۔ شیفتہ کے تذکرے کی تصنیف کے دوران میں وہ انتقال کر چکے تھے۔ قاسم اور کریم نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔

رعد۔ لالہ گنگا پرشاد:

ان کا آبائی وطن کشمیر تھا لیکن وہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ وہ اردو کے ایک شاعر ہیں جن کا ذکر باطن نے اپنے ''گلشنِ بے خزاں'' میں کیا ہے۔

رعنا۔ عبدالرحیم:

وہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور رامپور میں رہتے تھے۔ ان کے والد خواجہ تخی اون بیچا کرتے تھے۔ وہ غلام ہمدانی مصحفی کے شاگرد تھے۔ محسن نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کے اشعار اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

رعنا۔ مرزا محمد مردان علی:

آگرہ کے رہنے والے تھے۔ ابتدا میں وہ کپور تھلہ میں سرکاری ملازم تھے لیکن آج کل وہ مارواڑ میں مشیر کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ وہ ایک ممتاز ہم عصر ہندوستانی مصنف ہیں۔ ''اودھ اخبار'' میں ان کے اشعار کے متعدد نمونے شائع ہوئے ہیں۔ انھوں نے ایک مثنوی بھی لکھی ہے جو چھوٹی تقطیع پر ۶۶ صفحات میں ہے اور اس کے ہر صفحے پر ۲۱ سطریں ہیں۔ یہ مثنوی لکھنؤ سے ۱۲۸۱ھ/ ۵۔۱۸۶۴ء میں ''ضبطِ عشق'' کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ رعنا کو حسین صوفی بھی کہتے ہیں۔

رعنائی۔ قدسیہ بیگم:

وہ ایک خوبصورت ہندوستانی خاتون تھیں جو بہت ہی ذکی الحس ہونے کے علاوہ اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لیے بیتاب تھیں۔ انھوں نے کچھ زیادہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی اس کے باوجود ان کے اشعار میں بڑی شیرینی اور لطافت پائی جاتی ہے۔ رفیع نے ان کی ایک غزل کا مطلع نقل کیا ہے:

میں جانتی تھی آنکھ لگی دل کو سکھ ہوا　　　کمبخت کیسی آنکھ لگی اور دکھ ہوا

''تذکرۂ شاعراتِ اردو''، ص ۱۷۶

رغبت۔ مراد آبادی:

وہ ایک اور ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر صرف سرور نے کیا ہے۔

رغبت۔ میر ابوالمعالی۔ لکھنوی:

یہ ہندوستانی شاعر ممنون کے شاگرد ہیں۔ قاسم اور سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔ شیفتہ کے بقول ان کا نام ابوالمعالی ہے۔

رفاقت۔ مرزا لکھمن رائے۔ لکھنوی:

جرأت کے شاگرد اور ایک زندہ دل نوجوان شاعر تھے۔ میر اور شیفتہ ان کو لکھن کہتے ہیں اور کریم کے مطابق ان کا نام مرزا لکھی بیگ تھا۔ انھوں نے ہندوستانی میں بے شمار اشعار کہے ہیں۔ وہ ۲۲ سال کی عمر میں دق کے مرض میں فوت ہوئے ہیں۔ مصحفی نے اپنے تذکرے میں ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

رفعت۔ شیخ محمد رفیع:

الہ آباد کے رہنے والے تھے لیکن عظیم آباد میں سکونت اختیار کر لی تھی جہاں نواب میر محمد قاسم خان کے ملازم تھے۔ علی ابراہیم ان سے واقف تھے اور ان کا بیان ہے کہ وہ بہت ہی خوش طبیعت شخص تھے۔ انھوں نے اردو میں اشعار کہے۔ کمال کا بیان ہے کہ ان کا نام راضی ہے اور ان کے آباؤاجداد ایران کے مشہور شہر ہمدان کے رہنے والے تھے۔ جن دنوں ''سراپا سخن'' کو تصنیف کیا جا رہا تھا تو وہ انتقال کر چکے تھے۔

رفعت۔ غلام جیلانی۔ دہلوی:

وہ مولوی قدرت اللہ شوق کے شاگرد تھے اور ابتدا میں بیدم تخلص کرتے تھے۔ ان کا حافظہ اس قدر تیز تھا کہ اگر وہ کسی قصیدے کو ایک بار سن لیتے تو ان کے ذہن میں محفوظ ہو جاتا۔ محسن نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

رفعت۔ محمد عیسیٰ خان انصاری:

وہ نواب امتیاز خان کے بیٹے تھے۔ ایک ہم عصر ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر عشقی نے کیا ہے۔

رفعت۔ مرزا بہاری:

وہ دہلی کے شاہی خاندان کے ایک رکن تھے اور شاہی محلات میں رہتے تھے۔ ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر تقریباً ۴۰ سال تھی۔ وہ کریم کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے جہاں اپنے اشعار سنایا کرتے تھے۔ کریم کے مطابق ان کے اشعار بہت خوب صورت ہوتے تھے۔ انھوں نے ان کے کلام کے چند نمونے پیش کیے تھے۔

رفعت۔ مہر علی:

وہ ایک درباری واعظ کے بیٹے تھے اور اپنی قوتِ گویائی کے لیے مشہور تھے۔ قاسم نے اردو شاعر کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ رفعت لکھنوی ہیں جن کا ذکا نے ذکر کیا ہے۔

رافت۔ میاں رؤف احمد:

وہ ایک پیرزادہ ہیں اور شیخ احمد مجدد الف ثانی کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ لکھنؤ میں پیدا ہوئے

اور رامپور میں رہتے تھے لیکن کئی بار دہلی تشریف لے گئے تھے۔ وہ جرأت کے شاگرد اور غلام علی شاہ کے مرید ہیں۔ آپ ایک صوفی ہیں اور علمِ اقلیدس میں بڑا کمال رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک ممتاز شاعر بھی ہیں۔ سرور نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

رفیع الدین:

انھوں نے اردو میں ''کیفیتِ مدرسۂ عربی دیوبند'' لکھی ہے۔ یہ کتاب میرٹھ سے ۱۸۶۸ء مس ۴۲ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

رفیع۔ رفیع الدین خان:

انھوں نے ہندوستانی میں اشعار کہے ہیں۔ سرور، شیفتہ اور کریم نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔ تذکرہ نویسوں کے مطابق وہ افغانی النسل تھے اور لکھنؤ کے شیخوں کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے بعد میں مراد آباد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کا بیان ہے کہ مکہ و مدینہ کی زیارت کو بھی تشریف لے گئے تھے۔

رفیع۔ مولانا شاہ محمد رفیع الدین۔ دہلوی:

انھوں نے اردو میں قرآن کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ قرآن کا لفظی ترجمہ ہے اور سر سید احمد خان نے ''آثار الصنادید'' میں اس کی تعریف کی ہے۔ یہ ترجمہ کلکتہ کے اسلام پریس سے بڑی تقطیع کی دو جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ پہلی جلد ۱۲۵۴ھ/ ۹۔۱۸۳۸ء میں اور دوسری ۱۲۶۶ھ/ ۵۰۔۱۸۴۹ء میں چھپی ہے۔ یہ عبدالقادر کے ترجمے سے بالکل مختلف ہے۔ رفیع الدین کے ترجمے کے مرتب عبدالعزیز نے حاشیے پر عبدالقادر کے نوٹ بھی دیے ہیں لیکن یہ مکمل نہیں ہیں اس لیے کہ ان کی تصحیح نہ ہوسکی تھی اور ان کو بعد میں شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے دوسرے بیٹے حاجی حفیظ اور مولوی احمد کبیر اور مولوی حافظ مجیب احمد، مولوی محمد مرتضیٰ، واہب اور میر علی خان نے درست کیا۔ ۱۷ فروری ۱۸۶۸ء کے ''اخبار عالم'' میرٹھ میں اس ترجمے کے ایک نئے ایڈیشن کا اعلان ہوا ہے جس میں رفیع الدین کے اردو ترجمے کے ساتھ مولانا شاہ ولی اللہ کا فارسی ترجمہ بھی سطر بہ سطر شامل ہے اور اس کا نام ''فتح الرحمانی ہے''۔

اس اشاعت کے حاشیے میں ''تفسیر جلالین'' کے نام سے ایک تفسیر بھی درج ہے کیونکہ اس تفسیر کو ایک جلال [محلی] نے شروع کیا تھا اور دوسرے جلال [سیوطی] نے ختم کیا ہے۔ اس کتاب میں ۶۳۶ صفحات ہیں۔ ہر صفحے میں ۳۰ اور حاشیے میں ۵۶ سطریں ہیں۔

رفیع نے ایک دوسری کتاب ''بیان الآخرت'' بھی لکھی ہے۔ یہ ابو محمد عیش کی فارسی کی کتاب کا ترجمہ ہے اور اس میں دوزخ و جنت کی تفصیل ہے۔ یہ کتاب دہلی سے ۱۸۴۵ء میں چھوٹی تقطیع پر اور لکھنؤ سے ۱۸۴۸ء میں شائع ہوئی ہے۔

رفیع۔محمد کابلی:

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ''لالہ داغ'' نامی مثنوی کے مصنف ہیں جس کا انگریزی عنوان *"A poetical account of Mohammad Rafik of Kabul"* ہے۔

رفیق۔مرزا اسد بیگ۔دہلوی:

وہ ہندوستانی شاعر تھے لیکن پیشے کے لحاظ سے فوجی ملازم تھے۔ انھوں نے اردو میں کامیاب اشعار کہے ہیں۔ ثناء اللہ خان فراق ان کے استاد تھے۔ رفیق دہلی کے درباروں میں شریک ہوا کرتے تھے اور اپنے یہاں مشاعرے بھی منعقد کرتے تھے جہاں قاسم کے مطابق ان تمام شعرا کا پُر جوش استقبال کیا جاتا تھا جو اپنا کلام سنانے کو تشریف لاتے تھے۔ ان کا انتقال ۱۲۲۱ھ/ ۷۔۱۸۰۶ء میں ہوا ہے۔

رفیق۔امید بیگ:

وہ ایک ہندستانی شاعر ہیں جو بنی نراین کے تذکرے کی تصنیف سے پہلے پٹنہ میں رہتے تھے۔ بنی نراین نے ان کی ایک قابلِ قدر غزل نقل کی ہے جسے میں یہاں درج نہیں کر رہا ہوں کیونکہ اس سے ملتی جلتی ہوئی ایک اور غزل ہے جو آصف کے مضمون میں نظر آئے گی۔ محسن نے بھی ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

رفیق۔امین اللہ:

وہ ایک اور ہندوستانی شاعر ہیں۔ قاسم کے بقول وہ اور مرزا اسد بیگ رفیق دو مختلف شخص ہیں۔

رقت۔رستم علی:

انھوں نے ایک دیوان یادگار چھوڑا ہے جس کے کچھ اشعار مصحفی نے نقل کیے ہیں۔ محسن نے بھی ان کی چند غزلیں درج کی ہیں۔

رقت۔مرزا قاسم علی۔لکھنوی:

وہ مغل قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا عرف عراقی بھی تھا کیونکہ ان کے آباء واجداد عراق یعنی مشہد کے رہنے والے تھے۔ ان کے خاندان کے چند افراد کشمیر میں آباد ہو گئے تھے لیکن رقت خود شاہجہاں آباد میں پیدا ہوئے اور بعد ازاں فیض آباد میں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ جب رقت ۱۴ سال کے ہوئے تو وہ

شعر وسخن سے بڑی دلچسپی لینے لگے اور قلندر بخش جرأت اور حسرت سے اس فن میں مشورہ کرنا شروع کیا۔ ۱۷۹۴ء میں ان کی عمر ۳۰ سال تھی لیکن یہ صحیح طور پر معلوم نہیں کہ انھوں نے کب انتقال کیا ہے۔ شیفتہ اور محسن کا بیان ہے کہ وہ لکھنؤ میں رہتے تھے۔ کمال نے ان کی بڑی تعریف کی ہے اور ان کی چند غزلیں نقل کی ہیں۔

ان کا ایک واسوخت لکھنؤ اور دہلی کے '' مجموعۂ واسوخت '' میں درج ہے۔

رقیب۔ رؤف احمد:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو احمد مجدد الف ثانی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور رامپور میں رہتے تھے۔ ان کے استاد قلندر بخش جرأت تھے۔ انھوں نے کئی بار دہلی کا سفر کیا تھا جہاں ان کے پیر صوفی غلام علی شاہ یار قیام کرتے تھے۔ شیفتہ سے یہ باتیں معلوم ہوئی ہیں اور ان کا بیان ہے کہ رقیب اردو ادب سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔ شیفتہ نے ان کے کلام کا ایک نمونہ بھی پیش کیا ہے۔

رقیب۔ مرزا بیگ۔ دہلوی:

ان کا آبائی وطن ایران تھا۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر شیفتہ نے کیا ہے۔

رقیب۔ میر علی:

وہ دکن کے ایک قدیم شاعر ہیں جن کا ذکر کمال نے اپنے تذکرے میں کیا ہے۔

رکن الدولہ۔ حاذق الملک حکیم رکن الدین۔ دہلوی:

انھوں نے ریختہ اور فارسی میں اشعار کہے تھے۔

رند۔ مرزا محمد سلطان فتح الملک شاہ بہادر:

وہ دہلی کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور ان کو فخر الدین بھی کہتے ہیں۔ جن دنوں قاسم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے وہ ہندوستان میں کامیاب اشعار کہتے تھے۔ کریم نے ان کی بہت تعریف کی ہے اور ان کے تین مخمس اور تین غزلیں بھی نقل کی ہیں۔ ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر صرف ۲۰ سال تھی۔

رنج۔ حکیم محمد فصیح الدین:

وہ میرٹھ کے محلّہ بنی سرائے کے رئیس اور دورِ حاضر کے ممتاز اردو مصنف ہیں۔ ان کی مندرجہ ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ ایک اردو قصیدہ محمد کلب علی خان بہادر نواب رامپور کی تعریف میں لکھا ہے جو ۱۸ جنوری ۱۸۶۸ء کے '' اخبار عالم '' میں شائع ہوا۔

۲۔ ''بہارستانِ ناز''۔ یہ ایک اردو تذکرہ ہے۔ اس میں ہندوستان کی قدیم و جدید شاعرات کے کلام کا انتخاب ہے، ان پر مختصر شذرات بھی ہیں۔ پہلا ایڈیشن ۱۸۶۴ء میں اور دوسرا ایڈیشن ۱۸۶۹ء میں میرٹھ سے شائع ہوا ہے۔ میرے دوست محمد وجاہت علی خان نے اس کا نسخہ رنج سے منگا کر مجھے دیا۔ اس میں بڑی تقطیع کے ۶۷ صفحات اور ہر صفحے میں ۱۵ سطور ہیں۔

رنج کے کئی شاگرد تھے۔ ان میں سے ایک منشی کریم الدین صاحب اشک اور بیج نرائن ذرّہ بھی ہیں۔ دونوں نے ''بہارستانِ ناز'' کی تاریخ لکھی ہے۔

رنج۔ میر محمد نصیر:

وہ میر درد کے پوتے تھے اور ان کے بعد ان کے مذہبی جانشین بھی ہو گئے تھے۔ رنج کے بعد ان کے بیٹے ناصر جان محزون نے ان کی جگہ لے لی تھی۔ گلشنِ بے خار میں رنج کی موسیقی اور شاعرانہ صلاحیتوں کی بڑی تعریف کی گئی ہے۔

رند۔ رائے کھیم نرائن:

مہاراجہ لکشمی نراین کے بیٹے اور بنی نراین کے بھائی تھے۔ انھوں نے ہندوستانی میں ایک تذکرہ لکھا ہے جس کا نام ''دیوانِ جہاں'' ہے۔ میں نے اس کتاب سے کافی مدد لی ہے۔

رند کو حقیقتاً ایک ممتاز ہندوستانی مصنف خیال کیا جاسکتا ہے۔ وہ کھشتری ذات سے تعلق رکھتے تھے اور مہاراجہ ٹیکٹ رائے کے دوست تھے جو ہندوستانی شعرا کی بڑی قدردانی کرتے تھے۔ کمال رند سے خاص طور سے واقف تھے اور وہ ان کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔ کمال کے مطابق ان کا نام رائے کھیم چند کے بجائے لالہ نراین رند تھا۔ حقیقت میں رائے اور راجہ کے معنی میں زیادہ فرق نہیں ہے لیکن عام طور پر قبل الذکر لفظ کو نام کے شروع میں لکھنے کے بجائے آخر میں لکھا جاتا ہے۔

رند دہلی میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے اور اس کے بعد ہگلی تشریف لے گئے۔ ان کے بھائی بنی نراین نے ان کی ۷ غزلیں نقل کی ہیں۔

رند۔ شاہ اور میر حمزہ علی۔ دہلوی:

وہ اردو شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں۔ انھوں نے ایک دوسرے اردو شاعر، علی نقی خان انتظار اور ان کے بھائی محمد نقی خان کے ساتھ کچھ عرصے تک فوج میں ملازمت کی ہے۔ یہ دونوں حضرات علی اکبر خان کے بیٹے تھے۔

اس کے بعد وہ دنیا کو ترک کر کے مرشد آباد کی گلیوں میں ننگے پاؤں اور ننگے سر ایک لنگی پہن کر درویش کے لباس میں گھوما کرتے تھے۔ محسن کا بیان ہے کہ وہ بالکل برہنہ رہتے تھے اور صحیح معنوں میں آزاد تھے۔

نواب علی ابراہیم نے اکثر ان کو لکھنؤ میں دیکھا ہے اور ان کا خیال ہے کہ وہ ایک روحانی بزرگ تھے۔ مجھے صحیح طور پر معلوم نہیں کہ ان کا انتقال کب ہوا لیکن اتنا ضرور معلوم ہے کہ وہ ۱۱۹۴/۱۷۸۰ء میں پٹنہ میں دوسرے فقیروں کے سامنے شاہ ارزان کی درگاہ کے پاس رہتے تھے۔ انھوں نے ہندوستانی میں ایک دیوان لکھا ہے جس کا طرز بیان صوفیانہ رنگ میں ہے اور جسے بہت پسند کیا جاتا ہے۔ ابتدا میں وہ شیدا تخلص کرتے تھے۔

رند۔ منشی گنگا پرشاد:

ان کے آباء واجداد کشمیری تھے لیکن وہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام پنڈت کشن چند تھا اور جرأت سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو ابتدا میں لکھنؤ میں رہتے تھے۔ اس کے بعد وہ مدراس کے انسپکٹر کی حیثیت سے بریلی میں قیام کرنے لگے۔

انھوں نے بریلی کا ایک جغرافیہ لکھا ہے جس کا نام رسالہ ''جغرافیہ ضلع بریلی'' ہے۔ یہ کتاب ۱۸۵۴ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن چھوٹی تقطیع میں ۹۶ صفحات پر آگرہ سے نکلا ہے۔ اس میں ایک نقشہ بھی ہے۔

رند۔ مہربان خان:

ایک اچھے موسیقار ہونے کے علاوہ ایک ذہین شاعر بھی تھے۔ وہ کبت، دھرا اور مرثیے میں کمال رکھتے تھے۔ رند فرخ آباد میں نواب احمد غالب جنگ بہادر [صوبیدار فرخ آباد نواب خندۂ غالب جنگ احمد بخش] کے دفتر میں ملازم تھے۔ بعد میں نواب احمد غالب فرخ آباد کے صوبیدار ہو گئے تھے۔ رند سودا اور سوز کے شاگرد تھے اور تیر اندازی و تیغ زنی کے ماہر تھے۔

یہ تمام باتیں نواب علی ابراہیم سے معلوم ہوئی ہیں، مصحفی نے ان کے متعلق چند غیر ضروری باتیں تحریر کی ہیں اور ان کے کچھ اشعار نقل کیے ہیں۔ سر گور اوسلی کے پاس ان کے کلیات کا ایک نسخہ تھا اور نواب وزیر محمد بخش کے کتب خانے میں بھی ان کے دیوان کی ایک جلد تھی۔ اس کے قلمی نسخے کا عنوان ''کلیات دیوان مہربان خان رند با تخلص'' ہے۔ رند کے دیوان میں غزلیں اور چند رباعیاں پائی جاتی ہیں۔ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے کتب خانے میں اس دیوان کا ایک نسخہ ہے جس کا نمبر ۱۷۳ ہے۔ اس میں ۲۰۹ صفحات ہیں اور ہر

صفحے پر ۱۱ اشعار ہیں۔ مصحفی کے تذکرے کی تصنیف سے پہلے رند کا رستم نگر میں انتقال ہو چکا تھا۔ رستم نگر لکھنؤ کا ایک محلہ ہے۔

رند۔ نواب محمد علی خان۔ رامپوری:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کے کچھ اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔

رند۔ نواب سید محمد خان۔ دہلوی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو ابتدا میں فیض آباد میں رہتے تھے۔ اس کے بعد ۱۲۴۰ھ/ ۵۔۱۸۲۴ء میں لکھنؤ چلے گئے اور وہیں انتقال کیا۔ وہ نواب سراج الدولہ مرزا غیاث الدین محمد خان بہادر نصرت جنگ نیشا پوری کے بیٹے تھے اور ان کے نانا کا نام نواب نجف خان تھا۔ رند کو خواجہ حیدر علی آتش اور ناسخ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ ان کے کلام کو دو دیوان کی صورت میں مرتب کیا گیا ہے جو ''گلدستۂ عشق'' کہلاتا ہے۔ یہ کتابیں کانپور سے ۱۲۶۲ھ/ ۶۔۱۸۴۵ء میں ۲۰۶ صفحات میں شائع ہوئی ہے اور ان کے حاشیے میں بھی اشعار درج ہیں۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

غالباً علی مہربان اور محمد رند میں کچھ لوگوں نے خلط ملط کیا ہے۔

رنگین:

ان کا آبائی وطن کشمیر تھا لیکن جن دنوں سودا دہلی میں مقیم تھے ان کا بھی وہیں قیام تھا۔ علی ابراہیم نے ہندوستانی شعرا میں ان کا شمار کیا ہے۔ غالباً یہ وہی رنگین ہیں جن کو سرور نے نقل کرتے ہوئے بتایا ہے کہ وہ محمد شاہ کے ہم عصر تھے اور ان کی غزلوں کو طوائفیں گایا کرتی تھیں۔

رنگین۔ امن بیگ:

وہ نواب افتخار الدولہ مرزا علی خان کے دربار سے منسلک تھے۔ وہ نستعلیق نویسی کے لیے ممتاز تھے اور اردو میں اشعار بھی کہتے تھے۔

رنگین۔ پرن لال۔ دہلوی:

وہ ایک کائستھ ہیں اور عجیب وغریب کردار کے مالک ہیں۔ انھوں نے اردو میں اشعار کہے ہیں جن کو ''گلشنِ بے خار'' میں نقل کیا گیا ہے۔

رنگین۔ سعادت یار خان۔ دہلوی:

وہ ایک مشہور اردو شاعر ہیں اور اردو شاعری کو رواج دینے میں ان کا بڑا ہاتھ ہے۔ ان کا آبائی وطن

توران اور ان کے والد کا نام محکم الدّولہ طہماسپ بیگ یا خان تھا۔ انھیں فنِ سپہ گری سے بڑی دلچسپی تھی اور ان کے کلام سے ان کی خوش ذوقی کا پتہ چلتا ہے۔

وہ غیر معمولی تعلیم یافتہ شخص نہ تھے لیکن اپنی فطانت کی وجہ سے بعض اوقات بڑے پڑھے لکھے لوگوں پر حاوی ہو جاتے تھے۔ انھیں دہلی کے قیام کے زمانے میں شعرگوئی کا شوق ہوا۔ انھوں نے سب سے پہلے اپنا کلام شاہ ظہور علی حاتم کو دکھایا لیکن بعد میں جب انھوں نے شعرگوئی کی اچھی مشق بہم پہنچائی تو بقول مصحفی انھوں نے اپنا ایک مکمل دیوان مصحفی کو دیکھنے کے لیے دیا۔ مصحفی نے اپنے تذکرے کے ۳ صفحے میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔ رنگین ایک عاشق مزاج آدمی تھے اور اسی لیے انھوں نے معاملاتِ محبت کو بڑی گرمجوشی کے ساتھ نظم کیا ہے۔ ان کے چار دیوان ہیں۔ ایک میں غزلیں، دوسرے میں ہلکے پھلکے اشعار اور ایک میں ریختی نظمیں ہیں۔ ان تمام دواوین میں کچھ اور کلام شامل کر کے انھوں نے اس کا نام ''نورتن'' رکھا ہے۔ یہ مجموعہ ۱۸۴۶ء میں دہلی سے شائع ہوا ہے اور اس کے ہر دیوان کا نام انھوں نے ''نسخہ'' لکھا ہے۔

پہلا دیوان ''ریختہ'' کہلاتا ہے جس کا ایک قلمی نسخہ توپ خانہ لکھنؤ کے کتب خانے میں ہے۔ اس میں ۲۷ صفحات ہیں اور ہر صفحے میں ۱۸ اشعار۔ اس میں غزلیں، رباعیات، قطعات، تاریخ اور ایک ۶۰۰ اشعار کا قصیدہ بھی شامل ہے۔

دوسرے دیوان کا نام ''بیختہ'' ہے۔ یہ غزلیات و چند رباعیات پر مشتمل ہے اور اس میں ۹۴ صفحے ہیں۔

تیسرا دیوان ''آمیختہ'' کہلاتا ہے۔ اس کے ۳۶ صفحوں میں ہلکے، پھلکے اشعار ہیں۔

چوتھے دیوان کا نام ''ریختی'' ہے۔ اس میں عورتوں کی زبان استعمال کی گئی ہے۔ یہ ۵۲ صفحوں کا دیوان ہے جس میں غزلیں اور رباعیات شامل ہیں۔

رنگین نے اور کئی چیزیں لکھی ہیں۔

۱۔ ''رسالہ در علم ایجاد''۔ میرا خیال ہے کہ یہ رنگین کی مثنوی ''ایجادِ رنگین'' سے مختلف چیز ہے۔ یہ اخلاقی منظوم قصوں کا مجموعہ ہے جو خدا یار خان کو مخاطب کر کے لکھا گیا ہے۔ یہ کتاب بغیر حاشیہ ہے اور ۱۲۶۳ھ/ ۴۷-۱۸۴۶ء میں چھوٹی تقطیع کے ۳۶ صفحات پر لکھنؤ سے شائع ہوئی ہے۔ یہ غالباً وہی ہے جس کو اسپرنگر نے Flowery Mathnavi کہا ہے اور جس کا نمبر ان کی فہرستِ کتب میں ۱۷۱۲ ہے۔

۲۔ ''مجالسِ رنگین''۔ یہ ایک قسم کا رسالہ ہے جس میں ان شاعروں پر تنقیدی تبصرہ ہے جن کا کلام اس زمانے میں چھپا تھا۔

۳۔ ''مظہر العجائب''۔ یہ ۱۸۴۴ء میں چھوٹی تقطیع پر آگرہ سے چھپی ہے اور اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۴۵ء میں ۲۶ صفحات پر لکھنؤ سے نکلا ہے۔ ہر صفحے میں چار کالم ہیں۔

۴۔ ''حکایاتِ رنگین''۔

۵۔ میرا خیال ہے کہ یہ وہی سعادت یار خان رنگین ہیں جنھوں نے ''فرس نامہ'' لکھا ہے اور جس میں گھوڑوں کی خصوصیات کے ساتھ ان کی اقسام، ان کی توضیحات، امراض اور ان کے علاج پر بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب ۱۲۶۹ھ/۵۳۔۱۸۵۲ء میں لکھنؤ سے ۲۲ صفحات میں چھپی ہے۔ لاہور اور دہلی سے بھی یہ شائع ہوئی ہے۔

رنگین نے عام طور پر دل خوش کن شاعری کی ہے۔ ان کا ایک قصیدہ شیطان کی شان میں بہت مشہور ہے۔ اس کو انھوں نے بسم اللہ کے بجائے اعوذ باللہ سے شروع کیا ہے جو قرآن کی ایک سورت کا پہلا لفظ ہے۔ [سورت ۱۸۔ آیات ۲۰۰]۔

بڑی سیر و سیاحت کے بعد رنگین نے بہ عمر ۸۱ سال ۱۲۵۰ھ/۳۵۔۱۸۳۴ء میں انتقال کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی وفات سے پہلے ہی آگاہ ہو چکے تھے کیونکہ انھوں نے موت سے پہلے ایک تاریخ وفات لکھی تھی۔ قاسم نے ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔ شیفتہ اور سرور نے بھی ان کا کلام نقل کیا ہے۔

رنگین۔ میر برہان:

وہ اردو کے ایک اور شاعر ہیں جن کا ذکر ابوالحسن نے کیا ہے۔

رنگین۔ لالہ بلاس رائے:

وہ راجہ مان رائے کے بیٹے اور محمد علی روشن کے منشی ہیں۔ وہ مراد آباد میں مقیم ہیں جہاں وہ اردو شعر و شاعری سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

رنگین۔ میر اکبر علی۔ یا میر سنگی۔ لکھنوی:

سودا کے شاگرد تھے۔ وہ ایک دیوان کے مالک ہیں جن کے اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

رواں۔ سید جعفر علی۔ لکھنوی:

وہ کاظم علی جواں کے شاگرد ہیں۔ انھوں نے ہندوستانی میں بہت قابل ذکر اشعار چھوڑے ہیں۔

روح اللہ۔ محمد عنایت احمد:

وہ ''تواریخ حبیب اللہ'' کے مصنف ہیں۔ یہ کتاب کانپور سے ۱۲۸۱/۱۸۶۴ گین چھوٹی تقطیع کے ۲۰۱ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

روح الامین:

یہ ہندوستانی شاعر دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔ بینی نراین نے اپنے ''دیوان جہاں'' میں ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔

روحی:

وہ حیدرآباد کے ایک پیرزادے ہیں۔ کمال نے اپنے تذکرے میں ہندوستانی شاعر کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے۔

رودر سہائے۔ بابو:

اٹاوہ کے رہنے والے ہیں اور ہندو مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے اردو میں روانی کے مضمون پر ایک کتاب مرتب کرنے کے صلے میں حکومت سے انعام پایا تھا۔

انھوں نے فلسفہ کے موضوع پر ایک دوسری کتاب بھی تصنیف کی ہے جسے وہ عنقریب شائع کرنے والے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ انگریزی سے ایک طویل سفر کے واقعات کو اردو میں ترجمہ کرنے والے ہیں۔

اس مثال اور دوسری باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت نے ادبی کاوشوں کی ہمت افزائی کے لیے جو کوششیں کی ہیں وہ بارآور ثابت ہو رہی ہیں۔ چنانچہ ان ہندوستانی حضرات کی کوششوں کو سراہنا چاہیے جو اپنی صلاحیتوں اور فرصت کے لمحات کو ادبی کاوشوں میں صرف کر کے اپنے ہم وطنوں کی خدمت کر رہے ہیں۔

روشن۔ پیر:

بہرحال اسی نام کے دوسرے شاعر یک افغانی صوفی تھے۔ ان کا ذکر اس کتاب میں بایزید انصاری کے نام سے کیا گیا ہے۔ وہ ''خیر البیان'' کے مصنف ہیں۔

روشن۔ خواجہ حسن علی۔ دہلوی:

وہ آصف الدولہ کے یہاں ایک عہدے پر ماہر تھے اور سرور صرف اس قدر بتاتے ہیں کہ وہ ایک جوان ہندوستانی شاعر تھے۔ شیفتہ نے روشن کے متعلق بتایا ہے کہ ان کے حالات کچھ زیادہ روشن ذہین ہیں۔ بہرحال دوسرے شاعر سے ان کو مختلف بتاتے ہیں جو ایک درویش تھے اور شاہ کے نام سے بھی مشہور

تھے۔ ابوالحسن نے خواجہ روشن علی کے نام سے ان کا ذکر کیا ہے اور میرا خیال ہے یہ وہی مصنف ہیں جنھوں نے اردو کی قواعد تصنیف کی ہے۔

روشن علی کے نام سے ایک اور مصنف ہیں جنھوں نے ''لعل و ہیرا'' کے عنوان سے ایک نظم لکھی ہے۔ جس کا ایک قلمی نسخہ برٹش میوزیم میں ہے۔ یہ نسخہ ۱۱۸۳/ ۱۷۶۹ میں نقل کیا گیا تھا اور فہرست کتب میں اس کا شمارہ ۱۲۴۲۳ ہے۔

روشن ۔ شاہ:

وہ بریلی میں پیدا ہوئے اور میرٹھ میں رہتے تھے جہاں وہ اپنی خودی کو مٹا کر گوشہ تنہائی میں روحانیت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ سرور کا بیان ہے کہ وہ ابتدا میں کایستھ تھے لیکن حال ہی میں اسلام قبول کر لیا ہے اور ایک اردو دیوان کے مالک ہیں۔

روشن ۔ میر حسن علی:

نواب نظام الدولہ بہادر کی سرکار میں داروغہ تھے۔ وہ فیض آباد میں پیدا ہوئے اور ان کے والد میر خلیل تھے۔ روشن لکھنو میں رہتے تھے اور مولوی محمد کے شاگرد تھے۔

رونق:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کی تین غزلیں ہیں۔ بنی نراین نے نقل کی ہیں۔

رونق ۔ لالہ رام سہائے ۔ لکھنوی:

حکیم منا لال کے بیٹے اور ناسخ کے شاگرد تھے۔ وہ راجہ جھاولال کے دوست تھے اور اردو میں لکھنے کے علاوہ زیادہ تر فارسی میں تصنیف کرتے تھے۔ محسن نے ان کی ایک غزل اپنے تذکرے میں نقل کی ہے۔

رونق ۔ نورالدین ۔ پانی پتی:

وہ پانی پت کے بڑے بلند پایہ ادیب ہیں اور علم بلاغت میں بڑا کمال رکھتے ہیں۔ وہ نواب غلام حسن خان خیال کے شاگرد تھے اور شیعہ جماعت سے تعلق رکھنے کے علاوہ انصاری بھی تھے۔ ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر ۷۰ سال تھی اور وہ لکھنو میں مجسٹریٹ کے اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔

رہا ۔ غلام محمد خان ۔ دہلوی:

وہ عنایت حسین خان مشیر کے بھائی اور گلزار علی خان اسیر کے شاگرد تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر باطن نے کیا ہے۔

رہا۔ میر رضا:

وہ فیض آباد میں پیدا ہوئے اور لکھنو میں رہتے تھے۔ ان کے والد کا نام میر عباس تھا لیکن انھیں میر مغل بھی کہتے ہیں۔ رہا میر علی رشک کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ایک دیوان چھوڑا ہے جس سے محسن نے چھ غزلیں نقل کی ہیں۔

رہائی۔ شیخ عبداللہ:

وہ ضلع عظیم آباد، میر پرگنہ میں، رگھو پور کے رہنے والے تھے۔ ان کے استاد عبداللہ مہر تھے۔ انھوں نے ہندوستانی میں اشعار کہے ہیں اور محسن نے ان کی ایک غزل نقل کی۔

ریاض۔ سید زین العابدین:

وہ مرزا پور کے عدالت میں وکیل تھے۔ چھ دیگر تصانیف کے علاوہ انھوں نے ایک تاریخ لکھی ہے جس میں منشی گنیش پرشاد کے انتقال پر تمام تاریخوں کو جمع کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا نام ''مجموعہ تاریخ انتقال'' ہے اور یہ کتاب لکھنو سے ۱۸۶۶ میں بڑی تقطیع پر ۸ صفحا میں شامل ہوئی ہے۔

ریاضت۔ اسلام علی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں لیکن میں صرف ان کے نام سے واقف ہوں۔

ریاضت اللہ:

انھوں نے اردو میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ''ٹیکہ'' ہے۔ یہ کتاب میرٹھ سے ۸۲۴ میں شائع ہوئی ہے۔

ریحان۔ ریحان الدین۔ بنگالی:

انھوں نے ۱۲۱۲/۸۔۱۷۹۷ میں ''خیابان ریحان'' کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔ اس مثنوی اور ''گل بکاولی'' یا ''مذہب عشق'' کا موضوع ایک ہی ہے۔ لیکن فرق اس قدر ہے کہ اول الذکر طویل تر ہونے کے علاوہ، شروع سے آخر تک نظم میں لکھی گئی ہے۔ اس مثنوی میں ۴۰ ابواب اور ہر باب کا نام گلگشت ہے۔ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ D.Forbes کے پاس تھا لیکن اب یہ جلد میرے پاس ہے۔ یہ ۳۲۴ صفحات کی ایک کتاب ہے اور اس کے ہر صفحہ میں ۱۵ سطور ہیں۔ بنگال کی ''ایشیاٹک سوسائٹی'' کے پاس کتابوں کی جو فہرست ہے اس میں اس کا نمبر ۱۲۵ ہے اور اس نسخے میں تقریباً ۶۵۰ صفحات ہیں اور ہر صفحہ میں ۱۵ اشعار درج ہیں۔ اس کتاب سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ ۱۲۲۰/۶۔۱۸۰۵ میں اس پر نظر ثانی کی گئی تھی۔

یہاں میں اس بات کا اعادہ کرنا چاہتا ہوں کہ ''گل بکاولی'' ایک ہندوستانی کہانی ہے اور اس کے موضوع کو بیشتر ہندوستانی مصنفوں نے اپنے کلام کا موضوع بنایا ہے حتی کہ بنگال کی لشکری بولی کے ادیبوں نے بھی اس کہانی کے موضوع کو اختیار کیا ہے۔

زار۔ میر مظہر علی۔ فیض آبادی:

وہ ایک نیک آدمی تھے اور صوفی مولوی شاہ حفیظ اللہ کے مرید تھے۔ وہ نواب مرزا علی خان بہادر کے یہاں ملازم تھے۔۔ یہ شاید وہی شخص ہیں جن کو مصحفی نے احمد علی خان شوکت جنگ لکھا ہے۔ زار کبھی کبھی اردو اشعار کہتے تھے جن کو بعض تذکرہ نگاروں نے نقل کیا ہے۔ کمال نے ان سے ملاقات لکھنو میں قیام لکھنو کے زمانے میں کی ہے انھوں نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

زار۔ میر جیون:

ان کا آبائی وطن کشمیر تھا لیکن ان کی تعلیم و تربیت دہلی میں ہوئی جہاں ان عمدہ صحبتوں سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔ وہ ایک جوان شخص تھے اور شاعری کے اعلیٰ جوہر رکھتے تھے۔ مصحفی نے ان سے دہلی اور لکھنو میں اکثر ملاقات کی۔ جس وقت مصحفی اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے (۴-۱۷۹۲ء) زار کی عمر تیس سال سے زیادہ تھی۔ بینی نراین نے ان کا ایک مخمس نقل کیا ہے۔

زار۔ برہان الدین خان:

وہ سلطان دہلی اکبر ثانی کے عہد میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ انھیں یہ اعلیٰ عہدہ ان کی اعلیٰ تعلیم و لیاقت اور خط شکستہ میں مہارت اور اعلیٰ سیرت و کردار کی بنا پر ملا تھا۔ انھوں نے اردو میں اچھے اشعار کہے ہیں۔ وہ تاریخ اور عربی ادب سے بھی آشنا تھے۔ سرور اور شیفتہ نے ان کا ذکر کیا ہے۔

زار۔ لالہ دھنپت رائے:

وہ خواجہ وزیر کے شاگرد اور اردو کے شاعر ہیں۔ محسن نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

زار۔ سید سلامت علی۔ کانپوری:

وہ سید مختار علی کے بیٹے اور میر اکرام علی توانا کے شاگرد تھے۔ وہ صاحب دیوان میں اور ان کے چند اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔

زار۔ ہندو لال۔ بریلوی:

ان کے والد لالہ شنکر لال تھے اور ان کے چچا کا نام راجا کندن لال بہادر تھا۔ زار لکھنو میں رہتے تھے اور خواجہ وزیر اور طوطی رام آسی کے شاگرد تھے۔ انھوں نے دو دیوان چھوڑے، ایک فارسی اور ایک ریختہ جس کے چند اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔

زار۔ مرزا سنگین:

وہ نواب منیر الدولہ کے رشتہ دار اور فدوی کے شاگرد ہیں۔ دور حاضر کے ایک شاعر ہیں اور مرشد آباد میں رہتے ہیں۔ شورش اور عشقی نے ان کا ذکر کیا ہے۔

زار۔ مغل بیگ:

اس ہندوستانی مصنف کے متعلق علی ابراہیم نے صرف اس قدر بتایا ہے کہ وہ مشہور محمد تقی میر کے بڑے دوست تھے اور انھوں نے ان کا ایک شعر نقل کیا ہے۔ غالباً یہ وہی شاعر ہیں جن کو شورش بہادر بیگ کہتے ہیں۔

زاری۔ سر مین:

وہ پٹنہ کے رہنے والے اور میر محمد رضا کے شاگرد تھے۔ ان کا انتقال بنگال میں ہوا۔ عشقی نے ان کا ذکر کیا ہے۔

زاہد۔ شاہزادہ مرزا نصیر الدین۔ لکھنوی:

وہ مرزا خان بخش کے بیٹے، مرزا سلیمان شکوہ کے پوتے اور آتش کے شاگرد تھے۔ ان کا ایک دیوان یادگار ہے جن کے چند اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

زاہد۔ خواجہ ولایت حسین:

آگرہ کے رہنے والے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر محسن نے کیا ہے اور ان کے چند اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

زٹلی۔ میر یا مرزا جعفر:

وہ نرنول میں پیدا ہوئے اور دہلی میں رہائش اختیار کی۔ میر کے بیان کے مطابق وہ ''جعفر'' کے تخلص سے زیادہ مشہور ہیں۔ وہ ایک مشہور مصنف ہیں اور فرخ سیر کے دور میں انھوں نے نثر و نظم دونوں میں لکھا ہے۔ وہ اپنے زمانے میں خاص طور پر مقبول تھے اور ہر شخص ان کی عزت و تکریم کرتا تھا۔ ایک دفعہ جب وہ کسی میزبان کے یہاں جا رہے تھے تو انھوں نے کاغذ کے ایک ٹکڑے پر اس کی تعریف لکھی اور دوسرے

ٹکڑے پر ہجو لکھی۔ مطلب یہ تھا کہ اگر وہ میزبان کی خاطر مدارات سے خوش ہوں گے تو تعریف کے شعر سنا دیں گے۔ ورنہ ہزل پڑھ کر چلے آئیں گے۔ ان کا انداز بیان خاصا منجھا ہوا ہے۔ لیکن قابل افسوس بات یہ ہے وہ فحش نگاری اور عریانی سے مملو ہے۔ ان کے ضخیم دیوان میں اشعار کے علاوہ نثر کے بھی کچھ حصے شامل ہیں۔ زٹلی کا سارا کلام کلیات کی صورت میں دو جلدوں میں جمع کیا گیا ہے جس کا ایک نسخہ نظام حیدر آباد کے کتب خانے میں ہے۔

زٹلی نے ایک بیاض بھی یادگار چھوڑی ہے جس کا ایک نسخہ محمد بخش کے کتب خانے میں ہے۔ ایک اور کتاب ''ہزلیات'' کے نام سے ہے۔ زٹلی ایک مسخرے آدمی تھے اور لفظی شعبدہ بازی کو پسند کرتے ہیں۔ سرگور اور اوسلی کے کتب خانے میں ان کی ہزلیات کا ایک نسخہ موجود ہے۔ زٹلی کو زٹلی اٹلی بھی کہتے ہیں۔ کمال نے میر کی طرح ان کا تخلص جعفر بتایا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک نظم بھی ''شاہنامہ'' کے نام سے لکھی ہے لیکن مجھے خبر نہیں کہ فردوسی کی تقلید میں لکھا گیا ہے یا اس کے شاہنامہ کا خلاصہ ہے یا وہ کوئی بالکل نئی نظم ہے۔ پھر بھی کمال نے اس شاہنامے کے کچھ اشعار نقل کیئے ہیں جن میں ایک جزو فارسی اور دوسرا اردو ہے۔ اسی نوعیت کی نثر بھی شامل ہے جس کا سمجھنا بہت مشکل ہے۔

وہ بیدل کے معاصر اور اردو کے پہلے مزاح نگار شاعر ہیں۔

مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ ایسٹ انڈیا آفس کے کتب خانے میں ان کی ایک اور کتاب ''گفتہ جعفر زٹلی'' کے نام سے ملتی ہے۔ یہ بھی فارسی اور اردو میں ہے اور اس میں نثر و نظم دونوں شامل ہیں۔ بعض فارسی اشعار میں زٹلی نے ہندوستانی الفاظ کو بھی داخل کرلیا ہے اور بعض اشعار میں صرف الفاظ ہی نہیں بلکہ پورے پورے فقرات استعمال کیے ہیں۔

۱۸۵۳ء میں ''کلیات جعفر زٹلی'' کے نام سے دہلی سے ان کا کلام شائع ہوا ہے اور دہلی کی تباہی سے پہلے دہلی کے شاہی محل میں اس کتاب کے تین نسخے موجود تھے۔

زخمی:

وہ ایک دیوان کے مالک ہیں جو لکھنو سے ۱۲۵۳ھ میں ۵۱۳ صفحات پر شائع ہوا ہے۔

زرق۔ جائی سکھ رائے۔ دہلوی:

وہ کایستھ ذات سے تعلق رکھتے تھے لیکن عربی کے ماہر ہونے کے علاوہ وہ اچھے ہندوستانی شاعر بھی تھے۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

زرہ۔ جمنی داس:

منولال نے اپنے ''گلدستہ نشاط'' میں ان کا ذکر کیا ہے۔

زشت۔ شیخ غلام محی الدین:

وہ صوبہ اوڑیسہ ضلع کٹک میں منگلپور کے مقام پر پیدا ہوئے اور Gore Ouseley کے پاس منشی کی حیثیت سے ملازم تھے۔ Sir Ouseley کا انتقال چند سال ہوئے لندن میں ہو چکا ہے۔ انھوں نے دوسری تصنیفات کے علاوہ ''تولد نامہ'' کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے جس کا D.Forbes نے ایک نسخہ مجھے دیا ہے۔ اس کتاب میں حضرت محمدؐ کی پیدائش کا ذکر ہے اور عربی مؤرخوں کے مطابق ان کے بچپن کی حالات قلمبند کیے گئے ہیں۔ یہ ایک عمدہ کتاب ہے جسے ایک پر جوش مسلمان نے تصنیف کیا ہے۔ ذیل میں ان کی مثنوی کے ابتدائی چھ بند پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ اشعار دستیاب نہ ہو سکے (مترجم)

زشت نے فارسی کی ایک بہت ہی مفید قواعد تصنیف کی ہے جس کا نام'' چہار گلشن'' ہے۔ D.Forbes نے اس کتاب سے کافی مدد حاصل کی ہے۔

زلال۔ میر دوست علی اٹاوی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر اور اچھے خوش نویس ہیں۔ پہلے دوست تخلص کرتے تھے بعد کو زلال اختیار کرلیا۔ وہ میر محمد پناہ کے بیٹے تھے۔ پہلے محمد عیسی تنہا سے اور بعد میں مصحفی سے اصلاح لی۔ محسن نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

زمان۔ سید محمد:

وہ حضرت علی سے سلسلہ نسب رکھتے تھے۔ امروہہ میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک نوجوان شخص تھے اور بہت ہی اعلیٰ صلاحیتیں رکھتے تھے لیکن انھوں نے اس دنیا سے آزردہ ہوکر درویشی اختیار کرلی تھی اور ایک باغ میں گوشہ نشین ہوگئے تھے۔ سرور کے تذکرہ سے کافی عرصہ پیشتر ان کا انتقال ہوگیا۔ انھوں نے بہت زیادہ اشعار نہیں کہے ہیں لیکن بہر حال ان میں حقیقی شاعرانہ خوبیوں کی صاف جھلک نظر آتی ہے۔ ذیل میں ان کا ایک شعر ہے جس کو مصحفی نے نقل کیا ہے:

عارض ہے گل کا صاف ولیکن جھلک نہیں نرگس کی چشم ہے پہ کٹیلی پلک نہیں

''تذکرہ ہندی''، ص ۱۱۰

مذکورہ بالا زمان کے علاوہ کریم نے ایک اور زمان کا ذکر کیا ہے لیکن انھوں نے ان کا مکمل نام نہیں بتایا ہے۔ مؤخر الذکر نے دوست محمد خان کے بیٹے احمد خان کی شان میں ایک قصیدہ لکھا ہے۔ دوست محمد ایک افغانی سردار ہیں جو کابل کی ایک لڑائی میں بہت مشہور ہو گئے۔ سرور نے ایک دوسرے زمان دکنی کا ذکر کیا ہے لیکن شاید وہ یہی زمان ہیں جنھوں نے دوست محمد خان کی شان میں قصیدہ تصنیف کیا ہے۔

زندہ یا زندہ دل۔ ہرسہائی مصر:

وہ سکندر آباد کے ایک برہمن تھے اور بلحاظ پیشہ طبیب تھے۔ اس کے علاوہ وہ شعر وسخن سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

زیاں۔ دکنی:

انھوں نے چند نظمیں لکھی ہیں۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

زین العابدین۔ منشی اور سید۔ مدراسی:

یہ مصنف وہی سید حسین ہیں جنھوں نے *Indoostenee Selections, Text book, as established by the General Regulations of the army or militery students.* لکھا ہے اور جن کا ذکر حسین کے تحت اس کتاب میں کیا گیا ہے۔

زینت۔ منشی امیر علی:

وہ منشی امان علی کے بعد بمبئی کے ہندوستانی ''کاشف الاخبار'' کے مدیر ہو گئے تھے۔ اس اخبار کے مدیر ہونے سے پہلے وہ ''برق خاطر'' اخبار کے مدیر رہ چکے تھے۔

زور۔ مرزا داؤد بیگ۔ دہلوی:

ان کا آبائی وطن ایران تھا۔ وہ فوج میں ملازم تھے اور اپنے بھائی محمود بیگ شور سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔ شور کو اسلو بیگ شور یا لمو بیگ شور بھی کہتے ہیں۔

زہرہ۔ امراؤ جان۔ لکھنوی:

وہ ایک جوان عورت ہیں جو شگفتہ شاعرہ ہونے کے علاوہ اپنی ذہنی صلاحیتوں کے لیے بھی مشہور ہیں۔ وہ مرزا آغا علی شمس سے شرف تلمذ رکھتی تھیں اور ان کی شہرت کے لیے وہ مرزا آغا کی مرہون منت ہیں۔ رنج نے ان کا ذکر کیا ہے اور اس سلسلہ میں کہتے ہیں کہ زہرہ کے انداز بیان ہی نے اپنے استاد شمس بیگ کو چمکایا ہے اور اس کے تعلق سے شمس کے یاد ذہنوں میں تازہ رہتی ہے کوئی مشاعرہ ایسا نہیں ہوتا جس میں

زہرہ و شمس کی شرکت پسند نہ کی جاتی ہو۔
رنج نے ان کی تین غزلوں کو بھی نقل کیا ہے۔ان کی ایک غزل ۶ جولائی ۱۸۶۹ء کے ''اودھ اخبار'' میں بھی چھپی ہے۔اسی اخبار میں ایک دوسری غزل بھی شائع ہوئی ہے جو ان کی رقیب مشتری نے کہی تھی۔

زہرہ۔ نصیبن:
وہ ایک بہت عمدہ موسیقار ہیں جو ابوظفر بادشاہ دہلی کے دربار میں موسیقار کی حیثیت سے منسلک تھیں۔ انھیں قدرت کی طرف سے بہت ہی دلکش آواز عطا ہوئی تھی اور اس وجہ سے وہ ہندوستان میں مشہور تھیں۔ انھیں بادشاہ نے زہرہ کے لقب سے سرفراز کیا تھا کیونکہ وہ شعر بھی کہتی تھیں۔رنج نے خواتین شاعرات کے تذکرے میں ان کا ذکر کیا ہے اور ان کے چند اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

زیرک۔ لالہ چھمن نرائن۔ دہلوی:
وہ ذات کے کائستھ تھے اور بریلی میں خزانچی تھے۔وہ دور حاضر کے ایک شاعر ہیں جن کا ذکر شیفتہ نے کیا ہے۔اردو اشعار کے علاوہ انھوں نے ''مجموعہ نظام شمسیہ'' کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔یہ کتاب بریلی سے ۱۸۴۹ء میں شائع ہوئی ہے۔میرا خیال ہے یہ وہی کتاب ہے جس کا ذکر ''مختصر احوال نظام شمسیہ'' کے نام سے ایسٹ انڈیا کے کتب خانہ کی فہرست میں ملتا ہے۔یہ کتاب ۱۸۳۸ء میں چھوٹی تقطیع پر بریلی سے چھپی ہے۔لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کتاب کا دوسرا ایڈیشن ہو۔

سابق۔ پیر محمد:
وہ ہاشمی اور جرات کے شاگرد تھے۔

سابق۔ محمد نادر الدین:
بریلی کے ایک شیخ اور شاہ غلام محی الدین رومی کے بیٹے ہیں۔وہ ایک شاعر ہیں جن کا ذکر شیفتہ نے کیا ہے۔

سابق۔ محمد ہاشم:
وہ میر عزت اللہ عشق کے شاگرد تھے۔شیفتہ نے ان کا ذکر کیا ہے۔ممکن ہے کہ وہ ''کارنامۂ ہند'' کے مدیر بھی ہوں۔

سابق۔ میر حاجی:
میر ہدایت علی کیفی کے شاگرد تھے۔وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر شیفتہ نے کیا ہے۔

ساحل۔ مرزا اکبر علی۔ دہلوی:

وہ مرزا باقر علی کے بیٹے تھے۔ منشی محمد حسین جو لکھنو میں رہتے تھے ساحل کے رشتہ دار تھے اور اسی وجہ سے وہ دہلی سے لکھنو چلے گئے جہاں وہ میر علی اوسط رشک کے شاگرد ہو گئے۔ اس کے بعد چھ سال کے لیے وہ کانپور میں رہے۔ ساحل شوکت بخاری کے انداز بیان میں لکھتے تھے۔ محسن نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

ساقی۔ دکنی:

ذکا نے ان کا ذکر کیا ہے اور انھیں ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے ہیں۔

ساقی۔ مرزا محمد خان بیگ:

ان کا آبائی وطن کچک تھا لیکن کشمیر صوبہ میں پیدا ہوئے اور بعد میں دہلی میں سکونت اختیار کر لی تھی جہاں خواجہ میر درد کے حلقہ شاگردی میں داخل ہونے کے علاوہ، ان کے مرید ہونے کا شرف بھی رکھتے تھے۔ بعد میں خود وہ سرور کے استاد ہو گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ساقی اردو سے بہتر فارسی میں اشعار کہتے تھے اور تاریخ لکھنے میں کمال رکھتے تھے۔ انھوں نے کشمیر کے صوبہ دار خرم خان کی شان میں ایک قصیدہ بھی تصنیف کیا ہے۔ اس قصیدے کی خوبی یہ ہے کہ اس کے ہر مصرعے سے دو تاریخیں نکلتی ہیں۔ انھوں نے شاہ عالم کے حکم سے ان کے عہد کے متعلق ایک شاہ نامہ لکھنا شروع کیا تھا لیکن سلطان کے انتقال کی وجہ سے یہ تصنیف نامکمل رہ گئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مذکورہ بالا دونوں نظمیں فارسی زبان میں لکھی گئی ہیں۔ شیفتہ کے مطابق انھوں نے صرف چند غزلیں، دوستوں کی خاطر ریختہ میں کہی ہیں۔

قاسم کا بیان ہے کہ وہ سامی تخلص کرتے تھے لیکن چونکہ وہ فارسی میں بھی اشعار کہتے تھے اس لئے غالباً فارسی میں سامی اور اردو میں ساقی تخلص کرتے تھے۔ قاسم نے یہ بھی بتایا ہے کہ انھوں نے اپنے پیر و مرشد میر درد کی شان میں ترجیع بند، ترکیب بند اور رباعیاں بھی لکھی ہیں۔

سرور نے ان کے دو اشعار کو نقل کیا ہے جس میں ساقی نے معذرت کرتے ہوئے بتایا ہے کہ انھوں نے اچھی طرح اپنے خیالات کی ترجمانی نہیں کی ہے کیونکہ ہندوستانی ان کی مادری زبان نہیں ہے۔

ساقی۔ میر حسن علی دہلوی:

وہ میر شمس الدین فقیر کے شاگرد ہیں۔ علی ابراہیم نے ان کا ذکر ایک ہندوستانی شاعر کی حیثیت سے کیا ہے۔ ان کے والد سید کریم اللہ اور ان کے دادا سید مجیب اللہ تھے جو پیشہ کے طور پر تجار تھے۔ جن دنوں کمال حیدرآباد میں رہتے تھے تو اسی شہر میں ساقی بھی مقیم تھے اور کمال کے تذکرہ لکھنے سے پہلے انتقال کر چکے تھے۔

سالک:

ایک ہندوستانی شاعر ہیں۔ میر نے ان کا تذکرہ کیا ہے اور ان کے ایک شعر کو، جو دکنی زبان میں ہے، نقل بھی کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک دکنی شاعر ہیں۔

پھر وہ بیہوش ہو گریں برہنہ پا بدل تیرے
یقیں بوجھوں تمن پیارے کہ سالک کو لبھایا ہے

''نکات الشعرا''، ص ۹۹

سالک۔ ارشاد علی شاہ:

بھوپال جال میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام محمد علی ہے اور ان کے پیرو مرشد شاہ افضل حسین عظیم آبادی تھے۔ سالک صوفی اور درویش تھے۔ وہ ایک بار لکھنو تفریح کی غرض سے تشریف لے گئے۔ اور کچھ عرصہ تک وہاں مقیم تھے۔ یہاں میر ہادی علی بے خود سے ان کی ملاقات ہوگئی اور سالک ان سے مشورہ سخن کرنے لگے۔ محسن نے ان کے اشعار کے چند نمونے پیش کیے ہیں۔

سالک۔ مرزا قربان علی بیگ خان:

وہ ایک ہم عمر شاعر ہیں جنھوں نے مشہور شاعر غالب کی وفات پر ایک تاریخ تصنیف کی ہے۔ یہ تاریخ ۱۱۹ اشعار کی ہے اور ۱۶ مارچ ۱۸۶۹ء کے ''اودھ اخبار'' میں شائع ہوئی ہے۔

سالم۔ غلام مصطفیٰ:

عشقی کے دوست اور فدوی کے شاگرد تھے۔ وہ ایک انگریزی رسالے میں منشی کی حیثیت سے ملازم تھے لیکن انھیں ہندوستانی شاعری سے بھی غایت دلچسپی تھی۔ وہ لکھنو میں فوت ہوئے ہیں۔

سامان۔ میر نصیر۔ جونپوری:

وہ مرزا مظہر جان جاناں کے شاگرد ہیں۔ سامان ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو اردو کے علاوہ فارسی میں بھی اشعار کہتے ہیں۔ فتح علی حسینی گردیزی کے تذکرہ لکھنے سے چند سال پہلے ان کا انتقال ہوا ہے۔ شیفتہ انھیں میر محمد ناصر سامان کہتے ہیں۔ وہ محمد شاہ کے دور میں دہلی چلے گئے اور اسی وجہ سے شورش نے ان کا نام سامان دہلوی بتایا ہے۔

سائل۔ اسد اللہ۔ حیدر آبادی:

شاہ سمجھ بوجھ کے نام سے بھی مشہور ہے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو پٹنہ میں تھے اور جن کا ذکر شورش نے کیا ہے۔

سائل۔ حکیم عبدالحق:

وہ ضلع مونگیر میں پوکھایہ کے رہنے والے اور شاہ ابوالحسن قادری کے بیٹے تھے۔ سائل لکھنو گئے جہاں خواجہ وزیر سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ وہ ایک اچھے ہندوستانی شاعر ہیں۔

سائل۔ مرزا محمد یار بیگ:

وہ ازبکی تھے لیکن دہلی میں پیدا ہوئے اور فوج کی ملازمت کرتے تھے۔ شاعر کی حیثیت سے ابتدا میں وہ حاتم اور جرات سے مشورۂ سخن کرتے تھے بعد میں مرزا رفیع سودا کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہو گئے۔

وہ قدیم اردو پیرائے میں اشعار کہتے تھے جیسا کہ ان کے اس کلام سے ظاہر ہوتا ہے جسے مصحفی نے اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے۔ سائل ابتدا میں منعم تخلص کرتے تھے۔ قاسم کے تذکرے سے چند سائل پہلے ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

مصحفی اور بعض دوسرے تذکرہ نگاروں نے دو مختلف سائل کا ذکر کیا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ انھوں نے اس ضمن میں غلطی کی ہے۔ انھوں نے مرزا محمد یار بیگ مائل اور مرزا محمد یار بیگ سائل کے نام سے جدا جدا مضامین درج کیے ہیں۔ اسپرنگر نے بھی انھیں دو مختلف شعرا میں شمار کیا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ یہ غلطی نقل نویس کی وجہ سے سرزد ہوئی ہے۔

سایہ۔ سلیم:

وہ ایک شاعر ہیں جو دہلی میں رہتے تھے۔

سبحان۔ عبدالسبحان:

وہ آبرو کے شاگرد تھے۔ قاسم نے ان کا ذکر کیا ہے۔

سبحان۔ میر محمد صالح۔ کمبوہ:

اردو شاعری میں سبحان تخلص کرتے تھے اور فارسی میں کشفی تخلص تھا۔ ان کے والد کا نام میر عبداللہ مشکین کلام تھا اور وہ سترہویں صدی کے آخری دور میں زندہ تھے۔ سبحان شاعر ہونے کے علاوہ ایک اچھے مورخ اور خوش نویس بھی تھے لیکن زیادہ تر وہ اپنی کتاب ''اعمال الصالحین'' کے لیے مشہور ہیں۔ یہ کتاب شہنشاہ شاہجہان کی تاریخ ہے اور فارسی زبان میں لکھی گئی ہے۔

سبحان بخش مولوی:

وہ دہلی کالج کے پروفیسر اور بڑے لطیفہ سنج عالم تھے، انھوں نے اردو میں ذیل کے ترجمے کیے:

۱۔ ''وفایات الاعیان''۔ یہ ابن خلکان کی ادبی تاریخ کا اردو ترجمہ ہے۔
۲۔ ''تذکرہ مفسرین''۔ یہ دونوں کتابیں ورنا کیولر ٹرانسلیشن سوسائٹی کی طرف سے شائع ہوئیں۔
۳۔ "Marshman Revenue Regulations" کا ترجمہ دہلی کالج کے ایک پروفیسر کی مدد سے کیا گیا۔
۴۔ تزک تیمور۔ یہ چھوٹی تقطیع کے ۴۷۷ صفحات میں دہلی سے ۱۸۴۵ء میں چھپی ہے اس کے ہر صفحے میں ۱۲ سطریں ہیں۔ یہ کتاب بڑی دلچسپ ہے اور بڑے اچھے انداز سے لکھی گئی ہے۔

اس مدت میں سبحان نے بعض یونانی اور عربی کے ریاضی دانوں اور فلسفیوں کے خیالات اور تصانیف کو ترجمہ کرنے میں لگے تھے۔ وہ یہ ترجمے Bibliotheca Arabico Hispana اور بعض دوسرے مخطوطات کی مدد سے مرتب کر رہے تھے۔

کریم کے بقول ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر تقریباً ۴۰ سال تھی۔

۵۔ یہ مشہور مذہبی اور شرعی کتاب ''مجالس الاحرار'' کا اردو ترجمہ ہے جو دہلی سے ۱۸۶۹ء میں عربی عبارت کے ساتھ چھوٹی تقطیع کے ۶۱۸ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

سبزواری۔ میر ابوالقاسم:

انھوں نے ''حسنِ اختلاط'' کے نام سے اردو کا ایک ناول تصنیف کیا ہے۔ یہ کتاب نثر میں اور اس کا ایک نسخہ کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی میں موجود ہے۔ یہ نسخہ پہلے فورٹ ولیم کالج کے کتب خانے میں تھا۔

سبقت۔ مرزا مغل:

مرزا علی اکبر کے بیٹے تھے ان کے آباؤ اجداد ایران سے آئے تھے لیکن ان کا خاندان چند پشت سے دہلی میں آباد تھا اور وہیں سبقت کی پیدائش بھی ہوئی ہے۔ دہلی کی تباہی کے بعد ان کے بزرگوں نے لکھنو میں سکونت اختیار کر لی اور سبقت بھی یہیں بڑھے اور جوان ہوئے۔ مصحفی کا بیان ہے کہ وہ ایک جوان شخص تھے اور بہت ہی نیک دل ہونے کے علاوہ ان کی ذات بہت سی خوبیوں کی مالک بھی تھی۔ انھوں نے شعر وسخن کے ذوق کو پورا کرنے کے لیے اشعار کہنے شروع کیے اور اپنا کلام قلندر بخش جرات کو دکھانے لگے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے بے شمار اشعار کہے ہیں۔ مصحفی نے اپنے تذکرے میں دو صفحات پر انھیں نقل کیا ہے اور سرور نے بھی چند نمونے پیش کیے ہیں۔ وہ عربی کے بھی ماہر تھے۔

سپاہی۔ شاہ قلی خان:

وہ ایک شاعر ہیں جن کا ذکر ابوالحسن نے کیا ہے۔

سپاہی۔ لکھنوی:

قاسم نے اپنے تذکرے میں صرف اس قدر بتایا ہے کہ وہ قتل کر دیئے گئے تھے۔

سپاہی۔ میر امام بخش:

وہ میاں ناصر کے شاگرد اور ہندوستانی شاعر ہونے کے ساتھ خوش نویس بھی تھے۔ کریم انھیں معلم کہتے ہیں۔ ایک عرصہ ہوا کہ وہ عین جوانی میں انتقال کر چکے ہیں۔ منولال نے اپنے گلدستہ میں ان کا صرف ایک شعر نقل کیا ہے۔

سپہر۔ شتاب یا شہاب خان۔ دہلوی:

وہ مرزا قادر بخش صابر کے شاگرد تھے۔ محسن نے ''سراپا سخن'' میں ان کی چند غزلیں نقل کی ہیں اور بتایا ہے کہ وہ صاحب دیوان ہیں۔

سپہر۔ میر محمد۔ لکھنوی:

وہ میر مہدی بدرخشی کے بیٹے، تذکرہ نگار محسن کے بھانجے اور خواجہ وزیر کے شاگرد تھے۔ اور میر شاہ علی کے نام سے زیادہ مشہور تھے۔ وہ ایک دیوان کے مالک ہیں جس سے ایک غزل ان کے ماموں (محسن) نے نقل کی ہے۔

ستار۔ عبدالستار۔ لکھنوی:

انھوں نے زیادہ تر مرثیے اور سلام لکھے ہیں جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔

سجاد۔ شیخ نواز علی:

وہ ایک ہمعصر ہندوستانی شاعر ہیں جو الحاق کے پہلے لکھنو میں رہتے تھے۔

سجاد۔ میر:

آگرہ کے رہنے والے۔ وہ میر محمد اعظم کے بیٹے اور ایک دیوان کے مالک ہیں۔ محسن نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

سجاد۔ میر علی:

وہ محافظ دفتر کی حیثیت سے کہسا میں، جو پرگنہ ضلع الہ آباد میں واقع ہے، ملازم تھے۔ ان کے والد کا نام

میر حیدر علی تھا اور ان کے استاد، میر علی اوسط رشک تھے۔ وہ ایک صاحب دیوان ہیں جن کے چند اشعار کو محسن نے اپنے تذکرہ میں نقل کیا ہے۔

سجاد۔ میر محمد۔ اکبر آبادی:

وہ ایک ممتاز ہندوستانی شاعر ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد آذربائیجان کے رہنے والے تھے لیکن بعد میں دہلی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ سجاد کو شاہ نجم الدین آبرو سے شرف تلمذ حاصل تھا لیکن صاحب ذوق حضرات کا خیال تھا کہ وہ اپنے استاد سے بہتر کلام کہتے تھے۔ باین ہمہ میرا خیال ہے کہ سجاد کے اشعار میں تشبیہات اور استعاروں کی کثرت ہوتی تھی جس کو وجہ سے ان کا کلام آبرو سے بھی زیادہ مشکل فہم معلوم ہوتا ہے۔ میر ان کی پر شوکت الفاظ میں تعریف کرتے ہیں اور ان کا بیان ہے کہ سجاد اپنی قیام گاہ پر ادبی مجالس منعقد کرتے تھے جہاں شعرا جمع ہوا کرتے تھے۔ میر بھی ان مجالس میں شریک ہوا کرتے تھے لیکن جن دنوں وہ اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو یہ ادبی صحبتیں منقطع ہوگئی تھیں کیونکہ سجاد نے تنہائی اختیار کر لی تھی۔

سجاد کے اشعار بہت ہی جامع اور شگفتہ ہیں، جن کو ایک دیوان کی صورت میں مرتب کیا گیا ہے۔ میر، لطف، فتح علی حسینی نے ان کی متعدد غزلوں کو نقل کیا ہے اور Shakespear نے ان کا ایک شعر اپنی لغت میں درج کیا ہے۔

بیٹھے اگر خوشی سے آکر چمن میں بلبل
کریال میں غلیلا ایسا لگے کہ اڑ جا

''نکات الشعرا''، ص ۶۳

بیان کیا جاتا ہے کہ سجاد کے پردادا کا نام محمد اکرم خان تھا۔ وہ صدر منشی، نواب یحییٰ خان کے معاون تھے اور بہت ہی سنجیدہ ہونے کے علاوہ ہمیشہ غور و فکر میں منہمک رہتے تھے۔ سجاد نے دہلی میں پرورش پائی تھی اور ۱۱۶۸ھ/ ۵۔۱۷۵۴ء میں وہ جوان سال تھے۔ قائم نے ان کے تقریباً ۸سو اشعار کا مطالعہ کیا ہے۔ کمال کا خیال ہے کہ وہ ایک قدیم شاعر تھے کیونکہ ان کا انداز بیان بہت ہی دشوار فہم ہوتا تھا۔ اس کے باوجود وہ سجاد کی بڑی تعریف کرتے ہیں ان کا بیان ہے کہ وہ سجاد سے لکھنو میں ملے تھے اور جن دنوں کمال دکن تشریف لے گئے تو سجاد ہنوز لکھنو میں قیام کرتے تھے۔

فرح بخش لکھنو کے کتب خانے میں سجاد کے دیوان کا ایک عمدہ نسخہ تھا۔ اس میں آصف الدولہ کی شان میں قصیدوں کے علاوہ غزلیں اور قطعات ہیں۔ یہ کتاب ۳۲۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

سحاب۔ محمد اللہ یار:

وہ خیرآباد میں پیدا ہوئے اور لکھنو میں رہتے تھے۔ ان کے والد ایک رسالہ دار تھے اور ان کے استاد کا نام برق تھا۔ وہ صاحب دیوان ہیں جس سے چند اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

سحر۔ اجوہیا پرشاد۔ لکھنوی:

وہ اعتماد الدولہ میر فضل علی خان کے وزیر، رام دیال کے بیٹے اور کپتان مقبول الدولہ مرزا مہدی قبول کے شاگرد ہیں۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر محسن نے کیا ہے۔

سحر۔ شیخ امان علی۔ لکھنوی:

وہ شیخ محمد خان برق کے بیٹے اور حسب ذیل کتابوں کے مصنف ہیں:

۱۔ ایک دیوان۔ جس کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرہ میں نقل کی ہیں۔

۲۔ ''مثنویات سحر''۔ یہ کتاب عشقیہ مثنویوں کا ایک مجموعہ ہے جس کا اشتہار جنوری ۱۸۶۹ء کے ''چشمۂ علم'' میں دیا گیا ہے۔

سحر۔ محمد خلیل خان:

وہ دکن کے ایک ممتاز شاعر ہیں اور حیدرآباد میں رہتے تھے ان کے خاندان کو عزت وقدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ وہ خود نظام کے ایک امیر و مصاحب تھے انھوں نے زیادہ تر مناقب مخمس، غزل اور قصیدے لکھے ہیں۔ کمال جوان کے دوست تھے، ان کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔

سحر۔ میر نصیر علی:

وہ میر محمد علی کے بیٹے اور ناسخ کے شاگرد تھے۔ ان کا آبائی وطن کوئل تھا لیکن وہ لکھنو میں رہتے تھے۔ وہ صاحب دیوان ہیں جن کے چند اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔ جن دنوں ''سراپا سخن'' تصنیف کیا جارہا تھا تو ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

سخا۔ شیخ سخاوت علی:

وہ ضلع بلند شہر میں قصبہ ڈبائی کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد گل محمد تھے۔ وہ شیخ حسین فدا اور مصطفیٰ خان شیفتہ سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ سخا حسب ذیل کتابوں کے مصنف ہیں:

۱۔ ''عقائد نامہ''۔ یہ کتاب لکھنو سے چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی ہے۔

۲۔ ''ہزار مسئلہ''۔ ممکن ہے کہ یہ کتاب اور'' عقائد نامہ'' دو مختلف عنوانوں سے ایک ہی ہوں۔ دہلی سے ۱۸۶۸ء میں چھوٹی تقطیع میں ۳۲ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

۳۔اردو اشعار۔ جن کے چند نمونے محسن نے پیش کیے ہیں۔

سخن:

سرور نے اس تخلص کے دو اور شاعروں کا ذکر کیا ہے۔ ایک ناجی اور مضمون کے ہمعصر تھے اور دوسرے دکن کے رہنے والے تھے۔ قاسم نے مؤخر الذکر کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

سخن۔ رام دیال۔ لکھنوی:

وہ پیشہ کے طور پر گھڑی ساز تھے۔ ان کے والد کا نام پرم سکھ تھا اور ان کے استاد خواجہ حیدر علی آتش تھے۔ انھوں نے ہندوستانی اشعار کا ایک دیوان مرتب کیا ہے جن کے چند نمونے محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

سخن۔ سید فخر الدین حسین:

وہ سید جلال الدین حسین حضرت صاحب کے بیٹے اور سید نظام الدین احمد فقیر صاحب کے پوتے تھے۔ مشہور صوفی بزرگ خواجہ حسین چشتی ان کے جد امجد تھے اور اسد اللہ خان غالب ان کے استاد تھے۔

انھوں نے'' سروشِ سخن'' نامی ایک عشقیہ داستان نثر میں لکھی ہے یہ داستان ان کے اشعار سمیت ۱۲۸۱ھ/ ۵۔۱۸۶۴ء میں لکھنو سے چھوٹی تقطیع کے ۱۳۶ صفحات میں شائع ہو چکی ہے اور ہر صفحے میں ۲۷ سطریں ہیں۔

سخن نے اس کتاب کے دیباچے میں بتایا ہے کہ انھوں نے یہ کتاب اردو میں اس لیے لکھی کہ اردو اب صرف شاعری کی زبان نہیں بلکہ سائنسی، تاریخ اور دوسرے تخیلی مضامین کی زیادہ ہو چکی ہے۔ غالب کی صحبت میں رہ کر وہ نوجوانی میں ہی اردو اور فارسی شاعری سے بڑی دلچسپی لینے لگے تھے۔ ان کے چچا خواجہ محمد بشیر بھی ایک شاعر تھے اور ان سے سخن کو فیض پہنچا۔

سخن۔ مرزا محمد حسین خان:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر منو لال نے'' گلدستہ نشاط'' میں کیا ہے۔ شیفتہ کا بیان ہے کہ وہ کشمیری تھے لیکن دہلی میں پیدا ہوئے۔ وہ علم طب کے ماہر تھے اور حکیم کی حیثیت سے مشہور تھے۔ سخن ہندوستانی اور فارسی دونوں زبانوں میں اشعار کہتے تھے۔

سخن۔ میر پرورش علی:

وہ ضلع الہ آباد میں کڑا کے رئیس اور دور حاضر کے شاعر ہیں اور ان کی ایک تاریخ ۱۱ مئی ۱۸۶۹ء کے ''اودھ اخبار'' میں شائع ہوئی ہے۔ وہ اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کے علاوہ دوسرے علم وسائنس میں بھی مہارت رکھنے کے لیے مشہور ہیں۔

سخامی۔ محمد علی:

وہ ہندی اور اردو ضرب المثال کے ایک مجموعہ کے مصنف ہیں جس کا نام'' مخزن الامثال'' ہے۔ D.Forbes کے پاس اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ تھا۔ اس میں ۱۴۶ صفحات ہیں۔ کتاب عمدہ نستعلیق حروف میں لکھی گئی ہے۔ ان کی فہرست میں اس کا نمبر ۲۱۴ ہے۔

سدا سکھ لال۔ منشی۔ آگروی:

وہ ایک ذہین ہندوستانی ہیں جو اردو اور انگریزی کی اچھی صلاحیتوں کے مالک کے علاوہ ایک مطبع کے ناظم بھی ہیں۔ انھوں نے حسب ذیل کتابیں تصنیف کی ہیں:

۱۔ ''مفتاح القواعد''۔ یہ ایک انگریزی قواعد ہے جو کرسلے (Cresley) کی کتاب *Comprehansive premier* کی بنیاد پر تصنیف کی گئی ہے۔ یہ کتاب اسکولوں کے لیے لکھی گئی ہے اور دہلی سے ۱۸۶۳ء میں ۳۲ صفحات پر'' ترجمہ انگلش پرائمر'' کے نام سے بھی شائع ہوئی ہے۔ اس ایڈیشن کو کریم الدین نے لاہور سے شائع کیا ہے۔

۲۔ سدا سکھ نے انگریزی قواعد کا ایک خلاصہ بھی لکھا ہے جس کا نام'' قائدہ انگریزی'' ہے (*An English Premier for the use of beginners*) مسٹر H.S.Reid کا خیال ہے کہ یہ ایک اعلیٰ کتاب ہے۔

۳۔ '' سیر انگلستان''۔ یہ کتاب اردو میں ہے۔ اس کتاب کے چند ایڈیشن نکلے ہیں۔ ایک آگرہ سے ۱۸۵۹ء میں ۶۴ صفحات پر ہے۔ غالباً یہ وہی کتاب ہے جو'' تواریخ انگلستان'' کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ لاہور، ۱۸۶۳ء۔

۴۔ ''تذکرۃ المشاہیر''۔ یہ *Readings in biography* کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب کے چھ حصے میرے پاس ہیں جو آگرہ میں چھپے ہیں۔ اس کتاب میں لوگوں کی سوانح حیات کے علاوہ، اہم تاریخی واقعات کا ذکر بھی ہے جو ان کی زندگی کے دوران میں ظہور پذیر ہوئے تھے۔

ایک اور اردو کتاب جس کا نام بھی ''تذکرۃ المشاہیر'' ہے۔ یہ کتاب لاہور میں چار حصوں میں چھپی ہے (۱۔۱۸۶۰ء)۔ پہلے حصہ میں قدیم سلطنتوں کا ذکر ہے۔ دوسرے میں قدیم زمانوں کا یونان، تیسرے میں قدیم روم اور چوتھے میں دورِ جدید کی تاریخ ہے۔

۵۔ ''گلدستۂ اخلاق''۔ یہ کتاب Mr.H.S.Ried کی ہدایت پر اسکولوں کے لیے لکھی گئی ہے۔ اس میں بچوں کے لیے مفید مشورے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر دلچسپ باتیں بھی ہیں۔ اس کتاب کے متعدد ایڈیشن نکلے ہیں۔ تیسرا ایڈیشن آگرہ سے ۱۸۶۰ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوا ہے۔ یہ دو حصوں میں ہے۔ پہلا حصہ ۶۲ صفحات میں اور دوسرا ۱۰۴۱ صفحات میں ہے۔

۶۔ ''رسالہ اصول علم نقاشی''۔ اس رسالہ کو Madras Journal of Art سے مرتب کیا گیا ہے۔ یہ اسکولوں کے لیے ہے۔ الہ آباد سے ۱۸۵۹ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع کیا گیا ہے۔ پہلے حصہ میں ۱۶ صفحات ہیں اور دوسرے میں ۱۸ صفحات۔

۷۔ ''تاریخ یا تواریخ ہند''۔ یہ کتاب آگرہ سے ۱۱۲ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کو پنڈت تر دیوی پرشاد کی کتاب *Conpendium* سے غلط ملط نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے چند ایڈیشن نکلے ہیں۔ میرے پاس چوتھے ایڈیشن (۱۸۵۹ء) کا ایک نسخہ ہے جس کی ۴ ہزار کاپیاں چھپی تھیں۔ اس کو یا اس سے ملتی جلتی کتاب کو Marshman نے مرتب کیا تھا جو "Friend of India" کے ایڈیٹر تھے۔ اس میں ان ہندو اور مسلمان حکمرانوں کا ذکر ہے جو پرتگالیوں کی آمد سے پیشتر ہندوستان میں گزرے ہیں۔

۸۔ ''جغرافیۂ ہند''۔ دو حصے۔ پہلا حصہ ۱۸۵۹ء میں چھوٹی تقطیع پر ۲۸ صفحات میں شائع ہوا ہے۔ دوسرا حصہ ۱۸۶۰ء میں چھوٹی تقطیع پر ۱۴۰ صفحات میں ہے۔ اس کے ساتھ ایک نقشہ بھی شامل ہے۔

۹۔ سدا سکھ لال ایک ہفتہ وار اخبار کے مدیر اور مصنف بھی ہیں جو اردو کے علاوہ وہ ہندی زبان میں بھی شائع ہوتا ہے۔ ہندی ایڈیشن کا نام ''بدھی پرکاش'' اور اردو ایڈیشن کا نام ''نورالابصار'' ہے۔ اس اخبار کو حکومت برطانیہ کی مدد حاصل ہے۔ Mr.H.S.Reid جو ہندوستانی اسکولوں کے انسپکٹر ہیں، ان کی خواہش کے مطابق اس اخبار میں روزانہ کی خبروں کے علاوہ، انگریزی سے جغرافیہ، تاریخ، تعلیم وغیرہ کے مضامین کو ترجمہ کر کے شائع کیا جاتا ہے۔ من جملہ دوسرے مضامین کے اس اخبار میں Abrorcombie کی کتاب *Intellectual Powers* سے اقتباسات بھی شائع کیے گئے ہیں۔

میں صحیح طور پر نہیں کہہ سکتا کہ یہ وہی اخبار ہیں جو الہ آباد سے ''آئینہ عالم'' اور ''اخبارِ عالم'' کے نام سے نکلتے ہیں۔ یہ دونوں ماہانہ اخبار ہیں لیکن ایک اردو میں اور دوسرا ہندی میں شائع ہوتا ہے۔ Mr.Kempson نے ان اخبارات کا ذکر شمال مغربی صوبہ کی مطبوعات کے رپورٹ مورخہ ۲۰ فروری میں کیا ہے (شمارہ ۴۶ اور ۴۷)

۱۰۔ سداسکھ ایک اور اردو اخبار نکالتے ہیں جس کا نام ''معلم علمیہ'' ہے۔ یہ باتیں صرف Hamraond سے معلوم ہوئی ہیں جن کا بیان ہے کہ یہ ایک ماہانہ اخبار ہے۔ یہ اخبار سرکاری ملازموں کے لیے محکمۂ تعلیمات کے ڈائریکٹر کی نگرانی میں نکلتا ہے۔

۱۱۔ سداسکھ نے نہرِ گنگا کے متعلق ایک کتاب کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا جس کا نام ''گنگا کی نہر کا مختصر بیان'' ہے۔ اس کتاب کا ایک ہندی ایڈیشن جس کا نام ''گنگا کی نہر کا سنکشیپ برنان'' ہے۔ یہ دونوں کتابیں ۲۴ صفحات کی ہیں۔

ایک اور باتصویر کتاب ہے جو اردو، ہندی اور انگریزی میں شائع ہوئی ہے اور اس کا نام *Brief Account of the Ganges Canal* ہے۔ یہ کتاب اردو میں چھپی ہے۔

سدید الدین خان۔ مولوی:

وہ ۱۸۴۴ء میں دہلی کالج میں عربی کے پروفیسر تھے۔ انھوں نے مولوی جعفری علی اور محمد حسن علی کے ساتھ ''الف لیلہ'' کا ترجمہ کیا ہے جس کا نام ''انتخاب ترجمۂ حکایاتِ الف لیلہ'' ہے۔ *Translation from the Alf Lila, translated from the Arabic by the Moulvies of the Delhi College*۔

یہ کتاب دہلی میں ۱۸۲۴ء میں چھپی ہے اور اس میں ۵۵ صفحات ہیں۔ یہ ترجمہ دیا شنکر اور شمس الدین احمد کے ترجموں سے مختلف ہے۔ نسیم کا ترجمہ پہلے شائع ہو چکا تھا اور شمس الدین کی تصنیف بعد میں نکلی ہے۔ اس کتاب میں عربی اشعار کو اردو میں منظوم کیا گیا ہے لیکن چھ کہانیاں بھی اس کتاب میں موجود ہیں جو ''الف لیلہ'' کے عربی ایڈیشن میں پائی نہیں جاتیں۔

سراج۔ اورنگ آبادی:

انھوں نے اپنے نام کے ایک جزو سراج کو ہی بطور تخلص اختیار کیا۔ وہ دکن کے مشہور شعرا میں سے تھے اور میر نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ سراج سید حمزہ کے شاگرد تھے اور ان کی بیاض استعمال کرتے تھے۔

انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ سراج کے اشعار خوش ذوقی سے خالی نہیں ہیں۔

کمال نے ان کا نام شاہ سراج بتایا ہے اور لکھا ہے کہ وہ ایک شاعر اور درویش کی حیثیت سے بہت مشہور تھے۔ ان ہی کا بیان ہے کہ وہ ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ شیفتہ کے مطابق وہ آبرو کے ہم عمر تھے۔ ان کے ہندوستانی کلام کو جو ۵ ہزار اشعار پر مشتمل ہے، عبدالرسول نے ایک دیوان کی شکل میں مرتب کیا ہے۔ سراج نے ''بوستانِ خیال'' نامی ایک مثنوی کے ساتھ ساتھ فارسی شعرا کا ایک تذکرہ بھی ''دیوانِ منتخب'' کے نام سے لکھا ہے۔ محسن نے ان کا ذکر سید قمر علی کے نام سے کیا ہے کیونکہ جو حالات انھوں نے قمر علی کے سلسلے میں لکھے ہیں وہ سراج پر منطبق ہوتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وہ ولی سے پہلے گزرے ہیں اور حیدر آباد دکن کے باشندے تھے۔

فتح علی حسینی نے ان کے اشعار تین صفحوں میں نقل کیے ہیں۔ بنی نراین نے ایک غزل درج کی ہے۔

میرا خیال ہے کہ یہ وہی شاعر ہیں جن کے کلیات کا ایک قلمی نسخہ حیدر آباد کے راجہ چندو لال کے کتب خانے میں موجود ہے۔ کتب خانہ نظام میں اس کا ایک قلمی نسخہ ''دیوان شاہ سراج'' کے نام سے بھی ملتا ہے۔

سراج۔ سراج الدین پانی پتی:

وہ ہم عصر ہندوستانی مصنف کریم الدین کے والد تھے۔ ان کے دوسرے بیٹے عماد الدین عیسائی مذہب کو اختیار کر کے کافی مشہور ہو گئے تھے۔ ۱۸۴۷ء میں سراج کی عمر تقریباً ۸۰ سال تھی۔ وہ قدیم طرز بیان میں اشعار کہتے تھے یعنی ان کے صاحبزادے کریم الدین کے مطابق وہ عربی کے الفاظ کو کثرت سے استعمال کرتے تھے۔ ہندوستانی شاعری میں وہ کسی استاد کے مرہون منت نہ تھے لیکن فارسی ادب کی تعلیم حکیم شکوہ سے حاصل کی تھی اور قرآن کا مطالعہ اپنے والد کی نگرانی میں کیا تھا۔

ان کی ہندوستانی تصنیفات ذیل میں درج ہیں:

۱۔ قصہ ''حاتم طائی''۔ یہ ایک مثنوی ہے۔

۲۔ قصہ ''آفتاب شاہ اور ماہتاب شاہ۔''

۳۔ ''قصہ کامروپ''۔ یہ اس نظم سے مختلف ہے جو میں نے شائع کی ہے۔

۴۔ ایک مثنوی۔

۱۸۶۹ء میں اپنے دو لڑکوں کی طرح انھوں نے بھی بپتسمہ حاصل کر کے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔

سراج۔ سراج الدین علی:

شیفتہ کے بقول علمی مجالس میں وہ حقیقتاً ایک سراج تھے۔ وہ فارسی اور ہندوستانی لکھتے تھے۔ ان کی ایک غزل ہندوستان میں بہت مشہور ہے۔ شیفتہ کے علاوہ کریم نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔

سراج۔ سید حمزہ علی:

وہ ایک دوسرے شاعر ہیں۔

سراج۔ شیخ امان علی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں۔

سراج۔ مولوی احمد:

وہ ''سراج الابیان'' کے مصنف ہیں۔ اس کتاب کو انگریزی حکومت نے بعض دیگر کتابوں کے ساتھ سقوط دہلی کے بعد خرید لیا تھا۔ فہرست میں اس کا نمبر ۱۰۷۰ ہے۔ اس کتاب کا ذکر جے۔ ایم ایطلی نے کیا ہے۔ ''سراج الابیان'' مدراس سے ۱۲۵۵ھ/ ۹۔۱۸۳۸ء میں شائع ہوئی ہے۔

سراج الدین:

وہ ''نقل مجلس'' کے مصنف ہیں۔ یہ کتاب دہلی سے ۱۸۶۸ میں چھوٹی تقطیع پر ۶۰ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔

سردار۔ مرزا۔ لکھنوی:

وہ سید محمد طباطبائی کے بیٹے اور خواجہ وزیر کے شاگرد تھے۔ ایک ہندوستانی شاعر جن کا ذکر محسن نے کیا ہے۔ محسن نے ان کی ایک طویل غزل بھی نقل کی ہے جو ''تلوا'' کے موضوع پر ہے۔

سرسبز۔ مرزا زین العابدین خان:

انھیں مرزا منڈو بھی کہتے ہیں۔ مصحفی کے تذکرے میں مرزا منڈو درج ہے لیکن کمال بندھو لکھتے ہیں۔ وہ رئیس لکھنؤ نواب سالار جنگ مرحوم کے بیٹے تھے۔ ان کے آباؤ اجداد فرخ سیر کے عہد میں ہندوستان آئے تھے اور ان کی حکومت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ مصحفی کا بیان ہے کہ جن دنوں وہ اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو سرسبز جوان سال تھے۔ ان دنوں وہ ایک منکسر المزاج، ذہین شخص تھے اور دینیات کے مطالعہ میں مشغول رہتے تھے۔ وہ بچپن ہی سے ہندوستانی شاعری سے دلچسپی رکھتے تھے اور جب ان کی عمر صرف ۱۷ سال تھی تو وہ ایک دیوان کے مالک ہوگئے تھے۔ عرصہ چار سال تک وہ مصحفی سے اپنے کلام پر اصلاح لیتے رہے تاکہ اردو شاعری کا عمدہ شوق پیدا کرسکیں۔ مصحفی نے ان کے کلام کو ڈھائی صفحات پر اپنے

تذکرے میں نقل کیا ہے۔

سرشار۔ لالہ تلک چند:

وہ دہلی کے ایک کشتری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ قاسم اور سروران کو ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے ہیں۔ منولال نے اپنے گلدستہ میں ان کا ایک شعر نقل کیا ہے۔

سرعت:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر باطن نے اپنے ''گلزار بے خزاں'' میں کیا ہے۔

سرفراز۔ محمد خان۔ دہلوی:

وہ حسب ذیل کتابوں کے مصنف ہیں:

۱۔ ''عجائب وغرائب''۔ یہ اردو زبان میں سائنس کی ایک باتصویر کتاب ہے۔ وجاہت علی نے اس کتاب کی بڑی تعریف کی ہے لیکن لاہور کی انجمن کا خیال ہے کہ یہ کتاب سائنٹفک اصول کے مدنظر کسی حد تک ناقص ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس انجمن نے اس تصنیف کو کلاسک کتابوں میں شامل کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ یہ کتاب چھوٹی تقطیع پر ۹۰ صفحات میں ہے اور ہر صفحہ میں ۲۵ سطریں ہیں۔ یہ دہلی میں ۱۸۶۸ میں شائع ہوئی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعدد ایڈیشن بھی نکلے ہیں۔

۲۔ ''تواریخ جہان''۔ اس کتاب میں دنیا کی تخلیق کے متعلق مختلف فرقوں کے خیالات پیش کیے گئے ہیں۔ دہلی سے ۱۸۶۸ میں چھوٹی تقطیع پر ۱۲۸ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔

۳۔ ''تواریخ انبیا''۔ چھوٹی تقطیع میں ۴۵۸ صفحات پر ۱۸۶۸ میں دہلی سے شائع ہوئی ہے۔

سرمد۔ دہلوی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو غالباً محمد سرور سے مختلف ہیں۔

سرمد۔ محمد:

وہ سرنگا پٹم کے قاضی تھے۔ انھوں نے سلطان ٹیپو کے حکم سے اسلامی فقہ پر دکنی زبان میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ''خلاصہ سلطانی'' ہے۔ اس کا ایک نسخہ ٹیپو کے کتب خانے میں تھا جو بعد میں کتاب فورٹ ولیم کالج کے کتب خانہ میں چلا گیا۔

سروپ نراین۔ پنڈت:

وہ دہلی کالج کے سابق طالب علم ہیں اور انھوں نے مندرجہ ذیل کتابیں تصنیف کی ہیں:

۱۔ ''جغرافیہ ٔ ہند''۔اس کتاب کو *Murrey's Encyclopaedia of Geography* سے شیونرائن کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے اور صوبہ شمال مغربی کے صوبوں کے لیے لکھی گئی ہے۔ یہ شگفتہ اردو زبان میں لکھی گئی ہے اوراس کو دہلی سے چھوٹی تقطیع پر چھاپا گیا ہے۔ دوسرے حصے کو سداسکھ لال نے لکھا ہے اور یہ حصہ آگرہ سے ۱۸۶۰ میں چھوٹی تقطیع پر ۱۲۹ میں شائع ہوا ہے۔

۲۔ انھوں نے Hashman کی کتاب *Survey of history* کا ترجمہ کیا ہے جو دہلی میں چھپا ہے۔ اس کے دوسرے حصے کو شیو پرشاد ترجمہ کیا ہے جو دہلی میں چھپا ہے اور Mr.Steward نے اس پر نظر ثانی ہے۔ اس کے دو اور ایڈیشن ہیں ایک دہلی سے ۱۸۴۴ میں اور دوسرا آگرہ سے ۱۸۵۱ میں Agra School Book Society نے شائع کیا۔

۳۔ انھوں نے *"Illustration and complement of netural philosophy from Arnott`s physics"*. کا اردو ترجمہ کیا ہے۔

۴۔ اس کے علاوہ انھوں نے *"The Life of Alexender, translated from plutarch`s Lives"*. کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ یہ کتاب ''تذکرہ اسکندر اعظم'' کے نام سے دہلی سے شائع ہوئی ہے۔

سرور۔ حمایت اللہ۔ دہلوی:

ان کے والد ارجمند عالم خان اکبر نامی کے داروغہ خاص تھے۔ سرور اور ناصر کے شاگرد تھے اور قاسم کا بیان ہے کہ وہ جدید طرز بیان میں لکھتے تھے۔ ان کے اشعار کا ایک نمونہ منولال کے گلدستہ میں شامل ہے۔

سرور۔ یا سرو۔ شیخ محمد امیر اللہ:

وہ شیخ عبداللہ آگروی کے بیٹے تھے اور ۱۲۴۳/ ۸۔۱۸۲۷ میں دہلی میں رہتے تھے۔ ذکا کا بیان ہے کہ وہ مجرم اور غالب کے شاگرد تھے۔

سرور۔ غلام مرتضیٰ خان۔ لکھنوی:

آبائی وطن مدینہ تھا۔ وہ نصر اللہ خان عرب ہاشمی کے بیٹے اور خواجہ حیدر علی آتش کے شاگرد تھے۔ وہ ایک دیوان کے مالک ہیں جن کے چند اشعار کو محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے۔ ان اشعار کی بحر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نام سُرور نہیں بلکہ سرور تھا۔ ممکن ہے کہ یہ بھی غلام سرور ہوں جو'' قاف نامہ'' کے مصنف توقیر کے دادا تھے۔

سرور۔ میرزا بندہ نجات بہادر:

انھیں صابر بھی کہتے ہیں۔ وہ تیمور کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور دہلی میں قیام کرتے تھے جہاں وہ اپنے فارسی اور ہندوستانی کلام کے لیے مشہور ہیں۔ کریم نے ان کی ایک ہندوستانی غزل نقل کی ہے جسے سرور نے کسی مشاعرے میں پڑھا تھا۔

سرور۔ مرزا رجب علی بیگ:

وہ لکھنو میں پیدا ہوئے۔ مرزا اصغر علی کے بیٹے اور نوازش لکھنوی کے شاگرد تھے۔ وہ شاعری ہی میں نہیں بلکہ موسیقی اور خوش نویسی میں بھی خاصی دستگاہ رکھتے تھے۔ ان کی تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ایک دیوان اور چند نظمیں۔

۲۔ ''فسانہ عجائب''۔ یہ کتاب پر شوکت نثر میں ہے جس میں اشعار بھی شامل ہیں۔ باطن کے مطابق اس کا عنوان ''فسانہ رنگین'' ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ کتاب ''قصہ جان عالم'' کے نام سے بھی مشہور ہے۔ یہ ایک بادشاہ اور طوطا کی کہانی ہے جو ہندوستان میں مشہور ہے۔ اس کے کئی ایڈیشن ہندوستان میں شائع ہو چکے ہیں۔ دہلی سے ایک ایڈیشن ۱۲۶۱ھ/ ۱۸۴۵ء میں، دوسرا چھوٹی تقطیع کے ۲۸۰ صفحوں میں ۱۸۵۵ء میں چھپا۔ لکھنو سے ایک ایڈیشن ۱۸۴۵ء میں اور دوسرا ۱۸۶۶ء میں چھوٹی تقطیع کے ۱۷۸ صفحات میں شائع ہوا۔ اس کے دو ایڈیشن کلکتہ سے بھی ۱۸۴۲ء میں چھوٹی تقطیع کے ۴۲۲ صفحات میں شائع ہوئے۔ ایک اور ایڈیشن ۳۰۱ صفحوں میں مسٹر ڈبلو۔ ناسولینو کا تصحیح شدہ ۱۸۶۸ء میں چھپا ہے۔ ایک ایڈیشن محمود نگر لکھنو سے چھوٹی تقطیع کے ۱۹۸ صفحات پر ۱۲۶۲/ ۱۸۴۶ء میں شائع ہوا اس کے ہر صفحے میں ۲۱ سطریں ہیں۔ ایک اور ایڈیشن لکھنو سے بڑی تقطیع کے ۱۷۸ صفحوں میں ۱۲۸۲ھ/ ۶۶۔۱۸۶۵ء میں چھپا۔ اس کی کتابت منشی گوبند پرشاد خوش نویس نے کی ہے۔ اس میں تصاویر بھی شامل ہیں اور ہر صفحے میں ۲۳ سطور ہیں۔

کریم کا خیال ہے کہ یہ کتاب اتنی اچھی نہیں ہے جتنی کہ ''قصہ چہار درویش''۔ پھر بھی اردو کے امتحانات میں یہ کتاب بطور نصاب داخل ہے۔

۳۔ ''سرور سلطانی یا مشغلہ سلطانی''۔ یہ کتاب مسجع ومقفی عبارت میں ہے اور شاہنامہ کے منشور فارسی ''خلاصہ شمشیر خانی'' کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب نواب اودھ کے نام ممنون ہے اور چھوٹی تقطیع کے ۳۱۲ صفحوں میں ۱۸۵۲ء میں لکھنو سے چھپی ہے۔

۴۔ ''شگوفہ محبت''۔ اس کتاب کے موضوع کی مجھے خبر نہیں۔ سرور کا قیام کانپور لکھنو اور بنارس میں تھا۔ ان کا انتقال مئی ۱۸۶۹ء میں ہوا۔

سرور۔ میر فیض علی:

وہ سید ابراہیم کے بیٹے اور مشہور اولیا سید شمس الدین کے بھائی ہیں جن کا مزار موضع اجرارا میں ہے۔ ہر سال ۱۷ ذیقعد سے ۲۰ ذیقعد تک ان کے مزار پر عرس منایا جاتا ہے اور یہاں بے شمار زائرین خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے آیا کرتے ہیں۔ سرور کی پیدائش اجرارا میں ہوئی تھی لیکن وہ دہلی میں رہتے تھے۔

قاسم اور سرور کے بقول وہ ایک جوان متقی شخص ہونے کے علاوہ علم دینیات میں بڑی دستگاہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے حکیم قدرت اللہ خان قاسم سے علم ادب کی تعلیم حاصل کی ہے اور ہندوستانی شاعری میں وہ قاسم کے لڑکے میر عزت اللہ عشق سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔

سرور۔ میر محمد خان اعظم الدولہ:

وہ نواب ابوالقاسم مظفر خان بہادر کے بیٹے اور ساقی (سامی) موزوں اور تجمل کے شاگرد تھے۔

انھوں نے حسب ذیل کتابیں لکھی ہیں:

۱۔ ایک طویل ریختہ دیوان۔

۲۔ ''عمدہ منتخبہ''۔ یہ ہندوستانی شعرا کا ایک تذکرہ ہے جو فارسی زبان میں لکھا ہوا ہے۔ یہ کتاب غالباً ۱۲۲۱/ ۷۔۱۸۰۶ء میں لکھی گئی ہے۔ اس کے آخر میں ۱۲۱۹ھ تاریخ درج ہے۔ اس میں حروف تہجی کے مطابق ۱۲ سو شعرا کا ذکر کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان کے اشعار بھی نقل کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب نہایت ہی شگفتہ اور اچھی طرز بیان میں لکھی گئی ہے اور دہلی میں بہت ہی مقبول ہے۔ سرور نے اپنے تذکرہ میں خود اپنا ذکر بہت ہی انکساری کے ساتھ کیا ہے اور اپنے اشعار کو چند صفحات میں نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ گلوں کے ساتھ خار بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ کتاب قاسم کے تذکرے کے بعد اور شیفتہ کے تذکرے سے پہلے لکھی گئی ہے۔ چنانچہ شیفتہ نے اپنے تذکرے کی کسی تصنیف میں اس کتاب سے اسی طرح مدد لی ہے جس طرح سرور نے قاسم کے تذکرے سے مدد حاصل کی ہے۔ کریم اس تذکرے کی تعریف کرتے ہیں۔

سرور ۱۲۵۰ھ/ ۵۔۱۸۳۴ء میں فوت ہوئے ہیں۔ ان کے لڑکے محمود خان ان کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور شیفتہ انھیں ہم عصر شعرا میں شمار کرتے ہیں۔

منو لال نے اپنے'' گلدستہ نشاط'' میں سرور کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

یہ اشعار دستیاب نہ ہو سکے (مترجم)

سرور (شاید سرور) ولایت علی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر کسی تذکرے میں کیا گیا ہے۔

سرور۔ ولایت علی۔ لکھنوی:

خواجہ حیدر علی آتش کے مطابق وہ محمد جعفر مخمور کے بیٹے اور شاگرد تھے۔ وہ ایک ہندوستانی کی شاعر ہیں جن کی چند غزلیں محسن نے نقل کی ہیں۔ ان کے اشعار کے وزن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نام سرور ہی ہے۔

سعادت میاں یا میر سعادت علی:

وہ امروہہ کے ایک سید تھے اور شاہ ولایت اللہ سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔ فتح علی حسینی انھیں سعادت اللہ کہتے ہیں۔ ان کے والد کا نام میر غلام علی عشرت تھا جن کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے۔ ابوالحسن ان کو سعادت اللہ کہتے ہیں۔ وہ بریلی میں رہتے تھے اور قائم اور اسپرنگر کے مطابق تقریباً ۴۰ سال ہوا کہ وہیں انھوں نے انتقال بھی کیا ہے۔

سرور کا خیال ہے کہ اس نام کے دو مختلف ادیب گزرے ہیں۔

انھوں نے'' سیلی سنجیون'' کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔'' گلزار ابراہیم'' کے قلمی نسخے میں اس کتاب کا نام اچھی طرح پڑھا نہیں جاتا۔ یہ مثنوی ان عاشقوں کے نام پر ہے جو نواب قمرالدین خان وزیر کے عہد میں دہلی میں رہتے تھے۔ سعادت سلطان محمد شاہ کے عہد کے مصنف ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستانی شعرا نے بہت ہی پیچیدہ اور مبہم طرز نگارش کو اختیار کر رکھا تھا۔ سعادت کا اسلوب بیان بھی کافی دشوار فہم ہے۔ لیکن ان میں اس قدر خوبیاں ضرور تھیں کہ وہ شگفتہ ہونے کے علاوہ بہت ہی دلکش ہوتے تھے۔ جن دنوں میں سعادت نے اشعار موزون کیے تھے تو انھیں بہت ہی مقبولیت حاصل تھی آج کل بھی کسی حد تک مقبولیت حاصل ہے۔ سعادت نے متعدد مناقب بھی لکھے ہیں۔ میر کا بیان ہے کہ وہ سعادت کے دوست تھے اور موخر الذکر کے متعلق بتاتے ہیں کہ وہ ایک سنجیدہ، منکسر مزاج مذہبی شخص ہونے کے علاوہ بہت ہی کم سخن واقع ہوئے تھے۔

منو لال نے'' گلاستہ نشاط'' میں ان کا ایک شعر نقل کیا ہے لیکن اس میں کوئی خاص خوبی پائی نہیں جاتی ہے۔

سعادت خان:

وہ ضلع کانپور میں تھانہ دار تھے۔ اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے اور کاشی پور (بنارس) میں رہتے تھے۔ ان کے والد کا نام جہان خان تھا۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کے اشعار میں نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

سعادت علی۔ منشی اور سید:

آگرہ کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے ''گلدستہ نثر'' کے نام سے ایک ایک عمدہ عشقیہ ناول تصنیف کیا ہے۔ یہ کتاب آگرہ سے ۱۲۷۰ھ/۴۔۱۸۵۳ء میں چھوٹی تقطیع میں ۶۴ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

سعادت یار خان:

انھوں نے گھوڑوں کی صفات پر ایک رسالہ لکھا ہے جو چھوٹی تقطیع میں ۲۲ صفحات پر ہے اور لکھنو سے ۱۲۶۰ھ میں شائع ہوا ہے۔

سعد اللہ۔ مولوی مفتی محمد:

وہ حسب ذیل کتابوں کے مصنف ہیں:

۱۔ اردو میں ایک رسالہ جس کا نام ''فقہ اکبر در وصیت نامہ'' ہے۔ یہ رسالہ حنفی مذہب کے فقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ لکھنو سے ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوا ہے۔

۲۔ ''سراج القاری''۔ دہلی سے ۱۸۶۸ میں چھوٹی تقطیع کے ۲۴ صفحات پر چھپا ہے۔

سعدی۔ شیخ مصلح الدین شیرازی:

چند ہندوستانی تذکرہ نگاروں نے سعدی کو ہندوستانی شعرا میں شمار کیا ہے۔ دراصل مسلمانان ہند کی روایت کے مطابق سعدی جن کا نام یورپ میں بھی مشہور ہے امیر خسرو سے ملنے کے لیے دہلی آئے تھے۔ چونکہ خسرو شمالی ہند کی مقامی زبانوں میں بھی شعر کہتے تھے اس لیے ممکن ہے کہ سعدی نے بھی ہندوستانی میں چند اشعار کہے ہوں تاکہ یہ ظاہر ہو سکے کہ وہ اس زبان میں بھی آسانی سے شعر کہہ سکتے ہیں۔ کمال نے قائم کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ سعدی اپنے دوران سفر میں سومنات کو دیکھنے کی غرض سے گجرات گئے تھے جیسا کہ بوستان سے ثابت ہے۔ سومنات میں رہ کر انھوں نے ہندوستانی سے واقفیت حاصل کی اور چند اشعار کہے جن کو مقامی لوگوں نے محفوظ کر لیا۔ اور ہندوستانی تذکرہ نگاروں کے مطابق یہ پہلے اشعار ہیں جو ریختہ میں کہے گئے۔ خسرو نے سعدی کے بعد ریختہ میں شعر کہنا شروع کیا لیکن یہ نہیں کہ انھوں نے بڑی تعداد میں

شعر کہے۔ سعدی سے پہلے صرف ایک مسلمان ہندوستانی شاعر مسعود بن سلمان ملتا ہے جس نے این بلنڈ کے مطابق گیارہویں صدی کے آخر یا بارہویں صدی کے آغاز میں ہندی کا ایک دیوان بھی مرتب کیا تھا۔

کمال نے قائم کے حوالے سے صرف دو شعر سعدی سے منسوب کر کے نقل کیے ہیں۔ یہ شعر ایک ہی غزل کے مطلع اور مقطع معلوم ہوتے ہیں اس کے برعکس دوسرے تذکرہ نگاروں نے غزل کے دو درمیانی اشعار نقل کیے ہیں اور انھیں سعدی گجراتی سے منسوب کیا ہے۔

سعید۔ سعید الدین خان:

وہ لکھنو کے قریب کاکوری میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد کا نام قاضی نجم الدین خان تھا جو کلکتہ میں قاضی قضاۃ کے عہدہ پر فائز ہے۔ اس کتاب میں موخر الذکر کا تذکرہ نجم کے تحت کیا گیا ہے۔ انھوں نے تمام ادبی اور علمی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا اور نہایت ہی عمدہ ہندوستانی اشعار کہے ہیں۔ ان کا ایک واسوخت ''مجموعہ واسوخت'' میں شائع ہوا ہے۔

سعید ۱۸۲۲ء میں دہلی تشریف لے گئے تھے۔ شیفتہ کا بیان ہے کہ ایک حادثہ میں ان کی ایک آنکھ ضائع ہوگئی تھی۔ مسرور نے بھی ان کو نقل کیا ہے۔

سعید۔ شیخ محمد سعید خان:

وہ سعید قریشی بھی کہلاتے تھے۔ ملتان کے رہنے والے تھے۔ ایام جوانی میں وہ سلطان مراد بخش کے عہدہ دار تھے اور ان کی طرف سے گجرات کے دارالسلطنت احمد آباد میں متعین تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں وہ مراد بخش کے دوست بھی ہو گئے۔ انھوں نے سلطان کی شان میں چند اچھے قصیدے کہے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے اصناف شاعری میں بھی بہت کامیاب کلام موزوں کیے ہیں۔ وہ ایک خوش دل شخص تھے اور اپنی فطری زندہ دلی اور خوش اخلاقی کی وجہ سے ہر دل عزیز واقع ہوئے تھے۔ وہ بعد میں ملتان واپس آگئے تھے اور ۱۰۸۷ھ/ ۱۶۷۶ء میں یہیں فوت ہوئے ہیں۔ کریم کے مطابق وہ خواب کی نہایت ہی عمدہ تعبیر کرتے تھے اور لوگوں کے چہرے سے ان کے اخلاق و کردار کے متعلق بہت ہی صحیح رائے قائم کرتے تھے۔

سعید۔ قاضی محمد:

بدایوں کے رہنے والے تھے لیکن ۱۸۲۵ء میں ۱۸ سال کی عمر میں علم وادب کے حصول کے شوق میں دہلی تشریف لے گئے تھے۔ دو سال بعد وہ خاصہ اچھے اشعار کہنے لگے تھے اور اپنے کلام کو نواب زین

العابدین خان عارف کو دکھایا کرتے تھے۔ وہ کریم کے مشاعروں میں بھی شریک ہوتے اور اپنی غزلیں سنایا کرتے تھے۔

سعید۔ مرزا آغا نجف۔ لکھنوی:

مرزا امیر بیگ کے بیٹے اور مقبول الدولہ مرزا مہدی قبول کے شاگرد تھے۔ وہ ایک دیوان کے مالک ہیں جس کے اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

سعید الدین۔ محمد:

انھوں نے غالباً فارسی سے اردو میں ایک مذہبی رسالہ کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ کتاب ''رفاہ المسلمین'' کے نام سے دہلی سے ۱۸۶۸ میں چھوٹی تقطیع کے ۱۱۸ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

سفر شاہ:

سفر شاہ ذات کے سید تھے لیکن بعد میں فقیری اور قلندری اختیار کرلی تھی۔ آخر عمر میں اس مکان میں رہنے لگے تھے جسے داراشکوہ نے ان کے لیے تعمیر کیا تھا۔ انھوں نے مذہبی رنگ میں قابل قدر اشعار کہے ہیں اور سرور نے اس کا ایک نمونہ اپنے تذکرے میں پیش کیا ہے۔

سکندر۔ خلیفہ محمد علی:

چند تذکرہ نگار انھیں شیخ سکندر یا خلیفہ سکندر کہتے ہیں۔ وہ پوربی، ہندوستانی اور مارواڑ و پنجاب کی بولیوں میں مرثیے کہتے تھے۔ مصحفی کا بیان ہے کہ وہ لاہور کے ضلع سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے ''قصہ ملاح و ماہی و بادشاہ دل خور'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ وہ میاں ناجی سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔ مصحفی کہتے ہیں کہ سکندر ایک زندہ دل اور خوش مزاج شخص تھے۔ ابتدا میں وہ قدیم طرز بیان میں اور بعد میں جدید اسلوب میں لکھتے تھے۔ بدقسمتی سے سکندر کثرت سے شراب پینے کے عادی تھے۔ جن دنوں مصحفی اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے (۹۴۔۱۷۹۳ء) ان کی عمر ۵۰ سال سے زیادہ تھی۔

کمال انھیں مرزا احمد علی خان کہتے ہیں۔ وہ ان سے پہلے لکھنو میں اور اس کے بعد حیدرآباد میں ملا کرتے تھے۔ سکندر نظام کی خواہش پر حیدرآباد تشریف لے گئے جہاں ''مجمع الانتخاب'' کی تصنیف سے پہلے ان کا انتقال ہوا ہے۔

شیفتہ کے مطابق وہ حیدرآباد جانے سے پہلے دہلی بھی تشریف لائے تھے اور انتقال کے بعد کربلا میں سپرد خاک کیے گئے تھے۔

سکھ لال:

وہ ''کتاب جنتری'' کے مصنف ہیں۔ یہ کتاب لاہور سے ۱۸۵۳ء اور آگرہ سے ۱۸۵۵ء میں شائع ہوئی ہے۔

سلام۔ میاں نجم الدین علی خان:

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ آگرہ کے رہنے والے تھے لیکن دوسرے اشخاص انھیں دہلوی سمجھتے ہیں۔ ان کے والد کا نام شرف الدین علی خان پیام تھا۔ جن کی صحبت میں رہ کر وہ شعروسخن سے دلچسپی لینے لگے تھے۔ میر ان کے دوست تھے اور ان کی ذہنی صلاحیتوں کی تعریف کرتے تھے۔ وہ کبھی کبھی ملا کرتے تھے اور اس میں ادب وعلم کے متعلق تبادلہ خیال کرنے کے علاوہ، اشعار بھی موزوں کیا کرتے تھے۔ میر فتح علی حسینی نے ان کے چند اشعار کو اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے۔

سلامت۔ مولوی شاہ محمد سلامت اللہ:

یہ ایک شاعر ہیں جن کا ذکر ابوالحسن نے اپنی کتاب ''مسرت افزا'' میں کیا ہے انھوں نے کم از کم مولوی ابن محدث کے ایک حصہ کو تصنیف کیا ہے۔ یہ کتاب محمد کے شجرہ نسب، پیدائش اور تعلیم کے متعلق لکھی گئی ہے۔ اصل کتاب عربی میں ہے جس کا اردو اور فارسی میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب تینوں زبانوں میں لکھنو سے پہلی بار شائع ہوئی اور اس کے بعد ایک دوسرا ایڈیشن کلکتہ سے نکلا ہے جیسا کہ حاجی سید عبداللہ کے مضمون سے معلوم ہوگا۔

سلامت۔ منشی سلامت علی۔ غازی پوری:

وہ ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازم تھے۔ عشقی نے ہندوستانی شعرا میں ان کا ذکر کیا ہے۔

سلامت۔ میر سلامت علی:

وہ صوبہ بہار، پرگنہ ارول میں پورنیہ کے رہنے والے تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر شورش نے کیا ہے۔

سلطان۔ بیگم:

محسن نے اپنے ''تذکرہ سراپا سخن'' میں بیان کیا ہے کہ انھیں سلطان کا دیوان دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے لیکن سوائے اس کے کہ وہ نواب معتمد الدولہ کی صاحب زادی ہیں، کوئی مزید تفصیل معلوم ہوئی۔

سلطان ۔ راجا طالب علی خان ۔ عظیم آبادی:

وہ سلطان جان بھی کہلاتے ہیں ۔ ان کے والد کا نام خواجہ حسین علی خان ہے اور وہ اپنی والدہ کی جانب سے مشہور ہندوستانی شاعر میر درد کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے ۔ ان کے آباؤ اجداد شروع میں بخارہ کے باشندہ تھے لیکن بعد میں دہلی چلے آئے ۔ ۱۸۵۷ء کے عذر سے پہلے سلطان آگرہ کے گورنر تھے ۔ وہ ایک صاحب دیوان ہیں جس سے محسن نے چند غزلیں اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں ۔

سلطان ۔ سید میر امداد علی:

مجھے ان کے متعلق کوئی تفصیل معلوم نہیں ۔

سلطان ۔ قلی بیگ:

وہ پیشہ کے طور پر فوجی تھے ۔ انھوں نے ہندوستانی میں اشعار کہے ہیں جن کا ایک نمونہ سرور نے پیش کیا ہے ۔

لطان ۔ مولوی سلطان خان ۔ شاہجہانپوری:

انھوں نے امام ابوحنیفہ کی کتاب ''کنز الدقائق یا تحفۃ العجم فی فقہ امام الاعظم'' کا اردو میں ترجمہ کیا ہے ۔

سلطان ۔ مرزا محمد ریزد:

مرزا نیکی کے نام سے مشہور ہیں ۔ وہ دہلی کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور ۱۸۳۱ء میں زندہ تھے ۔ ان کا شمار ہندوستانی شعرا میں کیا گیا ہے ۔

سلطان ۔ نواب اللہ خان ۔ افغانی:

شیفتہ کے مطابق ان کا نام فیض اللہ خان تھا ۔ لیکن قاسم اور کریم انھیں محمد یار خان کہتے ہیں ۔ محمد علی خان روہیلہ کے خاندان سے تھے ۔ نواب اللہ خان افغانی کے والد تھے ۔ وہ رامپور کے جاگیردار ہونے کے علاوہ ایک ہندوستانی شاعر بھی تھے ۔

سلطان ثانی:

وہ ایک قدیم ہندوستانی شاعر ہیں اور میجر ایبلی کے بقول انھوں نے سینٹ جان کی طرح اپنی کسی نظم میں کہا ہے کہ جب تک بیج زمین میں دفن نہیں ہوتا وہ درخت بن کر ثمر آور نہیں ہوتا ۔

سلیم ۔ سلیم اللہ خان:

شیخ فیض اللہ کالی گاہ مرحوم کے بیٹے ہیں ۔ وہ ایک اردو شاعر ہیں جن کا ذکر شورش نے کیا ہے ۔ سلیم

پٹنہ کے رہنے والے ہیں۔

سلیم۔ شیخ:

انھوں نے چند مضامین ہندو مذہب کی مخالفت میں تصنیف کیے ہیں جنھیں ایک کتاب کی صورت میں جمع کیا گیا ہے۔ ایک مضمون کا عنوان ''کتھا سلومی'' ہے، دوسرے کا'' نصیحت نامہ''اور تیسرے کا ''دومناجات'' ہے۔ یہ میرٹھ سے ۱۸۶۸ء میں ۱۶صفحات میں شائع ہوئی ہے۔

سلیم۔ میر سلامت علی۔ بنارسی:

وہ ایک شاعر ہیں جو اپنے شہر بنارس میں کافی مشہور تھے۔محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

سلیم۔ میر عباس۔لکھنوی:

وہ میر عالم کے بیٹے اور آتش کے شاگرد تھے۔وہ صاحب دیوان ہیں جن کی چند غزلیں محسن نے نقل کی ہیں۔

سلیم۔ میر محمد:

پٹنہ کے سید ہیں اور تجارت کا پیشہ رکھتے تھے۔وہ فطری طور پر شاعر واقع ہوئے ہیں اور بڑی خوبی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔انھوں نے دوسری چیزوں کے علاوہ ایک مثنوی بھی تصنیف کی ہے جو کسی غیر معمولی واقعے سے متعلق ہے جو پٹنی کے قریب واقع ہوا تھا۔علی ابراہیم سے پٹنہ میں ملے تھے ان کا انتقال ۱۱۹۵ھ ا ۱۷۸۰ء میں ہوا ہے اور وہ اسی شہر میں مدفون بھی ہیں۔

سلیمان دہلوی:

وہ نوجوان شاعر ہیں جو ہندوستانی شاعر سید عبدالحئ تاباں کے گہرے دوست ہونے کے علاوہ ان کے طرز پر شعر کہتے ہیں۔ یہ باتیں علی ابراہیم سے معلوم ہوئی ہیں جنھوں نے ان کا صرف ایک شعر نقل کیا ہے۔ قائم بھی ان کا ذکر کرتے ہیں۔

سلیمان۔ مرزا محمد سلیمان شکوہ بہادر:

وہ مغل سلطان شاہ عالم ثانی کے بیٹے اور دہلی کے آخری حکمران سراج الدین کے والد اکبر شاہ ثانی کے بھائی تھے۔اردو شعرا میں وہ ایک خاص مرتبے کے مالک ہیں۔ مصحفی نے اپنے تذکرے میں بڑے مبالغہ آمیز مشرقی طرز پر ان پر ایک طویل مضمون لکھا ہے۔ان کا کلام دیوان کی شکل میں مرتب ہوا ہے اور اس کا

ایک نسخہ وزیر نظام کے کتب خانے میں موجود ہے۔ مصحفی نے ان کے دیوان سے ۵ صفحے، بنی نرائن نے ایک غزل اور منولال نے ایک شعر نقل کیا ہے۔ ۱۴-۱۸۱۳ء میں شہزادہ لکھنو میں تھا۔ وہ اپنے بھائی اکبر شاہ کے دربار سے آگرہ گئے جہاں ۲۴ فروری ۱۸۳۸ میں بہ عمر ۸۲ سال ان کا انتقال ہوگیا۔ ان کے ایک بیٹا بھی مرزا قمر نامی تھا لیکن حکومت برطانیہ نے اسے وارث تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

سلیمان شکوہ خود شاعر اور اردو شاعروں کا زبردست مربی تھا۔ ان کے استاد میر انشا اللہ خان تھے۔ جن شعرا کی انھوں نے خاص طور پر سرپرستی کی ان میں جرأت، انشا اللہ خان اور مصحفی شامل ہیں۔ سرور نے انھیں اسی نام کے دوسرے شعرا سے الگ کرنے کے لیے سلیمان لکھنوی لکھا ہے۔ کیونکہ وہ لکھنؤ میں رہتے تھے۔ حالانکہ وہ دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کی ایک غزل یہاں درج کی جاتی ہیز۔ سلیمان۔ میر مراد علی۔ دہلوی:

وہ پٹنہ میں ایک طویل عرصہ سے رہتے تھے لیکن جن دنوں شورش اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے وہ بہار چلے گئے تھے۔ شاید وہ اور روا اور سلیمان دہلوی ایک ہی شخص ہیں۔

سلیمان خان۔ دہلوی:

وہ اشرف علی خان فغان کے شاگرد ہیں اور پٹنہ میں رہتے ہیں۔ شورش غلطی سے انھیں اور میر مراد علی سلیمان کو دو مختلف اشخاص شمار کرتے ہیں۔ محسن نے بھی ان کا ذکر کیا ہے اور ان کے چند اشعار پیش کیے ہیں۔

سماچرن دت:

مسٹر G.G.Spitasurg کی مدد سے انھوں نے لندن *Pharmacopae* کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ کتاب ''ہو الشافی'' کے نام سے ۱۸۳۶ء میں پہلی بار ناگری رسم الخط میں شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کا ایک ضمیمہ بھی شائع ہوا جس میں تمام دواؤں کی تاثیر، ترکیب استعمال اور خوراک کے متعلق تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ یہ کلکتہ سے ۱۸۴۵ء میں چھوٹی تقطیع پر ۲۹۴ صفحات میں نکلا ہے۔

سنبلی۔ شاہ مراد:

وہ ''تفسیر مرادیہ'' کے مصنف ہیں۔ اس کتاب میں قرآن کے بعض حصوں کی تفسیر ہے اور اس میں دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ قرآن کیوں نازل کیا گیا۔ یہ کتاب کلکتہ، ۱۲۶۱ھ/ ۱۸۴۵ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ۱۸۶۵ء میں کلکتہ سے اس کا ایک اور ایڈیشن شائع ہوا

ہے۔ جس کا ذکر J.Long نے اپنے ۱۸۶۷ء کے Discriptive Catalogue میں کیا ہے اور ان کے مطابق یہ کتاب قرآن کا ایک اردو ترجمہ ہے۔

سنجر۔ محمد یعقوب علی۔ غازی پوری:

وہ قاضی محمد صدیق کے بیٹے اور ناسخ کے شاگرد تھے۔ ایک طویل عرصہ تک وہ لکھنو میں رہتے تھے اور ۱۲۶۰ھ/ ۵۔۱۸۴۴ء میں دہلی کی سیر کرنے کے لیے چلے گئے۔ باطن نے اپنے ''گلشن بے خزاں'' میں اس کا ذکر کیا ہے۔

سنین۔ سید عبدالستار:

وہ مدارس کے ہندوستانی اخبار ''شمس الاخبار'' کے مدیر ہیں۔ یہ اخبار ہر ۱۰ دن کے بعد بڑی تقطیع کے ۱۲ صفحات میں اور دو کالم پر نکلتا ہے۔ اس اخبار کے ناظم کا نام محمد اعظم گھتالا ہے۔

سودا۔ مرزا محمد رفیع:

وہ محمد شفیع کابلی کے بیٹے اور ہندوستان کے بڑے مشہور شاعر ہیں۔ سودا ملک الشعرا ہندی کہلاتے ہیں۔ اس کے باوجود مصحفی کا خیال ہے کہ کچھ لوگوں کی نظر میں سودا کی شاعری تقلید اور غلطیوں سے پاک نہیں ہے۔ سودا دہلی میں پیدا ہوئے اور تذکرہ نگاروں کے مطابق وہ سلطان اور وزیر کے استاد اور امرا کے مصاحب تھے۔ ان کے تخلص کے متعلق بعض مغربی مصنفین اور نقادوں کا خیال ہے کہ سودا چوں کہ ہجو نگاری کی وجہ سے اپنے بہت سے دشمن پیدا کر لیے تھے اس لیے خود کو پاگل ظاہر کرنے کے لیے یہ تخلص اختیار کیا تھا۔ قائم کا خیال ہے کہ سودا نے یہ تخلص تجارت کی رعایت سے بھی اختیار کیا تھا کیوں کہ ان کے والد تاجر تھے۔

سودا کی شاعری کی اہمیت کا راز ان کے استعارات کی ندرت، خیال کی جدت اور انداز بیان کی دلکشی میں پوشیدہ ہے۔ ان کا دیوان بڑا ضخیم ہے اور انھوں نے تمام اصناف شعر مثلاً قصیدہ، غزل اور بالخصوص ہجو میں کمال دکھایا ہے۔ وہ موسیقی میں بھی خاصی دستگاہ رکھتے تھے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ سودا کا کوئی ہمسر نہیں ہے اور بعض تذکرہ نگاروں کے نزدیک انھیں قدیم و جدید شعرا پر برتری حاصل ہے۔ انگریز یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ سودا ہندوستان کے نہیں اس لیے کہ سودا کی ہجو میں اس رومی شاعر کا مزاج اور جذبہ کارفرما نظر آتا ہے اور ان کے انداز میں اسی انداز کی مبالغہ آمیزی ہے۔

میر تقی نے اپنے تذکرے میں سودا کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ وہ ایک جواں سال خوش طبع شاعر ہیں جو عیش و طرب و ظرافت میں زندگی گزارتے ہیں۔ سودا غزل، مثنوی، قطع، مخمس اور رباعی کے علاوہ

دوسرے اصناف شعر پر قدرت رکھتے تھے اس کے برخلاف لطف کا بیان ہے کہ وہ قصیدہ سب سے بہتر کہتے تھے۔

میر نے خود بھی سودا کو ہندوستان کا ملک الشعرا تسلیم کیا ہے اور ان کی تعریف میں بڑے مبالغے سے کام لیا ہے اور لطف نے ان سے بھی کہیں زیادہ مبالغہ آمیز الفاظ استعمال کیے ہیں۔ میر نے سودا کی اس ہجو کی خاص طور پر تعریف کی ہے جو گھوڑے کی تعریف میں ''تضحیک روزگار'' کے عنوان سے کہی گئی ہے اور بتایا ہے کہ سودا نے اس میں فن کی آخری حدوں کو چھو لیا ہے۔ مصحفی نے سودا اور فارسی شاعر خاقانی کے اشعار کا مقابلہ کیا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ سودا جہاں جہاں بھی گئے شہرت و عزت نے ان کے قدم چومے۔

سودا سپاہی پیشہ شخص تھے۔ ساٹھ سال کی عمر میں دہلی کی تباہی کے بعد انھیں دلی کو چھوڑنا پڑا اور مختلف مقامات پر قیام کرتے ہوئے آخر کو لکھنؤ پہنچے۔ نواب آصف الدولہ نے انھیں بڑی قدر و منزلت سے نوازا اور انھیں ایک جاگیر کے علاوہ چھ ہزار روپے نقد دیے۔ شکرانے میں سودا نے نواب کی شان میں بڑے پرشوکت قصائد لکھے۔ شجاع الدولہ نواب اودھ نے بھی انھیں اپنے دربار میں بڑی قدر و منزلت سے رکھا۔ لطف و ابراہیم کے بیان کے مطابق سودا ستر اور بعض دوسروں کے بیان کے مطابق نوے سال کی عمر میں بمقام لکھنؤ ۱۱۹۵ھ/ ۱۷۸۰ء میں انتقال کیا اور آقا باقر کے امام باڑے میں دفن ہوئے۔ اکثر نے تاریخ وفات کہنا شروع کی۔ سب سے مشہور تاریخ وہ ہے جو قمر الدین منت نے فارسی میں کہی اور جس کو علی ابراہیم نے اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے۔ مصحفی نے بھی دو تاریخیں دی ہیں۔ ایک اپنی لکھی ہوئی فارسی میں ہے دوسری اُردو میں ہے جو میر فخر الدین ماہر کی کہی ہوئی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ لطف نے بھی اُردو رباعی میں اس موقع پر ایک تاریخ کہی جو سودا کے لوح مزار پر درج ہے۔

مصحفی کا بیان ہے کہ سودا کا دیوان اس درجہ مشہور ہوا کہ اس کے بعد اشعار ایران و یورپ تک پہنچے اور ہر اس شخص نے پڑھا جس کی دسترس میں تھا۔

سودا کا مجموعی کلام کلیات کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ میرے کتب خانے میں کئی قلمی نسخے ہیں۔ ان میں وہ بہت ہی خوبصورت ہے جو مجھے این بلنڈ نے دیا تھا۔ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے کتب خانے میں بھی سودا کے دیوان کا ایک باتصویر نسخہ موجود ہے۔

۱۸۱۰ء میں کلکتہ سے ایک انتخاب شائع ہوا ہے جس کا عنوان ''انتخاب کلیات سودا'' ہے۔ اس نسخے کی نظر ثانی میں شیر علی افسوس، محمد اسلم اور کاظم علی جوان وغیرہ نے حصہ لیا تھا۔ پھر بھی اس کے مدوّن کے پاس

جو نسخہ ہے وہ اغلاط سے پر ہے۔

سراج الدولہ حیدر آباد کے کتب خانے میں ایک نسخہ ''مراثی مرزا رفیع'' کے نام سے ملتا ہے لیکن قارئین کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ میرے پاس جو ''کلیات سودا'' کا نسخہ ہے اس میں یہ مرثیہ موجود نہیں ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کلیات مکمل نہیں ہے۔ اس کلیات میں سلام بھی نہیں ہیں اور تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ انھوں نے سلام بھی کہے ہیں۔

قاسم نے سودا کے ایک تذکرہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

غلام حیدر ہنگلوی نے ۱۸۴۷ء میں سودا کے مجموعۂ کلام کا ایک نیا ایڈیشن ''انتخاب کلیات سودا'' کے نام سے کلکتہ سے شائع کیا ہے۔ اس میں کچھ غزلوں اور قصیدوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔ چھ اور ایڈیشن ہیں۔ ایک دہلی سے ۱۸۵۲ء میں ''شرح قصائد'' کے نام سے چھپا ہے۔ میرا خیال ہے یہ وہی کتاب ہے جس کو نصیر خان نے ''انتخاب کلیات قصائد وغیرہ مرزا رفیع سودا کا'' کے عنوان سے ۱۸۶۰ء میں آگرہ سے شائع کیا ہے۔

ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کی فہرست میں نمبر ۴۶ پر ''کلیات سودا'' کا جو قلمی نسخہ ملتا ہے ۱۲۱۲ھ/ ۹۸-۱۷۹۷ء میں نقل ہوا ہے اور یہ کلیات ان تمام نسخوں سے زیادہ مکمل ہے جو میری نظر سے گزرے ہیں۔

اسپرنگر کے مطابق اس قلمی نسخے میں حسب ذیل چیزیں ہیں:

۱- قصائد خاص طور پر شجاع الدولہ کے متعلق ۲۳۰ صفحوں میں۔ ہر صفحے میں ۱۱۳ شعار۔

۲- غزل و رباعیات۔ ۳۲۴ صفحوں میں۔

۳- قطعہ اور چند تاریخیں۔ ۳۲ صفحوں میں۔

۴- پہیلیاں۔ چار صفحوں میں۔

۵- سلام اور مرثیہ۔ ۴۲۴ صفحے۔

۶- مثنویاں اور دوسرے اشعار جن کے ساتھ فارسی میں نثر بھی شامل ہے۔

سودا- منشی چمن لال:

وہ ایک کشمیری شاعر ہیں جن کی ایک غزل ۲۲ ستمبر ۱۸۶۸ء کے اودھ اخبار میں شائع ہوئی ہے۔

سورج بھان- پنڈت:

وہ مندرجہ ذیل کتابوں کے مصنف ہیں:

۱- ''واقعہ رام چندر''۔ یہ آکسٹ کی انگریزی کتاب کا اُردو ترجمہ ہے۔ مسٹر ارنالڈ ڈائریکٹر آف پنجاب

اسکول نے اس کتاب پر نظر ثانی کی اور یہ لاہور سے چھوٹی تقطیع کے ۳۳ صفحوں پر ۱۸۵۸ء میں شائع کی گئی۔ کتاب فارسی رسم الخط میں لیکن حاشیے میں سنسکرت الفاظ کو ناگری رسم الخط میں لکھا دیا گیا ہے۔ اس کتاب کے ساتھ قطعات رام چندر کے متعلق دو نقشے ایک فارسی اور ایک دیوناگری رسم الخط شامل ہیں۔ یہ کتاب ہندی میں بھی ''وری تنت رام چندر'' کے نام سے ترجمہ ہو چکی ہے۔

۲- ''واقعۂ بابا نانک''۔ آرکسٹ کی ''تاریخ نانک'' کا ترجمہ ہے۔ اجودھیا پرشاد نے اس پر نظر ثانی کی اور ۱۸۶۰ء میں چھوٹی تقطیع کے ۲۴ صفحوں میں نقشوں کے ساتھ شائع ہوئی۔

۳- ''ہدایت نامۂ دفتر کلکٹری''۔ اس کے اصل مصنف بہاری لال ہیں۔

۴- ''واقعۂ پال''۔ آرکسٹ کی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔ اس میں سینٹ پال کے حالات درج ہیں۔ اس کی نظر ثانی اجودھیا پرشاد نے کی ہے اور ہر ایک نقشہ کے ساتھ لاہور سے چھوٹی تقطیع ۲۰ صفحوں پر ۱۸۶۰ء میں شائع ہوئی۔

۵- ''گنج شائگان''۔ یہ حکومت کے جاری کردہ احکامات کا رسالہ ہے جو انگریزی اور اُردو میں ماہ بہ ماہ شائع ہوتا ہے۔

۶- ''دارالشفا''۔ حفظان صحت کے متعلق ایک اُردو رسالہ ہے یہ لاہور سے چھوٹی تقطیع پر شائع ہوا۔

۷- ''تحصیل تعلیم انگریزی''۔ یہ کتاب اُردو اور انگریزی میں ہے۔

۸- انھوں نے ۱۸۶۳ء کے لیے ایک جنتری (۳۷) بھی لکھی ہے جو لاہور سے شائع ہوئی ہے۔

سورج بھان نے مندرجہ ذیل دو کتابوں کی اصلاح بھی کی ہے۔

(الف) ''دستور العمل دفتر خانہ تحصیل''۔ یہ آرکسٹ کی کتاب ہے جو لاہور سے چھوٹی تقطیع کے ۸۲ صفحوں پر ۱۸۵۸ء میں شائع ہوئی ہے۔

(ب) ''گنج سوالات''۔ وہ آرکسٹ اور منشی درگا پرشاد کی کتاب ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ سورج بھان، ''کوہ نور'' کے پہلے مدیر بھی رہ چکے ہیں۔

سورج مل۔منشی:

یہ پٹنہ، ترہٹ اور الٰہ آباد کے مدارس کے انسپکٹر اور مندرجہ ذیل کتابوں کے مصنف ہیں:

۱- ''اُردو آموز''۔ یہ کتاب بہار کے ڈائرکٹر آف تعلیمات، مسٹر ایس ڈبلیو فیلن کی سرپرستی میں لکھی گئی اور چھوٹی تقطیع پر پٹنہ سے ۱۸۶۸ءمیں ایک کتابچہ کی شکل میں شائع ہوئی ہے۔ یہ اُردو نثر و نظم کی مختصر

انسائیکلوپیڈیا ہے۔ پہلے حصے میں صرف ۷۰ صفحے ہیں جن میں اصلاحی حکایات کے ساتھ ریاضی اور جغرافیہ شامل ہے۔ دوسرا حصہ ۳۳ صفحوں میں قواعد اور مطالعہ پر ہے۔ تیسرے حصے میں دو ابواب اور ۹۸ صفحات ہیں جو حکایات و لطایف، نثر و نظم اور خطوط نویسی وغیرہ۔

۲- ''انتخاب نایاب''۔ یہ اُردو میں الف لیلی اور شاہنامہ کا انتخاب ہے۔ پٹنہ سے ۱۸۶۸ء میں چھپا ہے۔

سوز۔ سیّد اور میر مصحفی:

وہ دہلی کے قریب قراولپور کے رہنے والے تھے اور ایک پرگو، لائق اور مشہور ہندوستانی مصنف تھے۔ ادبی کمالات سے قطع نظر وہ تیراندازی اور گھوڑے کی سواری کے بھی مشتاق تھے۔ وہ خوش نویسی کے لیے بھی مشہور تھے کیونکہ یہ فن مشرقی لوگوں میں بڑا پسندیدہ ہے۔ فارسی کے ان سات رسم الخط سے بھی انھیں واقفیت تھی جو کہ ہندوستان میں مروج تھے۔ ان کے اشعار سلیس و سادہ اسلوب میں ہیں۔ ان کے کلام کی شگفتگی و حلاوت انھیں ایک الگ مکتب شعر کا نمائندہ بتاتی ہے۔ ڈاکٹر گلکرسٹ کے مطابق سوز نے عورتوں کی زبان میں بڑے کامیاب اشعار کہے ہیں لیکن ہندوؤں کے نزدیک مرد کا اس طور پر عورتوں کی زبان استعمال کرنا خراب بات ہے۔ ابتدائی زندگی میں ان پر حسی لذت اندوزی کے جذبے کا کافی اثر تھا لیکن بعد میں شاہ عالم کے اٹھارہ سالہ دور میں وہ روحانیت کی طرف رجوع ہوئے اور درویشی اختیار کرلی۔

مصحفی کا خیال ہے کہ پہلے وہ میر تخلص کرتے تھے لیکن چونکہ میر تقی اس تخلص سے مشہور ہو چکے تھے اس لیے انہوں نے سوز تخلص اختیار کیا ہے۔ ۹۲-۱۷۹۳ء میں ان کی عمر ستر سے زیادہ تھی۔ ۹۷-۱۱۹۶ھ/۱۷۸۲-۱۷۸۱ء میں ان کا قیام لکھنو میں تھا اور وہ اپنا وقت ریاضت و عبادت میں گزارتے تھے۔ ۱۲۱۲ھ/ ۱۷۹۸ء میں سوز مرشد آباد اور فیض آباد کو روانہ ہوئے لیکن زیادہ قیام نہیں کیا۔ واپس آ کر کچھ دنوں بعد ۸۰ سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

کمال کا بیان ہے کہ وہ میر ضیا الدین بخاری پسر قطب عالم گجراتی کے بیٹے تھے۔ علی ابراہیم نے پندرہ سولہ صفحے میں ان کے اشعار نقل کر کے لکھا ہے کہ وہ بڑے کم گو شخص تھے اور مشکل سے ان سوالات کا جواب دیتے تھے جو کہ لوگ ان سے پوچھتے تھے۔

اس کے برعکس مصحفی نے انھیں زندہ دل، خوش مذاق شخص بتایا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک کشادہ دل اور نرم مزاج آدمی تھے۔ مصحفی نے لکھا ہے کہ وہ انھیں جانتے ہیں اور سودا سے ان کے دوستانہ مراسم ہیں۔

سوز نے نثر و نظم دونوں لکھی ہیں۔ اردو کلام دیوان کی صورت میں مرتب ہو چکا ہے۔ ہندوستان میں ان کا دیوان چھوٹی تقطیع کے ۵۷ صفحوں پر چھپا ہے لیکن اس سے اس کے ترتیب کے وقت سال اور مقام کا سراغ نہیں ملتا۔ ۱۸۱۰ء میں البتہ اس کا ایک ایڈیشن کلکتہ سے نکلا ہے۔ یہ ایک انتخاب کلام ہے جس میں صرف قصائد و رباعیات شامل ہیں۔

سوز کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ اُردو ترقی بورڈ کراچی میں موجود ہے۔ (مترجم)

سوز۔ مولوی عبدالکریم۔ دہلوی:

مولوی امام بخش صہبائی کے بیٹے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو زیادہ مشہور نہیں۔ محسن نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

سوزن۔ شیخ شمس الدین:

دہلی میں پیدا ہوئے لیکن فرخ آباد میں رہتے تھے۔ وہ پیشہ کے طور پر ایک سپاہی تھے۔ ان کے اُستاد کا نام میر سوز تھا۔ سرور نے ان کا ذکر ایک شاعر کی حیثیت سے کیا ہے۔

سوزن۔ نواب مرزا احمد علی خان شوکت جنگ:

نواب افتخار الدولہ مرزا علی خان کے بیٹے اور نواب سالار جنگ بہادر کے بھتیجے تھے۔ وہ لکھنو میں رہتے تھے جہاں نواب وزیر آصف الدولہ سے ان کے بہت ہی عمدہ تعلقات تھے۔ انھوں نے اُردو شاعری سے اس وقت سے دلچسپی لینی شروع کر دی تھی جب انھیں میر ضیا سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔ سوزن نے بعض بہت ہی اچھے اشعار کہے ہیں جن کو تذکرہ نگاروں نے نقل کیا ہے۔

سومبرے (Sombre):

وہ میرٹھ میں Davy Sombre کے نام سے مشہور تھے اور بیگم سمرو کے متبنیٰ بیٹے تھے جو کہ ۱۸۰۶ء میں بمقام سردھنہ پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم انھوں نے میرٹھ کے ایک مسیحی پروہت Fisher سے حاصل کی۔ اس کے بعد وہ دہلی کالج میں داخل ہوئے جہاں انگریزی اور فارسی میں اچھی مشق بہم پہنچا لی۔ جب بیگم سمرو ملکہ سردھنہ کا انتقال ہو گیا تو سومبرے کو ۵ لاکھ پونڈ ورثے میں ملے۔

وہ ۱۸۳۸ء میں انگلستان گئے اور ۱۸۴۰ء میں Lord Saint Vincent کی بیٹی Mary Anne Jervis سے شادی کر لی۔ ۱۸۴۱ء میں وہ پارلیمنٹ کے ممبر ہوئے لیکن مارچ ۱۸۴۳ء میں ان کا دماغی توازن بگڑ گیا۔ ۱۸۴۹ء میں انھوں نے ایک وصیت نامہ لکھا تھا جسے ۱۸۵۶ء میں ایک جوڈیشل کمیٹی نے

نامنظور کر دیا اس سے پہلے جولائی ۱۸۵۱ءمیں ان کی وفات ہو چکی تھی۔
۱۸۴۳ء اور ۱۸۵۱ء کے درمیانی وقفے میں سو مبرے اکثر پیرس کی سیر کو آتے تھے۔ یہیں ان سے ملاقات ہوئی۔ میں ان سے ہندوستانی میں بات چیت کرتا تھا اور مجھے ان کے اشعار سننے کا موقع بھی نہیں ملا چونکہ وہ ایک شاعر تھے اسی لیے میں نے ان کا ذکر اس جگہ کیا ہے۔

سویدہ- میر رحمت اللہ:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جس کا ذکر ابوالحسن کے ''مسرت افزا'' میں کیا گیا ہے۔

سہرابی- مرزا سہراب بیگ- دہلوی:

وہ مغل خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور شاہ نصیر کے شاگرد تھے۔ ایک ہندوستانی شاعر اور غزل گوئی کے علاوہ رمل یا زائچہ دانی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ شیفتہ نے ان کا ذکر کیا ہے۔

سیاح- میاں داد خان- اورنگ آبادی:

وہ دکن کے ایک شاعر اور عبداللہ خان کے بیٹے ہین جن دنوں وہ مرزا اسداللہ غالب کے شاگرد تھے تو وہ عشاق تخلص کرتے تھے۔ محسن نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔

سیادت- غلام رسول:

وہ مراد آباد کے ایک شیخ ہیں۔ کریم الدین نے شاعر کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے۔

سیادت- میر مجاہد الدین یا نجم الدین- لکھنوی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو نظام الدین ممنوں کے شاگرد تھے۔ قاسم اور سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

سیّد- امام الدین- دہلوی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر علی ابراہیم نے کیا ہے۔

سیّد- آغا- لکھنوی:

وہ مولوی میر محمد کے بیٹے اور صاحب دیوان ہیں۔ محسن نے ان کی ایک طویل غزل نقل کی ہے۔

سیّد- میر امداد علی- لکھنوی:

وہ سیّد حسین کے بیٹے اور بارہ کے سیّد خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے اُستاد نواب منصور خان محو تھے۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

سیّد- میر غالب علی خان:

وہ ایک شاعر ہیں جن کی قاسم نے بڑی تعریف کی ہے اور ان کے متعدد اشعار کو اپنے تذکرہ میں نقل کیا ہے۔ سلطان دہلی نے ان کو سیّد الشعرا کا خطاب دیا تھا جو تقریباً ملک الشعرا کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ کچھ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے غریب کے تخلص کو چھوڑ کر سیّد کا تخلص اختیار کر لیا تھا۔ سیّد، مغل شاہ عالم کے صدر منشی تھے۔ جن دنوں کمال دہلی میں مقیم تھے تو سیّد زندہ تھے۔ ان کا انتقال ۱۸۲۷ء میں ہوا ہے۔

وہ ایک بلند عالم ہونے کے علاوہ ایک اچھے شاعر اور انشا پرداز تھے۔ سرور ان کے بہت ہی گہرے دوست تھے اور ان کا خیال ہے کہ وہ اپنے دور کے ایک ممتاز مصنف تھے۔ انھوں نے سیّد کے کلام کو اپنے تذکرے میں چار صفحات پر نقل کیا ہے۔

سیّد- میر غلام رسول:

وہ مراد آباد کے ایک شیخ اور قاسم اور سرور کے بقول آگرہ کے ایک پیرزادہ تھے۔ ان کا شمار ہندوستانی شعرا میں کیا گیا ہے۔

سیّد- میر یا مرزا قطب الدین علی:

وہ قطب عالم کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ سیّد سکندر آباد میں جو دہلی کے قریب ایک مقام ہے طبابت کیا کرتے تھے۔ وہ شعر وسخن کا ذوق رکھتے تھے اور انھوں نے سرور کے تذکرے کے آخر میں اس کتاب کی تاریخ تصنیف بھی لکھی ہے۔ قاسم کا بیان ہے کہ شروع میں وہ آشنا تخلص کرتے تھے۔

سیّد- میر یادگار علی:

قائم کے بقول وہ ضلع میوات میں بہادر پور میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ ایک فوجی تھے۔ دہلی میں رہتے تھے جہاں شاہ عالم ثانی کے دور میں ریختہ میں اشعار کہتے تھے۔

سیّد- نواب نظام الدولہ سیّد علی خان بہادر دلاور جنگ- لکھنوی:

نواب معتمد الدولہ بہادر ضیغم جنگ کے بیٹے تھے اور لکھنو میں پیدا ہوئے۔ وہ میر علی کے شاگرد ہیں اور انھوں نے دو دیوان تصنیف کیے ہیں۔ محسن نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

سیّد احمد:

سیّد احمد ۱۷۸۲ء میں پیدا ہوئے۔ یہ ایک مشہور مسلمان مصلح اور سیّد احمدی جماعت کے بانی ہیں۔ اس جماعت کو وہابی کہتے ہیں اس لیے کہ ان کے آئین و اصول سیّد احمدی سے ملتے جلتے ہیں۔ سیّد احمد شاہ

عبدالعزیز کے مرید تھے اور ان کی تعلیم و تربیت شاہ صاحب کے بھائی شاہ عبداللہ کی نگرانی میں ہوئی تھی۔ وہ سنی خاندان سے تھے اور اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے ان کی شہرت بہت جلد دہلی کی مسجد اکبر آبادی سے باہر پہنچ گئی۔ ان کے عقیدت مندوں کی تعداد بڑھنے لگی اور حاجی اسمٰعیل اور ان کے ایک عزیز عبدالحیٔ بھی جو کہ شاہ عبدالعزیز کے داماد تھے سیّد احمد کے حلقۂ مریدین میں داخل ہو گئے۔ عقائد کی ان تبدیلیوں کے متعلق بڑی دلچسپ تفصیلات سرسیّد خان کی کتاب ''آثار الصنادید'' میں ملتی ہیں جو کہ ۱۸۵۴ء میں دہلی سے شائع ہوئی ہے۔ بعد ازاں سیّد احمد کی شہرت اور بڑھی اور دہلی میں ان کے شاگردوں کی کثیر تعداد جمع ہو گئی۔ مولانا شاہ عبدالعزیز نے جو کہ سیّد احمد کے پیر و مرشد تھے ان سے اپنے مریدوں کے ہمراہ زیارت کا حکم دیا۔ یہ ۱۸۲۰ء کا زمانہ تھا اور سیّد احمد کی عمر اس وقت ۳۸ سال تھی۔ اس کے بعد وہ اپنے متعدد مریدوں کے ساتھ کلکتہ گئے اور وہاں کئی ہزار ان کے نئے مرید بن گئے۔ کلکتہ سے وہ مکہ کے سفر پر روانہ ہوئے۔ زیارت کعبہ کے بعد وہ استنبول گئے جہاں ان کا بڑا شاندار استقبال ہوا۔ وہاں بھی ان کے بہت سے شاگرد ہو گئے اور نذرانہ کے طور پر انھیں تقریباً دو لاکھ روپے ملے۔ اس طرح وہ تقریباً چھ سال تک ترکی اور عرب کے دورہ سفر پر رہے اور پھر دہلی واپس آ گئے۔ جب وہ ہندوستان واپس آئے تو دوسرے اسلامی ممالک کے مقابلے میں مسلمانان ہند کو مذہبی طور پر بہت زیادہ سست دیکھ کر انھیں بڑا افسوس ہوا۔ یہ دیکھ کر انھوں نے اور ان کے شاگردوں نے اپنے مسلمان بھائیوں کی حالت سدھارنے کا بیڑہ اُٹھایا۔ انھوں نے ہندوستان کے ہر شہر کا دورہ کیا اور مسلمانوں سے ان اثرات کو زائل کرنے کی کوشش کی جو ہندوؤں کے میل جول سے پیدا ہو گئے تھے۔ خاص طور پر حاجی اسمٰعیل دہلی کی مسجد اکبر آبادی میں تبلیغی تقریر کرتے تھے جہاں کہ خود سیّد احمد بھی رہتے تھے۔ اس وقت سے مسلمان ہند دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے وہابی اور مشرک۔

۱۸۲۸ء میں سیّد احمد نے اسمٰعیل اور عبدالحیٔ کے ساتھ جیسلمیر اور سندھ کے راستے سے پشاور کا سفر کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے ساتھ ایک لاکھ آدمی تھے اور انھیں مقامی حکمرانوں کے طور پر اپنے مرید والی ریاست ٹونک سے بڑی مالی امداد ملی۔ ۱۸۲۹ء میں غازیوں کا یہ گروہ پشاور کی سرحدوں پر پہنچ گیا اور سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا۔ بہت سے افغان اور عمر خان خاص طور پر ان کے ساتھ ہو گئے۔ اصلاح پسندوں کا یہ گروہ یوسف زئی کی پہاڑیوں پر پہنچا لیکن پشاور کے حاکم اعلیٰ یار محمد خان نے سیّد احمدیوں کے خلاف سکھوں سے ساز باز کر کے سیّد احمد کو زہر دلوانے کی کوشش کی۔ اس پر سیّد احمدی ناراض ہوئے اور انھوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ لڑائی میں یار محمد خان مارا گیا اور ان کے ہمراہی میدان چھوڑ گئے۔ پھر بھی سیّد

احمدیوں سے پشاور کو خالی کرالیا لیکن جلد ہی سیّد احمدیوں نے دوبارہ پشاور پر قبضہ کرلیا اور سیّد احمد کو اقتدار اعلیٰ تسلیم کرلیا گیا۔ سکوں پر ان کا نام لکھا گیا اور خطبے میں ان کا ذکر کیا جانے لگا لیکن انھوں نے پشاور میں جس قسم کی حکومت کو بروئے کار لانا چاہا، افغانوں نے پسند نہ کیا اور یوسف زئی کے مقام پر سیّد احمد کا تختہ اُلٹ دیا۔ سیّد احمد اور ان کے سردار نے دریائے سندھ کو پار کرکے دھنور کے پہاڑوں میں پناہ لی۔ اس جگہ سکھوں کے ایک قومی فوجی دستہ سے جو کہ شیر سنگھ سردار کی سپہ سالاری میں تھا ۱۸۳۱ء میں ان کا ایک مقابلہ ہوا۔ اس لڑائی میں سیّد احمد مارے گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ رنجیت سنگھ نے سیّد احمد اور ان کے ساتھی اسمٰعیل کو ایک جاگیر اس شرط پر دینا چاہی کہ وہ جہاد سے باز رہیں لیکن انھوں نے انکار کردیا۔ اس جگہ جو تفصیلات دی گئی ہیں ان میں سے زیادہ حصہ میر شہامت علی کے اس مضمون سے ہے جو ''جرنل رویل ایشیاٹک سوسائٹی'' کی جلد ۱۲، صفحہ ۳۱۰ میں شائع ہوا ہے۔

شہامت علی کے بیان کے مطابق یہ مصلحین پھر بھی قابل احترام ہیں۔ سیّد احمدی جماعت ختم نہیں ہوئی بلکہ ہندوستان کے وہابیوں نے حال ہی میں برٹش حکومت کا تختہ اُلٹ دینے کی کوشش کی لیکن اس سازش کی کوئی زیادہ اہمیت نہیں تھی۔

شریف الطبع محمد حسین، مدیر ''دہلی اُردو اخبار'' نے ان کے متعلق اپنے اخبار میں مضمون لکھا ہے۔

رائل ایشیاٹک سوسائٹی میں ہندوستان کے کسی شخص کی اعلیٰ کتب خانے کی فہرست میں ایک کتاب کا ذکر ملتا ہے جس کا عنوان ہے ''پوتھی از حضرت سیّد کلپوی''۔ میرا خیال ہے یہ وہی مصلح سیّد احمد ہیں جن کا ذکر میں کررہا ہوں۔ اس کتاب میں انھوں نے اپنی ہدایات درج کی ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ کتاب ان کے کسی مرید نے مرتب کی ہو جیسا کہ حرف ''از'' سے مترشح ہوتا ہے۔ بہرحال اس میں ان کے اصول و آئین کا ذکر ہوگا۔

میں نے کسی جگہ اپنے مضمون میں طریقۂ محمدیہ کے بانی کا ذکر کیا ہے۔ اس جگہ میں صرف اس قدر یاد دلاؤں گا کہ جو پریس انھوں نے قائم کیا تھا اس سے عربی، اُردو کے قران کے علاوہ بہت سے مذہبی رسالے اور کتابیں اردو اور فارسی سے شائع ہوئی ہیں اور اس کتاب میں میں نے ان کی تصنیفات کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان میں سے سب سے اہم کتاب (۱) ''تقویت الایمان'' ہے جس کا ذکر اسمٰعیل کے بیان میں کیا گیا ہے۔ دوسری کتاب (۲) ''ترغیب جہاد'' اُردو میں ہے، کسی مولوی نے لکھی ہے۔ (۳) ''ہدایت المومنین''، (۴) ''شرح الکبائر''، (۵) ''نصیحت المسلمین''، (۶) ''تنبیہ الغافلین''، (۷) ''حیات المسائل''۔ اس کتاب میں

ان شرعی مسائل کے جوابات ہیں جو دہلی کے شاہی خاندان نے شاہ عبدالعزیز کے پوتے شیخ محمد اسحاق سے کیے تھے۔ مجھے خبر نہیں کہ آخری پانچ کتابیں کس زبان میں ہیں۔

ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں ہندوستانی کتب کی فہرست میں سیّد احمد کے ایک اُردو نثر کے رسالے کا ذکر ملتا ہے۔ اس کا عنوان ''قادری'' ہے جس کا تعلق عبدالقادر گیلانی سے ہے۔ اس رسالے کو ''رسالہ سیّد احمد'' یا ''حجۃ القوی'' کہتے ہیں۔

سیّد احمد خان- بہادر مولوی۔ مراد آبادی:

دور حاضر کے غیر معمولی شخص ہیں۔ ۱۸۴۷ء میں دہلی کے صدر مصنف تھے۔ ۱۸۶۲ء میں صدر امین کی حیثیت سے وہ غازی پور میں مقیم تھے۔ ان کے آباؤ اجداد عرب نژاد تھے لیکن وہ اکبر کے دور میں ہرات سے ہندوستان میں داخل ہوئے اور ہندوستان میں اسی وقت سے اعلیٰ عہدوں پر مامور رہے۔ عالمگیر ثانی کے دور میں سیّد احمد کے دادا کو جواد الدولہ جواد علی خان بہادر کا خطاب ملا اسی کے ساتھ پانچ سو سوار اور ایک ہزار پیادہ دستہ کی سپہ سالاری بخشی گئی۔ یہ خطاب اور منصب سیّد احمد خان کے والد سیّد محمد متقی خان بہادر تک برابر قائم رہا اور آخر میں سیّد احمد خان کو بھی یہی اعزازات ملے۔ سیّد احمد کے نانا دہلی کے آخری بادشاہ کے مشیر اوّل تھے۔

۱۸۵۷ کے غدر کے زمانے میں سیّد احمد بجنور میں تھے لیکن وہ برٹش حکومت کے وفادار رہے۔ اس موضوع پر انھوں نے *An Account of Loyal mohammadans in India* کے عنوان سے خود بھی لکھا ہے۔

سیّد احمد سے مندرجہ ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱- ''کتاب پرکار متناسبہ''۔ دہلی سے چھپی ہے۔

۲- ''آثار الصنادید''۔ یہ دہلی کی قدیم تاریخی عمارتوں کی تاریخ ہے۔ میں نے اس کتاب کے ترجمے ۱۸۶۰ء کے جرنل ایشیاٹک میں شائع کیے ہیں۔ یہ کتاب چھوٹی تقطیع پر ۱۸۴۷ء میں دہلی سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں خاکے بھی دیے ہوئے ہیں۔ اس کا دوسرا ایڈیشن دو جلدوں میں ۱۸۵۴ میں نکلا ہے۔ اس میں تین باب کے علاوہ اختتامیہ ہے۔ پہلے باب میں دہلی کی مختلف حکومتوں کی تاریخ کا خلاصہ ہے۔ دوسرے میں شاہجہان کے تعمیر کردہ دہلی قلعہ اور دہلی کے دوسرے قلعوں کے ساتھ باشندگان دہلی کی تاریخ ہے۔ تیسرے باب میں ان عمارتوں کی تفصیل ہے جو بادشاہوں یا بڑے

آدمیوں نے دہلی میں تعمیر کرائی ہیں۔ اختتامیہ میں اردو یا ہندوستانی کے آغاز و ارتقا پر بحث کی گئی ہے۔ ضمیمے میں ۱۶۹ عمارتوں کے خاکے اور نقشے ہیں جن کی تفصیل پہلی جلد میں دی گئی ہے۔ اس کتاب کو شیخ ظفر علی نے مطبع احمدی سے شائع کیا ہے۔ ورنا کیور ٹرانسلیشن سوسائٹی کی رپورٹ میں ایک کتاب کا ذکر کیا گیا ہے جس میں دہلی کے قدیم تاریخی عمارتوں کا حال ہے اور جس کے مصنف دہلی کالج کے مولوی سیّد محمد ہیں۔ دراصل یہ سیّد احمد کی ''آثار الصنادید'' ہے۔

۳- ''آئین اکبری'' کا ہندوستانی ترجمہ۔ ۱۸۵۷ء میں انھوں نے اس کتاب کی اشاعت دہلی میں شروع کی اور اس میں مختلف مذکورہ چیزوں مثلاً سکے، اسلحے، پودے اور پھلوں کے خاکے اور تصویریں بنائی گئی ہیں اور جن کو ملک کے مشاق فن کاروں نے تیار کیا۔ انسانی چہروں کی تصویریں البتہ صرف ادھوری بنائی گئی تھیں کیونکہ مسلمان مذہبی معاملات میں بڑے سریع الاحساس ہیں۔ یہ کتاب بڑی تقطیع پر جلی قلم میں تھی۔ اس کی قیمت چالیس روپیہ یا چار پونڈ ہونی چاہیے۔

۴- ''قطب الاخبار'' - اس اخبار کا نام بعد کو 'قطب الاخبار و تذکرہ الاشعار و احکام سرکار و تواریخ' تھا۔ یہ اخبار اوّل اوّل محمد امیر نکالتے تھے۔ سیّد احمد اس کے معاون مدیر ہو گئے۔ ساتھ ہی وہ وزیر علی کے ساتھ مطبع قادری کے ڈائریکٹر بھی تھے اور یہیں سے یہ اخبار نکلتا تھا۔ اپنے عنوان کے اعتبار سے اس اخبار میں روزانہ کی خبریں، اشعار کے انتخابات، حکومت کے احکام و قوانین اور پیغمبروں، شہیدوں اور اسلام کی مقدس ہستیوں کا ذکر ہوتا تھا۔

۵- اُردو رسالہ۔ عربی سے اُردو میں *A treatise of Mechanics* کا ترجمہ کیا جس کو کلکتہ اسکول سوسائٹی نے شائع کیا۔

۶- ''تزک جہانگیری'' کا اُردو ترجمہ۔ اس کو ۱۸۶۴ء میں علی گڑھ سے شائع کیا۔ اس میں ۴۶۷ صفحات ہیں۔

۷- ''تفسیر التوریت والانجیل علی ملت الاسلام''۔ یہ انجیل مقدس کی اُردو تفسیر ہے۔ پہلا حصہ ۱۸۶۲ء میں غازی پور سے شائع ہوا جس میں ۲۶۶ صفحے ہیں۔ دوسرا حصہ ۱۸۶۵ء میں چھپا۔ اس میں دو کالم کے ۳۶۸ صفحے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے یہ کتاب نامکمل رہ گئی ہے۔

۸- ''تبیین الکلام فی التفسیر القرآن''۔ یہ قرآن کی ایک تفسیر ہے۔

۹- ''رسالہ ہیضہ''۔ ۱۸۶۸ء میں چھوٹی تقطیع کے ۲۴ صفحے پر شائع ہوا ہے۔

ہیضہ کے متعلق اردو اور ہندی میں متعدد رسالے ہیں۔ ایک رسالہ ۱۸۵۳ء میں الہ آباد میں ''ہیضہ کا علاج'' کے عنوان سے چھپا ہے۔ اس میں ۱۰ صفحے ہیں۔ دوسرا رسالہ اردو اور ہندی میں ''ہیضہ کا گٹکا'' کے نام سے چھپا ہے۔ Sandoman کے ایک رسالے کا بھی اردو ترجمہ ہوا ہے۔

۱۰- *Address to the nations of Hindustan.*

۱۱- ''رسالہ در باب جواز طعام اہل کتاب''۔

سیّد احمد نے اعلان کیا ہے کہ ان کا ارادہ ایک اُردو لغت اور ایک اُردو تذکرہ لکھنے کا ہے۔ وہ اپنے اُردو لغت کا ایک نمونہ شائع بھی کر چکے ہیں۔ ہندوستان سے باہر جانے سے پہلے وہ سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ کی مطبوعات کی اشاعت میں مصروف تھے۔ اس سوسائٹی کے وہ بانی تھے۔ اس وقت بھی وہ اس کے آنریری سیکرٹری ہیں۔

ضیاالدین برنی کی کتاب ''تاریخ فیروز شاہی'' کا حوالہ دوں گا جسے انھوں نے میجر ان لنز کی طرف سے شائع کیا ہے۔ ان کا ایک فارسی خطبہ بھی ہے جس میں انھوں نے حب الوطنی اور علم و ادب کی ترقی پر زور دیا ہے۔ حال ہی میں انھوں نے بڑے اچھے انداز میں ہندوستان کی پسماندہ زبانوں کے مقابلے میں اُردو کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ کیونکہ ہندوؤں نے اُردو دیوناگری رسم الخط میں ہندی کو عدالت کی زبان بنانے کی کوشش کی تھی۔ میں نے ہندوستانی پر اپنے افتتاحی خطبے پر اس بحث کے متعلق بڑی تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

۱۸۶۹ء میں سیّد احمد انگلستان گئے جس جہاز پر وہ سفر کر رہے تھے اس میں کس کارپنٹر بھی تھیں۔ ہندوستان کی عورتوں کی تعلیم کے سلسلے میں وہ جس جوش و خروش سے دلچسپی لے رہی تھیں سیّد احمد اس کے بڑے مداح تھے لیکن وہ ان کے طریقہ کار سے اختلاف رکھتے تھے۔ لندن میں ان کا تعارف شہنشاہ انگلستان سے کرایا گیا اور انھیں ستارۂ ہند (Star of India) کا خطاب ملا۔ دراصل اپنے بہت سے مفید اور اہم کارناموں کی وجہ سے وہ اس خطاب کے مستحق تھے۔

سیّد الدین:

وہ ''تجلیات العین'' کے مصنف ہیں جو وہابیوں کے ایک رسالہ کے جواب میں لکھا گیا ہے جس میں محرم کے مہینہ میں شیعوں کے ماتم کی مذمت کی گئی ہے۔ یہ کتاب لودھیانہ سے ۱۸۶۸ء میں صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

سیّد علی:

وہ ایک ہندوستانی مصنف ہیں جنھوں نے حسب ذیل کتابیں لکھی ہیں:

۱- ''گلشن اخلاق'' جو اخلاقیات کے موضوع پر ایک کتاب ہے۔ اس کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے کتب خانے میں ہے۔

۲- ''رباعیات''۔ اس کتاب کا ایک نسخہ۔ حیدر آباد کے راجہ چندو لال کے کتاب خانے میں ہے۔ ان کی ایک کبت ہندوستانی فارسی مجموعہ میں ہے جس کا ایک نسخہ ایسٹ انڈیا میں ہے۔ فہرست میں اس کا نمبر ۹۰۸ ہے۔

سیّد محمد صاحب- منشی اور مولوی:

وہ دہلی کالج میں منشی کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ انھوں نے حسب ذیل کتابیں لکھیں:

۱- ''انشائے مادھو رام''۔ یہ فارسی سے اُردو میں ترجمہ ہے اور کانپور سے چھوٹی تقطیع پر ۱۲۰ صفحات میں شائع ہوا ہے۔ اس کے ہر صفحے پر ۲۰ سطریں ہیں۔ اور حاشیے میں بھی شرح ہے۔ اس کتاب کے چھ اڈیشن ہیں۔ Zenker نے Bibliotheca Orientalis میں لکھنو کے اڈیشن کا ذکر کیا ہے۔ اس کا دوسرا اڈیشن آگرہ سے شائع ہوا ہے۔ ایک اور اڈیشن دہلی سے ۱۸۴۶ء میں نکلا ہے۔ یہ ایک عمدہ کتاب ہے۔

۲- *Elements of logic.*

۳- *Principles of Mahomedan Criminal Law with the alterations made in the law by the regulations of theGovernor-General Council.*

۴- کتاب بہت ہی عمدہ پیرائے میں لکھی گئی ہے۔ اس کی تصنیف میں دہلی کالج کے چھ طلباء نے حصہ لیا ہے اور محمد صاحب نے ان کے مضامین کی نظر ثانی کی ہے۔ Treguar کا خیال ہے کہ یہ ایک کامیاب ترجمہ ہے۔

۵- *Abstract of the Muhammadan law of inheritance.*

۶- ''سیر اسلام'' :*Story of Mahomedenism*

اس کتاب کے پہلے اور دوسرے حصے کو منشی نور محمد نے، چوتھے اور ساتویں حصے کو رام کشن نے اور پانچویں اور چھٹے حصے کو پتمبر سنگھ نے مرتب کیا ہے۔ موخر الذکر دو حصوں کی مولوی نے نظر ثانی کی ہے۔ مکمل کتاب دہلی سے ۱۸۴۵ء میں شائع ہوئی ہے۔

۷- ''صمصام قادری''- یہ کتاب محمد کی شان میں لکھی گئی ہے اور میرٹھ سے شائع ہوئی ہے۔
۸- ''نجات میت''- اس اُردو رسالے میں شیعہ فرقہ کے مطابق موت کے تجہیز و تکفین کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ آگرہ سے ۱۸۶۸ء میں چھوٹی تقطیع پر ۱۰ صفحات لکھتے ہیں۔

سیر- مرزا محمد عباس:

وہ مرزا بندہ حسن کے بیٹے تھے جو تجمل حسن خان کے گہرے دوست تھے۔ سید ایک شاعر ہیں جو لکھنو میں رہتے تھے جہاں وہ ہدیٰ حسین خان کے شاگرد تھے۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔

سیف- مرزا سیف علی- دہلوی مرحوم:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔

سیف، مرزا محمد حسین:

وہ فارسی مصنف مرزا علی جان اعظم کے بیٹے اور مرزا محمد فاخر دہلوی کے شاگرد تھے۔ ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر محسن نے کیا ہے۔ لکھنؤ میں رہتے تھے اور ایک دیوان کے مالک ہیں۔

سیف، مرزا مغل:

وہ ایک دوسرے ہندوستانی شاعر ہیں لیکن ان کے متعلق میرے پاس کوئی تفصیل نہیں ہے۔

سیف، مولوی میر وارث علی:

وہ فرخ آباد کے قریب نواب گنج میں پیدا ہوئے اور کانپور میں رہتے تھے۔ ان کے والد کا نام بشارت علی تھا اور ناسخ ان کے اُستاد تھے۔ وہ خوش نویس ہونے کے علاوہ ہندوستانی میں اچھے شاعر بھی کہتے تھے۔ جن کو محسن نے اپنے تذکرہ میں نقل کیا ہے۔ انہوں نے نثر میں ایک کتاب لکھی جو حضرت حسن اور حسن کے متعلق ہے اور جس کا نام ''تقریر الشہادتین'' ہے۔ اس کتاب کا اعلان ''اخبار صبح صادق'' کی اشاعت اپریل ۱۸۶۵ء میں شائع ہوا ہے۔

انھوں نے ''روضۃ الشہداء'' کے نام سے مرثیوں کا ایک مجموعہ دکنی بولی میں لکھا ہے اور Herklotts نے اس کتاب کا ذکر اپنی تصنیف ''قانون اسلام'' میں کیا ہے۔ C.Stewart کے مطابق یہ کتاب ۱۶۸۱ء میں لکھی گئی ہے۔ یہ مرثیے محرم کی پہلی دس تاریخوں میں امام باڑوں میں پڑھے جاتے ہیں اور اکثر اس کے اثر سے لوگ آنسو بہایا کرتے ہیں۔ میں نے اس نام کی چند اور کتابوں کا ذکر فیاض کے مضمون میں کیا ہے۔

سیوک:

انھوں نے ''قصہ دراحوال محمد حنیف'' اور ''جنگ نامہ'' کے نام سے دکنی بولی میں ایک کتاب لکھی ہے۔ یہ فارسی کی ایک نقل ہے۔ ایسٹ انڈیا لائبریری کے کتب خانہ میں اس کا ایک قلمی نسخہ تھا۔ اس نسخہ میں تاریخ تالیف نہیں لکھی گئی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ ایک قدیم کتاب ہے۔ نسخ رسم الخط میں ۱۳۰ صفحات ہیں۔

اس موضوع پر ہندوستانی میں چند اور نظمیں بھی موجود ہیں۔ اس سلسلے میں آزاد پر مضمون دیکھیے۔

سخنور۔ لالہ دیوالی سنگھ:

ارجمند رائے جے سنگھ رائے کے بیٹے اور سلطان اکبر شاہ ثانی کے منشی تھے۔ وہ ایک ہندو تھے۔ وہ شاہی سیکرٹریٹ کے منتظم اعلیٰ تھے۔ وہ انشاء پردازی میں مہارت رکھتے تھے اور میر و غالب کے شاگرد تھے۔ کریم اور قاسم نے ان کی بڑی تعریف کی ہے۔ ۱۸۴۷ء میں زندہ تھے۔

شاد:

بدھانہ کے رہنے والے۔ سرور نے صرف ان کا نام درج کیا ہے اور اس قدر بتایا ہے کہ اپنی زندگی کے آخری ایام دکن میں بسر کر رہے تھے۔ انھوں نے ان کے دو اشعار بھی درج کیے ہیں۔ ذکا کے مطابق وہ بھوپال چلے گئے تھے۔

شاد۔ خواجہ سلطان خان:

وہ خواجہ علی خان کے بیٹے اور پٹنہ کے ایک امیر تھے۔ وہ ایک لاکھ روپے کی جائداد رکھنے کے باوجود صوفی ہیں اور اچھے اشعار کہتے ہیں۔ ۱۸۴۷ء میں وہ تقریباً چالیس سال کے تھے۔ انھون نے دو دیوان یادگار چھوڑے ہیں۔

شاد۔ اللہ یار۔ قیاسی:

یہ ہندوستانی شاعر مغل خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور مصحفی کے شاگرد تھے۔ لوگ انھیں الٰہی یار کہتے ہیں لیکن کمال کے بقول ان کا نام رجب بیگ خان ہے۔ کمال کا بیان ہے کہ وہ نواب آصف الدولہ کے وزیر حیدر بیگ خان کے بھتیجے اور جرأت کے شاگرد تھے۔ کمال نے ان کی دو غزلیں نقل کی ہیں۔ بنی نرائن نے بھی شاد کی ایک نظم درج کی ہے۔

شاد۔ راجہ درگاہ پرشاد:

وہ عظیم آباد (پٹنہ) کے رئیس تھے۔ ان کی متعدد غزلیں ''اودھ اخبار'' میں شائع ہوئی ہیں۔ غالباً یہ

وہی شخص ہیں جنھوں نے پنڈت یا منشی نانا درگاہ پرشاد صاحب کے نام Mr. Scarlett کے تعاون سے R. Duct کی کتابوں کا ترجمہ کیا ہے۔

۱۔ ''گنج سوالاتِ قانون دیوانی''۔ یہ کتاب لاہور سے ۱۸۵۸ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی ہے۔ یہ غالبًا وہی کتاب ہے جو لاہور سے ۱۸۶۲ء میں ''گنج سوالات دیوانی'' اور ''Questions on the Civil Code'' کے ناموں سے شائع ہوئی ہے۔

۲۔ ''قواعد اجرائے ڈگریز''۔ یہ لاہور سے ۱۸۶۱ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس کا انگریزی عنوان:
Trentise on the execution of decrees.

شاد۔ رائے دبی پرشاد۔ حیدر آبادی:

فیضی کے شاگرد۔ غالبًا یہ شاعر اور راجہ درگا پرشاد ایک ہی شخص ہیں۔

شاد۔ شیخ فضل علی:

وہ مصحفی کے شاگرد اور صاحب دیوان بھی ہیں۔ محسن نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

شاد۔ سید تفضّل حسین۔ جونپوری:

انھوں نے مندرجہ ذیل کتابیں لکھی ہیں:

۱۔ ''معالجات شافیہ'': یہ اردو کی ایک کتاب ہے جو راجپوتوں کے رسم بچہ کشی کے خلاف لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ ایک میں ۲۳۶ صفحات ہیں اور دوسری ۹۵ صفحات میں ہے۔

۲۔ ''غنچہ صدق'': یہ ایک انگریزی رسالے کا نقل ہے جس میں قرآن اور احادیث سے اقتباس درج کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب کلکتہ سے ۱۸۵۴ء میں ۶۲ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔

شاد دہلی میں تشریف لے گئے تھے۔ جہاں باطن کو ان سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ اور شاد بڑھانوی ایک ہی شخص ہوں۔

شاد۔ شیخ محمد خان۔ لکھنوی:

شیخ وارث علی کے بیٹے تھے۔ فارسی کے لیے ان کے استاد مرزا علی اکبر شیرانی اور ہندی میں ان کے استاد میر کلو عرش تھے۔ محسن نے ان کا ذکر کیا اور ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

شاد۔ میر احمد حسین:

یہ ایک اردو شاعر ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد شمس الدین التمش کے دور میں حجاز سے آئے تھے۔

شاد ۱۸۲۷ء میں شکوہ آباد میں رہتے تھے اور ضلع میرٹھ کی عدالت میں کام کرتے تھے۔ سرور ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے ہیں اور ان کے چند اشعار کو نقل کرتے ہیں۔

شاد۔ میر محمد یار خان۔ بریلوی:

انہیں الہ یار خان سے خلط ملط کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ وہ تورا یار خان کے بیٹے تھے۔ افغانی غوری قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا آبائی وطن قندھار تھا لیکن ان کے آباؤں اجداد وہاں سے منتقل ہو کر میرٹھ چلے آئے تھے جہاں شاد پیدا ہوئے اور تعلیم و تربیت پائی۔ اس کے بعد ایک انگریزی مدرسے میں داخل کردیئے گئے۔ جہاں ۱۲ سال کی عمر سے لے کر ۱۸ سال تک پڑھتے رہے۔ کالج سے فارغ ہو کر وہ بریلی آئے اور یہاں ابتدا میں راد پور کے ڈاک خانے میں ملازمت اختیار کی۔ اس کے بعد وہ فوج میں منشی ہو گئے۔ ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر صرف ۲۴ تھی۔

انھوں نے چند عمدہ اشعار کہے ہیں جنھیں کریم نے اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے۔ انھوں نے عشقیہ اور دوسرے اصناف میں جو شاعری کی ہے اس کا ایک مجموعہ ''نوحۂ بسمل'' کے نام سے کانپور سے ۱۸۵۱ء میں شائع ہوا ہے۔ کریم کے مطابق وہ ایک خوش طبع، قابل اور بلند اخلاق شخص ہیں۔ خیال ہے کہ انھوں نے ''عقائد حق'' کو تصنیف کیا ہے۔ یہ کتاب کلکتہ سے چھوٹی تقطیع میں ۱۲۷۶ھ یا ۱۸۵۹ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں مسلمانوں کے مذہبی فرائض کو بیان کیا گیا ہے۔ اس رسالے کا ایک نسخہ ایسٹ انڈیا آفس کے کتب خانے میں موجود ہے۔

شاداب۔ نانا خوش وقت رائے:

کائستھ تھے اور سرور کے مطابق قائم سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔ وہ ندیا (چاند پور) کے رہنے والے تھے۔ شاداب ایک بہت ہی اچھے انشا پرداز تھے۔ ابراہیم نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

عشق انھیں 'شاذ' اور ابوالحسن 'شاداں' کہتے ہیں۔

شاداں۔ راجہ یا رائے چندو لال آنجہانی مہاراج بہادر:

وہ لکھنؤ کے قریب رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ وہ حفیظ الدین کے شاگرد اور نظام حیدرآباد دکن کے یہاں لیفٹیننٹ تھے۔ وہ اپنی خاندانی شرافت اور اس ادبی خوش مذاقی کے لیے مشہور تھے جو بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ اردو شاعری میں وہ شاداں تخلص کرتے تھے۔ شاداں کے کتب خانے میں ہندی کے چند قلمی نسخے ہیں اور ان میں سے بعض نایاب ہیں۔ ان میں خود ان کی کتابوں کی جلدیں بھی ہیں۔ پہلی جلد کا

عنوان'' اردو دیوان قصائد تصنیف مہاراج بہادر'' اور دوسری کا ''دیوان شاداں'' اور تیسری جلد کا عنوان ''کلیاتِ مہاراج بہادر متخلص بہ شاداں'' ہے۔ نظام حیدر آباد کے انگریز ریذیڈنٹ مسٹر جی۔ اسٹورڈ نے چندو لال کے کتب خانے کی فہرست مجھے بھیجی ہے اور اس کا حوالہ میں نے اکثر جگہ دیا ہے۔ فروری ۱۸۳۹ء میں اردو کا یہ مشہور شاعر نظام حیدر آباد کے وزیر اعظم تھے۔ وہ اس وقت بہت ضعیف، دبلے پتلے تھے اور ڈگمگاتے ہوئے چلتے تھے۔ پھر بھی صورت سے وہ ذہین معلوم ہوتے تھے۔

۱۹/اپریل ۱۸۴۵ء میں انھوں نے وفات پائی۔ تین دن کے بعد ان کی لاش ناروا پل کے نیچے موسی ندی کے کنارے نذر آتش کر دی گئی۔ ان کے جنازے میں بے شمار آدمی شریک تھے۔ اس موقع پر ان کے لڑکے راجہ بالا پرشاد نے ایک لاکھ روپیہ فقیروں میں خیرات کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ نواب کے دل پر ایسے قابل آدمی کی وفات اور جدائی کا بڑا اثر ہوا۔

شاداں۔ قطب الدین علی خان:

وہ ایک دوسرے ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر ابوالحسن نے کیا ہے۔

شاداں۔ نانا بساون لال:

ان کا آبائی وطن پٹنہ تھا لیکن وہ دہلی میں رہتے تھے جہاں مشاعرے میں جایا کرتے تھے۔ سرور اور قاسم کا بیان ہے کہ وہ نہ صرف ایک اچھے شاعر تھے بلکہ انشا میں بھی کافی مہارت رکھتے تھے۔

شاداں۔ میر رجب علی:

یہ شاعر ایک درویش اور بھرنے خان آشفتہ کے شاگرد تھے۔ سرور، مہدی علی خان عاشق کے مشاعروں میں ان سے اکثر ملتے تھے۔

شاعر۔ نانا متھر اداس۔ یا متھن لال:

وہ ایک کائستھ تھے جو موسیقی اور میکانکس (یعنی کل پرزوں کے کام) میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ قاسم انھیں اردو شاعروں میں شمار کرتے ہیں۔

شاعر۔ میر بسم اللہ۔ لکھنوی:

وہ میر نوروز علی کے بیٹے اور کرامت علی خان فرخ کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جس کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔

شاعر۔ میر کمال الدین حسین:

میر گلو یا گلو۔ ان کے والد کا نام نصیر الدین رنج تھا جو میر درد کے پوتے ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے کمال الدین کو میر نصیر پرست بھی کہتے ہیں۔ انھوں نے ہندوستانی میں ایک دیوان تصنیف کیا ہے جس کا ذکر قاسم اپنے تذکرے میں کرتے ہیں۔ وہ دہلی کے رہنے والے تھے اور اپنی ذہنی صلاحیت کے لیے شاہ عالم ثانی کے عہد کے شعرا میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ تذکرہ نویسوں نے ان کے اشعار کے چند نمونے پیش کیے ہیں۔ عشقی کے تذکرے کی تصنیف سے پہلے ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

شاعر۔ اشرف حسین لکھنوی:

وہ لکھنو میں پیدا ہوئے اور کانپور میں رہتے تھے۔ وہ اپنے والد کاشف علی کاشف سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کے اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

شاکر:

کریم نے میر یا شاہ شاکر علی دہلوی کو ایک دوسرے ہم نام شاعر سے مختلف بتایا ہے جو دہلی کے رہنے والے تھے۔ وہ صوفی و شاعر تھے لیکن دوسرے دہلوی شاعر کے متعلق انھوں نے اس سے زیادہ کچھ نہیں بتایا ہے کہ وہ عطر فروشی کا پیشہ رکھتے تھے جس طرح مشہور فارسی شاعر فرید الدین تھے۔

شاکر عبدالرحمٰن خان کے شاگرد تھے اور ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر تقریباً ۳۵ سال تھی۔ کریم کے مشاعروں میں جایا کرتے تھے اور اپنے اشعار سنایا کرتے۔ کریم نے ان کے چند نمونے اپنے تذکرے ''طبقات'' میں پیش کیے ہیں۔

قاسم کے مطابق شاہ محمد عظیم کے زمانے میں شاکر نے جلال الدین رومی کی مثنوی کا مطالعہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے دوسری صوفیانہ کتابیں بھی پڑھی تھیں۔

شاگرد۔ شاہ شاگرد علی:

وہ دہلی کے ایک درویش تھے۔ شیفتہ نے ہندوستانی شاعر کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے۔

شاگرد۔ محمد:

وہ مشہور مصنف محمد علی حشمت کے دوست و شاگرد تھے اور زیادہ تر مثلث نما نظمیں لکھتے تھے۔

شام سروپ:

وہ فقہ کے ماہنامہ اخبار ''گنجینہ احکام'' کے مدیر ہیں۔ یہ اردو میں ہے اور مراد آباد سے ''خورشید ہند''

کے مطبع سے شائع ہوتا ہے۔

شاہ۔ احمد شطاری:

انھوں نے مشتاق کے بوستان کے ہندوستانی ترجمے پر ایک تاریخ لکھی ہے۔

شاہ۔ سعد اللہ:

وہ ایک درویش تھے اور ہندوستانی شاعری میں میر درد سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔ شاہ پٹنہ میں رہتے تھے اور عشق علی کے نام سے بھی مشہور تھے۔ ان کے پیرومرشد کا نام شاہ کریم اللہ تھا۔ یہ شاہ ارز ان کے جانشین تھے او ربلیا کے قریب ضلع سارن میں اپنا تکیہ رکھتے تھے۔ قاسم اور سرور نے اُن کے اشعار کی تعریف کی ہے۔ اُن کا انتقال سرور کے تذکرہ لکھنے سے پہلے ہو چکا تھا۔

شاہ۔ میر شاہ علی خان۔ دہلوی:

وہ ایک حسین نوجوان شاعر تھے لیکن ابتدا میں ان کی مالی حالت بہت ہی سقیم تھی۔ جوانی میں وہ مرشد آباد تشریف لے گئے جہاں انھیں ایک اچھی ملازمت مل گئی۔ لیکن سراج الدولہ کی شکست کے بعد وہ مرشد آباد سے لکھنو چلے گئے اور لکھنؤ سے نواب عالی جاہ میر محمد قاسم خان کے دور حکومت میں پٹنہ پہنچے۔ یہاں وہ نواب کے دربار سے منسلک ہو گئے تھے۔ بعد میں وہ دکن تشریف لے گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔

شاہی۔ شاہ قلی خان۔ دکھنی:

وہ حیدر آباد میں رہتے تھے اور تانا شاہ کے ایک عہدہ دار تھے۔ انھوں نے زیادہ تر مرثیے لکھے ہیں اور ان کا شمار قدیم شعرا میں کیا جاتا ہے۔ نواب اودھ آصف الدولہ کے کتب خانے میں ان کی غزلوں اور قصیدوں کا ایک انتخاب تھا جس کا عنوان ''قصیدہ وغزلیات حضرت شاہی در زبان ہندی'' ہے۔

شاہی۔ شاہزادہ مرزا میر الدین بہادر:

وہ دہلی میں پیدا ہوئے اور لکھنؤ میں رہتے تھے۔ ان کے والد مرزا جواں بخت، مرزا سلیمان شکوہ کے بیٹے تھے۔ شاہی، خواجہ حیدر علی آتش اور نواب عاشور علی خان بہادر سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ انھوں نے ایک دیوان یادگار چھوڑا ہے جن کی ایک غزل محسن نے اپنے تذکرے میں درج کی ہے۔

شائق۔ خواجہ فیض الدین یا حیدر جان:

خواجہ خلیل الدین کے بیٹے۔ وہ ڈھاکا میں پیدا ہوئے اور دہلی میں رہتے تھے جہاں اسد اللہ خان غالب سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ وہ ہندوستانی میں اشعار کہتے تھے جس کا نمونہ محسن نے اپنے تذکرے میں پیش کیا ہے۔

شائق۔ رائے امیر سنگھ:

وہ ایک شاعر ہیں جن کا ذکر ''مسرت افزا'' میں کیا گیا ہے۔

شائق۔ لالہ فتح چند۔ لکھنوی:

وہ کائستھ اور بستی رام کے بیٹے تھے۔ ان کے استاد ناسخ تھے۔ وہ ایک دیوان کے مالک ہیں جس کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔

شائق۔ محمد ہاشم:

وہ پیشہ کے اعتبار سے درزی تھے اور شاعری میں میر عزت اللہ عشق سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔ ان کے اشعار خاصے اچھے ہیں لیکن ان کے مرثیے زیادہ کامیاب ہیں۔ وہ ۱۲۵۰ھ/۵۔۱۸۳۴ء میں زندہ تھے۔ قاسم نے ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔

شائق۔ مولوی نصیرالدین حسن قریشی۔ دہلوی:

غلام محی الدین کے بیٹے تھے۔ سرور انھیں رونی کہتے ہیں اور عشق اویسی کہتے ہیں۔ انھوں نے ہندوستانی میں فارسی زبان کا ایک قواعد تصنیف کیا ہے۔ اس کتاب کا نام ''مصدر فیوض'' اور اسی سے اس کتاب کی تاریخ تالیف (۱۸۱۵/۱۲۳۰) بھی نکلتی ہے۔ مصنف نے اس کتاب کے دیباچے میں بیان کیا ہے کہ اس کتاب کو بریلی کے ان باشندوں کے لیے تصنیف کیا گیا ہے جو فارسی زبان سیکھنا چاہتے ہیں اور ان کے مطابق اس رسالے کو محمد ذوالفقار خان کے بیٹے، نواب احمد یار خان کی سرپرستی میں شائع کیا گیا ہے۔ میرے پاس اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ ہے جسے مہا کرشن بہادر نے پیش کیا تھا۔ اس کتاب کو سید محمد علی ساکن نے مہاراجہ بہادر کے لیے نقل کیا اور یہ کتاب ۲۸ اساڑھ، ۱۲۴۴ھ مطابق جولائی ۱۸۲۹ء میں مکمل ہوئی تھی۔

اس کتاب کے شروع میں حمد و نعتیہ نظمیں ہیں۔ اس کے بعد دیباچہ اور تین ابواب ہیں اور آخر میں ایک ضمیمہ بھی شامل ہے۔ اس میں ۲۳۴ صفحات ہیں۔ میرے پاس اس کا ایک دوسرا ایڈیشن بھی ہے جو دہلی سے ۱۸۶۵ء میں ۸۰ صفحات پر شائع ہوا ہے۔ اس کے چند اور ایڈیشن ہیں، ایک کانپور سے ۱۸۵۱ء میں اور دوسرا مصطفیٰ خان کے زیر اہتمام لکھنو سے شائع ہوا ہے۔

میرا خیال ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جسے اجودیا پرشاد نے لاہور سے ۱۸۶۵ء میں نظم و نثر میں شائع کیا ہے اور جس میں ۱۱۶ صفحات ہیں۔

شایق نے علم ہندسہ پر ایک رسالہ بھی تصنیف کیا ہے۔ سرور نے شایق کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ ایک زندہ دل اور خوش اخلاق شاعر تھے۔ کریم کا بیان ہے کہ انھوں نے علمِ عروض اور اصولِ بحر پر ایک منظوم رسالہ لکھا جس کی خصوصیات یہ ہیں کہ پہلے مصرعے میں عروض کے اور دوسرے مصرعے میں بحر کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔ اس رسالہ کا عنوان ''یک بیت'' ہے اور یہ کتاب فارسی زبان میں لکھی گئی ہے کیونکہ مصنف عام طور پر فارسی زبان میں تصنیف کیا کرتے تھے۔

شائق۔ میاں پیر محمد:

قاسم کے مطابق ان کا نام میر محمد ہے۔ وہ ایک ممتاز اردو شاعر ہیں جو ابتدا میں میاں ہاشمی کے شاگرد تھے اور بعد میں قلندر بخش جرأت سے مشورۂ سخن کرنے لگے۔ بنی نرائن نے ان کی ایک عشقیہ غزل نقل کی ہے۔ کمال جو انھیں شیخ پیر بخش شائق کہتے ہیں، ان کا بیان ہے کہ وہ حیدرآباد میں پیدا ہوئے تھے۔ بہرحال میرا خیال ہے کہ وہ لکھنو میں رہتے تھے کیونکہ کمال نے اس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ شائق آصف الدولہ کے یہاں معتمد کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ کمال جو ان کے گہرے دوست تھے ان کی ذہنی اور اخلاقی خوبیوں کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔

شائق۔ میر حاجی دہلوی:

وہ ایک ہم عصر اردو شاعر اور ہدایت علی کیفی کے شاگرد ہیں۔ سرور کا بیان ہے کہ وہ علم نجوم سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ منولال نے ان کا ایک شعر نقل کیا ہے۔

شائق۔ میر قمر علی:

پٹنہ کے رہنے والے تھے۔ شورش نے ہندوستانی شاعر کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے۔

شایاں۔ کنہیا لال:

وہ ایک ہم عصر شاعر ہیں جن کی ایک غزل ۳ راگست ۱۸۶۹ء کے ''اودھ اخبار'' میں درج کی گئی ہے۔

شایاں۔ منشی طوطا رام:

وہ دورِ حاضر کے شاعر ہیں جن کی چند غزلیں ''اودھ اخبار'' میں شائع ہوئی ہیں۔ انھوں نے 'الف لیلہ' کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ جسے ''ہزار داستان'' کہتے ہیں اور اس ترجمہ کی وجہ سے خاص طور پر مشہور ہیں۔ یہ کتاب لکھنؤ سے ۱۸۶۷ء میں ۴ جلدوں میں بڑی تقطیع پر شائع ہوئی ہے اور اس میں علی الترتیب ۳۰۴۔ ۳۲۰۔ ۲۳۲۔ ۲۲۴ صفحات ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے ''الف لیلہ'' کا ایک منظوم ترجمہ کیا ہے جس کا نام

''الف لیلہ نو منظوم'' ہے۔

Kempson، جو صوبہ شمال مغربی کے محکمۂ تعلیمات کے ڈائریکٹر ہیں، انھوں نے اس کتاب کا ذکر فروری ۱۸۶۸ء کی رپورٹ میں کیا ہے۔ ۷ ستمبر ۱۸۶۹ء کے ''اودھ اخبار'' میں اس کتاب کے ایڈیشن کا اعلان شائع ہوا ہے جو ۴ جلدوں میں ہے اور جس کے تمام اشعار ''شاہ نامہ'' کی طرح بحر بسیط میں ہیں۔

اس کے علاوہ انھوں نے ''داستان امیر حمزہ'' کو بھی اردو میں منظوم کیا ہے۔ ان کا ایک واسوخت ''واسوخت سلیمان'' کے نام سے لکھنؤ سے شائع ہوا ہے اور اس کا اس ذکر جنوری ۱۸۶۹ء کی فہرست کتب میں ہے جسے نول کشور نے شائع کیا ہے۔

شجاعت۔ شیخ بہادر علی۔ لکھنوی:

وہ شیخ فتح علی (شیخ مداری) کے بیٹے اور ناصر کے شاگرد تھے۔ وہ صاحب دل ہیں جن کے اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔

شجاعت علی۔ مولوی:

انھوں نے ''اثبات الاعجاز'' کے نام سے ایک نظم تصنیف کی ہے جو دہلی سے ۱۸۵۰ء میں شائع ہوئی ہے۔

شجاع۔ نواب شجاع قلی خان:

وہ نواب منیر الدولہ نادر جنگ کے بیٹے تھے۔ جن دنوں شورش اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو وہ پٹنہ میں مغل پورہ میں رہتے تھے۔

شرافت۔ مرزا اور منشی اشرف علی۔ لکھنوی:

وہ مشہور امیر شرف یا مشرف کے پوتے اور میر نظام الدین ممنون کے شاگرد تھے۔ شرافت نے اپنے تذکرے میں انھیں اردو شعراء میں شمار کیا ہے۔ وہ دہلی کالج میں پروفیسر تھے اور کریم الدین ان کی صلاحیتوں کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔ انھوں نے محمد حسین کی فارسی کتاب ''تاریخ کشمیر'' کا اردو میں ایک بہت ہی عمدہ ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ نثر میں ہے لیکن جا بجا اس میں اشعار درج ہیں۔ اس کے چھ ایڈیشن دہلی سے نکلے ہیں۔ میرے پاس ۱۸۴۶ء کا ایک ایڈیشن ہے جس میں ۳۵۷ صفحات ہیں۔ شرافت نے رسالہ ''اصول حساب'' کی تصنیف میں بابو پردیو سنگھم کی مدد کی ہے۔ وہ ۱۸۴۷ء میں بقید حیات تھے۔

شور۔ عبدالغفور خان:

وہ دہلی میں پیدا ہوئے اور ضلع بندیا کھنڈ کے تحصیل دار تھے۔ ان کے والد میر محمد خان تھے اور ان کے

دادا کا نام شاہ محمد خان کابلی تھا۔ وہ ایک شاعر تھے جو رامپور میں رہتے تھے اور جن کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔

شرر۔ مرزا ابراہیم بیگ۔ لکھنوی:

وہ ایک ممتاز ہندوستانی شاعر ہیں جو شیفتہ کے مطابق حسین خان نوازش کے شاگرد تھے۔ وہ فارسی میں بھی تصنیف کرتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ مصحفی نے اپنے فارسی شعرا کے تذکرے میں ان کا ذکر کیا ہے۔ موخرالذکر نے اردو شعرا کے تذکرے میں شور کا صرف نام تحریر کیا ہے اور ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ W. Price نے شرر کی دو غزلیں نقل کی ہیں جو ہندوستان میں بہت مقبول ہیں۔ یہ غزل دستیاب نہ ہو سکی۔ (مترجم)

شرر۔ مرزا آغا حسین:

وہ فیض آباد میں پیدا ہوئے اور لکھنؤ میں رہتے تھے۔ ان کے والد آغا محمد تھے اور ان کے استاد کا نام خواجہ حیدر علی آتش تھا۔ انھوں نے ایک دیوان تصنیف کیا ہے جس کی کچھ غزلیں محسن نے اپنے تذکرہ میں نقل کی ہیں۔

شرر۔ مرزا جعفر:

ممکن ہے کہ یہ شرر اور مرزا صادق جعفر ایک ہی شخص ہیں کیونکہ امام جعفر صادق بھی کہلاتے تھے اور بہت ممکن ہے کہ شرر کا نام بھی جعفر صادق ہو۔ وہ مرزا محمد کے چھوٹے بھائی تھے اور پیشہ کے طور پر سپاہی تھے۔ ابتدا میں وہ دہلی میں قیام کرتے تھے اس کے بعد حیدرآباد چلے گئے جہاں ان کا انتقال ہوا ہے۔ لیکن سرور کا بیان ہے کہ وہ وہیں فوت ہوئے ہیں۔

شرر۔ مرزا صادق علی:

مرزا جعفر علی فصیح کے بیٹے۔ وہ ایک شاعر تھے۔ جن کے اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔ شیفتہ کے مطابق ان کا نام صرف مرزا صادق تھا اور وہ ایک درویش تھے۔

شرر۔ مرزا غیاث الدین:

کریم کے مطابق وہ ایک شاہزادہ تھے جو شاعری، موسیقی اور رقص سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے اور ریختہ اشعار بھی کہتے تھے۔ ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر تقریباً ۳۰ سال تھی۔

شرف:

سرور کے مطابق وہ عالم گیر ثانی کے دور میں رہتے تھے اور جن دنوں سرور اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو وہ انتقال کر چکے تھے۔

شرف۔ اشرف علی:

وہ مصطفیٰ آباد کے رہنے والے تھے جو لکھنؤ کے قریب ہے اور کسمنڈی کے نام سے بھی مشہور ہے۔ ان کے والد کا نام شیخ مظہر علی تھا اور ان کے استاد سید علی خان نسیم دہلوی تھے۔ اشرف ایک خوش نویس ہونے کے علاوہ شاعر بھی تھے۔ انھوں نے ایک دیوان تصنیف کیا ہے جس سے محسن نے چند غزلیں اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔

شرف۔ دکنی:

حیدرآباد کے رہنے والے تھے۔ ان کی ایک غزل خاص طور پر مقبول عام ہے جسے عوام گایا کرتے ہیں۔

شرف۔ سید سیادت حسین یا آغا حاجی:

وہ مران صاحب (سید محمد) کے بیٹے اور آتش کے شاگرد تھے۔ ان کے آباؤ اجداد مشہد کے رہنے والے تھے لیکن وہ لکھنو میں پیدا ہوئے۔ محسن نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کی چند غزلیں بھی نقل کی ہیں۔

شرف۔ شیخ شرف الدین حسین:

قاسم کے مطابق ان کا نام شرف الدین حسن ہے۔ ان کا تخلص شرف تھا کیونکہ وہ درگاہ قدم شریف کے قریب پیدا ہوئے تھے۔ وہ ضلع کانپور میں تھانیدار تھے اور آگرہ کے قریب علی گڑھ میں رہتے تھے۔ انھوں نے ایک دیوان مرتب کیا ہے۔ وہ خاص طور پر سلام، مرثیہ اور منقبت میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ کمال جو ان سے واقف تھے ان کے چند اشعار نقل کرتے ہیں اور ان کا بیان ہے کہ وہ سودا کے شاگرد تھے۔ محسن کے مطابق ان کے استاد کا نام رشک تھا۔ محسن نے ان کے دیوان سے چند غزلیں بھی نقل کی ہیں۔

شرف۔ مرزا شرف الدین بیگ۔ لکھنوی:

وہ ایک ممتاز شاعر ہیں جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔ سرور نے اس تخلص کے دو اور شاعروں کا ذکر کیا ہے لیکن ان کے پورے نام نہیں بتائے ہیں۔

شرف۔ میر مہدی:

وہ سید جعفر خان کے بیٹے اور مرشد آباد کے گورنر تھے۔ شیفتہ اور کریم نے ان کا ذکر کیا ہے۔

شرف۔ میر محمد یا محمدی:

وہ نواب خان دوران کے بھتیجے اور ایک صوفی شاعر تھے۔ قاسم ان سے واقف تھے۔ اور جن دنوں وہ اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو شرف کا انتقال ہو چکا تھا۔

شرف۔ نواب سرفراز الدولہ مرزا ابو طالب خان بہادر۔ لکھنوی:

وہ نواب منیر الدولہ ابوالحسن خان کے بیٹے اور محمد علی شاہ بادشاہ کے نواسے تھے۔ وہ ایک صاحب دیوان ہیں جن کے اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔

شرق۔ میر اور سید غلام عباس۔ لکھنوی:

وہ سید میر غلام رضا کے بیٹے اور میر وزیر صبا کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ایک دیوان یادگار چھوڑا ہے جس کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرہ میں درج کی ہیں۔

شرم۔ جناب شمس النسا بیگم صاحبہ:

وہ ڈاکٹر قمر الدین کی بیٹی تھی اور بنارس میں پیدا ہوئیں اور غدر سے پہلے لکھنو میں رہتی تھی۔ ان کے استاد کا نام خواجہ وزیر لکھنوی تھا۔ انھوں نے ہندوستانی میں ایک دیوان تصنیف کیا ہے جس سے چند نمونے سراپا سخن میں پیش کیے گئے ہیں۔ ان کی ایک غزل ۲۵ دسمبر ۱۸۶۸ء کے ''پنجابی اخبار'' میں شائع ہوئی ہے۔

پہلے ثابت کریں اس وحشی کی تقصیریں دو
کیوں مرے پاوں میں پہناتے ہیں زنجیریں دو

دونوں زلفوں کا مری آیا جو وحشت میں خیال
پڑ گئیں پاؤں میں میری وہی زنجیریں دو

کہا قاصد نے کہ لایا ہوں میں پیغامِ وصال
آج خلعت مجھے پہناؤ کہ جاگیریں دو

درد دل دور ہوا سینہ سوزش بھی گئی
سیرت وصل میں تیرے ہیں یہ تاثیریں دو

یا بہانے سے بلائیں اسے یا خط ہی لکھیں
شرم کیا خوب یہ سوجھیں ہمیں تدبیریں دو

''تذکرہ شاعراتِ اُردو'' ص ۱۹۵

شری یا اشری سہائی۔ پنڈت:

وہ چمن لال کے ساتھ میرٹھ کے اردو اخبار ''جان جہاں نما'' کے مدیر ہیں۔

شری یا سری پرشاد۔ منشی اور پنڈت:

وہ دہلی کے اردو اخبار ''صدر الاخبار ونتائج الافکار'' کے مدیر ہیں۔ مندرجہ ذیل دو کتاب بیں لکھی ہیں:

۱۔ ''جبر و مقابلہ'' یہ میرٹھ سے ۱۸۶۶ء میں بڑی تقطیع پر شائع ہوا ہے۔
۲۔ ''جغرافیہ عالم'' یہ کتاب اردو میں ہے اور الہ آباد سے دو جلدوں میں ۱۸۶۶ء اور ۱۸۶۷ء میں شائع ہوئی ہے۔ پہلی جلد کا ایک دوسرا اڈیشن ۱۸۶۸ء چھپا ہے۔

شری داس۔ بابو:

وہ دورِ حاضر کے ہندو مصنف ہیں جنھوں نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ ان کی مندرجہ ذیل تصنیفات ہیں:

۱۔ ''صفات رب العالمین''۔ آگرہ سے شائع ہوئی ہے۔
۲۔ ''سفر نامہ انگلستان و امریکہ'' الہ آباد سے ۹۲ صفحات میں شائع ہوا ہے۔ (Zenker-"Bibliotheca Orientalis)
۳۔ انھوں نے شادیوں کے موقع پر فضول خرچی کے خلاف ایک رسالہ لکھا ہے اور اس سلسلے میں بریلی کی بلدیہ نے انھیں انعام کا مستحق قرار دیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس کتاب کا نام ''امتناع اسراف شادی'' ہے۔

شرر۔ احمد جان۔ دہلوی:

کریم نے اپنے تذکرے میں ان کا ذکر کیا ہے۔ دوسری تصنیفات کے علاوہ انھوں نے نظیر کے ''بنجارا نامہ'' اور ''جوگن نامہ'' پر مخمس لکھے ہیں۔ موخر الذکر مخمس لکھنو کے مصطفائی پریس سے ۱۲۶۸ھ/۲/۔۱۸۵۱ء میں ۸صفحات پر شائع ہوا ہے۔

شریف۔ مرزا محمد:

وہ ابتدا میں ہندو کھتری تھے لیکن بعد میں حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ ان کے والد کا نام نانا دولت رام تھا۔ شریف نے خیال اور مرثیے لکھے ہیں۔ ذکا کے مطابق انھیں عام طور پر نانا شریف بیگ بھی کہتے تھے۔ ممکن ہے کہ یہ وہی شاعر ہیں جن کا تذکرہ مرزا محمد بیگ شریف کے نام سے کیا گیا ہے لیکن بلاشبہ یہ مرزا شریف بیگ ہیں جن کا شیفتہ نے ذکر کیا ہے۔

شریف۔ مرزا محمد بیگ:

وہ مرزا فیض کے بیٹے اور مشہور صوفی تھے۔ انھوں نے ''فصوص الحکم'' پر شرح لکھنے کے علاوہ ہندوستانی میں اشعار بھی کہے ہیں۔ وہ محب اللہ کے شاگرد تھے اور دہلی میں رہتے تھے لیکن قاسم کے تذکرے کی تصنیف

سے چند سال پہلے وہاں سے کسی دوسری جگہ منتقل ہو گئے تھے۔ قاسم نے ان کی بڑی تعریف کی ہے اور ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

شریف۔ مولوی:

وہ ''ابطال تقویت الایمان'' کے مصنف ہیں۔ یہ کتاب محمد اسمٰعیل کے رسالہ کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ انگریزی حکومت نے ۱۸۵۷ء میں سقوط دہلی کے بعد اس کا ایک نسخہ خریدا تھا۔ فہرست میں اس کا نمبر ۱۰۸۸ء ہے۔

شریف حسین۔ سیّد:

انھوں نے شیعہ فرقہ کے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ''رسالہ خمس'' ہے۔ یہ کتاب لدھیانہ سے ۱۸۶۳ء میں ۵۶ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔

شعار۔ احمد۔ رامپوری:

وہ رؤف احمد رؤف کے والد تھے۔ قاسم ان کو ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے ہیں۔

شعاری:

بعض تذکرہ نگاروں کے مطابق وہ جوالا پور کے رہنے والے تھے اور بعض دوسرے انھیں چاند پوری کہتے ہیں۔ ذکا، شورش اور باطن ان کو ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے ہیں۔

شعاع:

بیان کیا جاتا ہے کہ ''شاع'' شاہ عالم ثانی کے جانشین سلطان محمد اکبر ثانی کے کا تخلص ہے۔ ان کے والد آفتاب تخلص رکھتے تھے۔ قاسم نے ان کی بڑی تعریف کی ہے اور ان کے اشعار کا ایک نمونہ بھی پیش کیا ہے۔

شعلہ۔ پنڈت امرناتھ:

ان کا آبائی وطن کشمیر تھا لیکن وہ لکھنو میں پیدا ہوئے تھے۔ سرور نے اپنے تذکرے میں ان کا ایک ہندوستانی شاعر کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔ ۱۸۵۹ء میں وہ پنجاب کے صدر عدالت میں مترجم کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ انھوں نے لاہور سے حکومت کے سرکلرات کو اردو میں شائع کیا ہے۔

شعور۔ شیخ عبدالروف:

حسن رضا کے بیٹے۔ انھیں 'بستی میاں' بھی کہتے ہیں۔ وہ بلگرام میں پیدا ہوئے اور لکھنؤ میں رہتے تھے۔ وہ ایک ہمدرد شاعر ہیں لیکن ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ مصحفی ان کے استاد تھے۔ انھوں نے ایک دیوان

مرتب کیا ہے جس کے چند اقتباسات سرور اور محسن نے اپنے تذکروں میں نقل کیے ہیں۔

شعور۔ میاں شعور احمد۔ رامپوری:

وہ میاں رؤف احمد رافت کے والد ہیں۔ قاسم نے ان کا اور ان کے بیٹے کا ذکر کیا ہے۔

شعوری:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو گوالیار میں پیدا ہوئے۔ لیکنسر ور جوالا پور لکھتے ہیں۔ سرور انھیں قدیم شعرا میں شمار کرتے ہیں۔ میر نے ان کا ایک شعر نقل کیا ہے:

برسات میں نہ دیکھا نظر بھر کر آفتاب
روشن ہے یہ کہ عاشق ہوا تجھ پر آفتاب

شاغل۔ دہلوی:

وہ اردو اور فارسی کے شاعر ہیں اور قائم اور شورش کے مطابق بسمل سے شرف تلمذ رکھتے تھے لیکن ان کا خیال ہے کہ فنِ شاعری میں شاغل نے اپنے استاد سے زیادہ کمال حاصل کیا تھا۔ وہ میر تقی میر سے بھی بعض اوقات مشورہ سخن کرتے تھے۔ میر اور فتح علی حسینی نے ان کا ایک شعر نقل کیا ہے:

جاتی نہیں ہے اُس سے تری فکرِ زُلف و رُخ
شاغل کو روز و شب ہے ترا ذکر زلف و رخ

''نکات الشعرا''۔ ص ۱۰۱

شفا۔ حکیم محمد حسن خان۔ دہلوی:

جن دنوں ذکا اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے (۱۸۳۲ء) تو وہ ایک نوجوان شاعر تھے۔ انھوں نے ریختہ میں اشعار کہے ہیں اور اسی وجہ سے انھیں حکیم یار علی شفا سے خلط ملط کرنا مناسب نہیں ہوگا۔

شفا۔ حکیم یار علی۔ دہلوی:

وہ ولی اور محمد حشمت کے ہم عصر تھے۔ علی ابراہیم اور محسن ان کے متعلق اس سے زیادہ تفصیل نہیں دیتے۔ محسن نے ان کا صرف ایک شعر نقل کیا ہے۔

شفا۔ مرزا کریم بیگ۔ لکھنوی:

وہ مرزا نور علی بیگ اور فتح الدولہ مرزا محمد رضا برق کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ایک ہندوستانی دیوان مرتب کیا ہے جس سے محسن نے کچھ اشعار نقل کیے ہیں۔

شفق۔ مرزا علی جان۔ لکھنوی:

وہ مرزا جان کے بیٹے اور شیخ امداد علی بحر کے ممتاز شاگرد تھے۔ انھوں نے ایک دیوان تصنیف کیا ہے جس کی چند غزلیں محسن نے نقل کی ہیں۔

شفق۔ نواب مرزا انور الدولہ نواب سعید الملک محمد سعید الدین خان بہادر صولت جنگ:

ضلع کالپی میں انورا کے رہنے والے تھے اور عرف عام میں ''منجھلے صاحب'' کہلاتے تھے۔ وہ نواب احمد بخش خان بیتاب (میر منو کے بیٹے) اور نواب غازی الدین خان کے لڑکے عماد یا امیر الملک کے دوست تھے۔ موخر الذکر ضلع کالپی میں باؤنی کے نواب تھے۔ ان کے استاد کا نام امجد علی قلق تھا۔

وہ صاحب دیوان ہیں جس سے چند اشعار محسن اور شیفتہ نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے ''شعلہ جان سوز'' کے نام سے ایک مثنوی بھی لکھی ہے۔ یہ مثنوی کانپور سے ۱۲۷۰ھ/ ۲۔۱۸۵۳ء میں فقیر الزمن کے مطبع سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں ۴۴ صفحات ہیں اور ہر صفحہ میں ۱۷ سطریں ہیں۔

شفیع۔ امین الدین۔ دہلوی:

وہ ایک اردو شاعر تھے اور جن دنوں علی ابراہیم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو وہ پٹنہ میں بڑی عسرت کی زندگی بسر کر رہے تھے جیسا کہ Petraigue نے بیان کیا "Povera a nuda vai, filosofia" دنیا کے مختلف ممالک میں اہل قلم وادیب اکثر معاشی مشکلات میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔ علی ابراہیم نے اس غریب شاعر کا صرف ایک شعر نقل کیا ہے۔ عشقی کے مطابق وہ ۱۱۹۸ھ/ ۲۔۱۷۸۳ء میں فوت ہوئے۔

شفیع۔ میر محمد:

وہ مرزا محمد رفیع سودا اور محمد تقی میر کے دوست تھے۔ جن دنوں میں علی ابراہیم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو وہ لکھنو میں قیام کرتے تھے۔ شفیع کے مذہبی خیالات کافی حد تک آزاد و ترقی پسند تھے۔ انھوں نے کافی اچھے اشعار کہے ہیں اور علی ابراہیم نے ان کا ایک نمونہ بھی پیش کیا ہے۔

شفیع۔ مرزا محمد:

وہ کراچی کے فارسی اردو اخبار ''مطلع خورشید'' کے مضمون نگار ہیں۔ اس کے علاوہ وہ مطبع ''مفرح القلوب'' کے ناظم بھی ہیں جہاں سے مذکورہ بالا اخبار شائع ہوتا ہے۔ یہ نام ''ہتوپدیش'' کے فارسی ترجمہ کے عنوان سے اخذ کیا گیا ہے۔ بہادر علی حسینی نے اس کتاب کا ہندوستانی میں ترجمہ کیا ہے۔

شفیق۔ مظہر علی خان:

وہ عام طور پر مرزا بدھن کہلاتے تھے۔ شفیق ایک ہندوستانی شاعر تھے جو ثناءاللہ فراق، عشق اور قاسم سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ قاسم نے ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں اور منولال نے بھی ان کا ایک شعر درج کیا ہے۔ یہ شعر دستیاب نہ ہوسکا۔ (مترجم)

شفیق۔ نواب خواجہ نورالدین خان یا سنولی صاحب:

وہ ضلع کالپی میں کدورہ کے رہنے والے اور نواب احمد بخش خان بہادر بے تاب کے بیٹے تھے۔ نواب امیر الملک ان کے دوست تھے اور نواب محمد سعدالدین خان شفق ان کے سالے یا بہنوئی ہوتے تھے۔ وہ اپنے بھائی کی طرح امجد علی قلق کے شاگرد تھے۔ شفیق صاحب دیوان ہیں جن کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں درج کی ہیں۔

شکر۔ پنڈت رادھا کشن:

ان کا ذکر راؤ کشن کے نام سے اس کتاب میں کیا گیا ہے۔ یہ مراد آباد کے ایک کائستھ تھے اور سرور نے ان کا ہندوستانی شاعر کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔ وہ دہلی کالج کے طالب علم تھے اور ۱۸۶۴ء میں لاہور میں رہتے تھے۔ انھوں نے مندرجہ ذیل کتابیں لکھی ہیں:

۱۔ ''ہندسہ یا الجبرا''۔ یہ کتاب Wand کی انگریزی کتاب Jabrical Germetry کا اردو ترجمہ ہے اور ۱۸۵۳ء میں ''دہلی اردو اخبار پریس'' سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب دہلی کے ایک پروفیسر مسمی رام چندر کی مدد سے لکھا گیا ہے۔

۲۔ ''علم آلات''۔ یہ کتاب Youngs Mechenics کا اردو ترجمہ ہے اور ''مطبع العلوم'' سے ۱۸۵۱ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس موضوع پر ایک رسالہ پہلے سے موجود ہے جس کا نام Treatise on the Mechenical Powers ہے۔ اس کتاب کا ذکر Madden کی ۱۸۳۷ء کی فہرست میں کیا گیا ہے۔ آگرہ سے ۱۸۴۴ء میں Weal کی Mechanics series کا ایک اردو ترجمہ شائع ہوا ہے۔ اسی سال آگرہ سے Tate کی Treatise on Mechanics کا اردو ترجمہ بھی نکلا ہے۔

۳۔ ''عجوبات'' (یا ''عجائب روزگار'')۔

۴۔ تذکرۃ الکاملین''۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب انگریزی سے ترجمہ کی گئی ہے لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کتاب کو رام چندر نے تصنیف کیا ہے۔

شکر۔ محمد مرزا۔ حیدرآبادی:

وہ حسن مرزا قصد کے بیٹے اور فیض کے شاگرد تھے۔ باطن انھیں ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے ہیں۔

شکوہ۔ سید اور میر شکوہ علی:

وہ سراوہ کے رہنے والے تھے۔ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا انتقال ۱۸۱۹ء یا ۱۸۲۰ء میں ہوا۔ سرور اور محسن نے ان کا ذکر کیا ہے۔

شکوہ۔ مرزا محمد رضا، لکھنوی:

وہ مرزا فاتل کے دوست اور شاگرد تھے۔ مصحفی کا بیان ہے کہ انھوں نے بہت کم اشعار کہے ہیں لیکن ان کے مطابق جو کچھ انھوں نے کہا ہے اس میں شاعرانہ بلندی بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ کمال نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ محسن کا بیان ہے کہ جن دنوں وہ اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو شکوہ کا انتقال ہو چکا تھا۔

شگی۔ منشی جواہر سنگھ:

وہ میرٹھ کے رہنے والے اور غلام محی الدین عشق کے شاگرد تھے ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر ذکا نے کیا ہے۔

شکیبہ۔ شیخ غلام حسین۔ دہلوی:

وہ محمد تقی میر کے شاگرد اور شاہ عالم کے ایک افسر تھے۔ سرور ان کے دوست تھے اور انھوں نے ان کے دیوان سے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔ منولال نے بھی اپنے گلدستہ میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

شگفتہ۔ بدھ سنگھ:

ان کا شمار ہندوستانی شعرا میں کیا گیا ہے۔ ابتدا میں وہ نُقل فروش تھے اور بعد میں فوجی ہو گئے۔ وہ بھوری خان آشفتہ کے شاگرد تھے۔ سرور کا بیان ہے کہ وہ علم دینیات سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ منولال نے ان کا ایک شعر نقل کیا ہے جو غالبًا ایک ساقی نامے سے لیا گیا ہے۔

شگفتہ۔ مرزا شگفتہ بخت یا بیدار بخت:

وہ اور نواب مرزا سیف شگفتہ دو مختلف اشخاص ہیں۔ وہ عام طور پر مرزا حاجی صاحب کہلاتے ہیں کیونکہ وہ حج کی زیارت کو تشریف لے گئے تھے۔ شگفتہ، شاہزادہ جہاندار شاہ کے بیٹے تھے اور ان کے ساتھ ہی وہ بنارس تشریف لے گئے تھے جہاں انگریزی حکومت کے اعلیٰ عہدہ داروں نے ان کا استقبال کیا تھا۔ انھوں نے بڑی کامیابی کے ساتھ ہندوستانی اشعار موزوں کیے ہیں۔

شگفتہ۔ نواب مرزا سیف علی خان بہادر۔ لکھنوی:

وہ نواب شجاع الدولہ (۱۷۵۶ء۔ ۱۷۷۵ء) کے بیٹے تھے۔ مصحفی نے اپنے تذکرے میں کہا ہے کہ وہ ایک نوجوان شاعر ہونے کے علاوہ ایک خوش مذاق، خوش وضع اور منکسر المزاج شخص تھے۔ ابتدا میں وہ بیان تخلص کرتے تھے، بعد میں شگفتہ کرنے لگے۔ وہ مرزا کاظم علی جوان سے مشورہ کرتے تھے۔ ان کے اشعار میں بہت ہی بلندی اور رفعت پائی جاتی ہے اور خاص طور پر ان کے شعر ان کے ان اوصاف سے مملو ہیں۔ مصحفی کو شگفتہ کے دیوان کو لکھنو میں دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اور انھوں نے اس سے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ منولال نے بھی اپنے ''گلدستہ نشاط'' میں اس کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

شمبھو یا سمبھو داس:

وہ Thomason College میں ملازم تھے اور انھوں نے رام پرشاد کے ساتھ رسالہ ''در باب استعمال'' (On the use of traverse tables) تصنیف کی ہے۔

شمس۔ شیخ علی محمد۔ بریلوی۔ مرحوم:

محسن نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کے اشعار کا ایک نمونہ درج کیا ہے۔

شمس۔ مولوی علی خان:

وہ لکھنو کے صدر دیوان عدالت میں کام کرتے تھے۔ وہ دور حاضر کے ایک شاعر ہیں جن کا ایک قصیدہ ۲۱ ستمبر ۱۸۶۹ء کے ''اودھ اخبار'' میں شائع ہوا ہے۔

شمس۔ میر آغا محبوب علی۔ لکھنوی:

وہ سابق شاہ اودھ کے برادر نسبتی تھے۔ وہ ایک اردو شاعر ہیں جن کے متعلق مصحفی نے لکھا ہے کہ وہ مرزا ثاقب اور نساخ کے شاگرد تھے۔ نساخ نے ''دفتر بے مثال'' مین ان کی چھ قطعاتِ تاریخ پیش کی ہیں۔ ان کی ایک غزل ''اودھ اخبار'' کی اشاعت مورخہ یکم ستمبر ۱۸۶۸ء میں شائع ہوئی ہے۔

غالباً شمس وہی منشی آغا علی ہیں جن کی ایک اردو غزل اور تاریخ ۲ جولائی ۱۸۶۹ء کے ''اودھ اخبار'' میں چھپی ہے۔ ان کے متعدد شاگرد تھے۔ ان میں لکھنؤ کی دو خاتون جن کا نام مشتری اور زہرہ ہے یہ دونوں اردو شاعرہ اپنے اشعار کے لیے کافی مشہور ہیں اور ان کا ذکر میں نے اپنے تذکرے میں بھی کیا ہے۔

شمس۔ میر شمس الدین علی سید:

وہ میر چمن کے نام سے بھی مشہور ہیں اور سیف الدولہ سید رضا خان کے بیٹے تھے۔ جن دنوں سرور اپنے تذکرہ لکھ رہے تھے تو وہ بہت کمسن تھے۔ سرور نے ان کے اشعار کا ایک نمونہ پیش کیا ہے۔

شمس الدین:

انھوں نے شریعت کے موضوع پر ایک مذہبی رسالہ لکھا ہے جو دہلی سے ۱۸۶۸ء میں چھوٹی تقطیع پر ۱۶ صفحات میں شائع ہوا ہے۔

شمشاد۔ میر احمد علی:

کندیا گنداٹ کے رہنے والے۔ وہ اقبال الدولہ کے نواسے اور مرزا علی حسین اوج کے شاگرد تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کے اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔

شمشیر خان۔ منشی:

ابتدا میں وہ مشہور مستشرق اور سیاست دان جان مالکم سے منسلک تھے۔ بعد میں ۱۸۲۵ء میں وہ بنگلور (میسور) چلے گئے جہاں انھوں نے Edward Alexandar کی مدد سے اعتصام الدین کی ''سیر نامہ'' کو فارسی سے مدراس کی دکنی ہندوستانی میں ترجمہ کیا ہے۔ Lord Kingaborough نے پیرس کی ایشیاٹک سوسائٹی کو اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ پیش کیا ہے۔ اس کتاب کا نام ''شگرف نامہ ولایت'' ہے اور اس میں یورپ کے عجائبات کا ذکر ہے اور ۱۷۶۵ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے انھوں نے یورپ میں جو سیر کی ہے اس کے واقعات درج ہیں۔ اس سفر کے دوران میں الہ آباد کا معاہدہ ہوا تھا۔ جس کی شرائط کے مطابق Lord Clive نے بادشاہ شاہ عالم سے برطانیہ کے لیے صوبہ جات بنگال، بہار اور اڑیسہ کو حاصل کیا تھا۔ شاہ عالم نے ان کو ایک سفیر کی حیثیت سے برطانیہ کے حکمران کے پاس بھیجا تھا تا کہ وہ مذکورہ بالا صوبہ جات کے متعلق گفت و شنید کریں۔ چنانچہ یہ سفر نامہ اسی سلسلے میں لکھا گیا ہے۔ میں نے اس کو چھے اقتباسات[1] *Mannuel du cours de Hindustani* میں ۳۰ صفحات میں پیش کیا۔

شعلہ:

انھوں نے میر امن دہلوی کی کہانی ''باغ و بہار'' کو منظوم کیا ہے۔ یہ کتاب ''باغ و بہار'' کے نام سے نول کشور کے چھاپے خانے سے ۱۲۷۳ھ/ ۷-۱۸۵۶ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں ۸۳ صفحات ہیں۔ ہر صفحہ میں ۲۷ سطریں ہیں۔

شمیم۔ سید غالب علی۔ بنارسی:

وہ سید حیدر بخش کے بیٹے اور مرزا الطاف حسن کے شاگرد ہیں۔ محسن نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

وہ امراؤ مرزا کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ ان کے والد مرزا امداد علی ہیں اور ان کے استاد کا نام میر وزیر صبا ہے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کے اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

شناور۔ صاحب مرزا:

وہ ایک ہم عصر ہندوستانی شاعر ہیں جو فیض آباد میں پیدا ہوئے اور لکھنو میں رہ رہے تھے۔ ان کے والد شاہ میر خان، ان کے دادا آغا نصیر نیشاپوری اور ان کے استاد آتش تھے۔ وہ ایک دیوان کے مالک ہیں جس کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرہ میں نقل کی ہیں۔

شنکر سروپ:

وہ فتح گڑھ کے اردو اخبار ''مفید الانام'' کے مدیر ہیں۔ یہ ایک ہفتہ وار اخبار ہے۔ دل کشا پریس سے شائع ہوتا ہے۔ Mr. Kempson، جو شمال مغربی صوبہ کے محکمہ تعلیمات کے ڈائریکٹر ہیں، انھوں نے اپنی رپورٹ مورخہ ۱۹؍فروری ۱۸۶۹ء میں اس کا ذکر کیا ہے۔

شور۔ بکھو۔ پانی پتی:

وہ قصاب کے بیٹے تھے جن کا نام خیراتی تھا اور وہ خود قصاب کا پیشہ کرتے تھے لیکن انھوں نے کافی دلکش اشعار کہے ہیں، گرچہ وہ لکھنے اور پڑھنے سے بالکل معذور تھے۔ ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر تقریباً ۴۰ سال تھی۔

شور۔ خواجہ عظیم خان:

ان کا آبائی وطن دہلی تھا۔ وہ خواجہ محمد خان کے بیٹے اور مرزا گھسیٹا کے شاگرد تھے۔ ابتدا میں صوبۂ بہار میں موتی ہاری کے مقام پر رہتے لیکن بعد میں بنگال تشریف لے گئے جہاں نواب صادق علی خان اور میر محمد قاسم خان کے دربار سے منسلک تھے۔ اس کے بعد بہار کے صوبہ دار راجہ شتاب رائے نے ان کو چھپارن میں ایک جاگیر عطا کر دی تھی۔

ابوالحسن انھیں ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے ہیں۔ وہ شور سے پٹنہ میں ملے تھے جہاں انھوں نے شور کو اپنا کلام پڑھتے ہوئے سنا تھا۔

عشقی کے مطابق ان کا تخلص شورش تھا اور ان کا بیان ہے کہ جن دنوں وہ اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو شورش کا انتقال ہو چکا تھا۔

شور۔ شیخ محمد محی الدین صدیقی:

وہ قاضی عزالدین سہارن پوری کے بیٹے تھے۔ شور ایک خاصے اچھے شاعر ہیں جن کی کریم نے تعریف کی ہے اور جن کے اشعار کو اپنے تذکرے میں بھی نقل کیا ہے۔ کریم کا بیان ہے کہ وہ ۱۸۴۷ء میں تقریباً ۲۷ سال کے تھے اور ان دنوں وہ اپنے اشعار کو ایک دیوان کی شکل میں مرتب کر رہے تھے۔

شور۔ مرزا محمود بیگ:

وہ اُلویا ملہو بیگ بھی کہلاتے ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد ایران کے رہنے والے تھے لیکن دہلی میں پیدا ہوئے اور فوج میں ملازمت کرتے تھے۔ شور بہت ہی کمسنی میں ایک جنگ میں مارے گئے ہیں۔ وہ سعادت یار خان رنگین اور انشا اللہ خان کے شاگرد تھے اور سرور و قاسم کے دوست تھے۔ موخر الذکر دو حضرات نے اپنے تذکروں میں ان کا ذکر کیا ہے اور وہ انھیں ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے ہیں۔ محسن نے بھی ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

شورش۔ غلام احمد:

وہ محمد اکبر کے بیٹے اور پیشہ کے طور پر خط نویسی کا کام کرتے تھے۔ شیفتہ اور کریم ان سے واقف تھے۔ ان کا بیان ہے کہ وہ ایک جوان، خوش مذاق، زندہ دل شخص تھے اور مومن خاں سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنے تذکرے میں ان کے چند اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

شورش۔ میر غلام حسین۔ عظیم آبادی:

وہ میر بھینا کے نام سے زیادہ مشہور تھے۔ شورش مولا میر وحید کے بھانجے تھے اور میر باقر حزیں کے حلقۂ مریدی میں شامل تھے۔ وہ اپنی صلاحیتوں پر بہت فخر و غرور کرتے تھے۔ انھوں نے ہندوستانی شعرا کے متعلق ایک تذکرہ تصنیف کیا ہے۔ اسپرنگر نے پٹنہ کے ایک نسخے سے کافی مدد لی ہے اور ان کا بیان ہے کہ اس نسخے میں ۳۱۴ ہندوستانی شعرا کے متعلق فارسی میں مختصر ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ شورش نے ہندوستانی میں بے شمار اشعار کہے ہیں جنھیں ایک دیوان کی صورت میں جمع کیا گیا ہے۔ انھوں نے قصیدے بھی کہے ہیں۔ ان کا انتقال ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۱ء میں ہوا ہے۔ علی ابراہیم ان سے واقف تھے اور انھوں نے متعدد صفحات پر ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔ محسن بھی ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔

شورش۔ میر مہدی:

پٹنہ کے رہنے والے تھے۔ وہ غلام حسین کے بیٹے تھے۔ عشقی کا بیان ہے کہ وہ ایک جوان اور اچھے شاعر ہیں۔

شورش۔ نصیر حسین:

مرزا ثناء اللہ خان فراق کے شاگرد اور حافظ قرآن تھے اور انھوں نے چند عمدہ اشعار کہے ہیں۔ قاسم کا بیان ہے کہ وہ ابتدا میں مروت تخلص کرتے تھے۔

شوری:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو لکھنو میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے اشعار کو جنرل J.S. Marriot نے جمع کیا ہے اور اسے بڑے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

شوق۔ بھوگی نال:

وہ ایک ہندو تھے اور شیفتہ نے ہندوستانی شاعر کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے۔

شوق۔ تہمن جنگ بہادر:

وہ دکن کے ایک امیر ہیں اور ہندوستانی شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں۔ سرور کا بیان ہے کہ انھوں نے دوسرے موضوع پر شعر کہنے کے علاوہ رمضان پر ایک نظم لکھی ہے۔

شوق۔ جوہر بیگ۔ لکھنوی:

مصحفی کے شاگرد تھے اور لغز و معما میں خاص طور پر بڑی مہارت رکھتے تھے۔ وہ مشہد کی زیارت کو تشریف لے گئے تھے جہاں حضرت علی کے مزار کی دیدار سے مشرف ہوئے تھے۔ شوق ایک جدید شاعر تھے اور شیفتہ کے مطابق وہ ہنوز بقید حیات تھے، جب شیفتہ اپنا تذکرہ تصنیف کر رہے تھے۔ ان کا ایک پرزور واسوخت دہلی کے ''مجموعۂ واسوخت'' میں شامل ہے، جو ۱۸۴۹ء میں شائع ہوا ہے۔

شوق۔ حافظ مرزا غلام رسول۔ دہلوی:

وہ شاہ نصیر کے شاگرد تھے اور ان کی طرز پر اشعار کہتے تھے۔ شوق ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ایک بیت ''گلدستہ نشاط'' میں درج ہے۔ وہ ایک ہم عصر شاعر ہیں جن کو قاسم اور شیفتہ نے نقل کیا ہے۔ وہ ۱۸۵۷ء کے غدر سے پہلے ایک مسجد کے امام تھے اور دہلی کے کم عمر شاہزادوں کو پڑھایا کرتے تھے۔

میں صحیح طور پر نہیں کہہ سکتا کہ اسی تخلص کے دو اور شعرا سے جو دہلی کے رہنے والے ہیں لیکن جن کا مکمل نام معلوم نہیں، ان سے وہ مختلف شاعر ہیں یا نہیں۔ ایک کا ذکر مصحفی کے شاگرد کی حیثیت سے کیا گیا ہے اور ان کا ایک واسوخت ''مجموعہ واسوخت'' میں شامل ہے۔ دوسرے سودا کے شاگرد تھے اور سرور نے اپنے تذکرے میں ان کا ذکر کیا ہے۔

شوق۔ حکیم تصدق حسین خان۔ لکھنوی:

وہ نواب مرزا بھی کہلاتے تھے۔ حکیم آغا علی خان کے بیٹے اور خواجہ حیدر علی آتش کے شاگرد تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کی چھ غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں درج کی ہیں۔

شوق۔ دہلوی:

وہ غلام رسول شوق اور حسن علی شوق سے جو دونوں دہلی کے رہنے والے ہیں ایک مختلف شخص ہیں۔ شیفتہ نے دراصل ان تینوں شعرا کے متعلق علیحدہ علیحدہ مضامین لکھے ہیں۔ قاسم اور کمال نے بھی ان کا ذکر کیا ہے اور شیفتہ کے مطابق ان کا بھی خیال ہے کہ شوق سودا کے شاگرد تھے۔

شوق۔ رائے دولت رائے:

رائے شیو سنگھ کے بیٹے تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو لکھنو میں اشرف آباد محلہ میں رہتے تھے۔ ان کے والد منشی مندو لال زار تھے۔ محسن نے ان کے اشعار کا ایک نمونہ پیش کیا ہے۔

شوق۔ روشن لال:

نصیر کے شاگرد تھے اور ریختہ شاعری میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ قاسم اور شیفتہ نے اُن کا ذکر کیا ہے۔

شوق۔ سید میر علی ضامن۔ لکھنوی:

وہ اکبر کے بیٹے اور میر علی اشرف اشک کے شاگرد تھے۔ ان کے دیوان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ہر غزل کے مقطع سے تاریخ نکلتی ہے۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔

شوق۔ شیخ الٰہی بخش:

وہ آگرہ کے رہنے والے تھے لیکن فرخ آباد میں، جہان مرزا جوان بخت کے بیٹے مظفر بخت کے معتمد کی حیثیت سے ملازم تھے، رہتے تھے۔ انھوں نے ریختہ اور فارسی میں دو دیوان چھوڑے ہیں۔ ان میں ہر بحر میں اشعار کہے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے نثر میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ''قوانین سلطنت'' ہے۔ شیفتہ کے مطابق ان کا انتقال ۱۲۲۶ھ/ ۶۔۱۸۲۵ء میں ہوا ہے۔

شوق۔ شیر گوپال۔ یا کاکاجی:

پٹنہ کے رہنے والے اور مہاجن سوداگر مل کے بیٹے تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا انتقال کمسنی میں ہی ہو گیا۔ عشقی نے ان کا ذکر کیا ہے۔

شوق۔ فیض علی:

انھوں نے فارسی اور ریختہ میں اشعار کہے ہیں۔ سرور ان کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ وہ اسی تخلص کے ایک دوسرے شاعر سے مختلف ہیں جو سودا کے ہم عصر تھے اور چند شاگرد رکھتے تھے۔ ذکا کا خیال ہے کہ یہ دونوں ایک ہی شخص ہیں۔

شوق۔ مرزا خداداد بیگ:

وہ مرزا غالب کے پوتے اور ایک ہم عصر شاعر ہیں۔ ان کا ذکر ۲۳ فروری ۱۸٦۹ء کے ''اودھ اخبار'' میں کیا گیا ہے۔

شوق۔ مولوی قدرت اللہ:

کانپور میں پیدا ہوئے ۔لیکن سرور اور کریم رامپور بتاتے ہیں۔ قائم چاند پوری سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔ انھوں نے ایک لاکھ اشعار کہے ہیں۔ ان کا ایک دیوان بھی ہے اس کے علاوہ انھوں نے ایک تذکرہ بھی لکھا ہے۔ نام ''طبقات الشعرا'' یا ''تذکرہ ہندی'' ہے۔ اس تذکرہ کو مری اس کتاب سے مرتب کیا گیا ہے۔ شوق مکان پر مشاعرے منعقد کرتے تھے۔ وہ ۱۸۰۷ء میں جب قاسم اپنا تذکرہ تصنیف کر رہے تھے تو بقید تھے۔ سرور ان کو شرف الدین حسن کہتے ہیں۔

شوق۔ میاں اور میر حسن علی:

دہلی میں پیدا ہوئے اور پٹھان قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ نواب عماد الملک غازی الدین خان کے دربار سے منسلک تھے۔ شوق کے استاد کا نام سراج الدین علی خان آرزو تھا اور میر ان سے اکثر گھر پر ملا کرتے تھے۔

میر نے ان کے اشعار کو دو صفحات میں نقل کیا ہے۔ یہ اشعار اپنی قدرت خیال اور رنگینی کے لیے قابلِ ذکر ہیں۔ شوق نے ایک دیوان چھوڑا ہے جس کا ایک نسخہ موتی محل لکھنو کے کتب خانہ میں تھا۔ اس میں ۱٦۸ صفحات پر غزلیں شامل ہیں اور اس کے ہر صفحہ میں ۱۴ اشعار ہیں۔ اس دیوان میں چند رباعیات بھی درج ہیں۔

شوق۔ میاں شیخ محمد بخش:

وہ دہلی کے قریب کنانہ میں پیدا ہوئے۔ وہ برکت اللہ خان برکت کے شاگرد تھے اور فوج میں ملازم تھے۔ وہ حیدر آباد میں نظام کے دربار میں کمال کے ہم کار تھے۔ کمال ان کے گہرے دوست تھے اور وہ ان کی بڑی تعریف کرنے کے علاوہ ان کے چند اشعار بھی نقل کرتے ہیں۔

شوقی ۔ محمد فصیح:

وہ عشقی کے بیٹے تھے اور جن دنوں عشقی اپنا تذکرہ لکھ رہا تھے تو شوقی کی عمر صرف ۳۰ سال تھی۔

شوکت:

Fouatan جو ''الف لیلہ'' کے مترجم کی حیثیت سے مشہور ہیں اور جو ہندوستانی ادب سے بھی دلچسپی رکھتے تھے، انھوں نے شوکت کے اشعار کا عوام میں تعارف کرایا ہے۔ غالباً یہ وہی شوکت ہیں جن کا پورا نام مرزا علی شوکت لکھنوی ہے۔ یہ مرزا مغل سبقت کے چھوٹے بھائی تھے جنھوں نے ایک دیوان تصنیف کیا ہے اور جن سے سرور نے چند نمونے پیش کیے ہیں۔ غالباً یہ وہی شاعر ہیں جن سے کمال کو رامپور میں ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔ انہوں نے کمال کے پاس اپنی غزل بھی بھیجی تھی جس کو موخرالذکر نے اپنے تذکرے میں درج کیا ہے۔

شوکت ۔ محمد منیف علی:

وہ ایک ممتاز مصنف ہیں جو بجنور میں پیدا ہوئے اور رستم علی کے بیٹے تھے۔ انھوں نے غلام علی عشرت بریلوی سے شاعری میں تلمذ حاصل کیا تھا اور اپنے دور میں خود اس فن میں کمال حاصل کیا تھا۔ شیفتہ کا بیان ہے کہ انھوں نے بنارس میں ایک یورپین سے کافی دوستی پیدا کر لی تھی اور ان کے اثر و رسوخ سے متاثر ہو کر مذہب اسلام کو چھوڑ کر کے عیسائیت قبول کر لی تھی۔

آج کل وہ میرٹھ میں بچوں کو پڑھایا کرتے ہیں اور انھوں نے اپنا نام منیف علی سے تبدیل کر منیف مسیح رکھ لیا ہے۔

شوکت ۔ مولوی بسیط علی:

وہ لکھنو میں بھوانی گنج میں رہتے تھے اور ان کے استاد اصغر علی خان نسیم تھے۔ علی ابراہیم نے ان کے اشعار کے چند نمونے پیش کیے ہیں۔

شوکت ۔ میر حسین علی ۔ دہلوی:

وہ ایک اور ہندوستانی شاعر ہیں جن کے اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

شہاب الدین ۔ احمد بن عمر:

وہ ہندی یا دولت آبادی کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ وہی مصنف ہیں جنھوں نے مختلف نظموں کا ایک مجموعہ مرتب کیا ہے جس میں دوسرے اشعار کے علاوہ سنسکرت کی کتاب 'لوک شاستر' کا

دکنی میں ایک منظوم ترجمہ ہے۔ اس کا عنوان ''بھوگ مل'' ہے۔ کلکتہ کے ایشیائک سوسائٹی کے کتب خانے میں اس کتاب کا ایک نسخہ ہے۔ اس میں ۱۵۰ صفحات ہیں اور ہر صفحے میں ۱۳ سطریں ہیں۔ یہ کتاب ۱۰۸۲ھ/۲۔۱۶۷۱ء میں حیدرآباد میں لکھی گئی ہے۔ یہ نظم برید شاہ محمود کے فارسی ترجمے سے موزوں کی گئی ہے اور اسے امیر شاہ، والیِ گولکنڈہ کے نام پر منون کیا گیا ہے۔

شہاب الدین کی دوسری کتابوں کی حسب ذیل فہرست ہے:

۱۔ ''حاشیۂ ہندی بر کافیہ''۔ یہ کافیہ کی ایک شرح ہے۔

۲۔ ''حاشیۂ ہندی بر مصباح''۔ یہ مصباح کی شرح ہے

کافیہ اور مصباح مسلم فقہ کی دو مشہور کتابیں ہیں۔

شہادت۔ شاہ شہادت علی:

سرور کا بیان ہے کہ وہ ایک صوفی اور درویش تھے جو اودھ میں رہتے تھے۔ انھوں نے صوفیانہ اشعار تصنیف کیے ہیں۔

شہرت۔ افتخار الدین علی خان:

وہ ایک ممتاز ادیب اور نواب واثق علی خان کے بھائی ہیں۔ ۱۸۱۴ء میں وہ کلکتہ میں رہے تھے اور بنی نرائن سے اکثر ملا کرتے تھے۔ موخر الذکر نے اپنے تذکرے میں ان کی چند غزلیں نقل کی ہیں۔ اس کتاب کے ضمیمے میں شہرت کی ایک اور غزل بھی شامل ہے۔ یہ غزل دستیاب نہ ہوسکی۔ (مترجم)

میں صحیح طور پر نہیں کہہ سکتا کہ نظام حیدرآباد کے وزیر کے کتب خانے میں جو دیوان کا قلمی نسخہ ہے وہ انھی کی کتاب ہے یا کسی دوسرے شہرت کا دیوان ہے۔

شہرت۔ امیر بخش خان:

ان کا آبائی وطن کشمیر تھا لیکن وہ دہلی میں رہتے تھے۔ وہ عیسیٰ خان کے بیٹے اور دہلی کے صوبہ دار شاہ نظام الدین کے نائب تھے۔ لیکن سیاسی ہنگاموں کے بعد وہ حیدرآباد میں قیام کرتے تھے۔ شروع میں وہ ایک شاعر کی حیثیت سے نواب شہریار الدولہ کے پاس منسلک تھے اس کے بعد نواب شمس الامرا کے مصاحب ہوگئے۔ یہاں وہ وزیر چندولال کی رفاقت میں رہتے تھے۔ چندولال کا ذکر شاداں کے تخلص کے تحت کیا گیا ہے۔ شہرت کے والد بھی نواب رفعت الملک کے پاس ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ قاسم اور سرور ان کو شہرت دکنی کہتے ہیں۔ شہرت کمال کے گہرے دوست تھے۔ کمال نے ان کی اخلاقی اور ذہنی

صلاحیتوں کی بڑی تعریف کی ہے اور ان کے چند اشعار بھی نقل کیے ہیں۔ شیفتہ کا بیان ہے کہ وہ ثنا اللہ خان فراق کے شاگرد تھے اور ان کا جوانی میں انتقال ہوا ہے۔

شہرت۔ مرزا حاجی بیگ:

ایک شاہزادہ تھے اور منشی محمد صدرالدین خان سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔ وہ شروع میں شعروسخن سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے اور اپنے یہاں مشاعرے منعقد کراتے تھے اس کے بعد یہ مشاعرے کریم کے یہاں ہونے لگے۔ انھوں نے بعض بہت ہی پرمعنی اور شگفتہ اشعار کہے ہیں جو بہت ہی مقبول ہیں۔ ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر ۳۰ سال کے قریب تھی۔ انھوں نے ایک دیوان بھی چھوڑا ہے۔

شہرت۔ مرزا محمد علی۔ دہلوی:

وہ یحییٰ مان جرأت کے شاگرد تھے۔ لیکن سرور کے مطابق وہ قلندر بخش جرات کے شاگرد تھے۔ لکھنو میں رہتے تھے جہاں ۱۱۹۶ھ/ ۲۔۱۸۸۱ء میں وہ بقید حیات تھے۔ علی ابراہیم نے ان کے صرف دو اشعار نقل کیے ہیں اور مصحفی نے چار۔

شہرت۔ مولوی عباس علی:

وہ ایک ہم عصر ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ایک قصیدہ ۲۸ ستمبر ۱۸۶۹ء کے ''اودھ اخبار'' میں شائع ہوا ہے۔

شہرت۔ مولوی غلام حسین، غازی پوری:

وہ غازی پور کے نواب فضل علی خان کی صحبت میں کچھ عرصہ تک رہ چکے ہیں۔ اس کے بعد بنارس کے عدالت میں ملازم ہو گئے۔ ان دنوں میں علی ابراہیم اس عدالت کے صدر تھے۔ شہرت ہندوستانی مصنفین میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ''گلزار ابراہیم'' میں ان کے اشعار کا ایک نمونہ شامل ہے۔

شہرت:

وہ شاہ معصوم محسوس کے بیٹے تھے۔ قاسم نے ان کا ذکر کیا ہے وہ ایک فحش گو شاعر تھے۔

شہید۔ غلام امام:

انھوں نے حسب ذیل کتابیں لکھی ہیں:

۱۔ ''تحریر دستاویزات''۔ یہ کتاب کانپور سے ۱۸۵۸ء میں چھوٹی تقطیع کے ۲۴ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

۲۔ ''بہار بے خزاں'' یہ ایک انشا ہے جو لکھنو سے ۱۸۶۶ء میں ۹۸ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

شہید۔ مولوی غلام حسین۔ غازی پوری:

وہ شاہ عبداللہ کے بیٹے ہیں اور ان کا شمار اردو شعرا میں کیا جاتا ہے۔ کچھ عرصہ تک وہ نواب فضل علی خان غازی پوری کے مصاحب تھے اور کافی شاندار زندگی بسر کر رہے تھے۔ علی ابراہیم کا بیان ہے کہ وہ ایک سنجیدہ و متین شخص تھے اور اپنے خیالات کو بڑی خوبی سے اظہار کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ علم طب کے بھی ماہر تھے۔ شہید علم فقہ میں بڑا رتبہ رکھتے تھے اور اسی وجہ سے انھیں بنارس کی عدالت میں مقرر کیا گیا تھا۔ علی ابراہیم اس عدالت کے صدر تھے۔ شہید ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۲ء میں بقید حیات تھے۔ ابوالحسن کے مطابق انھوں نے نظم میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ''تحفظ المومنین'' ہے۔ میں صحیح طور پر نہیں کہہ سکتا کہ یہ وہی شخص ہیں جن کا ذکر سرور نے صرف اس کے تخلص سے کیا ہے۔ موخرالذکر شاعر سودا کے ہم عصر تھے اور قدیم ہندوستانی شعراء میں شمار کیے جاتے ہیں۔

شہید۔ مولوی محمد بخش:

ان کا آبائی وطن صوبہ اودھ میں سندیلہ تھا اور وہ لکھنو میں رہتے تھے۔ ان کے والد شیخ خدا بخش، خلیفہ ابوبکر کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور پیشہ کے اعتبار سے خوش نویس تھے۔ شہید امام بخش یا ناسخ کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ایک دیوان مرتب کیا ہے جس کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔

شہید یا شہیدی۔ کرامت علی خان:

شیفتہ انھیں شہید لکھتے ہیں اور دوسرے شہیدی۔ ابوالحسن کرامت کے بجائے کرم لکھتے ہیں۔ وہ لکھنو میں پیدا ہوئے اور بریلی میں رہتے تھے۔ ان کے والد کا نام عبدالرسول خان تھا جو درس و تدریس کا کام کرتے تھے اور نکت رائے کے استاد ہونے کے علاوہ علم عروض پر ایک کتاب کے مصنف بھی تھے۔ شہید اپنے والد کی طرح شاعری اور علم عروض میں کمال رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ علم ریاضی کے بھی اچھے ماہر تھے۔ وہ ۱۸ سال کی عمر سے منشی کی حیثیت سے کام کر رہے تھے اور اسی سلسلے میں وہ ایک انگریز کے ساتھ دہلی تشریف لے گئے تھے۔ لیکن زیادہ تر انھوں نے پنجاب اور گجرات میں اپنی زندگی بسر کی ہے۔ ۱۲۵۰ھ/۵۔۱۸۳۴ء میں انھیں دہلی میں شیفتہ سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا اور بعد میں وہ ان کے دوست ہو گئے تھے۔ شہید کو مصحفی اور میاں نصیر دہلوی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جس کا نام ''دیوان شہیدی'' ہے۔ یہ کتاب بریلی سے ۱۸۴۹ء میں شائع ہوئی ہے اور اس سے محسن نے اپنے تذکرے میں غزلیں نقل کی ہیں۔ انھوں نے بے شمار قصیدے بھی لکھے

ہیں اور اس کا ایک مجموعہ ''قصائد شہیدی'' کے نام سے بریلی سے نکلا ہے۔ اس کا ایک قصیدہ حضرت محمدؐ کی شان میں ہے اور اسے کافی مقبولیت حاصل ہے۔ شاید یہ قصیدہ ان کے مطبوعہ مجموعے میں شامل نہیں ہے لیکن غلام امام کی کتاب ''مولد شریف'' کے آخر میں شامل ہوا ہے۔ یہ کتاب لکھنو سے ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۴ء میں چھپی ہے۔

انھوں نے دوسری اصناف میں بھی مشق سخن کی ہے اور بلا شبہ انھیں ہندوستانی کے پُرگو اور جدید ممتاز شعرا میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ تقریباً ۱۸۰۷ء میں وہ زیارت کی غرض سے مکہ تشریف لے گئے تھے اور اس سے فارغ ہو کر مدینہ پہنچے۔ جہاں رسولؐ کے روضے کا دیدار حاصل کرنے کے بعد ان پر کچھ ایسی واردات قلب طاری ہوئی کہ دل کی دھڑکن بند ہونے سے انتقال کر گئے۔ عجیب اتفاق ہے کہ یہ موت خود ان کی دیرینہ خواہش کے مطابق واقع ہوئی تھی۔ انھیں اولیائے اللہ میں شمار کیا جاتا ہے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ معجزات پر بھی قدرت رکھتے تھے۔ یہ باتیں شیفتہ اور کریم سے معلوم ہوئی ہیں۔

شیدا۔ نواب مرزا علی جاہ بہادر:

وہ عام طور پر منجھلے صاحب کہلاتے تھے۔ ان کے والد کا نام نواب دلبر الدولہ مرزا محمد علی خان بہادر فروز جنگ نیشاپوری تھا لیکن انھیں مرزا آغا حیرت بہادر لکھتے ہیں۔ وہ حیدر تخلص کیا کرتے تھے۔ شیدا فیض آباد میں پیدا ہوئے اور لکھنو میں قیام کرتے تھے لیکن ان کا آبائی وطن نیشاپور تھا اور اسی وجہ سے وہ اور ان کے والد نیشاپوری کہلاتے تھے۔ وہ مرزا سرفراز علی قادری سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔ انھیں نے ایک دیوان چھوڑا ہے۔ جس سے محسن نے چند غزلیں نقل کی ہیں اور ان کا بیان ہے کہ وہ حضرت علی کے مزار کی زیارت کے لیے تشریف بھی لے گئے تھے۔

شیدا۔ خواجہ ہنگا:

منولال نے اپنے گلدستہ میں ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ غالباً یہ وہی شاعر ہیں جن کا مصحفی اور کمال نے ذکر کیا ہے۔ یہ ایک جوان خوش دل اور خوش وضع شاعر تھے اور میر بیدار سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔ وہ شاہجہاں آباد میں رہتے تھے اور زردوزی کا کام کیا کرتے تھے۔ انھیں کافی عزت و قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور وہ اپنی فرصت کے بیشتر اوقات میں شعر کی مشق کیا کرتے تھے۔ انھیں نے ایک دیوان یادگار میں چھوڑا ہے جن کے چند نسخے دہلی میں پائے جاتے تھے۔ مصحفی نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

سرور اور قاسم کا بیان ہے کہ ان کا آبائی وطن کشمیر تھا اور وہ کمسنی میں ''عمدہ منتخبہ'' کی تصنیف سے پہلے فوت ہوئے ہیں۔

شیدا۔شاہزادہ مرزا قمرالدین یا مرزا گلو یا کلو:

وہ مرزا قیام الدین پسر شاہ عالم کے بیٹے تھے اور دہلی کے آخری بادشاہ ابوظفر محمد بہادر شاہ کے ایک رشتہ دار تھے۔ ابراہیم ذوق ان کے استاد تھے۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ہندوستانی شاعر کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے۔

شیدا۔محمد ارتضٰی خان:

وہ ایک ہم عصر شاعر ہیں جن کا ایک اردو قصیدہ مہاراجہ جودھپور کی شان میں ۱۸ جنوری ۱۸۷۰ء کے ''اودھ اخبار'' میں شائع ہوا ہے۔ یہ قصیدہ عید کے موقع پر لکھا گیا تھا۔

شیدا۔مراد آبادی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر سرور نے اپنے تذکرے میں کیا ہے۔

شیدا۔مولوی امانت اللہ بنگالی:

۱۸۱۴ء میں جس وقت بینی نرائن اپنا تذکرہ مرتب کر رہے تھے شیدا کلکتہ میں تھے۔ مندرجہ ذیل کتابیں ان کی تصنیف یا تالیف ہیں۔

۱۔ ''ہدایت الاسلام''۔ یہ کتاب سنی مسلمانوں کے لئے ہے۔ انگریزی میں اس کا ترجمہ Musulaman's Common Prayer ہے اور کلکتہ سے ۱۸۰۴ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کا پہلا حصہ حقوق و فرائض مذہب اسلام کے متعلق ہے اور اس کا ترجمہ میں نے فرانسیسی میں کیا ہے۔ دوسرے حصے میں اسلامی عقائد پر بحث ہے اور یہ حصہ اسی نوعیت کا ہے جیسا کہ میں نے ایک نثر کی کتاب سے ترجمہ کیا ہے۔ تیسرا حصہ قصہ پیغمبران کا خلاصہ معلوم ہوتا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ یہ کتاب شائع نہیں ہوئی۔ قصہ پیغمبران کا ذکر میرن کے مضمون میں کیا گیا ہے۔

۲۔ ''صرف اردو''۔ یہ منظوم اردو قواعد ہے جو ۱۸۱۰ء میں چھوٹی تقطیع پر کلکتہ سے شائع ہوئی ہے۔ اس کا دوسرا اڈیشن ۱۸۴۸ء میں چھپا ہے۔ میں نے اس کتاب کا تجزیہ ۱۸۳۷ء جرنل ایشیاٹک میں کیا ہے۔ اس کا ایک ترجمہ بھی ستمبر ۱۸۲۳ء میں ''اورینٹل میگزین'' کلکتہ میں چھپا ہے۔

۳۔ ''ترجمہ قرآن شریف''۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے نام میں انھوں نے دوسرے علماء سے بھی مدد لی ہے۔ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

۴۔ ''اخلاق جلالی'' ۔ اس کتاب کا اصل نام ''اخلاق جلال الدین جان محمد الدوانی ہے۔ یہ فارسی کا اردو ترجمہ، نثر میں ہے اور ۱۸۰۲ء میں بمقام کلکتہ زیر طباعت تھا لیکن میرا خیال ہے کہ یہ ایڈیشن شائع نہیں ہوا۔ فورٹ ولیم کالج کے قلمی نسخوں کی فہرست میں ''اخلاق جلالی'' کے ایک اردو ترجمے کا ذکر ہے جس کا عنوان ''جامع الاخلاق'' ہے۔ یہ دونوں نام غالباً ایک ہی کتاب کے ہیں صرف عنوان بدلا ہوا ہے۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی عربی، فارسی اور ہندوستانی کتابوں کی فہرست میں اس کتاب کا ذکر دونوں عنوانوں سے کیا گیا ہے۔ ''اخلاق جلالی'' کا ایک دوسرا عنوان ''لوامع الاشراق فی مکارم الاخلاق'' بھی ہے۔ شیدا کا ترجمہ ۱۸۴۸ء میں مولوی غلام حیدر کے ہاتھوں کلکتہ سے چھپا ہے۔ مولوی غلام حیدر فورٹ ولیم کالج میں محافظ دفتر تھے۔ اس میں چھوٹی تقطیع کے ۳۶۸ صفحے ہیں جس کا ایک نسخہ میرے پاس ہے۔

ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے کتب خانے میں اس کتاب کے ایک ہندی ایڈیشن کا ذکر ہے۔ یہ'' اخلاق جلالی'' مترجمہ لیفٹیننٹ جی۔ مین۔ ہنرگس کے چھ ابواب کا ہندی ترجمہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ ترجمہ انھوں نے شاید کسی منشی کی مدد سے کیا ہے اور اردو وانگریزی دونوں ترجموں کو ایشیا سوسائٹی کلکتہ کے حوالے کر دیا۔

اصل کتاب فارسی میں ہے اور اس کا مکمل ترجمہ انگریزی میں مسٹر ڈبلیو۔ ایف ۔تھامسن نے *Practical philosophy of the Mohammaden People* کے عنوان سے کیا ہے۔

اس کتاب میں ہندوستانی ترجمے کے متعلق بڑے دلچسپ نوٹس ملتے ہیں اور اسے گریٹ برٹن اینڈ آئیرلینڈ کی اورینٹل ٹرانسلیشن کمیٹی نے اپنے مصارف سے شائع کرایا ہے۔ ایشیاٹک جرنل میں مسٹر ایف۔ تھامسن کے مفید حاشیائی نوٹ سے پتہ چلتا ہے کہ کتاب ''الشہادت'' جو کہ فارسی ناموں سے ترجمہ کی گئی ہیں اصل میں ''اخلاق جلالی'' ہی ہے لیکن قدرے بہتر انداز میں ہے۔

۵۔ انھوں نے ایک منظوم اردو کتاب بھی لکھی ہے جس کا انگریزی عنوان *A Short System of Rules* ہے [۳۸۰]۔ غالباً یہ کتاب ''صرف اردو'' ہے۔

۶۔ مختلف اشعار۔ بینی نرائن نے ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔

یہ غزل دستیاب نہ ہو سکی۔ (مترجم)

شیدا۔ میر فتح علی:

ان کا آبائی وطن شمس آباد تھا لیکن وہ لکھنو میں رہتے تھے جہاں آصف الدولہ کے ہاں ۵۰۰ روپیہ ماہوار پر ملازم تھے۔ وہ میر سوز کے متبنیٰ بیٹے اور سودا کے شاگرد تھے۔ علی ابراہیم کے بقول وہ شاہ عالم کے دور کے ایک بڑے ممتاز شاعر ہیں۔ انھوں نے ۶ ہزار اشعار کا ایک دیوان مرتب کیا ہے۔ شاید یہ وہی مصنف ہیں جنھوں نے ''قصہ بوم و بقال'' کے نام سے ایک نظم لکھی ہے جس کا ذکر فدوی کے مضمون میں کیا گیا ہے۔

شیدا۔ نواب محمد حسن خان۔ لکھنوی:

وہ نواب سعادت علی خان کے رسالے دار رمضان علی خان کے بیٹے اور خواجہ حیدر علی آتش کے شاگرد تھے۔ وہ صاحب دیوان ہیں جن کی چند غزلیں محسن نے اپنے ''سراپا سخن'' میں نقل کی ہے۔ ان کا ایک واسوخت بھی لکھنو اور دہلی کے ''مجموعۂ واسوخت'' میں شامل ہے۔

شیدا۔ نواب معین الدین خان:

نواب غازی الدین خان نظام کے پوتے۔ وہ ایک ہم عصر اردو شاعر ہیں جو کالپی میں رہا کرتے تھے لیکن کبھی کبھی دہلی بھی تشریف لایا کرتے تھے۔ ان کا ذکر ''گلشن بے خار'' میں کیا گیا ہے۔

شیریں۔ بیگم طوائف۔ لکھنوی:

وہ ایک شاعرہ اور رقاصہ تھی۔ ولایت علی سرور نے اپنی چند غزلوں میں ان کا ذکر کیا اور خاص طور پر وہ غزل جو ''سراپا سخن'' میں شامل ہے۔ اس میں ان کی آنکھوں کے حسن کی تعریف کی گئی ہے۔

شیریں ابتدا میں میر محمد سپہر کی شاگرد تھیں، بعد میں امداد علی بحر کی مدد سے مشق سخن کرنے لگیں۔ انھوں نے ایک دیوان چھوڑا ہے جس سے محسن نے چند غزلیں نقل کی ہیں۔

شیفتہ۔ احمد خان۔ دہلوی:

وہ اسیر کے شاگرد اور باطن کے دوست تھے۔ شاید یہ وہی شاعر ہیں جن کا ذکر سرور کے علاوہ ''مجموعہ الانتخاب'' اور ''گلشنِ بے خار'' کے مصنفین نے کیا ہے لیکن انھوں نے ان کے نام اور الفاظ نہیں بتائے ہیں۔ کمال نے ان کی چند غزلیں نقل کی ہیں اور ان کا بیان ہے کہ شیفتہ نے خود یہ کلام انھیں رامپور کے ایک مشاعرے میں دیا تھا۔ سرور اور شیفتہ انھیں قدیم شاعر بتاتے ہیں لیکن ممکن ہے کہ وہ پرانے طرز بیان میں اشعار کہتے ہوں یا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ خود ایک معمر شاعر رہے ہوں۔

شیفتہ۔ حافظ عبدالصمد:

وہ فن سپہ گری کے ایک ماہر تھے اور شاعری کے لیے ان کے استاد بھی آشفتہ تھے۔ ان کا آبائی وطن کشمیر تھا لیکن وہ دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔ قاسم نے اردو شاعر کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے۔

شیفتہ۔ سید الہٰ بخش۔ دہلوی:

جن دنوں شورش اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو وہ پٹنہ میں چند سال سے قیام کر رہے تھے۔ وہ خاص طور پر مرثیہ لکھتے تھے۔

شیفتہ۔ میر محمدی:

شورش کا بیان ہے کہ وہ دہلی میں رہتے ہیں لیکن دہلی ان کا آبائی وطن نہیں ہے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں۔

شیفتہ۔ نواب حاجی محمد مصطفیٰ خان بہادر دہلوی:

ان کی شخصیت بڑی اہم ہے ان کے والد کا نام نظیم الدولہ سرفراز الملک نواب مرتضیٰ خان مظفر جنگ بہادر تھا۔ وہ اردو کے ممتاز شاعر اور مومن کے شاگرد ہیں اور فارسی میں شیفتہ کے علاوہ حسرتی تخلص کرتے تھے۔ وہ حسب ذیل کے مصنف ہیں۔

۱۔ ''گلشن بے خار''۔ یہ اردو شعرا کا فارسی تذکرہ ہے اور ۱۲۴۸ھ تا ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۸۳۲ تا ۱۸۳۴ء کے درمیان لکھا گیا ہے۔ اس میں تقریباً چھ سو مصنفین پر تبصرہ ہے جن میں بعض ابھی حیات ہیں۔ حالات کے علاوہ کلام کا انتخاب بھی دیا گیا ہے۔ دوسرے تذکروں حتیٰ کہ قاسم کے تذکرے کے مقابلے میں بھی یہ تذکرہ زیادہ مستند ہے، اگرچہ شیفتہ نے قاسم کے تذکرے سے استفادہ کیا ہے۔ میرے پاس اس کا ایک قلمی نسخہ ہے اور اپنی کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں اس تذکرے سے میں نے بہت سے تفصیلی واقعات لیے ہیں۔ مشرقی رواج کے مطابق اس کتاب کے آخر میں چند تاریخیں بھی دی ہوئی ہیں۔ بعض خود شیفتہ کی لکھی ہوئی ہیں اور بعض مومن، کرم اور سراج نے لکھی ہیں۔ تذکرہ کے تکملہ کے وقت شیفتہ کی عمر ۳۶ سال تھی۔ ''گلشن بے خار'' ۱۸۴۵ء میں محمد باقر کے پریس دہلی سے چھپا ہے۔ اس کے کئی ایڈیشن ہیں۔

۲۔ اردو دیوان۔

۳۔ ''مولود ابن جوزی محدث''۔ اس میں حضرت محمد کی پیدائش، خاندان اور تعلیم و تربیت کا حال حدیثوں

کی روشنی میں لکھا گیا ہے۔ اس کتاب کی تدوین شاہ محمد سلامت اللہ نے کی اور اس میں حضرت محمدؐ کے اصل الفاظ کے ساتھ ان کا اردو ترجمہ بھی دیا گیا۔

اپنے تذکرے میں شیفتہ نے اپنے متعلق بڑی خاکساری سے کام لیا ہے اور بیان کیا ہے۔ انھوں نے اپنی زندگی کے قیمتی لمحات غفلت میں گذارے۔ اپنے حالات وکلام کا انتخاب انھوں نے تقریباً دس صفحات میں دیا ہے۔ شیفتہ ۱۸۴۷ء میں دہلی کے قیام میں مشاعرہ کرتے تھے۔ ۱۸۶۶ء میں وہ زندہ تھے اور ''قران السعدین'' کے دہلی اخبار میں دہرنرائن نے ان کی تعریف کی ہے۔

شیویا سیوا نرائن۔ پنڈت:

وہ دہلی اور آگرہ کالج کے ایک ممتاز طالب علم تھے۔ بعد میں میرٹھ میں انگریزی کے پروفیسر کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ انھوں نے حسب ذیل کتابیں لکھی ہیں:

۱۔ ''تذکرد موستنس کا''۔ یہ کتاب Plutarch کی تصنیف *Lives* سے مرتب کی گئی ہے اور دہلی سے ۱۸۴۸ء میں شائع ہوئی ہے۔

۲۔ ''جغرافیہ ہند''۔ انھوں نے پنڈت سروپ نرائن کی رفاقت میں یہ کتاب ہندوستانی میں تصنیف کی ہے۔

۳۔ ''رسالہ علم طبعی''۔ انھوں نے پنڈت سروپ نرائن کے ساتھ *Natural Philosophy* کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ کتاب دہلی سے شائع ہوئی ہے۔ شاید یہ وہی کتاب ہے جو ''معرفت طبعی'' کے نام سے دہلی سے شائع ہوئی ہے۔

۴۔ انھوں نے Marshman کی کتاب *Survey of History* کا ترجمہ کیا ہے۔

۵۔ انھوں نے منشی وزیر علی کے ساتھ'' تاریخ یونان'' کا ترجمہ کیا ہے۔

۶۔ ''داستان قاصدان شاہی'' یہ کتاب اردو میں ہے اور اسے ایک انگریزی مذہبی رسالے سے، جس کا نام *The four messengers* ہے، مرتب کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں چھوٹی تقطیع پر ۸۷ صفحات ہیں اور اسے مفید خلائق پریس آگرہ سے ۱۸۵۹ء میں چھاپا گیا ہے۔ یہ ایک اخلاقی کہانی ہے اور مشرقی تہذیب کے مطابق اس کہانی کو تشبیہ اور استعاروں میں بیان کیا گیا ہے۔

۷۔ ''اخبار سررشتہ تعلیم اودھ''۔ یہ اخبار ہفتے کے روز لکھنؤ سے Handford کی سرپرستی میں شائع ہوتا ہے۔ Mr. Handford صوبۂ اودھ کے محکمہ تعلیم کے ڈائرکٹر ہیں۔ یہ اخبار بڑی تقطیع پر ۱۶ صفحات میں شائع ہوتا ہے اور اس کے ہر صفحے میں دو کالم ہیں۔

۸۔ ''مفید خلائق''۔ یہ آگرہ کا ایک اردو اخبار ہے۔

شیون۔میر حسن:

پٹنہ کے رہنے والے۔وہ پیشہ کے طور پر فوجی تھے اور شوقیہ طور پر اشعار کہتے تھے۔شورش نے ان کا ذکر کیا ہے اوران کا بیان ہے کہ جب وہ اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو شیون کا انتقال ہو چکا تھا۔

صابر۔احمد مرزا۔لکھنوی:

وہ محمد مرزاانس کے بیٹے اور شاگرد ہیں۔ وہ صاحب دیوان ہیں جن کے چند اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

صابر۔شاہ:

وہ محمد شاہ کے دور میں ایک درویش تھے۔ذکا کے بقول وہ فدوی کے شاگرد تھے لیکن ''گلشن بے خزاں'' کے مصنف نے انھیں فدوی کا استاد بتایا ہے۔وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں۔

صابر۔مرزا قادر بخش:

یہ دہلی کے شہزادے ہیں۔آپ کے والد کا نام مرزا محمد بخش ہے۔مولوی امام بخش صہبائی سے شرف تلمذ رکھتے تھے،۔وہ دہلی کے قلعہ مبارک میں پیدا ہوئے اور ۱۸۵۷ء کے غدر سے پہلے وہیں رہتے تھے۔ انھوں نے ایک ہندوستانی دیوان چھوڑا ہے جس سے محسن نے چند اشعار نقل کیے ہیں۔اس کے علاوہ انھوں نے اردو شعرا کا ایک تذکرہ لکھا ہوا ہے جس کا نام'' گلستان سخن'' ہے۔اس تذکرہ میں ۵۴۴ صفحات شامل ہیں اور ہر صفحے میں ۱۳ سطریں ہیں۔میرٹھ کے ''اخبار عالم'' اشاعت مورخہ ۲۲ راگست ۱۸۴۷ء میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ کتاب شائع بھی ہوئی ہے۔اس تذکرہ کا ایک نسخہ شاہی محل کے کتب خانے میں تھا۔اس کو حکومت برطانیہ نے دہلی کی تباہی کے بعد خرید لیا تھا۔(فہرست میں ان کا نمبر ۱۰۸۷ ہے)۔

صاحب۔امت الفاطمہ بیگم:

انھیں صاحب جی بھی کہتے ہیں اور وہ ہندوستان کے مشہور اردو مصنفین میں شمار کی جاتی ہے۔ان کے استاد کا نام منعم خان تھا جو شیفتہ کے بھی استاد تھے۔وہ کچھ عرصہ کے لیے دہلی تشریف گئیں تھیں لیکن پھر لکھنو واپس آ گئیں۔

زیادہ تر غزلیں کہی ہیں۔عزیز اللہ خان نے ان کے متعلق ایک مثنوی لکھی ہے۔جی صاحب ایک کتاب کی مصنف بھی ہیں،جس کا نام'' قول غمیں'' ہے اوراس کا ایک نسخہ میرے پاس بھی ہے۔

صاحب۔ میر یار علی:

سرور انھیں شاید ان کے انداز بیان کی وجہ سے ایک قدیم شاعر کہتے ہیں۔ وہ ایک دیوان کے مالک ہیں جو ۱۲۲۶ھ میں ۸۵ صفحات پر شائع ہوا ہے۔ اس کتاب میں حاشیہ میں بھی اشعار درج کیے گئے ہیں۔

صاحب قران۔ سید امام علی خان۔ رضوی:

ان کو شاعر فحش گو بھی کہتے ہیں۔ وہ سلیمان شکوہ کے دوست اور نواب سعادت علی خان کے ہمعصر تھے۔ وہ بلگرام میں پیدا ہوئے اور لکھنو میں رہتے تھے۔ آپ کے والد کا نام ملک غلام حسین تھا۔ کمال ان کو لکھنو سے جانتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ صاحب نے ایک عمدہ دیوان چھوڑا ہے لیکن فحش کلام سے معمور ہے۔ اس کتاب میں غزلیں اور چند رباعیاں ہیں۔ کمال نے ان کے دیوان سے تقریباً ۳۰ صفحات کو اپنے تذکرے میں نقل کیا جاتا ہے۔ فرح بخش لکھنو کے کتب خانے میں اس کا ایک قلمی نسخہ ہے جس میں ۲۵۰ صفحات ہیں اور ہر صفحہ میں ۱۲ بیت ہیں۔ اسپرنگر کے مجموعہ میں (شمارہ ۱۶۸۶) میں ۲۰۰ صفحات کا ایک قلمی نسخہ ہے جو ۱۲۵۹ھ/۴۔۱۸۴۳ء میں نقل کیا گیا ہے۔

صاحب کی غزلوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان میں سے بیشتر عمدہ غزلیں لکھنو کی مختلف طوائفوں کے نام معنون کی گئی ہیں اور ہر ایک غزل میں ان کا نام بھی شامل کیا گیا ہے۔ بدقسمتی سے میں ان کے نمونے پیش نہیں کرسکتا کیونکہ وہ سب کے سب فحش اور عمدہ عامیانہ انداز میں لکھی گئی ہے۔

شیفتہ اور کریم نے بھی صاحب کا ذکر کیا ہے لیکن کمال کے برعکس، جو خود بہت ہی فحش اور عامیانہ مذاق رکھتے اور صاحب قرآن کے کلام کو نقل کر کے خوشی محسوس کرتے تھے، قبل الذکر دو اصحاب نہایت شدت کے ساتھ ان لوگوں کی مذمت کرتے ہیں جو اپنی صلاحیتوں کو اس قسم کے رکیک مضامین لکھنے میں صرف کرتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے اپنے تذکرات کو اس قسم کے لغو اور فحش کلام سے گندہ کرنا پسند نہیں کیا۔

کریم کے مطابق ۱۸۴۷ء میں صاحب قرآن کی عمر ۳۵ سال تھی۔

صادق خان:

انھوں نے اردو میں منظوم عشقیہ کہانیاں تصنیف کی ہیں۔ ۱۸۵۱ء میں کان پور سے مصطفیٰ خان نے میر تقی کے قصوں کے ساتھ صادق کی کہانیاں شائع کی ہیں۔ اس کتاب کا عنوان ''مجموعہ مثنوی'' ہے۔

صادق۔ حکیم سید محمد:

لکھنو میں پیدا ہوئے اور کان پور میں رہتے تھے۔ صادق مرزا کے نام سے بھی مشہور ہیں اور وہ حکیم

سید محمد حسن خان کے بیٹے، روشن علی خان کے پوتے اور نواب معتمد الدولہ بہادر کے بھائی تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو ہادی علی بے خود سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ محسن نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

صادق۔ صادق حسین۔ لکھنوی:

وہ نثار علی خان کے بیٹے، تاج الدین حسین خان کمبوہ کے بھانجے اور رشک کے شاگرد تھے۔ محسن نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کے چند اشعار بھی اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

صادق۔ صادق حسین شاہ:

وہ حیدری کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ ان کا آبائی وطن پنجاب ہے لیکن وہ فرخ آباد میں رہتے ہیں۔ وہ ایک قلندر ہیں اور قاسم نے ان کے کلام کو قلندرانہ بتایا ہے کیونکہ وہ عام طور سے قلندروں میں پڑھا جاتا ہے۔

صادق۔ مرزا محمد:

وہ دہلی کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے ہندستانی اشعار کہے ہیں، جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔ اسپرنگر کا بیان ہے کہ وہ شاہ عالم کے داماد تھے۔

صادق۔ میاں صادق علی خان۔ لکھنوی:

انھیں عام طور پر مسیتا کہتے تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں۔ جرأت ان کے استاد تھے۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ صادق کا انتقال ۱۲۳۵ھ/۲۰-۱۸۱۹ء میں ہوا۔

صادق۔ میر جعفر خان۔ دہلوی:

میر محمد خان کے بیٹے اور مشہور صوفی میر سید محمد قادر کے پوتے ہیں۔ جن کا مزار دہلی کے نواح میں ہے۔ صادق کی ان کے دادا نے پرورش کی تھی اور ان ہی سے انھوں نے اخلاق حسنہ اور تقویٰ کی تعلیم پائی تھی۔ وہ اپنے دادا کی قبر کے قریب دفن کیے گئے۔

دوسری کتابوں کے علاوہ انھوں نے ''بہارستان جعفری'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس کا موضوع مجھے معلوم نہیں۔

صادق۔ میر صادق علی۔ دہلوی:

وہ ایک فوجدار کے لڑکے تھے جو شاہ عالم اور سلیمان شکوہ کے پاس ملازم تھے۔ شاید یہ وہی صادق علی خان ہیں، جن کے متعلق قاسم کا بیان ہے کہ وہ پٹنہ میں پیدا ہوئے تھے اور دہلی کے شاہی دواخانے میں ملازمت کرتے تھے۔ لیکن اسپرنگر کا بیان ہے کہ یہ دونوں مختلف افراد ہیں۔ بہر حال صادق علی صادق اودھ

کے پہلے نواب غازی الدین حیدر کے پاس منشی کی حیثیت سے ملازم تھے۔ وہ ایک اچھے خوش نویس تھے۔انھوں نے متعدد کتابوں کی کونقل کیا ہے جوفرح بخش کے کتب خانے میں موجودتھیں۔

صادق نے دوسری چیزوں کے علاوہ ایک دیوان چھوڑا ہے۔جس میں مثنویاں،قصیدے،فرد،قطعات اور غزلیں ہیں۔اس دیوان کا قلمی نسخہ فرح بخش کے کتب خانے میں تھا۔اس میں ۳۰۰ صفحات ہیں اور ہر صفحہ میں ۸ بیت درج ہیں۔

اس مصنف کے کلام کا ایک مجموعہ موتی محل کے کتب خانے میں تھا۔اس میں اردو کے علاوہ پنجابی کے دوہرے اور عربی اور فارسی اشعار کے ترجے ہیں۔اسپرنگر Catalogue ۸،صفحہ ۶۰۴۔

صافی۔لالہ بودھ سین:

وہ ایک معلم اورشاعر تھے۔باطن کا بیان ہے کہ وہ حال ہی میں انتقال کر گئے۔ غالبًا یہ وہی منشی بودھ سنگھ ہیں جنھوں نے ''دستورات گنج حساب'' لکھا ہے جو بنارس سے ۱۸۴۷ء میں شائع ہوا ہے۔

صافی۔میر مظہر علی بہاری:

وہ مرزا محمد فاخر مکین کے شاگرد تھے۔ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر شورش نے کیا ہے۔

وہ ''اتالیق الصبیان'' کے مصنف ہیں۔

صالم۔شاہ:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر منولال نے اپنے گلدستہ میں کیا ہے۔ان کا ایک شعر ذیل میں درج ہے،جس میں کوئی خاص خوبی نظر نہیں آتی:

یہ شعر دستیاب نہ ہوسکا۔مترجم۔(گارسان نے اس نام کو ص سے لکھنے کی تاکید کی ہے۔مترجم)

صانع۔نظام الدین احمد۔بلگرامی:

وہ علی ابراہیم خان اور سودا کے دوست تھے۔انھوں نے فارسی میں ایک دیوان چھوڑا ہے۔اس کے علاوہ وہ ہندوستانی میں بھی کلام موزوں کرتے تھے لیکن زیادہ تر فارسی میں اشعار کہتے تھے۔ صانع ان شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں جنھوں نے جدید ہندوستانی زبان میں گراں قدر اضافہ کیا ہے۔وہ بہت ہی شگفتہ اشعار کہتے تھے اور ان کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ مشکل ترین اشعار کو بڑی خوبی سے بیان کرتے ہیں۔۱۷۸۳ء میں وہ مرشد آباد کے علاوہ کلکتہ میں بھی رہتے تھے۔ان کا انتقال مذکورہ بالا سال کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ہوا ہے۔

صبا۔لالہ کنجی مل آنجہانی:

وہ ہندو کایستھ ہیں اور اردو شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں۔ان کے آباؤاجداد فیروزآباد میں رہتے تھے لیکن انھوں نے لکھنو میں پرورش پائی تھی۔ جب مصحفی لکھنؤ تشریف لائے تو صبا وہیں رہتے تھے۔ان دنوں صبا کو شعروسخن کا ذوق پیدا ہوااور وہ اپنے کلام کو مصحفی کے پاس اصلاح کی غرض سے لے جانے لگے۔انھیں مصحفی سے بڑی عقیدت تھی اور تھوڑے ہی عرصے میں انھوں نے ایک دیوان مکمل کرلیا جن میں بہت ہی عمدہ اشعار شامل کیے تھے۔بدقسمتی سے ان کا انتقال بہت ہی کم عمری میں تقریباً ۲۵ سال میں ہوا ہے۔جس کی وجہ سے وہ اپنی ادبی کاوشوں کو جاری نہ رکھ سکے۔مصحفی نے ان کے اشعار کو دوصفحات پر نقل کیا ہے۔شیفتہ کا بیان ہے کہ انھوں نے ایک مختصر دیوان چھوڑا ہے۔وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ صبا اسی نام کے ایک دوسرے شاعر سے مختلف شخص ہیں جو پٹنہ میں رہتے تھے اور میر ضیا کے شاگرد تھے۔مؤخرالذکر کے متعلق قاسم نے اپنے تذکرے میں ذکر کیا ہے۔

صبا۔راجہ شنکر ناتھ:

وہ راجہ رام ناتھ ذرہ کے چھوٹے بیٹے اور محمد تقی میر کے شاگرد تھے۔وہ ایک اچھے اردو شاعر ہیں جو اپنے یہاں مشاعرے منعقد کرتے تھے۔سرور نے ان کا ذکر کیا ہے اور ذکا جوان کے دوست تھے،ان کا ذکر اپنے تذکرے میں نقل کرتے ہیں۔

صبا۔میر وزیر علی۔لکھنوی:

وہ ایک مشہور اردو شاعر ہیں اور ممتاز شاعر خواجہ حیدرعلی آتش کے شاگرد ہیں۔۱۸۴۷ء میں ان کی عمر ۴۰ سال تھی۔انھوں نے ایک دیوان مرتب کیا ہے جس کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔صبا لکھنؤ اور کانپور میں عرصہ تک رہے تھے جہاں وہ مشاعروں میں جایا کرتے تھے۔کریم کے بقول وہ ایک اچھے عہدے پر فائز تھے۔

صبائی:

یہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو گجرات کے قدیم دارالسلطنت احمدآباد میں پیدا ہوئے تھے۔میر تنہا تذکرہ نگار ہیں جنھوں نے ان کا تذکرہ کیا ہے اور ان کا ایک شعر نقل کیا ہے۔

صبر۔مرزا غلام حسین خان:

ان کا آبائی وطن کشمیر تھا لیکن وہ دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔ان کے والد کا نام حکیم بوعلی خان تھا اور ان

کے استاد کا نام میر عزت اللہ خان عشق تھا۔ قاسم اور سرور انھیں قابل قدر شاعر سمجھتے ہیں اور ان کا بیان ہے کہ وہ علوم عقلی میں بھی دلچسپی رکھتے تھے۔

صبر۔ میر اسد:

وہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے تھے اور میر مہدی کے بیٹے تھے۔ وہ ایک اردو شاعر ہیں جو ناسخ سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ وہ صاحب دیوان ہیں۔

صبر۔ میر محمد علی فیض آبادی:

وہ ایک مشہور مرثیہ گو ہیں لیکن ہندوستانی تذکرہ نگاروں نے ان کے صرف چند اشعار نقل کیے ہیں۔

صحبت۔ مرزا بخشش علی خان:

وہ نوروز علی خان کے بیٹے، ظہیر الدولہ حیدر بیگ خان کے پوتے اور شہزادہ مرزا محتشم بخت بہادر کے گہرے دوست تھے۔ ان کے استاد ناسخ تھے۔ انھوں نے ایک دیوان یادگار چھوڑا ہے، جس کا ایک قلمی نسخہ فرح بخش لکھنو میں موجود تھا۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ان کی چند غزلیں نقل کی ہیں۔

صحت۔ محمد حسن خان۔ لکھنوی:

وہ حکیم غلام عباس کے بیٹے، محمد یار خان وکیل کے نواسے اور سید محمد آغا حسین امانت کے شاگرد تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں، جن کا ذکر محسن نے اپنے تذکرے میں کیا ہے۔

صدر۔ میر صدر الدین۔ لکھنوی:

وہ میر بدر الدین کے بیٹے، باسط کے نواسے اور خواجہ حیدر علی آتش کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ایک دیوان مرتب کیا ہے جس کی ایک غزل محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہے۔

صدق۔ بشارت علی:

وہ نوازش علی کے بیٹے اور مظفر خان گرم کے شاگرد ہیں۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جس کے چند اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

صدق۔ محمد صدیق۔ حیدر آبادی:

وہ ایک شاعر ہیں جو میاں فیض سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔ گردیزی اور سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

صغیر۔ شیخ حیدر علی لکھنوی:

وہ شیخ روشن کے بیٹے اور میر علی اوسط رشک کے شاگرد ہیں۔ وہ ایک دیوان کے مصنف ہیں اور اپنے

مکان پر مشاعرے منعقد کرتے ہیں۔ محسن نے ان کی ایک غزل نقل کی ہے جس کا ہر شعر ''آنکھوں میں'' کے ردیف پر ختم ہوتا ہے۔ یہ غزل ''سراپا سخن'' کے اس حصے میں ہے جس میں آنکھوں کا بیان ہے۔

صفا۔ رائے منولال:

یہ ایک مشہور ہندوستانی شاعر ہیں اور ذات کے کایستھ ہیں۔ ان کی پیدائش لکھنو میں ہوئی۔ سرور کے مطابق ان کے والد کا نام رائے پران چند تھا جو کہ ایک صحافی تھے۔ وہ نواب اودھ کے داروغہ رائے صاحب رام کے چھوٹے بھائی اور سرور کے مطابق میر تقی اور مصحفی کے شاگرد تھے۔ صفا پہلے تحصیلدار تھے بعد کو صحافی ہو گئے۔ ۱۸۳۵ء میں وہ رڑکی کالج سے وابستہ تھے (آگرہ گورنمنٹ گزٹ۔ جون ۱۸۵۵ء)۔ مصحفی نے صفا کا صرف ایک مطلع نقل کیا ہے جو انھوں نے کہیں سے سنا تھا۔

اس سے کچھ پہلے وہ کلکتہ میں مقیم تھے، انھوں نے مندرجہ ذیل کتابیں لکھی ہیں۔

۱۔ ''گلدستۂ نشاط'': یہ علم بلاغت پر ایک رسالہ ہے جس میں مختلف اشعار کا انتخاب کر کے شاعری کے فنی پہلوؤں کی وضاحت کی گئی ہے۔ اشعار کے حوالے ہندوستان کے ان ممتاز شعرا کے یہاں سے دیے گئے ہیں جنھوں نے فارسی یا ہندوستانی میں کہے ہیں۔ اس رسالے میں ہندوستانی شعرا کا ذکر بہت کم آتا ہے پھر بھی وہ بڑا دلچسپ ہے۔ یہ کتاب کلکتہ سے لارڈ اکلینڈ کے حکم سے ۱۸۳۶ء میں ہنری پرنسیپ نے شائع کی ہے۔ اس میں بڑی تقطیع کے ۴۸۶ صفحات ہیں۔ یہ کتاب میرے کام میں بڑی مددگار ثابت ہوئی اور چند ایسے شعرا کا مجھے اس کتاب میں تذکرہ ملا، جن کا دوسرے تذکروں میں ذکر نہ تھا۔ مسٹر پرنسپ نے ''گلدستہ نشاط'' کا ایک نسخہ مجھے بھیجا تھا جو ان کے بھائی کے نام معنون تھا۔

۲۔ ''رسالہ تعمیر عمارات''۔ Construction of Buildings کا اردو ترجمہ ہے۔ اس میں ۲۱۰ صفحے ہیں۔

۳۔ ''اصول جبر و مقابلہ''۔ یہ انگریزی سے ترجمہ کی گئی ہے اور چھوٹی تقطیع کے ۲۰۴ صفحات پر ۱۸۵۸ء میں رڑکی سے شائع ہوئی ہے۔

۴۔ رسالہ۔ جو کہ رڑکی کالج کے طلبا کے لیے لکھا گیا اور ان کا انگریزی عنوان *Papers Prepared for the use of thomson College,Roorki* ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ چھوٹی تقطیع کے ۴۷ صفحات میں اور دوسرا ۶۸۱ صفحوں پر رڑکی سے چھپا ہے۔

۵۔ ''رسالہ درباب آب رسانی''۔ یہ کتاب W.E.Milton کی انگریزی کتاب *Memoranda of Irrigation* کا ترجمہ ہے۔

۶۔ ''تت صاحب کی جرثقیل''۔ یہ tato کی Ex.in Machanics کا ترجمہ ہے۔

۷۔ ''گوہرنامۂ بہائی''۔ یہ ایک مثنوی ہے جس کا ذکر کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی کی فہرست میں فارسی کتاب کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔ لیکن عنوان سے پتا چلتا ہے کہ وہ ہندوستانی میں ہے۔

۸۔ weale کی کتاب *Algebra* کا اردو ترجمہ۔ آگرہ۔

۹۔ اردو شاعری کا دیوان۔ جس کا ایک نسخہ حیدرآباد میں راجہ چندولال کے پاس تھا اور جس سے چند غزلیں محسن نے اپنے دیوان میں نقل کی ہیں۔

صفا۔ مرزا ننھے:

وہ دہلی کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ کریم الدین انھیں ہم عصر ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے ہیں۔ اسپرنگر نے ''گلشن بے خزاں'' کے حوالے سے اس کا نام تحسن بتایا ہے۔

صفت۔ مذہب علی خان:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر ابوالحسن کے ''مسرت افزا'' میں کیا گیا ہے۔

صفدر سید اور میر فرزند علی۔ فرخ آبادی:

وہ سید اور میر امیر حیدر کے بیٹے اور سید اسماعیل حسین منیر کے شاگرد تھے۔ یہ ہندوستانی شاعر ایک دیوان کے مصنف ہیں جن کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔

صفدر علی:

میں ان کے تخلص سے واقف نہیں البتہ اس قدر معلوم ہوا ہے کہ وہ صوبہ آگرہ میں بھرتپور کے مقام پر ایک مطبع کے مالک تھے جس کا نام ''مطبع صفدری'' تھا۔ یہ مطبع نومبر ۱۸۵۱ء میں قائم ہوا تھا۔ وہ مطبع کے قائم ہونے کے بعد ایک ہندوستانی اخبار نکالتے ہیں جس کا نام ''مظہر السرور'' ہے۔ یہ اخبار ''مالوہ اخبار'' کی طرح دو کالم میں شائع ہوتا ہے اور اس کے ایک کالم میں اردو اور دوسرے میں ہندی عبارتیں شائع ہوتی ہیں۔ صفدر عرصہ ۸ سال تک بھرتپور کی حکومت میں ملازم تھے، اس کے بعد انھوں نے یہ اخبار راجہ بھرتپور کی سرپرستی میں نکالا ہے چنانچہ کچھ یہی وجہ ہے کہ یہ اخبار کامیابی سے شائع ہو رہا ہے۔

صفدر علی۔ مولوی اور سید۔ جبلپوری:

ایک مسلمان عالم دین جنھوں نے عیسائی مذہب اختیار کرلیا ہے اور آج کل جبل پور کے ضلع میں اسکولوں کے انسپکٹر ہیں۔ انھوں نے مندرجہ ذیل کتابیں تصنیف کی ہیں۔

۱۔ ''گلزار بے خار''۔اس کتاب میں اخلاقی فقرے اور واقعات درج ہیں۔اس میں دو حصے ہیں اور ہر حصے کا عنوان چمن ہے۔ یہ کتاب جبل پور میں ۱۸۶۸ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی ہے اور اس کے ہر دو حصوں میں علی الترتیب ۲۶ اور ۲۸ صفحات ہیں۔

۲۔ ''نیاز نامہ''۔اس کتاب میں مسلمانوں سے خطاب کیا گیا ہے اور مصنف کے تبدیل مذہب کے وجوہات بیان کیے گئے ہیں۔دراصل یہ کتاب ان دوستوں اور واقف کاروں کے جواب میں لکھی گئی ہے جنھوں نے شمالی مغربی صوبہ، اودھ، پنجاب اور صوبہ متوسط ہند سے ان کے اقدام کی مذمت میں خطوط امریکن مشن کے اہتمام شائع کرائے تھے۔ الٰہ آباد سے اس کتاب کے دو اڈیشن نکلے ہیں۔ ایک فارسی رسم الخط میں ہے اور دوسرا رومن میں (۱۸۶۷ء۔ چھوٹی تقطیع۔ ۳۰۰ صفحات۔ ہر صفحہ میں ۱۶ سطریں) ان کتابوں کی دو ہزار کاپیاں شائع ہوئی ہیں۔

اس کتاب کو جس میں عیسائیت اور مذہب اسلام کا مقابلہ کیا گیا ہے، بڑی اہمیت حاصل ہے کیونکہ اس کے لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں پر گہرا اثر ڈالا جائے۔اس کتاب میں چار حصے ہیں۔ پہلے حصے میں اس بات کی تردید کی گئی ہے کہ مسلمانوں کے خیال کے مطابق انجیل اور توریت میں تحریف ہے۔دوسرے حصے میں قرآن وحدیث سے ان مضامین کو درج کیا گیا ہے جو انجیل وتوریت کے حق میں ہیں۔تیسرے حصے میں انجیل وتوریت کے صحیح ہونے کے لیے اسناد پیش کیے گئے ہیں۔اور چوتھے حصے میں انجیل وتوریت کے منسوخ ہونے کے متعلق مسلمانوں کے دلائل کا جواب ہے۔

صفدر۔ میر صفدر علی:

وہ علی اکبر کے بیٹے اور جے پور کے ایک سید تھے۔صفدر ایک ممتاز شاعر ہیں۔ ابتدا میں وہ انگریزوں کے ملازمت کرتے تھے لیکن بعد میں بینائی کی کمزوری سے مجبور ہو کر ملازمت ترک کردی تھی۔ ان کا انتقال تقریباً ۵۰ سال کی عمر میں ہوا ہے۔قاسم اور شیفتہ ان کو اپنے تذکروں میں نقل کرتے ہیں۔

صفدری:

وہ پٹنہ کے رہنے والے ہیں۔شورش کے بقول یہ شاعر آصف جاہ کے ہم عصر تھے اور زیادہ تر فارسی میں شاعری کرتے تھے۔

صفدری۔ حیدرآبادی:

وہ دکن کے ایک قدیم شاعر ہیں۔ مصحفی اور بینی نرائن نے ان کے کچھ اشعار نقل کیے ہیں۔کمال اور

علی ابراہیم نے بھی ان کا ذکر کیا ہے اور ان کا ایک شعر درج کرتے تھے۔
صفدری۔میر صادق علی:

وہ میر قمرالدین منت کے بیٹے اور مشہور شاعر میر نظام الدین ممنون کے چھوٹے بھائی اور شاگرد تھے۔ ان کا جواں عمری میں انتقال ہوا ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ غالباً ان کو کسی عیسائی نے قتل کر دیا تھا۔انھوں نے بیشتر عشقیہ اشعار کہے ہیں جنھیں سرور نے نقل کیا ہے۔
صفیر۔جان خان:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر اسپرنگر نے اپنے "Catalogue of Oude Libraries" (صفحہ ۲۱۷) میں کیا ہے۔
صفی۔سید مومن حسین:

امروہہ کے رہنے والے۔ایک ہم عصر شاعر ہیں اور آج کل (۱۸۵۶ء میں) نول کشور کے مطبع سے منسلک ہیں، جہاں سے ''اودھ اخبار'' نکلتا ہے۔ انھوں نے اس اخبار کی اشاعت مورخہ ۲۴ جنوری میں دو قصیدے لکھے ہیں۔ایک قصیدہ عید کے متعلق ہے اور دوسرا مہاراجہ مان سنگھ کی شان میں لکھا گیا ہے۔جس جگہ سے ''اودھ اخبار'' نکلتا ہے وہ مہاراجہ مان سنگھ کی ملکیت میں ہے۔صفی نے متعدد دوسرے اشعار بھی کہے ہیں اور ان کے علاوہ ''سروش سخن'' کے نام کی داستان کے آخر میں ایک نظم بھی پائی جاتی ہے۔
صلاح۔شیخ محمد:

وہ مرزا کمال الدین محمد کے بیٹے اور حضرت شاہ افضل اللہ آبادی کے پوتے تھے۔صلاح فرخ آباد میں پیدا ہوئے تھے اور وہیں رہتے تھے۔انھوں نے ہندوستانی اشعار تصنیف کیے ہیں جن کا ذکر ''مسرت افزا'' میں کیا گیا ہے۔
صالح۔شیخ صالح محمد عثمانی:

وہ ۱۲۴۰ھ/ ۲۵-۱۸۲۴ء میں کسی نامعلوم جگہ سے دکن چلے گئے اور بمبئی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم ہو گئے۔یہاں انھوں نے گورنر الفنسٹن کے عہد میں کرنل کینڈی کی منشا سے ''سیر عشرت جمیع الحکایات'' نامی کتاب اردو میں لکھ کر شائع کرائی۔ اس نام کے لفظوں سے اس کا سن طباعت ۱۲۴۰ھ نکلتا ہے۔ساتھ ہی الفاظ کتاب کے ابواب کی طرف سے بھی اشارہ کرتے ہیں، آخر کے دو الفاظ موضوع پر روشنی ڈالتے ہیں اور ان سے ۱۸۲۵ء عیسوی نکلتا ہے۔

یہ کتاب ''گلستان'' کے طرز پر نثر میں لکھی گئی ہے لیکن اس میں اشعار کے حوالے بھی دیے گئے ہیں۔ اس کے دس حصے ہیں۔ پہلے میں انصاف، دوسرے میں درویشی، تیسرے میں حکمرانوں کے طرزِ عمل، چوتھے میں وزرا کے طریق زندگی، پانچویں میں ترتیب ذہنی، چھٹے میں گوشہ نشینی، ساتویں میں سوسائٹی، آٹھویں میں انکسار، ذوق وشوق اور صبر، نویں میں حصول زر، وفاداری اور گدائی اور دسویں میں رشک وحرص کے موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔

اس کتاب کا دوسرا اڈیشن بمبئی سے ۱۸۳۸ء میں اور تیسرا اڈیشن بمبئی سے ۱۸۴۶ء میں شائع ہوا ہے جس کا ایک نسخہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے کتب خانے میں موجود ہے اور فہرست کتب میں اس کا عنوان A Collection of moral tales ہے لیکن اس میں کچھ غلطی ہے کیونکہ اس میں مصنف کا نام شیخ صالح کے بجائے تیغ صالح ہے۔

اسی نام کے ایک اور مصنف ہیں جنھوں نے ''مہر وماہ'' کے نام سے ایک سفر نامہ نظم میں لکھا ہے۔ انھی کی بھی اسی عنوان کی ایک نظم ہے جو اس سے مختلف ہے۔ یہ ۱۱۳۳ھ/۲۱-۱۷۲۰ء میں لکھی گئی اور اس میں ۴۸۰ اشعار ہیں۔ لکھنؤ کے توپ خانے میں اس کا ایک نسخہ تھا۔ اسپرنگر: کیٹیلاگ، صفحہ ۶۰۴

صمد۔ میاں عبدالصمد۔ حیدرآبادی:

فیض کے ایک شاگرد ہیں۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر باطن نے اپنے تذکرے میں کیا ہے۔

صمصام۔ نواب امیر الامرا صمصام الدولہ خان دوراں:

وہ خواجہ محمد عظیم کے نام سے بھی مشہور ہیں اور مغل سلطان فرخ سیر کے امرا میں تھے۔ وہ محمد شاہ کے وزیر رہ چکے ہیں اور شورش کا بیان ہے کہ نادر شاہ کے خلاف ایک جنگ میں لڑتے ہوئے ہلاک ہوگئے ہیں۔ علی ابراہیم کہتے ہیں کہ ان کی زندگی اور کارنامے اس قدر روشن ہیں کہ ان کو بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ انھوں نے صرف ایک شاعر کی حیثیت سے صمصام کا ذکر کیا ہے اور بتاتے ہیں کہ انھوں نے ہندوستانی اور فارسی میں اشعار کہے ہیں۔

صنعت۔ مغل خان:

وہ نواب آصف جاہ نظام الملک کی رشتہ دار ہیں۔ علی ابراہیم اور فتح علی حسینی نے ان کے متعلق اس سے زیادہ کوئی تفصیل نہیں بیان کی ہے لیکن انھوں نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں تاکہ ان کی صلاحیتوں کا اندازہ کیا جاسکے۔

صنعت ۔میاں کریم الدین :

باطن کے نزدیک ان کا نام کریم اللہ تھا۔ مرادآباد میں پیدا ہوئے لیکن انھیں کئی بار دہلی جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ شیفتہ کا بیان ہے کہ اس کے باوجود دہلی میں صنعت سے ملنے کا انھیں کبھی موقع نہیں ملا ہے۔ وہ سنار کا کام کرتے تھے لیکن اردو میں اشعار بھی کہتے تھے۔ غالباً یہ اشعار مذہبی رنگ میں ہوتے تھے کیونکہ تذکرہ نگاروں کا خیال ہے کہ وہ ایک متقی اور پرہیزگار شخص تھے۔

صواب ۔شیخ محمد اشرف غازی پوری:

وہ منیب کے شاگرد تھے اور الہ آباد میں رہتے تھے۔ صواب ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا انتقال ۱۱۹۲ھ مطابق ۹۔۱۷۷۸ء میں کم سنی میں ہوا ہے۔ ابوالحسن ان کا ذکر کرتے ہیں۔

صوفی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جنھوں نے اپنے دوسرے کلام کے علاوہ ۱۷۰ ابیات کا ایک مرثیہ لکھا ہے جس کا ایک نسخہ توپ خانہ لکھنو میں موجود ہے۔ شاید یہ وہی سید فرزند علی صوفی ہیں جن کے اشعار ''سروش سخن'' کے آخر میں شامل ہیں۔

صولت ۔خواجہ محمد لکھنوی:

وہ مولوی عبدالغفور کے بیٹے اور خواجہ حیدر علی آتش کے شاگرد تھے۔ محسن نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

صہبائی ۔مولوی منشی امام بخش:

دور حاضر کے ہندوستانی مصنف ہیں جو غدر سے پہلے دہلی میں کوچہ چیلاں میں رہتے تھے۔ کریم کا بیان ہے کہ ''وہ چیلوں کے کوچے میں رہتے ہیں۔

اس کے علاوہ کریم ہی کے مطابق وہ بڑے خوش مذاق عالم ہیں اور دور حاضر میں ان سے بڑھ کر کوئی فارسی عالم نظر نہیں آتا۔ انھوں نے فارسی کے تمام ادب العالیہ کا مطالعہ کیا ہے۔ ساتھ ہی قواعد و بلاغت اور منطق کی عربی کتابیں بھی دیکھی ہیں۔ وہ علم طب، عروض اور معمہ میں دستگاہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے صرف اردو نثر ہی نہیں لکھی بلکہ چند اشعار بھی کہے ہیں جن میں سے بعض انھوں نے خود تعلیمی کتابوں میں نقل کیے ہیں۔ کچھ اور اشعار ہیں جن میں سے ایک غزل کریم نے نقل کی ہے جو صہبائی نے کسی مشاعرے میں ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء میں سنائی تھی۔ ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر تقریباً ۴۰ سال کی تھی۔ دہلی کے مشہور عالم عبداللہ خان نادر شہزادہ قادر بخش صابر تذکرہ نگاران کی صحبت کی فیض یافتہ تھے۔

میرے دوست F.Boutros صہبائی کے مربی تھے۔ صہبائی نے معلمی کا پیشہ اختیار کیا اور پھر اس پیشے میں ایسے مشہور ہوئے کہ اعلیٰ خاندانوں کے بچوں کے معلم مقرر ہوگئے۔ جب لیفٹیننٹ گورنر ٹامسن دہلی میں ایک کالج کھولنے کی غرض سے آئے تو انھوں نے امام بخش صہبائی کو فارسی کا پروفیسر مقرر کیا۔ دہلی کے مفتی صدر الدین نے اس جگہ کے لیے تین نام پیش کیے۔ اول الذکر نے انکار کردیا۔ آخر الذکر نے سو روپیہ ماہوار طلب کیا لیکن صہبائی نے چالیس روپے ماہوار پر کام کرنا قبول کیا اور ۱۸۴۰ء میں اپنا کام شروع کردیا، اس کے بعد ان کی تنخواہ پچاس روپیہ ماہوار ہوگئی۔ انھوں نے مندرجہ ذیل کتابیں لکھی ہیں:

۱۔ ''حدائق البلاغت''۔ یہ شمس الدین معتبر کی مشہور کتاب ہے جسے صہبائی نے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ ۱۸۴۲ء میں مسٹر F.Boutros پرنسپل دلی کالج کی زیرنگرانی لکھی گئی ہیں۔ یہ کتاب کا بعینہٖ ترجمہ نہیں ہے کیونکہ ایشیائی اقوام کا تخیل اس قسم کے کاموں کے لیے موزوں نہیں ہے۔ یہ دراصل فارسی کتاب کی تقلید میں ہندوستانی طرز پر ترتیب دیا گیا ہے۔ ان دونوں کتابوں میں کچھ اور ایسی اختلافی باتیں جو دونوں کو ایک دوسرے سے بالکل ممیز کرتی ہیں۔ سید عبدالغنی نے اس کتاب کو پہلے مرتبہ دہلی سے ۱۸۴۳ء میں شائع کیا۔ کریم الدین نے ۱۸۴۴ء میں دوبارہ چھاپا۔

۲۔ ''رسالہ قواعد اردو''۔ یہ اردو زبان میں اردو کی ایک عمدہ قواعد ہے۔ اور دہلی سے ۱۲۶۱ء/۱۸۴۵ء میں ۲۹۸ صفحات پر چھپی ہے۔ اس کتاب کا ایک نسخہ دہلی کی آخری بادشاہ کے کتب خانے میں تھا۔ اس کتاب کے تیسرے باب میں الفاظ اور چوتھے میں محاورات اور ضرب الامثال کی بحث ہے۔ اس کتاب کا انگریزی عنوان یہ ہے:. A Grammar of the Urdoo Language in Urdoo ،
ایسٹ انڈیا آفس کی لائبریری کی فہرست کتب کے ضمیمہ میں اس عنوان سے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ Institute do France کے کتب خانے میں بھی اس کا نسخہ موجود ہے۔ حروف تہجی کی کتاب'' قاعدہ اردو'' کو صہبائی کی اس اردو سے خلط ملط کرنا درست نہیں۔

۳۔ ''انتخاب دواوین شعرائے مشہور زبان اردو کا''۔ اس کتاب میں ولی، درد، سودا، میر، جرأت، حسن، نصیر، ممنون، ناسخ، مول چند اور ذوق اور مومن کے کلام کا انتخاب ہے۔ یہ کتاب ۱۸۴۴ء میں دہلی سے چھوٹی تقطیع پر چھپی ہے، اس میں ۲۷۲ صفحے اور ہر صفحے میں ۲۰ سطریں ہیں۔ اس کے دیباچے میں ۲۳ صفحات ہیں جن میں مصنف نے ان عربی بحور سے بحث کی ہے جو اردو میں استعمال ہوئی ہے۔ ساتھ ہی اس کے اہم اصناف شعر کی تفصیل بھی دی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایسٹ انڈیا آفس کی فہرست

کتب میں جس کتاب کا ذکر ''انتخاب الشعرا'' کے نام سے کیا گیا ہے۔ وہ اس کتاب کا نیا اڈیشن ہے۔

۴۔ صہبائی نے سید محمد خان کی ''سہ نثر ظہوری'' کی شرح بھی لکھی ہے جو ۱۸۴۴ء میں دہلی سے شائع ہوئی ہے۔ غالباً یہ وہی کتاب ہے، جس کو کریم الدین نے ''تشریح ظہوری'' کے نام سے شائع کیا ہے۔

۵۔ ''الفاظ مشکلہ'' مصنفہ ٹیک چند کی صہبائی نے شرح لکھی ہے جو ۱۸۴۷ء میں چھپی ہے۔

۶۔ ''رسالہ معمہ کے حال میں''۔

۷۔ ''فن معمہ''۔

صیاد۔ مرزا غلام حسن:

وہ میر عزت اللہ عشق کے بیٹے تھے۔ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کے کا ذکر زکا نے کیا ہے۔

صید۔ عبدالباری:

وہ ایک ہم عصر شاعر ہیں جن کا ذکر کریم الدین نے کیا ہے۔ غالباً یہ مصنف وہی مولوی عبدالباری صید ہیں جو ناسخ کے بھائی تھے اور جن کا ذکر ان کے بھائی کے مضمون میں کیا گیا ہے۔

ضاحک۔ میر غلام حسین۔ دہلوی:

وہ میر عزیز اللہ کے بیٹے اور مشہور میر غلام حسن کے والد تھے۔ ان کا شمار ممتاز ہندوستانی شعرا میں کیا گیا ہے۔ میں نے اس کتاب میں حسن کے تحت ان کا ذکر کیا ہے۔ وہ اپنی بذلہ سنجی اور مزاح کے لیے خاص طور پر مشہور ہیں اور ایک اچھے مقرر ہونے کے علاوہ موسیقی کے بھی ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ ۱۱۹۶ھ/۲-۱۷۸۱ء، میں وہ فیض آباد میں رہتے تھے لیکن ان کا انتقال ۱۲۱۵ھ/۱-۱۸۰۰ء سے پہلے ہوا ہے۔

ان کے لڑکے حسن نے اپنے تذکرے میں بیان کیا ہے کہ ضاحک کی کوئی غزل ایسی نہیں جو مزاح سے خالی ہو۔ انھوں نے سودا پر ایک بہت ہی عمدہ ہجو لکھی ہے۔ ہندوستانی تذکروں نے ان کے چند نمونے پیش کر دیے گئے ہیں۔

ضامن۔ غلام:

انھوں نے ''نظم گوہر'' کے نام سے ۱۲۱۵ھ/۱-۱۸۰۰ میں ایک مثنوی لکھی ہے۔ اس عنوان سے اس مثنوی کی تاریخ تصنیف بھی نکلتی ہے۔ اسپرنگر نے اس مثنوی کا قلمی مسودہ بھی دیکھا ہے۔ اس میں ۱۳۰ صفحات ہیں اور ہر صفحے میں ۱۱۳ اشعار ہیں۔ انھوں نے اس مثنوی کا پہلا شعر نقل کیا ہے۔

یہ شعر دستیاب نہ ہو سکا۔ (مترجم)

ضبط۔ جناب سید حسین شاہ:
وہ رب شاہ کے بیٹے اور ایک ہندوستانی مصنف ہیں جو قلندر بخش جرأت سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔ انھوں نے دوسری تصنیفات کے علاوہ ''مرأۃ حیدری'' کے نام سے نظم میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ وہ جمل اور رمل اور تعویز وغیرہ سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ محسن نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

ضبط۔ میر حسن شاہ:
وہ لکھنو کے ایک درویش اور شاعر تھے۔ سرور اور منولال نے ہندوستانی شاعر کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے۔

نقل دل وحشت میں کھو کر اک جنوں پیدا کیا
ہم نے بازار محبت میں یہ کیا سودا کیا

''مجموعہ نغز''، ص ۳۶۴

ضبط۔ نوازش علی خاں۔ دہلوی:
وہ لکھنو میں رہتے تھے اور محمد شاہ کے ملازم تھے۔ ان کے والد مقصود علی خان تھے اور ان کے دادا کا نام فیض اللہ خان تھا۔ وہ شیخ امام بخش ناسخ سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔ ان سے ایک دیوان یادگار ہے جس کے چند اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

ضبط۔ سید آغا جان:
وہ کانپور میں پیدا ہوئے اور لکھنو میں رہتے تھے۔ وہ سید روشن علی خان بہادر مرحوم کے بیٹے، نواب صمدالدولہ بہادر کے بھائی اور سید ہادی علی بے خود کے ایک ممتاز شاگرد تھے۔ محسن نے انھیں ہندوستانی شعرا میں شمار کیا ہے۔ اور ان کی چند غزلیں نقل کی ہیں۔

ضحیٰ۔ مولوی غلام رسول:
وہ لکھنو کے قریب پرگنہ سندیلیہ، بلانوان کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد شیخ محمد پناہ تھے اور ان کے استاد نواب عاشور علی خان بہادر تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر محسن نے اپنے تذکرے میں کیا ہے۔ محسن نے ان کے چند اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

ضعف۔ غلام عباس:
وہ لکھنو کے آئینہ ساز تھے۔ ان کے والد شیخ محی الدین تھے اور ان کے استاد کا نام امیر احمد تھا۔ محسن نے ہندوستانی شعرا میں ان کا ذکر کیا ہے اور ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

ضمیر۔ لالہ گنگا داس:

وہ ایک کائیستھ شاعراور فارسی شاعری میں محمد عشق کے شاگرد تھے۔ ریختہ میں وہ ناصرالدین ناصر سے مشورہ کرتے تھے۔ وہ ایک مشہور شاعر ہیں اور دعا وتعویز کے لیے بہت مشہور تھے۔ قاسم نے ان کا ذکر کیا ہے۔ ذکا نے انھیں خاص اہمیت دی ہے اور لکھا ہے کہ وہ سنسکرت سے واقف تھے۔ یہ بات ہندو عالموں میں بہت کم پائی جاتی ہے۔ ان کا انتقال سرور کے تذکرہ لکھنے سے کچھ پہلے ہوا ہے۔

ضمیر۔ میر مظفر حسین۔ لکھنوی:

وہ دور حاضر کے مشہور شاعر ہیں اور ۱۸۴۸ء تک زندہ تھے۔ وہ میر قدیر علی کے بیٹے اور مصحفی کے شاگرد ہیں۔ ان کی کتابیں درج ذیل ہیں:

۱۔ ''معراج نامہ''۔ ۱۲۲۷ھ/۱۸۱۲ء میں لکھی گئی ہے۔ توپ خانہ لکھنو میں اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔ اس میں ۹۴ صفحات ہیں اور ہر صفحے میں ۱۷/ اشعار ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ کتاب لاہور سے ۱۲۴ صفحات میں چھپ چکی ہے۔

۲۔ ایک مثنوی ائمہ کے معجزات پر لکھی ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ فرح بخش کے کتب خانے میں تھا جس میں ۲۴۴ صفحات اور ہر صفحے میں ۱۵/ اشعار ہیں۔

۳۔ متعدد مرثیے بھی لکھے جس میں ان کو خاصا ملکہ ہے۔

۴۔ ایک دیوان جس سے محسن نے سراپا سخن میں چند غزلیں نقل کی ہیں۔

ضمیر۔ نادرالدین:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں۔ عشقی نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔

ضمیر۔ سید ہدایت علی خان۔ دہلوی:

آپ کی عرفیت نصیرالدولہ بخشی الملک اسد جنگ بہادر ہے۔ وہ دہلی سے ترک سکونت کر واپس پٹنہ چلے گئے تھے جہاں اپنی شجاعت اور فیاضی کے لیے مشہور ہو گئے۔ ضمیر، نواب شجاع الملک محمد علی وردی خان مہابت جنگ کے رشتہ دار تھے۔ کچھ عرصہ تک وہ عظیم آباد میں صوبیدار کی حیثیت سے رہے۔ اس کے بعد دہلی کے قریب حکومت کے کسی کام پر تشریف لے گئے لیکن شاہ عالم کے ابتدائی دور میں وہ پھر عظیم آباد واپس چلے آئے۔ ان کا انتقال حسین آباد میں ہوا ہے۔ اس نے ہندوستانی میں بے شمار اشعار کہے ہیں۔ ان کے علاوہ انھوں نے فارسی میں بھی اشعار موزوں کیے ہیں۔ میں نے ہندوؤں کے تہواروں کے متعلق جو مضمون لکھا ہے

اس میں ضمیر کے ان اشعار سے مدد لی ہے جن سے ہندوستانی معاشرت وتمدن پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

یہ اشعار دستیاب نہ ہو سکے۔ (مترجم)

ضمیر۔ ٹھاکرداس بنگالی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم اور انگریزی لکھنے میں ماہر تھے۔ جب ابوالحسن کلکتہ جاتے ہوئے مرشد آباد سے گزرے تو ضمیر سے ان کو ملنے کا اتفاق ہوا۔

ضمیر۔ پنڈت نرائن داس۔ دہلوی:

ان کے متعدد اشعار ''قرآن السعدین'' میں نقل کیے گئے ہیں۔ شاید یہ وہی شخص ہیں جو پنڈت دھرم نرائن کے نام سے مشہور ہیں جو یک مارچ ۱۸۴۸ء کے ''قرآن السعدین'' کے مطابق ضمیر تخلص کرتے ہیں اور ایک قابل، خوش مزاج وظریف طبع آدمی ہیں۔ ضمیر کے باپ کا نام بشن نرائن ہے۔ انھوں نے اردو و فارسی میں بڑے اچھے اشعار کہے ہیں۔ ساتھ ہی بہت سی کتابوں کا ہندی میں ترجمہ کیا ہے۔ ان کے کتابوں کی فہرست یہ ہے:

۱۔ مل (Mill) کی کتاب *Poltional Economy* کا ترجمہ کیا ہے۔ اس ترجمے کے دو اڈیشن ہیں ایک اردو میں اور دوسرا بھاشا میں۔

۲۔ ''تاریخ انگلستان''۔ تاریخ انگلینڈ کے نام سے اردو میں ایک اور کتاب ہے جو غالباً کلکتہ سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں چھوٹی تقطیع پر ۳۰۰ صفحات ہیں۔

۳۔ دہلی کے ادبی ہفتہ وار ''قرآن السعدین'' کے مدیر اعلیٰ تھے۔ ۱۸۴۹ء میں دھرم نرائن کی عمر صرف ۳۲ یا ۳۳ سال تھی۔ اسی سال وہ مہاراجہ ہلکر کے پریس کے ناظم مقرر ہوئے۔ اس پریس سے ''مالوہ اخبار'' نامی ایک اردو اخبار نکلتا تھا۔ اس اخبار کے سرپرستوں میں مہاراجہ ہلکر اور آر۔ ان۔ سی۔ ملٹن تھے۔ یہ اخبار دو کالموں میں ہوتا تھا، ایک کالم دیوناگری رسم الخط میں اور دوسرے میں اردو و دفاری رسم الخط کا ستعمال ہوتا تھا۔ اس میں روازانہ کی خبریں ہوتی تھیں۔ انھوں نے ''تاریخ سندھیہ'' نامی کتاب بھی لکھی ہے۔ یہ کتاب اندور سے ۱۸۵۰ء میں شائع ہوئی ہے اور اس کا ایک اڈیشن اردو میں اور ایک ہندی میں ہے۔ اس اڈیشن سے پہلے یہ کتاب اردو اور ہندی میں ایک ساتھ مالوہ سے چھپ چکی ہے۔

ضیع۔ نظام الدین احمد بلگرامی:

فتح علی حسینی نے ان کا نام ذہین لکھا ہے۔ وہ شیخ علی حزین کے ہم عصر اور ان ہی کی طرح فارسی واردو شاعری میں ممتاز تھے۔ شیفتہ نے ان کا ذکر کیا ہے۔

ضیا۔ احمد آبادی:

وہ ایک قدیم شاعر ہیں۔ کمال نے ان کا ذکر کیا ہے لیکن ان کے متعلق کوئی تفصیل نہیں بتائی ہے۔

ضیا۔ ولی اللہ:

آگرہ کے رہنے والے تھے۔ محسن نے ان کا ذکر کیا ہے۔ شاید یہ اور شیخ ولی اللہ ضیا ایک ہی شخص ہیں۔ محسن نے ان کا ذکر کیا ہے۔

ضیا۔ سید محمد میر۔ لکھنوی:

وہ میر محمد تقی کے بیٹے اور مرزا محمد حسن مذنب کے شاگرد تھے اور چھوٹے مرزا کے نام سے بھی مشہور تھے۔ محسن نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کے چند اشعار اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

ضیا:

وہ ایک شاعرہ ہیں، جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔

ضیا۔ منشی وزیر علی:

ڈھاکہ کے رہنے والے اور ناسخ کے شاگرد تھے۔ ان کے استاد نے اپنے دیوان کے آخر میں ان کی تاریخ نقل کی ہے۔

ضیائی۔ میر بدرالدین۔ دہلوی:

محسن نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کے اشعار کا ایک نمونہ بھی اپنے تذکرے میں پیش کیا ہے۔

ضیا۔ میاں یا میر ضیاالدین۔ دہلوی:

وہ سودا کے ہم عصر اور میر تقی کے دوست اور شاگرد تھے۔ ''سحر البیان'' کے مصنف، مشہور میر حسن ان کے شاگرد تھے اور انھوں نے ضیا کی بڑی تعریف کی ہے۔ ضیا ایک بہت ہی ممتاز ہندوستانی شاعر ہیں۔ وہ دہلی سے لکھنو چلے آئے تھے جہاں وہ چند ادیبوں میں ہندوتانی شعروسخن کا ذوق پیدا کرنے میں کامیاب رہے ہیں اور جو ان کے شاگردوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ انھوں نے زیادہ تر غزلیں کہی ہیں لیکن سوائے چند مثنویوں کے کوئی قصیدہ تصنیف نہیں کیا ہے۔

ان کے اشعار ایک دیوان کی صورت میں جمع کیے گئے ہیں جن کو بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ وہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں پٹنہ میں رہتے تھے جہاں انھوں نے تنہائی اور عزلت نشینی کی زندگی اختیار کر لی۔ ۱۱۹۶ھ/۲-۱۷۸۱ء میں جب علی ابراہیم اپنا تذکرہ تصنیف کر رہے تھے تو وہ پٹنہ میں مقیم

تھے۔ لطف کا بیان ہے کہ ضیا کا انتقال پٹنہ میں ہوا ہے لیکن وہ ان کی تاریخ وفات نہیں بتاتے۔
''گلزارابراہیم'' میں ضیا کے اشعار چار صفحات پر درج کیا گیا ہے۔

ضیا۔مرزا ضیا بخت بہادر:

شہزادہ مرزا فرخندہ بخت کے بیٹے اور بچپن ہی سے شعروسخن سے دلچسپی رکھتے تھے۔وہ خاص طور پر غزل گوئی میں کامیاب ہیں۔سرور نے ان کا ذکر کیا ہے اوران کا بیان ہے کہ ان کے اشعار کافی مقبول ہیں۔

ضیا۔شیخ ولی اللہ۔دہلوی:

فتح علی حسینی گردیزی نے ان کا ذکر کیا ہے۔یہ غالباً وہی ضیا ہیں جن کا ذکر کمال نے کیا ہے اور جو لکھتے ہیں کہ وہ اپنے اشعار کے بجائے خودعورتوں سے دلچسپی رکھنے کے لیے زیادہ مشہور ہیں۔

ضیا۔ضیاالدین:

وہ دور حاضر کے شاعر ہیں۔لیکن معمولی صلاحیتوں کے مالک سمجھے جاتے ہیں۔انھیں میاں ضیا الدین سے خلط ملط کرنا صحیح نہیں ہوگا کیونکہ میاں ضیا الدین پچھلی صدی کے ایک بہترین شاعر ہیں۔غالباً یہ وہی مصنف ہیں جنھوں نے'' تحفۂ ضیائیہ'' کے نام سے شاعری اور چند دوسرے مسائل کے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے۔یہ کتاب دکنی زبان میں شائع ہوئی ہے۔شاید وہ اور مولوی محمد ضیا الدین ایک ہی شخص ہیں۔

ضیاالدین۔مولوی محمد:

وہ دہلی کالج میں ۱۸۳۶ء میں عربی کے نائب پروفیسر تھے۔انھوں نے اردو میں دو کتابیں لکھی ہے جن میں سے ایک کا نام''اصولِ علم طبعی'' ہے اور'' مخزن الطبعیت'' کے نام سے۔مؤخرالذکر کتاب Paley کی *Introduction to Natural Philosophy* سے مرتب کی گئی ہے اور دہلی سے ۱۸۴۵ء میں چھوٹی تقطیع کے ۴۲۲صفحات میں شائع ہوئی ہے۔اس کے چند اوراڈیشن بھی نکلے ہیں۔ایک لاہور سے ۱۸۶۲ء میں دو جلدوں میں ہے۔پہلی جلد میں ۱۲۲صفحات ہیں اور دوسری جلد میں ۱۳۰صفحات۔دہلی سے ۱۸۶۳ء میں ایک اوراڈیشن بھی شائع ہوا ہے۔

ضیا الدین نے رام چند کے ساتھ فارسی کتابوں سے مضامین مرتب کرکے کریم الدین کو ان کی کتاب ''واقعات ہند'' کی تصنیف کرنے میں مدد بہم پہنچائی ہے۔

انھوں نے بنسی دھر کی کتاب'' خلاصہ نظام شمسی'' کی اشاعت میں بھی مدد پہنچائی ہے۔اس کے علاوہ وہ مرادآباد کے''روہیلکھنڈ اخبار'' کے مدیر ہیں۔

ضیغم۔مولوی غضنفر علی۔لکھنوی:

وہ مولوی حیدر علی لکھنوی کے بیٹے تھے۔باطن نے اپنے ''گلشن بے خزاں'' میں ہندوستانی شاعر کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے۔

ضیغم۔مولوی اکرم احمد صاحب مجددی:

وہ ایک ہندوستانی مصنف ہیں جو کافی مشہور ہونے کے علاوہ بے شمار شاگرد رکھتے ہیں۔انھوں نے حسب ذیل کتابیں تصنیف کی ہیں:

۱۔ ''کتاب کا کام''۔اس کتاب کو محمد فیض اللہ اور شیخ غلام صفدر صاحب نے کلکتہ سے ۱۸۴۸ء میں شائع کیا ہے۔اس میں ۱۱۲ صفحات ہیں۔

۲۔ ہندوستانی اشعار۔

۳۔ نظامی کی فارسی کتاب ''شیریں وخسرو'' کا نثر میں ترجمہ کیا ہے۔

ان کے علاوہ انھوں نے فارسی کی ''آرائش محفل'' کے ایک اڈیشن کی تصحیح کی ہے۔''آرائش محفل'' قصہ حاتم طائی کا ایک اردو ترجمہ ہے۔

طالب۔میر طالب علی۔الہ آبادی:

وہ امیر غالب علی خان سید کے بیٹے اور شاگرد تھے۔ان کے چچا کا نام مصیب تھا۔سرور اور شورش انھیں ہندوستانی شاعر کی حیثیت سے شمار کرتے ہیں۔میرا خیال ہے کہ یہ وہ شخص ہیں جن کے متعلق ذکا نے تحریر کیا ہے کہ وہ لکھنو میں رہتے تھے اور کسی بزرگ کے بیٹے تھے۔

طالب۔مرزا ابوطالب۔حیدرآبادی:

وہ ولی کے ہم عصر تھے۔یہ شیفتہ کا اور سرور کا بیان ہے۔قائم کے مطابق اورنگ آباد کے قریب کسی گاؤں کے رہنے والے تھے اور بہادر شاہ کی تخت نشینی (۱۱۱۸ھ/۷-۱۷۰۶ء) سے کچھ عرصہ پیشتر فوج میں ملازم تھے۔ان کا بیان ہے کہ طالب نے اپنی عمر کا ایک حصہ دہلی میں بسر کیا ہے۔

طالب۔طالب حسین خان:

وہ میاں عسکری کے بیٹے تھے جو نالاں تخلص کرتے تھے۔ایک جوان شاعر ہیں جو خوش مزاجی اور زندہ دلی کے لیے کافی ممتاز تھے۔طالب محمد سلیمان شکوہ کے پاس داروغہ کی حیثیت سے ملازم تھے۔وہ ادیبوں کے حلقے میں رہنے کی وجہ سے شعر وسخن کا مذاق رکھنے لگے تھے۔شروع میں میر انشاء اللہ خان سے، جوان

سے ایک بھائی کی طرح سلوک کرتے تھے، مشورۂ سخن کرتے تھے۔ لیکن مصحفی سے معلوم ہوا ہے کہ طالب ان سے بھی رجوع کرتے تھے کیونکہ مصحفی نے ان کا بہت ہی فخریہ انداز میں ذکر کیا ہے اور ان کا دعویٰ ہے کہ انھیں طالب پر کامل اعتماد حاصل تھا۔ مصحفی نے ان کے اشعار کے چند نمونے بھی پیش کیے ہیں۔

طالب کا آبائی وطن کشمیر تھا لیکن وہ دہلی میں پیدا ہوئے اور لکھنو میں رہتے تھے۔ کمال کو ان سے سلیمان شکوہ کے یہاں ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔ وہ ان کی ایک غزل بھی نقل کرتے ہیں۔

طالب سلیمان شکوہ کے مشاعروں میں شریک ہوا کرتے اور اپنی غزلیں سنایا کرتے تھے۔

طالب۔ راجہ طالب علی خان:

وہ سلطان جان کے نام سے بھی مشہور تھے اور خواجہ حسین علی خان کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ اپنی ماں کی طرف سے خواجہ میر درد سے قرابت رکھتے تھے۔ طالب عظیم آباد، پٹنہ کے رہنے والے تھے۔ وہ صاحب دیوان ہیں جن کے اشعار کو محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے۔

طالب۔ محمد عباس۔ لکھنوی:

وہ داروغہ عدالت نظام احمد خان کے بیٹے اور منشی مظفر علی اسیر کے شاگرد تھے۔ طالب ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کے اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔

طالب۔ میاں طالب علی خان۔ لکھنوی:

وہ دلاور علی خان کے بیٹے اور سید اسماعیل منیر کے شاگرد تھے۔ ان کی پیدائش انولہ ضلع بانس بریلی میں ہوئی۔ انھوں نے ایک دیوان مرتب کیا ہے، جس سے کچھ اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔ طالب فرخ آباد کی عدالت میں سررشتہ دار کی حیثیت سے ملازم تھے۔

طالب۔ عاشور بیگ خان:

ان کا آبائی وطن توران تھا لیکن وہ دہلی میں پیدا ہوئے۔ وہ دولت بیگ خان کے پوتے تھے۔ میر تقی اور فراق سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

طالب۔ شیر محمد خان:

وہ حافظ عبدالرحمن خان احسان کے شاگرد تھے۔ کریم نے شاعر کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے۔

طالب۔ شاہ طالب علی:

وہ پٹنہ کے رہنے والے۔ غلام علی راسخ کے بیٹے اور فدوی کے شاگرد تھے۔ ان کا انتقال

۱۲۰۶ھ/۲-۱۷۹۱ء میں ہوا جب کہ وہ کمسن تھے۔انھوں نے ایک دیوان چھوڑا ہے جس کا ذکر ابوالحسن اور قاسم نے کیا ہے۔

طالب۔رامپوری:

یہ حافظ قرآن اور مولوی قدرت اللہ کے شاگرد تھے۔شیفتہ نے ان کا ذکر کیا ہے۔

طالب۔الاچی رام۔جلال آبادی (امرت سر):

ان کے استاد عبدالغفور نساخ نے اپنے دیوان ''دفتر بے مثال'' کے آخر میں طالب کا ایک قطعہ تاریخ نقل کیا ہے۔

طالع۔لالہ ہندولال۔حیدرآبادی:

باطن اپنے ''گلشن بے خزاں'' میں کہتے ہیں کہ وہ اپنے استاد فیض کی طرح شاعری سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔

طاہر۔مرزا بندے حسن:

وہ ایک ہندستانی شاعر ہیں جن کے چھے اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں درج کیے ہیں۔وہ فتح پور میں پیدا ہوئے اور لکھنؤ میں رہتے تھے جہاں وہ نواب عاشور علی خان سے مشورہ سخن کرتے تھے۔

طرہ۔طرہ باز خان بنارس:

وہ ایک اردو شاعر ہیں جن کا ذکر شیفتہ کے ''گلشن بے خار'' میں کیا گیا ہے۔

طاہر۔میر محمد۔دہلوی:

وہ آگرہ میں رہتے تھے جہاں وہ طبابت کا پیشہ کرتے تھے۔قاسم اور سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ وہی محمد طاہر ہیں جنھوں نے ''روضۃ الصفا'' کے نام سے مرخند کی تاریخ کا اردو ترجمہ ہے۔

طاہر۔میر لطیف علی:

وہ میر محمد باقر ظہور کے بیٹے اور حسرت کے شاگرد تھے۔شورش نے ان کا ذکر شاعر کی بنسبت مرثیہ گو کی حیثیت زیادہ کیا ہے۔

طاہر۔خواجہ محمد خان۔دہلوی:

وہ مرزا جان جاناں کے شاگرد اور علی نواز خان کے داماد تھے۔شورش کا بیان ہے کہ وہ ولی نواز خان کی وجہ سے پٹنہ تشریف لے گئے۔ان کا انتقال شادر شاہ کے حملے کے بعد محمد شاہ کے دور (۱۷۳۹ء-۱۷۴۷ء)

میں ہوا۔انھوں نے ہندستانی میں چند غزلیں کہیں ہیں۔ ان کی ایک غزل آج کل بھی ہندستان میں بہت مقبول ہے۔

طاہرالدین۔منشی:

ان کا ایک مخمس ۱۹جولائی ۱۸۶۶ء کے'' اخبار عالم'' میرٹھ میں شائع ہوا تھا۔اس کے علاوہ انھوں نے ''مفید نسواں'' کے نام سے عورتوں کے مدارس کے لیے ایک ابتدائی کتاب لکھی ہے جس کا اعلان اپریل ۱۸۷۰ء کے'' تہذیب'' لکھنؤ میں شائع ہوا ہے۔

طاہر۔محمد:

انھوں نے عربی اور فارسی کے'' قصص الانبیایا پیغمبران'' کی مدد سے'' روضۃ الاصفیہ'' کے نام سے اردو میں ایک مذہبی کتاب لکھی ہے۔ یہ کتاب کانپور سے ۱۸۸۹ء میں ۸۷اصفحات پر شائع ہوئی ہے۔ اس کا پہلا اڈیشن'' قصص الانبیا'' کے نام سے کان پور سے ۱۸۶۸ء میں نکلا تھا۔

طبیب۔سید شاہ۔لاہوری:

وہ ایک اچھے طبیب ہونے کے علاوہ ہندستانی زبان کے شاعر تھے۔لاہور میں جو ہندستانی زبان بولی جاتی ہے وہ دہلی کی زبان کا مقابلہ نہیں کر سکتی لیکن اس کے باوجود طبیب بہت ہی عمدہ ریختہ اشعار کہتے ہیں۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

طبیب۔مرزا ولی محمد۔دہلوی:

وہ جراح تھے اور شعروسخن کا بڑا شوق رکھتے تھے۔ ان کے استاد کا نام فراق تھا۔سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

طبیب۔حکیم محمد حسن خان۔فرخ آبادی:

وہ فتح خان کے بیٹے اور سید اسماعیل حسین منیر کے ممتاز شاگرد ہیں۔ وہ ایک ہندستانی شاعر ہیں جن کے چند اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

طبی:

انھوں نے مزاحیہ قصیدے لکھے ہیں جسے ایک دیوان کی شکل میں مرتب کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ انھوں نے ان قصیدوں کی ایک شرح بھی لکھی ہے۔ یہ کتاب میرٹھ سے ۱۸۶۵ء میں شائع ہوئی اور اس کا ایک اشتہار ۲۷ شعبان ۱۹۸۱ھ/۱۸۵۶ء کے'' اخبار عالم'' میں شائع ہوا۔

طبعی:

انھوں نے "قصہ بہرام وگل اندام" کے نام سے دکنی میں ایک مثنوی لکھی ہے جس کے دو نسخے ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں موجود ہیں۔ ایک نسخہ ۱۰۰ صفحات کا ہے اور اس کے ہر صفحے میں ۱۱ سطریں ہیں۔ دوسرے نسخے میں ۱۴۰ صفحات ہیں اس کے ہر صفحے میں ۱۰/اشعار ہیں۔ یہ کتاب ۱۰۸۰ھ/۱۶۷۰-۱ء میں لکھی گئی اور گولکنڈہ کے آخری بادشاہ ابوالحسن کے نام سے معنون کی گئی ہے۔ ابوالحسن نے اورنگ زیب کے ہاتھوں شکست کھائی اور گرفتار ہوئے۔ دونوں نسخوں کا آغاز یکساں شعروں میں ہوتا ہے لیکن پہلے میں ۱۳۴۰ اور دوسرے میں صرف ۱۱۴۰ اشعار ہیں۔ غالباً یہ وہی کتاب ہے جس کا حوالہ W.Price نے اپنے ہندستانی قاعدے میں دیا ہے۔ اگر چہ اس قصے کا نام انھوں نے "قصہ بہرام ہفت حکایات" لکھا ہے۔

طپش۔ میر مدد علی۔ دہلوی:

ان کا آبائی وطن ایران تھا لیکن وہ دہلی کے رہنے والے تھے۔ ریختہ کلام سے قطع نظر وہ فارسی میں بھی بہت عمدہ اشعار کہتے تھے۔ ریختہ میں اسیر کے شاگرد تھے۔

طرار۔ گردھاری لال آنجہانی:

وہ امروہہ کے ایک کائستھ اور قاسم کے شاگرد تھے۔ محسن نے ہندستانی شاعر کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کے اشعار کا ایک نمونہ بھی پیش کیا ہے۔

طرب۔ جھنولال:

وہ ایک کائستھ ہیں جو لکھنؤ میں پیدا ہوئے، ابتدا میں وہ نوازش خان کے شاگرد تھے۔ اس کے بعد امام بخش ناسخ سے مشورۂ سخن کرنے لگے۔ طرب نے ہندو مذہب کو ترک کر کے اسلام قبول کرلیا تھا اور وہ ایک پر جوش مسلمان ہوگئے تھے۔ وہ زیادہ تر مرثیہ کہتے تھے اور اس فن میں اتنی مہارت حاصل کر لی تھی کہ دلگیر سے مقابلہ کرنے لگے تھے۔ چنانچہ وہ ایک بلند مرتبت مرثیہ گو سمجھے جاتے ہیں۔ سرور کا بیان ہے کہ ائمہ کے ماننے والوں کی زبان پر طرب کے مرثیہ ہر وقت رہتے ہیں۔

طرزی، میر امام علی۔ دہلوی:

یہ ایک ہندستانی شاعر ہیں جن کا ذکر کڈ کانے کیا ہے اور جو نصیر سے مشورہ کرتے تھے۔

طرہ۔ طرہ باز خان بنارس:

وہ ایک اردو شاعر ہیں جن کا ذکر شیفتہ کے "گلشن بے خار" میں کیا گیا ہے۔

طفل ۔ مرزا عبدالغفور:

وہ مرزا طفل کے نام سے بھی مشہور ہیں اور دہلی کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ سرور نے ان کی ذہنی اور اخلاقی صلاحیتوں کی بڑی تعریف کی ہے اور ان کا بیان ہے کہ وہ بہت ہی عمدہ اشعار کہتے تھے۔ انھوں نے بے شمار اشعار کہے ہیں، جن کو ایک دیوان کی صورت میں جمع کیا گیا ہے۔

طلب ۔ شیخ طلب علی:

سمانہ کے رہنے والے۔ وہ ذوالفقارالدولہ نجف خان کے ساتھ میرٹھ چلے گئے تھے۔ وہاں عشق کے شاگرد کی حیثیت سے ریختہ اشعار کہنا شروع کر دیے تھے۔ اس کے بعد وہ انگریزی حکومت کی فوج میں داخل ہو کر جمعدار کے عہدے تک پہنچ گئے۔

طلب ۔ شاہ مشتاق:

وہ ایک اردو شاعر ہیں جو پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ وہ ثنا کے استاد تھے۔

طور ۔ مرزا محمد رضا:

یہ ہندستانی شاعر ترکمان قبیلہ افشار سے تعلق رکھتے تھے اور مرزا اعظم بیگ کے بیٹے تھے۔ ان کے آباؤاجداد ایران سے دہلی اور بعد میں فیض آباد چلے گئے۔ ان کے چند اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔

طوفان ۔ میر حسن ۔ یا میر عمو۔ لکھنوی:

میر عبداللہ کے بیٹے اور محمد رضا برق کے شاگرد ہیں۔ وہ صاحب دیوان ہیں، حضرت علیؑ کے مزار کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیعہ مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔

طوفان ۔ میر نوازش علی:

وہ لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد میر نذر علی ہیں اور استاد کا نام رشک ہے۔ طوفان ایک ہندستانی شاعر ہیں جن کے اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

طوبیٰ ۔ علی حسین:

میر امام علی کے بیٹے۔ وہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے لیکن حیدر آباد میں رہتے ہیں۔ کمال نے ان کے صرف ۲/ اشعار نقل کیے ہیں۔

ظریف ۔ لالہ بنی پرشاد آنجہانی ۔ لکھنوی:

وہ روشن لال کے بیٹے اور چمن لال حریف کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان کے استاد مصحفی تھے۔ ان سے

ایک دیوان یادگار ہے جن کے چند اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

ظریف۔خداوردی خان دہلوی:

ظریف کے علاوہ بیتاب بھی تخلص کرتے تھے۔ان کے بڑے بھائی سعادت یار خان رنگین ان کے اشعار پر نظر ثانی کیا کرتے تھے۔قاسم نے ان کے ہندستانی اشعار کی تعریف کی ہے۔سرور ان کے دوست تھے اور ممنون کے استاد۔

ظفر۔مرزا ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ یا سلطان:

وہ دہلی کے حکمران اور خاندان مغلیہ کے آخری بادشاہ تھے۔۱۷۶۸ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۶۲ء میں وفات پائی۔عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ اکثر شہزادے اور بادشاہ امور سلطنت کی الجھنوں سے نجات پانے کے لیے اپنے آپ کو کسی ذہنی وفنی مشغلے میں مصروف کر لیتے ہیں۔چارلس اول اٹھارویں لوئس لاطینی میں شعر کہتے تھے۔مثلاً چارلس اول،اٹھارویں لوئس لاطینی میں شعر کہتے تھے۔سولھویں لوئیس انجیل کے ڈیوڈ کی طرح کا کام کرتے تھے۔جدید ہندستان میں بدنصیب ٹیپو اور شاہ عالم فتوحات سے قطع نظر علمی وادبی مشاغل میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لیتے تھے۔ان دونوں کے اشعار کا میں نے حوالہ دیا ہے اور شاہ عالم آفتاب کی ایک عمدہ غزل کا ترجمہ بھی پیش کیا ہے۔شاہ عالم کے وہ بیٹے بھی جو بادشاہ نہ ہو سکے اردو کے ایک اچھے شاعر تھے،ان کا تخلص جہاں دار تھا اور میں نے ان پر ایک مضمون بھی لکھا۔شاہ عالم کے ایک اور بیٹے سلیمان شکوہ بھی اردو شعرا میں ممتاز ہیں۔شاہ عالم کا انتقال ۸۳ کی عمر میں ۱۸۰۶ء میں ہوا۔ان کے جانشین معین الدین محمد اکبر شاہ ثانی ہوئے اور مرہٹوں کی مدد سے بادشاہ بنے۔ان کا انتقال ۲۸ر اکتوبر ۱۸۳۷ء کو ہوا۔اس وقت وہ اپنے باپ کی طرح ضعیف تھے۔اکبر شاہ ثانی کے بیٹے ظفر جس وقت تخت نشین ہوئے ان کی عمر ۶۰ سال سے زیادہ تھی۔باپ کی زندگی میں وہ مرزا ابوظفر خان بہادر کہلاتے تھے۔بادشاہ ہونے کے بعد انھوں نے سراج الدین اور بہادر شاہ ثانی کا لقب اختیار کیا۔ظفر ایک ایسے بادشاہ کے پوتے تھے جو کہ اردو کا ایک کامل شاعر تھا چنانچہ ظفر بھی ان ہی کے نقش قدم پر چلے اور اپنے مرتبے کے شایان شان شعر گوئی میں کمال دکھایا۔۱۸۵۷ء میں جب غدر ہوا،ظفر کی عمر ۸۰ سال سے زیادہ تھی۔اس وقت بھی وہ ایک وجیہہ،رحم دل،خوش مذاق اور ہر دلعزیز شخصیت کے مالک تھے۔کریم اور شیفتہ نے اس شہزادے کی شعری وفنی صلاحیتوں کی بڑی تعریف کی ہے اور انھیں صف اول کے اردو شعرا میں شمار کیا ہے۔شیخ ابراہیم ذوق شاعری میں ان کے استاد تھے اور بعض کا خیال ہے کہ ظفر کے اکثر اشعار ذوق کے کہے ہوئے ہوتے تھے۔منولال نے ان

کے حسب ذیل اشعار نقل کیے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ظفر کی ریختہ شاعری میں حسن وندرت دونوں موجود ہیں۔

نوٹ: ملاحظہ ہو''کتابیات ظفر''مملوکہ کراچی یونی ورسٹی لائبریری۔ (مترجم)

ظفر نے تمام اصناف شعر پر طبع آزمائی کی ہے اوران کی بعض غزلیں، گیت اور ٹھمریاں اس قدر مقبول تھیں کہ خواتین حرم تک انھیں گاتی تھیں۔ ''دیوان ظفر'' کے نام سے ان کا ضخیم کلیات دہلی سے شائع ہوا ہے اور کریم نے اس میں سے بہت سا حصہ نقل کیا ہے۔ ظفر نے'' گلستان سعدی'' کی شرح بھی'' شرح گلستان'' کے نام سے لکھی ہے۔ وہ بڑے خوش نویس تھے اور دہلی کی مشہورترین مسجد پر انھوں نے قرآن کی بعض آیات اپنے ہاتھ سے لکھی ہیں۔

ان کا بیٹا دارا بھی باپ کی طرح ادو شاعری سے دلچسپی لیتا تھا۔ سب کو معلوم ہے کہ ۱۸۵۷ء کی تباہی میں سب سے پہلے میرٹھ کے سپاہیوں نے علم بغاوت بلند کیا تھا۔ ۱۲رمئی کو وہ دہلی پہنچے اور اعلان کردیا کہ سراج الدین تمام ہندستان کے بادشاہ بنادیے گئے۔ یہ تخت نشینی جائز طریقے سے انتخاب کے ذریعے ہوئی تھی لیکن چھ ماہ سے زیادہ قائم نہ رہ سکی۔ ۲۰رستمبر کو جنرل سر ولسن نے دہلی پر قبضہ کرلیا اور جو لوگ دہلی کی محافظت کررہے تھے، ان کا پیچھا کیا۔ بادشاہ اوران کی بیگم زینت محل قید کرلی گئیں۔ ان کے بیٹے خضر سلطان اور مغل بیگ اور ان کے پوتے مرزا ابوبکر کو کیپٹن ہڈسن نے اسی وقت گولے کا نشانہ بنادیا۔ بہادرشاہ کے دو بیٹے مرزا بہادرشاہ اور مرزا مینڈھو کو بھی گرفتار کیا گیا اور ۱۵را کتوبر کو انھیں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس کے بعد شاہی خاندان کے پچیس (۲۵) نوجوان شہزادے قتل کیے گئے۔ خود بادشاہ، ان کی محبوب بیگم زینت محل اوران کے سترہ سالہ پوتے جوان بخت پر مقدمہ چلایا گیا۔ جوان بخت کو کم عمری کی وجہ سے مجرم قرار نہیں دیا گیا۔ بادشاہ اوران کی بیگم کو جوان بخت اور جوان بخت کے دو اور بھائیوں سمیت رنگون پہنچادیا گیا۔ جہاں وہ بہادرشاہ کی تاریخ وفات ۱۱رنومبر ۱۸۶۲ء تک رہے۔ نوجوان شہزادہ انگریزی پڑھنے میں مصروف تھا اوراس میں خاصی قابلیت پیدا کرلی تھی۔ مرزا جوان بخت جو کہ مغلیہ خاندان کے وارث ہوئے ذہین شخص تھے اور فتح الملک کے خطاب سے نوازے گئے تھے۔

شاہی خاندان کا ایک اور شہزادہ فیروز شاہ بچکر نکل گیا تھا۔ اس نے آخرکار اپنے دو ساتھیوں سمیت ایران جا کر پناہ لی۔ بیان کیا جاتا تھا کہ گورکھا فوج نے نیپال کے پہاڑوں میں اسے مئی ۱۸۶۲ء میں اس وقت قتل کردیا جب کہ وہ فقیروں کے لباس میں ملبوس تھا۔ کچھ لوگ کا خیال ہے کہ ۲۰ جنوری ۱۸۶۳ء میں وہ دکن

کے ایک علاقہ پٹن میں گرفتار کرلیے گئے۔۱۸۶۴ء وہ عرب میں تھے۔ جہاں وہ مذہب پر وعظ کیا کرتے تھے۔لیکن ٦ جون ۱۸۶۴ء کے ''انڈین میل'' کلکتہ میں چھپا ہے کہ وہ اس تاریخ کو ایران میں موجود تھے۔ آخر میں امیر بخارا کے دربار میں رہنے لگے اور ۱۲ جنوری ۱۸۶۷ء کے ''بمبئی گزٹ'' کے مطابق ۲۲/اگست ۱۸۶۶ء میں انتقال کرگئے۔لیکن جون ۱۸۶۸ء میں وہ یوسف زئی کے قبیلوں کے ساتھ پھر سامنے آئے اور وسط ایشیا میں رہ کر انھوں نے روس کے ساتھ ایک معاہدہ کیا۔

۱۸۰۷ء کے "Asiatic Annual Register" جلد ۴۰ اور بیگم میر حسن علی کی کتاب The Musalmans of India جلد ا۔اور جنرل ایشیاٹک ۱۸۳۲ء میں لطف اللہ پر میرا مضمون دیکھیے۔

ظفر۔میاں ظفر علی۔لکھنوی:

مولوی کرامت علی تاجر کے بیٹے اور منشی ظفر علی اسیر کے شاگرد تھے۔ظفر ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کی چند غزلیں محسن کے تذکرے میں شامل ہیں۔

ظفر۔نواب نصیر الدولہ معین الملک تجمل حسین خان بہادر ظفر جنگ:

نواب شوکت جنگ کے بیٹے ،نواب ناصر جنگ کے پوتے اور فرخ آباد کے مسند نشین تھے۔ وہ اکثر اسماعیل حسین منیر سے ملا کرتے تھے اور انھوں نے منیر کی فرمائش پر ایک غزل لکھی ہے۔جس کو محسن نے نقل کیا ہے۔اس غزل کا ہر شعر ہاتھ سے کے ردیف پر ختم ہوتا ہے۔

ظہور۔محمد شاہ:

وہ ایک ہندستانی شاعر ہیں جن کا ایک شعر منولال نے نقل کیا ہے۔

چشم گریاں حسن سے معمور ہے   چاندنی برسات کی مشہور ہے

''تذکرۃ الشعرا'' از میر حسن، صفحہ ۱۳۴

ظہور۔منشی اور شیخ ظہور احمد۔بلگرامی:

ان کے والد منشی اسمٰعیل یا منشی نہال، حافظ محمد صالح کے بیٹے تھے۔وہ صاحب دیوان ہیں اور اس کے علاوہ ان کی ایک مثنوی بھی یادگار ہے۔جس کا نام ''ظہور عشق'' ہے۔

ظہور۔مرزا علی۔دہلوی:

وہ اپنے ایک مرثیے کے لیے مشہور ہیں جو حضرت حسین کی وفات پر لکھا گیا ہے۔ان کا ذکر ''مسرت افزا'' میں کیا گیا ہے۔

ظہور الحسین۔ شیخ محمد:

وہ بجنور کے اردو اخبار ''نیر اکبر'' میں صحافی کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ یہ اخبار زین المطابع پریس سے ہر ہفتہ پنج شنبہ کو نکلتا ہے اور ان کے ناظم سید زین العابدین احمد ہیں۔ (Discourse، ۱۸۶۹ء۔ صفحہ ۱۸)

ظہوری۔ مولانور الدین۔ دکنی:

وہ سبزوار میں پیدا ہوئے اور اکبر شاہ کے زمانے میں بیجاپور کے سلطان ابراہیم عادل شاہ کے دور میں گزرے ہیں۔ عادل شاہ ان کے سرپرست اور دوست تھے چنانچہ ظہوری نے ان کی شان میں کچھ مضامین نثر و نظم میں لکھے ہیں۔ انھوں نے ''سہ نثر ظہوری'' کے نام سے عادل شاہ کی ہندی منظوم کتاب ''نورس'' کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ کتاب علم موسیقی کے متعلق ہے۔ ہندستانی مصنف کی حیثیت سے ان کا ایک ساقی نامہ یادگار ہے جس کا ایک نسخہ وزیر نظام کے کتب خانے میں موجود ہے۔

ظہور۔ لالہ شیو سنگھ:

وہ محمد شاہ کے دور حکومت میں آگرہ میں رہتے ہیں۔ وہ اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کی وجہ سے ممتاز تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ یقین کے دیوان کی تقلید میں شعر کہتے تھے۔

ظہور۔ حافظ ظہور اللہ بیگ:

ان کا آبائی وطن توران تھا لیکن دہلی میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے حضرت حسین کی شہادت پر ایک مرثیہ لکھا ہے۔ ''مسرت افزا'' میں ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

ظہور۔ بدیع الدین حیدر:

وہ عشق کے دوسرے بیٹے تھے۔ ان کا شمار ہندستانی شعرا میں کیا گیا تھا۔

ظہیر۔ ظہیر الدین:

وہ دور حاضر کے ایک مصنف ہیں اور ''اودھ اخبار'' میں ان کے مضامین شائع ہوئے تھے۔

ظہور۔ ظہور اللہ:

وہ محمد شاہ کے دور کے ایک شاعر ہیں جن کا ذکر سرور اور ذکا نے کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ وہی ظہور اللہ خان پسر دلیل اللہ خان ہیں جنھوں نے مرزا جوان بخت سے خان کا خطاب حاصل کیا تھا۔ وہ ایک بہت خوش مزاج شاعر تھے جنھیں جرأت، انشا وغیرہ سے لکھنؤ میں ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔ وہ زیارت کے لیے نجف تشریف لے گئے تھے اور کچھ عرصہ تک شاہ ایران کے پاس مقیم تھے۔ شاہ ایران نے انھیں سعدیِ ہند کے

لقب سے سرفراز کیا تھا۔ قاسم ان کا ذکر کرتے ہیں۔ان کا دیوان حیدرآباد کے کتب خانے میں موجود ہے اوراسے نظام الملک سلطان احمد نگر کے نام معنون کیا گیا ہے۔

ظہیر خان۔محمد:

انھوں نے حضرت حسین کے شہادت پر''اسرار کربلا'' کے نام سے ایک مرثیہ لکھا ہے۔یہ کتاب لکھنؤ سے ۵۲ صفحات پر شائع ہوئی ہے اوراس کا اعلان جنوری ۱۸۶۹ء کی ''فہرست نول کشور'' میں شائع ہوا ہے۔

ظہیر۔نصیرالدین:

وہ مبتلا کے شاگرد تھے۔نجف کی زیارت کے لیے نکلتے تھے لیکن دکن میں رک گئے۔عشق ہندستانی میں ان کے استاد تھے۔ان کے متعلق کوئی مزید خبر نہیں۔

عابدی:

یہ قدیم ہندستانی شاعر ہیں اوران کا ذکر سرور اورذکا نے کیا ہے۔یہ ولی کے ہمعصر تھے۔یہ وہی عابدی ہیں جن کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے۔

عابدی۔علی:

یہ اول الذکر سے مختلف ہیں اور محسن نے اپنے تذکرہ میں ان کے چند اشعار کا نمونہ پیش کیا ہے۔

عابد۔نواب محمد زین العابدین:

وہ ایک جوان مصنف ہیں اورنواب رام پور کے داماد مرزا محمد وجاہت علی خان نے ان کی بڑی تعریف کی ہے اور ۶ فروری ۱۸۶۰ء کے ''اخبار عالم'' میں ان کی ایک غزل نقل کی ہوئی ہے۔

عابد علی ذوالفقار حیدری:

لکھنؤ میں ایک دستہ کے کمان دار تھے۔ میر مہدی کے بیٹے۔شیخ امین علی سحر کہتے ہیں کہ وہ ان کے دوست اورشاگرد تھے اور مرثیہ گوئی میں مشہور تھے۔محسن نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

عابدی:

دکن کے مصنف ہیں اور''مثنوی ضیائے قلبی'' ان کی مشہور تصنیف ہے۔یہ کتاب محمدؐ کے ایک صحابی کے نام پر معنون ہے،اس کتاب کا ایک نسخہ فاکنر (Falconer) نے مجھے دیا ہے۔اس کتاب میں ۱۳ صفحات ہیں اوراس کے آخر میں دو قصیدے درج ہیں۔

اس کتاب میں کثرت سے ایک ہی موضوع کو بار بار دہرایا گیا ہے اور اس کے بعض حصے دوسری مثنویوں کی طرح بہت طویل ہیں۔ یہ مثنوی خالص دکنی اردو میں لکھی گئی ہے۔

عاجز:

وہ ایک ہندستانی شاعر ہیں اور صرف میر نے ان کا ذکر کیا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ فطری نفسانی خواہشات کے شکار تھے۔ بدقسمتی سے بعض اوقات مشرق میں جن لوگوں نے پر جوش تخیل کیا ہے وہ ان افعال میں مبتلا رہے ہیں۔ عاجز میاں تمکین کے دوست تھے اور حافظ حلیم (جو ایک نہایت شریف انسان تھے) کے یہاں مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ حافظ حلیم کو اساتذہ کا کلام یاد تھا اور وہ خود ابواسحاق عاطمہ کے طرز میں شعر کہتے تھے۔

عاجز ان مشاعروں میں شعر پڑھتے تھے اور دوسروں کے کلام کی تضمین کرتے تھے۔ میر ان کی تضمین کی ایک مثال دیتے ہیں۔ سرور انھیں قدیم شاعروں میں شمار کرتے ہیں۔ مرحوم Ochoa اپنے ساتھ ہندستان سے ان کے دیوان کا ایک نسخہ لائے تھے۔

عاجز۔ عارف الدین علی خان۔ اکبر آبادی:

یہ ایک ہندستان شاعر ہیں جن کا کلام ایک دیوان میں جمع ہے۔ میر کے تذکرہ لکھنے سے دس یا بارہ سال پہلے وہ دہلی میں رہتے تھے اور میر کے بقول بڑی شہرت کے مالک تھے۔ اس سے پہلے وہ دکن گئے اور خاندیس کے سابق دارالخلافہ برہان پور میں مقیم رہے۔ بقول میر عاجز کی زبان اچھی نہیں ہے۔ وہ عام طور پر گیت کی بحر میں لکھتے ہیں۔ فتح علی حسینی نے ان کے کلام کے تین صفحے دیے ہیں۔

عاجز۔ محمد:

دکنی شاعر ہیں جو ''قصہ لال و گوہر'' کے مصنف ہیں۔ یہ ہندستانی نظم میں ایک مشہور قصہ ہے جو بہت پر تکلف انداز میں لکھا گیا ہے۔ میرے ذخیرے میں اس کے دو نسخے ہیں اور ہندستان کے اکثر کتب خانوں میں بھی اس کے نسخے موجود ہیں۔ کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج اور حیدرآباد کے نظام کے کتب خانہ میں بھی اس کے نسخے موجود ہیں۔ اس کہانی کو سرنگا پٹن کے حسین علی نے سنہ ۱۷۷۸ء میں فارسی میں لکھا ہے۔ یہ کتاب سلطان ٹیپو کے نام معنون ہے اور C.Steart کی شائع کردہ فہرست کتب میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

۲۔ انھوں نے ''قصہ فیروز شاہ'' کے نام سے ایک مثنوی بھی لکھی ہے جس کے نسخے فورٹ ولیم کالج کے کتب خانے موجود ہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی لندن کے کتب خانے اور دوسرے کتب خانوں میں بھی اس

کے نسخے موجود ہیں۔ایسٹ انڈیا لائبریری میں جو نسخہ موجود ہے وہ ۱۱۰۰ھ/۱۶۔۱۶۸۸ء میں نقل ہوا ہے۔ مصنف نے بتایا ہے کہ انھوں نے یہ قصہ فارسی سے اخذ کیا ہے۔ Mackanzie کی کتابوں میں اس نام کی ایک فارسی کتاب موجود ہے۔ Wilson جنھوں نے ان کتابوں کی فہرست مرتب کی ہے، لکھتے ہیں کہ اس قصہ کے ہیرو بدخشاں کے بادشاہ فیروز شاہ ہیں۔ یہ گل بکاؤلی کے ہیرو کی طرح اپنے باپ کے علاج کے لیے جادو کا پھول لینے کے لیے نکلے تھے۔

عاجز۔زورآور سنگھ:

ایک ہندو شاعر ہیں جو کشتری ذات سے تعلق رکھتے تھے۔رائے آنند رام مخلص کے پوتے ہیں اور شیخ نصیرالدین غریب کے شاگرد۔وہ دہلی میں رہتے تھے اور ریختہ اور فارسی میں شاعری کرتے تھے۔ان کا ذکر ''گلشنِ بے خار'' میں کیا گیا ہے۔

عاجز۔میر غلام حیدر خان۔دہلوی:

عظیم اللہ خان کے بیٹے محمد جعفر راغب پانی پت کے بھانجے یا بھتیجے تھے۔ وہ سرور تذکرہ نویس کے چچازاد بھائی بھی تھے جنھوں نے ان کا ذکر کیا ہے۔عاجز دہلی میں رہتے تھے، پھر عظیم آباد چلے گئے، جہاں جوانی میں ان کا انتقال ہوگیا۔ وہ شاہ قدرت اللہ کے شاگرد تھے اور اردو شاعری میں ان کے طرز کے مقلد تھے۔ابوالحسن لکھتے ہیں کہ وہ تخلص کے عاجز تھے لیکن شاعری میں قادر تھے۔

عاجز۔موہن رام:

مجھے ان کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔

عارف۔نواب زین العابدین خان بہادر۔دہلوی:

وہ نواب غلام حسین کے بیٹے نواب فہیم اللہ بیگ رستم جنگ کے پوتے اور نواب اسداللہ خان غالب کے، جن کو مرزا غالب بھی کہتے ہیں، بھانجے اور شاگرد تھے۔وہ پہلے شاہ نصیر سے مشورہ سخن لیتے تھے لیکن پھر غالب سے اصلاح لینے گئے۔ کریم نے ان کی شاعرانہ متانت اور کلام کی دلکشی کی بڑی تعریف کی ہے۔ انھوں نے اپنے طبقات میں ۱۹ صفحوں میں عارف کے اشعار نقل کیے ہیں۔ عارف سے ایک دیوان یادگار ہے جس کا پرشوکت عنوان ''مطلع مہر سعادت'' ہے۔ دیوان میں قصائد، قطعات، غزلیات، مدحیں، ترجیع بند، مسدس وغیرہ، شامل ہیں۔ اس دیوان کو کلیات کہنا چاہیے اس لیے کہ اس میں غزلیات کے ساتھ تمام متفرق اصناف بھی شامل ہیں۔ کریم کے مشاعرے میں عارف شرکت کیا کرتے تھے، کریم نے اپنے ''گلدستہ

'نازنیاں' میں عارف کے وہ اشعار دیے ہیں جو وہ ان کے مشاعروں میں پڑھتے تھے اور کریم کے مطابق وہ کانٹے کی طرح سوکھے ہوئے تھے گویا ان میں صرف جوہرِ ذہانت باقی رہ گیا تھا۔ لیکن ان کا چہرہ پر رونق اور شگفتہ تھا۔ وہ اپنے اشعار میں محاورات وضرب الامثال کا استعمال قادر الکلامی کے ساتھ کرتے تھے۔ انھیں تاریخ نگاری میں ملکہ حاصل تھا۔ مثال کے طور پر ان کے اس مصرعہ سے ''کہو گلدستہ گلزار جنت ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء'' سے ''گلدستہ نازنیاں'' کی تاریخ نکلتی ہے۔ ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر ۳۰ سال تھی۔

عارف۔ شاہ حسین:

وہ ایک درویش ہیں جو دہلی کے قریب قدم شریف میں رہتے ہیں۔ سرور کہتے ہیں کہ ایک اچھے شاعر ہیں۔

عارف:

مرشد آباد کے رہنے والے تھے۔ سرور ان کا ذکر کرتے ہیں۔

عارف عرف۔ میر جمال الدین:

ایک دوسرے شاعر ہیں۔

عارف۔ میر جمال الدین:

میر بدر الدین کے نواسے خواجہ باسط کے بیٹے تھے۔ یہ ہم عصر شاعر دورِ حاضر کے ہیں اور لکھنؤ میں رہتے ہیں۔ ان کے استاد حیدر علی آتش تھے۔

عارف۔ میر عارف علی:

ان کا خاندان امروہہ میں رہتا تھا لیکن جس وقت شیفتہ اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے، عارف مرادآباد میں رہتے تھے۔ وہ مصحفی کے شاگرد تھے۔ وہ بہت بڑے انشا پرداز ادیب اور شاعر تھے۔ وہ اپنے زہد و تقویٰ کے لیے بہت مشہور تھے۔ کریم کا بیان ہے کہ وہ ۱۲۵۰ھ ۵/۱۸۳۴ء میں دنیا کو ترک کر چکے تھے اور مذہبی تقریریں کرنے لگے تھے۔

عارف۔ محمد اکبر آبادی:

وہ ایک کشمیری خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور مضمون و آبرو کے شاگرد تھے۔ مصحفی کے مطابق وہ دہلوی تھے۔ دہلی میں وہ شالوں کی رفوگری کی ایک دوکان رکھتے تھے۔ میر اور سودا کے معاصر تھے اور اردو اشعار بڑے جوش وخروش سے کہتے تھے اور اسلوب میں ایک جدت پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ فارسی میں بھی لکھتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے ایک دوست نے ان کا اردو کلام ایک دیوان کی شکل میں مرتب

کیا ہے۔میران سے بخوبی واقف تھے اور انھوں نے ان کے چند اشعار بھی نقل کیے ہیں۔کمال کا بیان ہے کہ اس زمانے میں عارف لکھنؤ میں رہتے تھے۔مصحفی کے تذکرے کی تکمیل سے چند دن پہلے ان کا انتقال ہوا۔اسپرنگر کی فہرست میں (فہرست اوّل ۲۰۳۔۲۵۹۲) ایک جگہ ان کا ذکر عارف کے نام سے اور دوسری جگہ رفوگر کے نام کیا گیا ہے۔

عاشق۔منشی عجائب رائے:

یہ ایک ہندو ہیں جو ہندوستانی مصنفین میں ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔علی ابراہیم خان اپنے تذکرے میں ان کے حالات شامل کرنا چاہتے تھے،لیکن معلوم ہوتا ہے کہ جمع نہ کر سکے اور اس نے اپنے مسودہ میں خالی جگہ چھوڑ دی ہے۔میں اس خالی جگہ کو پر نہیں کر سکتا کیونکہ مجھے ان سے متعلق اور سے اطلاع نہیں مل سکی۔

عاشق۔علی اعظم خان:

خواجہ میر محمد خان کے بیٹے اور خواجہ عظیم خان شورش اور خواجہ محترم خان محترم کے بھائی عشق کے شاگرد اور شاہ گھسیٹا کے مرید تھے۔انھوں نے دنیا ترک کر دی تھی اور گوشہ نشین ہو گئے تھے۔علی ابراہیم جوان سے ذاتی طور پر واقف تھے،لکھتے ہیں کہ جس وقت وہ اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے،عاشق کو انتقال کیے ہوئے کئی سال ہو چکے تھے۔''گلزار ابراہیم'' میں ایک شعر نقل کیا گیا ہے۔

عاشق۔میر برہان الدین:

وہ مشہور شاعر میر حسن کے شاگرد تھے اور شاعر مذکورہ بالا کی طرح گوشہ نشین ہو گئے تھے اور زہد و تقویٰ کے لیے مشہور تھے۔وہ شاعری کے ساتھ مصور بھی تھے۔

عاشق۔مرزا مہدی علی خان۔دہلوی:

یہ ہندوستانی شاعروں میں شعار ہوتے ہیں اور ایک تذکرے میں مجھے ان کا ایک شعر ملا ہے۔

یہ برگ گل نہیں ہیں زمین میں جھڑے ہوئے
بلبل کے لختِ دل ہیں زمین پر پڑے ہوئے

''مجموعہ نغز''،۳۷۹

عاشق نواب علی مردان خان کے پوتے تھے۔سرور ان کی بہت تعریف کرتے ہیں اور تقریباً دو لاکھ اشعار کا مصنف بتاتے ہیں جو ہندوستانی کے تین اور فارسی کے دو دیوانوں میں شامل ہیں۔ان دیوان کے علاوہ انھوں نے سلام،مرثیہ اور مثنویاں بھی لکھی ہیں۔ایک ''قصہ خاور شاہ'' ہے جسے میں نے غلطی سے اس

کتاب کے پہلے ایڈیشن میں'' ماہ لقا'' بتایا تھا۔ اس مثنوی میں ۴۷۵۰ اشعار ہیں۔ اس کا دوسرا نام'' قصہ قمر طلعت'' بھی ہے جو مثنوی کی ہیروئن کا نام ہے۔ یہ کتاب اردو میں ہے نہ کہ دکنی میں جیسا کہ میں نے پہلے لکھا ہے۔ جس نواب کا ذکر دیباچہ میں ہے، وہ نصیر جان تھے جو شاہ عالم کے وزیر تھے۔ عاشق نے کچھ اور مثنویاں بھی لکھی ہیں۔'' یوسف وزلیخا''، (میں خیال کرتا ہوں کہ یہ وہی مثنوی ہے جو'' عشق نامۂ یوسف وزلیخا'' کے نام سے سنہ ۱۸۴۷ء میں بمبئی سے ایک جلد میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی اور جس میں میر حسن کی مثنوی اور میر کی غزلیں بھی شامل ہیں)،'' مجنوں ولیلیٰ''،'' خسرو وشیریں''،'' حملۂ حیدری'' (یا حیدریہ۔ شاید یہ کتاب وہی ہے جو بڑی تقطیع پر کلکتہ سے سنہ ۱۰۴۹ء میں شائع ہوئی) اور ایک نظم لکھنؤ کے شان میں ہے۔ یہ سب اردو میں ہیں۔ انھوں نے ایک تذکرہ بھی لکھا ہے جس میں ان شاعروں کا ذکر ہے جو ان کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ عاشق نے دس سال تک یہ مشاعرے کیے جن میں سرور بھی شریک ہوتے تھے۔ ان کا انتقال سرور کے تذکرہ لکھنے سے دو سال پہلے ہوا۔ انھوں نے ہندوستان میں'' شاہ نامہ'' کا ترجمہ بھی لکھنا شروع کیا تھا جو ان کی وفات کی وجہ سے ناتمام رہ گیا۔ (اسپرنگر، A Catalogue. صفحہ ۲۰۵۔)

عاشق۔ رام سنگھ:

ایک اور ہندوستانی شاعر ہیں، جن کا ذکر منولال نے اپنے'' گلدستہ نشاط'' میں کیا ہے۔ اس شاعر کا ایک شعر ذیل درج کیا جاتا ہے، جو بالکل اچھوتا ہے۔

یہ شعر دستیاب نہ ہوسکا (مترجم)

رام سنگھ عاشق دہلی کے ایک کھتری تھے جو غلام حسن تجلی اور شاہ نصیر کے شاگرد تھے۔ جس وقت کہ سرور اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے چند سال پہلے ان کی وفات ہو چکی تھی۔

عاشق۔ میر یحییٰ:

حیدرآباد دکن کے رہنے والے تھے۔ وہ عاشق علی خان بھی کہلاتے تھے اور دکن کے ایک ممتاز شاعر تھے۔ ان کے متعدد اشعار کو فتح علی حسینی نے نقل کیا ہے۔ بنی نرائن نے ان کی ایک غزل بھی نقل کی ہے جو ذیل میں درج کی جاتی ہے:

آنکھ کیوں تو نے ہم سے ملائی پیارے
بجھ گئی تھی سو پھر اب آگ لگائی پیارے

''سخن شعرا'' از عبدالغفور نساخ، مطبع منشی نول کشور لکھنؤ

عاشق ۔ پنڈت بھولا ناتھ:

لالہ گوپی ناتھ کے بیٹے اور نواب اعظم الدولہ میر محمد خان کے خزانچی تھے اور ذکا کے مطابق وہ ہندوستانی میں شاعری کرتے تھے اور ایک دیوان کے مالک ہیں۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

عاشق ۔ شیخ نبی بخش:

آگرہ کے رہنے والے۔ وہ محمد صالح کے بیٹے ہیں اور ولی محمد نظیر کے شاگرد تھے۔ محسن نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ جس وقت محسن اپنے تذکرہ لکھ رہے تھے۔ ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

ان کا شمار قدیم شعرا میں ہوتا ہے۔ وہ فلسفہ اور علوم متداولہ میں دسترس رکھتے تھے۔ قاسم اور مصحفی نے ان کا ذکر کیا ہے۔

عاشق ۔ شیخ رکن الدین:

وہ مرزا کھمبا بھی کہلاتے ہیں۔ دہلی میں پیدا ہوئے اور عظیم آباد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ گردیزی نے اپنے ہندوستانی شاعروں کے تذکرے میں ان کا ذکر کیا ہے۔

عاشق ۔ محمد علی:

وہ مراد آباد کے رہنے والے تھے اور سنہ ۱۸۱۹ء میں پیدا ہوئے۔ جس وقت ان کی عمر ۱۷ سال کی تھی وہ عدالت مال میں ملازم ہو گئے اور بعد میں دوسری ملازمت کی۔ کریم ان سے خاص طور پر ملے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ہم عصر شاعروں میں ایک ممتاز ہیں اور ان کے چند اشعار نقل کرتے ہیں۔

عاشق ۔ محمد خان:

وہ ایک اور ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔ وہ نوار کے رہنے والے ہیں۔

عاشق ۔ راجہ کلیان سنگھ تہور جنگ:

وہ راجہ شتاب رائے کے بیٹے اور صوبہ بہار کے ناظم ہیں۔ سرور اور گردیزی نے ان کا ذکر کیا ہے۔

عاشق ۔ محمد رضا لکھنوی:

عرف مرزا پھجو۔ ان کے والد نوازش علی خان ضبط تھے اور کے استاد مرزا محمد رونق۔ محسن اور کمال ان کا ذکر کرتے ہیں اور ان کی ایک غزل نقل کرتے ہیں، وہ غزل جو کمال نے نقل کی ہے ذیل میں درج ہے۔

یہ غزل دستیاب نہ ہو سکی (مترجم)

عاشق۔سید ہدایت علی۔دہلوی:

وہ لطف علی رضوانی کے بیٹے تھے اور احمد شاہ درانی کے حملے کے بعد مرشد آباد چلے گئے۔وہ طب کے ماہر تھے جس کی تعلیم انھوں نے بقا خان اور احسان سے حاصل کی تھی۔وہ اردو میں بھی شعر کہتے تھے اور ان کا ایک دیوان بھی ہے۔ابوالحسن نے ان سے کلکتہ میں کئی بار ملاقات کی۔جس وقت محسن اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے،ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

عاشق۔سعداللہ خان:

وہ سید عبداللہ کے بیٹے ہیں اور غازی پور کے گورنر ہیں۔ایک اور ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر ابوالحسن نے کیا ہے۔ان کا انتقال ۱۱۱۹ھ/۸-۱۷۷۷ء میں ہوا ہے۔

عاشق۔شہرالدولہ۔محمد علی خان:

میں صرف ان کے نام کا حوالہ دے سکتا ہوں۔

عاشق۔امیر نواب مرزا اولا جاہ بہادر:

عرف چھوٹے صاحب۔وہ مرزا علی جاہ بہادر کے بھائی ہیں۔محسن نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔

عاشق۔سدا سکھ:

وہ ایک دوسرے شاعر ہیں،جن کے اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔وہ فیض آباد میں پیدا ہوئے اور لکھنؤ میں رہتے تھے۔ان کے والد نواب وجیہ الدولہ مرزا محمد علی خان حیدر عرف آغا حیدر نیشاپوری تھے۔عاشق مرزا سرفراز علی قادر کے شاگرد۔ان کی ایک غزل محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہے۔

عاشق۔مشیر الدولہ محمد علی خان:

وہ زیارت کے لیے کربلا گئے۔ان کے والد رحمت اللہ خان تھے۔وہ فیض آباد میں پیدا ہوئے اور جس وقت محسن اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے۔وہ لکھنؤ میں رہتے تھے۔حیدر بخش حیدری کے شاگرد تھے جو اپنے مرثیے کے لیے مشہور ہیں۔عاشق نے ایک ہندوستانی دیوان لکھا ہے۔

عاشق۔شیخ محمد جان:

وہ فیرآباد میں پیدا ہوئے۔وہ شیخ احمد علی کامل کے شاگرد ہیں اور محسن نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

عشقی۔ آغا حسین قلی خان:

وہ آغا علی خان کے بیٹے ہیں۔ ان کا اصل تعلق خراسان سے ہے۔ لیکن وہ عظیم آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے آباؤ اجداد عہد تیموریہ میں اعلی عہدوں پر فائز تھے۔ وہ خود بھی انگریزوں سے گہرا تعلق رکھنے کی وجہ سے ایک قابل عزت عہدہ پر مامور تھے۔ شیفتہ نے ان سے سکندرآباد میں ملاقات کی اور انھوں نے لکھا ہے کہ جس وقت وہ اپنا تذکرہ مرتب کر رہے تھے، عاشق لکھنؤ میں رہتے تھے۔

عشقی نے ''نشترِ عشق'' کے نام سے فارسی شعرا کا انتخاب بھی مرتب کیا ہے۔ وہ اردو کے بھی شاعر تھے اور ان کا ایک دیوان بھی مرتب ہو چکا ہے۔

عاشور۔ نواب علی خان:

میں اس اردو شاعر کا صرف نام دے سکتا ہوں کیونکہ مجھے ان کی کوئی تفصیل نہیں معلوم۔

عاصم۔ منشی عبداللہ:

وہ ایک مسلمان ہیں جو عیسائی ہو گئے ہیں۔ ضلع امرتسر میں تحصیل دار ہیں۔ انھوں نے فلسفۂ عیسائیت پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ''آرام عاصی'' ہے۔ یہ رسالہ چھوٹی تقطیع کے ۷۸ صفحات پر سنہ ۱۸۶۶ء میں لاہور سے شائع ہوا۔ اس کتاب میں روح اور جسم کے فرق پر بحث کی گئی ہے۔ ساتھ ہی خدا اور دہریت کے تصورات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔

عاصم۔ محمد علی خان۔ لکھنوی:

وہ سنہ ۱۸۴۷ء میں گورکھپور میں حکومت اودھ کے ماتحت مجسٹریٹ کے عہدہ پر فائز تھے۔ انھوں نے ایک اردو دیوان اور ایک رسالہ ''معدنِ فصاحت'' تصنیف کیا ہے۔ کریم الدین نے اپنے ''گلدستۂ نازنیناں'' میں ان کے مزاج اور اعلیٰ صلاحیتوں کی تعریف کی ہے اور ان کی چند غزلیں اس کتاب میں نقل بھی کی ہیں۔

عاصم:

ان کا نام نواب صمصام الدولہ خان منصور جنگ ہے۔ آگرہ کے رہنے والے ہیں۔ وہ ہندوستان کے مشہور و معروف خواجہ علاؤ الدین عطار کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ قاسم نے ان کی بڑی تعریف کی ہے اور ان کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ انھوں نے عاصم کے چند اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

عاصمی:

خواجہ میر برہان الدین نام ہے۔ شیفتہ کے بقول وہ ایک بڑے شاعر تھے۔ تذکرہ نویسوں نے ان کے

تخلص کے ہجہ میں اختلاف کیا ہے۔؟ میر اور حسینی، عاصمی لکھتے ہیں۔علی ابراہیم اصمیٔ اور شیفتہ اور ابوالحسن اصمی لکھتے۔شورش نے ان کا تخلص عصی بتایا ہے۔لیکن میرا خیال ہے کہ وہ اسے کسی دوسرے شاعر کے ساتھ خلط ملط کرر ہے ہیں۔میں نے اپنے پہلے اڈیشن میں تخلص کی غلطیوں کی وجہ سے دو مختلف مضامین لکھے تھے۔اس کتاب میں مَیں نے آملی دہلوی پر جو عاصمی کے بیٹے ہیں ایک مضمون بھی لکھا ہے۔

عاصمی نے ۱۱۶۶ھ/ ۳-۵۲-۱۷ء میں انتقال کیا۔ وہ خواجہ عبداللہ احرار کے صاحبزادے تھے۔ دہلی میں وہ محلہ بہادر پورا میں رہتے تھے۔تاریخ اور مرثیہ کے استاد مانے جاتے تھے۔وہ تلوار بازی کے فن میں بھی اسی قدر ماہر تھے جس قدر شعروسخن میں۔غالبًا اپنے حالات سے خوش نہیں تھے۔میر کہتے ہیں کہ ان کی ذات زمانے کے لیے قابل قدر تھی لیکن زمانہ ان کے لیے سازگار نہیں تھا۔

میر اور فتح علی حسینی نے ان کے تین اشعار نقل کیے ہیں۔

چمن کے تخت پر جس دن شہ گل کا تجمل تھا ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا غل تھا

خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار در گلشن بتایا باغباں رو رو کے یاں غنچہ تھا یاں گل تھا

رات کو میں شمع کے مانند رو کر رہ گیا صبح کو دیکھا تو سب تن اشک ہو کر بہہ گیا

عاصی ۔نور محمد:

وہ برہان پور کے باشندے ہیں جو دکن کے خاندیس صوبے کا پرانا صدر مقام ہے۔ وہ ہندوستانی کے اس علاقے کے بہت ممتاز شاعر ہیں۔فتح علی حسینی نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔وہ وہی مصنف ہیں جنھوں نے دو کتابیں اصول وفرائض اسلام کے بارے میں لکھی ہیں۔ان کی کتابوں کا ایک نسخہ امپیریل لائبریری میں موجود ہے۔ یہ کتابیں ۴۷-۱۱۴۶ھ/ ۳۵-۱۷۳۳ء میں محمد شاہ سوم کی تخت نشینی کے ایام میں لکھی گئی ہیں۔پہلی جلد'' خلاصۃ المعاملات'' کہلاتی ہے اور دوسری'' انوار العلوم''۔ مؤخرالذکر کے ساتھ'' کتاب فرائض'' بھی شامل ہے۔ یہ دونوں کتابیں مثنوی کے انداز میں ہیں اور دونوں کی مجموعی ضخامت ۵۰۰ صفحات ہے۔اس کتاب میں جابجا فارسی میں حواشی بھی دیے گئے ہیں لیکن اس کے باوجود اس میں کافی دلچسپی کا سامان موجود ہے۔

شیفتہ نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ عاصی کی ایک بہت ہی مشہور مثنوی ہے اور میرا خیال ہے کہ شیفتہ نے غالبًا ان میں دو کتابوں کو مدنظر رکھا ہوگا جن کا میں نے ابھی تذکرہ کیا ہے۔

عاصی ۔منشی امداد حسین:

وہ ہم عصر ہندوستانی مصنف ہیں جن کا تذکرہ کریم نے کیا ہے۔وہ انگریزی اور فارسی دونوں زبانوں سے بخوبی واقف ہیں اور اخبار ''مظہرالحق'' کے ایڈیٹر بھی ہیں۔ یہ اخبار ۱۸۴۴ء سے پہلے سے جاری ہے اور شیعہ فرقہ کی ترجمانی کرتا ہے۔

عاصی ۔عبدالرحمٰن:

یہ شاعر ہیں۔انھوں نے مضطر کی کتاب ''گلزار نشاط'' اور'' فسانۂ عجائب'' کی تاریخیں کتابوں کے اختتام پر لکھی ہیں۔میرا خیال ہے کہ عاصی نے اس کتاب کی تاریخ لکھی ہے لیکن فسانۂ عجائب سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی تاریخ عبدالرحمٰن خان کے بھائی نے لکھی تھی۔

عاصی ۔منشی صدرالدین:

آگرہ کے رہنے والے ہیں۔ یہ بھی شاعر ہیں ان کے چنداشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔

عاصی ۔کرم علی:

دہلی کے رہنے والے ہیں۔ وہ پیشہ میں عطر سازی کا کام کرتے تھے۔ لکھنے پڑھنے سے معذور تھے لیکن ا س کے باوجود انھیں ہندوستانی زبان میں شعروسخن کا کافی ملکہ تھا۔وہ مرزا پھجوندوی کے شاگرد تھے،جن کا ذکراس کتاب میں کیا گیا ہے۔

عاصی ۔حکیم سیداحمد:

وہ رامپور کے رہنے والے اور ہم عصر شاعر ہیں۔ ان کی ایک طویل غزل میرٹھ کے'' اخبار عالم''میں ۲ جون ۱۸۶۸ء کے شمارے میں شائع ہوئی ہے۔ اور ان کا ایک قصیدہ جو ۸۰ شعروں میں ہے اس اخبار میں ۳راگست ۱۸۶۸ء میں نواب رامپور کی مدح میں شائع ہوا ہے۔

عاکف:

سودا کے دوست اور شاگرد تھے۔ قاسم ہندوستانی شعرا میں ان کو شمار کرتے ہیں۔

عاقل ۔عقیل شاہ۔فقیراور آزاد:

وہ ایک نوجوان دہلوی شاعر ہیں جو مصحفی کے یہاں آتے جاتے رہتے ہیں۔وہ مصحفی کے اشعار سنتے تھے اوراپنے شعاران کو سناتے۔ مصحفی نے اپنے'' تذکرہ شعرائے ہندی'' میں ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔

عاقل۔رائے سنگھ:

وہ ایک فوجی تھے اور ہندوستانی شعر بھی کہتے تھے۔قائم نے اپنا تذکرہ لکھنے کے لیے ان سے مدد لی۔

عالم علی:

ضلع بلیا میں کرایا کے رہنے والے تھے جو عظیم آباد پٹنہ کے قریب ہے۔انھوں نے میر تقی کی مثنوی کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔اس مثنوی کا نام ''بوستان خیال'' ہے۔اس نام کی چند دوسری کتابیں بھی ہیں۔اس سلسلے میں سراج پر مضمون دیکھیے ۔میر تقی اس کو ''خواب وخیال'' بھی کہتے تھے۔'' بوستان خیال'' عجیب و غریب واقعات کی کہانی ہے۔ہندوستان میں بہت مشہور ہے۔اس کا اردو ترجمہ ۱۸۲۴ء میں کلکتہ سے'' زبدۃ الخیال'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔یہ کتاب چھوٹی تقطیع کے ۱۴۴ صفحات پر ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے متعدد اڈیشن شائع ہوئے ہیں کیوں کہ ایسٹ انڈیا آفس کے کتب خانے میں بھی اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔

عالی مرزا:

یہ شاعر تیمور کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔وہ شیخ ابراہیم ذوق کے شاگرد ہیں۔سرور بڑی تعریف کرتے ہیں اور ان کے متعدد اشعار نقل کرتے ہیں۔

عالی۔خواجہ عبداللہ۔ابوجی۔لکھنوی:

خواجہ عبدالشکور شاکر کے بیٹے تھے۔محسن نے اپنے تذکرے میں ان کا ذکر کیا ہے۔

عالی۔شاہ ابوالمعالی مرحوم:

شاہ اجمل کے بیٹے۔وہ ہندوستانی اور فارسی میں اشعار کہتے تھے۔محسن اپنے تذکرے میں ان کے چند اشعار نقل کرتے ہیں۔

عباس۔نواب اقتدار الدولہ مرزا عباس:

انھوں نے حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی تاریخ ریختہ میں نظم کی ہے۔جس کا عنوان ''مثنوی مرزا عباس'' ہے اور یہ ۳۰۰ صفحے کے کتاب ہے اور ہر صفحے میں گیارہ گیارہ اشعار ہیں۔اس مسلمان شاعر سے سنہ ۱۸۴۹ء میں ڈاکٹر اسپرنگر نے لکھنؤ میں ملاقات کی۔اس وقت ان کی عمر ۸۰ سال تھی ۔انھوں نے ڈاکٹر موصوف سے کہا کہ یہ نظم صرف اس لیے کہی ہے کہ وہ خود کو اپنے ہم مذہبوں میں تعصب سے بالاتر ثابت کر سکیں کیونکہ یہ کتاب مسیحی خیالات کی تائید کرتی ہے۔

ایک دیوان بھی ان سے یادگار ہے جس کا ایک نسخہ ڈاکٹر اسپرنگر کے پاس تھا۔

عباس۔ مرزا عباس علی بیگ:

دکن کے شاعر ہیں جن کا ذکر سرور نے اپنے تذکرے میں کیا ہے اور چند اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

عباس۔ میر:

لکھنو میں تھانیدار تھے۔ میر امام الدین کے بیٹے تھے۔ ان کے دادا شیخ غلام حسین اور نانا غلام حسن زمیندار تھے اور مشہور مسلمان صوفی بزرگ فرید شکر گنج کے خاندان سے تھے۔ عباس خواجہ وزیر کے شاگرد اور وہ مشہور مسلمان صوفی بزرگ فرید شکر گنج کے خاندان سے تھے۔ (اس سلسلے میں میرا مضمون ہندوستان میں مذہب اسلام بہ زبان فرانسیسی دیکھیے۔) عباس خواجہ وزیر کے شاگرد اور ہم عصر شاعر ہیں۔ وہ صاحب دیوان ہیں اور محسن نے ''سراپا سخن'' میں ان کے دیوان سے بہت سی غزلیں نقل کی ہیں۔

وہ ایک اور کتابچہ کے مصنف ہیں، جس کا عنوان ''بوجھ پہیلی'' ہے۔ یہ کتابچہ منظوم پہیلیوں کا انتخاب ہے اور جس کی ایجاد کا سہرا اردو و فارسی کے مشہور شاعر امیر خسرو کے سر باندھا جاتا ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کتابچہ کا مصنف ہزاری لال مضطر نامی کوئی شخص ہے۔ اس انتخاب کا ایک نسخہ میرے پاس بھی ہے۔ جوست ۱۹۲۲، مطابق ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۸۶۶ء میں لالہ شیو نرائن رئیس دہلی کے حکم سے لیتھوگراف میں شائع ہوا ہے۔

عباس:

ناصر علی مؤرخ کے بیٹے فضل اللہ کے پوتے اور قاسم علی کے بھائی تھے۔ عباس ''خالق اخبار'' کے اردو مترجم ہیں۔ یہ عربی کتاب امام حجۃ الاسلام ابوحمید محمد غزالی کی تصنیف ہے۔ عباس نے اس اردو ترجمے کا نام ''صبح کا ستارہ'' رکھا۔ اس تصنیف میں مذہبی سوالات و مسائل مثلاً آدمی و فرشتے کی تخلیق اور موت و روح وغیرہ پر بحث کی گئی ہے۔ یہ اردو ترجمہ ۱۲۶۸ھ مطابق ۲-۱۸۵۱ء میں لکھنؤ سے شائع ہوا۔ اس میں چھوٹی تقطیع پر ۸۸ صفحے ہیں۔ میرے پاس اس ترجمے کا ایک نسخہ ہے جس میں ہر صفحے میں ۲۶ سطریں ہیں۔

عباس:

یہ مناجات نعت، منقبت اور ''مدح اولیاً'' کے مصنف ہیں۔ لاہور سے ۱۸۶۷ء میں چھپنے والا چھوٹی تقطیع پر ۸ صفحے کا رسالہ ہے۔

عبدالقادر۔ مولانا۔ دہلوی۔ شاہ ولی اللہ:

وہ قرآن کے اردو مترجم کی حیثیت سے خاص طور پر مشہور ہیں۔ اس ترجمہ کا نام ''موضح قرآن''

ہے۔آپ کے والد نے قرآن کا فارسی ترجمہ کیا ہے۔حالانکہ عربی کے مقابلے میں ہندوستانی مسلمانوں کو فارسی کا علم زیادہ ہے لیکن عام طور پر مسلمان فارسی کو نظرانداز کرتے ہیں اس لیے قرآن کی تعلیم کی تبلیغ کا جو مقصد مصنف کے والد کے پیش نظر تھا وہ نصف پورا ہوا۔اسے عبدالقادر نے غور وفکر کے ساتھ محسوس کیا اور اس قسم کا اظہار خیال بھی کیا۔

قرآن کا ترجمہ اردو میں فارسی سے زیادہ مشکل نہیں۔انھوں نے یہ کام اس جذبہ کے ساتھ شروع کیا کہ اس طرح وہ اسلام کی خدمت کرسکیں گے اور مذہب کے سچے اصول کو ان لوگوں تک پہنچاسکیں گے جو عربی یا فارسی جاننے کی وجہ سے ان سے واقف نہیں ہوسکتے۔اپنے دیباچے میں انھوں نے اس نکتہ کی طرف اس طور پر اشارہ بھی کیا ہے۔مسلمانوں کو خدا اور اس کے بتائے ہوئے راستے کو جاننا چاہیے۔یہ بھی جاننا چاہیے کہ اس کے صفات، اس کے احکام اور اس کی پسندیدگی و ناپسندیدگی کس میں ہے۔کیونکہ انسان کی زندگی کا مقصد خدا کی خدمت کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور جو خدا کے احکام پر عمل نہیں کرتا وہ اس کا خادم نہیں ہے۔ لیکن خدا کو صرف ان نشانیوں کے ذریعے پہچانا جاسکتا ہے جو اس نے ہم کو بتائی ہیں۔انسان بالکل معصوم پیدا ہوتا ہے اور جو کچھ اسے سکھایا جاتا ہے، وہی حاصل کرلیتا ہے۔ اگرچہ معلم کے الفاظ اعتماد کے مستحق ہوتے ہیں لیکن اس اعتماد کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے جو خدا کے کلام پر کیا جاسکتا ہے، کیونکہ جو ہدایت اور رہبری اس کے کلام میں موجود ہے اور وہ کہیں نہیں ہے۔

اس کے بعد انھوں نے اس طریقہ کار کی تشریح کی ہے جو اس ترجمہ میں اختیار کیا گیا ہے۔ پہلی بات انھوں نے یہ کی ہے کہ انھوں نے عربی کے لفظی ترجمہ کو ضروری نہیں سمجھا کیونکہ عربی فقروں کی ساخت ہندوستانی سے بالکل مختلف ہے اور اگر عربی ساخت کی تقلید کی جائے تو پھر کلام کے معنی سمجھنا ناممکن ہوجائے گا۔اس کے بعد انھوں نے بتایا کہ انھوں نے ترجمہ ریختہ یا شعرا کے اعلیٰ طرز میں نہیں بلکہ عام فہم ہندوستانی میں کیا ہے تاکہ ہر شخص اسے آسانی سے سمجھ سکے اور ترجمہ مکمل ہونے کے بعد انھوں نے جو علمی نوٹ بڑھائے ہیں وہ صرف ان لوگوں کے خیال سے جنھوں نے اس کے مطلب کو نہ سمجھا ہے۔انھیں شامل رکھنے یا خارج کرنے کا حق انھوں نے ناقلین کو دے دیا ہے۔

عبدالقادر نے اپنے ترجمہ کو ''موضح قرآن'' کا عنوان دیا ہے اور یہ عنوان کتاب کے موضوع اور تاریخ تالیف پر روشنی ڈالتا ہے۔اس عنوان سے اس کتاب تاریخ تصنیف ۱۲۰۵ھ/۱۸۰۳ء نکلتی ہے۔

اس ترجمہ کو بہت جلد قبول عام حاصل ہوگیا اور یہ اصل سے اس قدر مطابقت رکھتا ہے کہ مقتدر علمانے

اس کی تعریف کی ہے۔اسی سبب سے اس کی کافی جلدیں مسلمانوں میں ہاتھوں ہاتھ نکل گئیں۔لیکن اس قسم کے اشتہار و تبلیغ کی رفتار عام طور پر ست و غیر تشفی بخش ہوتی ہے جو دینی تعلیم کی اس ضرورت کو پورا نہیں کرتا، جسے ہندوستان کے مسلمان بڑی شدت سے محسوس کر رہے تھے۔سید عبدالقادر نے اس ترجمے کو شائع کر کے اس دشواری کو آسانی میں بدل دینے کا حق ادا کیا ہے۔

ترجمہ اور تفسیر دونوں کے لیے انھوں نے جو ہندوستانی انداز بیان اختیار کیا ہے وہ بڑا پاکیزہ اور واضح ہے۔ایک خاص قسم کے اوقاف استعمال کر کے انھوں نے مطالب کو اور آسان بنایا ہے۔یہ ترجمہ نہایت عمدہ معلوم ہوتا ہے اور اس ترجمہ سے بہتر ہے جس کا کچھ حصہ ''ہدایت الاسلام'' میں شامل کیا گیا ہے۔تفسیر بڑی معنی خیز ہے اور مشکل سے اس قسم کی علمی اور مذہبی بحثیں ملیں گی جو عربی تفاسیر کی طرح مطالعہ کو غیر دلچسپ بناتی ہیں۔یہ تفسیر آزادی کی اس مذہبی روح سے پُر ہے جس کی امید کوئی شخص کسی مسلمان عالم کی تصنیف سے کم کر سکتا ہے۔عام طور پر یہ طویل نہیں ہیں۔بقول ولی اللہ بہترین تقریریں وہ نہیں ہیں جو سب سے لمبی ہیں بلکہ بہترین تقریریں وہ ہیں جن میں چند لفظوں میں وہ سب کچھ وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے جو کوئی شخص بیان کرنا چاہتا ہے۔

یہ ترجمہ جس انداز سے کہا گیا ہے اس سے روشناس کرانے کے لیے میں نے Journal Des Savants، ۱۸۳۴ء میں اپنی کتاب ''انتخاب ہندوستانی'' (*Chrestomathal Hindoustanee*) میں بطور حوالہ سورۂ یوسف کا پورا ترجمہ اس میں شامل کر دیا ہے۔قارئین سے میں اسے دیکھنے اور سمجھنے کی گزارش کروں گا۔اس سے اہم کام کی اصل نوعیت پر کافی روشنی پڑتی ہے جو صرف ہندوستانی مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ یورپ کے علما کے لیے بھی مفید ہے۔اس میں شبہ نہیں کہ یہ کتاب صرف ان لوگوں کے مطالعہ کے لیے ہے جو عربوں کی اس مقدس کتاب کے مشکل حصوں کے حقیقی معنی جاننے کا شوق رکھتے ہیں۔

قرآن کے اس ترجمہ کے کئی اڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ایک اڈیشن بڑی تقطیع پر ۸۵۰ صفحے کا دو جلدوں میں ۱۸۲۹ء میں ہگلی سے، دوسرا ۱۲۷۰ھ/ ۴۔۱۸۵۳ء میں بمبئی سے۔ایک رومن رسم الخط میں لکھنؤ سے اور اس طرح ایک اڈیشن ۱۸۵۴ء میں الہ آباد سے امریکن مشنری کی طرف سے شائع ہوا ہے۔اس آخری اڈیشن میں ایک دیباچہ بھی شامل ہے جس میں مسلمانوں کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے اور ان تمام اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے جو عیسائیت کے خلاف کیے جاتے ہیں۔

اس میں قرآن کے خلاف مراچی (Maracchi) طرز کا ایک تبصرہ بھی شامل ہے۔

عبد۔ مرزا عبداللہ:

پسر عسکر خان ۔ مرزا ظہور علی کے شاگرد ہیں۔ وہ ابوالحسن کے دوست تھے۔ ابوالحسن نے ہندوستانی شعرا کے حالات میں ان کا حال لکھا ہے۔

عبد۔ میاں عبداللہ شاہ:

میاں اللہ نور شاہ کے شاگرد اور ٹونک کے باشندے تھے۔ ان کی عمر سنہ ۱۸۴۷ء میں ۳۲ سال تھی۔ کریم الدین کے تذکرہ شعرا کے مطابق وہ ایک اچھے شاعر تھے اور علم دینیات کے ماہر تھے۔

عبدالبقا:

ایک رسالہ موسوم بہ ''کاشف الاحکام'' کے مصنف ہیں جس میں مذہبی پند و نصائح ہیں۔ سنہ ۱۸۶۴ء میں میرٹھ سے شائع ہوا۔ ان کی دوسری کتاب ''زائد فرقان'' ہے۔ یہ بھی ایک مذہبی رسالہ ہے اور اسی سال میرٹھ سے چھاپا گیا ہے۔

عبدالباری:

ایک ہندوستانی شاعر ہیں جس کا ذکر میر تقی نے اپنے ''نکات الشعرا'' میں کیا ہے۔

عبدالقادر:

عتیق اللہ کے بیٹے تھے۔ وہ ایک رسالے کے مصنف ہیں جس کا نام ''کنز الخیرات فی المسائل زکوٰۃ'' ہے اور جو سنہ ۱۸۶۴ء مطابق سنہ ۱۲۸۱ھ میں کانپور سے طبع ہوا۔

عبدالغفور (سید):

سنہ ۱۸۴۱ء میں دہلی کے ایک مطبع میں کام کرتے تھے جہاں سے ''سید الاخبار'' چھپتا تھا۔ یہ اخبار دہلی کے سنی مسلمانوں کی طرف سے نکلتا تھا۔ اس کے مدیر مسلمان ہونے کی وجہ سے اکثر مذہبی مباحث کو پیش کرتے تھے۔ لیکن اس میں دوسرے اصلاحی مضامین اور روزانہ کی خبریں بھی ہوتی تھیں۔

عبدالحق۔ مولوی سید:

شاہ غلام رسول بریلوی کے بیٹے اور ''جذب القلوب'' کے مصنف ہیں جو فارسی سے اردو میں ترجمہ ہے۔ یہ کتاب حاشیہ کے ساتھ ۲۲ سطر کی چھوٹی تقطیع کے ۲۸۸ صفحوں پر ۱۲۸۰ھ/۵-۱۸۶۳ء میں لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ فارسی کتاب کا پورا نام جو کہ ترجمہ کی طرح نظم میں ہے ''جذب القلوب فی دیار المحبوب'' ہے۔ اس میں مدینہ کا ذکر ہے جہاں رسولؐ کا روضہ ہے۔ فارسی کتاب ۱۰۰۲ھ/۳-۱۵۹۲ء میں لکھی گئی تھی اور اس

کے مصنف کا بھی وہی نام ہے جو مترجم کا ہے۔

عبدالحق ۔قاضی محمد:

رسالہ ''تعلیم طفلاں'' کے مصنف ہیں جو اردو میں قرآن پڑھنا سکھانے کے لیے لکھا گیا ہے۔

عبدالحق شاہ:

ایک کتاب کے مصنف ہیں جس کا نام ''ادب الصالحین'' ہے۔ یہ اخلاق پر ایک رسالہ ہے جو مدراس سے سنہ ۱۸۴۵ء میں بڑی تقطیع پر شائع ہوا۔ ایسٹ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں اس کتاب کا ایک نسخہ ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتاب فارسی میں ہے کیونکہ اس کا ایک اردو ترجمہ ''ہادی الناظرین'' کے نام سے شائع ہوا ہے اور اس کا اعلان میرٹھ کے ۸۔مارچ سنہ ۱۸۶۶ء کے ''اخبار عالم'' میں نکلا ہے۔ یہ اردو ترجمہ ۲۵۲ صفحوں پر مشتمل ہے۔

۲۔ ''تکمیل الایمان''۔ اس کتاب کا ایک خلاصہ ۱۸۶۴ء میں مدراس سے شائع ہوا۔ یہ کتاب مذہب اسلام کے اصولوں کے بارے میں ہے۔

عبدالحلیم۔منشی:

یہ مسلمان عالم ''قصہ گل وصنوبر'' کے ایڈیٹر ہیں اور اس کو ہدایت علی اسلام آبادی نے شائع کیا ہے۔ یہ کتاب چھوٹی تقطیع کے ۱۶۴ صفحات پر سنہ ۱۸۴۷ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی ہے۔

عبدالاسلام۔لکھنوی:

انھوں نے James Ferguson کی کتاب *Introduction to Astronomy* کا اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ نواب اودھ نصیرالدین حیدر کے حکم پر کیا گیا ہے۔ یہ کتاب کلکتہ سے شائع ہوئی ہے۔ Ferquson Illustration plates of Asrtonomy کلکتہ کے اسکول بلکہ سوسائٹی کی طرف شائع ہوئی ہے۔

عبدالجبار:

''ابطال التقلید'' کے مصنف ہیں۔ یہ کتاب انگریزی حکومت نے دہلی کے سقوط کے بعد خریدی ہے اور فہرست میں اس کا نمبر ۱۰۷۳ ہے۔

عبدالجلال:

یہ عبدالمجیب الحسنی کے صاحبزادے ہیں اور ''احیاء القلوب فی مولودالمحبوب'' کے مصنف ہیں۔ یہ اردو

زبان میں محمدؐ کے واقعۂ پیدائش و معراج کا ذکر ہے۔ یہ کتاب کلکتہ سے سنہ ۱۲۶۴ھ مطابق ۱۸۴۷ء میں فیروزالدین نے شائع کی ہے۔اس کتاب کا ایک نسخہ ایسٹ انڈیا آفس کے کتب خانے میں موجود ہے۔

عبدالکریم:

وہ ''گلدستۂ انجمن'' کے مدیر ہیں۔ یہ رسالہ اردو اشعار کا ایک انتخاب ہے جو چھوٹی تقطیع کے ۲۸ صفحات پر سنہ ۱۸۶۷ء میں لاہور سے شائع ہوا ہے۔

عبداللہ:

حاجی سید عبداللہ ولد سید بہادر علی ولد سید حسن ولد سید جعفر سوانا میں پیدا ہوئے۔ سوانا تھانیسر کے جنوب میں شہر سے تقریباً تیرہ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے اور دہلی سے پانچ دن کا پیدل سفر ہوتا ہے۔ سوانا کے قیام سے پہلے ان کے آباؤاجداد لاہور میں رہتے تھے۔ ان میں سے شاہ زید نامی ایک فوجی افسر لاہور سے اپنے بھائیوں کے ساتھ اس ملک کے ہندو راجہ سے لڑنے کے لیے لاہور سے سوانا آئے۔ اس کو شکست دینے کے بعد اسی مقام پر انھوں نے جام شہادت پیا۔ ان کے بھائی اور بچے سوانا میں مقیم ہوئے اور آس پاس کے دوسرے شہروں پر حکومت کرنے لگے۔ اس سید خاندان میں کئی ممتاز ہستیاں گزری ہیں۔ ان کا سلسلہ نسب امام علی اصغر نبیرۂ زین العابدین تک پہنچتا ہے۔

اس وقت سید عبداللہ نے برطانوی ہندوستان کے مسلمانوں کی خستہ حالی پر غور و فکر کرنا شروع کر دیا تھا۔ بت پرست ہندوؤں کی خراب عادتوں سے قطع نظر وہ ان یورپیوں سے بھی خراب عادتیں سیکھتے تھے جو ان کے حاکم تھے اور جن کے ساتھ انھیں گزر کرنا تھا۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے دل میں خدا، رسول اور اسلام کا خوف باقی نہیں رہا۔ ان کو اس کا بڑا افسوس تھا کہ تعلیم یافتہ مسلمان مذہبی تعلیم کو عام کرنے میں بہت کم دلچسپی لے رہے ہیں۔ سید عبداللہ ان باتوں پر غور و فکر کرنے کے تھوڑے ہی دن بعد سید احمد کی نئی جماعت میں شامل ہو گئے اور انھیں سید احمد کے ساتھ اسلام کے مقدس شہروں کی زیارت کا فخر حاصل ہوا۔ ان شہروں میں قیام کے دوران، جب کہ وہ حج کے فرائض ادا کر رہے تھے، مولانا عبدالقادر کے بھانجے احمد کو عبداللہ کے یہاں قرآن کے اردو ترجمے کا ایک نسخہ دیکھنے کا موقع ملا جو مولانا عبدالقادر کا ترجمہ کیا ہوا تھا۔ احمد نے اس کا ایک نسخہ اسی جگہ حج کے موقع پر حاصل کر لیا۔ ساتھ ہی ساتھ انھوں نے یہ رائے بھی ظاہر کی کہ اگر اس ترجمے کی اشاعت کر دی جائے تو یہ امید ہو سکتی ہے کہ مسلمان کم از کم خدا کے نام سے واقف ہو جائیں گے اور اس پر عمل پیرا ہوں گے۔ یہ معمولی الفاظ عبداللہ کے لیے ایک طرح کا حکم بن گئے۔

جب وہ کلکتہ واپس ہوئے تو انھوں نے اس ترجمے کا ایک نسخہ تیار کیا اور طباعت کے لیے دیا۔ انھوں نے اس ترجمے کی تصحیح میں مولانا عبدالحئ، مولانا محمد اسحاق اور مولانا حسن علی لکھنوی سے مدد لی اور اس میں نوٹ کا اضافہ کر دیا۔ جب انھیں کسی مقام پر کوئی شبہ ہوتا تو وہ اپنے والد بہادر علی کے اردو ترجمہ (غالباً اس ترجمے کے کچھ ٹکڑے رسالہ ''ہدایت الاسلام'' میں دیے گئے ہیں۔ مطبوعہ کلکتہ) یا مولانا شاہ عبدالعزیز (اس سلسلے میں میرا مضمون اپریل سنہ ۱۸۳۸ء کے ''اشیاٹک جرنل'' میں دیکھیے) مرحوم کی ''تفسیر عزیزیہ'' یا حسین واعظ کاشفی مصنف ''انوار سہیلی'' اور قرآن کے بعض عمدہ نسخوں سے استفادہ کرتے تھے۔

انھوں نے اس ترجمے کی طباعت ہی نہیں کرائی بلکہ اس میں عربی عبارات بھی شامل کر دیں اور مقابل میں سطر بہ سطر اس کا اردو ترجمہ بھی لکھ دیا۔ مولانا عبدالقادر کے ترجمے کی ابتدائی صورت یہ نہ تھی۔ عبداللہ نے ترجمے میں یہ طریقہ اس لیے اختیار کیا تا کہ وہ لوگ جنھیں عربی سے ذرا بھی مس ہے اس کے متن کو آسانی سے استعمال میں لا سکیں۔ پھر بھی عبارت کو نظر انداز کر کے بڑی آسانی سے اس اردو ترجمے کو پڑھا جا سکتا ہے۔ اس انداز میں خاص طور دکن میں قرآن کے کچھ اور ترجمے ہوئے ہیں جن میں عربی کے نیچے ہندوستانی لکھی ہوئی ہے۔ اسی قسم کا ایک فارسی ترجمہ اردو اور فارسی میں میرٹھ سے سنہ ۱۸۶۷ء میں شائع ہوا۔ یہ ۶۹۳ صفحے کی جلد ہے اور ہر صفحے میں دس سطریں ہیں۔ یہ عربی عبارات کے ساتھ اور بڑی احتیاط سے شائع کی گئی ہے۔ ساتھ ہی وہ رموز اور اوقاف بھی دیے گئے ہیں جو قرآن کے لیے مخصوص ہیں۔ ان رموز اوقاف کی تشریح ایس دی ساسی (S. de Sacy) نے اپنے عربی قواعد میں کی ہے۔ اس میں سطر بہ سطر ترجمے کے ساتھ ہندوستانی میں عالمانہ نوٹ بھی دیے گئے ہیں۔ ہر باب میں عنوان کے ساتھ الفاظ اور حروف کی تعداد کی طرف اشارے بھی کر دیے گئے ہیں۔ تحقیقی مطالعہ کی آسانی کے لیے ان عنوانات کی تکرار ہر صفحے پر کی گئی ہے۔ قرآن کے ہر پارہ میں جزو، نصف و ربع کی تقسیم کی بھی کر دی گئی ہے۔ اس تقسیم کا لحاظ رکھ کر کلکتہ سے شائع ہونے والے قرآن کا عنوان ''نجم الفرقان'' رکھا گیا۔ اس قسم کی تقسیم میں ع کی علامت ہندسہ کے ساتھ استعمال کی گئی جو کہ عربی لفظ رکوع کا آخری حرف ہے۔ غرض کہ اس میں وہ چیزیں ہیں جو کسی قدیم نسخے میں نہیں مل سکتیں۔ مثلاً اس میں آیتوں کی ترتیب اس خاص کالم میں حاشیے پر شائع کی گئی ہے۔ نوٹ کے لیے ف کے حرف سے مدد لی گئی ہے اور جہاں پر کئی نوٹ ہیں وہاں مصنف نے ف پر نمبر ڈال دیے ہیں تا کہ ضرورت کے مطابق آسانی سے انھیں تلاش کر لیا جائے۔ اڈیشن کے آخر میں ایسے الفاظ کی ایک فہرست بھی شامل کر دی گئی ہے جس میں خالص ہندوستانی، ٹھیٹ ہندی اور کھڑی بولی کے محاورے دیے گئے

ہیں جو عام آدمیوں کی زبان ہے۔

اگرچہ اس ترجمے میں بہت زیادہ وقت صرف ہوا لیکن انھوں نے اس کے تمام اخراجات خود اٹھائے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے ہر طرح کی آسانی بہم پہنچائی لیکن اس کے باوجود ان کی اس کوشش کو مفسرین نے نہیں سراہا۔ اور بعد میں مقتدر مسلمانوں نے اس کام کے سلسلے میں بہت سے الزامات لگائے۔ یہ مسلمان مذہبی کتابوں کی اشاعت کو ناپسند کرتے تھے۔ پھر بھی مصنف کی ہمت نہیں ٹوٹی اور انھوں نے کتاب کا خاتمہ اس طور پر کیا ہے: ''خدا نے برائی کرنے والوں پر ان کی برائیاں لوٹا دیں اور میں شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے اپنے بندے یعنی مجھ کو ان مسلمانوں کی خودغرضی اور بدی سے دور رکھا۔ یہ مسلمان اپنے مسلمان بھائیوں کی غلطیوں کی طرف توجہ نہیں دیتے اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کا مذہب اتنا تنگ ہے کہ وہ وسعت میں معمولی پودہ کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ خدا اس قسم کے لوگوں سے ہمیں امان میں رکھے کیونکہ جسے وہ نیکی سمجھتے ہیں وہ بدی سے بدتر ہے۔ وہ زندگی کے سراب میں کھو گئے ہیں اور ان کا مذہبی جذبہ مردہ ہوگیا ہے۔ ان کی باتیں دنیا کے لیے ہیں اور ان کا راہِ راست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ قرآن پاک سے قطع نظر عبداللہ نے ''تنبیہ الغافلین'' کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ بھی ایک مذہبی کتاب ہے اور اس کا ذکر سید احمد اور بنی نرائن کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

عبداللہ کا یہ ترجمہ ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء میں بہ مقام ہگلی خط نسخ میں طبع ہوا۔ اس میں ۲۴ ابواب ہیں اور اصل کتاب میں ۲۰ ہیں۔ اس ترجمہ کا دوسرا اڈیشن ۱۲۴۷ھ/۳-۱۸۳۱ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب کا ایک اور ترجمہ ۲۵/ابواب میں کیا گیا۔ آخری باب پانچ حصوں میں تقسیم ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ''تنبیہ الغافلین'' کے چار ترجمے ہندوستانی میں ہوئے۔ عبداللہ اور بنی نرائن کا پہلا ترجمہ پسند نہیں کیا گیا کیونکہ نہ تو اس کا انداز بیان اچھا تھا، نہ ترجمہ اصل کے بالکل مطابق تھا۔ اس میں قرآن اور حدیث کے حوالوں کی بھی بہت غلطیاں تھیں۔ دوسرا عبداللہ کا ہے اور یہ کئی بار چھاپا گیا۔ تیسرا بنی نرائن کا ترجمہ ہے جو اب تک غیر مطبوعہ ہے۔ چوتھا ترجمہ ابھی حال میں کلکتہ سے شائع ہوا ہے۔ عبداللہ کی تیسری کتاب ''فتاوی ہند'' ہے۔

چوتھی کتاب ''میلاد شریف'' کے نام سے کلکتہ میں ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۷ء میں چھپی۔ یہ کتاب ''مولود ابن جوزی محدث'' کا اردو ترجمہ ہے۔ اس میں حضرت محمدؐ کی پیدائش کے حالات ہیں اور اس کا کچھ حصہ مولوی شاہ محمد سلامت صاحب کی فارسی کتاب سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ عبداللہ کی پانچویں کتاب ''قیامت نامہ'' ہے۔ سنہ ۱۸۵۷ء میں جب دہلی انگریزی سلطنت میں شامل کرلیا گیا تو یہ کتاب دوسری اردو کتابوں کی ساتھ

حکومت نے خرید لی۔ فہرست کتب میں اس کا نمبر ۱۰۷۷ ہے۔

عبداللہ نے ایک اور ترجمہ کیا ہے۔ اس کی اصل محمد اسحاق کی کتاب ''مسائل اربعین'' ہے۔ عبداللہ کے اردو ترجمہ کا نام ''رسالہ چالیس مسئلوں کا'' ہے جو کلکتہ سے چھوٹی تقطیع پر سنہ ۱۸۴۳ء میں شائع ہوا۔

عبداللہ:

عبداللہ۔ ایک قدیم ہندوستانی شاعر ہیں۔ جن کا ذکر سرور نے اپنی تذکرہ میں کیا ہے۔ غالباً یہ وہی ہیں جو عبداللہ دکنی کے نام سے مشہور ہیں اور مثنوی '' درالمجالس ''انھیں کی لکھی ہوئی ہے۔ اس نظم میں ان پیغمبروں کے حالات نظم کیے گئے ہیں جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ اس کا ایک نسخہ ایسٹ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں ہے۔ اس موضوع پر ہندوستانی نظم میں کئی مضامین لکھے گئے ہیں، مثلاً اردو بنگالی کا ایک ترجمہ جس میں ۲۴۸ صفحات ہیں اور جو ۱۸۲۵ء میں کلکتہ سے طبع ہوا۔ بدنصیب ٹیپو کے کتب خانہ کی فارسی کتابوں کی فہرست میں یہ کتاب '' درالمجالس '' کے نام سے شامل ہے۔ اس میں قدیم زمانہ سے لے کر خواجہ صوفیاں سوری کے عہد تک کی مختلف شخصیت کے قصے ہیں۔ اس میں جنت اور دوزخ پر بھی ایک بحث ہے جس کے مصنف سیف الظفر بچاری ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ترجمہ ہندستانی زبان میں ہوا ہے۔ اس لیے کہ یہ نظم حیدرآباد کے کتب خانہ میں ''ترجمہ درالمجالس'' کے نام سے موجود ہے۔

عبداللہ:

عبداللہ ''شملہ اخبار'' کے مدیر ہیں۔ یہ اخبار شمالی مغربی صوبوں میں سب سے ممتاز ہے۔ اس لیے کہ اس میں بڑے دلچسپ مضامین چھپتے تھے۔ اس کا مطبع خاص قسم کا ہے جس کا نام ''مطبع شملہ اخبار'' ہے۔ اس مطبع کے سرپرست میجر ایڈورڈ (Edwardes) تھے جو کہ '' پنجاب میں ایک سال'' (*A Year in the Punjab*) کے مصنف ہیں اور جس کے ترجمے کا لاہور سے شائع ہونے کا اعلان ہو چکا ہے۔ میجر ایڈورڈ کی سفارش پر حکومت نے ''شملہ اخبار'' کی کچھ کاپیاں اسکولوں اور کالجوں میں تقسیم کرائیں۔ اس کے مدیر کو یہ سہولت حاصل ہے کہ ہندوستانی ان کی مادری زبان ہے۔ ساتھ ہی وہ انگریزی بھی اسی درجے کی جانتے ہیں۔ سنہ ۱۸۵۱ء میں اس کی اشاعت میں ۹۸ کاپیوں کا اضافہ ہوا۔ اس کے خریدار ہندو تھے اگرچہ یہ اخبار اردو زبان میں نکلتا ہے لیکن اس کا رسم الخط دیوناگری ہے۔ انھوں نے '' شعلہ طور'' کے نام سے کانپور سے ایک اردو اخبار ۱۸۶۶ء میں نکالا۔ کیا یہ وہی عبداللہ ہیں جنھوں نے یہ کتابیں لکھی ہیں:

۱۔ ''تسہیل التعلیم''، یعنی اردو حروف تہجی کی ایک باتصویر کتاب ہے اور شمالی مغربی صوبوں کے لیے

جی۔ پی۔ لیڈلی کی سفارش پر لکھی گئی ہے۔

۲۔ ''توقیعات خسروی''۔ اس میں اچھی اچھی کہانیاں ہیں جو شہزادے کی تاریخ سے ماخوذ ہیں۔ یہ باتصویر کتاب مقامی مدرسوں کے لیے آگرہ سے شائع ہوئی ہے۔

۳۔ ''نقلیات اردو''۔ یہ دلچسپ تاریخی کہانیوں کا مجموعہ سنہ ۱۸۵۲ء میں ۳۲ صفحوں میں آگرہ سے شائع ہوا۔

عبداللہ۔ سید:

سید محمد کے بیٹے۔ وہ جبل پور کے تحصیل دار ہیں۔ وہ ایک مسلمان عالم ہیں جو بلا تکلف انگریزی لکھ سکتے ہیں۔ انھوں نے ایک شریف انگریز خاتون سے شادی کی ہے۔ نواب اودھ کے سیکرٹری بھی رہے ہیں۔ ۱۸۶۶ء میں وہ یونی ورسٹی کالج لندن میں ہندوستانی کے پروفیسر تھے۔

انھوں نے سفر یورپ پر ایک نظم لکھی ہے جو میں نے ''جرنل ایشیاٹک'' میں شائع کرائی ہے۔ ان کی ایک ہندوستانی مثنوی بھی ہے جو Sir H. Laurence کی وفات پر لکھی گئی ہے۔ انھوں نے اس کا انگریزی ترجمہ بہت سے اخباروں میں شائع کرایا۔

انھوں نے مہاراجہ رندھیر سنگھ بہادر والی کپورتھلہ کی شان میں فارسی میں قصیدے لکھے ہیں۔

عبداللہ۔ محمد:

''قیامت نامہ'' کے مصنف ہیں۔ یہ شاہ رفیع الدین دہلوی کی فارسی کتاب کا ترجمہ ہے۔ اس میں قیامت کی نشانیاں بتائی گئی ہیں اور ہفت جہنم اور ہشت جنت کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۱۰۰ صفحے پر مشتمل ہے اور کئی بار کلکتہ اور دہلی کے ''مطبع دارالسلام'' سے شائع ہوئی ہے۔ (۱۸۲۵ء) اس کا ایک اور ترجمہ لشکری بولی میں جو ہندوستانی کی ایک اور مقامی زبان ہے، شائع ہوا ہے۔ (J. Long- *Descripive Caralogue.*)

عبداللہ:

انھوں نے سعدی کی کتاب ''گلستان'' کو فارسی کے طالب علموں کے لیے اردو زبان میں ترجمہ کر کے اپنے مطبع سے شائع کیا ہے۔ (کلکتہ ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۸ء) اس کتاب کا عنوان ''ترجمہ کتاب گلستان'' اور یہ ۱۴۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ بالکل لفظی ترجمہ ہے۔ اس میں پہلے فارسی عبارت ہے اور بعد میں اس کا اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ اور یہی اصول شروع سے آخر تک اس کتاب میں مصنف نے اختیار کیا ہے۔ اس کتاب کا ایک نسخہ پیرس کے 'اسکول آف اورینٹل لینگویجز' میں ہے۔ اس کتاب کا دیباچہ فخر الرحمان نے؛ جو کلکتہ ٹربیونل کے صدر ہیں، لکھا ہے۔

عبداللہ بن عبدالسلام:

''تحفۃ المسائل'' کے مصنف ہیں۔اس کتاب کا موضوع مجھے معلوم نہیں لیکن انگریزی حکومت نے دہلی کے سقوط کے بعد اسے خریدا ہے۔فہرست میں اس کا نمبر ۱۱۱۹ ہے۔

عبداللطیف خان (مولوی):

انھوں نے'' دفعات فوجداری ہند'' کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ان کا نام ان علماً میں ہے،جن سے مشورہ کیا گیا ہے کہ کونسی زبان شمالی مشرقی صوبہ میں رائج کی جائے۔

عبدالمسیح:

وہ ابتدا میں مسلمان تھے لیکن بعد میں مشہور عیسائی مبلغ Henry Martin کے زیر اثر عیسائی مذہب اختیار کرلیا تھا۔ وہ خود سنہ ۱۸۱۶ء میں M.Corrie کے ماتحت آگرہ میں کلکتہ میں تبلیغ واشاعت کا کام کرنے لگے اور پھر ۱۸۲۵ء میں پادری ہوگئے۔ان کے پادری ہونے کی رسم کا ذکر کلکتہ کے اخبار Harkaru میں شائع ہوا ہے۔

عبدالمسیح بہت ہی مہذب اور تعلیم یافتہ تھے اور ہندوستانی زبان میں شعروسخن کرتے تھے۔میرا خیال ہے کہ انھوں نے عیسائی مذہب کے متعلق ایک مقالہ لکھا ہے جس کا نسخہ کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی میں موجود ہے۔(،جلد ۲۴ سنہ ۱۸۲۷،صفحہ ۷۱۳)

اپنے انتقال سے کچھ عرصہ پہلے ،جو ۴۔مارچ سنہ ۱۸۲۷ء کو ہوا ہندوستانی زبان میں مندرجہ ذیل اشعار کہے ہیں۔یہ اشعار دستیاب نہ ہوسکے۔(مترجم)

عبدالحمید (حکیم مولوی):

یہ مسلم حکیم ہیں۔سنہ ۱۸۳۶ء میں کلکتہ میں صدر دیوان نظامت الدولہ کے قاضی القضات تھے۔اس لیے پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی میں پروفیسر اور طبیب کے منصب پر فائز تھے۔ وہ مقامی طبی ادارے کے نائب منتظم بھی تھے جس کے صدر ڈاکٹر جان ٹیٹلر (Tytler) تھے(Asiatic Journal جلد ۲۲ دیکھیے) مسلسل سات سال تک انھوں نے اردو زبان میں ترجمے کیے ہیں۔ لیوس داکوستا(Levis da Costa) کی معاونت سے *Elements of Ancient and Modern General History.* کا ترجمہ کیا ہے جس کا پہلا حصہ ٹیٹلر نے لکھا ہے اور جس کو ڈاکٹر نارس (Nares) نے سنہ ۱۸۱۰ء میں مکمل کیا ہے۔

اس ترجمے کا عنوان ''لب التواریخ'' ہے اور یہ سوسائٹی آف بمبئی کی طرف سے ہندوستانیوں کی تعلیم کی

خاطر کلکتہ سے سنہ ۱۸۱۹ء میں شائع ہوا ہے۔ یہ کتاب چار جلدوں پر مشتمل ہے۔اس کی زبان سہل اور سادہ ہےاور ہندوستانی کی تعلیم کے لیے بہت مفید ہے۔

میرا خیال ہے کہ اس کتاب میں عربی اور فارسی کے الفاظ کثرت سے استعمال کیے گئے ہیں۔ یہ عام طور پر ان کتابوں میں سے ہے جو انگریز علما کی سر پرستی میں لکھی گئی ہیں۔

عبدالحمید نے ''مجموعہ اللطائف'' کی تصنیف میں کالی کرشن کو مدد دی ہے۔جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔

فہرست مسودات میں جو انگریزوں نے سنہ ۱۸۵۷ء میں سقوط دہلی کے بعد خریدے تھے ''نجات المسلمین'' کا ذکر ہے اور اس کی تصنیف کو عبدالحمید سے منسوب کیا گیا ہے۔اس کا ذکر محمد حسین کے مضمون میں کیا جائے گا۔

عبدالواسع۔ ہانسوی:

عبدالواسع ہانسوی ایک ہندی لغت کے مصنف ہیں جس کا Breton نے طبی لغت میں حوالہ دیا ہے اور اسے ہانسوی کے نام سے پکارتے ہیں۔ دراصل لغت کا نام ''غرائب اللغات'' ہے۔

ایک مختصر قواعد فارسی بہ نام ''رسالہ عبدالواسع'' مطبوعہ کان پور سنہ ۱۸۵۱ء مطبع مصطفائی نے اسے شائع کیا ہے جو پریس کے مالک مصطفیٰ خان کے نام سے منسوب ہے۔لیکن میرا خیال ہے کہ یہ کتاب فارسی میں ہے۔

شیفتہ نے اس نام کے ایک ہندوستانی شاعر کا ذکر اپنے تذکرے میں کیا ہے۔میرے خیال میں وہ یہی مصنف ہیں۔

(ہانسی ایک شہر کا نام ہے ۔ یہ صوبہ دہلی میں فیروز شاہ کی نہر پر ۲۸ درجہ ۵۲ دقیقہ شمالی عرض البلد اور ۷۵ درجہ ۳۹ دقیقہ مشرقی طول البلد پر واقع ہے۔اسے مسلمانوں نے غزنوی عہد میں ۱۰۳۵ھ میں فتح کیا تھا اور ۱۸ویں صدی کے آخر میں ایک یورپین قسمت آزما Georges Thomas نے اسے اپنی توجہ کا مرکز بنا کر اپنا مستقر بنایا تھا۔دیکھیے (East India Gazette. Hamilton) جلد نمبر ۱، ص ۶۲۹)

عبدالوہاب خان (عبدالصمد):

نصرت جنگ کے بیٹے ہیں۔انھوں نے ''قصص الانبیا'' کا ترجمہ ہندوستانی دکنی نثر میں کیا ہے۔اس کا ایک نسخہ میرے پاس بھی ہے۔ یہ نظام آباد میں محمد پور کے قریب لکھا گیا ہے (۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء)، جسے عام طور پر لوگ اولٹ بھی کہتے ہیں۔

عبدالوحید:

''احکام الایمان'' کے مصنف ہیں۔ یہ اردو رسالہ لکھنؤ اور دہلی سے (۱۲۶۵ھ/۹-۱۸۴۸ء) میں شائع ہوا۔

عبدالرحیم:

میر نے ان کا ایک شعر نقل کیا ہے۔

آیا فراق اب پیو کا سدھ بدھ گنواں مجنوں کا
جس بات وہ لیلیٰ گئی اس بات مجھ جانا پڑا

''نکات الشعرا''،ص۱۰۲

عبدالرحیم۔مولوی:

انھوں نے ''حملات حیدری'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ یہ ان اردو کتابوں میں ہے جسے انگریزی حکومت نے دہلی کے زوال کے بعد خریدا تھا۔

عبدالرحمٰن۔مولوی:

وہ بریلی کے'' عمدۃ الاخبار'' کے پہلے مدیر ہیں۔ آج کل یہ اخبار لکشمن پرشاد کی زیرادارت شائع ہورہا ہے۔

میرا خیال ہے کہ یہ حاجی محمد روشن خان حنفی مرحوم کے بیٹے ہیں جنھوں نے'' اخوان الصفا '' کے اردو ترجمہ کا ایک نیا اڈیشن ۱۲۷۸ھ/۲-۱۸۶۱ء میں کان پور سے شائع کیا تھا۔ یہ کتاب چھوٹی تقطیع میں ۱۰۰صفحات پر مشتمل ہے اوراس کے ہر صفحہ میں ۲۳سطریں ہیں۔ عبدالرحمٰن نے عثمان بن عمرالکہف کی فارسی کتاب'' حکایت الصالحین'' کا اردو ترجمہ شائع کیا ہے۔ اس کتاب کا نام'' مقاصدالصالحین'' ہے۔ اس میں ۲۰/ابواب ہیں اور مشہور ومعروف مسلمان اولیائے کرام کے متعلق دس واقعات درج ہیں۔ یہ کتاب کان پور سے ۱۲۸۱ھ /۵- ۱۸۶۴ء میں چھوٹی تقطیع کے ۹۶صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

عبدالرزاق۔قادری۔شاہ:

مشاق کے''بوستان سعدی'' کے ہندوستانی ترجمہ پر انھوں نے ایک تاریخ لکھی ہے۔

عبدالسلام۔مولوی۔لکھنوی:

ساگر کے کالج میں فارسی کے پروفیسر تھے۔حسب ذیل کتابوں کے مصنف ہیں:

۱۔ ''مفتاح الافلاک'' کے نام سے فارسی رسم الخط میں شائع کی ہے۔ یہ کتاب Bird کی مدد سے لکھی گئی ہے۔

۲۔ ''تکمیل اردو''۔ یہ ہندوستانی قواعد کی ایک مختصر کتاب ہے جو ہندوستانی مدرسوں میں رائج ہے۔ مطبع ساگر میں ۵۸صفحات پر چھپی ہے۔اس کے پہلے اڈیشن میں ۲۵۰۰ کاپیاں نکلی تھیں۔ اس کا مسودہ

محمد خلیل اللہ نے لکھا تھا جو ساگر کالج میں پروفیسر تھے۔

عبرت۔میر ضیاء الدین۔دہلوی:

وہ نواب محبت خان کے شاگرد تھے۔عبرت رام پور میں رہتے تھے اور وہیں انتقال کیا۔عبرت نظم ''پدماوت'' کی تصنیف مشغول تھے کہ ان کا انتقال ہوگیا۔انھوں نے اس نظم کا محض چوتھائی حصہ لکھا ہے اور غلام علی عشرت نے اس کو ان کے انتقال کے بعد مکمل کیا ہے۔

عبرت۔محمد خواجہ بادشاہ:

یہ ایک دوسرے شاعر ہیں اور مدارس کے جریدہ ''مظہر الاخبار'' کے مدیر اور صحافی بھی ہیں۔اس اخبار کے ساتھ اکثر ضمیمے بھی شائع ہوئے ہیں۔

عبرت۔نواب حسین علی خان۔لکھنوی:

ان کو عرف عام میں بڑے مرزا بھی کہتے ہیں۔وہ نواب محمد علی خان کے بیٹے اور نواب شجاع الدولہ بہادر کے پوتے تھے۔آپ کو غلام ہمدانی مصحفی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔آپ نے ایک دیوان لکھا ہے اور محسن نے ان کی چند غزلیں اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔

عبادت۔حاجی مرزا عابد علی بیگ۔لکھنوی:

مرزا بخش اللہ بیگ کے بیٹے اور سید آغا حسین امانت کے شاگرد تھے۔محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

علیم۔محمد علی:

ہندوستانی شاعر ہیں اور شیخ ابراہیم ذوق کے شاگرد۔شیفتہ نے ''گلشن بے خار'' میں ان کا ذکر کیا ہے۔

عبیداللہ۔مولوی شیخ محمد:

ابو مسلم الحمیدی کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ہگلی کالج میں استاد تھے اور حکومت ہند کے مترجم۔حسب ذیل کتابوں کے مصنف ہیں۔

۱۔ ''تحفۃ الہند''۔جو ہندوستانیوں کے مذہب اور رسم و رواج پر اور ہندو مذہب کے رد میں لکھی گئی ہے۔یہ اردو میں ہے اور لاہور سے سنہ ۱۸۶۸ء میں شائع ہوئی۔اس کی ضخامت ۱۳۲ صفحات ہیں۔

۲۔ ''مفتاح الادب''۔عربی قواعد ہے جو صوبہ جات شمالی مغربی کے اسکولوں میں رائج ہے۔اس کی ضخامت ۷۶ صفحات ہے اور کان پور سے سنہ ۱۸۶۸ء میں شائع ہوئی ہے۔

عجائب رائے۔ منشی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر شورش نے اپنے تذکرے میں کیا ہے۔

عدم۔ واحد علی خان لکھنوی:

وہ رستم خان کے لڑکے ہیں اور ہم عصر اردو مصنفین میں ان کا شمار کیا جاتا ہے۔

ان کی پیدائش سنہ ۱۸۲۱ء میں ہوئی تھی۔ آتش ان کے استاد ہیں۔ وہ نواب محمد جعفر کے پاس ایک معزز عہدہ پر فائز تھے۔ انھوں نے لکھنو میں مستقل طور پر سکونت اختیار کر لی تھی لیکن فرخ آباد اور لکھنو کے قرب وجوار کے شہروں میں اکثر جایا کرتے تھے۔ یہ تمام باتیں کریم الدین کے تذکرے سے معلوم ہوئی ہیں۔

عرش۔ میر حسن عسکری۔ لکھنوی:

وہ میر کلو کے شاگرد تھے۔ وہ ایک دیوان کے مالک ہیں جن کی کچھ غزلیں محسن اپنے تذکرے میں نقل کرتے ہیں۔ پہلے وہ زار کا تخلص رکھتے تھے۔

عرفان علی۔ منشی:

وہ ''مراۃ العرفان'' کے مدیر ہیں۔ یہ ۳۲ صفحات کا رسالہ ہے جس میں خواتین کے مذہبی فرائض کو بیان کیا گیا ہے۔ فتح پور سنہ ۱۸۶۸ء۔

عرفان۔ میر عباس۔ دہلوی:

وہ ایک شاعر ہیں۔ محسن نے شاہ زادہ فیاض الدین کو ان کے چند اشعار کو پڑھتے ہوئے سنا ہے جنھیں وہ اپنے تذکرے میں نقل کرتے ہیں۔

عروج۔ منشی احمد حسن خان:

وہ منشی محمد حسن خان کے بیٹے تھے۔ میر اوسط علی رشک کے ممتاز شاگرد تھے۔ محسن کے بقول وہ اردو کے شاعر اور نواب روشن الدولہ کے ساتھ منسلک ہو کر کان پور چلے گئے تھے۔ محسن نے ان کی متعدد غزلوں کو اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے۔

عزت۔ غلام حیدر:

انھوں نے ہندوستانی نثر میں ایک ناول تصنیف کیا ہے۔ جس کا عنوان ''حسن وعشق'' ہے۔ کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانہ میں اس کتاب کا ایک نسخہ موجود ہے۔ یہ کتاب بڑی تقطیع میں ہے اور ۳۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

یہ ناول کاتبی کی فارسی کتاب کا ہندوستانی ترجمہ ہے اور ڈاکٹر گلکرسٹ کی فرمائش پر عزت نے ۱۸۱۳-۱۸۱۲ء/۱۲۱۸ھ میں اس کا ترجمہ کیا ہے۔ فارسی کہانی کا عنوان ''گلشن عشق'' ہے اور نثر میں لکھی ہوئی ہے۔ ''گلشن عشق'' خود ایک فارسی نظم کا خلاصہ ہے جس کے مصنف منشی محمد وارث ہیں۔

عزت مرشد آباد میں پیدا ہوئے اور ان کی وفات سنہ ۱۸۳۸ء یا کلکتہ میں ہوئی۔ انھوں نے فارسی زبان میں حسب ذیل کتابیں لکھی ہیں:

۱۔ ''تصریف فارسی''۔ فارسی کا قاعدہ

۲۔ ''فرہنگ بوستان''۔

۳۔ ''شمع درخشاں''۔ یہ کتاب محمد کی سوانح حیات ہے۔

غالباً یہ عزت وہی ہیں جن کا ذکر کمال نے کیا ہے۔ اور ان کی ایک طویل غزل بھی نقل کی ہے۔ کمال کے بقول عزت لکھنو کے رہنے والے تھے اور جرات کے شاگرد تھے۔

عزت۔ محمد سلیمان:

ایک اور ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر سرور نے اپنے تذکرے میں کیا ہے۔

عزت۔ شیخ عبدالواسع۔ لکھنوی:

ایک اور ہندوستانی شاعر ہیں۔ عشرت میں تخلص کرتے تھے۔ ان کے حالات کی تفصیل ہم تک نہیں پہنچی۔

عزلت۔ فقیراور میر سید عبدالواسع:

وہ سورت میں پیدا ہوئے اور دکن کے ایک ممتاز شاعر تھے۔ وہ سید یا شاہ سعد اللہ سورتی کے بیٹے تھے جو اپنے علم اور زہد و تقویٰ کے لیے بہت مشہور تھے۔ مشہور شاہ عالم گیر کو سعد اللہ سورتی سے گہری عقیدت تھی اور ان کی سرپرستی کیا کرتے تھے۔ آپ کی پیدائش لکھنو کے قریب ایک گاؤں میں ہوئی تھی لیکن آپ نے ترک وطن کر کے سورت میں قیام اختیار کر لیا تھا۔ اور یہیں عزلت کی پیدائش ہوئی۔ عزلت اپنے والد کے انتقال کے بعد اپنے ادبی ذوق کو پورا کرنے کے لیے دہلی چلے آئے اور یہاں انھیں مشہور و معروف ادیب اور شاعروں سے ملنے کا موقعہ ملا اور ان کی صحبت میں انھوں نے عربی اور فارسی زبان سیکھی۔ ابتدا میں وہ فارسی میں لکھا کرتے تھے لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد انھیں ریختہ زبان سے دلچسپی ہوگئی اور وہ ایک کامیاب ریختہ گو کی حیثیت سے مشہور ہوگئے۔

ان کی شہرت صرف ان کی علمی صلاحیتوں کی وجہ سے اجاگر نہیں ہوئی بلکہ وہ اپنے زہد وتقویٰ اور دیانت داری کے لیے بھی مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ وہ بہت ہی نرم دل واقع ہوئے تھے اور قدرت کی طرف سے انھیں لطیف اور سلجھا ہوا نداق عطا ہوا تھا۔ نواب محمد علی وردی خان مہابت جنگ کے دور حکومت میں وہ مرشد آباد تشریف لے گئے اور اس حکمران کی سرپرستی کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ جب نواب کا انتقال ہوگیا تو عزلت دکن واپس آ گئے اور یہاں انھوں نے عزلت نشینی میں (۱۱۵۶ھ/۲-۱۷۵۱ء) رحلت فرمائی۔ ابوالحسن کا خیال ہے کہ ان کے اشعار میں حزن و ملال کا عنصر زیادہ تر پایا جاتا ہے۔ لیکن اس کے باجود وہ فن شاعری کے لحاظ سے بالکل مکمل اور تمام خامیوں سے پاک ہیں۔ میر جو خود ایک بہت ممتاز شاعر ہیں، عزلت کی خوبیوں کا بڑی فیاضی سے اعتراف کرتے ہیں اور انھیں دوست بھی بتاتے ہیں۔

عزلت نے ایک دیوان لکھا ہے اور تذکرہ نویسوں نے اس کے کئی صفحات نقل کیے ہیں۔ اس کتاب کا ایک نسخہ ایسٹ انڈیا لائبریری کے کتب خانہ میں بھی ہے۔ عزلت نے ایک مثنوی بھی تصنیف کی ہے۔ اس کا نام ''راگ مالا'' ہے اور اس کا قلمی نسخہ ایسٹ انڈیا لائبریری میں ہے۔

عزیز۔ بھکاری لال:

''مسرت افزا'' کے مطابق کایستھ اور الہ آباد کے رہنے والے جہاں وہ ۱۱۹۶ھ/۲-۱۷۸۱ء میں رہتے تھے۔ بعد میں وہ پٹنہ چلے گئے۔ عشقی ان کو بھکاری داس کہتے ہیں لیکن سرور اور شیفتہ کے بقول ان کا نام بکھاری لال تھا۔ عزیز میر درد کے شاگرد تھے۔ ان کے آبا و اجداد جون پور کے رہنے والے تھے لیکن وہ دہلی میں پیدا ہوئے۔ علی ابراہیم ان کے چند اشعار نقل کرتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہ وہی شاعر ہیں جو بھکاری لال دہلوی کے نام سے مشہور ہیں اور جو محمد شاہ کے بیٹے احمد شاہ کے دور حکومت میں رہتے تھے۔

عزیز۔ شاہ عبدالعزیز:

انھوں نے شیعہ عقائد کا ایک رد لکھا ہے۔ یہ کتاب کان پور سے ۱۸۶۷ء میں چھوٹی تقطیع کے ۱۶ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

عزیز۔ دہلوی۔ شیوناتھ:

سرور کے مطابق وہ مہاجن ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ یہ وہی عزیز ہیں جن کو ذکا شمبھوناتھ کہتے ہیں اور جو دہلی کے ایک تاجر تھے اور میں سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر اسپرنگر نے عزیز اور شمبھوناتھ کو دو مختلف افراد تصور کرنے میں غلطی کی ہے۔ منولال نے اپنے گلدستہ میں ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔

میرے خیال میں شیفتہ نے جس عزیز کو ہم عصر شاعر بتایا ہے، وہ بھی عزیز دہلوی ہیں۔

عزیز۔شاہ عبدالعزیز:

وہ ایک نہایت ہی ذہین اور مہذب شاعر ہیں اور عام طور پر صوفیانہ اشعار کہتے ہیں۔ ذیل میں ان کے دو اشعار درج کیے جاتے ہیں:

ڈرتا نہیں ہوں بانک و کٹاری کے زخم سے — بانکی نگاہ دیکھ تری بل گیا ہوں میں
کان نمک ہوا ہوں ترا حسن سبز دیکھ — لونی برہ کی جب سے لگی گل گیا ہوں میں

''تذکرہ گردیزی''، ص ۱۰۶

میرا خیال ہے کہ وہی شاعر ہیں جن کو میر عزیز اللہ دکنی کہتے ہیں اور جن کی ایک غزل بھی درج کی ہے۔ جس میں عزیز نے تمام اولیائے کرام کا ذکر کیا ہے۔ اس غزل کا مقطع یہ ہے:

یہ شعر دستیاب نہ ہو سکا۔ (مترجم)

اسپرنگر کے مطابق یہ وہ عزیز اللہ دکنی نہیں ہیں، جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔

عزیز، منشی محمد علی۔ دہلوی:

وہ شیخ عاشور کے بیٹے ہیں اور شیخ سلیم چشتی کے خاندان سے تعلق رکھنے کے علاوہ ان کے سلسلہ کے ایک فرد بھی ہیں۔ آپ ہندوستانی زبان کے ممتاز شاعر ہیں اور ذکا اور شیفتہ نے ان کا ذکر بھی کیا ہے۔

عزیز۔ راجا یوسف علی خان بہادر۔ لکھنوی:

آپ رسالہ کے کپتان تھے اور غلام رضا خان کے بیٹے سعید الدولہ علی محمد خان کے بھائی اور مولوی محمد بخش شاہد کے شاگرد تھے۔ آپ کا ایک دیوان بھی ہے۔ جس سے محسن نے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

عزیز۔ مولوی عزیز اللہ:

ملا مبارک کے بیٹے اور وحید الدین سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے ایک فارسی دیوان اور ریختہ کلام بھی لکھا۔ شورش نے ان کا ذکر کیا ہے۔

عزیز۔ مہاراجہ عزیز سنگھ:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر شیفتہ نے کیا ہے۔

عزیز۔ مولوی عزیز الدین:

ایک دوسرے ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر محسن نے کیا ہے۔

عزیز۔ منشی عبدالعزیز:

کلکتہ کے رہنے والے۔ یہ ہندوستانی شاعر مولوی عظمت اللہ مجبور کے شاگرد تھے۔ نساخ اپنے ''دفتر بے مثال'' کے آخر ان کی ایک تاریخ نقل کرتے ہیں۔

عزیز۔ میر عنایت حسین:

وہ ایک ہم عصر شاعر ہیں۔ جن کی ایک غزل بابو ہری چندر کے مجموعہ غزلیات میں شامل ہے۔

عزیزالدین خان:

وہ پنجاب کے محکمہ تعلیمات میں سررشتہ دار کی حیثیت سے ملازم ہیں۔ الہ آباد کے اردو اخبار ''امینالاخبار'' کے مدیر ہیں۔ یہ اخبار ''امین المعاطبات پریس'' سے سنہ ۱۸۵۹ء میں شائع ہوتا تھا۔

انھوں نے ڈاکٹر محکمہ تعلیمات میجر Fuller کی خواہش پر ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام ''جوہر عقل'' ہے۔ یہ کتاب ایک مختصری ناول ہے جو ایک انگریزی تصنیف *Evil to good* کے طرز پر لکھی گی ہے۔ اور یہ *Pilgram's Progress* سے بہت زیادہ ملتی جلتی ہے۔ اس میں نظم ونثر دونوں اصناف سخن کو استعمال کیا گیا ہے۔ لاہور سنہ ۱۸۴۶ء۔ ۹۶ صفحات۔ اس کتاب کا ایک اور اڈیشن ہے جو سنہ ۱۸۶۵ء میں لاہور سے شائع ہوا ہے۔ اس میں ۹۴ صفحات ہیں۔

عیسٰی۔ شیخ بدرالدین:

سکندرہ کے رہنے والے تھے۔ وہ اپنے وطن میں کوتوال کے منصب پر فائز تھے۔ وہ ایک ممتاز شاعر ہیں جن کا تذکرہ قاسم اور سرور نے کیا ہے۔

عسکر علی خان:

یہ ہندوستانی شاعر دہلی میں پیدا ہوئے اور بنگال میں رہتے تھے۔ وہ مرشدآباد میں چند سال سے رہتے تھے جس وقت ابوالحسن اپنے تذکرہ لکھ رہے تھے۔ ابوالحسن اور محسن ان کے اشعار نقل کرتے ہیں۔

عسکری۔ حسن غالب علی:

وہ بنگال کے فوج کے پلاٹون نمبر ۱۸ کے منشی تھے۔ اور اس پلاٹون کے کرنل کی شان میں انھوں نے ایک قصیدہ لکھا تھا جو مجھے مسٹر ڈنکن فالس سے ملا ہے۔ یہ قصیدہ اس موقع پر کہا گیا تھا جب کہ کرنل نے ایک پارٹی دی تھی۔

عسکری۔مرزامحمد عسکری بیگ:

مرشدآباد کے رہنے والے۔وہ شاہ قدرت اللہ کے شاگرد تھے۔سرور اور ذکا ان کا ذکر کرتے ہیں اور ذکا کے مطابق وہ مغل ہیں اور پٹنہ میں پیدا ہوئے۔

عشاق۔جیون مل:

وہ ہندو کھتری تھے اور ہندوستانی شاعری سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔میر کے بقول ان کی شاعری میں عروض کی خامیاں پائی جاتی ہیں۔وہ میر اور درد کے مکان پر اکثر جایا کرتے تھے۔جہاں ان لوگوں سے جو ریختہ سے دلچسپی رکھتے تھے، ملاقات کا موقعہ ملتا ہے۔جن دنوں میں میر اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو عشاق نے دوستوں سے مراسم منقطع کر لیے تھے اور عام طور پر لوگوں کو یہ غلط فہمی تھی کہ وہ انتقال کر چکے ہین۔وہ مائل کے شاگرد اور میر تقی کے دوست تھے۔شیفتہ انھیں متقدمین شعرا میں شمار کرتے ہیں۔

عشقی۔عبدالواحد۔بلگرامی:

وہ اردو شاعری میں عشقی تخلص کرتے ہیں اور ہندی میں بھی۔انھوں نے ایک کتاب مجموعہ لکھی ہے جو فرزادہ قلی کی کتابوں کی فہرست میں ہے۔Forbes نے یہ فہرست Royal Asiatic Society of London کو پیش کی ہے۔

شاید یہ شاعر ''بارہ ماسہ'' کے مصنف ہیں۔جس کا ایک نسخہ Imperial Library میں ہے۔''بارہ ماسہ'' کے مصنف کا تخلص بھی پیا ہے۔

عشقی۔مرادآبادی:

وہ ایک فقیر تھے اور مصحفی سے واقفیت بھی رکھتے تھے۔مصحفی انھیں ہندوستانی شعرا میں شاعر کرتے تھے۔انھوں نے ان کا ایک شعر بھی نقل کیا ہے۔شورش ان سے فقیرآباد کے ضلع میں ملے تھے۔

عشقی۔دکنی:

وہ دکن کے رہنے والے ایک ہندوستانی شاعر ہیں۔سرور نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔

عشرت۔شیخ غلام بنگالی:

پٹنہ کے رہنے والے اور شیخ لطف اللہ کے بیٹے تھے۔اپنے والد کے انتقال کے بعد وہ فوج کی ملازمت میں داخل ہوگئے اور بعد میں عقل و ہوش کھو بیٹھے۔یہ باتیں عشق سے معلوم ہوئی ہیں لیکن انھیں پھر اس کا علم نہیں کہ دماغی توازن کھونے کے بعد عشرت کا کیا حشر ہوا۔

عشرت نے ایک مثنوی لکھی ہے جس کا نام ''جنگ نامہ'' ہے۔ اس میں نواب ہیبت جنگ کی لڑائی ذکر ہے۔ اس مثنوی کو آزاد کی مثنوی ''ظفر نامہ'' یا ''قصۂ محمد حنیف'' سے خلط ملط نہیں کرنا چاہیے۔ اس مثنوی کے آخر میں ایک باب ہے جس میں ایک دعا ہے جس کو دعائے حرف تہجی کہتے ہیں۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس دعا کا ہر شعر ایک حرف سے شروع ہوتا ہے اور اسی حرف پر ختم ہوتا ہے اور اس باب کے اشعار ابجد کے ترتیب میں لکھے گئے ہیں۔ یہ باتیں Fallon سے معلوم ہوئیں۔

عشرت۔ مرزا اکبر علی۔ لکھنوی:

وہ ایک صاحب دیوان ہیں اور محسن نے اپنے تذکرے میں اس دیوان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

عشرت۔ پنڈت بھولا ناتھ:

عشق انھیں ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے ہیں۔ شاعری کے علاوہ انھوں نے ذیل کی کتابیں لکھی ہیں:

۱۔ اردو زبان میں ایک کتاب جس کا نام ہے ''خیالات الصنائع''۔ یہ قدرت کی صنعتوں کے بیان میں ہے اور اسے انگریزی سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ یہ آگرہ سے سنہ ۱۸۵۴ء میں شائع ہوا ہے (غالباً یہ انگریزی کتاب *Extracts from Sarm's Reflecrions* کا ترجمہ ہے)۔ یہ کتاب چھوٹی تقطیع میں ۱۱۲ صفحات میں ہے۔

۲۔ ایک کتاب جس کا نام ''وکرم ولاس'' ہے۔ اس کتاب میں ۲۵ کہانیاں ہیں اور ان کہانیوں کو دوہا، کبت میں لکھی گئی ہیں۔ جنھیں ''بیتال پچیسی'' کہتے ہیں۔ ''وکرم ولاس'' میں جابجا دلکش نقوش اور تصویریں بھی ہیں۔

عشق۔ شاہ رکن الدین۔ دہلوی:

وہ دہلی کے مشہور مسلم بزرگ شاہ فخر کے پوتے تھے جو دارالسلطنت کے شیخ الاعظم تھے۔ وہ اپنے آبائی وطن دہلی سے جوانی میں مرشدآباد چلے آئے اور یہاں خواجہ محمدی خان کے پاس ایک معزز حیثیت سے ملازم ہوگئے۔

وہ اپنے بزرگوں کی طرح ترک دنیا کرکے روحانیت کی طرف متوجہ ہوگئے اور عظیم آباد میں سکونت اختیار کرلی۔ وہ ۱۱۹۵ھ ۱/۱۱-۱۷۸۹ء میں عظیم آباد ہی میں مقیم تھے اور اللہ تعالیٰ کی محبت سے معمور ہوکر اپنے جوان مریدوں کی مذہبی تعلیم میں مشغول تھے۔ اس طرح وہ روحانی دنیا کے غربت کدہ میں صوفی کی حیثیت رکھتے تھے۔ شورش اور عشق کے مطابق وہ ۱۲۰۳ھ/۹-۱۷۸۸ء میں انتقال کرگئے۔

انھوں نے ہندوستانی اشعار کا ایک دیوان چھوڑا ہے اور اس کتاب کا ایک نسخہ جو بہت ہی خوش لکھا ہوا ہے میرے پاس موجود ہے۔ یہ کتاب Falcour نے مجھے پیش کی ہے جو میرے عزیز شاگرد اور دوست ہیں۔

اپنے ہندوستانی اشعار کے دیوان کے علاوہ عشق نے ایک صوفیانہ مثنوی بھی لکھی ہے۔جس کی چند غزلیں حسب ذیل ہیں۔

یہ اشعار دستیاب نہ ہو سکے۔(مترجم)

عشق۔میر زین الدین۔دہلوی:

وہ ہندوستانی شاعر ہیں۔ابوالحسن نے ''مسرت افزا'' میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ دہلی سے بنگال چلے گئے اور پٹنہ میں سکونت اختیار کرلی۔ جہاں وہ مرزا گھسیٹا کے ساتھ رہتے تھے۔ وہ ایک دیوان کے مصنف بھی ہیں۔فدوی، محمد علی پر میرا مضمون دیکھیے۔غالباً فدوی اور گھسیٹا ایک ہی شخص ہیں کیونکہ رکن الدین گھسیٹا بھی عشق تخلص کیا کرتے تھے۔اس سلسلہ میں تذکرہ نویسوں میں فن کا اختلاف ہے۔

عشق۔میر محمد علی۔سید حیدرآبادی:

قاسم انھیں درویش نہاد کہتے ہیں۔انھوں نے صوفیانہ طریقت کی تعلیم حاصل کی ہے۔سرور کے مطابق انھوں نے بہت ہی عمدہ عشقیہ اشعار کہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ وہی عشق ہیں جن کا تذکرہ شورش نے میر یحییٰ عشق کے نام سے کیا ہے۔ یقیناً یہ وہی عاشق یحییٰ ہیں جن کا تذکرہ مصحفی اور عشقی نے کیا ہے۔

عشق۔شیخ غلام محی الدین قریشی:

وہ میرٹھ کے رہنے والے ہیں۔ ان کے والد نعمت اللہ نعمی خود شاعر تھے اور ایک فارسی دیوان کے مالک تھے۔اسپرنگر کے مطابق ان کو نغمی بھی پڑھ سکتے ہیں۔عشق عربی زبان کے اچھے مصنف ہیں انھوں نے ایک فارسی دیوان بھی لکھا ہے۔ جس میں ان کا تخلص مبتلا ہے۔ ان کا ایک دوسرا دیوان بھی ہے۔ جسے انھوں نے شاہ عالم کے دربار کے کسی معزز امیر کی فرمائش پر لکھا ہے۔اس دیوان میں ان کا تخلص عشق ہے۔

اس کے علاوہ انھوں نے دوسری کتابیں بھی تصنیف کی ہیں۔''طبقات سخن'' کے نام سے انھوں نے فارسی میں ہندوستانی شاعروں کے متعلق ایک تذکرہ بھی لکھا ہے۔ یہ بالکل نیا تذکرہ ہے۔ جس میں دوسرے تذکروں سے معلومات اخذ کرنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔اس کو ۱۲۲۲ھ/۸-۷-۱۸۰۷ء میں مرتب کیا گیا ہے۔ یہ دو حصوں میں تقسیم ہے۔ پہلے میں ۱۰۰ ار ریختہ گو شاعروں کا ذکر ہے اور دوسرے میں ۱۱۰/فارسی شعرا کے متعلق تذکرہ کیا گیا ہے۔

۱۔ انھوں نے شاہ رخ اور ماہ رخ کے متعلق فارسی زبان میں ایک مثنوی لکھی ہے، جس کا نام ''فسونِ عشق'' ہے۔اس میں ۲۷۰۰ر اشعار بحرِرمل میں ہیں۔

۲۔ انھوں نے ایک فارسی تذکرہ بھی لکھا، جس کا نام ''مجموعہ عشق'' ہے۔

۳۔ ان کی ایک دوسری کتاب ''باغ گلہائے حسن'' ہے۔

۴۔ ایک اور کتاب ''چہار دفتر شوق'' ہے۔ یہ انشا ہے اور تقریباً ۳۰۰ صفحات میں ہے۔

۵۔ ایک رسالہ ''سرائرنسخہ'' ہے جو (قطعات تاریخ Chronogramme) کے متعلق ہے۔

۶۔ ''بحرتشریح''۔

۷۔ طریقہ صوفیہ کے متعلق رسالہ جس کا نام ''العشق'' ہے۔

عشق۔سید حسین مرزا۔لکھنوی:

ان کو عام طور پر آغا سید کہتے ہیں۔محمد میرزا آتش کے بیٹے اور شاگرد ہیں۔ انھوں نے ایک مرثیہ اور دیوان لکھا ہے اور ان کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔

عشق۔آغا رضا۔لکھنوی:

مرزا محمد علی کے بیٹے اور خواجہ حیدر علی آتش کے شاگرد۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں، جن کا تذکرہ محسن نے کیا ہے اور ان کے اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

عشق۔حکیم میر عزت اللہ:

وہ پٹنہ کے رہنے والے تھے اور شیفتہ کے گہرے دوست تھے۔ شیفتہ کے مطابق وہ قدرت اللہ خان قاسم کے بیٹے تھے۔آپ وہی تذکرہ نویس ہیں جن کا میں نے اس کتاب میں اکثر حوالہ دیا ہے اور مشہور لوگوں میں تھے۔وہ ثناء اللہ خان فراق کے شاگرد تھے اور اپنی غزلوں پر ان سے اصلاح لیا کرتے تھے لیکن وہ اپنے والد قاسم سے بھی اکثر شعروسخن میں مشورہ کیا کرتے تھے۔ وہ اپنے والد کی طرح ایک اچھے طبیب اور بہت سی اعلیٰ خوبیوں کے حامل تھے۔

وہ ایک دیوان کے مصنف تھے۔ان کا انتقال تقریباً ۱۸۴۵ء میں ہوا۔ قاسم ان کے کلام کو ۱۶ر صفحات میں نقل کرتے ہیں۔منولال نے ان کے دو اشعار نقل کیے ہیں، جو ذیل میں ہیں۔

یہ اشعار دستیاب نہ ہو سکے۔ (مترجم)

عشقی۔میاں رحمت اللہ:

وہ پٹنہ کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد مجرم ایک ممتاز شاعر تھے اور عشق ان سے اصلاح کے لیے اپنا کلام دکھایا کرتے تھے۔وہ شاہ محمد وفا کے بھی شاگرد تھے۔ وہ عام طور پر فارسی میں شعروسخن کرتے تھے۔۱۲۱۵ھ/ا۔۱۸۰۰ء میں انھوں نے اردو شعرا کے متعلق فارسی زبان میں ایک تذکرہ لکھا ہے۔ یہ کتاب ۴۰۰صفحات میں ہے اور ہر صفحہ میں ۱۷سطریں ہیں۔اسپرنگر نے اپنے کیٹیلاگ کی تصنیف کے سلسلے میں اس کتاب سے پوری مدد لی ہے۔

عشقی۔شیخ اورمیاں الٰہی بخش:

وہ کان پور میں پیدا ہوئے اور وہیں رہتے تھے۔ ان کے آباؤاجداد لکھنؤ کے قریب بجنور کے رہنے والے تھے۔ وہ شیخ محمد بخش کے بیٹے اور میر علی اوسط کے ایک ممتاز شاگرد تھے۔وہ ایک دیوان کے مصنف تھے اور محسن نے ''سراپا سخن'' میں اس کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔محسن ان کے دوست تھے اور وہ عشقی کو صادق الولا محبّ بے ریا اور شفیق دل کہتے تھے۔محسن کے مطابق عشقی کو تاریخ لکھنے میں کمال حاصل تھا۔

عطا۔محمد عطاء اللہ:

سرور کہتے ہیں کہ یہ اردو کے شاعر ہیں اور محمد شاہ کے دور میں رہتے تھے۔ وہ غالبًا وہی شاعر ہیں جن کا ذکر میر نے کیا ہے اور ان کے مطابق وہ عالم گیر کے زمانے سے تعلق رکھتے تھے۔قاسم کا بیان ہے کہ وہ ایک فوجی آدمی تھے لیکن کوئی بلند مقام نہ رکھتے تھے۔انھوں نے زٹلی کی تقلید میں شعر کہے ہیں۔

عطا۔منشی عطا حسین:

وہ ایک (مجسٹریٹ) ہیں اور ان کا ایک قطعہ ''سروش سخن'' کے آخر میں شائع ہوا ہے۔

عطارد۔شہاب ثاقب:

وہ ایک ہم عصر شاعر ہیں۔ان کی ایک ۷ابیت کی غزل جنوری ۱۸۶۷ء کے ''اودھ اخبار'' میں موجود ہے۔

عظمت۔میر عظمت اللہ خان:

یہ ہندوستانی شاعر میر عزت اللہ خان جذب کے بیٹے ہیں اور بریلی میں پیدا ہوئے۔ وہ بچپن میں اپنے والد کے ساتھ مختلف مقامات کی سیاحت کو گئے تھے اور اس طرح انھیں بلخ، بخارا اور کشمیر وغیرہ جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ جن دنوں شیفتہ اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے۔عظمت دہلی میں مقیم تھے اور شیفتہ سے گہرے مراسم رکھتے تھے۔عظمت کو قدرت کی طرف سے غیر معمولی ذہنی صلاحیتیں عطا ہوئی تھیں اور ان کی علمی استعداد بھی بہت

بلند تھی۔ وہ اردو میں شاعری کرتے تھے۔ وہ دہلی کے مشاعروں میں اکثر شریک ہوتے تھے اور مومن سے اپنے اشعار پر اصلاح لیا کرتے تھے۔

میرا خیال ہے کہ یہ وہی میر عظمت اللہ ہیں جو شاہ جہان پور میں اسکولوں کے انسپکٹر تھے جنھوں نے ہندوستان میں دفعاتِ تعزیراتِ ہند کا انگریزی سے ترجمہ کیا ہے۔ اس کا نام ''مجموعہ قوانین تعزیراتِ ہند'' ہے۔ یہ ترجمہ H.S.Reid کی زیرنگرانی کیا گیا تھا اور اس سلسلہ میں مولوی محمد کریم بخش کی مدد بھی حاصل کی گئی تھی جو صوبہ شمال مغربی کے محکمہ تعلیمات میں صدر منشی کی حیثیت سے ملازم تھے۔ اس کے علاوہ الہ آباد کے اسکولوں کے نائب انسپکٹر شیخ نذیر احمد نے بھی اس کتاب کے ترجمہ میں مدد کی ہے۔ یہ لکھنو سے ۳۶۸ صفحات میں بڑی تقطیع پر سنہ ۱۸۶۱ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس اڈیشن کا ایک خوبصورت نسخہ میرے پاس موجود ہے جسے H.S.Reid نے تحفہ کے طور پر دیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک دوسرا اڈیشن لاہور سے شائع ہوا ہے۔ یہ بڑی تقطیع میں ۲۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا ایک نسخہ میرے پاس موجود ہے جسے R.Curt نے پیش کیا ہے۔ ایک اور اڈیشن آگرہ سے سنہ ۱۸۵۰ء میں بڑی تقطیع میں چھپا ہے۔

عظمت۔ شیخ عظمت اللہ:

وہ پہلے فوجی تھے اور بعد میں پروفیسر ہوگئے۔ یہ غالباً وہی لاہور کے عظمت اللہ ہیں جو ایک منظوم ''سواری نامہ'' کے مصنف ہیں۔

عظیم:

وہ ایک فوجی تھے اور مصحفی کے شاگرد۔ کمال کہتے ہیں کہ وہ گجرات کے رہنے والے تھے۔ سرور کے مطابق آنولہ کے رہنے والے تھے۔ سرور اور ہندوستانی تذکرہ نویس صرف عظیم کا تخلص جانتے ہیں اور انھوں نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

کیا وہ بھی شاعر ہیں جو شاہ محمد عظیم یا شاہ جھولن دیوی کے نام سے مشہور ہیں۔ جو مثنوی گوئی میں ممتاز تھے اور خاص طور پر ''لیلیٰ مجنوں''، مثنوی لکھی ہے؟

عظیم۔ مرزا محمد:

ان کا آبائی وطن توران تھا لیکن وہ دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں رہتے ہیں۔ وہ سودا اور حاتم کے شاگرد تھے۔ سرور ان سے واقف تھے اور ان کی شعر و سخن کی صلاحیتوں کے بڑے مداح تھے ان کے مطابق عظیم کا انتقال ۱۲۲۰ھ/۷-۱۸۰۶ء میں ہوا ہے۔ قاسم نے ان کے دیوان سے صفحات نقل کیے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ انھوں نے فرخ آباد صوبہ آگرہ میں کچھ دنوں کے لیے قیام کیا تھا اور یہاں وہ قلندروں کے لیے لباس میں دیکھے گئے تھے۔ لیکن جن دنوں مصحفی اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو وہ دہلی میں رہتے تھے اور دنیاوی معاملات میں دوبارہ دلچسپی لینے لگے تھے بلکہ ان دنوں انھوں نے فوجی ملازمت اختیار کی تھی۔

مصحفی کہتے ہیں کہ وہ مشاعروں میں پہلی صف میں بیٹھنے کے عادی تھے کیونکہ انھیں اپنی شعروسخن کی صلاحیت پر بڑا ناز تھا۔ مصحفی کا خیال ہے کہ انھوں نے حقیقت میں صرف دو قابل قدر قصیدے لکھے ہیں اور ان کے دیوان کا باقی حصہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا ہے۔ کیونکہ ان کے تمام اشعار تشبیہات اور استعاروں سے خالی ہیں۔

مرزا۔زین العابدین:

عظیم آباد کے رہنے والے تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں اور سرور کے خیال میں ان کے کلام میں کافی زور اور رنگ آمیزی پائی جاتی ہے۔

عظیم۔منشی محمد:

وہ لاہور کے اردو اخبار ''پنجابی'' کے مالک تھے۔

عظیم۔میر:

میر محمد رضوی کے بیٹے۔ وہ دہلی میں رہتے تھے۔ جہاں ان کا خاندان مقیم تھا۔ نواب بنگال کی درخواست پر اپنے والد کی وفات کے بعد وہ اور ان کے بڑے بھائی مرشدآباد چلے گئے۔ ابوالحسن ان سے مرشدآباد میں ملے تھے اور ان کی تعریف کرتے ہیں۔

عظیم محمد عظیم بیگ:

وہ ایک اور ہندوستانی شاعر ہیں لیکن اس کے علاوہ ان کے متعلق کوئی مزید معلومات حاصل نہ ہوئیں۔

عظیم بخش:

وہ آگرہ کالج کے طالب علم ہیں۔ انھوں نے ایک کتاب قانون پر لکھی ہے۔ یہ کتاب آگرہ سے شائع ہوئی۔

عقیدت:

برہان پور کے رہنے والے۔ سرور اور ذکا کہتے ہیں کہ یہ شاعر نواب اعظم خان کے ہم عصر ہیں۔

علوی خان:

یہ اردو میں طب پر ایک رسالہ کے مصنف ہیں۔ جس کا نام ''در علم طب'' ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ محمد بخش

کے کتب خانے میں تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ آیا یہ مصنف اردو میں طب پر ایک اور رسالے کے مصنف ہیں جس کا ذکر اسی کتب خانہ کی فہرست میں کیا گیا ہے اور جس کا نام ''غالب و مغلوب'' ہے۔

علی۔اشرف الامرا نواب علی بہادر۔رئیس باندہ:

نواب ذوالفقار بہادر کے بیٹے، جو دکن کے حکمرانوں کے خاندان سے تھے۔اسمٰعیل حسین منیر کے شاگرد ہیں۔

ایک دیوان کے مالک ہیں اور انھوں نے ایک مثنوی بھی لکھی ہے جس کا عنوان ''مہر و ماہ'' ہے۔محسن نے اپنے تذکرہ میں اس مثنوی کے کچھ اشعار نقل کیے ہیں۔

علی۔منشی سید بہادر:

سید عبداللہ کے والد ہیں جنھوں نے عبدالقادر کے قرآن کا ہندوستانی ترجمہ شائع کیا ہے۔آپ نے خود قرآن کا ایک دوسرا ترجمہ کیا ہے جو اب تک شائع نہیں ہوا۔

علی۔حسن۔دکنی:

Chales Stewart کی ٹیپو سلطان کی کتابوں کی فہرست میں ان کو ملکہ اشعار کہتے ہیں۔

ان کی تصانیف اردو ہندی دونوں میں ہیں۔اردو تصنیفات کی فہرست ذیل میں ہے:

۱۔ ''مفرح القلوب''۔یہ کتاب ''ہتوپدیش'' کے فارسی ترجمے ''مفرح القلوب'' کا ترجمہ ہے۔C.Stewart کے مطابق علی حسن کی ''مفرح القلوب'' مختلف دکنی اور فارسی شعرا کی غزلوں اور قصیدوں کا انتخاب ہے۔لیکن دراصل یہ فارسی شاعری سے متعلق ہے جس میں نمونہ کے طور پر ہندوستانی اشعار بھی دیے گئے ہیں۔اس کا ایک نسخہ ایسٹ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں موجود ہے۔اور لیڈن کی فہرست میں اس کا نمبر ۲۰۸ ہے۔

یہ کتاب سلطان ٹیپو کے نام ممنون ہے اور اس کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

علی۔مولوی سید حافظ:

وہ ''ہدایت المؤمنین یا ہدایت المسلمین'' کے مصنف ہیں۔اس کا موضوع حضرت علی کی امامت ہے۔یہ کتاب لدھیانہ سے سنہ ۱۸۶۳ء میں شائع ہوئی اور اس میں ۷۰ صفحات ہیں۔

علی۔میر حسن۔لکھنوی:

وہ میر حاجی شاہ کے بیٹے ہیں جو ایک ممتاز مسلمان عالم ہیں اور کئی سال انگلستان میں رہے ہیں۔ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملٹری اسکول (Addiscombe) میں جو Crydon میں واقع تھا، منشی تھے۔اس کے بعد وہ

اپنی فرنگی بیوی کے ساتھ لکھنؤ واپس چلے گئے۔ جہاں ان کی بیوی چار پانچ سال تک ان کے حرم میں رہیں۔ وہ ۱۸۳۲ء میں انگلستان واپس گئیں جہاں انھوں نے ہندوستانی مسلمانوں سے متعلق میر اور بیگم حسن علی کے نام سے ایک بہت دلچسپ کتاب شائع کی۔ اس کتاب کا عنوان Observations on the Musalmans ہے اور میں نے Zournal Asiatigue II جلد (ix) صفحہ ۵۳۹ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کتاب کے لکھنے میں ان کے شوہر حسن علی نے بڑی مدد کی اور بہت سا مواد فراہم کیا۔

حسن علی کی تصانیف حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت عیسیٰؑ کی سوانح حیات اور پیغامات *St. Matthew Gospels* کا اردو میں ترجمہ کیا۔ اس کتاب کا اصل نسخہ لندن کے ایسٹ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۲۔ Goldsmith کے مشہور ناول A Vicar of wake field کا ہندوستانی میں ترجمہ کیا جو J.Shakspear کے *Hindustanee Selections* میں شائع ہوا۔ Goydon میں J.Shaikespear میر حسن کے ساتھ کام کرنے والوں میں تھے۔

۳۔ ایک ہندوستانی قواعد جس کا قلمی نسخہ کلکتہ کے فورٹ ولیم کے کتب خانہ میں ہے۔

۴۔ انگلیسی مذہب (Church of England) کے متعلق ایک انگریزی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔

علی۔ مرزا۔ لکھنوی:

ان کا خاندان مغل تھا۔ وہ سرب سکھ دیوانہ کے شاگرد تھے۔ سرور کے مطابق میر حسن نے اپنے تذکرے میں ان کا خاص ذکر کیا ہے۔

علی۔ مرزا قلی۔ دہلوی:

انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جو کافی مشہور ہے۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

علی۔ مرزا محمد علی خان:

مرزا احمد بیگ خان طپان کے بیٹے۔ وہ ایک ہم عصر شاعر ہیں جو لکھنو میں وزیر کے شاگرد تھے بعد میں وہ کلکتہ چلے گئے اور وہاں کوئی ملازمت اختیار کرلی۔ محسن نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ ناسخ ایک تاریخ میں کہتے ہیں کہ ان کا انتقال ۱۲۷۶ھ/۶۰-۱۸۵۹ء میں ہوا۔

علی محمد:

انھوں نے ۲۳۹۷ ہندوستانی محاوروں کا ایک انتخاب مرتب کیا تھا۔ یہ محاورے حرف تہجی کے مطابق

سلسلہ وار جمع کیے گئے ہیں Duncan Forbes کے پاس اس انتخاب ایک نسخہ تھا۔

علی۔حکیم محمد مرحوم۔لکھنوی:

حکیم غلام حیدر کے بیٹے اور جرأت کے شاگرد ہیں، محسن انھیں ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے ہیں۔

علی۔محمد خان اعظم الدولہ۔افغانی:

وہ مرشدآباد میں رہتے ہیں۔سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

علی بخش۔مولوی:

وہ متھرا کے ضلع میں منصف ہیں۔انھوں نے ''موضع القوانین دیوانی'' لکھا ہے جو دہلی سے ۱۸۴۹ء میں شائع ہوئی ہے،سنہ ۱۸۵۰ء میں اس کتاب کا ایک خلاصہ بھی نکلا ہے۔

علی حیدر۔نصیرالدین:

نواب اودھ ۱۲۴۲ھ/۷-۱۸۲۶ء تا ۱۲۵۲ھ/۷-۱۸۳۶ء تک۔ وہ ہندوستانی میں شعر کہتے تھے۔انھوں نے ائمہ کی شان میں قصیدوں کا ایک مجموعہ مرتب کیا ہے جس کا عنوان ''قصائد علی حیدر'' ہے۔فرح بخش لکھنو کے کتب خانہ میں اس کتاب کا ایک بہت خوبصورت قلمی نسخہ موجود تھا۔یہ قلمی نسخہ ۱۰۶ صفحوں پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ میں صرف تین بیت ہیں۔

علی حسین۔سید:

وہ حسب ذیل کتابوں کے مصنف ہیں:

۱۔ ''ازالۃ الاوہام''۔یہ کتاب حضرت حسین اور تعزیہ کے متعلق ہے جو لدھیانہ سے ۳۲ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔

۲۔ ''سہم صائب''۔اس میں شیعہ اور سنی کے مسائل پر بحث کی گئی ہے۔لدھیانہ میں چھپی ہے اور ۵۵ صفحے ہیں۔

علی جاہ:

نظام الدین نظر کے بیٹے اور وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں۔اسپرنگر کے مطابق ان کے والد نواب نظام الملک نظر تھے۔

علی جان:

ان کو بہن دہلوی بھی کہتے ہیں۔ وہ قاضی بڈھن کے بیٹے ہیں۔انھوں نے اپنے لقب ''علی جان'' کو

تخلص کے طور پر استعمال کیا ہے۔ سرور نے اپنے تذکرے میں ان کا ذکر کیا ہے۔ شاید یہ وہی منشی علی جان ہیں جنھوں نے الہ آباد سے ''مرقات لاقالیم'' کو درست کر کے شائع کیا ہے۔ یہ ہندوستان کا ایک جغرافیہ ہے جسے پوڈ (Piuode) کی کتاب کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا ہے۔ فارسی اور رومن رسم الخط میں اسی کتاب کے کئی اڈیشن شائع ہوئے ہیں۔

علی خان۔ دہلوی:

یہ ہندوستانی شاعر میر نظام الدین ممنون کے شاگرد ہیں۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

علی خان:

وہ منگرام کے رہنے والے تھے جو اسمٰعیل گنج کے ضلع میں ہے۔ وہ ۱۸۵۷ء کے غدر کے موقع پر لکھنو کے ایک اردو اخبار کے مدیر تھے۔

علیم۔ علیم اللہ شاہ:

دکن کے ایک قدیم شاعر ہیں جن کا ذکر قائم اور کمال نے اپنے تذکروں میں کیا ہے۔ وہ ایک دیوان کے مالک ہیں جس کا ایک قلمی نسخہ ہے جو ۱۲۵۷ھ/۲-۱۸۴۱ء میں نقل کیا گیا۔

عماد۔ غازی الدین علی حیدر خان عمدۃ الملک بہادر:

وہ سنہ ۱۲۲۹ھ سے لے کر سنہ ۱۲۴۲ھ تک (۴ - ۱۸۱۳ھ)، (۷-۱۸۲۸ء) اودھ کے نواب اور بادشاہ تھے۔ انھوں نے فارسی کی ایک ضخیم فرہنگ لکھی ہے جو سات جلدوں میں ہے۔ اس کا نام ''ہفتقلزم'' ہے۔ انھوں نے ہندوستانی زبان میں بھی اشعار کہے ہیں۔ اور ان کی ایک سب سے اہم تصنیف ان کا مجموعہ ہے جو ریختہ زبان میں ہے۔ ان کی یہ کتاب بہت ہی جلیل القدر کتاب ہے۔ اس کتاب کی ضخامت دو سو صفحات ہے اور ہر صفحہ میں چار بیت ہیں۔ اس میں بیشتر اشعار آئمہ کی شان میں کہے گئے ہیں۔

عماد الدین۔ مولوی:

پانی پت کے رہنے والے تھے مگر لاہور میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ کریم الدین کے بھائی ہیں۔ بڑے ممتاز ہندوستانی عالم تھے اور مذہب اسلام کو ترک کر کے دائرہ مسیحی میں اپریل ۱۸۶۶ء میں داخل ہو گئے تھے۔ عماد کے ترک مذہب اور ان کی تصنیفات کے بارے میں ان کے بھائی خیر الدین نے بھی ان کی طرح مذہب اسلام کو ترک کر کے مسیحی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ انھوں نے بھی اردو میں اپنے ترک مذہب کے وجوہات کو کتابی صورت میں شائع کیا ہے۔ سنہ ۱۸۶۶ء میں ان کو پادری منتخب کر لیا۔ انھوں نے اپنے پرانے

مذہب کی تردید میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ''تحقیق الایمان'' ہے۔ یہ کتاب ۱۵۴ صفحات کی ہے اور لاہور سے سنہ ۱۸۶۶ء میں شائع ہوئی ہے۔ انھوں نے ایک دوسری کتاب لکھی ہے جس میں اپنے ترک مذہب کی وجوہات بتائی ہیں۔ اس کتاب کا عنوان ''واقعات عمادیہ'' ہے۔ سنہ ۱۸۶۸ء سے وہ ایک مسیحی رسالہ جس کا نام ''حقیقی عرفان'' ہے، لاہور سے شائع کررہے ہیں۔ میرے پاس سنہ ۱۸۶۸ء سے اس رسالہ کی مکمل فائل ہے۔ پادری R.Clark نے یہ فائل مجھے ہندوستان سے بھیجا ہے۔ یہ رسالہ اردو میں ہے اور اس کی ضخامت ۱۶ صفحات میں ہے۔ انھوں نے ایک اور کتاب اردو میں لکھی جس کا نام ''ہدایت المسلمین'' ہے۔ پادری R.Clark نے اس کتاب کا ایک نسخہ بھی مجھے پیش کیا ہے۔ عماد کی یہ تصنیف بہت ہی قابل قدر ہے۔ یہ کتاب اعجاز عیسوی کے جواب میں ہے۔ مؤخر الذکر کتاب میں مسیحیت پر مسلمانوں کے تمام اعتراضات کو پیش کیا گیا ہے۔ ''ہدایت المسلمین'' ۷۴ صفحات میں ہے اور لاہور سے شائع ہوئی ہے۔

عماد نے اپنے بھائی کریم الدین کی کتاب ''واقعات ہند'' کا ایک مختصر اڈیشن بھی شائع کیا ہے۔ اس کا نام ''مختصر تواریخ ہندوستان'' ہے۔ اس کتاب کی ضخامت ۷۰۰ صفحات ہے اور یہ لاہور سے سنہ ۱۸۶۶ء شائع ہوئی ہے۔

عمدہ یا عمدۃ۔ میر جعفر علی:

یہ ایک دوسرے شاعر ہیں، جن کا ذکر کمال نے اپنے ''مجمع الانتخاب'' میں کیا ہے۔

عمر عطاللہ۔ منشی عمدۃ اللہ:

ایک مترجم ہیں، جنھوں نے شیخ نذیر احمد کی مدد سے ضابطہ فوجداری کا انگریزی سے ہندوستانی میں ترجمہ کیا ہے۔

عمدۃ الملک:

نواب محمد علی خان کے بیٹے ہیں اور ذکا نے انھیں اردو شعرا میں شمار کیا ہے۔

عمدہ یا عمدۃ۔ لالہ سیتارام۔ کشمیری:

سراج الدین علی خان آرزو کے ہم عصر تھے۔ انھوں نے ہندوستان میں بہت اشعار کہے ہیں۔ اعلیٰ درجے کے ہیں۔ ان اشعار میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے استاد انعام اللہ خان یقین کے طرز کو اختیار کرنے کی کوشش کی ہے۔ فتح علی حسینی نے ۳ صفحوں میں ان کا انتخاب دیا ہے۔

عمر۔ معتبر خان۔ دکنی:

وہ دکن میں منصب دار تھے اور بیان کیا جاتا ہے کہ انھیں ولی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ واظہار کے لحاظ

سے دوسرے مشرقی شعرا سے بالکل مختلف تھے کیونکہ انھوں نے اپنی شاعری میں نئے خیالات اور رجحانات کا اظہار کیا ہے جو دوسروں کی شاعری میں نہیں پائے جاتے ہیں۔

عنایت۔عنایت علی خان:

نواب عبدالعلی خان کے بیٹے اور اکبر علی خان بیتاب کے چھوٹے بھائی تھے۔ وہ اردو اور فارسی زبان کے بہت ہی عمدہ شاعر ہیں۔ وہ اپنی فارسی غزلوں پر شیخ امام بخش صہبائی سے اصلاح لیا کرتے تھے اور ریختہ غزلوں میں امیر حسن تسکین سے۔

شیفتہ ان کے ہندوستانی کلام کے چند نمونے پیش کرتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ عنایت وہی شخص ہیں جنھوں نے ایک عشقیہ کتاب لکھی ہے اس کا نام ''خواہش نامہ'' ہے۔ یہ کتاب میرٹھ سے سنہ۱۸۶۴ء میں شائع ہوئی ہے۔

عنایت۔شیخ نظام الدین:

وہ کرنول کے مجسٹریٹوں کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ بعد میں دہلی چلے گئے اور وہیں عربی سیکھنا شروع کردی۔اب مسرور کے تخلص کے ساتھ فارسی میں شاعری کرنے لگی اور بعد میں زمانہ کے مطابق خود بھی اردو میں شاعری کی طرف متوجہ ہوگئے۔

وہ فخرالدین کے مرید تھے اور علم وادب میں ان کو ہدایت سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ قاسم کے مطابق آپ کا انتقال کالپی میں ہوا۔ جہاں تعلیم کی غرض سے تشریف لے گئے تھے۔

عنایت۔عنایت حسین:

آپ مندرجہ ذیل رسائل وکتب کے مدون ومدیر ہیں۔

۱۔ ''صادق الاخبار'' جو اردو میں دہلی سے شائع ہوتا ہے۔ یہ مصطفائی مطبع سے عربی رسم الخط میں شائع ہوتا ہے۔اس اخبار کو اس کے ہم نام فارسی جریدہ سے خلط ملط کرنا غلط ہوگا۔

۲۔ ''مفتاح الارض''۔لالہ پیارے لال کا جغرافیہ ہے۔

۳۔ ''فتح الشام''۔ یہ کتاب ۲۰۴صفحات کی ہے اور کانپور سے سنہ۱۸۶۸ء میں شائع ہوئی ہے۔اس کتاب کا مختصر اڈیشن سنہ۱۸۶۶ء میں شائع ہوا ہے اور اس میں مصنف کا نام عنایت علی لکھا ہے۔

عنایت۔حافظ عنایت احمد:

مولوی قدرت اللہ فاروقی کے والد ہیں۔انھوں نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ''علم الفرائض'' ہے۔

اس کتاب میں قوانین وراثت سے بحث کی گئی ہے۔

عنایت حسین۔مولوی:

وہ ایک مختصر سے رسالہ کے مصنف ہیں، جس کا نام اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں ''مفید خلائق'' ہے،اس رسالہ کا مقصد تعلیم نسواں کی ضرورت کو محسوس کرانا ہے۔(''اخبار علی گڑھ''۔۳دسمبر سنہ ۱۸۶۹ء)

عنایت الرحمٰن خان۔مولوی:

سنہ ۱۸۵۷ء سے پیشتر وہ دہلی کالج میں ریاضی کے پروفیسر تھے۔انھوں نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ''معیارالامتحان'' ہے۔اس کتاب میں علم الہندسہ کے سوالات کے جوابات ہیں۔اس کے متعدد اڈیشن دہلی سے شائع ہوئے ہیں۔

میرے پاس اس کتاب کا ایک نسخہ ہے جو سنہ ۱۲۸۱ھ (سنہ ۴-۱۸۶۳ء) میں لیتھو پریس سے محمد سراج الدین کی زیر سرپرستی شائع ہوا ہے۔اس کی ضخامت ۶۲ صفحات ہے۔ اس کتاب کا ہندی ترجمہ ہوا ہے اور اس کا نام *Parikshya bodani* ہے، دہلی سے سنہ ۱۸۶۳ء طبع ہوئی ہے۔

عیاش۔غلام جیلانی (جیلانی یا گیلانی۔یہ نام عبدالقادر جیلانی کے نام پر ہے) خان:

نواب غازی الدین خان عمادالملک کے بیٹے اور وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں، جس کا ذکر قاسم اور سرور نے کیا ہے اور کلام بھی نقل کیا ہے۔ان کا دوسرا نام میراں میاں بخشو بھی ہے۔

عیاش۔خیالی رام۔دہلوی:

وہ ایک کایستھ ذات کے ہندو شاعر ہیں اور نصیر کے شاگرد ہیں۔قاسم کہتے ہیں کہ وہ جدید طرز میں لکھتے ہیں اور ان کے چند اشعار نقل کرتے تھے۔سرور بھی جو مشاعروں میں ان سے ملا کرتے تھے،ان کا ذکر کرتے ہیں اور انھوں نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ ۱۲۲۱ھ /۷-۱۸۰۶ء میں عیاش زندہ تھے۔

عیاش۔میر یعقوب۔لکھنوی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں۔شیفتہ کے مطابق۔وہ ہندوستان کے مسلمانوں میں مرثیہ کی وجہ سے خاص طور پر مقبول ہیں۔

عیاش۔نواب شہریار مرزا:

وہ لکھنو میں پیدا ہوئے لیکن ان کا خاندان نیشاپور کا رہنے والا تھا۔ وہ نواب سلطان مرزا عرف مرزا سعید کے بیٹے تھے۔صہبا کے شاگرد تھے۔ایک ہندوستانی شاعر ہیں اور اپنے گھر میں مشاعرہ منعقد کرتے تھے۔

عیاش ۔نواب مرزا عباس علی بیگ:

وہ ایک مغل ہیں اور دکنی شاعر۔ سرور اپنے ''عمدۃ المنتخبہ'' میں عباس کے تخلص سے ان کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ سرور کے سامنے وہ شاعر ہیں جن کا نام مرزا عباس تھا۔

عیش ۔شیخ محی الدین:

ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر شورش نے کیا ہے۔

عینی ۔مرزا محمد عسکری:

دہلی میں ولادت ہوئی۔ کچھ عرصہ کے لیے ڈھاکہ کے گورنر رہے۔ وہیں غالباً مرشدآباد میں جہاں وہ مقرر تھے، وفات پائی۔ وہ مرزا علی تقی کے بیٹے تھے جو نواب علی قلی خان کے زمانے میں ڈھاکہ شہر میں رہے۔

میرے قلمی ذخیرہ میں دیوان عینی کا ایک قلمی نسخہ ہے۔ اس کے اخیر میں چند مخمس ہیں۔ اس نسخے میں چند دوہروں کے علاوہ ہمارے دوسرے مصنفین کے اشعار بھی ملتے ہیں۔ علی ابراہیم عینی سے واقف تھے اور انھوں نے اپنے ''گلزار ابراہیم'' میں ان کا کلام نقل کیا ہے۔

عینی ۔حسن رضائی یا رضوی:

لکھنو میں پیدا ہوئے۔ کمال ان سے واقف تھے۔ بعض ہم عصر تذکرہ نویسوں نے انھیں حسین لکھا ہے نہ کہ حسن جو کہ ان کا اصلی نام ہے۔

جس وقت مصحفی اپنا تذکرہ لکھ (۱۔۶۰ ۱۷ء) رہے تھے یہ ادھیڑ عمر کے تھے۔

انھوں نے ''تمیز الکلام در بیان حلال وحرام'' لکھی ہے جو لکھنو میں سنہ ۱۸۴۷ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی۔ اس کا ایک دوسرا اڈیشن دہلی سے سنہ ۱۸۴۸ء میں شائع ہوا تھا۔ انھوں نے احمد بلگرامی (ا۔ان پر مضمون دیکھیے) کی اردو لغت کا خلاصہ بھی لکھا ہے۔

عیش ۔امیر خان ۔دہلوی:

وہ ایک ہم عصر شاعر ہیں، جن کا ذکر ذکا نے کیا ہے۔

عیش ۔میر علی حسین ۔لکھنوی مرحوم:

میر محمد علی سید کے بیٹے اور خواجہ وزیر کے شاگرد اور داماد تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کے کچھ اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

عیش۔نواب محمد مرزا:

وہ لکھنو میں پیدا ہوئے لیکن ان کا خاندان نیشاپور کا رہنے والا تھا۔شوکت الدولہ ابو مرزا بہادر کے بیٹے اور دوست علی خلیل کے شاگرد تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں اور محسن نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

عیش۔شیخ ابومحمد فاروقی:

شیخ نورالہدیٰ کے بیٹے اور قاضی انیس الدولہ مرحوم کے ایک قریبی دوست تھے۔ وہ میر علی اوسط رشک کے شاگرد ہیں اور ایک دیوان کے مالک ہیں۔ان کے دیوان کے کچھ اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔انھوں نے ایک ''قیامت نامہ'' بھی لکھا ہے جو ہندوستانی میں شائع ہوا۔

عیش۔مولوی منشی فدا علی:

وہ ایک ہم عصر شاعر ہیں۔جن کا ایک قطعہ تسلیم کی ''شام غریباں'' کے آخر میں شامل ہے اور ایک مضمون سرور کے ''فسانہ عجائب'' پر لکھا جو لکھنو کے شائع شدہ اڈیشن کے آخر میں شامل ہے۔

عیش۔طلب علی خان۔لکھنوی:

علی بخش خان کے بیٹے ہیں۔شیفتہ کے مطابق ان کا اصل نام طالب علی خان ہے اور وہ لکھنو کے رہنے والے ہیں۔شیفتہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ منشی خاص طور پر غزل گوئی میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں اور ریختہ اور فارسی میں کلام کہتے ہیں۔

ریختہ میں عیش مصحفی کے شاگرد تھے اور فارسی میں مرزا قاتل کے۔انھوں نے دونوں زبانوں میں ایک دیوان لکھا ہے۔ اردو میں انھوں نے ۱۰۰۰۰ اشعار کہے ہیں اور فارسی میں ۱۶۰۰۔

عیش نے چند مثنویاں بھی لکھی ہیں۔ان میں سے ایک ''سرو چراغاں'' کے نام سے ہے۔اس کے علاوہ انھوں نے نثر میں ایک اور کتاب لکھی ہے،جس کا عنوان ''نثر کا مجموعہ'' ہے۔

ان کے دیوان میں بہت مختلف اصناف ہیں اور اس کا انداز بیان شگفتہ ہے۔

لکھنؤ کے سابق رزیڈنٹ لفٹنٹ کرنل Low نے ، جواب جنرل ہیں، مجھے ان کی تفصیلات بتائی ہیں۔ انھیں یہ باتیں آخری نواب اودھ کے کتب خانہ کے لائبریرین نے بتائی ہیں۔اس کا ایک نسخہ دہلی کے شاہی محل میں موجود ہے۔جس وقت کہ محسن اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے،عیش کا انتقال ہو چکا تھا۔

عیان۔مرزا ہاشم علی:

یہ کاظم علی جوان کے بیٹے ہیں۔اور اپنے والد کی طرح وہ اردو میں شعر کہتے ہیں۔ بنی نرائن نے ان کی

ایک غزل نقل کی ہے۔

یہ غزل دستیاب نہ ہو سکی۔ مترجم

عیان۔سید غالب علی خان:

سید عوض خان کے بیٹے۔ شیفتہ کے مطابق ان کا خاندان امیر تھا لیکن ذکا اور قاسم کے بقول ان کا خاندان گرویزی سید تھا۔ اسپرنگر، ذکا اور قاسم ان کا ذکر کرتے ہیں۔ ہندوستانی شاعروں میں شمار کیا جاتا ہے۔

عیان:

یہ ایک دوسرے ہندوستانی شاعر کا تخلص ہے جو سپاہی تھے اور جن کا ذکر ذکا نے اپنے تذکرے میں کیا ہے۔

عشاق۔شیخ احمد بخش بہاری:

عشاق شاہ احمد چرم پوش کے بیٹے تھے اور شرف الدین منیری کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔شورش نے ان کا ذکر کیا ہے۔

علی۔مولوی:

وہ ''گیان دیپک'' اخبار کے مدیر ہیں۔ یہ اخبار۱۸۶۴ء میں ہندی۔ بنگالی۔ فارسی اور انگریزی میں نکلتا تھا۔

علی شاہ۔میر:

انھوں نے عوام پسند گیت لکھے تھے۔

عیار الدین خان:

وہ ایک اردو شاعر ہیں، جن کا ذکر قاسم نے کیا ہے۔

غازی۔نواب الدین خان۔دکنی:

شیفتہ اور ابوالحسن کہتے ہیں کہ وہ ریختہ میں شاعری کرتے تھے۔

غافل۔رائے بختاور سنگھ:

وہ مراد آباد کے کائستھ تھے اور ہندو ہونے کے باوجود اردو زبان میں شاعری کرتے تھے۔اس کے علاوہ علم ریاضی اور خطوط نویسی کے فن میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ سرور اور شیفتہ نے ان کا ذکر کیا ہے۔

غافل ۔مرزا مغل ۔لکھنوی:

وہ ایک ہندوستانی مصنف ہیں۔ کمال نے ان کی ۵ غزلیں اور آصف الدولہ کے انتقال (۱۲۱۲ھ/۸-۱۷۹۷ء) کی ایک تاریخ بھی نقل کی ہے۔

غافل ۔میر احمد علی:

وہ بنگال کے سید تھے اور بنارس میں پیدا ہوئے تھے۔ غافل کا آبائی وطن دکن تھے اور انھیں مرشد آباد کے شاہ قدرت اللہ سے شرف تلمذ حاصل ہوا ہے۔ وہ نہایت ہی دلکش اشعار لکھتے تھے جن کے چھ نمونے سرور نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

غافل ۔شیخ محمد مسعود خان:

وہ دہلی کے قریب سرکار مہم کے رہنے والے تھے۔ وہ ایک اچھے اردو شاعر ہیں۔ جن کا انتقال سرور کے تذکرہ لکھنے سے کچھ عرصہ پہلے ہوا۔ سرور نے ان کی تعریف کی ہے۔

غافل ۔لالہ منور خان ۔لکھنوی:

ان کا آبائی وطن افغانستان تھا۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو میاں ہمدانی مصحفی کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے ان کے اشعار سرور اور محسن نے نقل کیے ہیں۔ وہ رسالہ دار فقیر محمد خان کے یہاں داروغہ تھے۔

غافل ۔لالہ سندر لال:

وہ بخشی سلطان سنگھ کے بیٹے اور شاعر کے بھائی تھے۔ ذکا انھیں ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے ہیں۔ انھیں بے شمار ہندوستانی اشعار زبانی یاد تھے اور اس لیے بھی وہ کافی مشہور تھے۔ ممکن ہے کہ یہ وہی سندر لال ہوں جو حسن کے ساتھ لاہور کے اخبار ''دریائے نور'' کے مدیر ہیں۔

غالب ۔نواب سید الملک اسد اللہ مرزا خان بہادر امام جنگ دہلوی:

وہ دہلی سے ترک وطن کر کے نواب مہابت جنگ کے دور حکومت میں مرشد آباد چلے آئے تھے۔ وہ اپنی فیاضی اور دوسرے اوصاف حمیدہ کے لیے مشہور تھے۔ وہ شعر و سخن کی اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک تھے اور انھوں نے ہندوستانی اور فارسی میں بے شمار اشعار کہے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ علی ابراہیم غالب کے ساتھ معتمد کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ بنی نراین نے ان کی ۳ غزلیں نقل کی ہیں۔

یہ اشعار دستیاب نہ ہو سکے۔ (مترجم)

غالب۔ نجم الدولہ دبیر الملک اسد اللہ خان بہادر۔ دہلوی:

آپ کو مرزا نوشہ بھی کہتے ہیں۔ آپ عبداللہ بیگ خان سمرقندی کے بیٹے تھے اور گشتاسپ کے ایک مشہور قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی پیدائش ۱۲۱۲ھ/۸-۷-۱۷۹۷ء میں آگرہ میں ہوئی۔ لیکن جن دنوں شیفتہ اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے، غالب دہلی میں مقیم تھے۔ وہ آخری مغلیہ بادشاہ کے دور میں ملک الشعرا تھے۔ شیفتہ جو دوسرے شعرا کی تعریف میں کافی محتاط واقع ہوئے ہیں وہ غالب کے ضمن میں غیر معمولی طور پر ان کی مدح سرائی کرتے ہیں اور انھیں شیراز اور اصفہان کے جلیل القدر شعرا کا مقابل ٹھہراتے ہیں۔ کریم نے بھی ان کی بے انتہا تعریف کی ہے اور ان کو عربی شعرا متنبی اور کعب اور فارسی زبان کے شاعر انوری اور خاقانی پر ترجیح دی ہے۔ غالب نے مرزا عبدالقادر بیدل کے شاگرد تھے اور ابتدا میں اپنے استاد کے طرز پر شعر کہتے تھے لیکن یہ اس دور کی بات ہے جب انھوں نے اپنے خیالات کے اظہار کے لیے اپنا مخصوص انداز بیان وضع نہیں کیا تھا۔ انھوں نے ہندوستانی اشعار کا ایک دیوان مرتب کیا ہے اور اس دیوان سے منتخب اشعار کا ایک انتخاب شائع کیا ہے۔ یہ کتاب ''دیوان میر نوشہ'' کے نام سے ۱۸۶۳ء میں ۱۳۶ صفحات پر دہلی سے شائع ہوئی ہے اور اس میں ۱۷۹۰ اشعار درج ہیں۔ اس انتخاب کے متعدد دیگر اڈیشن بھی شائع ہوئے ہیں۔ مثلاً آگرہ (میرٹھ کے ''اخبار عالم'' کی اشاعت مورخہ ۲۵ جولائی ۱۸۶۷ء کے مطابق) لکھنو سے (۱۸۶۴ء) میں اور کان پور سے (۱۸۶۳ء) میں اس کتاب کی اشاعت ہوئی ہے۔

لکھنو کے مطبوعہ اڈیشن کو ''دیوان غالب'' کہتے ہیں۔ اس کتاب میں ۱۰۴ صفحات ہیں اور اس کے ہر صفحے میں ۲۰ سطریں ہیں۔ کان پور سے جو اڈیشن چھپا ہے، اس میں بھی ۱۰۴ صفحات ہیں۔

غالب نے زیادہ تر فارسی زبان میں اشعار کہے ہیں اور اس زبان میں ان کا ایک دیوان بھی ہے جس میں تقریباً ۱۰ ہزار اشعار جمع کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کو منشی نوار الدین نے ۱۸۴۷ء میں شائع کیا ہے۔ لکھنو کے نول کشور کے مطبع میں غالب کے فارسی کلام کا ایک مکمل مجموعہ کلیات کے نام سے چھپا ہے۔ اس کتاب میں مثنویاں، غزلیں اور قصیدے ہیں۔ ان کی غزلوں کا مقابلہ کسی دوسرے سے نہیں کیا جا سکتا اور ان کے قصیدے کسی طرح عرفی کے قصائد سے کم تر نہیں ہیں۔

کریم الدین نے غالب کے اردو اشعار کو اپنے تذکرے کے چھ صفحات میں درج کیا ہے۔ سرور اور کریم الدین نے اپنے تذکروں میں اسد کے نام کے تحت ان کا ذکر کیا ہے۔ غالب نے بھی اس دور کے مطابق بعض دوسرے ہندوستانی شعرا کی طرح اردو اور فارسی اشعار میں دو مختلف تخلص استعمال کیے ہیں۔

غالب اوائل میں فارسی زبان میں شعر کہتے تھے اور اسد تخلص کرتے تھے۔ بعد میں عام رجحانات کے مطابق انھوں نے اردو زبان میں شعر کہنا شروع کر دیا اور غالب تخلص کرنے لگے۔

سرور کو شکایت ہے کہ غالب نے فارسی انداز بیان کو ہندوستانی زبان کا جامہ پہنایا ہے اور اس لیے ان کے ریختہ اشعار اردو سے زیادہ فارسی زبان سے تعلق رکھتے ہیں۔

اسپرنگر شیفتہ کی سند پر، جس سے خود مجھے بھی اتفاق ہے، اسد اللہ خان غالب (مرزا نوشہ) اور دہلی کے نواب اسد اللہ خان غالب سید الملک قیام جنگ (یا طالب جنگ) میں امتیاز کرتے اور انھیں ایک دیگر شاعر سمجھتے ہیں۔ سید الملک قیام جنگ کا ذکر اس کتاب میں موجود ہے۔ تذکروں میں ان دونوں شعرا کے نام کے متعلق بے حد الجھاؤ پایا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ ایک اور شاعر بھی ہیں جن کا نام غالب (مکرم الدولہ) ہے اور جن کو ایک تذکرہ نویس طالب جنگ بھی کہتے ہیں۔

''اودھ اخبار'' کی اشاعت مؤرخہ ۱۰ مارچ ۱۸۶۹ء میں غالب کی تاریخ وفات شائع ہوئی ہے جسے وزیر سنگھ نے موزوں کیا ہے۔ منشی وزیر سنگھ دہلی کالج کے پروفیسر ہیں۔ غالب کے پوتے مرزا خداداد بیگ شوق نے ایک دوسری تاریخ وفات لکھی ہے ''جو اودھ اخبار'' کی اشاعت مؤرخہ ۲۳ فروری میں شائع ہوئی ہے۔ اس اخبار کی اشاعت مؤرخہ ۴ مئی میں غالب کے شاگرد منشی اوصاف علی کی ایک اور تاریخ وفات چھپی ہے۔ غالب نے ۷۳ سال کی عمر میں ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۹ء میں انتقال کیا ہے۔ ان کے بے شمار شاگرد تھے اور ان میں سے بعض اب تک بقید حیات ہیں۔ ان کے ایک ممتاز شاگرد کا نام محمد مردان علی رعنا ہے۔ غالب کے اشعار کی ہندوستانی اخبارات میں بڑی مانگ تھی۔ ان کے مدیر انھیں حاصل کر کے اپنی خوش بختی پر نازاں ہوتے تھے۔ مجھے ان کی غزل کو مدراس کے اخبار'' صبح صادق'' (۱۲/ اپریل ۱۸۶۵ء) میں دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ اس غزل کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس کا ہر شعر پاؤں کے ردیف پر ختم ہوتا ہے۔ مرحوم Major Fullor نے مجھے بتایا ہے کہ غالب کی ایک کتاب کا نام ''درفشِ کاویانی'' ہے جو ایک نوع کا مقالہ ہے، جس میں علم الالسنہ اور تنقید کے مضامین پر بحث کی گئی ہے اور ان ثقیل اور دشوار فہم الفاظ کی وضاحت کی گئی ہے، جس میں ''برہانِ قاطع'' پر اچھی طرح روشنی ڈالی گئی تھی۔ اس کتاب کو'' قاطعِ برہان'' بھی کہتے ہیں اور یہ ''برہانِ قاطع'' پر ایک تنقید کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ کتاب لکھنؤ سے ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء میں ۹۸ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔ ذیل میں'' اودھ اخبار'' کے ایک مضمون سے اقتباس درج کیا جاتا ہے جو غالب کے انتقال کے بعد شائع ہوا ہے۔ (۱۶/ مارچ ۱۸۶۹ء)

''دہلی کے عہد خوش حالی کے وہ تمام شعرا جو اپنے ہم وطنوں میں مشہور تھے، ایک ایک کر کے اٹھ گئے تھے، صرف ایک رہ گیا تھا وہ بھی ہم سے چھین لیا گیا اور مشہور شاعروں کی فہرست کا خاتمہ ہوگیا میرا مطلب شکرستان سخن کے اس اسد اور چمن فارسی کے اس بلبل نغمہ سنج سے ہے جو اسداللہ خان غالب مرزا نوشہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اگر چہ وہ اس عارضی دنیا کو چھوڑ کر ابدالآباد کو سدھارے ہیں لیکن ان کا نام اس دنیا میں ہمیشہ زندہ و یادگار رہے گا۔

ہندوستان میں کوئی ایسا تعلیم یافتہ آدمی نہیں ہے جو ان کی استادی اور ان کے کلام کی بلندی کا قائل نہ ہو۔

غالب ۱۲۱۲ھ/۹۸-۱۷۹۷ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم ان کی چچا کی زیر نگرانی ہوئی جو کہ پرگنہ لنکس کا نظم وضبط دیکھتے تھے لیکن چچا کا بہت جلد انتقال ہوگیا اور ان کی جاگیر حکومت نے واپس لے لی۔ غالب کے دادا نے آگرہ میں اگر چہ لاکھوں روپیہ کی جائیداد چھوڑی تھی لیکن کسی ستم ظریفی سے وہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ سخت مصائب و آلام اٹھانے کے بعد امیر کی حیثیت سے انھیں ساٹھ روپیہ ماہوار پنشن حکومت کی جانب سے مقرر ہوئی۔ یہ سلطنت مغلیہ کا دور تھا۔ وہ بچپن ہی سے بڑے ذہین اور ہونہار تھے لیکن ان کی باقاعدہ تعلیم نہ ہوسکی۔ وہ جو کچھ لکھتے پڑھتے تھے کسی دباؤ سے نہیں بلکہ صرف اپنے ذوق و شوق کی تسکین کے لیے پڑھتے لکھتے۔ چوں کہ ان کی طبیعت شاعرانہ اور ان کا مذاق شستہ وادیبانہ تھے محض اس لیے وہ فارسی کی طرف رجوع ہوئے اور ان کے اسلوب کی سطح کمال فن کی بلندی کو پہنچ گئی ہے بالخصوص ان کا تغزل تازگی وظرافت سے مملو ہے۔

بلاشک واختلاف ہمارے ملک کی عام زبان اردو ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ آج کل فارسی کا استعمال متروک ہوگیا ہے، غالب نے فارسی کو اپنائے رکھا۔ اس کے باوجود حکومت نے علم وفضل کا لحاظ رکھ کر تاحیات پنشن مقرر کی اور انھیں اعزاز واکرام سے نوازا۔ مختلف راجگان ونوابین بھی اس مشہور شاعر کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔

ان کے تصانیف کی تعداد کثیر ہے، جس میں مندرجہ ذیل سات خصوصیت رکھتی ہیں:

۱۔ ایک فارسی دیوان جس میں تقریباً دس ہزار اشعار ہیں۔

۲۔ ''مہر نیمروز''۔ یہ فارسی نثر میں تیموریہ خاندان کی تاریخ ہے جس میں آغاز سے لے کر ہمایوں کے زمانے تک کے حالات درج ہیں۔ یہ ''آئینِ اکبری'' کے طرز کی کتاب ہے اور اگر چہ مختصر ہے، پھر بھی تخلیقی عنصر سے خالی نہیں ہے۔

۳۔ ''دستنبو''۔ یہ غالب کی خودنوشت ہے جس میں انھوں نے اپنی زندگی کی ۵۷ سالہ سرگزشت بیان کی ہے۔اس کتاب میں دساتیر کے طرز پر انھوں نے عربی الفاظ کے استعمال سے گریز کیا ہے۔

۴۔ ''پنج آہنگ''۔ یہ نثر میں خطوط، دیباچوں اور تقریظوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں بعض الفاظ کے اصطلاحی اور عام مفہوم کی وضاحت کے ساتھ فارسی زبان کے چھ اصول قواعد سے بھی بحث کی گئی ہے اور یہ بحث مطالعہ کے لیے مفید ودلکش ہے۔

۵۔ ''قاطع برہان''۔ یہ مشہور فارسی لغت ''برہان قاطع'' کا الٹا ہے، اس میں ''برہان قاطع'' کی غلطیاں واضح کی گئی ہیں۔

اس میں کچھ تبدیلیاں کر کے بعد کو غالب نے ''درفش کاویانی'' کا نام دیا۔بعض لوگ تنگ نظری سے اس کتاب کو پسند نہیں کرتے۔

۶۔ ایک ریختہ دیوان۔ یہ بہت ضخیم نہیں ہے بلکہ عربی مقولے کے مطابق مختصر، بلیغ اور جامع ہے۔

۷۔ ''اردوئے معلیٰ''۔ یہ ان کے رقعات کا مجموعہ ہے جن کو''اکمل المطابع'' کے ناظمین نے'' اردوئے معلیٰ'' کے نام سے جمع کر کے شائع کر دیا ہے لیکن یہ ابھی منظر عام پر نہیں آیا۔

غالب نے متعدد مختصر مثنویاں اور چھوٹے چھوٹے رسالے بھی لکھے ہیں جن کو یہاں نقل کرنا باعثِ طوالت ہوگا۔

آخری وقت تک انھوں نے جو کچھ کہا ہے اس میں بھی زندگی کی حرارت وتازگی اور طبیعت کی شگفتگی وخوش مذاقی کا اثر نمایاں ہے۔ان کے لطیفے روزمرہ کی گفتگو میں کھانے میں نمک کا کام دیتے ہیں۔

وہ ۱۲۱۲ھ/۹۸-۱۷۹۷ء میں پیدا ہوئے اور ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۹ء میں انتقال کیا۔

اس طرح انھوں نے ۷۳ سال کی عمر پائی۔ آخر دم تک ان کے ہوش وحواس بجا رہے، صرف کم سنتے تھے اور جب کسی کو کچھ کہنا ہوتا تھا تو لکھ دیا کرتے تھے۔''

اس مضمون کے بعد''اودھ اخبار'' نے اردو اور فارسی میں متعدد تاریخ وفات شائع کی ہیں اور میرے خیال میں سالک (مرزا قربان علی بیگ خان) نے ۱۹/۱۱ اشعار پر مشتمل جو تاریخ لکھی ہے، وہ سب سے زیادہ قابل ذکر ہے۔''اودھ اخبار'' کی اشاعت مورخہ ۲۳ مارچ میں غالب کے متعلق مندرجہ ذیل مضمون شائع ہوا ہے:

غالب کی یادگار قائم کرنے کی تجویز:

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوستانی شعرا میں غالب مرحوم خاتم الشعرا تھے اور ان کے بعد حقیقی شاعری کا وہ

رنگ باقی نہ رہا۔ ایک ایسے استاد کے لیے جس نے اپنی ذہانت سے ہندوستان پر جادو کا اثر دکھایا ہو، ضروری ہے کہ ایسی یادگار قائم کی جائے جو ان کے شایان شان ہو۔ اس کام میں جو لوگ ہاتھ بٹا سکتے ہیں وہ ان کے تلامذہ ہیں، اس لیے میں گزارش کرتا ہوں کہ وہ فرماں بردار شاگردوں کی طرح صمیم قلب سے اس خیال کو جلد سے جلد عملی جامہ پہنانے کی کوشش کریں، میری ناچیز رائے میں دہلی کے مخصوص حضرات کو ایک انجمن کی تشکیل کرنی چاہیے۔

یہ انجمن اس تجویز کو غور وفکر کے بعد منظور کرے اور تخمینہ پیش کرے کہ اس یادگار کو قائم کرنے میں کیا خرچ آئے گا۔

پھر اس خرچ کو پورا کرنے کے لیے چندہ جمع کرنے کی کوشش کی جائے لیکن میرے خیال میں یہ یادگار خالص ادبی ہونی چاہیے۔

ایک کتاب کی صورت میں ہو تو بہتر ہے جس کے پہلے حصے میں ان تاریخی واقعات کو اردو فارسی میں مرتب کیا جائے، جن کا ان کی ذات سے گہرا تعلق ہے اور جو دوسروں کے لیے دلچسپی کا سبب بنیں۔ دوسرے حصہ میں ان نظموں اور مضامین کو جمع کیا جائے جو ان کے شاگردوں نے ان پر لکھے ہیں۔ اس کے بعد ان قطعات تاریخ اور مرثیوں کو مرتب کر دیا جائے جو ان کے شاگردوں نے ان پر لکھے ہیں۔ اس کے بعد ان قطعات تاریخ اور مرثیوں کو مرتب کر دیا جائے جو ان کے شاگردوں میں ان کی وفات پر کہے ہیں۔ اس کتاب میں ان کے شاگردوں کا مختصر تذکرہ بھی ہونا چاہیے۔ لیکن یہ تمام نثریں اور منظوم تحریریں صرف غالب کے شاگردوں کی ہونی چاہیں۔ اس کتاب کو دو حصوں اردو اور فارسی پر مشتمل ہونا چاہیے۔ اس کے باوجود اگر کوئی ارادت وعقیدت سے مرحوم کے متعلق کوئی چیز بھیجتا ہے تو اسے بھی کتاب کے خاتمے میں شامل کرنے میں حرج نہیں ہے۔ اس کتاب میں غالب کی تصویر کے ساتھ ان کے شاگردوں کی مکمل فہرست کا ہونا بھی ضروری ہے۔ ہر شاگرد اور چندہ دینے والے کو اس کتاب کا ایک نسخہ ملنا چاہیے۔ پھر جو کتابیں بچیں وہ فروخت کر دی جائیں۔

اسی طرح ہم اس عظیم شاعر کو کھلے بندوں خراج تحسین پیش کرنے کا حق ادا کریں گے اور یہ اہم ادبی یادگار غالب کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہے گی۔

اگر یہ انجمن میری تجویز کے علاوہ اس شاعر کی یادگار قائم کرنے کی کوئی اور صورت پیدا کرے تو وہ اور بہتر ہوگی۔

محمد مردان علی رعنا، شاگرد غالب

غالب:

وہ دکنی کے ایک ہندوستانی شاعراورولی کے ہم عصر تھے۔کریم نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔

غالب۔نواب مرزاامین علی خان بہادر۔لکھنوی:

شیفتہ کے بقول انھوں نے"قصہ امیرحمزہ" کوفارسی سے اردو میں ترجمہ کیا جو حال ہی میں کلکتہ سے شائع ہوا ہے۔اس قصہ کے اور بھی اردو ترجمے ہیں جن میں سے ایک "داستان امیرحمزہ" کے نام سے ۱۲۷۱ھ/۵-۱۸۵۴ء میں بمبئی سے ۴ جلدوں میں شائع ہوا ہے۔اس میں ۸۸ داستانیں ہیں۔ایک قصہ اور ہے جو بنگالی مسلمانملاحوں کی بولی میں لکھا گیا ہے۔(Cataloge of Bengali Works. Long صفحہ۷۵) ایک اور" قصہ طلسم شایان" نامی کا اشتہار ۲۲نومبر ۱۸۶۶ء کے" اخبار عالم"، میرٹھ میں دیا گیا ہے۔اس میں ۲۷۶ صفحات ہیں اور ہر صفحہ میں ۲۵ سطریں ہیں۔(اس بارے میں اشک پر مضمون دیکھیے)

میرے ذاتی کتب خانے میں بھی"امیرحمزہ" نام کی دوداستانیں موجود ہیں۔

غالب۔مکرم الدولہ بہادر بیگ خان۔دہلوی:

عشقی ان کوغالب جنگ کہتے ہیں۔ذکا کے مطابق ان کا نام طالب جنگ تھا اور ان کے باپ کا نام غالب جنگ۔

وہ نیاز بیگ خان بدخشانی کے بیٹے جو کہ ذوالفقار الدولہ بہادر کے یہاں خاص عہدہ پر مامور تھے۔ غالب فارسی میں موزوں سے اور اردو میں ہدایت اور فراق سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔وہ شاہ عالم کے ملازم تھے اور اپنے ہاں مشاعرے منعقد کرتے تھے اور دوسرے شعرا کوشرکت کی دعوت دیتے تھے۔مشاعرے کے بعد رقص وسرور کی محفل جمتی تھی لیکن یہ باتیں اس وقت سے پہلے کی ہیں جب کہ غلام قادر روہیلہ نے شاہ عالم کی آنکھیں نکلوائی تھیں۔

غالب مختلف فنون خاص طور پرعلم کیمیا سے بخوبی واقف تھے۔سرور ان سے واقف تھے اور انھوں نے ان کی بڑی تعریف کی ہے اوران کے اشعار نقل کیے ہیں۔ان کا انتقال ۱۲۱۸ھ/۴-۱۸۰۳ء میں ہوا۔

غالب۔لالہ موہن لال:

وہ آگرہ کے ایک کایستھ ہیں جو ریختہ اور فارسی میں شاعری کرتے ہیں۔ذکا نے ان کا ذکر کیا ہے۔ غالباً یہ وہی پنڈت موہن لال ہیں جو انگریزی سے ہندی میں"بیج گنت" کے مترجم ہیں۔

غالب۔ انور علی:

وہ نواب جھجر کے بڑے دوست تھے۔ محسن نے ہندوستانی شاعروں میں ان کا ذکر کیا ہے اور ان کے اشعار کا ایک نمونہ پیش کیا ہے۔

غالب علی خان:

وہ افغان سردار رندی خان کے پوتے تھے۔ کریم کا بیان ہے کہ وہ اپنی بہادری اور شاعرانہ ذہانت کے لیے مشہور ہیں۔

غربت۔ مراد آبادی:

سرور انھیں ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے ہیں۔

غریب۔ محمد امان:

میران کو امان کہتے ہیں لیکن فتح علی حسینی کے مطابق ان کا نام محمد زمان غریب ہے۔ وہ ایک اچھے شاعر تھے۔ وہ ہکلے تھے اس لیے ان کی شاعری اور تخلص سے قطع نظر ان کو الکن بھی کہتے تھے۔ میر مغل پورہ باغ میں ان سے اکثر ملتے تھے۔ زمانہ کی سختیوں کی وجہ سے میر کے تذکرہ لکھنے سے ۲ سال پہلے انھیں بنگال جانا پڑا، جہاں وہ وفات پا گئے۔ وہ غالباً ''نوائے غریب'' کے مصنف ہیں۔

غریب۔ شیخ نصیر الدین احمد:

ان کا آبائی وطن کشمیر تھا لیکن وہ دہلی میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ایک فارسی دیوان لکھا ہے۔ اس کے علاوہ متعدد ہندوستانی اشعار بھی لکھے ہیں جن کا ذکر شیفتہ نے کیا ہے۔

غریب۔ مراد آبادی:

وہ ایک قدیم شاعر ہیں، جن کا ذکر قاسم اور سرور نے کیا ہے۔

غریب۔ میر الولی:

وہ ایک دوسرے قدیم شاعر ہیں، جن کا ذکر قاسم اور سرور نے کیا ہے۔

غریب لالہ مل:

وہ اجرارا یا اجرادا کے ایک کایستھ ہیں۔ ان کے والد خوب چند تھے اور ان کے چچا نواب ضابطہ خان کے وزیر ہیں۔ یہ ایک ہم عصر اور کافی مشہور ہیں۔ ابتدا میں وہ دہلی میں رہتے تھے۔ شیفتہ اور ذکا نے ان کا ذکر کیا ہے۔

غریب۔دکنی:

ان کے کلام میں ایک قصیدہ بعنوان ''درشکایت ابنائے زمانہ'' اور کئی غزلیں شامل ہیں۔

غریب۔میر تقی۔دہلوی:

وہ نواب عالی جاہ میر محمد قاسم خان کے دوست تھے۔سرور اور دوسرے تذکرہ نویس انھیں میر محمد تقی کے نام سے ہندوستانی شاعروں میں شمار کرتے ہیں۔

غریب کلو:

وہ آبرو کے ہم عصر ہیں۔عشقی نے ان کا ذکر کیا ہے۔

غریق:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر باطن نے کیا ہے۔

غفور بخش:

انھوں نے ''مقتول عشق'' کے نام سے ایک اردو نظم لکھی ہے۔ یہ نظم کان پور سے ۱۸۶۸ء میں چھوٹی تقطیع میں ۱۶صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

غلام:

کمال کے تذکرے میں غلام کے نام سے دو مختلف شعرا کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک کی دو غزلیں، جو انھوں نے رام پور سے حاصل کی تھیں، ان کے تذکرے میں درج ہیں۔ دوسرے غلام کے متعلق وہ صرف اس قدر بتاتے ہیں کہ دہلی کے ایک قدیم شاعر تھے۔

غالباً مؤخر الذکر غلام وہی شاعر ہیں جن کو سرور راجہ کہتے ہیں اور قاسم کنور گوپی ناتھ غلام کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ راجہ رام ناتھ ذرہ کے بیٹے، راجہ شنکر ناتھ کے بھائی اور فراق کے شاگرد تھے۔ انھوں نے غلام تخلص اس لیے اختیار کیا تھا کہ وہ سلطان شاہ عالی کے ملازم تھے۔ بہت عرصہ ہوا کہ ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

غلام احمد۔قاضی:

انھوں نے اردو میں ''احکام النسا'' لکھی ہے۔اس کتاب کے دو نسخے بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے میں موجود ہیں۔

غلام اکبر۔منشی:

وہ Gilchrist کے دور میں محکمہ ہندوستانی میں سررشتہ دار کی حیثیت سے کام کرتے تھے اور بعد میں

بشپ کالج کے پروفیسر ہوگئے تھے۔تعلیمات ہندوستانی کے بانی نے اپنی کتاب *Hindo Story Teller* جلد۲ (۱۸۰۶ء) میں بیان کیا ہے کہ غلام اکبر نے انھیں سب سے زیادہ تعداد میں تاریخی کتابیں مہیا کی ہیں۔ اوران کا خیال ہے کہ گرچہ اکبر بنگال کے رہنے والے ہیں لیکن اس کے باوجود انھیں ہندوستانی زبان کی قواعد پر اس قدر عبور حاصل ہے کہ وہ شمال کے بہترین شعرا اور مصنفین پر اصلاح کرتے تھے۔ان کی اصلاح کو خود مصنفین بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کیونکہ کتابوں کی اشاعت میں ان سے بہت نفع حاصل ہوا ہے۔

انھوں نے ''خردافروز'' کے ترجمہ میں بھی کافی قلمی معاونت کی ہے جیسا کہ احمد حفیظ کے مضمون میں بیان کیا جاچکا ہے۔

غلام علی۔صاحب میر:

وہ ٹیپو سلطان کی حکومت میں منشی کی حیثیت سے ملازم تھے۔اور مندرجہ ذیل کتابوں کے مصنف ہیں۔

۱۔ ''سلطان نامہ''۔یہ ٹیپو سلطان کی تاریخ ہے جنھیں وہ شہید کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ یہ کتاب ۱۲۲۶ھ/۲-۱۸۱۱ء میں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کو ۱۸۵۴ء میں ۳۸۸ صفحات پر Mr. Peul de gavardlo کے لیے نقل کیا گیا ہے جو کہ پانڈی چری کی سرکاری عدالت کے مشیر تھے۔ان سے مجھے یہ کاپی ملی۔

۲۔ ''خلاصہ تواریخ سیر متاخرین''۔جس کا انگریزی عنوان: *"Selections from a Persian History of the Muhammadan Rulers of India and of the Rise and Progress of the British Power in Bengal"* یہ کتاب رومن اسم الخط میں ہے اور مدارس سے ۱۸۶۰ء میں ۲۸۴ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

غلام علی نے رومن رسم الخط سے غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے ایجاد تحریر کی تاریخ پر ایک خاص نظریہ پیش کیا ہے۔ان کی دلیل ہے کہ حضرت محمدؐ نے مسلمانوں کے رسم الخط اور قدیم عربی رسم الخط کی ایک بنیاد ڈالی۔ یہ دلیل ثابت کرتی ہے کہ انھیں اس سلسلہ میں کوئی علمی واقفیت نہیں ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ہندوستان کا ہر طبقہ اپنی ترقی کے اعتبار سے اس نئے رومن رسم الخط کو اختیار کرسکتا ہے۔

غلام علی کی یہ کتاب ایک اور شریف مشہور ہندوستانی مصنف کی تصنیف ''سیر المتاخرین'' کا خلاصہ معلوم ہوتی ہے جس کے مصنف سے Hastings Warren اور Clive کے واقف تھے۔ یہ بہت عمدہ تاریخ ہے اور اس میں تیمور سے لے کر اکبر شاہ ثانی تک کے ان تمام واقعات وحالات کی تفصیل ہے جو ہندوستان میں

رونما ہوئے اور مغلوں کے عروج وزوال اور برطانیہ کے آغاز سلطنت پر روشنی ڈالتے ہیں، میں نے یہ کتاب نہیں دیکھی صرف P. Boutros کے نوٹ نے مجھے اس کتاب کی خبر دی ہے۔

غلام علی کی ایک اور کتاب ہے۔ اس کا انگریزی عنوان: *English and Hindustani Phraseology, English and Dakhni, under the direction of Ch. Philip Brow...* یہ کتاب مدراس سے ۱۸۵۵ء میں ۲۳۶ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

غلام حسن۔ میر:

انھوں نے ''حدیقہ ہندی'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ یہ کتاب دہلی کے زوال کے بعد برٹش حکومت نے خرید لی۔ فہرست میں اس کا نمبر ۱۱۱۸ ہے۔

غلام حیدر۔ مولوی:

وہ ہگلی کے رہنے والے ہیں اور فورٹ ولیم کالج میں دفتری تھے۔ وہ ایک عالم مسلمان ہیں۔ انھوں نے حسب ذیل کتابیں شائع کی ہیں۔

۱۔ ''انتخاب کلیات سودا''۔ یہ کلام سودا کا نیا انتخاب ہے جو ۱۸۴۷ء میں کلکتہ سے شائع ہوا ہے۔ اس اڈیشن میں ۱۸۱۰ء کے اڈیشن کے مقابلے میں نئی غزلوں اور قصیدوں کا اضافہ ہے۔

۲۔ ''تحفہ اخوان الصفا''۔ مصنفہ اکرام علی کا اردو میں ایک نیا اڈیشن شائع کیا۔ اس کے دیباچے میں اصل کتاب اور ترجمہ دونوں کے متعلق بڑی دلچسپ بحث کی ہے۔ یہ ۱۸۴۶ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی۔ اسی شہر اور اسی سال غلام علی نے اصل عربی کتاب کا ایک نیا اڈیشن نکالا۔

۳۔ ''جامع الاخلاق'' کے نام سے ''اخلاق جلالی'' کا اردو ترجمہ کیا۔ اس کتاب کا ذکر شیدا کے سلسلے میں آئے گا۔

۴۔ ''گنج خوبی''۔ کے نام سے ''اخلاق محسنی'' کا ترجمہ شائع کیا جس کا ذکر میر امن کے سلسلے میں کیا گیا ہے۔

۵۔ ''قصۂ خسروان عجم''۔ مصنفہ مول چند لکھنوی شائع کیا، جو ''شاہنامہ فردوسی'' کا منظوم خلاصہ ہے۔ اس کتاب کا ذکر منشی مول چند کے سلسلے میں کیا جائے گا۔

۶۔ ''گل بکاؤلی''۔ کا ایک نیا اڈیشن شائع کیا جس کا فرانسیسی ترجمہ میں نے کیا اور Doctrino نام رکھا۔

غلام حسن۔سید:

وہ ایک ہم عصر شاعر ہیں جو غالب (اسد اللہ) کے شاگرد تھے۔انھوں نے ۹مارچ ۱۸۶۹ء کے ''اودھ اخبار'' میں اپنے استاد غالب کی وفات پر اشعار کہے۔انھوں نے ایک ہی قافیہ میں ۱۵/اشعار کہے ہیں اور ایسی ترتیب رکھی ہے کہ ہر شعر کے پہلے مصرع سے تاریخ عیسوی میں ۱۸۶۹ء اور دوسرے مصرع سے تاریخ ہجری ۱۲۸۵ء نکلتی ہے۔

غلام حسین خان:

وہ محنت خان کے بیٹے اور فتح اللہ خان کے پوتے تھے۔وہ اکثر صرف حسین تخلص کے نام سے جانے جاتے۔شیفتہ ان سے کلکتہ میں ملے تھے اور ان کا خیال ہے کہ وہ دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔ابوالفتح، جنھوں نے ایک طویل مضمون ان پر اپنے تذکرے میں لکھا ہے، لکھتے ہیں کہ وہ ایک اچھے عہدے پر مامور تھے اور ابتدا میں عزیز تخلص کرتے تھے۔ W.Ousley مرحوم نے اپنی کتاب *Oriental Collections* کی جلد اصفحہ ۲۰۳ میں غلام حسین کے ایک مخمس کا ابتدائی حصہ نقل کیا ہے۔

میرا خیال ہے کہ حسین کا ''جلوہ نامہ'' جس میں ٹیپو کی شادی کا ذکر ہے اسی نام کی اس مثنوی سے غالباً مختلف ہے جو غلام حسین لوہانی سے منسوب ہے۔ یہ مثنوی چھ صفحوں کی مختصر کتاب ہے اور اس کا ایک نسخہ بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے میں موجود ہے۔

غلام امام خان۔مولوی عباس۔مرحوم:

وہ صدر عدالت کے پیشکار تھے۔وہ مولوی شریف کے مصنف ہیں جو کہ محمدؐ کی پیدائش اور معجزات سے بحث کرتی ہے۔ میں نے حیات کے مضمون میں اس نام کی کئی کتابوں کا ذکر کیا ہے۔لیکن ان میں سے بعض میلاد یا مولود کے نام سے ہیں۔ایک مثنوی ہے۔جس میں حدیثوں کے حوالے ہیں اور بعض واقعات نظم کے بجائے نثر میں دیے ہوئے ہیں۔ یہ کتاب ۱۲۵۱ھ/۶-۱۸۳۵ء میں لکھی گئی ہے۔اور ۱۲۶۷ھ/۱-۱۸۵۰ء میں لکھنو سے ۴۸صفحات پر شائع ہوئی ہے اس کتاب کا ایک دوسرا اڈیشن آگرہ سے ''مطبع قادری'' سے ۱۸۵۰ء میں چھپا ہوا ہے۔ ایک اور اڈیشن جو مولوی مہدی حسن کا اصلاح شدہ ہے خواجہ محمد اشرف علی کے ہاتھوں ''ثمر ہند'' پریس سے ۱۸۶۴ء میں ۸۵صفحات پر شائع ہوئے۔اس آخری اڈیشن میں حضرت محمدؐ کے متعلق بہت سے اشعار دیے ہوئے ہیں۔میرا خیال ہے کہ اس کتاب کا ایک اور اڈیشن ''مولود نامہ'' کے نام سے لکھنو میں ۱۸۶۴ء میں شائع ہوا۔

غلام مولا:

انھوں نے ''جواہر منظومہ'' کے نام سے انگریزی شاعری کے انتخاب *Readings in English Poetry* کا اردو میں ترجمہ کیا جو الہ آباد سے ۱۸۶۴ء میں شمالی مغربی صوبہ کے مدرسوں کے لیے شائع کیا گیا ہے۔ اس میں چھوٹی تقطیع کے ۳۲ صفحات ہیں اور ہر صفحہ میں ۱۷ سطریں ہیں۔ ۱۸۵۰ء میں اسی نام کی ایک کتاب دہلی سے شائع ہوئی ہے۔

حاشیہ میں انگریزی کے حاشیہ کا ترجمہ بھی گیا ہے۔ اشعار بحر خفیف یعنی فاعلاتن فاعلن فعلن کے وزن پر ہیں۔ میرے پاس اس ترجمہ کا ایک نسخہ جو مجھے K.Kempson محکمہ تعلیم کے ناظم نے دیا تھا۔

غلام محمد۔ منشی:

Colloquial Dialogues in Hindustani کے مصنف ہیں جو ۱۸۵۸ء میں بمبئی میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ وہی شخص ہیں جو اسپ سوار تھے اور ۱۸۳۹ء میں کیپٹن Todd کے ساتھ سرکاری طور پر ہرات چلے گئے۔ بعد میں وہ کیپٹن Flw. Connolly کے، جو کابل کے راستے میں کوہستان میں قتل کردیے گئے تھے، منشی ہوگئے تھے اور جنھوں نے ۱۸۵۹ء میں حکومت برطانیہ سے ۵۷ روپیہ ماہوار پنشن حاصل کی۔

غلام محمد پربتی:

وہ لاہور کے ایک ہندوستانی اخبار ''کوہ نور'' کے مدیر ہیں۔ انھوں نے ''گنج سوالات قانون دیوانی'' کی اصلاح کی جس کو Robert Cust نے 1813ء میں ''کوہ نور پریس'' لاہور سے شائع کیا۔ خبرنہیں یہ وہ غلام محمد ہیں اور ''جلوہ طور'' اور ''میور گزٹ'' کے مدیر بھی ہیں جو کہ ''سلطان المطابع'' سے ہفتہ وار نکلتے ہیں۔

غلام نبی۔ نائب:

وہ سہارن پور کی عدالت میں سررشتہ دار ہیں اور انھوں نے ''حصر الاقادرت یا خلاصہ احکامات فوجداری'' نامی کتاب مرتب کی۔ یہ مضامین انھوں نے ''آگرہ گزٹ'' سے ۱۸۴۸ء میں جمع کیے تھے۔ یہ ۱۸۶۹ء میں میرٹھ سے شائع ہوئی ہے اور M.Morley کی کتاب *Digest of Dia Cavos* کے انداز پر لکھی گئی ہے۔ غالباً یہ وہی منشی غلام نبی رئیس میرٹھ ہیں جو بمقام روہتک تحصیل دار تھے اور جن کی تصنیف ''تجربہ تلخ'' ہے۔ اس کتاب کی تدوین وجاہت علی مدیر ''اخبار عالم'' میرٹھ کے ہاتھوں ۱۸۶۳ء میں ہوئی اور چھوٹی تقطیع کے ۵۴ صفحات پر شائع کی گئی۔ ہر صفحے میں ۱۱ سطریں ہیں۔

اس کتاب کے موضوع ''تجربہ تلخ'' پر حکومت کی جانب سے ایک انعامی مقابلے کا اعلان ہوا تھا۔ غلام نبی کی کتاب اس میں منتخب ہوئی اور اسی لیے اس کی اشاعت کی گئی۔ یہ ۱۸٦۵ء میں لکھنو سے دوبارہ شائع کی گئی ہے۔

غلام نصیرالدین فقیر:

وہ ملتان کے اردو اخبار ''شعاع شمس'' کے مدیر ہیں۔ یہ اخبار جون ۱۸۵۳ء سے نکلتا ہے۔

غلام نجف:

وہ ''نصیحت النبی'' کے مصنف ہیں جو کلکتہ سے چھوٹی تقطیع کے ۸۴ صفحات پر ۱۸٦۳ء میں شائع ہوئی ہے۔

غلام سرور۔ مفتی:

وہ ''گلدستۂ کرامت'' کے مصنف ہیں جس میں محی الدین گیلانی کے معجزات سے بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب لاہور سے ۱۸٦۷ء میں ۲۷۱ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

غلامی۔ شاہ غلام محمد۔ دہلوی:

یہ ہندوستانی شاعر اپنے نام کے پہلے لفظ غلامی کو بطور تخلص استعمال کرتے تھے۔ وہ قدیم طرز میں لکھتے تھے۔ وہ شاہ حاتم (ظہورالدین) کے گہرے دوست تھے اور ان کے ساتھ شاہ تسلیم دہلوی کے حجرہ میں جایا کرتے تھے۔

مصحفی نے ان کا صرف ایک شعر نقل کیا ہے۔

غلامی:

محسن کہتے ہیں کہ یہ ایک ہم عصر مصنف ہیں اور دہلی کے ''ہرکارہ اخبار'' کے مدیر ہیں۔ یہ اخبار ۱۸۵۷ء کے پہلے سے نکلتا ہے۔

غم۔ میر محمد اسلم:

وہ میر ابو صاحب مرشد آبادی کے بھائی تھے۔ قائم میر اور شورش نے ان کا ذکر کیا ہے۔ بینی نرائن نے ان کی غزل نقل کی ہے۔

میں ہوں اور نالہ شب گیر ہے اللہ اللہ
سنگ دل کافر بے پیر ہے اللہ اللہ

''سخن شعرا'' از نساخ، ص ۳۵۲

غم۔علی خان:

نوٹ:۔غم کا پورا نام غالبًا میر محمد اسمٰعیل ہے۔ملاحظہ ہو''سخن شعرا'' از نساخ، ۵۳۲۔وہ کان پور کے رہنے والے تھے اور شاہی اسپ سوار تھے۔ ان کے والد عبداللہ خان تھے اور ان کے استاد مولوی خدا بخش فرد تھے۔وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کے اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

غمگین۔میر سید علی:

وہ میر سید محمد کی تیسرے بیٹے تھے اور شاہ نظام الدین احمد قادری آصف جاہ کے بھتیجے جو صوبہ دہلی میں مرہٹوں کے زمانہ میں صوبہ دار تھے۔ وہ ایک ہم عصر شاعر اور رنگین کے شاگرد ہیں۔شیفتہ ان کا ذکر کرتے ہیں اور ان کو صاحب دیوان بتاتے ہیں۔کمال نے بھی ان کا ذکر کیا اور ان کی ایک غزل بھی نقل کی ہے جو انھوں نے الٰہ آباد کے ایک مشاعرہ منعقدہ مکان اجمل شاہ سے حاصل کی تھی۔سرور نے بھی ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔

غمگین۔میر عبداللہ:

وہ میر حسین تسکین کے بیٹے تھے۔یہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں، جن کا ذکر باطن نے کیا ہے۔

غم خوار۔سید:

وہ دہلی کے ایک فوجی تھے۔ ہندوستانی شاعری کے لیے ان کے استاد غلام حسین شکیبا تھے۔سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

غنچن:

وہ ایک شاعرہ ہیں جن کا ذکر عشقی نے کیا ہے۔

غنی۔شیخ عبدالغنی:

وہ سہارنپور میں پیدا ہوئے اور کانپور میں رہتے تھے۔وہ شیخ عبدالصمد کے بیٹے اور ہادی علی اشک کے شاگرد تھے۔وہ ایک خوش گو، ریختہ گو شاعر ہیں جن کے اشعار سرور اور محسن نے نقل کیے ہیں۔

غنی۔میر عبدالغنی۔سید:

وہ صوبہ آگرہ میں شکوہ آباد کے رہنے والے تھے۔سرور کہتے ہیں کہ وہ جوانی ہی میں دق میں انتقال کر گئے۔

غنی۔ غنی احمد:

وہ کان پور کے قریب جیجون میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ابو محمد عیش، محسن عباس، علی عاشق جگموئی سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے استاد میر علی اوسط رشک تھے۔ انھوں نے ''صوت الصنم'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے۔

غنی۔ مرزا عباس۔ لکھنوی:

مرزا حسن کے بیٹے اور مرزا محمد حسن شیدا کے شاگرد تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کے اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔

غوث:

وہ ایک ہم عصر ہندوستانی مصنف ہیں جنھوں نے حسب ذیل کتابیں لکھی ہیں۔

۱۔ ''فسانۂ غوث''۔

۲۔ ''سکندر نامہ یا باب انوار''۔

۳۔ دو کتابیں ہندوستانی میں شائع ہوئی ہیں۔

غوثی۔ محمد غوث:

وہ قاضئ حیدرآباد مولوی قطب الدین کے بیٹے تھے اور دکنی میں شاعری کرتے تھے۔ قائم اور کمال کا بیان ہے کہ وہ اپنے علم و فضل کی وجہ سے بڑی شہرت رکھتے تھے۔ وہ مکہ میں فوت ہوئے۔

غواص:

وہ دہلی کے ایک دوسرے قدیم شاعر ہیں جن کو مولانا غواص سے خلط ملط کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ ان کا ذکر ''مسرت افزا'' اور ''عمدۃ المنتخبہ'' میں کیا گیا ہے۔

غواصی یا غواص۔ مولانا:

یہ ایک اردو شاعر ہیں جن کا ایک شعر میر نے نقل کیا ہے۔

جو کوئی اس مزرع دل برہ کا بیج بوتا ہے
تو ہرگز اس کے بستاں میں گلِ امید ہوتا ہے

''نکات الشعرا''، ص ۱۰۱

انھوں نے طوطی نامہ کے عنوان سے دکنی میں ایک مثنوی لکھی ہے جس کا ایک نسخہ کلکتہ کی ایشیاٹک

سوسائٹی میں موجود ہے۔ میرے پاس بھی اس کا ایک نسخہ ہے جو بہت قدیم معلوم ہوتا ہے۔ یہ بڑی تقطیع کے ۲۰۰ صفحات میں نستعلیق میں لکھا ہوا ہے۔ کتاب کے شروع میں حمد و نعت کے بعد اپنے دور کے بادشاہ عبداللہ قطب شاہ کی تعریف ۷۴ صفحوں میں کی گئی ہے۔ اس کے بعد کتاب کے موضوع کی تشریح ہے پھر قصہ کا آغاز ہوتا ہے اور قصہ در قصہ لکھے چلے جاتے ہیں۔ کتاب کے آخر میں ایک واسوخت بھی درج ہے۔

غضنفر۔علی خان۔مرحوم۔لکھنوی:

انھیں میاں کھلو یا کلو بھی کہتے ہیں۔ ان کے والد غلام حسین خان کرورا تھے۔ ان کے آبا و اجداد ایک اعلیٰ کھشتری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ غضنفر کا آبائی وطن لکھنو تھا اور ان کو کمال لکھنو سے جانتے تھے۔ غضنفر بہت ہی زندہ دل شاعر تھے اور جرأت کے ممتاز شاگرد شمار کیے جاتے ہیں۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جس سے بینی نرائن اور محسن نے غزلیں نقل کی ہیں۔

غیرت:

یہ شاعر میاں قلندر بخش جرأت کے شاگرد ہیں۔ مصحفی اور بینی نرائن نے ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔

غیرت۔لکھنوی:

یہ ایک دوسرے ہندوستانی شاعر ہیں جو جرأت کے شاگرد بھی ہیں۔ قاسم اور سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

غیرت۔کلب علی:

''مسرت افزا'' میں ان شاعر کا ذکر کیا گیا ہے۔

غیرت:

وہ دکن کے ایک شاعر ہیں جن کا ذکر قاسم نے کیا ہے۔

فارغ:

یہ ہندو شاعر دہلی میں پیدا ہوئے اور میاں حاتم کے شاگرد تھے اور فخر الدین جوہر کے دوست تھے۔ ان کے مطلع خاص طور پر مشہور ہیں۔ صرف علی ابراہیم نے ان کے ذکر کیا ہے اور ایک شعر بھی نقل کیا ہے۔ غالباً وہی فارغ ہیں جو ظاہر میں ہندو لیکن حقیقت میں مسلمان تھے اور جن کا ذکر شیفتہ نے لالہ مکند سنگھ کے نام سے کیا ہے۔ وہ دہلی میں ملازم تھے اور اس کے بعد بریلی گئے جہاں میاں حاتم کے شاگرد اور فخر الدین جوہر کے دوست ہوگئے۔ ان کے دیوان کا ایک نسخہ اسپرنگر کی فہرست کتب میں ملتا ہے اور اس کا نمبر ۱۶۸۹ ہے۔ وہ دہلی کے شہزادے اور آخری مغل بادشاہ ابوظفر بہادر شاہ کے شاگرد تھے جو خود بھی شاعر تھے۔

فارغ شاہ:

وہ بریلی میں پیدا ہوئے اور شکار پور میں رہتے تھے۔ ان کی شاعری تصوف کے لیے مشہور ہے۔ انھوں نے جوانی ہی میں دنیا ترک کردی اور درویش ہوگئے اور اپنی بزرگی کے لیے بہت مشہور ہوگئے۔ کریم کے خیال میں وہ میاں فارغ شاہ دوسرے ہیں جن کی غزلوں کا ایک دیوان ڈاکٹر اسپرنگر کے پاس تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے نواب اودھ کے کتب خانے کی کتابوں کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس میں دو سو صفحات ہیں اور ہر صفحہ میں ۱۲/۱ اشعار درج ہیں۔

فارغ شاہ نام کے کئی شعرا کا ذکر تذکروں میں آیا ہے، جن کی تفصیل نہیں پائی جاتی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ یہی فارغ شاہ ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ فارغ، فارغ دہلوی ہی ہوسکتے ہیں جن کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے۔ لیکن کریم کا خیال ہے کہ یہ دو مختلف اشخاص ہیں۔

فارغ۔ میر احمد خان:

وہ صوبہ دہلی موہن پور کے رہنے والے تھے اور اعظم الدولہ میر محمد خان سرور کے بیٹے اور شاگرد تھے۔ شیفتہ نے، جو ان سے واقف تھے، ان کی تعریف کی ہے اور ان کے کچھ اشعار کا حوالہ بھی دیا ہے۔

فاروقی۔ فقیر احمد:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں۔ انھوں نے مختلف موضوعات کے اشعار سے ایک بیاض مرتب کی ہے۔ جس کا ایک نسخہ کلکتہ کے ایشیاٹک سوسائٹی میں موجود ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسی بیاض کا نام "تحفہ اعظم" بھی ہے اور مدراس میں ۱۸۴۶ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی ہے۔ *Bibliothic Orientalis* نے Zenker میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

فاضل خان:

انھوں نے "رسالہ صوم وطریقہ صیام" لکھا ہے جس میں "شرح ہندی" پر تبصرہ ہے۔ دہلی کے زوال کے بعد اس کتاب کو برٹش حکومت نے خرید لیا۔ فہرست میں اس کا نمبر ۱۱۱۸ ہے۔

فاضل شاہ۔ دہلوی:

وہ باطن کے دوست تھے۔ ان کا انتقال "گلشن بے خزاں" کے لکھنے سے کچھ عرصہ پہلے ہوا۔ اس تذکرے میں ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

فاضل محمد۔ حیدرآبادی:

وہ فیض کے شاگرد ہیں۔ باطن نے ان کا ذکر کیا ہے۔

فائز۔صدرالدین محمد:

زبردست خان کے بیٹے تھے۔ وہ ایک مسلمان شاعر ہیں جنھوں نے ایک دیوان لکھا ہے۔ جس میں غزلیں، قصیدے اور ۶ مثنویاں ہیں۔ ان کی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے۔

۱) پنگھٹ ۲) جوگن ۳) ایک کچھری ۴) بھنگ بیچنے والی عورت اور ایک رقعہ۔

بھنگ بیچنے والی عورت پر جو مثنوی لکھی گئی ہے، وہ ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

یہ مثنوی دستیاب نہ ہوسکی۔ (مترجم)

فائز:

انھوں نے ''قصۂ رضوان شاہ'' کے نام سے کتاب لکھی ہے جو دکنی بولی میں منظوم ہے۔۱۰۹۴ھ/۱۶۸۲ء۔ میرا خیال ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جس کا ذکر اشک کے مضمون میں کیا جاچکا ہے اور جس کا ایک نسخہ کلکتہ کے ایشیاٹک سوسائٹی میں موجود ہے۔ کتب خانہ کی فہرست میں اس کا نمبر ۱۲۴ ہے اور اس میں ۲۸۰ صفحات ہیں۔

فتح۔فتح علی:

وہ پیر علی شیخ انصاری کے بیٹے تھے۔ انھوں نے مثنوی کی بحر میں کئی کہانیاں جمع کی ہیں اور یہ کتاب ''چمن'' کے عنوان سے ۱۵ ابواب میں تقسیم ہے۔ یہ کتاب لکھنؤ سے ۱۸۴۷ء ''مصطفائی پریس'' سے شائع ہوئی اور بڑی تقطیع پر ۳۶ صفحات ہیں۔ ان مثنویوں میں مسلمان بزرگوں کے افسانے اور ان کے پندونصائح اور لطیفوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں ان مشہور شعرا کا بھی ذکر ہے اور کبیشور کہتے ہیں۔

فتح۔مرزا فتح علی خان بہادر:

وہ نواب فیض اللہ خان کے بیٹے اور محمد شاہ کی حکومت میں فوجی افسر تھے۔ وہ شاعری کرتے تھے۔

فتح۔میر فتح علی:

وہ ایک دوسرے ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر قائم نے کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ پیر علی شیخ انصاری کے بیٹے ہیں جن کا ذکر بعد میں آئے گا۔

فتح الملک مرزا محمد سلطان شاہ بہادر:

انھوں نے مختلف قسم کے اشعار کہے ہیں جن کو اشرف علی نے ۱۲۶۵ھ/۵۰-۱۸۴۹ء میں دہلی میں مرتب کیا ہے۔ ان کی ایک تصنیف ''فسانہ عشاق'' ہے اور اس میں چند مختصر نظموں کے علاوہ ایک طویل مثلث بھی ہے۔ اس کتاب میں ۵۸ صفحات ہیں۔

فتوت۔ مرزا غلام حیدر۔ دہلوی:

ذکا انھیں ہندوستانی شاعروں میں شمار کرتے ہیں۔

فخر:

وہ ایک اور قدیم ہندوستانی شاعر ہیں، جن کو قاسم فیضی کہتے ہیں۔

فخر۔ مرزا فخرالدین حسین خان:

میرا خیال ہے کہ میاں فخرالدین سے مختلف ہیں کیونکہ ان کے نام اور لقب کے اختلاف کے علاوہ میاں فخرالدین لکھنؤ کے شاعر تھے اور مرزا دہلی کے باشندے تھے۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

فخرالدین۔ منشی:

بنارس کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے طب پر اردو زبان میں ''مظہر العجائب'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو آگرہ سے ۱۸۴۹ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی ہے۔

فخر۔ میاں فخرالدین یا میر فخر علی:

اشرف علی خان فغان کے بیٹے۔ وہ ایک معزز افغان خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ انھوں نے بنارس کے متعلق ایک تذکرہ لکھا ہے۔ وہ سودا کے شاگرد تھے اور ۱۷۸۳ء میں لکھنؤ میں رہتے تھے۔ جن دنوں باطن اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو وہ زندہ تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ فخر کے علاوہ وہ ماہر بھی تخلص کرتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ چند تذکرہ نویسوں نے ان کے متعلق غلطی کی ہے۔ وہ سودا کے محرر تھے اور ان کی کوششوں کی وجہ سے فخر کو نواب شجاع الدولہ کی طرف سے -/۷۰ روپیہ ماہانہ وظیفہ ملا کرتا تھا۔

فخر۔ میر فخرالدین۔ لکھنوی:

وہ سید میر محمد علی کے بیٹے اور خواجہ وزیر کے شاگرد تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں، جن کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرہ میں نقل کی ہیں۔

فخری:

وہ فخرالدین ماہر سے مختلف ہیں۔ میر نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کے ایک شعر کو نقل کیا ہے۔ کمال نے قائم اور میر کے متعلق جو مختصر تذکرہ لکھا ہے، اس میں فخری کا بھی ذکر ہے اور ان کے مطابق مؤخر الذکر ولی کے شاگرد اور پرگو شاعر تھے۔

فدا۔ پنڈت دیارام:

وہ کشمیر میں پیدا ہوئے لیکن دہلی میں قیام کرتے تھے۔ باطن کے مطابق آپ مشاعروں میں شرکت کرتے تھے اور اپنے اشعار سنایا کرتے تھے۔ ممکن ہے کہ آپ لکشمی رام فدا ہی ہوں جن کا ذکر آگے کیا جا رہا ہے۔

فدا۔ پنڈت لکشمی دہلوی:

وہ سودا کے شاگرد تھے اور نواب شجاع الدولہ کی حکومت میں ملازم تھے۔ اس کے بعد آپ تبدیل ہو کر بریلی چلے گئے۔ قاسم نے اپنے تذکرے میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

فدا۔ سید اور میر امام الدین۔ دہلوی:

کریم کے مطابق وہ فرید آبادی تھے۔ محسن کہتے ہیں کہ وہ ہدایت اور مرتضی علی خان فراق کے شاگرد تھے۔

آپ مالی حیثیت سے غریب تھے لیکن آپ کی طبیعت بہت آزاد تھی۔ نواب علی وردی خان مہابت جنگ کے دور حکومت میں آپ نے دہلی سے مراجعت کر کے بنگال میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ بنی نرائن نے اپنے ''دیوان جہان'' میں ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس غزل میں استعاروں کی بڑی کثرت ہے۔ جن دنوں کریم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو فدا لکھنؤ میں رہتے تھے اور کافی معمر ہو گئے تھے۔

فتح علی نے فدا کے متعلق اپنے تذکرے میں ایک مضمون لکھا ہے لیکن میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ دراصل یہ عبدالصمد فدا ہیں یہ امام الدین فدا۔ اس لیے کہ انھوں نے اس مضمون میں ایک قطعہ نقل کیا ہے جو کسی دوسرے تذکرے میں نہیں پایا جاتا ہے۔

فدا۔ سید محمد علی فدا شاہ:

وہ سہارن پور ضلع میں لوہاری کے رہنے والے تھے۔ ابتدا میں آپ ایک سپاہی تھے لیکن بعد میں روز حساب کے خوف سے دنیا کو ترک کر کے ورد و وظائف میں مشغول ہو گئے۔ اسی بنا پر آپ کو شاہ کہتے ہیں۔ آپ ایک بار دہلی تشریف لے گئے تھے لیکن آپ نے زیادہ عرصہ تک وہاں قیام کرنا پسند نہیں فرمایا اور ۱۸۳۴ء میں وہاں سے واپس ہو گئے۔ شیفتہ کا خیال ہے کہ جب انھوں نے اپنا تذکرہ مکمل کیا تھا تو آپ فوت ہو چکے تھے۔ فدا نے نہایت ہی بلند معیار کے اشعار کہے ہیں۔

فدا۔ علی منشی:

انھوں نے ''اشتیاق عشق'' کے نام سے ایک عشقیہ مثنوی لکھی ہے جو آگرہ سے ۱۸۵۰ء میں شائع ہوئی ہے۔

فدا۔غلام علی خان:

وہ ایک اور ہندوستانی شاعر ہیں،ان کا ذکر سرور نے کیا ہے۔

فدا۔فدا حسین:

معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسی نام کے دوسرے شاعروں سے مختلف ہیں۔

فدا۔مرزا فدا حسین خان۔لکھنوی:

''مسرت افزا'' کے بقول ان کا نام فدا حسین کے بجائے فدا علی تھا۔وہ آقا مرزا کے بیٹے اور نواب حاتم علی خان کے پوتے تھے۔آپ رمل،فن طب اور دیگر سائنس کے بڑے ماہر تھے۔۴-۱۷۹۳ء میں وہ ایک خوش مزاج نوجوان تھے اور ان دنوں ان کی عمر تقریباً ۲۰ سال کی تھی۔آپ کو ہندوستانی شاعری سے گہری دلچسپی تھی۔آپ قمرالدین منت اور ان کے بیٹے ممنون سے اصلاح لیا کرتے تھے۔اس کے بعد آپ نے مصحفی کو،جو آپ کے پڑوسی بھی تھے،اپنا کلام دکھانا شروع کر دیا۔مصحفی کا خیال ہے کہ وہ ایک فطری شاعر تھے اور انھوں نے فدا کے کلام کو ۵ صفحات میں اپنے تذکرے میں درج کیا ہے۔

فدا کا تعلق مغل خاندان سے تھا اور وہ آقا حسین خان کے نام سے مشہور تھے جسے ان کے والد کے نام سے کافی نسبت ہے،وہ صاحب دیوان ہیں۔

فدا۔مرزا فدا علی بیگ:

وہ مرزا فدوی کے شاگرد تھے۔شورش نے ان کا ذکر کیا ہے۔

فدا۔مولوی محمد اسمٰعیل۔کشمیری:

ان کا دوسرا نام عقیدت محمد خان فدا تھا۔ذکا انھیں عافیت خان کہتے ہیں۔وہ دہلی میں صدرالصدور تھے۔سرور کا بیان ہے کہ آپ علم و فضل میں بڑا کمال رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود ہندوستانی زبان میں شعر وسخن کرتے ہیں۔

فدا۔میر عبدالصمد:

وہ ایک اردو شاعر ہیں جن کا ذکر منولال نے کیا ہے اور ان کا ایک شعر بھی نقل کیا ہے۔

فدا فریدآباد کے رہنے والے تھے۔شیفتہ انھیں دہلوی کہتے ہیں۔غالباً عبدالصمد فدا فرید آبادی اور امام الدین فدا میں کچھ خلط ملط ہے۔وہ فوج میں ملازم تھے۔انھوں نے دو دیوان مرتب کیے تھے۔

فرح۔میر فرخ علی:

آگرہ کے صوبہ میں ضلع اٹاوہ کے ایک سید تھے۔ وہ فوج میں ملازم تھے اور دہلی میں قیام کرتے تھے، جہاں انھوں نے اردو میں شاعری شروع کی۔علی ابراہیم نے ان کا ایک صرف شعر نقل کیا ہے۔

چشم سے نور گیا تن سے تواں جیسے صبر
عشق میں تیرے ہوا مجھ سے جدا کیا کیا تجھ

"گلشن ہند،گلزار ابراہیم"،ص ۱۸۷

ان کا ذکر "مسرت افزا" اور "عمدہ منتخبہ" میں بھی کیا گیا ہے۔

فراغ۔مولوی میر محمد۔دہلوی:

یہ ہندوستانی شاعر مولوی محمد بسمل کے شاگرد تھے۔ وہ نوجوانی میں انتقال کر گئے۔قاسم اور شیفتہ نے ان کا ذکر کیا ہے۔

فراغ۔میر مہدی حسن۔لکھنوی:

وہ میر طالب علی کے بیٹے اور منا جان (مرزا رفیع الدین حیدر) کے استاد تھے، وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں، جن کا ذکر محسن نے کیا ہے۔

فرح۔فرح بخش:

وہ ارکاٹ کے علاقہ کی ایک رقاصہ اور اردو کی شاعرہ تھیں جن کا ذکر شیفتہ نے کیا ہے۔شیفتہ کے خیال میں ارکاٹ مشرقی ہندوستان میں ہے۔

فدوی۔سید اور میر فضل علی۔دہلوی:

کچھ دنوں وہ بنگال میں رہے اور مرشد آباد میں انتقال فرمایا۔۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء میں انھوں نے ایک دیوان مرتب کیا ہے، جس کا ایک نسخہ کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی میں موجود ہے اور فہرست میں اس کا نمبر ۱۲۵ ہے۔ اس نسخہ میں ۱۵۵۷ صفحات ہیں اور ہر صفحہ میں گیارہ ابیات ہیں۔اس ایک مختصر منظوم دیباچہ کے ساتھ غزلیں اور مختلف نظمیں شامل ہیں۔اسپرنگر (A Catalogue) صفحہ ۶۰۷

فدوی۔فیض اللہ بیگ۔مرحوم:

وہ صابر علی شاہ صابر کے شاگرد تھے اور لاہور میں پیدا ہوئے۔اس کے بعد وہ فرخ آباد چلے گئے جہاں ان کی دوسرے ادیبوں سے ملاقات ہوئی لیکن محسن کے بقول وہ وہاں اپنے غرور کی وجہ سے کامیاب نہ ہوئے اور سودا کے شاگردوں نے ان پر سخت تنقیدیں کیں۔

میرا خیال ہے کہ یہ وہی فدوی ہیں، جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے کیونکہ تذکروں سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

فدوی۔ محمد علی۔ دہلوی:

آپ کو مرزا بچو بھی کہتے ہیں۔ شیفتہ کا بیان ہے کہ وہ سلطان احمد شاہ کے قریب تھے اور شاعر اور موسیقار کی حیثیت سے مشہور تھے۔ انھوں نے کچھ عرصہ تک مرشدآباد میں قیام کیا تھا لیکن بعد میں عظیم آباد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ یہاں وہ شاہ گھسیٹا کے شاگرد ہو گئے اور اسی بنا پر کمال انھیں اعظیم آبادی کہتے ہیں۔ آپ کا انتقال عظیم آباد میں ہوا ہے۔ علی ابراہیم فدوی سے واقف تھے اور مؤخرالذکر نے اپنے چند اشعار بھی انھیں دیے تا کہ ان کے تذکرے میں شامل کیے جائیں۔

بنی نرائن اور منولال نے اپنے تذکروں میں ان کا ایک مسدس نقل کیا ہے۔ ان کے اشعار ہندوستان میں اپنی شیفتگی کے لیے بہت مشہور ہیں۔

فدوی۔ محمد محسن:

کمال کے مطابق وہ غلام حسین کے بیٹے ہیں۔ قاسم انھیں شاہ محسن کہتے ہیں اور سرور نے ان کو میر محسن بتایا ہے۔ وہ لاہور میں پیدا ہوئے اور کمسنی ہی میں دہلی چلے گئے تھے۔ وہاں آبرو اور مضمون کے شاگرد ہو گئے۔ سرور کے مطابق وہ اور شاہ میر محمد محسن فدوی مختلف شاعر ہیں جو میر حاجی کے شاگرد تھے اور جن کے متعدد اشعار کو انھوں نے اپنے تذکرہ میں نقل کیا ہے۔ فدوی حقیقت میں شاعر کے بجائے موسیقار کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ وہ علم نجوم کے بھی ماہر تھے۔

وہ ۱۷۱۲ء میں فرخ سیر کی حکومت کے پہلے سال میں دہلی تشریف لے گئے۔ انھوں نے سنہ ۱۷۷۶ء میں ۶۰ سال کی عمر کو پہنچ کر انتقال کیا ہے۔ یہ واقعہ قاسم کے تذکرہ کے لکھنے سے ۳۰ سال پہلے رونما ہوا ہے۔

فدوی کے انداز بیان میں قدامت پائی جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ خود ہندوستانیوں کو ان کے اشعار کے سمجھنے میں دقت پیش آتی ہے۔ فدوی کے آباؤ اجداد درویش صفت بزرگ تھے اور فدوی خود بھی درویش تھے۔ مصحفی کا بیان ہے کہ فدوی کو فکر معاش سے قطعی کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ذیل میں ان کی ایک غزل ہے جس کو بنی نرائن نے نقل کیا ہے۔

یہ غزل دستیاب نہ ہو سکی۔ (مترجم)

فدوی۔ مرزا اچھن:

وہ عاصی کرم علی کے استاد تھے۔

فدوی۔ مرزا عظیم بیگ:

مصحفی نے ان کا ذکر کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ دراصل فدائی ہیں جن کا ذکر سرور اور شیفتہ نے کیا ہے۔ شیفتہ انھیں مرزا عظیم بیگ کہتے ہیں اور ان کے مطابق مؤخرالذکر ایک تاجر تھے۔ وہ دہلی کے ایک کایستھ خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور منشی مول چند کے بیٹے تھے، جن کا ذکر میں نے کیا ہے۔ ذکا ان کو ہندوستانی شاعروں میں شمار کرتے ہیں۔

فدوی۔ لاہوری:

وہ صابر علی شاہ کے شاگرد تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک بقال کے بیٹے تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے۔ بعض کا بیان ہے کہ وہ مرزائی نامی شخص کے غلام تھے جنھوں نے انھیں اچھی تعلیم دلائی۔ اس کے بعد فدوی وطن کو چھوڑ کر فرخ آباد گئے، جہاں وہ سودا سے ملے اور شعر و شاعری پر تبادلہ خیال ہونے لگا۔ سودا جو اردو کے سب سے بڑے ہجو نگار ہیں، انھوں نے ''در ہجو فدوی لاہوری'' کے عنوان سے ایک مخمس لکھا ہے جو کہ ''کلیات سودا'' میں شامل ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فدوی نے مغرور ہونے کی وجہ سے اپنے بہت سے دشمن بنا لیے تھے۔

فدوی جب لاہور واپس ہوئے تو انھوں نے ''یوسف زلیخا'' کے نام سے ایک قصہ نظم کیا۔ میر فتح علی کی نظر سے جب یہ کتاب گزری تو انھوں نے اس پر سخت تنقید کی اور انھوں نے ''قصۂ بوم و بقال'' کے نام سے ایک نظم لکھی جو غلطی سے سودا سے منسوب کر دی گئی ہے۔ مجھے خبر نہیں کہ یہ کتاب تنقید یا تنقیص کے لائق ہے یا تعریف کے۔

مصحفی لکھتے ہیں کہ فدوی نے یہ مثنوی اپنے دوست نواب ضابطہ خان کے حکم سے لکھی۔

انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ مثنوی مکمل نہیں ہے بلکہ اس کے اجزا کچھ لوگوں کو یاد ہیں۔ نظام کے وزیر کے کتب خانہ میں ''یوسف زلیخا'' نامی ایک اردو قلمی نسخہ موجود ہے۔ میرا خیال ہے کریم نے غالباً فدوی کی مثنوی کی نقل ہے۔

فدوی قطعات اور طویل بحروں کے لیے مشہور ہیں۔ وہ ہر وزن میں غزل بھی اچھی کہتے تھے۔ مصحفی نے دو صفحہ میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔ وہ اردو اور پنجابی دونوں میں شعر کہتے تھے۔

غالباً فدوی محمد یار خان کے ہاں ملازم تھے اور اس سلسلے میں وہ مصحفی، قائم اور دوسرے ادیبوں سے ملے۔ وہ ادبی مجلسیں نواب کی بداخلاقی کی وجہ سے بند ہو گئیں۔

فدوی نے ۵۰ سال کی عمر میں بمقام مرادآباد اس وقت وفات پائی جب کہ ضابطہ خان کو مرہٹوں کے ہاتھوں سکرتال کے مقام پر شکست ہوگئی تھی۔

فدوی:

قاسم اور شیفتہ ان کو مرزا فدائی بیگ کہتے ہیں۔ ان دونوں کے خیال میں وہ مغل شیعہ تھے اور کسی بقال کے بیٹے نہیں تھے۔ وہ عین جوانی میں ایران گئے اور اصفہان میں چار سال قیام کیا۔ ضابطہ خان کی ملازمت سے الگ ہونے کے بعد وہ دربار لکھنؤ سے منسلک ہوگئے۔

عشق کا بیان ہے کہ بریلی میں وہ قتل کر دیے گئے۔

فراق۔ حکیم ثناء اللہ خان:

وہ ہدایت خان کے بھتیجے تھے۔ مصحفی ان سے خوب واقف تھے۔ لکھتے ہیں کہ وہ ایک دلچسپ، خوش مذاق، ظریف اور عالی فکر نوجوان تھے۔ وہ شاعری میں خواجہ میر درد کے شاگرد تھے اور انھی کی صحبت میں انھوں نے اردو کی بہترین کتابوں کا مطالعہ کیا۔ وہ ایک مشہور طبیب تھے۔ وہ افغان نژاد تھے اور بعد میں خود بھی استادی کے مرتبہ پر پہنچ گئے۔ ''گلشنِ بے خار'' کے مکمل ہونے سے چند سال پہلے ان کا انتقال ہوا۔ کمال نے ان کے دیوان سے کئی غزلیں نقل کی ہیں، جن میں بڑی جدت اور دلکشی ہے۔ کمال نے یہ اشعار آفاق اور شہرت سے حاصل کیے جو فراق کے شاگرد تھے اور دہلی سے حیدرآباد دکن آئے تھے۔ قاسم نے فراق کے اشعار ۲۰ صفحات میں نقل کیے ہیں اور بنی نرائن نے ان کا ایک مخمس نقل کیا۔

سرور کے بیان کے مطابق وہ قدیم طرز کے شاعر ہیں اور خود انھوں نے ۱۰ صفحات میں ان کے اشعار دیے ہیں۔

فراق۔ خواجہ بہادر حسینی۔ لکھنوی:

ناسخ کے شاگرد تھے۔ وہ ایک دیوان کے مصنف ہیں، جس کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔

فراق۔ مرزا کیقباد بیگ یا جنگ بہادر:

وہ حیدرآباد کے ایک امیر تھے۔ اور دکنی میں شعر کہتے تھے۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

فراق۔ میر مرتضیٰ علی خان۔ دہلوی:

ذکا کے بقول ابتدا میں وہ محمد شاہ کے توپ خانہ میں ملازم تھے۔ اس کے بعد وہ غبن کے الزام میں راجہ

شتاب رائے کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اوران کا جیل میں انتقال ہوا۔

اس کے برعکس مصحفی کا بیان ہے کہ وہ مرشدآباد کے نواب محمد علی خان مہابت جنگ کے دربار سے منسلک تھے اور ان کا انتقال بھی وہیں ہوا۔انھوں نے زیادہ تر فارسی میں لکھا ہے۔سودا سے ان کے گہرے تعلقات تھے اورعلی ابراہیم، جنھوں نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں،ان سے واقف ہیں۔

فراقی:

وہ ایک دوسرے شاعر ہیں۔ وہ دکن کے رہنے والے تھے اور ولی اور آرزو کے ہم عصر تھے۔قائم نے ان کا ذکر کیا ہے اوران کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

فراقی۔کنور پریم کشور:

وہ کنور انند کشور کے بیٹے اور راجہ جگل کشور کے پوتے تھے۔ وہ مرشدآباد میں مقیم تھے اور انھوں نے لکھنو، بنارس اور کلکتہ کا سفر بھی کیا ہے۔

فراقی ارم کے شاگرد تھے اور اردو، فارسی دونوں میں شعر کہتے تھے۔انھوں نے ہندی میں دوہرہ اور کبت بھی کہے ہیں۔قائم نے ان کی اخلاقی اور ذہنی خوبیوں کی بڑی تعریف کی ہے۔

فرحت۔پنڈت کیدار ناتھ۔دکنی:

وہ متھان پرشاد بھی کہلاتے ہیں۔ ان کے والد بستی رام تھے اور ان کے استاد امانت۔محسن نے اپنے تذکرہ میں ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

فرحت۔شیخ فرحت اللہ۔مرحوم:

وہ شیخ اسداللہ کے بیٹے اور قاضی مظہر کے پوتے تھے۔ وہ مرزا شاہ بدیع الدین مدار ماوراالنہر کے خلیفہ تھے۔ ان کے متعلق مضمون۔ دیکھیے فقیروں کا ایک سلسلہ مداریہ کہلاتا ہے جس کے بانی شاہ مدار خیال کیے جاتے ہیں۔

فرحت:

وہ فرخ آباد میں پیدا ہوئے اور دہلی میں پرورش پائی۔ پھر مرشدآباد گئے جہاں بہادرعلی ایجنٹ گورنمنٹ آف بنگال کے ملازم ہوگئے۔ان کا وہیں انتقال ہوا۔محسن کہتے ہیں کہ وہ مکن پور میں پیدا ہوئے اور دہلی میں رہتے تھے۔

اسپرنگر کا بیان ہے کہ وہ فرحت اللہ دوسرے ہیں، جن کا ذکر سرور نے کیا ہے،لیکن میرا خیال ہے کہ یہ دونوں ایک ہی شخص ہیں۔ اسپرنگر کا بیان ہے کہ فرحت ایک اچھے شاعر تھے۔کئی دوسرے شعرا بھی ان سے

اصلاح لینے آتے تھے۔ بہر حال جن فرحت اللہ کا ذکر پہلے کیا گیا ہے وہ مرشد آباد میں نہیں بلکہ شورش کے بیان کے مطابق پٹنہ میں ۱۷۷۸ء میں فوت ہوئے۔

فرحت سراج الدین علی خان کے شاگرد تھے۔ انھوں نے کثرت سے شعر کہے ہیں اور ایک دیوان چھوڑا ہے۔ علی ابراہیم سے ان کے دوستانہ تعلقات تھے اور ان کا ذکر انھوں نے ۸صفحات میں کیا ہے۔

ان کا کلام متصوفانہ ہے اور وہ ہمیشہ یادِ الٰہی میں غرق رہتے تھے۔

فرحت۔ عظیم آبادی:

محسن نے اس ہندوستانی شاعر کا ذکر کیا ہے اور ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔

فرحت۔ منشی شنکر دیال:

وہ ایک ممتاز ہندوستانی مصنف ہیں اور حسین آباد کے امریکن مشن اسکول میں معلم تھے۔ انھوں نے حسب ذیل کتابیں لکھی ہیں۔

۱۔ ''شیوبران یا سواپرانہ''۔ یہ ایک اردو مثنوی ہے جو دہلی سے ۱۸۶۵ء میں چھوٹی تقطیع کے ۴۸صفحات پر شائع ہوئی ہے۔ میرے پاس اس کا ایک نسخہ ہے۔ اس کتاب کا ایک دوسرا اڈیشن بھی ہے جو لکھنو سے ۱۸۶۲ء میں ۴۸صفحات شائع ہو گیا ہے۔

۲۔ ''پریم ساگر'' کا اردو ترجمہ نظم میں کیا ہے۔ یہ ترجمہ لکھنو کے ''نول کشور پریس'' میں چھپی ہے اور اس کتاب میں چھوٹی تقطیع کے ۵۶صفحات ہیں۔ اس میں تشریحی تصاویر بھی ہیں۔

۳۔ انھوں نے تلسی داس کی ''رامائن'' کو منظور اردو میں لکھا، یہ کتاب کان پور سے ۱۸۶۶ء میں بڑی تقطیع کے ۱۶۴صفحات پر شائع ہوئی ہے۔ اس میں بھی کئی تشریحی تصاویر ہیں۔

۴۔ انھوں نے کچھ اور اشعار کہے ہیں۔ ان ہی میں ۵۱/اشعار وہ ہیں جن میں ہندوستان کی حالات بتائے ہیں۔ ان کی ایک نظم ۳۰/اشعار کی صوبہ اودھ کے جغرافیہ کے متعلق پہلی ستمبر ۱۸۶۹ء ''اخبار سر رشتہ تعلیم'' اودھ میں شائع ہوئی ہے۔

فرحت۔ میر امیر علی:

قاسم کے مطابق وہ سپاہی پیشہ اور لکھنو کے رہنے والے تھے۔ اوّل الذکر فرحت کی طرح وہ بھی عشق کے شاگرد تھے۔ لقب میں اختلاف ہونے کے باوجود اغلب یہ ہے کہ یہ دونوں ایک ہی شخص ہیں۔ اسپرنگران دونوں کو الگ الگ شخص بتاتا ہے۔

فرحت۔فرحت علی سید:

وہ سپاہی پیشہ آدمی تھے جس وقت کمال اپنا تذکرہ مرتب کررہے تھے تو وہ لکھنو میں تھے۔کمال نے ان کی دو غزلیں نقل کی ہیں اور انھیں جرأت کا شاگرد بتایا ہے۔سرور نے انھیں حکیم میر عزت اللہ عشق کا شاگرد بتایا ہے اور ان کے کلام کی بڑی تعریف کی ہے۔

فرخندہ علی:

انھوں نے ''قصہ بہرام گور'' لکھا ہے جو کہ ایران کا مشہور بادشاہ گزرا ہے اور جس کو شکار کا بہت شوق تھا۔یہ کتاب دہلی سے ۱۸۱۸ء میں چھوٹی تقطیع کے ۳۶صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

فرد۔مولوی وحیدالدین خان یا مولوی خدابخش خان:

وہ افغانوں کے ایک قبیلہ یوسف زئی سے تعلق رکھتے تھے۔ان کی پیدائش دربھنگا صوبہ بہار میں ہوئی لیکن وہ کان پور میں رہتے تھے۔ان کے والد محسن خان تھے اور ان کے استاد مصحفی تھے۔وہ ایک مدرسے میں معلم تھے اور بہت سے شاگرد رکھتے تھے۔جن میں علی خان غم اور بابو خان وغیرہ شامل ہیں۔وہ صاحب دیوان ہیں اور ان کی ایک غزل ہندوستان میں بہت مشہور ہے اس لیے کہ اس کے بہت شعر فحش ہیں۔

فرزند احمد:

وہ ایک ہم عصر مصنف ہیں۔انھوں نے حسب ذیل کتابیں لکھی ہیں۔

۱۔ ''گلبن منظوم''۔یہ مختلف دیوانوں کا انتخاب ہے اور پٹنہ سے ۱۸۶۸ء میں شائع ہوا ہے۔

۲۔ ''خلاصہ فیضِ صغیر''۔اس کتاب میں تذکیروتانیث اور ہجے وتلفظ پر بحث کی گئی ہے۔جو پٹنہ سے ۱۸۶۸ء میں شائع ہوئی ہے۔

فرزند علی۔سید:

انھوں نے ''اشرافات عرشیہ'' کے نام سے اماموں کی تعریف میں قصائد اور نظمیں مرتب کی ہیں۔یہ کتاب لدھیانہ سے ۱۱۴صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

فرسو یا فرنسو:

وہ اگوست(August)یا اگوستین(Augustin) کے بیٹے تھے۔وہ یورپین تھے اردو میں نازک اشعار کہتے تھے۔فرسو بیگم سمرو ملکہ سردھنہ معروف بہ زینت النسا یا زیب النسا کے دربار سے وابستہ تھے۔وہ حیرت خان دلسوز کے،جو ایک مشہور شاعر تھے،شاگرد تھے۔وہ پہلے میرٹھ میں رہتے تھے۔بعد میں مہارت کے

علاقہ میں تحصیل دار ہوگئے۔ سرور نے کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔اس کے بارے میں ایک دل چسپ مضمون Asiatic Journal کی جلد۱۵، ۱۸۳۶ء میں چھپا ہے۔

فرحت۔ مرزا الف بیگ۔ الہ آبادی:

ان کے جد امجد ایران سے ترک وطن کر کے ہندوستان تشریف لائے تھے۔

ابتدا میں فرحت مرزا محزون کے شاگرد تھے اور بعد میں جنون سے اصلاح لینے لگے۔ جن دنوں علی ابراہیم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو فرحت اللہ، الہ آباد کے سب سے مشہور شاعر تھے۔

فرحت نے ۱۸۱۴ء سے پیشتر لکھنو میں انتقال کیا ہے۔ انھوں نے ہندوستانی زبان میں نہایت ہی عمدہ اشعار کہے ہیں۔ بنی نرائن نے اپنے تذکرے میں ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔ یہ ایک عشقیہ غزل ہے اور اپنی زبان کے لحاظ سے بہت ہی دلکش اور شگفتہ ہے۔ کمال نے ایک اور غزل نقل کی ہے جس کو فلسفی خواجہ عباس نے ان کے پاس روانہ کیا تھا۔

فرقت۔ پنڈت دیبی پرشاد یا خوش ادا:

ان کا آبائی وطن کشمیر تھا لیکن لکھنؤ میں مقیم تھے۔ ان کے استاد امانت تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں، جن کے اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

فرقت۔ عطاء اللہ خان دہلوی:

وہ ہندوستانی شاعر تھے اور محمد یعقوب خان کے بھتیجے تھے۔ آپ کو میاں گلو کہتے ہیں۔ ان کے والد بادشاہ دہلی کے ملازم تھے اور وہ خود بھی سلطان کی جانب سے مغربی اور جنوبی علاقوں میں سفر کیا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد وہ کالپی میں ملازمت سے سبکدوش ہوگئے۔ قاسم نے ان کے متعدد اشعار اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

فرقتی:

وہ دہلی کے شاہی خاندان کے فرد ہیں اور آخری مغلیہ شاہنشاہ ابوظفر سراج کے شاگرد تھے۔ سرور ان کو ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے ہیں۔

فرہاد۔ میر بیر علی۔ فیض آبادی:

وہ سحر البیان کے مصنف میر حسن کے شاگرد تھے۔ ذکا انھیں شیر علی کہتے ہیں۔ سرور اور ذکا نے ان کو اردو شعرا میں شمار کیا ہے۔

فروغ۔خواجہ غلام مصطفیٰ لکھنوی:

وہ خواجہ محمد یحییٰ کے بیٹے اور میروزیر صبا کے شاگرد ہیں۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے، جس کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔

فروغ۔شاہ زادہ۔مرزا محمد عمر سلطان:

وہ مرزا قادر بخش صابر دہلوی کے بیٹے ہیں۔ یہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں۔ جن کا ذکر محسن نے کیا ہے۔

فروغ۔عنایت علی خان:

پٹنہ میں پیدا ہوئے اور کان پور میں رہتے تھے،۔وہ قادر علی خان کے بیٹے تھے اور ان کو شاہ زادی علو صاحبہ قدسیہ محل نے گود لے لیا تھا۔ان کے استاد احمد علی کامل تھے۔محسن نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

فروغ۔کرامت اللہ خان۔لکھنوی:

وہ حافظ اللہ خان کے بیٹے اور ناسخ کے ایک ممتاز شاگرد تھے۔انھوں نے ایک دیوان تصنیف کیا ہے جس کے چند اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

فروغ۔میر ثناالدین خان۔حیدرآبادی:

وہ ایک اور ہندوستانی شاعر ہیں،جن کا ذکر قاسم نے کیا ہے۔

فروغ۔میر علی اکبر:

ان کے والد کا نام کلیم شرف خان فروغ تھا۔وہ شمس الدین فقیر کے مرید تھے۔علم طب اور علم نجوم میں ماہر تھے۔وہ فارسی اور اردو میں شاعری کرتے تھے۔علی ابراہیم نے ان کے مندرجہ ذیل اشعار نقل کیے:

صفائے ساعد سیمیں کو دیکھ کر تیرے — گیا ہے ہاتھ سے اک دستِ اختیار مرا
حرمیں تو شب کو ہے آسودۂ قافلہ میں فروغ — بہ ہر نفس دل نالاں ہے بے قرار مرا
اب نالاں ہو اشب کو دل بیمار کہ بس — سن کے ہمسایہ پکارا پس دیوار کہ بس
گرچہ خمور یہ بست ہیں تیری آنکھیں — لیکن ایسے ہیں وہ دل لینے میں ہشیار کہ بس

''گلزار ابراہیم''،قلمی نسخہ،ص ۲۴۲۔کتب خانہ خاص

فریاد۔لالہ صاحب رائے آنجہانی:

وہ لالہ سندھی مل کایستھ کے بیٹے تھے۔ وہ ۱۱۹۶ھ/ ۸۰-۱۷۸۱ء میں لکھنو میں رہتے تھے۔ میر محمدی سوز کے شاگرد تھے۔ پہلے قربان تخلص کرتے تھے اور بعد میں فریاد اختیار کرلیا۔محسن نے ان کا ذکر کیا ہے۔

فریاد۔ مرزا مغل بیگ۔ مرحوم:

ان کے والد مرزا علی تقی بیگ لکھنوی ہیں۔ وہ مرثیہ گوئی میں میاں افسردہ کے اور غزل گوئی میں شیخ امام بخش ناسخ کے شاگرد ہیں۔ انھوں نے دو دیوان چھوڑے ہیں۔ ایک دیوان کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صرف تین ابیات کی غزلیں مرتب کی ہیں۔ وہ ضلع الہ آباد میں معمار تھے۔ محسن نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

فرید۔ بخش:

وہ پٹنہ کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے میجر Sunduland کی مدد سے شاہان شہنشاہ انگلستان کی ایک انگریزی تاریخ *Lives of English kings* کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ اس ترجمہ کا عنوان ''بادشاہانِ انگلستان'' ہے جو دہلی سے ۱۸۶۰ء میں ۱۴۶ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

فریدالدین۔ محمد:

انھوں نے محمدؐ کے معجزات پر ایک اردو کتاب لکھی ہے جس کا نام ''صیانت العوام'' ہے۔ یہ کتاب سید حسین کے ''اردو اخبار پریس'' دہلی سے ۱۸۵۱ء میں چھپی ہے۔

فسون۔ مرزا منجھی:

وہ مغلیہ خاندان کے شاہزادہ ہیں اور دہلی کے شاہی محلات میں رہتے ہیں۔

فسون:

وہ کریم کے مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے، جس میں وہ اپنی غزلیں سنایا کرتے تھے۔ یہ غزلیں بہت ہی شگفتہ اور رواں ہوتی تھیں۔

فصار:

وہ دہلی میں حجام کا کام کرتے تھے۔ اور شاعری میں میاں ناصر کے شاگرد تھے۔ ذکا نے ان کا ذکر کیا ہے۔

فصیح۔ مرزا جعفر علی۔ لکھنوی:

وہ میران ہادی لکھنوی کے بیٹے تھے جو کہ مکہ میں رہتے تھے۔ وہ ناسخ کے شاگرد تھے۔ انھوں نے زیادہ تر مرثیے لکھے ہیں۔ انھوں نے بہاؤالدین آملی بہائی کی تقلید میں ''نان نمک'' نامی ایک مثنوی بھی لکھی ہے۔ بہائی کی مثنوی کا عنوان ''نان وحلوہ'' ہے جو مولانا جلال الدین رومی کی مثنوی کے طرز پر لکھی گئی ہے۔ فصیح کی مثنوی لکھنو کے ''محمدی پریس'' سے ۱۸۴۶ء میں مرزا علی کے ہاتھوں چھپ چکی ہے۔ اس میں چھوٹی تقطیع

کے ۳۵ صفحات ہیں اور ہر صفحہ میں ۱۳۴ ابیات ہیں۔

''سراپا سخن'' کی تصنیف کے پہلے ان کا انتقال ہوا۔ ''سراپا سخن'' میں ان کے اشعار دیے گئے ہیں، شیفتہ اور عشقی نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔

فضا۔ گوبند پرشاد۔ لکھنوی:

وہ ایک کایستھ خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور دیبی پرشاد کے بیٹے تھے۔ ان کے استاد مندولال زار تھے۔ انھوں نے ایک دیوان چھوڑا ہے جس کے اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

فضا۔ مرزا محمد جعفر۔ لکھنوی:

مرزا بندہ حسن کے بیٹے اور مولوی محمد بخش شہید کے شاگرد تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں۔ جن کے اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔

فضائل۔ علی خان:

''مسرت افزا'' کے مصنف انھیں ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے ہیں۔

فضل علی:

انھوں نے ''مفید الاجسام'' کے نام سے علم طب کی ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ جو لکھنؤ ۱۲۷۴ھ/۸-۱۸۵۷ء میں چھوٹی تقطیع کے ۸۷ صفحات پر شائع ہوئی۔

فضل عظیم:

آپ ضلع میرٹھ میں سررشتہ دار ہیں اور ''مفید عام'' (چھوٹی تقطیع۔ ۱۱ صفحات) کے مصنف ہیں۔ یہ بچوں کے لیے ابتدائی نصاب کی کتاب ہے اور ''خالق باری'' اور ''النصاب الصبیان'' کے طرز پر لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کا اعلان ''اخبار عالم'' میرٹھ کی اشاعت مورخہ ۲۲۔ مارچ ۱۸۶۶ء میں شائع ہوا ہے اور اس اخبار کے مطابق یہ کتاب مندرجہ بالا دو کتابوں سے بہتر ہے۔

فضل۔ میر فضل مولا خان سید۔ لکھنوی:

آپ کے آباؤ اجداد عرب سے تشریف لائے تھے۔ آپ ہم عصر شاعر ہیں اور سرور اور شیفتہ نے آپ کی بڑی تعریف کی ہے۔ آپ نے دہلی میں اکبر شاہ بادشاہ دہلی کی شان میں ایک قصیدہ پڑھا تھا جس سے خوش ہو کر اکبر نے آپ کو ''افضل الشعرا'' کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ اس کے بعد آپ کلکتہ تشریف لے گئے اور وہاں سے مرشد آباد پہنچے جہاں آپ نے بڑی شہرت حاصل کی۔

فضل کوئی پر گوشاعر نہیں تھے لیکن آپ کے کلام کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اعلیٰ مذاق اور شیفتگی رکھتے تھے۔ آپ کی وفات ۱۸۲۲ء میں ہوئی ہے۔

فضلی۔شاہ افضل الدین خان۔دکنی:

چند تذکرہ نویس انھیں فضل الدین یا فضل علی کہتے ہیں۔ ان کی متعدد تصنیفات ہیں اور ان میں سے ایک کا نام ''مثنوی سراپا'' ہے۔ یہ کتاب ۵۰۰ اشعار کی ایک مثنوی ہے۔ جس میں فضلی نے دکن کے ایک شہزادے کے متعلق مکمل تفصیل پیش کی ہے۔ یعنی تذکرہ نویسوں نے فضلی کی صلاحیتوں کی تعریف کی ہے۔ لیکن میر کا خیال ہے کہ انداز بیان کافی دشوار ہے۔

فضلی۔فضل علی:

وہ محمد شاہ کے دور میں رہتے تھے۔ انھوں نے ''دہ مجلس'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ جو نظم ونثر میں ہے۔ اس کا انداز بیان اردو کے قدیم مصنفوں سے ملتا جلتا ہے۔ اس کتاب کا دوسرا نام ''کربل کتھا'' بھی ہے جس میں حضرت حسینؓ اور ان کے رشتہ داروں کی شہادت کے المناک واقعات درج کیے گئے ہیں۔ غالباً فورٹ ولیم کالج کے کتب خانہ میں جو قلمی نسخہ ہے وہ حیدری کی ''گل مغفرت'' کا نسخہ نہیں بلکہ میرے خیال میں یہ فضلی کے ''دہ مجلس'' کا قلمی نسخہ ہے۔ ''گل مغفرت''، ''روضۃ الشہدا'' کا جدید ترجمہ ہے۔ انھوں نے اس کتاب کو ۱۱۴۵ھ / ۳۱-۱۷۳۲ء میں لکھا ہے جب کہ ان کی عمر محض ۲۱ سال کی تھی۔ یہ کتاب نواب اشرف علی خان کی والدہ کی فرمائش پر لکھی گئی ہے۔ وہ ہر سال اپنے محل میں شہدائے کربلا کی یاد میں برسی منایا کرتی تھیں اور ان کی خواہش تھی کہ ''روضۃ الشہدا'' کا اردو ترجمہ کیا جاتا۔ یہ کتاب فارسی زبان میں ہے اور اس لیے عوام کی فہم سے باہر تھی اور بالخصوص عورتوں کو سمجھنے میں بڑی دشواری ہوتی تھی۔ اگرچہ فضلی کی کتاب کا نام ''دہ مجلس'' ہے لیکن اس میں بارہ ابواب ہیں اور اس کے علاوہ اختتام پر ایک ضمیمہ بھی ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر کے پاس اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ ہے جو دہلی سے ۱۸۵۰ء میں شائع ہوا تھا۔ مندرجہ بالا تفصیلات کریم کے ذریعے سے حاصل ہوئی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اس کتاب کو دورِ جدید کی کتابوں میں جگہ نہیں مل سکتی کیونکہ اس دور کی کتابوں کا انداز بیان زیادہ شگفتہ اور سلیس ہے۔

بہر حال کریم کے مطابق فضلی کی کتاب کو یہ فوقیت ضرور حاصل ہے کہ یہ ''روضۃ الشہدا'' کا اردو میں سب سے پہلا ترجمہ ہے۔ فضلی اہل تشیع تھے اور ''دہ مجلس'' کے علاوہ انھوں نے آئمہ کی شان میں متعدد مرثیے اور مدح لکھے ہیں۔

فطرت۔مرزا محمد۔لکھنوی:

انھوں نے Rev. Henry Martyn کے ساتھ انجیل کا اردو ترجمہ کیا ہے۔اس ترجمہ کے چند اڈیشن ہیں۔ایک اڈیشن سیرام پور سے ۱۸۱۲ء میں فارسی رسم الخط میں ،دوسرا کلکتہ سے ۱۸۱۷ء میں دیوناگری میں،تیسرا لندن سے ۱۸۱۹ء میں فارسی رسم الخط میں اور چوتھا کلکتہ سے ۱۸۳۷ء میں شائع ہوا ہے۔

فطرت نے G.Hadley کی ہندوستانی قواعد کے پانچویں اڈیشن کو درست کیا۔اس قواعد میں بنگال کے رسم ورواج کا ذکر کیا گیا ہے۔

ممکن ہے کہ یہ وہی فطرت ہوں جن کے اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔جن کی ایک غزل کمال نے بھی اپنے تذکرے میں درج کی ہے۔ باطن انھیں حکیم انیس یا انیسی کہتے ہیں۔ وہ خود بند خان کے لقب سے مشہور ہیں اور جے پور سے بھرت پور تشریف لے گئے تھے۔

جس وقت ''گلشن بے خزاں'' لکھا جارہا تھا وہ بھرت پور میں مقیم تھے۔

فغان۔اشرف علی خان۔دہلوی:

وہ ظرائف الملک کوکہ خان بہادر کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ وہ مرزا علی خان زنکنہ کے بیٹے اور مغل بادشاہ احمد شاہ کے کوکہ تھے۔ان کا شمار اردو کے ممتاز متقدمین شعرا میں ہوتا ہے۔ وہ ایک نرم دل آدمی تھے اور ان کی گفتگو بڑی پاکیزہ اور سلجھی ہوئی ہوتی تھی۔ وہ بڑے بذلہ سنج تھے اور شب وروز اس میں گزارتے تھے۔ مصحفی کا بیان ہے کہ وہ ندیم کے شاگرد تھے،فغان کے ایک شعر سے اس امر کی تائید ہوتی ہے۔

فغان:

میر ان سے پوری طرح واقف ہیں اور محسن وذکا کی طرح ان کا خیال ہے کہ وہ قزلباش خان امید کے شاگرد تھے۔ وہ اپنے چچا محمد ایرج خان سے ملنے کے لیے دہلی سے مرشدآباد گئے اور پھر دہلی واپس آئے۔ چندسال کے بعد وہ راجہ شتاب رائے کے ساتھ عظیم آباد گئے اور وہیں مقیم ہوگئے۔ فغان دربارشاہی کے خصوصی ملازموں میں سے تھے۔ شاہ جہان آباد کی بربادی کے بعد انھوں نے دہلی کے شرقی علاقہ اودھ کا رخ کیا، جہاں اپنے ایک ہم سبق میر نعیم کی مدد سے نواب اودھ شجاع الدین کے دربار میں پہنچے اور جن سے ان سے دوستانہ مراسم قائم ہوئے۔

اسپرنگر کا بیان ہے کہ دہلی محل میں وہ معلم تھے اور اس لیے ان کو ظریف یا ظرائف الملک کوکل خان کہتے ہیں۔ بقول کمال فغان کی وفات ۱۱۹۶ھ/۲-۱۷۸۱ء میں بمقام پٹنہ ہوئی اور وہیں دفن ہوئے۔ فغان نے

ایک قابل قدر اردو دیوان یادگار چھوڑا ہے۔علی ابراہیم ان سے واقف تھے اور اپنے تذکرے میں انھوں نے بارہ صفحات پر فغان کے اشعار نقل کیے ہیں۔ مصحفی نے اپنے تذکرہ میں بھی اشعار کا انتخاب چھ صفحوں میں دیا ہے۔ ان انتخابات میں دو ہجویں بھی ہیں۔ توپ خانے کے کتب خانے میں دیوان کا ایک نسخہ موجود تھا، جس میں دو سو صفحے میں اشعار تھے جن میں غزل اور قصیدے شامل ہیں۔

فغان۔میر شمس الدین:

یہ ہندوستانی شاعر دہلی میں رہتے تھے۔بنی نرائن نے ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔

مطلع:

پردۂ غفلت میں میرے پاس گر آتا ہے خواب
دیکھ میرے چشم تر کو رو کے پھر جاتا ہے خواب

''دیوان جہاں''(؟) ''سخن الشعرا''، ص ۲۷۷۔

فکر۔میر احمد علی۔لکھنوی:

یہ ایک ہندوستانی شاعر ہے، جس کا ذکر سرور نے کیا ہے۔

فگار۔پنڈت دیاشنکر:

وہ مہاراجہ سیرام پور کے محافظ دفتر تھے۔وہ ایک ہم عصر مصنف ہیں جن کا ایک مخمس میرٹھ کے ''اخبار عالم'' میں شائع ہوا۔(۱۹۔جولائی سنہ ۱۸۶۶ء)

فگار۔مرزا قطب علی بیگ۔دہلوی:

وہ امامیہ سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔سرور ان سے واقف تھے اور ان کے چند اشعار بھی نقل کیے ہیں۔ ان کا انتقال قاسم کے تذکرہ مکمل ہونے سے پہلے ہوا۔قاسم نے ان کے کئی اشعار نقل کیے ہیں جن میں تقلیدی رنگ نمایاں ہے۔

فگار۔میر حسین دہلوی:

وہ ایک ہم عصر اردو شاعر ہیں جن کا ذکر شیفتہ نے کیا ہے۔ان کے دادا فقیر اللہ فقیر عہد شاہ عالم کے ایک مشہور شاعر تھے جن پر اس کتاب میں ایک مضمون ہے۔ وہ مرزا اسداللہ خان غالب کے شاگرد تھے جن کا ذکر بھی اس کتاب میں شامل ہے۔ان کا ایک دیوان ہے جس کی خبر مجھے دہلی کالج کے پرنسپل بتروس (Boutros) نے دی ہے۔سرور نے ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔

فقیر۔میر بخش خان:

وہ حمید الدولہ قلی خان بہادر لکھنوی کے بیٹے ہیں اور محمد علی شاہ کے رضائی بھائی ہیں۔ وہ مشہور مرثیہ گو محمد حسن مذنب کے شاگرد تھے اور ہندوستانی میں شاعری کرتے تھے،ان کے اشعار کا ایک نمونہ محسن نے اپنے تذکرے میں پیش کیا ہے۔

فقیر۔محمد خان بہادر:

انھوں نے ''بستان حکمت'' کے نام سے ''انوار سہیلی'' کا اردو ترجمہ کیا ہے۔اس ترجمہ میں انھوں نے میر حسن سے مدد لی ہے۔ یہ کتاب لکھنو سے ۱۲۶۱ھ/ ۱۸۴۵ء میں شائع ہوئی ہے اور اس کے مشکل الفاظ کے معنی کی وضاحت کتاب کے حاشیہ میں کی گئی ہے۔ اس کتاب میں ۱۴/ابواب ہیں۔ اس کتاب میں غیر ضروری تفصیلات اور متعدد اغلاط ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اس کا ترجمہ لفظ بہ لفظ نہیں کیا ہے۔ اس کے علاوہ مترجم سے معلوم ہوا کہ ان کو ناسخ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ میں نے اس کتاب کا مطالعہ نہیں کیا ہے۔

میرا خیال ہے کہ ''بوستان حکمت'' جو شمالی مغربی صوبہ کے اسکولوں کے طلبہ کے نصاب میں شامل ہے، فقیر کے ''بستان حکمت'' سے مختلف ہے۔

فقیر۔محمد حسن:

انھوں نے ''عرض حاجات فقیر'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ یہ کتاب لکھنو ۱۲۷۳ھ/ ۱۸۵۷ء میں بڑی تقطیع پر ۲۴ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔ اس کا ایک دوسرا اڈیشن ہے جو کان پور سے ۱۸۶۲ء میں شائع ہوا ہے۔ اس اڈیشن کا عنوان انگریزی میں *Blessings* ہے۔

فقیر۔مولوی فقیر اللہ:

دلی کے رہنے والے تھے لیکن دہلی میں مقیم تھے۔(اسپرنگر کے مطابق کلاونٹی کے رہنے والے تھے۔ ۲۲۴ صفحہ [A.Catalogues]) وہ محکمہ تعلیم میں تھے اور شعر بھی کہتے تھے۔قاسم کہتے ہیں کہ وہ میر قمر الدین منت کے شاگرد تھے۔

جب ذکا اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے، وہ انتقال کر چکے تھے۔

فقیر۔میر شمس الدین:

وہ شاہ قدرت دہلوی کے بیٹے تھے اور سرور کے مطابق بنو عباس سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ فن شاعری کے

ماہر تھے اور انھوں نے فارسی زبان میں متعدد رسالے لکھے ہیں۔ ایک کا نام ''حدائق البلاغت'' ہے۔ جس کے طرز پر مولوی امام بخش نے اردو میں ایک دوسری کتاب لکھی ہیں۔ جس کا تعارف میں نے فرانسیسی میں کہیں کیا ہے۔ انھوں نے ایک نظم بارہویں امام کے شان میں لکھی ہے، اس کا نام ''معجزات آئمہ اثناعشری'' ہے۔ وہ مکہ اور مدینہ تشریف لے گئے تھے۔ وہاں سے واپسی پر کچھ ہی عرصہ بعد ۱۱۸۱ھ/۸-۱۷۶۷ھ میں انتقال کر گئے۔ لطف نے ان کے انتقال پر مندرجہ ذیل الفاظ سپرد قلم کیے ہیں۔

اسپرنگر(۲۰۸صفحہ [A.Cataloges]) نے غلام علی اظہر کے متعلق جو مضمون لکھا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فقیر مفتون تخلص کرتے تھے۔ وہ اردو زبان میں فکرسخن کرتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ میں نے ان کے نام کا اس کتاب میں ذکر کیا ہے۔

فقیر۔مولوی میر۔رام پوری:

حقیقی سید اور صوفی بزرگ ہیں۔ سرور نے ان کو ریختہ گوشعرا میں شمار کیا ہے۔ ممکن ہے یہ وہی شخص ہوں جن کا نام اسپرنگر نے ذکا کے حوالہ سے فقیر اللہ ہاپڑی بتایا ہے۔

فقیر۔میر فقیر اللہ:

وہ شاہ عالم کے دور کے ایک مشہور شاعر ہیں۔ انھوں نے ہندی میں زیادہ تر کبت اور دوھرے لکھے ہیں لیکن ریختہ (کریم کے طبقات کے مطابق) میں بھی غزلیں کہیں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ شاعر موجودہ میر فقیر اللہ سے، جو سرور کے گہرے دوست ہیں، مختلف ہیں۔

فلک۔میر بہادر علی یا میران صاحب۔لکھنوی:

وہ میر اکبر علی کے بیٹے اور فتح الدولہ محمد رضا خان برق کے شاگرد ہیں۔ وہ اپنے والد کی طرح ہندوستانی میں شعر کہتے تھے۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ان کی چند غزلیں نقل کی ہیں۔

فنا۔شیخ بابر۔لکھنوی:

وہ ایک مشہور نیزہ باز اور شیخ طاہر کے بیٹے تھے اور ہندوستانی زبان میں فکرسخن بھی کرتے تھے۔ محسن نے ان کی چند غزلیں اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔

فوق۔میر حسن:

وہ میر مولا علی کے بیٹے ہیں۔ فرخ آباد میں پیدا ہوئے اور لکھنو میں رہتے تھے۔ ان کے استاد میر وزیر صبا تھے۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جن کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرہ میں نقل کی ہیں۔

فہیم۔پنڈت سندر لال:

وہ پنڈت بدری ناتھ کے بیٹے تھے اور لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور کان پور میں رہتے ہیں۔ان کے استاد سید اسمٰعیل حسین منیر تھے۔محسن نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

فیاض۔عبدالرزاق۔حیدرآبادی:

وہ ایک دوسرے ہندوستانی شاعر ہیں،جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔

فیاض الحق:

انھوں نے ''قیامت نامہ'' کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ یہ کتاب دہلی سے ۱۸۶۸ء میں چھوٹی تقطیع کے ۱۶ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

فیض۔ظفر یاب الدولہ میر احسان علی خان بہادر:

وہ لکھنو کے رہنے والے اور سید محمد تقی خان کے بیٹے تھے جو کہ میر زین العابدین خان کے مصاحب تھے۔فیض میاں الماس کے دوست اور آتش کے شاگرد تھے،وہ صاحب دیوان ہیں۔محسن نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

فیض۔کرپا کرشن:

''معدنِ فیض'' کے مصنف ہیں،جو لکھنو سے ۶۴ صفحات پر شائع ہوا ہے۔

فیض۔کریم بخش:

وہ علی گڑھ کے قریب اترولی میں پیدا ہوئے تھے۔ان کے والد شیخ فتح علی تھے اور ان کے استاد کا نام ہدایت علی اسیر تھا۔وہ میرٹھ کی عدالت میں پیش کار کے عہدے پر مامور تھے۔محسن نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

فیض۔مرزا علی رضا خان:

یہ لکھنو کے شاعر ہیں جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔

فیض۔مولوی میر حافظ شمس الدین خان۔حیدرآبادی:

انھوں نے فارسی اور ہندوستانی میں شعر کہے ہیں۔جس کا ذکر باطن نے کیا ہے۔

فیض۔میر فیض علی۔دہلوی:

میر تقی میر کے بیٹے اور شاگرد ہیں۔وہ اپنے باپ کی طرح شعر و شاعری کا ذوق وشوق رکھتے تھے اور ان

کی شاعری میں میر کا رتبہ جھلکتا ہے۔۱۱۹۶ھ/۲-۱۷۸۱ء میں وہ لکھنو میں آصف الدولہ نواب کے پاس تھے۔علی ابراہیم نے اپنے ''گلزار'' کے لیے بنارس میں ان سے کچھ اشعار منگوائے۔ بنی نرائن نے ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔

فیض۔میر محی الدین:

وہ سید فخر الدین کے بیٹے اور زین العابدین کے پوتے تھے۔کریم نے غلطی سے اس مصنف کے متعلق دو مضامین لکھے ہیں۔ایک فائز کے تحت ہے اور دوسرا فیض کے۔ان کا سلسلہ نسب حضرت حسین سے ملتا ہے اور اسپرنگر کے مطابق ان کا سلسلہ نسب حضرت حسن سے ملتا ہے۔ان کا خاندان سمرقند سے منتقل ہو کر پرانی دہلی میں آباد ہو گیا تھا اور گیارہ بارہ پشتوں تک ان کے خاندان کے افراد معزز عہدوں پر فائز رہے ہیں۔سقوط دہلی کے بعد اس بدقسمت شہر کے بے شمار ممتاز باشندوں نے دہلی کو چھوڑ دیا اور ان کی طرح فیض اور ان کے رشتہ داروں نے بھی اس مقام کو خیر آباد کہہ کے بنارس کے ضلع میں غازی پور کے مقام پر سکونت اختیار کر لی۔

یہاں ڈاکٹر گلکرسٹ سے ملنے کا انھیں اتفاق ہوا اور مؤخر الذکر کے توسط سے وہ کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج میں ملازم ہو گئے۔ ان دنوں میں میر بہادر علی ہندوستانی زبان کے صدر منشی تھے۔ڈاکٹر گلکرسٹ کی خواہش کے مطابق فیض نے عطار کے ''پندنامہ'' کا ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء میں ایک منظوم ترجمہ کیا ہے جس کا نام ''چشمۂ فیض'' ہے۔یہ کتاب دہلی سے ۱۸۴۵ء میں شائع ہوئی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کتاب کا ایک دوسرا اڈیشن ۱۲۷۹ھ/۳-۱۸۶۲ء میں شائع ہوا ہے۔ اس کتاب کا ایک نیا ترجمہ نساخ نے کیا ہے۔اس کتاب کا قلمی نسخہ ولیم فالکنر کے پاس تھا۔ان کے انتقال کے بعد میں نے اس نسخے کو خرید لیا ہے۔یہ تمام تفصیلات مجھے اس قلمی نسخے سے معلوم ہوئی ہیں۔اس کتاب کے دیباچے میں عطار کی سوانح حیات قلم بند ہے، جو دولت شاہ کی دیباچہ میں موجود نہیں ہے۔مؤخر الذکر کتاب کو (S.de Sacy) نے فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔فیض کے دیباچہ سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مولانا جلال الدین رومی عطار سے ملنے کے لیے نیشاپور آئے تھے۔ان دنوں عطار بہت ہی معمر ہو چکے تھے۔

انھوں نے اس ملاقات میں مولانا روی کو اپنی کتاب ''اسرارنامہ'' کا ایک نسخہ بطور تحفہ پیش کیا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد رومی نے روحانیت اور تصوف کا رنگ اختیار کر لیا تھا۔فیض کے مطابق عطار نے بہت ہی طویل عمر پائی تھی اور ۱۱۴ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ان کا مزار نیشاپور میں ہے۔

میں نے ''منطق الطیر'' کے ترجمہ کے دیباچہ میں عطار کے مزار پر جو کتبہ ہے، اسے نقل کیا ہے۔ غالباً

فیض نے ایک کتاب ''انشائے فیض'' لکھی ہے جو کان پور سے ۱۸۵۰ء میں شائع ہوئی ہے۔

فیاض۔ میر ولی:

وہ ''روضہ شہادت'' کے مصنف ہیں جو کہ دکنی کی طویل نظم ہے اور جس میں حضرت حسن وحسین اور دوسرے شہیدان کربلا کا مرثیہ لکھا گیا ہے۔ یہ ۱۰ مجلسوں میں تقسیم ہے۔ یہ حسین واعظ کاشفی کی کتاب کی تقلید میں لکھی گئی ہے۔ لندن کے ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانہ میں اس کتاب کا ایک نسخہ موجود ہے، جس میں چھوٹی تقطیع کے ۳۵۰ صفحات ہیں۔ اس کا ایک اور نسخہ ایسٹ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں ہے۔ یہ کتاب ۱۱۵۸ھ/۴۵-۱۷۴۵ء میں لکھی گئی ہے۔

اس نام کی کئی اور نظمیں مختلف کتب خانوں میں ملتی ہیں۔ ان میں سے ایک ایسٹ انڈیا آفس میں ہے جو ۱۱۵۸ھ/۳-۱۸۶۲ء میں بالکوٹ بہار میں نقل کی گئی ہے۔ دکنی زبان میں اس نام کی ایک کتاب ہے، جس کا ذکر سیوا کے سلسلے میں کیا گیا ہے۔ اس موضوع پر ''روضۃ العطر'' نامی ایک اور نظم ہے جس کا ذکر ''قانون اسلام'' میں کیا گیا ہے۔

فیروز شاہ:

انھوں نے انگریزوں کا مقابلہ کیا۔ وہ مرزا ناظم اور آبادی بیگم کے بیٹے تھے۔ آبادی بیگم مرزا ناظم کی بیوی تھیں۔ مرزا ناظم شاہ عالم کے پوتے اور آبادی بیگم مرزا منگو کی بیٹی تھی۔ مرزا منگو بادشاہ اکبر شاہ کے چچازاد بھائی تھے۔ جن کے جانشین مغلیہ سلطنت کے آخری بادشاہ شاہ تھے۔ مرزا ناظم کا انتقال گیا۔ آبادی بیگم اپنے حسن، ذہانت اور قابلیت کے لیے بہت مشہور تھیں۔ انھوں نے ایک بڑے عالم مرزا علی محسن سے شادی کی جنھوں نے فیروز شاہ کی پرورش کی۔ آبادی بیگم اور فیروز شاہ سنہ ۱۸۵۵ء میں حج کے لیے مکہ گئے اور وہ سنہ ۱۸۵۷ء میں بمبئی واپس ہوئے تو وہاں کہرام مچا ہوا تھا۔ اس لیے وہ بمبئی سے گوالیار کے علاقہ مہو چلے گئے۔ جہاں باغی فوجیوں میں شامل ہو گئے۔ جس باغی گروہ میں فیروز شاہ شامل تھے۔ اسے ۱۰/ اکتوبر کو بہ مقام آگرہ شکست ہوگئی۔ ان کی والدہ انھیں دھولپور میں چھوڑ کر دہلی چلی گئیں اور دہلی سے سات میل کے فاصلہ پر بمقام شکار خانہ نظام الدین میں رہنے لگیں۔ فیروز شاہ آگرہ کی پسپائی کے بعد گوالیار آئے، جہاں انھوں نے باغیوں کی کمان سنبھالی اور کالپی، کان پور، لکھنؤ، روہیلکھنڈ میں مقابلہ کرتے رہے۔ بعد میں انھوں نے قندھار میں پناہ لی اور ایران کا رخ کیا جہاں سے زیارت مکہ کو روانہ ہوئے اور باقی عمر فقیری میں گزار دی۔

فیروز شاہ ایک خوش طبع شخص تھے اور اردو ادب سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔

فیض الحسن:

وہ ''تحفۂ فقیر'' کے مصنف ہیں۔اس کتاب کو حکومت برطانیہ نے سقوط دہلی کے بعد خرید لیا تھا۔فہرست میں اس کتاب کا نمبر ۱۰۷۱ ہے۔

فیض الکریم۔مولوی:

وہ ایک ہندوستانی ہم عصر مصنف ہیں اور کلکتہ کے رہنے والے۔انھوں نے ایک کتاب ''قصۂ حسن'' کے نام سے لکھی ہے جو حضرت علی کے صاحبزادے امام حسن کے متعلق ہے۔ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے صدر Mr.A.Grote کے بیان کے مطابق اس قصہ کو ڈرامے کی صورت میں کئی بار کلکتہ میں پیش کیا گیا ہے۔Grote نے اس کتاب کا ایک نسخہ مجھے بھی پیش کیا ہے۔

فیض اللہ محمد:

انھوں نے مندرجہ ذیل کتابوں پر نظر ثانی کی ہے۔

۱۔ ''بہار دانش'' کا منظوم ترجمہ جسے طپش اور میر شیر علی افسوس نے کیا ہے۔کتاب کئی بار کلکتہ اور آگرہ میں (۱۸۶۴ء) چھپی ہے۔

۲۔ ضیغم کی مثنوی ''کامروپ''۔

۳۔ انھوں نے ''خرد افروز'' کی ادارت کی ہے۔کلکتہ ۱۸۴۷ء۔۳۶۶ صفحات۔

فیضی:

وہ ایک قدیم ہندوستانی شاعر ہیں،جس کا ذکر قاسم نے کیا ہے۔میرا خیال ہے کہ یہ وہی شاعر ہیں،جن کو سرور فیض کہتے ہیں۔

فائز مسیح:

وہ ایک مسلمان تھے جو عیسائی ہو گئے تھے۔انھوں نے ''دس حکم'' کلکتہ ۱۸۲۲ء،ص ۱۳ کے نام سے اردو کتاب نظم میں لکھی ہے۔ وہ مراد آباد کے ایک مالدار ہندو زمیندار کے بیٹے تھے جنھوں نے اپنے بیٹے کو عربی،فارسی اور علمی قسم کی زبانوں کی تعلیم کے لیے ایک مشہور عالم کے پاس بھیجا تھا۔نواب اودھ نے ان کی تعلیم کو مفید خیال کر کے ملازم رکھ لیا۔اس مسلمان عالم کی تعلیم نے اس نوجوان کی آنکھیں کھول دیں اور وہ ہندو سے مسلمان ہو گیا اور فائز محمد اختیار کیا۔لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد معلوم ہوا کہ اسلام مکمل نہیں ہے،اس لیے انھوں نے عیسائیت کا مطالعہ کیا تا کہ وہ ان دونوں کا حل تلاش کر سکیں،جس میں اسلام ناکامیاب تھا۔وہ

پہلے ایک کیتھولک پادری کے پاس گئے چونکہ وہ اسلامی تعلیم کے زیر اثر تھے، اس لیے انھوں نے ان مورتیوں اور شبیہوں کو پسند نہ کیا جو اس پادری کے گھر میں موجود تھیں۔ اس کے بعد وہ کسی انگلک پادری سے ملے اور عیسائی ہو جانے کے بعد فائز کا نام قبول کیا۔

فتح اللہ۔ امیر شیرازی:

انھوں نے الغ بیگ کی کتاب ''لوح نجوم'' کو فارسی سے ہندی میں مشہور بادشاہ اکبر کی فرمائش پر منتقل کیا۔ اس کام میں فتح اللہ نے کئی بار کرشن جائسی، کنگادھر مہائسی اور مہانچھ سے مدد لی ہے۔ ابوالفضل نے بھی اپنی کتاب ''آئینِ اکبری'' میں اس موضوع پر لکھا ہے جتنا کہ اس کا خود بھی دعویٰ ہے۔

فدا۔ شیخ فدا حسین:

وہ شیخ کریم اللہ کے بیٹے اور مصطفیٰ خان شیفتہ کے سب سے اچھے شاگرد تھے۔ وہ ضلع بلند شہر کے ڈبائی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ وہ صاحب دیوان ہیں، ان کی چند غزلیں محسن نے نقل کی ہیں۔

فروغ۔ میر روشن علی خان دہلوی:

ممنون کے شاگرد، اکبر علی خان کے بیٹے اور امداد علی آشوب کے باپ تھے۔ میرا خیال ہے کہ وہ وہی مصنف ہیں جو متھرا کے تحصیل دار تھے اور جنھوں نے پنڈت موہن لال کے ساتھ ''پندنامہ کاشت کاراں'' لکھا ہے۔

قابل۔ مرزا علی بخت:

وہ دہلی کے ایک شاہزادہ اور ذوق کے شاگرد ہیں۔

قادر یار:

انھوں نے پنجابی زبان میں ''قصۂ پورن بھگت'' نظم کیا اور بعد میں اردو میں اس کا ترجمہ کیا۔ یہ ایک ۲۰ صفحات کی کتاب ہے جو لاہور سے ۱۸۶۳ء میں شائع کی ہے۔

قادر حسن:

وہ پانڈیچری کے رہنے والے ہیں۔ انھوں نے فارسی سے ہندوستانی میں چند افسانے ترجمہ کیے ہیں۔ اس ترجمہ کا ایک ۱۵ ر صفحات کا قلمی نسخہ میرے پاس ہے۔

قادر بخش:

انھوں نے ''مفید عام'' نامی ایک کتاب شائع کی ہے، جس میں ہندوستان کے مروجہ وقت، وزن اور ناپ کے پیمانے دیے گئے ہیں۔ یہ لکھنو سے ۱۲۷۶ھ/۱۸۵۹ء میں ۴۰ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔ انھوں

نے ''مختصر التجوید'' بھی لکھی جو قرآن کے صحیح پڑھنے میں مدد دیتی ہے۔ یہ کتاب دہلی سے ۱۸۶۷ء میں ۳۲ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

قادر۔ مولوی عبدالقادر۔ الہ آبادی:

وہ سید کرامت علی کے بیٹے ہیں۔ محسن ان سے واقف ہیں اور انھوں نے اپنے تذکرے میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

قادر۔ مرزا سرفراز علی۔ لکھنوی:

وہ مرثیہ لکھنے والے میر علی کے داروغہ اور طالب علی خان عیشی کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جن کے اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

قادر۔ میر قادر علی:

وہ ایک دوسرے ہندوستانی شاعر ہیں۔

قادر۔ میر عبدالقادر:

علی ابراہیم کے مطابق وہ دہلی کے رہنے والے تھے لیکن کمال کہتے ہیں کہ وہ حیدرآبادی تھے۔ کمال سے ان کی ملاقات رامپور کے ایک مشاعرے میں ہوئی تھی۔

یہ اردو شاعر جب ۵۰ کی عمر کو پہنچے تو دنیا ترک کر کے عبادت و ریاضت میں مصروف ہوگئے۔ شاید یہ وہی شخص ہیں جن کو فتح علی حسینی نے خلیل قادر یا قادری لکھا ہے اور دکن کا باشندہ بتایا ہے۔ ان کی تصنیفات سلیس اور قابل توجہ انداز بیان کی مالک ہیں۔ کمال کا خیال ہے کہ یہ دو مختلف آدمی ہیں اور ان کی ایک غزل بھی دی ہے۔

قادری۔ شاہ محمد:

انھوں نے ایک طویل مثنوی ''خزانۂ عبادت'' لکھی ہے۔ یہ مثنوی محمد چلبی کی ''محمدیہ'' کے طرز پر ہے۔ اس کا موضوع اسلام ہے۔ مرزا قاسم بیگ نے ۱۲۶۱ھ/ ۱۷۸۴ء میں لکھی گئی ہے۔ اس مثنوی کا ایک قلمی نسخہ میرے پاس ہے جو Mr.E.Sice نے بطور تحفہ دیا ہے۔

قاسم۔ سید عبدالقاسم۔ دہلوی:

وہ قادری کے نام سے بھی مشہور ہیں کیونکہ وہ عبدالقادر گیلانی کے سلسلے میں بیعت تھے، وہ اپنے کو ابوالقاسم حضرت محمدؐ کی نسبت سے کہتے تھے کیونکہ حضرت محمدؐ بھی قاسم نامی فرزند رکھنے کی وجہ ابوالقاسم کہتے تھے۔

قاسم حنفی مذہب اور مولانا خیر الدین کے مرید تھے۔ شعروشاعری میں وہ خواجہ احمد خان کے شاگرد تھے۔ انھوں نے حکیم محمد شریف خان سے طب پڑھی۔ وہ بچپن سے شعرگوئی کے شائق تھے اور ہدایت اللہ خان نے ان کی توجہ اس طرف دلائی۔

جب وہ اپنا تذکرہ مرتب کرر ہے تھے، اس وقت تک انھوں نے سات ہزار اشعار کہہ لیے تھے جو کہ ان کے دیوان میں موجود تھے۔ اس کے علاوہ دو مثنویاں ''قصہ معراج'' اور ''غوث صمدانی'' لکھ چکے تھے۔ ''قصۂ معراج'' میں قریباً ۳۵۰۰ اشعار ہیں اور ''غوث صمدانی'' میں ۵۲۰۰ اشعار۔

غوث صمدانی کی بحر وہی ہے جو ''بوستان سعدی'' کی ہے۔ اپنے تذکرے میں انھوں نے ۳۰ رصفحات میں اپنے اشعار دیے ہیں۔

انھوں نے ۱۲۲۱ھ/۷-۱۸۰۶ء میں اپنا تذکرہ مکمل کیا اور ''مجموعہ نغز'' نام رکھا۔ یہ فارسی میں ہے اور اس کا انداز بیان بڑا پُر شکوہ اور مقفی ہے۔ دیباچے میں شاعری پر طول طویل بحث کی ہے اور اس میں قریباً ۸۰۰ شعرا کا ذکر کیا ہے۔

کمال، سرور، شیفتہ اور کریم نے ان کی بڑی تعریف کی ہے اور ان کے ادبی ذوق اور زہد کو سراہا ہے۔ کریم کے مطابق ان کا انتقال ۱۰۹ سال کی عمر ۱۸۳۰ء میں ہوا۔ ۱۸۱۴ء میں کلکتہ میں رہتے تھے۔ بنی نرائن ان سے بخوبی واقف تھے۔ انھوں نے قاسم کو دہلی کے شاہی خاندان کا فرد بتایا ہے اور ان کی ۴ غزلیں بھی نقل کی ہیں۔ یہاں ان کی ایک صوفیانہ اور عشقیہ غزل دی جاتی ہے جو مسلمانوں میں خاص طور پر پسند کی جاتی ہے۔ (قاسم کے تذکرے کے علاوہ مختلف تذکروں کی چھان بین کی گئی لیکن یہ غزل دستیاب نہ ہوسکی۔ [مترجم])

غالباً وہ وہی قاسم ہیں جن کو میر نے مرزا لکھا ہے اور ایک شعر بھی نقل کیا ہے۔

قاسم۔ حکیم قدر یا قدرت اللہ خان:

ایک مسلمان حکیم ہیں جو شعروشاعری کا بڑا شوق رکھتے ہیں۔ وہ صاحب دیوان ہیں اور منولال نے ان کا حوالہ بھی دیا ہے۔

قاسم۔ سید قاسم علی خان:

عطا حسین خان تحسین کے بیٹے ہیں جو کہ ''نوطرز مرصع یا مرصع رقم'' کے مصنف ہیں۔ وہ ایک ممتاز شاعر اور اچھے موسیقار تھے۔ وہ ایک گاؤں میں تحصیل دار تھے، جس زمانے میں ''گلشنِ بے خار'' لکھا جارہا تھا، وہ لکھنو میں رہتے تھے۔

قاسم۔ میر قاسم علی خان۔ بریلوی:

شیفتہ شاید سید قاسم علی خان اور میر قاسم علی خان بریلوی میں فرق قائم نہیں رکھ سکے۔

قاسم علی:

انھوں نے اردو میں ایک نظم لکھی ہے جس کا عنوان ''حیرت افزا'' ہے۔ یہ کتاب ۱۸۶۲ء میں چھوٹی تقطیع کے ۲۴ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

قاسم دکنی:

وہ عزلت کے شاگرد ہیں۔ یہاں چند اشعار درج ہیں جو فتح علی حسینی نے نقل کیے ہیں:

دیکھ مجھ چہرۂ طلا کا رنگ　　اڑ گیا آج کہربا کا رنگ

میں ہار دیا جان تجھ مولسری کا　　اک دام بھی تجھ سے نہ لیا مولسری کا

مجھے اے سروقد تجھ ناز نے مارا نزاکت سے　　بجائے گل ہماری قبر اوپر ناز بو رکھیو

قاصر۔ مرزا بابر علی بیگ:

وہ دہلوی تھے لیکن لکھنؤ میں رہتے تھے۔ ان کے والد محترم مرزا رستم علی بیگ سمرقندی اور ان کے سالے ظفریاب خان تھے۔ ابتدا میں وہ ثناء اللہ خان فراق اور بعد میں مصحفی کے شاگرد ہوئے۔

وہ پہلے تجارت پیشہ تھے، بعد میں فوج میں منسلک ہوگئے۔ وہ مرشدآباد گئے وہاں سے پٹنہ اور کلکتہ ہوتے ہوئے دہلی پہنچے۔ انھوں نے اردو کا ایک دیوان یادگار چھوڑا ہے، جس کا حوالہ منولال نے اپنے گلدستے میں اور محسن نے اپنے تذکرے میں دیا ہے۔

قاضی۔ عبدالفتح:

سنبھل کے ایک سید ہیں۔ ایک ہندوستانی شاعر ہیں لیکن زیادہ تر آپ نے فارسی میں فکر سخن کی ہے۔ قیام الدین قائم نے آپ پر ایک ہجو لکھی ہے۔ جن دنوں قاسم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے، قاضی بقید حیات تھے۔

قانع:

وہ نواب ناظر خان کے پوتے تھے۔انھوں نے اردو اور فارسی میں شعر کہے ہیں۔

قائل:

دہلی کے ہندو تھے اور کھتری ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ بعد میں وہ مسلمان ہو گئے اور لکھنو میں رہتے تھے۔وہ ہندوستان کے نہایت ہی عمدہ فارسی مضمون نگار ہیں لیکن آپ کو اردو شاعری میں بھی کمال قدرت حاصل ہے۔ذکا نے ان کے اردو اشعار نقل کیے ہیں۔

قائل۔سید علی:

پٹنہ کے رہنے والے اور میر فضل علی یا میر مستان کے بیٹے ہیں۔وہ لکھنو میں رہنے لگے تھے،اس لیے کہ وہ شیخ فتح علی کے رشتہ دار تھے جو کہ نواب قدسیہ محل کے داروغہ تھے۔

لکھنو میں تھوڑے دن قیام کرنے کے بعد قائل کانپور چلے گئے۔ان کا انتقال کربلا میں ہوا جہاں وہ زیارت کے لیے گئے تھے۔ان کے استاد میر علی اوسط رشک تھے،وہ ایک دیوان کے مالک ہیں،جس کے چند اشعار محسن نے انے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

قائم،شیخ قائم علی:

وہ اناوہ کے رہنے والے تھے۔ پہلے فارسی میں شعر کہنا شروع کیا اور امیدوار تخلص رکھا۔بعد میں دوسروں کی طرح اردو شاعری شروع کی اور قائم تخلص رکھا۔ہ سودا سے ملنے کے لیے فرخ آباد گئے جو اپنے زمانے کے Longfellow تھے۔سرور اور ذکا نے ان کا ذکر کیا ہے۔

قائم۔شیخ قائم الدین علی یا شیخ محمد قائم:

وہ چاند پور یا ناریا میں پیدا ہوئے لیکن ان کا قیام دہلی میں تھا جہاں وہ توپ خانہ کے افسر تھے۔ ابتدائے جوانی میں ہی سے شاعری کا شوق تھا اور وہ اپنے دلکش اسلوب اور اعلیٰ خیالات کی وجہ سے بہت جلد مشہور ہو گئے۔اپنے زمانے میں وہ ادب کے نباض،ناقد اور صاحب رائے شخص تھے۔علی ابراہیم اور لطف کا بیان ہے کہ ان کی شاعری کا آغاز میر درد کی شاگردی سے ہوا جن کی وہ بڑی قدر اور عزت کرتے

تھے لیکن بعد میں محمد رفیع سودا کے شاگرد ہو گئے۔ میر ان سے واقف تھے۔ مصحفی کی ملاقات ان سے کڑا میں ہوئی جو نواب محمد یار خان کا مسکن تھا اور جو شاعروں اور ادیبوں کی مدد کرتے تھے اور خود شعر و شاعری سے دلچسپی لیتے تھے۔

قائم اور مصحفی ایک دوسرے کے دوست ہو گئے اس لیے کہ ان دونوں کا مذاق یکساں تھ۔ لیکن جب کڑا کی دولت لٹ گئی اور وہاں فیض اللہ خاں رام پور کے بادشاہ ہوئے تو قائم نواب محمد یار خان کے بیٹے کے پاس رہنے لگ جو کہ فوجی کمک کا انتظام کرتے تھے۔

قائم کی غزلوں کا ایک دیوان مرتب کیا گیا ہے جو بہت دلچسپ ہے۔ انھوں نے کئی مثنویوں کے علاوہ ایک تذکرہ ''مخزن نکات'' یا ''نکات الشعرا'' بھی لکھا ہے جو میر کے تذکرے کے تقلید میں ہے۔ مصحفی نے ان کے تذکرے کا نام ''طبقات الشعر'' بتایا ہے جو ایک دوسرے تذکرے کا نام بھی ہے۔ اس تذکرے کا ذکر محسن اور مصحفی نے کلیم کے سلسلہ میں کیا ہے۔

کمال ان کے شاگرد تھے اور انھوں نے ان کا ایک طویل تذکرہ بہ عنوان ''میاں شاہ قیام الدین'' لکھا ہے۔ کمال کے مطابق وہ اپنے زمانے کے بڑے ممتاز شاعر ہوئے ہیں اور صرف سودا کو ان کے مقابلے میں لایا جا سکتا ہے۔ انھوں نے قائم کے کلام کے بہت سے نمونے دیے ہیں جن میں حکایات، ہجویات اور عام لوگوں کے متعلق اشعار شامل ہیں۔ کمال کا بیان ہے کہ انھوں نے اپنے تذکرے کی تالیف میں قائم کے تذکرے سے بھی مدد لی ہے۔

قائم کے تذکرے کے تین باب ہیں۔ پہلا متقدمین۔ دوسرا متوسطین اور جدید۔ مجموعی طور پر اس میں ۱۱۰ شعرا کا ذکر کیا گیا ہے۔ انھوں نے ۱۱۶۶/۳-۱۷۵۲ یعنی میر فتح علی گردیزی کے تذکرے سے ۳ سال بعد اپنا تذکرہ لکھا لیکن انھوں نے ان تذکروں سے لاعلمی ظاہر کی ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان کا تذکرہ اردو شعرا کا پہلا ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر اسے صحیح خیال نہیں کرتے، اس لیے کہ قائم نے اکثر ان ہی شعرا کا ذکر کیا ہے، جن کا ذکر گردیزی نے کیا ہے۔

''مخزن نکات'' فارسی میں ہے اور یہ پہلا تذکرہ ہے جس میں سعدی کا ذکر اردو شاعر کے ساتھ کیا گیا ہے (جرنل ایشیاٹک۔ ۱۸۴۳، ۱۸۴۴ میں میرا مضمون دیکھیے)۔

شیفتہ کا بیان ہے کہ قائم کی بہترین شاعری قطعات اور رباعیات کی شکل میں ہے۔ لوگ کمال کے اس

خیال کو بھی احمقانہ سمجھتے ہیں کہ قائم اور سودا دونوں ایک درجے کے شاعر ہیں۔ قائم اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں دہلی چلے گئے، جہاں وہ شاہی ملازم ہو گئے۔ ان کا انتقال ۱۲۰۷/۱۲۱۰ مطابق ۱۷۹۲/۱۷۹۵ کے درمیان ہوا۔ لطف کے مطابق قائم کا انتقال ۱۲۱۰ھ میں ہوا۔ ''کلیات جرأت'' جو کہ میرے کتب خانے میں ہے، اس میں ایک قطعہ تاریخ ہے جس سے قائم کی وفات کا سال ۱۲۰۷ھ/۹۳-۱۷۹۲ء نکلتا ہے۔ قائم کے دیوان کے کئی نسخے ہیں۔ ایک لکھنو میں اور دوسرا کلکتہ میں جس کا ذکر ڈاکٹر اسپرنگر نے نواب اودھ کے قلمی نسخوں کی فہرست میں صفحات ۲۳۱ اور ۶۳۲ پر کیا ہے۔ علی ابراہیم کا بیان ہے کہ ۱۱۹۴ھ بمطابق ۱۷۸۰ء قائم اپنے آبائی وطن کے قریب رہتے تھے۔ مصحفی جو کہ ۹۴-۱۷۹۳ء میں اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے۔ بیان کیا ہے کہ قائم کا انتقال رام پور میں ہوا۔ مصحفی نے تقریباً دس صفحات پر قائم کے کلام کا انتخاب دیا ہے۔ میر نے چار صفحے، بینی نرائن نے ایک پورا مخمس دیا ہے۔ نوٹ: گارساں نے ایک مثنوی ''مثنوی عشقیہ درویش'' کے نام کی درج کی ہے۔

مثنوی بردیہ

سردی ان کے برس ہے اتنی شدید — صبح نکلے ہے کانپتا خورشید
ان دنوں چرخ پر نہیں ہے پر — گود میں کانگڑی اکٹھے ہو سپر
پاتی ہر جس جگہ کی کاتی ہے — سبز وہ شال کی رضائی ہے
دن کی کٹتی ہے دھوپ میں اوقات — کالے کمل میں رات کٹے رات
چرخ کی اطلسی قبا ہے ہمیش — نہیں یہ کہکشاں ہے دانا کیش
.... — بردوں سے اپنے اوڑھے ہے وہ گلا
برف کوچوں میں یوں پڑی ہے صاحب — جوں کہ اڑتا ہے پنبۂ نداف
کہرے کو دیکھ کہتے تھے سب یار — ٹھنڈے سے ہے ملک کے جی میں غبار
پر جو دیکھا ہے غور کریں آپ — نکلے ہے منھ سے آسماں کے بھاپ
باد چلتی ہے بس کہ تند اور سخت — روز و شب کانپتے رہے ہیں درخت
گرچہ سرمائے خاص و عام میں شل — پر کہوں کیا میں حال اہل دول
لپٹے رہتے ہیں روئی ہیں مجبور — جس طرح ناشپاتی و انگور

جا کے حلوائی کو جو دیکھ کہیں　　برتی چھت کچھ دکان میں اس کے نہیں

قائم اب سردی کا ہے یہ مذکور

شعر ہو گر خنک تو رکھ معذور

''گلشن ہند'' از لطف، ص ۱۹۶

قبول۔ جمعدار مقبول مرزا مہدی علی خان:

وہ لکھنو کے توپ خانہ کے داروغہ تھے اور نواب اودھ سے گہرے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ قبول ناسخ کے شاگرد اور ایک دیوان کے مالک ہیں، جن کی چند غزلیں محسن اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔

قبول محمد:

انھوں نے ''سحر ہلال'' نامی ایک مثنوی لکھی ہے۔ اس مثنوی میں تمام حروف بے نقطہ استعمال کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب لکھنو سے ۱۲۶۴ھ/ ۸-۱۸۴۷ء میں مسیحائی مطبع پریس میں چھپی ہے۔ اور اس کے حاشیہ میں ہندوستانی ''قصۂ گل وصنوبر'' چھپا ہوا ہے۔

قبول۔ عبدالغنی:

ان کا آبائی وطن کشمیر تھا لیکن وہ لکھنو میں رہتے تھے اور لکھنوی کہے جاتے تھے۔ انھوں نے عام طور پر فارسی میں اشعار کہے ہیں۔ اکثر فارسی تذکروں میں ان کا ذکر آیا ہے۔ وہ ہندوستان کے مشہور فارسی شعرا میں سے ایک ہیں۔ لیکن انھوں نے اردو میں بھی شعر کہے ہیں اور علی ابراہیم نے ان کے اشعار کا حوالہ بھی دیا ہے۔

قتیل۔ مرزا محمد حسین:

وہ مرزا قاتل کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ وہ پنجاب کے رہنے والے تھے لیکن لکھنو میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ سرور نے ان ذکر کیا ہے۔ ابتدا میں آپ کا ہندو مذہب سے تعلق تھا۔ لیکن بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ آپ کی فارسی تحریر بڑی شگفتہ تھی اور خاص طور پر انشا کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ ہندوستانی زبان میں فکرِ سخن بھی کرتے تھے۔ قتیل نے میر انشاء اللہ خان کی معاونت سے ایک اردو قواعد کی کتاب بھی لکھی ہے، جس کا نام ''دریائے لطافت'' ہے۔ یہ کتاب مرشد آباد میں ۱۸۴۸ء میں چھپی ہے۔

قدر یا قدر محمد:

وہ ایک شاعر تھے جو محمد شاہ کے دور میں رہتے تھے۔ تذکرہ نگاروں کے بقول وہ ایک عیاش اور دہریہ تھے اور آزاد منش شخص تھے۔ لیکن وہ ایک اچھے اور مشہور شاعر تھے۔

قدرت۔ منشی محمد قدرت اللہ خان:

وہ بنارس میں رہتے تھے اور بھوپال میں ملازم تھے۔ان کی مندرجہ ذیل تصنیفات ہیں:

۱۔ مناجات

۲۔ ایک دیوان

۳۔ ایک کتاب جس کا نام ''گلزار'' ہے۔

۴۔ ایک دوسری کتاب جس کا نام ''اظہار'' ہے۔

۵۔ ''ماجرائے قدرت''۔

۶۔ ''تماشائے قدرت''۔''اودھ اخبار'' نے اپنی اشاعت مؤرخہ ۳۰ را کتوبر ۱۸۶۵ء میں لکھا ہے کہ فردوسی نے ''شاہ نامہ'' کی تصنیف کرنے میں ۳۰ سال کا طویل عرصہ لیا لیکن قدرت نے محاربہ عظیم (۱۸۵۷ء) کے لکھنے میں صرف ۲ سال صَرف کیے ہیں۔ یہ کتاب ۲۶۲ صفحات میں ہے۔
اس کتاب کی تصنیف کرنے میں سرکاری مسودات سے کافی مدد لی گئی ہے اور یہ کتاب عام طور پر ''بغاوت ہند'' کے نام سے مشہور ہے۔

۷۔ ''اودھ اخبار'' کی اسی اشاعت میں قدرت کی ایک دوسری کا کتاب کا بھی اعلان ہے،اس کا عنوان ''تاریخ روم'' ہے۔ روم کو Greece کہہ سکتے ہیں لیکن عام طور پر اس ملک کو یونان کہا جاتا ہے۔اس کتاب کو عربی سے اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ممکن ہے یہ کتاب Goldamith کی *History of Rome* کا ترجمہ ہو۔

۸۔ دو مثنویاں جن کا نام ''سلسلۂ نظم'' ہے۔ایک مثنوی اودھ کے معزول شدہ شاہ محمد واجد علی کی شان میں لکھی گئی ہے اور اس کا نام قیصر ''شاہ اودھ'' ہے۔دوسری مثنوی کو ''مثنوی سلطان عالم'' کہتے ہیں۔

۹۔ اس کے علاوہ انھوں نے چار اور کتابیں بھی لکھی ہیں، جو بھوپال کی مرحومہ شاہزادی سکندر بیگم (اس سلسلے میں میر ۱۸۶۸ء کا Discours- دیکھیے) کی شان میں ہیں۔ یہ منظوم کتابیں ہیں اور ان کے نام ''آئینہ سکندری''، ''رضوان سکندی''، ''نو بہار سکندری''، ''مرات سکندری'' ہیں جو ہندوستان میں شائع ہوئی ہیں۔ واضح ہو کہ قدرت بھوپال صوبہ مالوہ میں ایک معزز عہدے پر فائز تھے۔''اوردھ اخبار'' کی اسی اشاعت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ قدرت نے ۱۱ مختلف کتابیں نظم ونثر میں لکھی ہیں اور وہ بنارس، بھوپال اور آگرہ شہر میں ایک مطبع کے مالک ہیں۔

قدرت۔ شاہ قدرت اللہ:

دہلی کے رہنے والے اور میر شمس الدین فقیر کے بھتیجے اور شاہ عبدالعزیز شکر بار کے بیٹے تھے۔ انھوں نے ایک ہندوستانی دیوان لکھا ہے جس کا محسن نے ذکر کیا ہے۔ جس دنوں ''سراپا سخن'' لکھا جا رہا تھا، وہ انتقال کر چکے تھے۔

قدرت۔ مولوی قدرت اللہ:

مصحفی کہتے ہیں کہ ان کے علاوہ ایک دوسرے مولوی قدرت اللہ بھی تھے جنھوں نے ''تذکرۂ ہندی'' لکھا ہے اور ۱۸۹۳ء میں رام پور میں رہتے تھے۔ وہ شوق کے تخلص سے زیادہ مشہور ہیں۔

قدرت۔ مولوی قدرت اللہ۔ دہلوی:

قاسم اور سرور انھیں شیخ قدرت اللہ کہتے ہیں۔ وہ عربی اور علم طب میں ماہر تھے۔ اور ہندوستانی زبان میں شاعری کرتے تھے۔ وہ دہلی میں رہتے تھے جہاں مصحفی کو ان سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ وہ ثناء اللہ خان فراق کے دوست اور شاگرد تھے لیکن قاسم کے بقول ان کے استاد محمد آصف تھے۔ ان کا انتقال ۱۸۳۴ء میں ہوا۔

قدرت۔ شاہ قدرت اللہ۔ دہلوی:

وہ مشہور مسلمان درویش فخر الدین زاہد کے خاندان کے فرد اور جانشین تھے اور عبدالعزیز شکر بار کے مرید۔ وہ ''حدائق البلاغت'' کے مصنف میر شمس الدین فقیر کے والد تھے اور مرزا جان جاناں مظہر کے شاگرد تھے۔ ان کا انتقال ۱۳۰۵ء میں مرشد آباد میں ہوا۔ انھوں نے ۲۰ ہزار فارسی اشعار کہے ہیں جو ایک دیوان کی شکل میں مرتب ہو چکے ہیں۔ ان کا رنگ مرزا بیدل کے رنگ سے ملتا جلتا ہے۔

عشق کا بیان ہے کہ قدرت آخر زندگی میں تیغ تخلص کرتے تھے۔ ان کا کلام قدیم طرز کا ہے اور شاعرانہ دلکشی اور انداز بیان کے لیے ممتاز ہیں۔ قدرت اپنے ہم وطنوں میں بھی کافی مقبول و مشہور تھے، اس لیے کہ وہ ان سے بڑے اخلاق و محبت سے پیش آتے تھے۔ وہ اپنے وقت کے مشہور مصنفین سے دوستانہ تعلق رکھتے تھے۔ جس وقت مصحفی اپنے تذکرہ لکھ رہے تھے، وہ مرشد آباد میں رہتے تھے۔ علی ابراہیم کے تذکرہ کے آغاز سے کچھ پہلے وہ دہلی سے مرشد آباد چلے گئے تھے۔ ان کے اردو اشعار جو تمام اوزان میں ہیں ایک دیوان میں جمع کر دیے گئے ہیں، لطف نے ان کے متعدد غزلیں نقل کی ہیں اور منو لال نے ان کا ایک طویل مخمس بھی نقل کیا ہے۔ بینی نرائن نے مندرجہ ذیل غزل نقل کی ہے:

حسرت اے جسم چمن ہم سے چمن چھوٹے ہے　　مژدہ اے شام غریبی کہ وطن چھوٹے ہے

''مجموعہ نغز''، جلد دوم، ص ۶

قدس۔ سید محمد رضا:

وہ فیض آباد میں پیدا ہوئے اور لکھنو میں رہتے تھے۔ ان کے والد سید علی مرزا اور ان کے خسر نواب ناصر الدولہ سید اسد علی خان بہادر شمشیر جنگ تھے۔ وہ شیخ امام بخش کے شاگرد تھے۔

انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جس سے چند اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

قدسی۔ سید محمد اکبر:

وہ شاہ علی جعفر کے بیٹے اور شاہ اجمل کے پوتے تھے۔ وہ الہ آباد میں پیدا ہوئے لیکن لکھنو میں چلے گئے تھے۔ یہاں ان کے استاد خواجہ حیدر علی تھے۔ وہ ایک دیوان کے مالک ہیں جن کے اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

قرار۔ شیخ جان محمد۔ لکھنوی:

وہ نواب اودھ کے ایک افسر تھے اور ان کے استاد شاہ ملول تھے۔ شیفتہ اور کمال نے ان کی غزلیں نقل کی ہیں۔

قرار۔ میر حسین علی۔ دہلوی:

وہ سید النسل تھے۔ سرور اور قاسم کہتے ہیں کہ وہ ایک جواں سال شاعر تھے جو ہندوستانی میں فکر سخن کرتے تھے۔ وہ میر نصیر الدین رنج کے شاگرد ہیں۔

قرار۔ بندہ علی خان۔ لکھنوی:

وہ محمد علی خان کے بیٹے تفضل حسین خان کے بھتیجے اور فتح الدولہ مرزا محمد رضا خان برق کے سالے اور میر کلو عرش کے شاگرد تھے۔ محسن نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کے چھ اشعار نقل کیے ہیں۔

قرار۔ میر محمد حسن۔ لکھنوی:

یہ ہندوستانی شاعر میر معصوم علی کے بیٹے اور مرزا علی بہادر کے شاگرد ہیں۔ محسن نے اپنے تذکرہ میں ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

قربان۔ میر جیون:

ان کو جیوں لکھنا بالکل غلط ہوگا۔ وہ سودا کے شاگرد تھے اور طبیعت کی موزونیت کے لحاظ سے شاعر اور

پیشہ کے طور پر فوجی تھے، وہ انگریزوں سے لڑتے ہوئے فیض آباد میں ایک گھمسان لڑائی میں مارے گئے۔
علی ابراہیم نے ان کے دو اشعار نقل کیے ہیں، جو ذیل میں درج ہیں:

یوں بندِ قبا کھل گئے جو آن میں گل کے — کیا پھونک دیا تونے صبا کان میں گل کے
کیا کچھ دلِ بلبل پہ کرے دیکھیے یہ عشق — سو چاک دیے جس نے گریبان میں گل کے

''تذکرہ شعرا'' از میر حسن مرتبہ شیروانی، ص ۱۶۱

قربان۔میر قربان علی۔عظیم آبادی:

وہ میر محمد قاسم خان کے بیٹے اور قدرت کے شاگرد تھے۔وہ صرف شاعر ہی نہیں تھے بلکہ موسیقی سے بھی کمال ذوق رکھتے تھے۔سرور کہتے ہیں کہ وہ عظیم آباد میں ۱۰۰ روپیہ ماہوار تنخواہ پر ناظم شہر کے ملازم تھے۔

قربان۔میر محمد دہلوی:

وہ میر کلو یا گلو حقیر کے بیٹے تھے۔جن دنوں قاسم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے۔وہ ایک جواں سال شاعر تھے لیکن انھوں نے ظفریاب خان کے پاس ایک فوجی کی حیثیت سے ملازمت اختیار کی۔وہ ثناء اللہ فراق کے شاگرد تھے۔اور غزل گوئی میں کافی شہرت رکھتے تھے۔وہ مہدی علی خان کے مشاعروں میں اکثر اپنی غزلیں پڑھتے تھے۔قاسم نے ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔

قربان علی:

انھیں کبیر علی بھی کہتے ہیں۔انھوں نے ایک کتاب ''تحفۃ المومنین'' بھی لکھی ہے جو اردو زبان میں مذہبی تعلیم کے متعلق ہے۔یہ لکھنو سے ۱۸۶۸ء میں شائع ہوئی ہے اور اس کے ۳۴ صفحات ہیں۔

قرین:

ان کا آبائی وطن کشمیر ہے لیکن لکھنو میں پیدا ہوئے تھے اور ہندوستانی زبان میں شعر کہتے تھے۔وہ حسرت کے شاگرد تھے اور شیفتہ نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔

قرین۔شیخ الٰہی بخش:

وہ ایک ہم عصر شاعر ہیں۔بابو ہری چندر کی کتاب ''غزلیات'' میں ان کی دو غزلیں بھی شامل ہیں جو بنارس کے ایک مجلس مقابلہ میں کہی گئیں تھیں۔(۱۸۶۸ء)

قسمت۔نواب شمس الدولہ:

وہ نواب درگاہ قلی خان کے خلف الرشید تھے اور دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔قسمت ایک قدیم خاندان

سے تعلق رکھتے تھے جو شجاعت اور بہادری میں بہت مشہور تھا۔ مصحفی کو ان سے ملنے کا اتفاق ہوا اور بعد میں وہ دونوں گہرے دوست ہو گئے۔ ابتدا میں قسمت میاں جعفر علی حسرت کو اپنا کلام دکھایا کرتے تھے لیکن ان کے انتقال کے بعد وہ مصحفی سے مشورۂ سخن کرنے لگے۔ وہ خاص طور سے سلام اور مرثیے کے لیے مشہور ہیں اور ان کو اچھے ہندوستانی شعرا میں شمار کیا جاتا ہے۔

قصد۔ محسن مرزا۔ دکنی:

وہ نظام حیدر آباد کے ملازم تھے۔ باطن انھیں ہندوستانی شاعروں میں شمار کرتے ہیں۔

قطب شاہ۔ عبداللہ:

وہ ۱۶۱۱ء سے لے کر ۱۶۷۲ء تک گولکنڈہ کے حکمران تھے۔ میرا خیال ہے کہ انھوں نے محمدؐ کے متعلق ایک مثنوی لکھی ہے جسے انھوں نے بارہ روز میں مکمل کیا (۱۰۱۸ھ/۹-۱۶۰۸)۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ایسٹ انڈیا لائبریری میں موجود ہے۔ یہ کتاب چھوٹی تقطیع پر ۱۳۰ صفحات میں ہے اور مختلف حکایتوں میں تقسیم ہے۔ اس کو حیدر آباد میں حاجی محمد رضا نے ۱۱۳۴ھ/۱-۱۷۳۰ء میں نقل کیا ہے۔ حاجی رضا مراد بیگ کے بیٹے اور محمد کریم کے پوتے تھے۔ مجھے معلوم نہیں کہ ''مجموعۂ قطب'' جو لاہور سے شائع ہوا ہے، وہ اسی مصنف کی کتاب ہے۔

قطب الدین۔ مولوی اور نواب محمد:

وہ ضلع رہتک کے رہنے والے تھے اور دہلی میں رہتے تھے۔ انھوں نے مندرجہ ذیل کتابیں لکھی ہیں:

۱۔ ''معدن الجواہر'': یہ کتاب دہلی سے ۱۸۴۳ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی ہے۔ یہ سو حدیثوں اور لقمان کے سو مقولوں کا ایک مجموعہ ہے۔

۲۔ ''تحفۃ الزوجین'': شوہروں کو اپنی بیویوں کو کس طرح کی مذہبی تعلیم دینی چاہیے، اس کے متعلق اس کتاب میں ہدایات درج ہیں۔

۳۔ ''عروس المومنین'': یہ کتاب مسلمان بیواؤں کی عقد ثانی کے متعلق لکھی گئی ہے۔

۴۔ ''مظہر جمال''۔

۵۔ ''مظہر حق یا مظاہر حق'': یہ مشکوٰۃ کا ترجمہ ہے۔ یہ کتاب میرٹھ میں شائع ہوئی ہے۔ اس کی چار جلدیں ہیں۔ ۲۰ جنوری ۱۸۵۹ء کے ''اودھ اخبار'' میں اس کتاب کا اعلان شائع ہوا۔

۶۔ ''ظفر خلیل'' جو ''حصن حصین'' کا ترجمہ ہے۔ یہ مسلمانوں کے حدیثوں کا مجموعہ ہے اور کان پور سے

۱۸۵۲ء میں شائع ہوئی ہے۔

۷۔ ''مفتاح الصلوٰۃ''۔

۸۔ ''احکام العیدین''۔

۹۔ ''ہادی الناظرین''۔ لکھنو سے ۱۶ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔

قلق۔ دہلوی:

یہ ایک دوسرے شاعر ہیں جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔ غالباً ذکا کے مطابق وہ نواب قلندعلی خان بہادر کے بیٹے ہیں۔ جن دنوں ذکا اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے، وہ جواں سال شاعر تھے۔ انھوں نے ایک واسوخت لکھا ہے جس کا نام ''واسوخت قلق نامہ'' ہے۔ محسن نے ان کے چھے اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

قلق۔ میاں عبدالولی شاہ:

وہ مدارس کے رہنے والے ہندوستانی شاعر تھے جن کا تذکرہ کریم نے کیا ہے۔ بہت ہی کم سنی میں وہ اپنے وطن کو چھوڑ کر حیدرآباد تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے چلے گئے تھے۔ وہاں انھوں نے نو سال تک قیام کیا اور سید علی شاہ اورنگ آبادی سے علم تصوف اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد ۱۸۴۵ء میں وہ دہلی چلے گئے اور وہیں کریم کو ان سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ ان دنوں قلق کی عمر ۳۰ سال تھی۔ وہاں انھوں نے شعر وسخن میں کمال شہرت حاصل کی تھی لیکن شومئی قسمت سے وہ چند معاملات میں کچھ اس طرح الجھ گئے کہ انھیں جیل جانے کی بھی نوبت آ گئی۔ (۱۸۴۷ء)

قلق۔ آفتاب الدولہ خواجہ اسد بہادر:

وہ خواجہ بہادر حسین فراق کے بیٹے، خواجہ مرزا خان اشکی کے پوتے اور خواجہ وزیر کے شاگرد اور بھتیجے ہیں۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے، جس کی غزلوں کو محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے۔ وہ دہلی کے ایک آخری شاہ کے بڑے دوست تھے۔ جن دنوں ''سراپا سخن'' لکھا جا رہا تھا، قلق لکھنو میں رہتے تھے۔

قلق۔ میر امجد علی:

محمد علی کے بیٹے تھے۔ وہ لکھنو میں پیدا ہوئے اور نواب امیر الملک کی جاگیر میں کھنڈورا کے ختم پر جو ضلع کالپی میں واقع ہے، رہتے تھے۔ ان کے استاد فخر الملک نواب میر منو بیتاب تھے۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے، جس کی چند غزلوں کو محسن نے نقل کیا ہے۔ انھیں متعدد نوجوان شعرا کی استادی کا شرف حاصل ہے جو بعد میں خود استاد بن گئے تھے۔

قلق۔ حکیم مولا بخش:

میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ وہ ایک ممتاز ہم عصر شاعر ہیں۔

قلق۔ خواجہ اسد:

وہ اہل شاعر ہیں اور ان کا ایک واسوخت فدا علی عیش کے ''مجموعہ واسوخت'' میں بھی شامل ہے۔

قلی قطب شاہ۔ یا قطب شاہ:

وہ حیدرآباد کے بانی ہیں اور ١٥٨١ء سے لے کر ١٥٨٦ء تک گولکنڈہ کے حکمران تھے۔ وہ ابراہیم قطب شاہ کے بیٹے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے بھائی محمد جانشین ہوگئے اور محمد کے بعد ١٦١١ء میں عبداللہ قطب شاہ نے گولکنڈہ کی حکومت کی باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں لے لی۔ مؤخرالذکر نے ہندوستانی شعرا کی سرپرستی اور ہمت افزائی کی ہے اور قلی قطب کی طرح وہ خود ہندوستانی زبان میں شعروسخن کرتے تھے۔ قلی قطب نے دکنی میں بہت شعر کہے ہیں جو ایک کتاب کی شکل میں محفوظ ہیں اور جس کا نام ''کلیات'' ہے۔ اس کتاب کا ایک نسخہ ٹیپو سلطان کے کتب خانہ میں تھا لیکن بعد میں یہ کتاب ایسٹ انڈیا آفس کے کتب خانے میں منتقل ہوگئی۔ یہ ایک نہایت ہی عمدہ ضخیم کتاب ہے اور اس کے ٣٣٦ صفحات میں مثنویاں درج ہیں اور ہر صفحے پر ١٤/١٢ اشعار ہیں۔ ١٠٠ صفحات پر قصیدے، ترجیع بند اور مرثیے وغیرہ ہیں اور ٨٦٠ صفحات میں غزلیات درج ہیں۔ کتاب کے آخر میں ١٢ صفحات پر رباعیاں ہیں۔ اس کتاب کا فہرست میں ٢١ واں نمبر ہے اور اس نسخہ کو ٢٢-١٠٢٢ھ/٣-٤-١٦١٣ء میں قلی قطب شاہ کے جانشین کے لیے نقل کیا گیا ہے۔

قلندر۔ لالہ بدھ سنگھ:

وہ ایک ممتاز ہندوستانی شاعر ہیں اور ہندو مذہب سے تعلق رکھتے تھے لیکن مسلمان رقاصہ پر ان کی طبیعت مائل ہوگئی اور اس کے خاطر اسلام قبول کرلیا تھا۔ اس کے بعد وہ فقیر اور قلندر ہوگئے اور اسی مناسبت سے وہ قلندر تخلص کرتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ مرشدآباد تشریف لے گئے اور شہامت جنگ کی ملازمت اختیار کرلی تھی۔

سرور، قائم اور کمال ان کو شاہ قلندر کہتے ہیں اور ان کے مطابق وہ جان جاناں مظہر کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ علی ابراہیم نے بھی ان کے اشعار نقل کیے ہیں اور بینی نرائن نے ان کی ایک غزل درج کی ہے۔

قلندر۔ شاہ غلام قلندر:

وہ ایک اور ہندوستانی شاعر ہیں جو مونگھیر کے قریب مکھڑا میں رہتے تھے۔

قلندر۔ قلندر بخش:

وہ امام ابوحنیفہ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور ضلع سہارن پور میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ایک ضخیم دیوان لکھا ہے، جس کا ذکر عشق نے کیا ہے۔

قلندر حسین۔ سید:

وہ محمد اکبر کے ساتھ مدراس سے ''اخبار کرنان'' نکالا کرتے تھے۔ یہ اخبار ۱۷ اکتوبر ۱۸۶۵ء سے نکل رہا ہے اور ہر مہینہ میں ۳ بار بارہ صفحات پر شائع ہوتا ہے۔

قمر۔ قمر الدین احمد۔ لکھنوی:

وہ روشن علی کے بیٹے اور خواجہ وزیر کے شاگرد ہیں۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں۔ جن کی چھ غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔

قمر۔ مرزا قمر طالع:

وہ مرزا ایزد بخش بہادر کے بیٹے اور ان کے استاد حافظ احمد ہیں۔ شیفتہ نے ان کے دیوان کا ذکر کیا ہے۔

قمر۔ حکیم قمر الدین علی خان۔ مرحوم:

وہ ایک دوسرے ہندوستانی شاعر ہیں لیکن اس سے زیادہ مجھے ان کے متعلق کوئی تفصیل معلوم نہیں ہو سکتی۔

قمر۔ منشی قمر الدین گلاب خان:

مرزا حسین کے بیٹے۔ وہ لکھنو میں پیدا ہوئے لیکن بنارس میں رہتے تھے۔ وہ ایک ہم عصر شاعر ہیں جن کا ذکر محسن نے کیا ہے۔

وہ مندرجہ ذیل مطبوعات کے مصنف ہیں:

۱۔ ''اسد الاخبار'': جو آگرہ کا اردو اخبار ہے جو ہر ہفتہ ''مطبع اسد الاخبار'' سے نکلتا ہے۔ اس میں عام طور پر مذہبی مضامین شائع ہوتے ہیں جو پیغمبر اسلام اور اولیائے کرام کی سوانح عمری اور قدیم مسلم مصنفین کی تحریروں کے اقتباسات پر مشتمل ہوتے ہیں۔

۲۔ ''معیار الشعرا'': جس میں قدیم وجدید شعرا کا کلام درج ہے۔ یہ رسالہ ہر مہینے میں دو بار شائع ہوتا ہے۔

۳۔ ''منتخبات گلستان'': یہ'' گلستان'' کا اردو ترجمہ ہے جس میں فارسی عبارت بھی شامل ہے۔ یہ کتاب Mr.H.B.Reid کی نگرانی میں اسکولوں کے لیے لکھی گئی ہے۔ ۱۸۵۴ء میں آگرہ سے چھوٹی تقطیع میں ۱۱۲ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔ ۱۸۵۷ء میں اس کتاب کا ایک بہت ہی بہتر اڈیشن آگرہ سے شائع ہوا ہے۔

۴۔ ''منتخبات بوستان'': آگرہ سے ۱۸۵۴ء میں ۲۱۴ صفحات پر چھوٹی تقطیع میں شائع ہوا ہے۔ ان دونوں کتابوں کے پہلے اڈیشن ہیں، دو ہزار نسخے چھاپے گئے تھے۔ یہ ہندوستانی ترجمے بہت ہی صحیح اور شگفتہ زبان میں ہیں اور اپنی ظاہری خوبیوں سے بھی مزین ہیں۔

۵۔ ''منتخبات دستور الصبیان'': یہ کتاب فارسی اور اردو زبان میں Mr.H.S.Reid کی نگرانی میں اسکولوں کے لیے لکھی گئی ہے۔ یہ آگرہ سے ۱۸۵۵ء میں چھوٹی تقطیع پر ۸۳ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔ یہ پہلے اڈیشن میں دو ہزار نسخے چھاپے گئے تھے۔ اس کے علاوہ ۱۸۵۹ء میں ایک دوسرا اڈیشن بھی شائع ہوا تھا۔ جس کے ۵ ہزار نسخے تھے۔

۶۔ ''منتخبات انشائے خلیفہ'': اس کتاب میں فارسی اور اردو عبارتیں ساتھ ساتھ ہیں اور آگرہ سے ۱۸۵۵ء میں ۱۲۰ صفحات پر چھوٹی تقطیع میں شائع ہوئی ہے۔

۷۔ ''انشائے خرد افروز'': یہ کتاب آگرہ سے شائع ہوئی ہے۔ اس کا دوسرا اڈیشن جو ۱۸۵۴ء میں چھوٹی تقطیع پر ۶۴ صفحات میں شائع ہوا اور اس میں ۳ ہزار نسخے ہیں۔ تیسرا اڈیشن ۱۸۵۸ء میں نکلا ہے اور اس میں دس ہزار کاپیاں ہیں۔

۸۔ ''منتخب انوار سہیلی'': اس کتاب میں'' انوار سہیلی'' کے آٹھویں اور گیارہویں ابواب کا اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ فارسی عبارت بھی نقل کی گئی ہے۔

۹۔ '' گلستان کا آٹھواں باب'': اس کتاب میں فارسی متن کے ساتھ اردو کا ترجمہ شامل ہے۔ یہ الہ آباد سے ۱۸۵۹ء میں چھوٹی تقطیع پر ۵۹ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔ ''گلستان'' کے دوا گلے باب کا کچھ عرصہ قبل ترجمہ کیا جا چکا ہے اور بریلی سے ۱۸۵۱ء میں نکلا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس کا کس نے ترجمہ کیا ہے۔

۱۰۔ ''منتخبات رقعات عالمگیری'': یہ کتاب اردو اور فارسی میں صوبہ شمال مغربی کے محکمہ تعلیمات کی طرف سے آگرہ سے ۱۸۵۷ء میں چھوٹی تقطیع پر ۴۸ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

۱۱۔ ''منتخبات ابوالفضل'': یہ کتاب بھی فارسی اور اردو میں ہے۔اس کے اندر مندرجہ ذیل انتخابات ہیں:

۱۔شاہ اکبر کے دس خطوط جو شاہ ایران وتوران کو لکھے گئے تھے۔

۲۔امرا اور روسا کے خطوط و معروضات اکبر کے نام۔

۳۔دیگر کتابوں کے اقتباسات اور خود مصنف کی انشا۔

اس کتاب کے دو اڈیشن ہیں۔ایک اڈیشن آگرہ سے ۱۸۵۶ء میں چھوٹی تقطیع پر ۳۶۸ صفحات میں شائع ہوا ہے اور دوسرا اڈیشن لاہور سے ۱۸۶۱ء میں بڑی تقطیع پر ۲۵۸ صفحات میں نکلا ہے۔اس کے علاوہ قمر نے چند فارسی کتابیں بھی لکھی ہیں۔

۱۔ ''قصۂ شمس آباد''۔

۲۔ ''قصۂ صادق خان'' جو''قصۂ سورج پور'' کا ترجمہ ہے۔

۳۔ ''منتخبات اخلاق جلالی''۔

۴۔ ''مقامات حریری کا سطر بہ سطر ترجمہ''۔اس ترجمہ کے حاشیے میں مولوی شمس الدین محمد نے شرح لکھی ہے۔

قمر۔رشید الدولہ ناصر الملک جعفر علی خان بہادر:

انھیں زبان زد عام میں چھوٹے آغا کہتے ہیں اور ان کا عرف رستم جنگ لکھنوی بھی ہے۔وہ مظفر الدولہ ظفر الملک کے نواسے تھے۔ وہ شعروسخن سے دلچسپی رکھتے تھے اور محمد بخش شاہد سے اصلاح لیا کرتے تھے۔انھوں نے ایک دیوان چھوڑا ہے جس کا محسن نے اپنے تذکرے میں ذکر کیا ہے۔

قمر۔مرزا باقر حسین۔لکھنوی:

وہ ایک دوسرے ہندوستانی شاعر ہیں جن کے اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔

قمر۔مرزا حاجی لکھنوی:

ان کو عام طور پر حاجی لکھنوی کہتے ہیں۔وہ منشی مرزا جعفر لکھنوی خان بہادر کے بیٹے تھے جو انگریزوں کو ہندوستانی زبان سکھایا کرتے تھے۔ قمر مرزا قاتل کے شاگرد تھے اور انھوں نے دو دیوان تصنیف کیے۔ایک اردو اور دوسرا فارسی زبان میں ہے۔

قمر۔شیخ جعفر علی۔لکھنوی:

وہ اصغر علی خان نسیم دہلوی کے شاگرد ہیں۔محسن نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

قمر علی:

انھوں نے علم طب کے متعلق ''زبدۃ الحکمت'' کے نام سے ابتدائی ایک مقالہ لکھا ہے۔اس کے لیے ایک اڈیشن کا اشتہار ۲۲/اگست ۱۸۶۷ء کے میرٹھ کے ''اخبارِ عالم'' میں شائع ہوا ہے۔ایک دوسرے اڈیشن کا ذکر Bruner's Literary Records (نمبر ۴۴) میں ہوا ہے جو لکھنو سے ۱۸۶۶ء میں نکلا ہے۔

قناعت۔مرزا غلام نصیر الدین:

وہ مرزا منجھلی بھی کہلاتے ہیں۔قناعت شاہ تیمور کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔انھوں نے ریختہ میں اشعار کہنے کے علاوہ ہندوستانی زبان میں ایک نہایت اچھی کتاب ''گلستان سعدی'' کے طرز پر لکھی ہے۔وہ عبدالرحمٰن احسان کے شاگرد تھے اور کریم کی ادبی مجالس میں اکثر شریک ہوتے اور اپنے اشعار پڑھا کرتے تھے۔شاید وہ غلام نصیر الدین ہی ہیں جو ملتان سے ''شعاع شمس'' کے نام سے ایک اردو کا اخبار نکالتے ہیں۔

قوت۔مرزا احمد علی:

وہ جرأت کے بیٹے تھے۔کسی حد تک انھوں نے اپنے والد کی صلاحیتیں ورثے میں حاصل کی تھیں۔کمال ان کی اخلاقی خوبیوں اور ذہنی صلاحیتوں کی تعریف کرتے ہیں اور انھوں نے ان کے چند اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

قیس:نواب ہادی علی خان۔لکھنوی:

وہ صمصام الدولہ مرزا حاجو بہادر نیشاپوری کے بیٹے تھے۔محسن نے ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔

قیس۔حکیم باقر۔لکھنوی:

وہ شیخ قاسم علی کے بیٹے اور میر وزیر صبا کے شاگرد تھے۔وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں،جن کے اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔

قیس۔شیخ کاظم علی:

وہ لکھنو کے ضلع پرگنہ نواب گنج کے جگور نامی گاؤں میں رہتے تھے۔ان کے والد شیخ وحدت علی تھے اور ان کے استاد میر علی اوسط رشک تھے۔قیس ایک دیوان کے مالک ہیں۔

قیس۔مرزا احمد علی بیگ یا مدار بیگ:

وہ مرزا مراد علی بیگ کے والد اور داؤد بیگ کے بیٹے تھے جو ایک دولت مند تاجر تھے۔مرزا عقیل بیگ ان کے دادا تھے جو امام علی موسیٰ رضا کے مقبرے کے محافظ تھے۔ان کا آبائی وطن مشہد تھا لیکن وہ لکھنو میں

ہوئے اور فیض آباد میں ان کی جوانی گذری۔ قیس ایک تاجر اردو شاعر تھے اور جعفر علی حسرت سے مشورہ لیتے تھے۔ مصحفی نے یہ تمام تفصیل دی ہے اور ڈیڑھ صفحہ میں ان کے کلام کا نمونہ دیا ہے۔ شیفتہ کہتے ہیں کہ ان کا انتقال لکھنو میں ہوا۔

قیصر۔ مرزا محمد خورشید قدر:

یہ اردو شاعر دہلی کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ مرزا محمد قدر بہادر کے بیٹے ہیں اور جو کہ جہاں دارشاہ کے پوتے تھے۔ ان کے استاد مشہور مرثیہ نگار گوہر علی کے مدیر تھے۔ قیصر نے بہت کم اشعار کہے ہیں، اس لیے کہ وہ شاعری سے زیادہ تاریخ سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان کا ایک واسوخت، ''واسوخت قیصر'' کے نام سے اس ''مجموعہ واسوخت'' میں شامل ہے جو ۱۸۴۹ء میں دہلی سے شائع ہوا۔ محسن کے تذکرے میں ان کی ایک غزل بھی ہے۔

قسم۔ محمد جعفر علی خان:

وہ ایک اردو شاعر ہیں، مجھے صرف ان کا نام معلوم ہے۔

قناعت۔ مرزا محمد بیگ لاہوری:

وہ حسن بیگ کے بیٹے اور مرزا جعفر علی حسرت کے شاگرد تھے۔ ۱۱۹۷ھ/۲-۱۷۸۱ء میں لکھنو میں رہتے تھے۔ وہ ہندوستانی شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔

کاشف۔ سید محمد حسین خان:

وہ شاہ مرزا کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے والد سید حسین خان تھے جو سید مختار الدولہ عمدۃ الملک سید باقر علی خان ہیبت جنگ، کے بیٹے تھے جن کے آباؤ اجداد ماژندران کے رہنے والے تھے لیکن کاشف لکھنو میں پیدا ہوئے اور وہیں رہتے تھے۔ ان کے استاد مولوی محمد بخش شہید تھے۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ان کا ذکر کرتے ہیں اور ان کی ایک لمبی غزل نقل کرتے ہیں۔

کاشف۔ شیخ کاشف علی:

شیخ محمد علی کے بیٹے تھے۔ وہ لکھنو میں پیدا ہوئے لیکن کانپور میں رہتے تھے۔ وہ مرزا محمد حسین کے شاگرد تھے جن کو چھوٹے صاحب بھی کہتے ہیں۔ محسن اپنے تذکرے میں ان کے چند اشعار نقل کرتے ہیں۔

کاشی داس میر۔ بابو:

بنارس کے اردو اخبار ''آفتاب ہند'' کے مدیر تھے، بعد میں اس اخبار کے مدیر بابو گوبند ناتھ شیرالی یا تھتی

ہو گئے۔ یہ اخبار بہت عمدہ تھا اور اس میں ادبی اور علمی مضامین نکلتے تھے۔ اس اخبار میں رنگون، کلکتہ، بمبئی، چین، نیپال وغیرہ کی خبریں شائع ہوتی تھیں۔ مقامی خبروں کے علاوہ تاریخ ہند، طبابت، علم کیمیا اور علم نجوم پر بھی مضامین نکلتے تھے۔ یہ اخبار پندرہ روزہ ہے اور ۳۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ میرے پاس ۲ دسمبر ۱۸۵۵ء کو ایک کاپی ہے۔

کاشی دیال:

یہ مندرجہ ذیل کتب کے مصنف ہیں:

۱۔ ''مفتاح الدقائق'': یہ ایک طبی رسالہ ہے جو عربی سے ترجمہ کیا گیا ہے اور ۱۸۴۹ء میں بنارس سے چھوٹی تقطیع پر شائع ہوا ہے۔

۲۔ ''سراج الہدایت'': جو بنارس سے ۱۸۴۹ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوا ہے۔

کاشی ناتھ۔ لالہ:

وہ انبالہ کے رہنے والے تھے اور ایک اچھے ریاضی دان تھے لیکن شاعر اچھے نہ تھے۔ سرور نے اپنے تذکرے میں ان کا ذکر کیا ہے۔

کاشی ناتھ۔ پنڈت:

وہ پٹیالہ کے رہنے والے تھے اور نرندر رائے کے بیٹے تھے۔ شورش ان کو ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے ہیں۔ انھوں نے ''اخلاق کاشی'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ یہ کتاب مسلم گھرانوں اور ہندو مسلم مدرسوں کے لیے لکھی گئی ہے۔ اس میں فارسی کی ان تمام اچھی کتابوں کے اثرات ملتے ہیں، جن کے نام ''اخلاق جلالی''، ''اخلاق ناصری'' اور ''اخلاق محسنی'' ہیں۔ Kempson نے اس کو محکمہ تعلیم کے لیے منظور کر کے مصنف کو انعام دیا تھا اور حکومت نے ۱۰۰۰ نسخے خریدے تھے۔

کاظم۔ منشی کاظم الدین:

وہ دکن کے ایک مصنف ہیں جنھوں نے ''سہراب'' کا اردو میں منظوم ترجمہ کیا ہے۔ ''سہراب'' فردوسی کے ''شاہ نامہ'' کا ایک حصہ ہے Mr.J.Atinson نے ''سہراب'' کا انگریزی زبان میں ایک نہایت ہی عمدہ ترجمہ کیا ہے اور اس سے پتا چلتا ہے کہ اس قصہ کو مشرق میں جو شہرت حاصل ہے وہ بالکل بجا ہے۔ کاظم نے ''سہراب'' کا ترجمہ اپنے ماخذ کی بحر کے مطابق کیا ہے اور اس کا نام ''جنگ نامہ سہراب و رستم'' ہے۔ اس کتاب کا ایک نسخہ جو اس سے پیشتر Sir Gravel Chamney Haughton کی ملکیت میں تھا، آج کل میرے پاس ہے۔

کاکل شاہ۔ دہلوی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو آبرو کے ہمعصر تھے۔ جوانی ہی سے دنیا ترک کر کے فقیر ہو گئے۔ ان کی کوٹھی سعداللہ خان کے بازار میں تھی۔ علی ابراہیم نے ان کا ایک شعر نقل کیا ہے۔

کافر۔ میر علی نقی۔ دہلوی:

چند تذکرہ نگاروں نے ان کو تقی لکھا ہے۔ وہ ایک مشہور خاندان کے سید تھے اور ہندوستانی میں شاعری کرتے تھے۔ شروع میں تسکین، پھر جنون اور آخر میں کافر تخلص رکھتے تھے۔ علی ابراہیم کے بقول وہ 'کافر قطعہ' کے نام سے بھی مشہور ہیں کیوں کہ جب وہ شعر پڑھتے تھے تو بار بار یہ کہتے تھے کہ یہ ایک قطعہ ہے۔ اور اسی لحاظ سے ان کے مجموعۂ کلام کا نام ''کافر قطعہ'' ہے۔ وہ ایک فوجی تھے اور میر اور فتح علی حسینی کے خاص دوست تھے۔ میر کا بیان ہے کہ وہ ریختہ کے مشاعرے اپنے ہاں کراتے تھے۔ علی ابراہیم نے مرشدآباد میں ان سے ملاقات کی تھی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کافر کو کوئی بڑا شاعر نہیں سمجھتے تھے۔

کافی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کی ایک ہزل لکھنو کے'' وفات نامہ'' میں شامل ہے۔ انھوں نے ''خیابان فردوس'' بھی لکھا ہے۔ یہ کلام ۱۲۶۷ھ/۱-۱۸۵۰ء میں لکھنو سے شائع ہوا ہے اور ۴۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

کالی چرن۔ بابو:

۱۔ وہ بریلی کے اردو اخبار ''بریلی ریویو'' میں مدیر ہیں جو Rohelkhand Litrary Society کے پریس سے نکلتا ہے۔ اور پبلک انسٹرکشن کے ڈائریکٹر Mr.Kempson نے اپنی رپورٹ مؤرخہ ۱۹ مؤرخہ ۱۸۶۹ء میں اس اخبار کا ذکر کیا ہے۔

۲۔ ''گلدستۂ تہذیب'' یہ Rohelkhand Litrary Society کی طرف سے اردو میں مدرسوں کے لیے شائع کیا گیا ہے (بریلی ۱۸۶۸ء) چھوٹی تقطیع۔ ۸۰ صفحات

۳۔ ''راستری دھرم سنگرہ''۔ یہ تاراچند کی سنسکرت کتاب کا ترجمہ ہے۔ روہیلکھنڈ سے ۱۸۶۸ء میں ۸۴ صفحوں میں چھپ چکی ہے۔

۴۔ ''مخزن العلوم''۔ یہ ایک اردو کا ماہانہ رسالہ ہے جو بریلی سے لٹریری سوسائٹی روہیلکھنڈ کی زیر نگرانی نکلتا ہے۔ یہ سوسائٹی الہ اباد میں ہے۔

۵۔ ''امثال فارسی''۔ حصہ اول اور امثال اردو ہندی۔ حصہ دوم۔ روہیلکھنڈ سے ۱۸۶۸ء میں ۱۲۶ صفحوں پر شائع ہوا ہے۔

۶۔ ''گنت سار''۔ ہندی میں ہے اور بریلی سے ۱۸۶۸ء میں ۴۸ صفحوں پر چھپا ہے۔

کالی پرشاد بنرجی:

وہ بنارس کے مطبع ''باغ وبہار'' کے مہتمم اور'' اخبار باغ وبہار'' کے مدیر ہیں۔ اس اخبار کے مدیر پہلے کیدارناتھ گھوش اور کالی پرشاد دونوں تھے لیکن ۱۸۵۱ء سے صرف کالی پرشاد بنرجی ہیں۔ اس کا ایک حصہ صوبہ شمالی سرحد کے صدر دیوانی عدالت کے فیصلوں کے لیے مختص ہے اور دوسرے حصے میں روزانہ کی خبریں شائع ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ علم طب، تاریخ ونجوم کے متعلق بھی اکثر مضامین نکلا کرتے ہیں۔

کالی پرشاد نے ۱۸۵۱ء میں بنارس کے راجہ، مہاراجہ اشری پرشاد نراین سنگھ کے لیے ہندی میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا عنوان ''رکمنی ہرتی'' ہے۔

کالی کرشنا۔ راجہ کالی کرشنا بہادر:

وہ کلکتہ کے سوبھا بازار کے رہنے والے ہیں۔ وہ ایک ہندو عالم ہیں اور ۱۸۰۵ء میں پیدا ہوئے۔ کالی کرشنا ادب کا بڑا ذوق رکھتے ہیں اور کامیاب ادیب ہیں۔ وہ راجہ راج کرشنا کے بیٹے اور راجہ نوا کرشنا کے پوتے ہیں۔ وہ یورپی اور خاص طور پر انگریزی ادب کے دوست ہیں۔ یہ ان مشرقی لوگوں میں ہیں جو مغربی ادب کا مطالعہ کررہے ہیں۔ انھیں مستغرب (Occidentalist) کہہ سکتے ہیں اور کالی کرشنا سب سے زیادہ مستغرب ہیں۔ وہ ایک مطبع کے مالک ہیں جس سے وہ کتابیں چھپتی ہیں جنھیں کالی کرشنا شائع کرتے ہیں۔ انھوں نے جوانی ہی سے ایسی کتابیں شائع کرنی شروع کردی تھیں جو تعلیمات کے لحاظ سے کافی قابل قدر ہیں۔ اسی لیے کلکتہ، لندن اور پیرس کی ایشیاٹک سوسائٹی نے انھیں اپنا ممبر بنایا ہے اور انھوں نے برٹش گورنمنٹ اور دوسرے نوابوں سے انعام اور خلعت پائے ہیں۔

لیکن اس کتاب میں وہ صرف ہندوستانی مصنف کی حیثیت سے پیش کیے گئے ہیں اور اسی لیے ہم ان کی انگریزی وبنگالی تصانیف کا ذکر نہیں کرتے۔ اس کتاب میں کسی دوسری جگہ ہم ان کے برج بھاشا کے ایک ترجمے کا ذکر کریں گے جو'' بیتال پچیسی'' سے کیا گیا ہے۔ ان کی دوسری کتابیں سنسکرت، انگریزی اور بنگالی میں ترجمہ ہوئی ہیں۔ ان کی ہندوستانی کتابیں یہ ہیں۔

۱۔ ''مجمع لطائف''۔ یہ دوسری زبانوں کی خاص طور پر فارسی اور انگریزی کہانیوں اور افسانوں کے انتخاب

ہیں جس میں ۶۰ کہانیاں ہیں۔اس کتاب کی تصنیف میں کالی کرشنا نے مولوی عبدالمجید سے مدد لی ہے۔کتاب کے آخری حصے میں انھوں نے درس وتدریس کے متعلق اردو اشعار درج کیے ہیں اور ان کا انگریزی ترجمہ بھی دیا ہے۔

۲۔ انگریزی کے شاعر Gay کے افسانوں کا اردو ترجمہ جس کا عنوان ''احسن المواعظ'' ہے اور انگریزی حصہ کا عنوان Poetry:Fables by the late Mr. Gay with the Translation to Urdu ہے۔اس میں انگریزی کے ساتھ اردو منظوم کہانیاں بھی شامل ہیں اور ہر انگریزی کے مقابلے میں ایک اردو شعر لکھا گیا ہے اور ہر کالم میں انگریزی اور اردو دونوں شامل ہیں۔یہ کتاب کلکتہ سے ۱۸۳۶ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی۔کتاب کے شروع میں مصنف نے ایک اردو دیباچہ بھی لکھا ہے جس میں ترجمہ کرنے کے اسباب اور ترجمہ کے طریقہ کار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۳۔ انھوں نے نظام شمسی کے متعلق ایک درسی رسالہ بھی لکھا ہے۔

کامل۔پنڈت ٹھاکر داس:

راجہ رام کے بیٹے ہیں جو کشمیر کے راجہ ہیں۔شیفتہ نے اپنے تذکرے میں ان کو ہندوستانی شاعروں میں شمار کیا ہے۔

کامل۔مرزا بیگ:

وہ مغل تھے اور انھوں نے اردو شعر کہے ہیں اور شیفتہ نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

کامل۔شیخ لطف اللہ:

وہ خاکسار کے شاگرد ہیں۔اسپرنگر اور عشقی نے ان کا ذکر کیا ہے۔

کامل۔شیخ احمد علی۔لکھنوی:

وہ کانپور میں مدرس تھے۔ان کے والد مولوی شیخ عنایت محمد تھے جو شاہ پیر محمد کے ایک بیٹے تھے۔کامل شیخ عبدالرؤف شعور کے شاگرد تھے،انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جن کی کچھ غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔

کامل۔مولوی محمد رشید:

وہ طالب حسین کے بیٹے تھے۔پٹنہ میں پیدا ہوئے اور وہاں سے بغرض تحصیل علم لکھنو گئے۔وہاں خواجہ وزیر کے شاگرد ہوئے۔بعد میں وہ پٹنہ واپس چلے گئے۔محسن نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

کامل:

وہ ایک اردو شاعر ہیں جن کی ایک غزل بنی نرائن نے نقل کی ہے۔

کبیر۔ حکیم شیخ انصاری:

وہ ایک مشہور حکیم تھے۔ شعر بھی کہتے تھے اور کبیر تخلص کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے کلام کا ایک دیوان منتخب کیا ہے کیونکہ فورٹ ولیم کالج کیکتب خانے کی ہندوستانی کتابوں میں ایک قلمی نسخہ کبیر کے دیوان کا موجود ہے۔ یہ مصنف دہلی کی صوبہ میں سنبل کے رہنے والے تھے اور نواب محمد یار خان امیر سے تعلق رکھتے تھے۔ سرور کے مطابق وہ اودھ کے رہنے والے تھے۔ مصحفی نے نواب محمد یار خان کے یہاں ان سے ملاقات کی تھی۔ کریم نے غلطی سے اس مصنف کے بارے میں مضامین لکھے ہیں اور ان کے طبقات کے صفحہ ۳۰۵ اور ۴۹۵ پر درج ہیں۔ ''دیوان کبیر'' میں ۱۶۶ صفحات میں غزلیں ہیں اور ہر صفحہ میں ۱۹ اشعار ہیں۔ ان کی ایک مثنوی بھی ہے جو حفظان صحت کے موضوع پر ہے اور جس کا نام ''ستہ ضروریہ'' ہے۔ اس میں ایک قصیدہ بھی شامل ہے۔

کدار ناتھ۔ پنڈت:

وہ ایک ہم عصر ہندوستانی عالم ہیں جنھوں نے آگرہ کالج کے مطبع سے کریم الدین کی کتاب ''قواعد المبتدی'' کو شائع کیا ہے۔

کریم۔ شیخ غلام ضامن:

وہ کتانہ کے رہنے والے تھے۔ فارسی اور ہندوستانی میں لکھتے تھے۔ وہ خوش مزاج اور مہذب آدمی تھے۔ جس وقت کہ شیفتہ اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے، کریم بہت ضعیف تھے اور دہلی میں رہتے تھے۔ پہلے وہ حیدرآباد اور لکھنو میں رہتے تھے۔ وہ مصحفی اور منعم خان کے شاگرد تھے۔ شیفتہ نے ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔ اسپرنگر نے ان پر دو مضامین لکھے ہیں اور بتایا ہے کہ قاسم کے تذکرے میں جن کریم کا ذکر ملتا ہے وہ شاید وہی ہیں جن کا ذکر کریم دہلوی کی حیثیت سے کیا ہے۔

کرامت۔ میر کرامت علی:

قاسم ان کو ہندوستانی شعرا میں ان کو شمار کرتے ہیں۔ وہ میر امانت علی کے بیٹے اور سید مراد علی بخاری کے پوتے تھے۔ ان کے دادا دہلی کے قریب اورنگ آباد میں مقیم تھے لیکن کرامت شکار پور میں رہتے تھے جو اورنگ آباد سے بارہ کوس دور ہے اور وہاں وہ گوشہ نشینی کی زندگی گزارتے تھے۔

کرامت علی۔ مولوی۔ جونپوری:

انھوں نے حسب ذیل کتابیں لکھیں ہیں:

۱۔ ''بیعت توبہ''۔ جو کلکتہ سے ۱۸۳۸ء میں شائع ہوئی ہے۔

۲۔ ''معجزۂ رشک مسیحا''۔ جو مسلمانوں کی ایک مذہبی کتاب ہے اور دہلی سے ۱۸۶۸ء میں چھوٹی تقطیع کے ۱۶ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

۳۔ ''کوکب دری''۔ اس میں عربی کے ان تمام الفاظ کی وضاحت کی گئی ہے جو قرآن میں استعمال ہوئے ہیں۔ یہ کتاب کلکتہ سے ۱۲۶۳ھ/ ۱۸۴۶ء میں ۳۳۴ پر شائع ہوئی ہے۔

۴۔ Sir M.Trevolyan نے مضمون نگاری کا ایک مقابلہ منعقد کیا تھا اور اعلان کیا کہ سب سے اچھے اردو مضمون پر انعام دیا جائے گا۔ اس مضمون کا موضوع یہ تھا کہ بغداد کی خلافت عباسیہ اور قرطبہ کے امیہ پر یونان و عرب کے اثرات اور مغرب کے نشاۃ ثانیہ پر عربوں کے اثرات کا مقابلہ کیا جائے۔ لیکن یہ مضامین مقابلے میں داخل نہ کیے جا سکے۔ اس لیے کہ اردو مضامین کے ساتھ ان کے انگریزی ترجمے بھیجنے کی شرط تھی۔ کرامت نے اردو مضمون تو بھیج دیا تھا لیکن اس کا انگریزی ترجمہ وہ نہ بھیج سکے۔

کریم اللہ (مولوی محمد):

مندرجہ ذیل کتابوں کے مصنف ہیں:

۱۔ ''حفظ الایمان''؛ سقوط دہلی کے بعد انگریزوں نے جو خصوصی کتابیں خریدیں تھیں اس کے فہرست میں اس کا نمبر ۲۰۶۶ ہے۔

۲۔ ''فضیحت الوہابیین''؛ یہ کتاب وہابیوں کے خلاف لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کا شمارہ مذکورہ بالا فہرست میں ۱۰۷۴ ہے۔

۳۔ ''انتخاب مدرسین''؛ یہ کتاب چھوٹی تقطیع کے ۴۸ صفحات میں ۱۸۵۸ء میں چھپی ہے۔

کرم الٰہی:

وہ ایک عالم ہیں جو رسالہ کے عنوان سے ''انجمن اشاعت مطالب مفیدہ پنجاب'' کی روداد لکھتے ہیں۔ اس سے پہلے یہ روداد محمد حسین لکھتے تھے۔ یہ رسالہ لاہور سے ماہانہ نکلتا تھا اور اس میں ۳۰۔۴۰ صفحات ہوتے تھے۔

کریم۔ شیخ کریم اللہ خان افغانی:

وہ ایک ہم عصر شاعر ہیں جن کے اشعار سرور نے نقل کیے ہیں۔ ۱۸۵۴ء میں دہلی کے فارسی اخبار

''زبدۃ الاخبار'' کے مدیر تھے۔ پہلے اس اخبار کے مدیر مولوی واجد علی خان تھے۔

کریم۔عبدالکریم:

وہ ایک اور ہم عصر ہندوستانی شاعر ہیں۔انھوں نے حسب ذیل تصنیفات لکھی ہیں:

۱۔ ''دلہن نامہ'': جو حضرت حسینؓ کی شادی کے موضوع پر ہے۔

۲۔ ''شہادت نامہ'' (حسینؓ کی شہادت پر)۔یہ مثنوی تین اور مثنویوں کے ساتھ دہلی سے ۳-۱۸۵۲ء/۱۲۶۹ھ میں شائع ہوئی ہیں۔وہ ایک ۲۴ صفحات کی کتاب ہے اور اس میں کوئی حاشیہ نہیں ہے۔

کریم بخش۔مولوی محمد:

ان کی تصنیفات حسب ذیل ہیں:

۱۔ ''جبر و مقابلہ''۔ یہ کتاب رام چند کی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔جو مصنف کی مدد سے کیا گیا ہے اور جو ۱۸۵۱ء میں دہلی سے شائع ہوا ہے۔(مطبع العلوم پریس)

Mr.U.Pregon کے بقول کریم بخش اس کتاب کے مصنف ہیں اور کتاب الجبرا کی سب سے عمدہ کتاب ہے۔*General Catalogue* کے مصنف کا خیال ہے کہ یہ کتاب wood اور Hutton کی کتاب سے موخوذ ہے۔

۲۔ ''رسالہ تین نصاب''۔یہ کتاب Mr.M.S.Reid کی زیرنگرانی لکھی گئی ہے اور ۱۸۵۹ء میں آگرہ سے چھوٹی تقطیع کے ۱۱۴ صفحات پر چھپی ہے۔یہ کتاب ایک انگریزی کتاب: *Phenomena of Industrial Life and Conditions of Industrial Success* کے بعد لکھی گئی ہے۔

۴۔ ''جامع النفائس'': جو Mr.S.S.Reid کی زیرنگرانی لکھی گئی۔اس کتاب کے پانچ حصے ہیں اور اس کا صرف تیسرا حصہ میرے پاس ہے۔(آگرہ ۱۸۵۸ء۔۴۴ صفحات)

اس کتاب کا چوتھا حصہ ۱۸۵۹ء میں شائع ہوا اور اس کا پانچواں حصہ صفحہ ۵۸ صفحات کا۔ یہ کتاب Plude کی انگریزی کتاب *Spestacle of Nature* کا اردو ترجمہ ہے۔

۶۔ ''دائرہ علم''۔کریم نے اس کتاب کو مرتب کیا جو علوم سائنس کا ایک مختصر انسائیکلوپیڈیا ہے۔منشی شیام لال نے اسے کئی بار شائع کیا ہے۔۱۸۴۰ء مین ۳۶ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔یہ ناگری رسم الخط میں بھی ''بدیا چکر'' کے عنوان سے چھپی ہے۔

۷۔ ''رسالہ اصول حصول''۔۱۸۶۰ء میں لکھنو سے ۸ صفحات پر چھپا ہے۔

۸۔ ''انتباہ المدرسین''۔Mill کی انگریزی کتاب سے اردو ترجمہ کیا گیا ہے۔ یہ کام مسٹر M.S.Reid کی زیرنگرانی ہوا ہے۔ ۱۸۵۸ء میں ۴۸ صفحات پر آگرہ سے شائع ہوا ہے۔

۹۔ ''جغرافیۂ جہاں''۔ ۱۸۶۰ء میں ۵۲ صفحات پر نقشوں کے ساتھ چھپی ہے۔

کریم بخش دہلی کے اخبار ''قران السعدین'' کے مدیر تھے۔ کیا یہ وہ کریم ہیں جن کا ذکر شورش نے اردو شعرا کے ساتھ شاہ کریم بخش کے نام سے کیا ہے اور پٹنہ کا باشندہ بتایا ہے اور جو قادریہ صوفی یعنی شاہ کڑک کے مرید تھے۔

کریم دار خان۔ منشی:

وہ الٰہ آباد کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے اسرائیل حکومت کی تاریخ کے اردو ترجمے میں مدد کی ہے۔ یہ کتاب امریکن مشنری نے ۱۸۶۷ء میں الٰہ آباد سے ۳۳۴ صفحوں میں چھوٹی تقطیع پر شائع کی ہے۔

کریم حسین۔ مولوی سید:

انھوں نے Major Pogson کی منشا سے Robort Dodsley کی کتاب، جس کا ایک نسخہ برطانیہ اور آئرلینڈ کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی میں موجود ہے۔ میجر پاگسن نے بندیلوں کی تاریخ ہندوستانی سے مرتب کی ہے۔ اس ترجمہ کا ذکر لال کے مضمون میں کیا جائے گا۔

کریم خان:

وہ صوبہ دہلی کے ضلع رہتک کے ایک مقام جھجر کے رہنے والے تھے۔ وہ قاسم خان کے بیٹے اور طالب خان کے پوتے تھے جو طیب خان کے بیٹے اور داہر خان (افغانستان) کے پوتے تھے۔ کریم خان دہلی چھوڑ کر یکم ستمبر ۱۸۳۹ء میں انگلستان چلے گئے اور لندن میں ۸ نومبر ۱۸۴۱ء تک مقیم رہے۔ انھوں نے اپنے سفر کا حال ''سیاحت نامہ'' کے عنوان سے لکھا ہے۔ میرے پاس اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ ہے جو اصلی مسودہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ چار سو چھبیس صفحات کی کتاب ہے۔ ہر صفحے میں سولہ سطریں ہیں جو خوبصورت نستعلیق رسم الخط میں لکھی گئیں ہیں۔ میں نے اس کتاب کے پہلے دو حصوں کا فرانسیسی میں ترجمہ کر کے ۱۸۶۵ء میں شائع کیا ہے۔ اس میں دہلی سے کلکتہ تک اور کلکتہ سے لندن کے سفر کا حال ہے۔ تیسرے اور چوتھے حصے میں لندن کے رہن سہن اور انگلستان اور انگلستان کی تاریخ کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان حصوں کا ترجمہ ابھی تک اس لیے شائع نہیں ہوا کہ رسالۂ مذکورہ کا نکلنا دشوار ہو گیا ہے۔

کریم الدین۔ میر کریم الدین:

وہ مدراس کے ہندوستانی اور انگریزی اخبار'' قاصد مدراس'' کے صحیفہ نگار ہیں۔ یہ اخبار Saint Thomes کے ہندوستانی چھاپے خانے سے نکلتا تھا اور اس میں ۸ صفحات شائع ہوتے تھے۔

کشن نرائن:

انھوں نے بدایون کا ایک جغرافیہ لکھا ہے جو ۱۸۴۶ء میں میرٹھ سے شائع ہوا ہے۔

گلشن راؤ:

وہ حکومت برطانیہ کے ماتحت ساگر میں اسکولوں کے سپریٹنڈنٹ تھے۔ اس کے بعد وہ دموہ میں منصف مقرر ہو گئے۔ انھوں نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام *Polyqlot Interlines, being the first* *Instructor of English, Hindui etc.* ہے۔ یہ کتاب کلکتہ سے ۱۸۳۴ء میں شائع ہوئی ہے۔ انھوں نے ایک دوسری دلچسپ کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام '' آئینہ اہل ہند'' ہے اور جوروڑکی سے ۱۷۵۸ء میں شائع ہوئی ہے۔ یہ ایک باتصویر کتاب ہے جس میں ہندوستانیوں کے صنعت وحرفت اور ان کے رسم ورواج کا ذکر کیا گیا ہے۔ کشن راؤ نے مسرور کے تخلص سے ہندستانی زبان میں فکرِ سخن بھی کی ہے۔ منولال نے ان کی ایک مزاحیہ غزل نقل کی ہے جس کا آخری شعر ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ غزل دستیاب نہ ہو سکی۔

کریم الدین۔ مولوی محمد:

وہ شیخ سراج الدین کے بیٹے اور عمادالدین کے بھائی تھے۔ وہ پانی پت میں پیدا ہوئے جو دہلی سے قریباً ۶۴ میل کی دوری پر ہے۔ ان کے آباؤ اجداد جاگیردار تھے اور اسی جاگیر کی بنا پر اچھی زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن نادرشاہ کے حملے میں وہ برباد ہو گئے اور کریم کے دادا تارک الدینا ہو کر ایک گوشے میں بیٹھ گئے اور عبادت وریاضت میں دن گزارنے لگے۔ جب ان کی جاگیر کے معائنہ کے لیے ایک برٹش آفیسر پانی پت گیا تو اس نے کریم کے دادا کو طلب کیا لیکن چونکہ وہ دنیا کو چھوڑ چکے تھے اس لیے اس سے ملنے نہیں گئے۔ اس وقت سراج الدین نے تمام ہیرے، جواہرات اور قیمتی چیزیں فروخت کر کے زندگی بسر کرنی شروع کر دی۔ چونکہ سراج الدین اپنے والد کے خیالات سے بہت متاثر تھے اس لیے انھوں نے بھی مسجد کا رخ کیا اور خیرات و بچوں کی پڑھائی سے گزر بسر کرنے لگے۔ اس زمانے میں کریم عربی، فارسی اور قواعد پڑھ رہے تھے۔ اس کے بعد وہ دہلی چھوڑ کر اعلیٰ تعلیم کے لیے پانی پت چلے گئے اور ۱۸ سال کی عمر تک نقل

نویسی سے زندگی گزارتے رہے۔ اسی وقت ان کو دہلی کالج میں داخلہ ملا اور ۱۶ روپیہ ماہوار وظیفہ مل گیا اور انھوں نے عربی کے ذریعے منطق، فلسفہ، جغرافیہ اور ریاضی، علم نجوم، انجینئرنگ۔ الجبرا، تاریخ اور اخلاقیات کا مطالعہ کیا۔ جس وقت ''ورنا کیولر ٹرانسلیشن سوسائٹی'' قائم ہوئی اور مسٹر ایف۔ لوئرس پرنسپل دلی کالج کی درخواست پر انگریزی کتابوں کا اردو میں ترجمہ ہوا تو انھوں نے یہ سب کتابیں پڑھیں۔ اس طرح تعلیم کی تکمیل کر کے انھوں نے شادی کر لی اور دہلی میں رہنے لگے۔ وہاں انھوں نے انگریزی سے اردو ترجمہ کی ہوئی کتابوں کو چھاپنے کی غرض سے ایک مطبع قائم کیا، جس کا مقصد پیسہ کمانا نہیں بلکہ اپنے ہم وطنوں میں علم وفن سے دلچسپی پیدا کرنا تھا۔ لیکن ان کے ملازمین نے ان کو تباہ کر دیا اور آخر کار انھوں نے اس پریس کو بند کر دیا۔ اسکے بعد میں جب مسٹر اسپرنگر دلی کالج کے پرنسپل اور ''ورنا کیولر ٹرانسلیشن سوسائٹی'' کے سکرٹری مقرر ہوئے تو انھوں نے کریم سے کچھ کتابوں کے ترجمہ کی درخواست کی۔ کریم کا بیان ہے کہ نہ انھوں نے شعر کہے ہیں اور نہ انھیں شاعری سے کوئی لگاؤ ہے۔ انھیں پیشہ ور شاعر بننے سے سخت نفرت تھی۔ ان کا خیال ہے کہ شاعری پیشہ کے طور پر نہیں بلکہ تفریح طبع کی غرض سے اختیار کی جاسکتی ہے۔ اس کے باوجود وہ اپنے یہاں مشاعرے منعقد کرتے تھے، جس میں دہلی کے شعرا اپنا کلام سناتے تھے جس کو وہ ایک رسالہ ''گل رعنا'' میں ہر ماہ چھاپتے تھے لیکن یہ رسالہ بہت دنوں زندہ نہ رہ سکا۔ وہ ۱۸۵۴ء میں آگرہ کالج میں اردو کے پروفیسر تھے اور ۱۸۶۴ء میں وہ لاہور کے ٹریبونل میں سرشتہ دار تھے۔ یہاں کریم کی اردو تصانیف کی فہرست دی جاتی ہے۔

۱۔ ''تعلیم النسا''۔ اس کتاب میں آٹھ اسباق ہیں۔ جیسے پہلے میں خدا تعالیٰ اور رسولؐ، دوسرے میں مذہبی ذمے داریوں حقوق اور تیسرے میں وہ فرائض ہیں جو اسلام نے عورت پر عائد کیے ہیں۔ چوتھے میں ادویات اور طبی مشورے۔

۲۔ ''گلستان ہند''۔ سعدی کی مشہور فارسی کتاب ''گلستان'' کے طرز پر اس میں آٹھ گلشن ہیں۔ پہلے میں حاضر جوابی، دوسرے میں پریوں کے عجیب وغریب قصے۔ تیسرے میں چھوٹی چھوٹی ہندوستانی حکایتیں۔ پانچویں میں عشقیہ کہانیاں۔ چھٹے میں عورتوں کے برتاؤ اور ساتویں میں اخلاقیات اور دانشوروں کے اقوال ونصائح اور آٹھویں باب میں اشعار کا انتخاب ہے جنھیں زبانی یاد کرنا ہے۔ کریم نے اس قسم کی ایک کتاب عربی میں بھی لکھی ہے، جس کا عنوان ''محیط الجہ'' ہے۔

۳۔ ''گلدستہ نازنیناں''۔ یہ ہندوستان کے مشہور شعرا کے کلام کا انتخاب ہے۔ یہ ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۵ء میں دہلی

سے شائع ہوا اور ہندوستان میں بہت مقبول ہوا۔ یہ ۳۵۰ صفحات کی کتاب ہے اور ہر صفحے میں ۲۰ سطریں ہیں۔

اس گلدستے میں ایک دیباچہ ہے جس میں دہلی کے تین زندہ شاعروں کا ذکر ہے جو دہلی کے دربار سے وابستہ تھے۔ اس کے بعد کتاب کا آغاز ہوتا ہے اور ایک مضمون اسی قسم کا ہے کہ اردو کے پہلے شاعر کون ہیں اور کہاں رہتے تھے؟ پھر عربی شعرا کا تذکرہ ہے اور اس کے بعد اردو کے ۳۹ شعرا کے حالات ہیں اور ان کے کلام کے حوالے دیے گئے ہیں۔ کتاب کے آخر میں کئی تاریخیں تصنیف کے متعلق دی گئی ہیں۔

۳۔ ''عجالہ الاولیٰ''۔ یہ علم عروض کا ایک رسالہ ہے جس کو ۱۸۴۵ء میں شائع کیا ہے اور جو اردو شعرا میں بہت پسند کیا گیا ہے۔

۴۔ ''رسالۂ فرائض''۔ یہ قانون وراثت کی کتاب ہے جو ۱۸۲۵ء میں شائع ہوئی ہے۔

۵۔ ''روضۃ الاجرام''۔ یہ سائنس کا ایک خلاصہ ہے۔ کریم نے اس میں ریاضی، انجینئرنگ، علم نجوم، جغرافیہ پر بحث کی ہے۔

۶۔ ''ترجمہ ابوالفدا''۔ یہ ابولفدا کی تاریخ ہے اور اس میں تخلیق عالم کے آغاز سے لے کر ۱۳۰۸ھ تک کے حالات درج ہیں۔ ڈاکٹر اسپرنگر کے قلم سے اس مشہور عربی تاریخ کا ترجمہ قاسم نے کیا، جس کا بعد میں Relske نے ترجمہ کیا ہے۔ اس کام کو جلد ختم کرنے کے لیے مولوی محمد اثری نے اس کتاب کے چوتھے حصہ کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ تین جلدوں میں ہے اور دہلی سے ۷۔ ۱۹۴۶ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوا ہے۔ اس کتاب کا انگریزی عنوان *Hindustani Translation of Abulfada's History, with Additions from other Sources*

میرے پاس اس کتاب کا ایک ۷۷۰ صفحات کا نسخہ ہے۔ جس میں تخلیق عالم کے آغاز سے ۴۰۰ھ/۱۰-۱۰۰۹ء تک کا ذکر ہے۔ اس کتاب کے پہلے باب کا اردو عنوان "ترجمہ تاریخ ابوالفدا از آغاز تخلیق عالم تا ۱۳۲۸ء" ہے جو عربی سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ دوسرے کا "خلاصۃ الاخبار" ہے جو ۱۲۲۹ء تک ہے اور فارسی سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ تیسرے میں تقریباً تین صدی کے مختلف مضامین کی تاریخ کا ضمیمہ ہے۔ چوتھے میں حمزہ اصفہانی کرمانی اور دوسرے عربی مضامین کے ترجمہ کو تاریخ وار مرتب کیا گیا ہے۔

۸۔ ''تاریخ شعرائے ادب''۔ یہ کتاب پہلے کریم نے عربی میں لکھی اور ''فرائد الدہر'' نام رکھا، بعد میں ''سوسائٹی آف اردو ٹرانسلیشن'' کے حکم سے اردو میں ترجمہ کیا اور ۱۸۴۹ء میں دہلی سے ۴۲۰ صفحات پر

شائع کیا ہے۔ اس میں عربی شعرا کے مختصر حالات ہیں اور کریم کے عربی کلام کا نمونہ بھی شامل ہے۔ایسٹ انڈیا آفس کے کتب خانے کی فہرست میں اس کا انگریزی عنوان *History of Arabic Poets from the earliest to the present day, containing 397 biographies with specimens of their compositions.*

یہ کتاب دہلی سے ۱۸۴۷ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی۔

۹۔ ''طبقات الشعرائے ہندیا تذکرہ شعرائے ہند''۔اس کتاب کا انگریزی عنوان *History of Poets, cheifly translated from Garcin de Tassy's " History de la litterateure Hindoustani* یہ تذکرہ کریم اور آگرہ کے ''اخبارالحقائق'' کے مدیر Mr.S.W.Fallon کی مدد سے مرتب کیا گیا۔ یہ کتاب ۱۸۴۸ء میں دہلی سے ۳۰۰ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

یہ کتاب میری کتاب *Histoire de la litterateure Hindustanie* (ہندوستانی ادب کی تاریخ) کی پہلی جلد کے بعد اس کی تقلید میں لکھی گئی ہے۔ کچھ اضافہ ''گلشن بے خار'' کی مدد سے بھی کیا گیا ہے لیکن یہ کتاب میری تاریخ کے وقت وجود میں نہیں آئی تھی۔ کریم اس کا ایک نیا اڈیشن نکالنے کی کوشش میں ہیں، جس میں ہندو مسلمان شاعروں اور نثر نگاروں کا ذکر ہوگا۔ یہ کتاب ایک زبردست سنسکرت عالم پنڈت کی مدد سے مرتب کی جارہی ہے۔اس کتاب کی اشاعت کے بہت دونوں بعد مجھے اس کتاب کا ایک نسخہ ملا۔اس کی تمہید جو ہو بہو میری کتاب کی تمہید کا ترجمہ ہے پھرایک دیباچہ ہے جوان کا اپنا ہے۔اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے میں قدیم شعرا کا ذکر ہے جن میں زیادہ تر ہندو ہیں اور دوسرے حصہ میں مسلمان اور دیگر شاعر ہیں۔دوسرا حصہ چار طبقات میں تقسیم ہے۔ پہلے حصہ میں ان لوگوں کا حال ہے جنھوں نے اردو کا سنگ بنیاد رکھا۔ دوسرے میں زبان کو سنوارنے اور نکھارنے والوں کا ذکر ہے۔تیسرے حصے میں ان ادیبوں کا بیان ہے، جو مذکورہ بالا اساتذہ کے شاگرد تھے اور جنھوں نے زبان کو ایک شگفتہ انداز بیان عطا کیا ہے۔ چوتھے حصے میں ہمعصر شعرا اور مصنفین کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۰۔ ''مواضیح اللسان''۔ایک مختصر رسالہ ہے۔جس میں اردو حروف کے متعلق تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ یہ کتاب آگرہ سے چند بار شائع ہوئی ہے اور اس کی تعداد اشاعت بہت کثیر تھی۔

۱۱۔ ''قواعد المبتدی''۔ یہ اردو کا قاعدہ ہے جس کے متعدد اڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ اس کا ایک اڈیشن

آگرہ سے ۱۸۵۸ء میں نکلا ہے جس میں چھوٹی تقطیع کے ۱۲۹ صفحات ہیں۔

۱۲۔ ''کہربائے بالدک''۔ یہ کتاب آگرہ میں چھپی ہے۔۱۸۵۳ء۔

۱۳۔ ''کہربائے بالس''۔ آگرہ سے ۱۸۵۳ء میں شائع ہوئی۔

۱۴۔ ''مفتاح العلوم''۔ (فلسفۂ فطرت کا نصاب)۔ یہ کتاب مسٹر بیل (Beale) کے تعاون سے لکھی گئی ہے۔ اور آگرہ کالج کے پرنسپل کی تقریروں سے مرتب کی گئی ہے۔ آگرہ سے ۱۸۵۳ء میں بڑی تقطیع پر ۱۳۴ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔

۱۵۔ ''کتاب نقشہ آلات طبیعہ''۔ کتاب آلات جس میں مختصر طور پر مبتدیوں کے لیے آلات کی میکانک کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ قبل الذکر کتاب سے مختلف معلوم ہوتی ہے۔

۱۶۔ ''جغرافیۂ پنجاب''۔ یہ کتاب میجر فولر (Fuller) کی فرمائشوں پر لکھی گئی ہے اور اسے اجودھیا پرشاد نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کے چار اڈیشن لاہور سے نکلے ہیں۔

پہلا ۱۸۶۱ء، دوسرا ۱۸۶۲ء میں ۵۷ صفحات میں، تیسرا ۱۸۶۳ء اور چوتھا ۱۸۶۵ء میں چھوٹی تقطیع پر ۸۲ صفحات میں نکلا ہے۔ ہر اشاعت میں ۲ ہزار کاپیاں چھاپی گئی ہیں۔

۱۷۔ ''حروف تہجی''۔ الہ آباد سے ۱۸۵۹ء میں چھوٹی تقطیع پر ۴۰ صفحات میں شائع کیا گیا ہے۔

۱۸۔ ''کریم اللغات''۔ اس میں وہ عربی اور فارسی کے الفاظ ہیں جو ہندوستانی میں علمی وادبی کتابوں میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ یہ کتاب انارکلی میں ۱۸۶۲ء میں چھاپی گئی ہے۔ چھوٹی تقطیع پر ۳۲۴ صفحات ہیں اور ہر صفحہ میں ۲ کالم ہیں۔ اس کتاب کو اجودھیا پریس نے شائع کیا ہے اور چار ہزار کاپیاں نکالی ہیں۔

۱۹۔ ''منتخبات اردو''۔ یہ کتاب کلکتہ یونی ورسٹی کے طالب علموں کے لیے لکھی گئی ہے تاکہ امتحانات میں مدد مل سکے۔ اسے لاہور سے ۱۸۶۰ء میں چھوٹی تقطیع پر ۱۶۲ صفحات میں شائع کیا گیا ہے۔ اس کے ہر صفحے میں ۱۵ سطریں ہیں۔ یہ کتاب Mr.H.S. Reid کی سرپرستی میں لکھی گئی ہے اور اس میں سند باد جہازی کی اردو کہانی کے علاوہ اردو میں ''شاہ نامہ فردوسی'' کے چند اشعار کی تشریح ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کتاب کے متعدد اڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ ایک ۱۸۶۵ء میں ۱۸۸ صفحات میں ہے۔

۲۰۔ ''پند سودمند''۔ یہ قدیم اور جدید مصنفین کے ۱۵۰ پندوں کا ایک مجموعہ ہے۔ یہ کتاب لاہور سے ۱۸۶۲ء میں چھوٹی تقطیع پر ۲۴ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی اڈیشن ہیں۔ ایک ۱۸۶۳ء میں ۳۰ صفحات پر، دوسرا ۱۸۶۵ء میں ۱۵ صفحات پر، تیسرا ۱۸۶۹ء میں چھوٹی تقطیع پر ۳۰ صفحات میں ہے۔

۲۱۔ ''تشریح ظہوری''۔ یہ مولانا ظہوری کی کتاب'' سہ نثر ظہوری'' کی اردو شرح ہے۔ظہوری کی کتاب سلطان عادل شاہ، والیٔ بیجا پور کی ہندی کتاب'' نورس'' کے دیباچے کے تین حصوں کا فارسی ترجمہ ہے۔ یہ کتاب لاہور میں چھوٹی تقطیع پر۱۱۴صفحات میں چھپی ہے۔(۱۸۶۱ء)اوراس کی ایک ہزار کاپیاں نکالی گئیں ہیں۔

۲۲۔ ''تکریم ظہوری''۔ یہ ظہوری کی کتاب نثر دوم کا اردو ترجمہ ہے اوراس کا نام'' گلزار ابراہیم'' ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ'' گلزار ابراہیم'' کے نام سے مختلف کتابیں لکھی گئیں ہیں۔

۲۳۔''تسہیل القواعد''۔ یہ کتاب انارکلی سے بابونوین چندر بنرجی نے شائع کی ہے۔ یہ چھوٹی تقطیع پر ۳۱صفحات کی ہے۔اس کی دو ہزار کاپیاں نکلی ہیں۔اس کے علاوہ لاہور سے ایک دوسراا ڈیشن ۱۸۶۵ء میں شائع ہوا ہے۔جس میں چھوٹی تقطیع ہر۲۵صفحات ہیں۔

۲۴۔''انشاء اردو''۔اس کتاب کو منشی محمد عظیم نے لاہور سے۱۸۶۳ء میں چھوٹی تقطیع پر۷۴صفحات میں شائع کیا ہے۔ اس کی دو ہزار کاپیاں چھاپی گئیں ہیں۔اس کتاب کا ایک اوراڈیشن جو دوحصوں میں ہے،لکھنو سے نول کشور کے زیر اہتمام نکلا ہے (۱۸۶۶ء اور ۱۸۶۷ء) پہلا حصہ۲۱صفحات میں ہے اور دوسرا۲۸۱صفحات میں۔

۲۵۔ ''کورس انٹرمیڈیٹ''۔ یہ قصۂ پنجاب سنگھ اورالف لیلہ وغیرہ کا خلاصہ ہے۔

۲۶۔ ''مفتاح الارض''۔ مختصر جغرافیہ جو لاہور سے۱۸۶۳ء میں چھوٹی تقطیع پر۱۳۲صفحات میں شائع ہوا ہے۔ اس کتاب کا دوسرا نام'' جغرافیہ یعنی مفتاح الارض'' ہے۔دہلی ۱۸۶۳ء۔

۲۷۔ ''واقعات ہند''۔ ہندوستان کی ایک تاریخ ہے جو لاہور سے۱۸۶۶ء میں ۱۹۶صفحات میں شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب میجر فولر مرحوم کی فرمائش پر لکھی گئی ہے۔ جو صوبہ پنجاب کے محکمہ تعلیمات کے ناظم اعلیٰ تھے۔اس کتاب کو انگریزی کتابوں کی مدد سے ہندوستانی زبان میں مرتب کیا گیا ہے لیکن واقعات کی تصدیق کے لیے ہندو رام چندر اور مسلم ضیاء الدین کے فارسی کے مسودات کا مطالعہ کرکے اس کی تالیف میں مدد فرمائی ہے۔

۲۸۔ ''خط تقدیر''۔ یہ نثر میں ایک ناول ہے لیکن اس مین جابجا مختلف شعرا کے مناسب اشعار بھی درج ہیں۔مصنف نے اس کتاب کے دیباچے میں لکھا ہے کہ انھوں نے دوسرے مشرقی مصنفین کے برعکس جو عام طور پر عشق ومحبت کی داستان یا عجیب واقعات لکھتے ہیں یہ ناول لکھا ہے۔ یہ کتاب لاہور سے

۱۸۶۴ء میں چھوٹی تقطیع پر ۱۱۲ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔اس کے ہر صفحے میں ۱۷ سطریں ہیں۔

۲۹۔ ''دستور تعلیم''۔ ممکن ہے کہ یہ کتاب اور ''اشارۃ التعلیم'' ایک ہی کتاب ہو۔

۳۰۔ ''اشارۃ التعلیم''۔یہ اساتذہ کی رہنمائی کے لیے لکھا گیا ہے۔یہ مسٹر ڈبلیو، ڈبلیو الیگزنڈر (Mr.W.W.Alexender) کی انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے۔مسٹر الیگزینڈر لاہور کے اسکولوں کے انسپکٹر تھے۔یہ کتاب لاہور سے ۱۸۶۶ء میں چھوٹی تقطیع پر ۲۹۰ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔اس کے ہر صفحے پر ۲۷ سطریں ہیں۔

۳۱۔ ''گرائمر اردو زبان کی''۔میرا خیال ہے کہ یہ کتاب چھاپی نہیں گئی ہے۔

۳۲۔ ''شرح مقامات حریری''۔یہ کتاب دہلی سے ۱۸۴۹ء میں شائع ہوئی ہے۔اس کتاب کا ذکر *Selection of the Recoder of Goverments* میں صفحہ ۲۲۵ پر کیا گیا ہے۔غالباً یہ کتاب شائع بھی ہوئی ہے کیونکہ دہلی کے شاہی کتب خانہ میں اس کے تین نسخے تھے مگر یہ بھی ممکن ہے کہ یہ نسخے قمر الدین کے فارسی ترجمے ہوں، جو شمس الدین محمد کی شرح کے ساتھ چھپے ہیں۔

۳۳۔کریم الدین نے تجلی کے ''لیلیٰ مجنوں'' اور سدا سکھ لال کی ''مفتاح القواعد'' (جو انگریزی زبان کی قوائد سے متعلق ہے) نظر ثانی بھی کی ہے۔مؤخر الذکر کتاب لاہور سے ۱۸۶۲ء اور ۱۸۶۴ء میں تین حصوں میں شائع ہوئی ہے۔

۳۴۔کریم الدین نے'' قصہ پنجاب سنگھ'' کے نام سے'' قصہ وفادار سنگھ'' کو از سر نو لکھا ہے۔یہ کتاب لاہور سے ۱۸۶۴ء میں چھوٹی تقطیع پر ۴۸ صفحات میں شائع ہوئی ہے،اس کا دوسرا اڈیشن بھی ہے جو ۱۸۶۵ء میں چھوٹی تقطیع میں ۵۵ صفحات پر مشتمل ہے۔تیسرا اڈیشن ۱۸۶۸ء میں چھوٹی تقطیع پر ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

کریم الدین نے ایشیا اور افریقہ کی مشہور خواتین کی سوانح عمریاں لکھی ہیں جس کا نام تذکرۃ النسا ہے۔

ان تصنیفات کے علاوہ کریم الدین نے فارسی کی متعدد کتابوں کو شائع کیا ہے مثلاً حافظ کے اشعار کا ایک انتخاب، سعدی کی غزلیں، مرزا بیدل کے رقعات مع شرح اور مشہور شاعر خاقانی کتاب ''تحفۃ العراقین'' کا ایک خلاصہ۔

۱۸۶۶ء میں وہ اپنے بھائی عماد الدین کے ساتھ ایک کتاب کی تصنیف میں مشغول تھے جس میں اسلام کے نقائص کو پیش کیا گیا تھا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے بھائی کی طرح جو عیسائی مذہب کو قبول کر چکے

تھے، اسلام کو ترک کرنے والے تھے۔ لیکن جیسا کہ ان کے بھائی پر مضمون میں درج ہے، وہ کوئی فیصلہ کن اقدام کرنے سے مجبور رہے۔

کلیم۔ شیخ کلیم اللہ:

وہ شیر کوٹ کے رہنے والے ہیں جو مراد آباد کے ضلع میں نکتیا کے قریب ہے۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

کلیم۔ شیخ اور میر محمد حسین۔ دہلوی:

اردو کے ایک بہت مشہور مصنف ہیں۔ محمد شاہ کے بیٹے احمد شاہ کے دور میں پولیس میں تھے۔ وہ اپنے دور کی تمام ممتاز ادبی شخصیتوں سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ وہ میر تقی میر کے شاگرد تھے، کلیم اور میر تقی میر دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے۔ لیکن سرور کے مطابق وہ میر تقی میر کے پوتے تھے۔ کلیم نے اردو میں متعدد کتابیں لکھی ہیں اور وہ اردو ادب میں خاص اہمیت کے مالک ہیں۔ کلیم کی تصنیفات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ''رسالہ در عروض و قافیہ''۔ غالباً یہ وہی کتاب ہے جس کا ذکر مصحفی نے ''ہندی نظم کے متعلق دس خطبات'' کے عنوان میں کیا ہے۔

۲۔ عربی کتاب ''فصوص الحکم'' یا ''فصص الحکم'' کا اردو ترجمہ کیا۔ یہ ایک صوفیانہ کتاب جو ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء میں تالیف ہوئی اور جس کے مصنف شیخ محی الدین ابو عبداللہ بن نور اللہ دمشقی ہیں اور مولانا جامی نے فارسی میں اس کتاب پر ایک تبصرہ لکھا ہے۔

۳۔ ''درنثر ہندی''۔

۴۔ ایک دیوان جس میں غزلیں، قصائد، مخمسات اور رباعیات شامل ہیں۔ سب سے بہتر قصیدہ ''روضۃ الشعرا'' ہے، جس میں سب سے مشہور ہندوستانی شعرا کا ذکر کیا گیا ہے۔

۵۔ مثنویاں۔

۶۔ ایک منظوم داستان جس کا نام سرور نے اپنے تذکرے میں نہیں لکھا۔ کلیم فارسی میں بھی لکھتے تھے لیکن شیفتہ کے بیان کے مطابق فارسی میں ان کا کوئی بڑا درجہ نہیں ہے۔ لیکن ان کی ہندوستانی تحریریں خاصی اہم ہیں اور قاسم کی نظر میں بڑی قابل قدر ہیں۔

ذکا ان کو طالب حسین کہتے ہیں اور شیفتہ کہتے ہیں کہ وہ حکیم تھے۔ کلیم کا تمام کلام کلیات کی شکل میں

مرتب ہوا ہے۔ان کا انتقال دہلی میں ہوا۔ مصحفی کے قول کے مطابق محمد قائم نے اپنے تذکرے میں ان کی بڑی تعریف کی ہے۔میر تقی میر نے کلیم کی تعریف بہت مبالغہ آمیز اور مبہم انداز میں کی ہے اور پورے چار صفحوں میں ان کے اشعار کا انتخاب دیا ہے۔

کلان ۔ بہاری لال:

وہ ایک ہم عصر شاعر ہیں۔جن کے کچھ اشعار ۳ جنوری ۱۸۶۵ء کے ''اودھ اخبار'' میں شامل ہیں۔

کلو ۔جعفر میر:

وہ ہندوستانی شاعر خوب چند ذکا تذکرہ نویس کے استاد تھے،جنھوں نے ''عیار الشعرا'' لکھا ہے۔منولال نے کلو کے چھے اشعار نقل کیے ہیں۔

شیفتہ کے مطابق کلو مشہور شاعر میر درد کے رشتہ دار تھے۔

کلامی ۔غلام نبی خان:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔سرور کہتے ہیں کہ اس زمانہ کے ایک بہت ممتاز فرد ہیں۔مرحوم غازی الدین ان کے سرپرست تھے۔

کلب حسین خان ۔مرزا:

وہ فتح پور کے رہنے والے اور اٹاوہ کے ڈپٹی کلکٹر تھے،حسب ذیل کتابیں لکھی ہیں:

۱۔ ''فضائل الشہدا''۔یہ کتاب اردو میں ہے اور شیعوں میں بہت مقبول ہے۔مصنف بھی شیعہ ہی تھے۔یہ کتاب آگرہ سے ۱۸۵۰ء میں شائع ہوئی۔

۲۔ ''توصیف الزراعت''۔اس میں ہندوستانی زراعت کا ذکر کیا گیا ہے۔یہ کتاب ۱۲۷۵ء/۵۹-۱۸۵۸ء میں آگرہ سے ۲۷۰ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔

۳۔ ''دیوان غریب''۔یہ کسی دوسرے شاعر کا دیوان ہے لیکن انھوں نے اس پر تضمین کر کے الگ دیوان مرتب کیا ہے۔

کلیان رائے ۔منشی:

شمالی مغربی صوبوں کے مدرسوں کے سیکرٹری آف انسپکشن تھے۔انھوں نے ''رسالہ صفات ذاتیہ اجرام'' لکھا ہے جسے آگرہ سے ۱۸۵۹ میں مرزا نثار علی بیگ نے شائع کیا۔یہ کتاب چھوٹی تقطیع کے ۸۶ صفحات پر ہے۔

کمال۔میر کمال علی:

وہ گیامان پور میں پیدا ہوئے اور بہار میں دیرہا (یادیوڑہا) میں رہتے تھے۔انھوں نے اردو اور فارسی میں شاعری کی ہے۔وہ بہت عالم تھے اور فلسفہ کے موضوع پر ایک کتاب کے مصنف ہیں جس کا عنوان ''کمال الحکمت'' ہے۔انھوں نے ایک اور کتاب لکھی ہے جس کا نام ''چہاردہ درود'' ہے۔ان کا انتقال ۱۲۱۵ء/ا-۱۸۰۰ء میں ہوا۔میرا خیال ہے کہ یہ کتابیں فارسی میں لکھی گئی ہیں۔

کمال۔قاضی محمد:

انھوں نے ۱۳۰/ا اشعار کی ایک نظم جہاد کے موضوع پر لکھی ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں میں نظم بڑی مقبول ہے۔۱۸۵۷ء میں یہ نظم لکھنو سے شائع ہوئی۔میرا خیال ہے کہ شیر محمد یقین حسین اس کے ناشر ہیں۔

کمال۔شاہ کمال الدین حسین:

وہ ایک ممتاز ہندوستانی شاعر ہیں۔ان کے آباؤ اجداد الٰہ آباد کے صوبہ میں مانک پور کے رہنے والے تھے اور بعد میں بہار چلے گئے تھے، جہاں وہ مغلیہ حکومت کے ایک اہم عہدے پر مامور تھے۔اس کے بعد وہ بنگال اور لکھنو چلے گئے۔ جس وقت مصحفی اپنا تذکرہ مرتب کر رہے تھے،کمال راجہ بلاس رائے کے یہاں ملازم تھے۔

ان کو اردو میں شعر کہنے کا شوق شروع ہی سے تھا۔اس لیے انھوں نے اردو کے قدیم اور جدید شعرا کے تقریباً ۳۰ دیوان جمع کیے تھے اور ان کتابوں کے مطالعہ اور ادبی حلقوں کی صحبت میں ان کے انداز بیان میں قوت پیدا ہوئی۔ پہلے وہ کسی کے شاگرد نہیں تھے لیکن بعد میں قلندر بخش جرأت کے شاگرد ہو گئے۔ہمیں یہ تفصیلات مصحفی سے ملتی ہیں جنھوں نے ان کے اشعار ایک صفحہ میں نقل کیے ہیں۔

راجہ جے نگر کے متعلق ہجو یہاں دی جارہی ہے جو کمال نے وزیر علی خان کو انگریزوں کے حوالے کردینے پر لکھی تھی۔

یہ ہجو دستیاب نہ ہو سکی۔(مترجم)

ان تمام تفصیلات کے علاوہ کچھ اور حالات،ان کی خودنوشت سوانح عمری سے نقل کروں گا جو کہ ''مجموع الانتخاب'' سے ماخوذ ہے۔

''فقیر شاہ محمد کمال بقول خود دہلی میں پیدا ہوئے۔وہ قادر نواز خان کے بیٹے تھے۔قادر نواز ممتاز حیثیت کے مالک تھے اور محمد شاہ دہلوی نے انھیں سراج الدولہ نواب بنگال کے پاس بھیجا تھا۔مرشدآباد اور عظیم

آباد میں قیام کے بعد وہ دہلی واپس آئے۔ یہاں وہ صوفی شاہ محمد تقی ولد شاہ غوث علی کے حلقہ ارادت میں داخل ہوگئے۔ اس کے بعد طریقہ قادریہ کے مطالعہ سے روحانی بالیدگی حاصل کی۔ محمد شاہ کو محمد تقی سے خاص لگاؤ تھا اور ان ہی کی تجویز پر محمد شاہ نے قلندر نواز کو ایک دیہات میں ایک قلندری خانقاہ بنانے کے لیے کچھ زمین دی تھی۔ یہ مقام پٹنہ کے پاس صوبہ بہار میں ہے۔ نواز نے محمد تقی کے بیٹے کے ہمراہ اسے قائم کیا اور ان کے نام کی رعایت سے اس کا نام محی الدین رکھا وہ چند سال گوشہ نشیں رہے اور ریاضت وعبادت میں لگے رہے، اس کے بعد ان کا انتقال ہوگیا اور اس مزار میں دفن ہوئے، جو انھوں نے خود اپنے لیے تیار کر رکھا تھا۔

اس وقت کمال کی عمر صرف ۱۴ سال کی تھی۔ چونکہ انھیں سفر درپیش تھا اس لیے انھوں نے خاندان کو بڑے بھائی کی نگرانی میں چھوڑ دیا۔ پہلے وہ اپنے ایک چچا سے ملنے کے لیے پٹنہ گئے پھر نواب آصف الدولہ کے ابتدائی عہد میں فیض آباد پہنچے۔ وہاں تین سال مقیم رہے۔ آصف الدولہ خان کی والدہ گل بیگم سے حرم سراؤں کے سردار علی خان نے سفارش کی اور ان کی معقول پنشن مقرر کردی گئی۔ بعدازاں وہ لکھنو گئے جہاں انھیں اپنے ذوق شعروسخن کو نکھارنے کا موقع ملا۔ فیض آباد کے قیام کے زمانے میں سودا سے بھی ملے تھے، جو کہ نواب آصف الدولہ کے طلب کرنے پر فرخ آباد سے اسی زمانے میں آئے تھے۔ وہاں حسرت وواصف کے علاوہ دوسرے بعض ممتاز مصنفین سے بھی ملاقات ہوئی تھی اور انھوں نے چندغزلوں کے علاوہ کچھ اور اشعار کہے تھے۔ لکھنو میں وہ سودا کے شاگرد تھے یہاں قائم کے شاگرد ہوئے اور دراصل اسی استاد کی بدولت انھوں نے اپنے علم وفن شعر کی تکمیل کی۔

ڈیڑھ سال لکھنو میں قیام کرنے کے بعد حضرت سلون پہنچے اور اپنے والد کی طرح شاہ کریم عطا صاحب کے توسط سے سلسلہ چشتیہ میں داخل ہوگئے۔ اس وقت سے صرف روحانی مسائل کے سوا ساری چیزوں سے دلچسپی ختم ہوگئی۔ بعدازاں مہاراجہ تکت رائے اور راجہ بلاس رائے نے انھیں لکھنو آنے کی دعوت دی اور شاہ کریم نے انھیں وہاں پہنچنے کا مشورہ دیا۔ وہ شاہی محل کے قریب کسی جگہ ٹھہرے اور وہاں ہندوستانی ادب کے ان دوسر پرستوں کی حوصلہ افزائی سے شعروسخن میں منہمک ہوگئے۔ دوسال کے بعد رام پور چلے گئے اور قائم کے مشورے کے مطابق انھوں نے اپنا کلام جرأت کو دکھانا شروع کیا جو کہ اس وقت ہفتہ میں دوروز علم وفن شعر کا درس دیا کرتے تھے۔

اس وقت کمال کی عمر ۱۹ سال تھی۔ وہ بچپن ہی سے ادب میں دلچسپی لیتے تھے اور مشہور ومعروف دواوین

وکلیات کے ساتھ جو متفرق کلام واشعار ہاتھ آئے تھے،اسے بھی نقل کرتے رہتے تھے۔اس کی بدولت انھیں تذکرہ لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ اس کام کے لیے انھوں نے بڑا وقت اور سرمایہ صرف کیا ہے۔انھوں نے نواب اودھ کے کتب خانہ اور ذاتی کتب خانوں سے زیادہ تعداد میں اشعار کے مجموعے حاصل کیے اور مشہور و معروف شعرا کی تصویریں بھی جمع کیں۔

نواب آصف الدولہ جو کہ اردو شاعری سے خاص شغف رکھتے تھے،انھوں نے میر سوز کے توسط سے کمال کے جمع کیے ہوئے دواوین کی نقلیں حاصل کرانے کا انتظام کیا تھا۔نواب صاحب کا کہنا تھا کہ اگر کمال صرف ایک دن کے لیے یہ کتابیں دیدیں تو سات سوخوش نویسوں کو لگا کر انھیں نقل کراسکتے ہیں۔کمال راضی ہوگئے اور پانچ سو روپیہ اس رعایت کے عوض حاصل کیے۔نواب صاحب کے اطمینان کے ساتھ تقریباً ۵۰ دواوین کی نقلیں کرائیں۔کتابوں کی واپسی کے وقت نواب نے کمال کو مزید ۵۰۰ روپے اور ایک شال بطور تحفہ پیش کی۔یہ شال اس قدر زبردست تھی کہ کشمیری دکاندار کہا کرتے تھے کہ انھوں نے ایسی خوبصورت شال کبھی نہیں دیکھی۔ جب نواب صاحب کو یہ معلوم ہوا کہ خود کمال نے بھی کئی دیوان مرتب کیے ہیں تو انھوں نے ان کو دکھانے کی فرمائش کی۔ کمال نے فوراً دواوین بھیج دیے لیکن اس اثنا میں نواب صاحب کا انتقال ہوگیا اور یہ کتابیں ضائع ہوگئیں۔کمال کے پاس جو قلمی مسودے موجود تھے،ان سے ازسرنو صاف کاپیاں تیار کیں۔نواب صاحب کی وفات کے ڈیڑھ سال بعد مہاراجہ تکت رائے کا بھی انتقال ہوگیا اور بلاس رائے کے مشورے سے کمال دکن کو روانہ ہوئے۔ایک اونٹ اور ایک گھوڑے پر اپنی کتابیں لاد کر حیدرآباد پہنچے۔وہاں پھر انھوں نے شمالی وجنوبی ہند کے قدیم وجدید شعرا کا کلام جمع کرنا شروع کیا۔حیدرآباد کے ہم عصر شعرا کے اشعار انھوں نے خاص طور پر جمع کیے اور جو ضخیم تذکرہ وہ لکھنا چاہتے تھے،اس کے لیے نوٹس بھی تیار کرنے لگے۔ اس کام کے لیے انھوں نے تین تذکروں سے خاص مدد لی، پہلا اپنے استاد قائم کا،دوسرا مصحفی کا ،تیسرا میر کا۔ان کے بیان کے مطابق ان کا تذکرہ ان تمام تذکروں سے اہم ہے جو اس وقت تک لکھے گئے تھے۔اس کے بعد نواب امیر الامرا بہادر نے ان سے کہا کہ وہ اپنے تذکرے کا ایک خلاصہ ''مجمع الانتخاب'' کے نام سے فارسی میں تیار کریں۔مسٹر نیوبولڈ نے اس کتاب کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی لندن کو دیا تھا اور میں نے اس سوسائٹی کے ایک رکن کے ذریعے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔کہا جاتا ہے کہ بڑی تقطیع کی اس ضخیم تاریخ کے سوا کمال نے اردو ادب پر اور کوئی کام نہیں کیا۔اس کام میں انھوں نے ڈیڑھ سال صرف کیے اور ۱۲۱۹ء/۵-۱۸۰۴ء میں راجہ کے حوالے

کیا اور کہا کہ یہ کتاب صفحہ روزگار میں یادگار رہے گی۔ اس کتاب میں انھوں نے اپنے کلام سے بھی بہت سے انتخابات دیے ہیں۔ اس انتخاب میں "برق" کے عنوان سے ایک مثنوی بھی شامل ہے۔ برق دراصل ایک کتیا تھی جو ان کے ساتھ حیدرآباد پہنچ گئی تھی۔ یہ مثنوی دلچسپی سے خالی نہیں ہے اور گرے کی نظم کی یاد دلاتی ہے۔ Cat on the Death: A Favourate Cat Drown in a Tank of Gold Fishes. اس میں ایک گھوڑے پر بھی ایک مثنوی ہے، جس کے ساتھ انھیں ایک حادثہ پیش آیا تھا۔

۱۸۴۳ء میں Mr.Nowbold مرحوم نے مجھے ایک بڑا دلچسپ خط لکھا جس میں میرے اس مضمون کا ذکر تھا جو میں نے سور پر Journal Asiatique میں لکھا ہے۔ اسی خط میں Nowbold نے لکھا ہے کہ ۱۸۴۳ء میں کمال زندہ تھے اور صوبہ مدراس میں کرنول میں رہتے تھے جہاں وہ تقریباً ۳۸ سال سے تھے اور جہاں انھیں نواب کرنول کی طرف سے ایک جاگیر ملی تھی جسے ایسٹ انڈیا کمپنی نے ان کے پاس رہنے دیا۔ Nowbold نے اس زمانے میں ان سے ملاقات کی اور اس کا خیال ہے کہ کم از کم ۷۰ برس کے بوڑھے تھے۔ ان کا ایک لڑکا تھا جس کا نام محمد الف خان بہادر تھا۔ اور وہ اردو فارسی میں اچھی قابلیت رکھتا تھا اور انھوں نے Nowbold کے خط میں امیر خسرو کی اردو غزل کا پہلا شعر لکھا ہے، جس کا ذکر میں نے اپنے مضمون امیر خسرو میں کیا ہے۔ ذکا کے مطابق کمال الدین نام کا ایک قدیم شاعر ہے لیکن میرا خیال ہے کہ وہ یہی شاعر ہیں۔

کمتر۔ شاہ:

وہ لکھنو میں ایک درویش ہیں جن کا ذکر سرور نے اپنے تذکرے میں کیا ہے۔

کمتر۔ مرزا خیر اللہ بیگ:

یہ ہندوستانی شاعر فرخ آباد کے رہنے والے ہیں۔ ان کے آباو اجداد ایرانی تھے۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

کمتر۔ مولوی کفایت علی:

حسب ذیل کتابوں کے مصنف ہیں:

۱۔ "نسیم جنت"۔ یہ غالباً ایک صوفیانہ کتاب ہے جو دہلی سے ۱۸۴۹ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی ہے۔

۲۔ "شمائل النبی"۔ یہ ترمذی کی عربی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔

کم گو۔ مرزا حبیب اللہ:

خیرآباد کے رہنے والے تھے جو صوبہ اودھ میں ہے۔ سرور نے ان کی بڑی تعریف کی ہے اور کہتے ہیں کہ وہ جس وقت کہ وہ اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے، اس سے ایک سال پہلے کم گو کا انتقال ہو چکا تھا۔

کم ترین۔ میاں دہلوی:

وہ نواب عمادالملک غازی الدین کے یہاں ایک فوجی افسر تھے۔ انھوں نے آبرو کے طرز کی پیروی کی ہے۔ وہ ایک مسخرے آدمی تھے اور ہر شخص کی ہجو کرتے تھے۔ انھیں ہنسی مذاق میں بڑا لطف آتا تھا۔ انھیں استعارات و تمثیلوں کے استعمال کا بڑا شوق تھا۔ ہندوستانی انھیں بہت پسند کرتے اور اکثر ان کے شعر پڑھتے ہیں لیکن میر تقی میر جو کہ ان کی صحبتوں میں رہ چکے تھے، لکھتے ہیں کہ انھوں نے ایک شعر بھی سنجیدگی سے نہیں کہا۔ اس کے باوجود میر نے ان کی ہجویات نقل کی ہیں۔ میاں کم ترین غالباً وہی شخص ہیں جن کا ذکر قاسم اور سرور کے یہاں خان کم ترین یا کم ترین افغانی کے نام سے کیا گیا ہے۔ وہ دہلی میں رہتے تھے اور ۱۱۶۶ھ/۵-۶۴-۱۷ء میں انتقال کیا۔ ذکا اور اسپرنگر کا بیان ہے کہ وہ بیر خان بھی کہلاتے تھے اور روزانہ بڑے بازار میں آ کر اپنے اشعار فروخت کرتے تھے۔

کن سنگھ:

وہ ''تعدیل الجمال'' کے مصنف ہیں جو اردو میں لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب راولپنڈی سے ۱۸۶۸ء میں شائع ہوئی ہیں اور چھوٹی تقطیع کے ۱۰۰ صفحات پر ہے۔

کندن لال۔ لاہوری:

انھوں نے اردو نثر میں ''قصہ کامروپ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ Duncan Forbes کے پاس موجود تھا۔ یہ کتاب ہمت خان کی کتاب ''دستور ہمت'' کا ترجمہ ہے۔ ''دستور ہمت'' فارسی نظم ہے جو ۱۱۱۵ھ/۱۷۱۳ء میں لکھی گئی تھی۔

کنور بہادر:

وہ شاہ جہاں پور کے اخبار ''رفاہ الخلائق'' کے مدیر ہیں۔ یہ اخبار سال ۱۸۲۴ء سے مہینے میں دو بار نکلتا ہے۔

کنھیا لال پنڈت اور منشی لالہ:

وہ ایگزیکٹو انجینئر تھے اور درج ذیل اردو کتابیں تصنیف کی ہیں:

۱۔ ''ہدایت نامہ مجوزہ'' ۔یہ کتاب انگریزی سے اردو میں ترجمہ کی گئی، یہ صوبہ پنجاب میں پولیس کے اس قانون سے تعلق رکھتی ہے جو راستوں کے متعلق ہے۔اس کتاب کے کئی اڈیشن شائع ہو چکے ہیں جن میں ایک لاہور سے ۱۸۵۴ء میں اور ایک دوسرا لاہور ہی سے ۱۸۵۷ء میں شائع ہوا۔

۲۔ ''کیفیت نامہ بنی اسرائیل کے تمام سلاطین کا''۔یہ کتاب کریم الدین کی مدد سے اردو میں ترجمہ کی گئی ہے۔اس کتاب کو امریکن مشن نے فارسی رسم الخط میں الہ باد سے ۱۸۶۷ء میں شائع کیا۔ (چھوٹی تقطیع کے ۳۳۴صفحات)۔

۳۔ ''سلطنت شخصیہ''۔اس کتاب میں تمثیلی انداز میں بتایا گیا ہے کہ ہر شخص اپنی طبیعت کا بادشاہ ہے۔ یہ گوجرانوالہ سے ۱۸۶۷ء میں شائع ہوئی۔

۴۔ ''عہدنامہ جات وقرارنامہ جات''۔یہ ان معاہدوں کا اردو ترجمہ ہے جو ایسٹ انڈیا کمپنی اور انگریزی حکومت کے درمیان ہوئے تھے اور جنھیں H.H.Atkinson نے ایک جگہ جمع کیا تھا۔یہ کتاب ۵جلدوں میں ہے جن میں ترتیب وار ۳۴۰،۴۴۴،۳۹۰،۵۵۰،۵۲۲صفحات ہیں اور جو لکھنو سے ۱۸۶۶ء میں شائع ہوئی ہے اور اس کے بعد ۳ جلدیں اور شائع ہوئی ہیں۔

۵۔ ''رسالہ فن تلیبح کہربائی''۔جو گوجرانوالہ سے ۱۸۶۷ء میں چھوٹی تقطیع کے ۱۰صفحات پر مشتمل ہے۔

۶۔ ''گنج حکمت''۔یہ اردو کی ایک مذہبی کتاب ہے اور دہلی سے ۱۸۶۸ء میں چھوٹی تقطیع کے ۳۳۴صفحات پر ہے۔

۷۔ ''الکھ امواج''۔جو کہ ''یوگا واشٹا'' کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب لدھیانہ سے ۱۸۶۹ء میں ۷۰۴صفحات پر شائع ہوئی۔

۸۔ ''گلزار ہندی''۔یہ ان کے فارسی اشعار کا انتخاب ہے جس میں مختلف اخلاقی موضوعات پر نظمیں ہیں۔ عنوان سے پتا چلتا ہے کہ کتاب اردو میں لکھی گئی ہے۔اس کتاب کا انگریزی عنوان: *Practicle Essays in Persian on Word Subjects.* ہے۔اس میں تقریباً ۱۰۰ مثنویاں ہیں جن کے عنوانات مختلف ہیں۔ یہ کتاب لاہور سے ۱۸۶۷ء میں چھوٹی تقطیع کے ۱۷۰صفحات پر شائع ہوئی۔

کوثر۔مرزا مہدی علی خان:

مرزا قطب الدین حیدر خان کے بیٹے اور آقا علی خان کے پوتے تھے۔ان کے دادا معتمد الدولہ اسحاق خان کے چھوٹے بھائی تھے۔ معتمد الدولہ حیدرآباد کے صوبیدار تھے اور احمد شاہ کے دور میں مشہور معزز امرا

میں شمار کیے جاتے تھے۔ کوثر کا آبائی وطن توارن تھا۔ وہ وزیر صوبہ جات اعتمادالدولہ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ لکھنو میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۲۴۸ھ / ۳-۱۸۳۲ء میں دہلی تشریف لے گئے تھے۔ یہاں وہ شاہی محافظوں کے دستہ کے کماندار مقرر ہوگئے تھے۔ شیفتہ کہتے ہیں کہ وہ ایک کامیاب شاعر تھے اور مشاعروں میں بڑی باقاعدگی سے شریک ہوتے تھے۔ کوثر کو شیخ امام بخش ناسخ سے شرف تلمذ حاصل تھا اور وہ خود متعدد دوسرے شاعروں کے استاد تھے۔ سرور، شیفتہ اور محسن کہتے ہیں کہ انھوں نے بے شمار اشعار کہے ہیں۔ محسن کے بقول انھوں نے ۱۱۰۰۰ ابیات لکھی ہیں جو ایک دیوان کی صورت میں جمع کی گئی ہیں۔

کوچک ۔ مرزا وجد یا وجیہ دہلوی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر قاسم نے کیا ہے۔ ان کا جواں سالی میں لکھنو میں انتقال ہوا اور وہ دہلی میں نظام الدین اولیا کی درگاہ کے قریب دفن کیے گئے۔ ان کو عام طور پر مرزا کوچک صاحب کہتے تھے۔

کوکب ۔ رائے مکند رائے ۔ حیدرآبادی:

یہ ہندوستانی شاعر فیض کے شاگرد تھے۔ شیفتہ نے اپنے ''گلشن بے خار'' میں ان کا ذکر کیا ہے۔

کہان سنگھ ۔ باہو:

انھوں نے اردو زبان میں '' قواعد اردو'' لکھی ہے۔ جو ۱۸۶۷ء میں راولپنڈی سے شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب چھوٹی تقطیع کے ۲۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

کیدار ناتھ گھوش ۔ بابو:

وہ بنارس کے اردو اخبار ''باغ و بہار'' کے کالی پرشاد کے ساتھ مدیر ہیں۔ یہ اخبار ہر ہفتے نکلتا ہے۔

کیف ۔ شیخ فضل احمد ۔ لکھنوی:

شیخ اکبر علی کے بیٹے اور میر وزیر کے شاگرد تھے۔ وہ ایک ہم عصر شاعر ہیں، جن کا ذکر کریم اور حسن نے کیا ہے۔ وہ ایک دیوان کے مالک ہیں اور ان کی چند غزلیں '' سراپا سخن'' میں نقل کی گئی ہیں۔

کیفی ۔ میر ہدایت علی:

بارہ یا باڑھ کے ایک سید ہیں۔ وہ ایک کیمیاگر تھے اور ریختہ میں شعر بھی کہتے تھے۔ سرور ان سے واقف تھے اور انھوں نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔ ان کا انتقال ۱۲۱۹ھ / ۵-۱۸۰۴ء میں ہوا ہے۔

کیوان۔شیخ بدلی۔بلگرامی:

یہ ہندوستانی شاعر مرزا کلب حسین خان نادر کے شاگرد تھے۔محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

کیوان۔مرزا علی حسین:

آغا توکل کے بیٹے اور رفیق الدولہ بہادر کے بھانجے تھے۔ان کے استاد شیخ امام بخش ناسخ تھے۔انھوں نے ایک ہندوستانی دیوان لکھا ہے۔جس کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔

کامل۔شیخ جمال الدین:

وہ لکھنو کے علاقے آملہ میں رہتے تھے۔انھوں نے اردو میں شعر کہے ہیں۔وہ مصحفی کے شاگرد تھے۔ محسن نے ان کے چھ اشعار نقل کیے ہیں۔

گداز:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو فوج میں ملازم تھے۔وہ حسرت کے شاگرد تھے۔ابوالحسن اور عشقی نے ان کا ذکر کیا ہے۔

گردیزی۔فتح علی خان حسینی:

یہ اردو کے شمالی اور دکنی شعرا کے تذکرے کے مصنف ہیں۔ان کے تذکرے کا ایک نسخہ ٹیپو سلطان کے کتب خانے میں موجود تھا،جو فورٹ ولیم کالج کے حوالے کر دیا گیا۔اس نسخے سے میرے ایک دوست کیپٹن Freyer نے ایک کاپی نقل کرا کے مجھے بھیجی ہے۔انڈیا آفس کے کتب خانے میں اس کتاب کا ایک اور نسخہ موجود ہے۔جو Sir.G.Ouseley کے انتخاب میں شامل ہے۔میرے خیال میں یہ وہی کتاب ہے جس کا ایک نسخہ نظام کے وزیر کے کتب خانے میں تذکرہ فتح علی خان کے نام سے موجود ہے۔

یہ تذکرہ حروف تہجی کے تحت سلسلہ وار لکھا گیا ہے اور اس میں میر کے تذکرے کی طرح ۱۰۰ مضامین ہیں۔اس تذکرے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں متعدد مضامین ان شعرا کے متعلق ہیں،جن کا ذکر مصحفی،علی ابراہیم اور بینی نرائن نے نہیں کیا ہے۔

اس کے علاوہ میں نے فتح علی حسینی کا تذکرہ اس لیے بھی کیا ہے کہ انھوں نے اپنے فارسی تذکرے کے علاوہ ہندوستانی زبان میں بھی فکر سخن کیا ہے۔خیال کیا جاتا ہے کہ یہ تذکرہ ٹیپو سلطان کے عہد سے پیشتر لکھا گیا ہے کیونکہ اس کا نسخہ ٹیپو سلطان کے کتب خانے مین موجود تھا۔

گردیزی نے انجام پر جو مضمون لکھا ہے، اس میں انھوں نے بتایا ہے کہ انجام کا انتقال ۱۱۵۹ھ/۴۶-۱۷۴۶ء میں ہوا تھا۔ اور ان کا تذکرہ اس واقعے کے ۶ سال بعد لکھا گیا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ گردیزی نے اپنا تذکرہ ۱۱۶۵ھ/۵۲-۱۷۵۱ء میں تصنیف کیا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ یہ کتاب دہلی میں لکھی گئی ہے۔ یہ تذکرہ قائم کے تذکرے سے ۳ سال قبل لکھا گیا ہے کیونکہ ''مخزن نکات'' کی تاریخ تصنیف سے معلوم ہوا ہے کہ قائم نے اس کتاب کو ۱۱۶۸ھ/۵۵-۱۷۵۴ء میں مکمل کیا تھا۔

فتح علی کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے اپنے تذکرے میں نہایت ہی غیر جانبداری سے کام لیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ پیش رو تذکرہ نویسوں نے رشک وحسد سے شاعروں پر بے جا تنقید کی ہے۔ ذکا کا بیان ہے کہ گردیزی شیخ اور صوفی تھے۔ قاسم کے مطابق وہ ۱۸۰۶ء میں باحیات تھے۔ کیونکہ قاسم کے تذکرے میں، جو اسی سال لکھا گیا ہے، گردیزی کا ذکر زندہ شعرا میں بتایا گیا ہے۔

گرم۔ محمد مظہر خان۔ رام پوری:

محمد خان کے بیٹے اور محمد ابراہیم ذوق کے شاگرد ہیں۔ یہ ہم عصر ہندوستانی شاعر ہیں اور انھوں نے ایک دیوان مرتب کیا ہے۔ ان کے دیوان کے علاوہ ''لالہ داغ'' کے نام سے ان کی ایک مثنوی بھی یادگار ہے۔ یہ مثنوی میرٹھ سے ۱۲۶۴ھ/۸-۱۸۴۷ء میں شائع ہوئی ہے۔ ۸/اگست ۱۸۶۷ء کے ''اخبار عالم'' میرٹھ میں وجاہت علی نے اس مثنوی کی بڑی تعریف کی ہے۔ اسی اخبار میں گرم کا ایک قطعہ تاریخ نواب رام پور محمد کلب علی خاں کی شان میں شامل ہے۔

گرم۔ مرزا حیدر علی بیگ:

یہ ممتاز ہندوستانی شاعر نیاز علی بیگ کے بیٹے اور دہلی کے باشندے تھے۔ وہ شعروشاعری سے گہری دلچسپی رکھتے تھے اور مصحفی سے اصلاح لیتے تھے جوان کو بہت چاہتے اور سراہتے تھے۔ کمال انھیں لکھنوی بتاتے ہیں جہاں وہ ان سے ملے تھے۔ ۱۸۰۰ء میں گرم لکھنو میں تھے اور بعد میں حیدرآباد دکن گئے، جہاں ان کا انتقال ہوا۔ کمال نے گرم کی دو غزلیں دی ہیں جو انھوں نے خود ان سے حاصل کی تھی۔ بنی نرائن نے اپنے دیوان جہاں میں ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔

نالہ کی گرمیوں سے بھنتے دل و جگر ہیں — لب خشک ہو رہے ہیں کانٹے زبان پر ہیں
تیغ نگاہ کس کی دیکھی ہے ہم نے یا رب — جو زندگی سے اپنی بیزار اس قدر ہیں
یاران رفتگاں کا مت پوچھ مجھ سے قصہ — اے ہم نشین میں بھی حیران ہوں کدھر ہیں

خورشید و ماہ کو میں پھرتے ہی دیکھتا ہوں یہ کس کی جستجو میں آوارہ در بدر ہیں
سینے کے داغ سوزاں آنکھوں کے اشک خونی اس گل عاشق کے یہ گل ہیں وہ ثمر ہیں
کس شعلہ رو کے غم میں روتا ہے اس قدر تو جو گرم اشک تیرے سوزندہ اس قدر ہیں

''تذکرۂ ہندی'' از مصحفی، ص ۱۹۹

گرامی۔ مرزا:

وہ عبدالغنی بیگ، قبول کشمیری کے بیٹے تھے۔ قائم نے اپنے ''مخزن نکات'' میں لکھا ہے کہ ان کا انتقال محمد شاہ کی حکومت کے آخری دور میں ہوا ہے۔ وہ ابتدا میں فارسی میں شعر کہتے تھے لیکن عام رجحان کے مطابق بعد میں انھوں نے ریختہ میں شعر کہنا شروع کردیا۔ میر، جو ان کے ہم عصر تھے، انھوں نے گرامی کے متعلق زیادہ معلومات نہیں بہم پہنچائی ہیں۔ میر نے اپنے تذکرے کے ناظرین سے درخواست کی ہے کہ مزید معلومات کے لیے وہ سراج الدین علی خان صاحب آرزو کے تذکرے کا مطالعہ کریں۔ میر سراج الدین علی خان صاحب آرزو کو اپنا استاد سمجھتے تھے۔

گرامی۔ میر گھاسی:

وہ محمد تقی کے دوست تھے اور ان کی طرح ہندوستانی زبان میں فکر شعر کرتے تھے۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

گرادب۔ رام چرن:

ایک ہندوستانی شاعر تھے جن کا محسن نے اپنے تذکرے میں ذکر کیا ہے۔

گرفتار۔ مرزا سنگین بیگ۔ دہلوی:

وہ رحیم یار خان کے بیٹے تھے اور مغل خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ ہندوستانی شاعر حاتم کے شاگرد تھے۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

گریان۔ میر علی امجد۔ دہلوی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر علی ابراہیم اور منولال نے کیا ہے۔

گریان۔ میر محمد علی۔ لکھنوی:

بعض ہندوستانی تذکرہ نویس ان کو امجد علی گریان سے خلط ملط کرتے ہیں اور بعض انھیں ملاتے ہیں۔

گریاں میر حسام الدین علی:

وہ میر پھچو کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جنھوں نے فارسی میں بھی سلام اور

مرثیے لکھے ہیں۔ سرور ان کے گہرے دوست تھے اور انھوں نے ان کے ہندوستانی اشعار اپنے تذکرے میں متعدد صفحات پر درج کیا ہے۔ ان کے بقول گریان کو امام بخش ناسخ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ ذکا کا بیان ہے کہ وہ دہلی کو چھوڑ کر مرشدآباد چلے آئے تھے اور یہیں ان کا انتقال ہوا ہے۔

میرا خیال ہے کہ یہ وہی حسام الدین علی سید ہیں جو سعادت علی کے بیٹے اور کرامت اللہ فرخ کے شاگرد تھے اور جن کی ایک تصنیف کا نام ''کلیات قصائد حسام'' ہے جو آئمہ کی شان میں لکھے گئے ہیں۔ یہ کتاب لکھنو سے ۲۱۵ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

گریان۔ بھوانی سنگھ بہادر۔ یا راجہ کنور:

وہ شتاب رائے ممتاز الملک کے بیٹے عاشق کے بھائی اور میاں فدوی کے شاگرد تھے۔ وہ دہلی کے آخری سلطان کے دیوان اور شاعر بھی تھے۔ ان کا انتقال کلکتہ میں ہوا۔

گریان۔ غلام محی الدین:

وہ دوجانہ کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد سید مولوی تھے۔ سرور ہندوستانی شعرا میں ان کو شمار کرتے ہیں۔

گریان۔ سید محمد حسین۔ لکھنوی:

وہ سید حسین علی سوزان کے بیٹے اور میر اکبر علی برکت کے پوتے تھے۔ انھوں نے شاعری کا شوق ورثے میں پایا تھا۔ محسن نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

گستاخ۔ میرزا علی بیگ۔ لکھنوی:

شیفتہ نے ان کا ذکر کیا ہے۔

گلشن امیر سنگھ:

وہ دہلی کے ایک کھشتری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

گلشن شاہ یا میاں گلشن صاحب:

وہ ولی کے استاد تھے۔

گمان۔ نثار علی خان۔ دہلوی:

وہ اشرف علی خان فغان کے دوست اور شاگرد تھے۔ جن دنوں علی ابراہیم اپنے تذکرے لکھ رہے تھے، وہ آگرہ اور فیض آباد میں رہتے تھے۔ انھوں نے عشقیہ اشعار لکھے ہیں جو خاصے مقبول ہیں۔

گنا یا کنا بیگم:

یہ شہزادی عماد الملک کی بیوی اور شعروشاعری کے لیے مشہور ہیں۔ W. Jones عماد الملک کو غازی الدین بہادر کہتے ہیں۔ وہ مغل بادشاہ احمد شاہ کے وزیر تھے۔ انھوں نے احمد شاہ کو اندھا کروا کر ۱۷۵۳ء میں عالم گیر کو تخت نشیں کرایا۔ ۱۷۵۶ء میں انھوں نے عالم گیر کو بھی قتل کر دیا اور شاہ جہاں ثانی کو تخت پر بٹھایا، جو ۱۷۶۰ء میں معزول کر دیے گئے۔ ان کے استاد میر قمرالدین منت تھے، جن کی ان کے شوہر عماد الملک بڑی عزت کرتے تھے اور ان کی قابلیت اور شاعرانہ ذہانت کی وجہ سے گھر پر بلاتے تھے۔ عماد کے حکم سے اور ان کی موجودگی میں منت نے گنا کو شعروشاعری کا سبق دینا شروع کیا۔ انھوں نے اپنے استاد سے فائدہ اٹھایا اور غزل میں خود تقریباً استاد کے مرتبے کو پہنچ گئیں۔ ان کی غزلیں دلکش اور فنکارانہ ہیں۔ وہ کبھی کبھی منت تخلص بھی استعمال کرتی ہیں۔ اس لیے ان کے استاد کی ایک غزل ان سے منسوب ہوگئی۔ یہ وہ غزل ہے جسے jones نے *Asiatic Researches* کی پہلی جلد میں نقل کیا ہے۔

مدعی اس سے سخن ساز بہ سالوسی ہے　　پھر تمنا کو یہاں مژدۂ مایوسی

مصحفی نے گنا کے اشعار نقل کیے جو قابل تعریف ہیں۔ چند تذکرہ نگاروں نے گنا کا تخلص منظر بتایا ہے لیکن کریم الدین اسے غلط خیال کرتے ہیں۔ گنا علی قلی خان کی بیٹی تھی، جن کو شش انگشتی بھی کہتے ہیں، وہ اپنے حسن اور ذہانت اور شیریں مقالی کے لیے بہت مشہور تھیں۔ وہ صرف ذہین نہیں تھیں بلکہ عالم و فاضل بھی تھیں اور ان میں بہت سی صلاحیتیں تھیں۔ انھوں نے اس وقت کے مشہور شاعر میر اور سودا سے بھی مشورۂ سخن لیا ہے۔

گنگا پرشاد:

وہ حسب ذیل کتابوں کے مصنف ہیں:

۱۔ ''نقصانات فضول خرچی شادی''۔ یہ کتاب اردو میں ہے اور میرٹھ سے ۱۸۶۴ء میں شائع ہوئی۔

۲۔ ''معذرت عازمین''۔ یہ کتاب سماجی موضوعات سے بحث کرتی ہے اور میرٹھ سے ۱۸۶۴ء میں شائع ہوئی ہے۔

۳۔ انھوں نے ایک کتاب پند ونصائح پر لکھی ہے، جو میرٹھ سے ۱۸۶۴ء میں شائع ہوئی۔

۴۔ گنگا پرشاد ''گنجینۂ علوم'' کے مدیر ہیں۔ یہ ماہانہ اردو اخبار مرادآباد کے ''مطبع خورشید ہند'' سے نکلتا ہے۔

۵۔ ''علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ''۔ وہ محمد اسماعیل کے ساتھ اس اردو اخبار میں معاون مدیر ہیں۔ یہ ہفتہ

وار رسالہ اردو اور انگریزی میں ایک ساتھ نکلتا ہے۔

۲۔ ''روئیداد ایسوسی ایشن مراد آباد''۔ یہ اردو میں ہے اور غالباً ''روئیداد کمیٹی'' بھی یہی ہے، جس نے ہندوستان کے رسم و رواج درج ہوتے ہیں۔

گنیش یا گنیشی لال:

وہ حسب ذیل اخباروں کے مدیر ہیں۔

۱۔ ''آفتابِ عالم تاب۔ یہ اردو اخبار مدت دراز سے آگرہ سے ۱۶ صفحے پر ہفتہ وار نکلتا ہے۔ یہی اخبار ہندی میں ''سورج پرکاش'' کے نام سے نکلتا ہے۔ ہر اشاعت کے سرورق پر ایک مثنوی درج رہتی ہے جس میں اخبار کی پالیسی، اس کے موضوعات اور اس کی قیمت وغیرہ کی تفصیل درج رہتی ہے۔

۲۔ ''اخبار جلوہ طور'' اور ''میور گزٹ'' یہ دونوں اخبار میرٹھ کے ''سلطان المطابع'' سے نکلتے ہیں۔

انھوں نے سیوارام کی مدد سے ''کلیدم'' نامی ایک اردو کتاب لکھی ہے جس میں کائستھوں کی تاریخ بیان کی گئی ہے جو پران سے ماخوذ ہے۔ یہ کتاب آگرہ سے ۱۸۶۸ء میں چالیس صفحات میں شائع ہوئی ہے۔

گنڈامل:

اندازہ ہے کہ وہ ہندو تھے اور بعد میں عیسائی ہوگئے۔ انھوں نے عیسائی مذہب پر ''گم گشتہ فرزند'' نامی کتاب لکھی جو ۱۸۶۹ء میں ۱۶ صفحوں پر شائع ہوئی ہے۔

گنڈن لال۔ منشی:

انھوں نے اردو میں ''گوہر شب چراغ'' کے نام سے ایک قصہ لکھا ہے۔ یہ کتاب بریلی سے ۱۸۶۸ء میں بڑی تقطیع کے ساتھ ۲۲ صفحات پر شائع ہوئی۔

گنگا دھر:

انھوں نے اکبر بادشاہ کے حکم سے ابوالفضل اور دوسرے علما کو الغ بیگ کی ''علم نجوم جدید'' کو فارسی سے ہندوستانی میں ترجمہ کرنے میں مدد دی۔

گوپاموئی۔ مولوی شیخ احمد علی:

انھوں نے غلام محمد کی فارسی کتاب کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ غلام محمد ٹیپو سلطان کے بیٹے تھے اور اپنے بیٹے فیروز شاہ کی معیت میں انگلستان کے سفر پر ۱۸۵۴ء میں تشریف لے گئے تھے۔ اس کتاب کو انگریزی میں History of Haidir Ali Khan Bahadur, Father of Tippoo Sultan. کے نام سے

گوری شنکر۔ منشی:

وہ منشی جمنا پرشاد کے بعد لاہور کے اخبار ''بحرِ حکمت'' کے مدیر ہو گئے تھے۔

گورودت۔ پنڈت:

وہ اگرچہ مصنف نہیں تو مؤلف ضرور تھے۔ ''تین دیوؤں کا قصہ'' ان سے منسوب ہے۔ جو کہ ۱۸۶۷ء میں چھوٹی تقطیع ۲۴۸ صفحات پر میرٹھ سے شائع ہوا ہے۔

گورو داس:

وہ تندہ کے اسکول میں منشی ہیں اور ''دلیل الحساب'' کے مصنف ہیں۔ یہ کتاب ہوشیار پور سے ۱۸۹۶ء میں چھوٹی تقطیع میں ۲۴۸ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

گوہر۔ خورشید علی خان بہادر۔ لکھنوی:

وہ مجد الدولہ کے بیٹے اور ظفر الدولہ فتح علی خان، شاہی خزانہ کے آفیسر کے پوتے تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں، جس کا ذکر محسن نے اپنے تذکرے میں کیا ہے۔

گوہر۔ بدایونی:

کمال کہتے ہیں کہ وہ ایک پرانے شاعر ہیں۔ مصحفی نے ان کے صرف ۲/اشعار نقل کیے ہیں۔

گویا۔ حسام الدولہ نواب فقیر محمد خان بہادر:

وہ آفریدی قبیلے کے تھے اور فوج میں رسالہ دار تھے اور افغانی نسل سے تھے۔ وہ کولہار میں پیدا ہوئے اور لکھنو میں رہتے تھے۔ بلند خان کے بیٹے تھے۔ سرور اور شیفتہ کے مطابق ناسخ کے شاگرد تھے۔ لیکن محسن کا خیال ہے کہ وہ خواجہ وزیر کے شاگرد تھے، جو علم و ادب کے شائقین کی سرپرستی کرتے تھے اور خود بھی ایک شاعر تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ گویا اکثر سکتے کے عارضے میں مبتلا رہتے تھے۔ ان کا انتقال ۱۸۵۴ء میں ہوا ہے۔ ۱۲۴۵ھ میں انھوں نے اپنا دیوان مرتب کیا ہے جس میں تین قصیدے، چند غزلیں، مرثیے، رباعیاں اور ترجیع بند شامل ہیں۔ ان کے قصیدوں میں ایک حضرت علیؓ کی شان میں لکھا گیا ہے اور دوسرا نصیر الدین حیدر نواب اودھ کی تعریف میں ہے۔ تیسرا قصیدہ غازی الدین حیدر سے منسوب ہے۔ لکھنو کے توپ خانہ میں اس دیوان کا ایک قلمی نسخہ تھا۔ اس کتاب کے ۲/اڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ ایک کراچی میں ۱۸۵۹ء میں ۲۲۹ صفحات پر اور دوسرا کان پور میں ۱۸۲۴ء میں ۲۲۸ صفحات پر چھپا ہے۔

گویا۔شیخ حیات اللہ۔فرخ آبادی:

وہ ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازم تھے اور شاعر بھی تھے۔سرور اور شیفتہ نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

گھٹالا۔محمد اعظم:

وہ مدراس کے اردو اخبار ''شمس الاخبار'' کے مدیر ہیں۔یہ اخبار ہر عشرے میں شائع ہوتا ہے۔اور اس کے ناشر کا نام سید عبدالستار قاضی ہے۔

گھاسی۔میر:

وہ مغل پورہ کے باشندہ تھے۔میران سے واقف تھے اور ان کو ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے تھے۔وہ دوسرے ہندوستانی شعرا کے برخلاف اپنی غزل کے مقطع میں اپنا تخلص استعمال کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ تذکرہ نویسوں نے ان کے صرف چھ اشعار نقل کیے ہیں۔

گیسودراز۔عبداللہ حسین:

وہ گلبرکہ کے رہنے والے تھے۔انھوں نے ''نشاط العشق'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو دکنی زبان میں ہے ۔ یہ کتاب ٹیپو کے کتب خانے میں تھی لیکن آج کل لندن کی ایسٹ انڈیا کی لائبریری میں ہے۔کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی میں'' نشاط العشق'' کے نام سے ایک کتاب موجود ہے۔ممکن ہے کہ یہ گیسودراز کی کتاب ہو،اگرچہ اس کے مصنف کا نام عبدالغفور بتایا گیا ہے۔عبدالغفور اکثر لقب کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔چنانچہ اس کتاب کے اصل مصنف کا نام کچھ اور بھی ہوسکتا ہے۔

لائق۔میر لائق علی۔لکھنوی:

وہ شمالی ہندوستان کے شاعر ہیں۔ان کے اشعار ایک دیوان میں مرتب کیے گئے ہیں۔حیدرآباد کے سراج الدولہ کے پاس اس دیوان کا ایک نسخہ موجود تھا۔قاسم کہتے ہیں کہ ۱۲۰۸ھ/ ۹۴-۱۷۹۳ء میں لائق اپنی تعلیم مکمل کر کے لکھنو سے دہلی چلے گئے اور وہاں ناسخ کے شاگرد ہو گئے۔

لچھمن پرشاد۔لچھمن داس:

بریلی کالج میں منشی اور اسی شہر کے'' عمدۃ الاخبار'' کے مدیر ہیں۔اس اخبار کے پہلے مدیر مولوی عبدالرحمٰن تھے۔یہ اخبار مسٹر ٹرینگر کی منشا سے جاری کیا گیا تھا،جو کہ بریلی کے اسکولوں کے سپریٹنڈنٹ تھے۔یہ تین صفحوں کا ہفتہ وار اخبار ہے جس میں اداریے کے علاوہ روزانہ کی خبریں ہوتی ہیں۔اس میں آگرہ گورنمنٹ کے کچھ اقتباسات بھی شائع ہوئے ہیں۔یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ اس اخبار کی اردو تحریر بڑی سادہ اور

آسان ہوتی ہے جسے عام طور پر لوگ مسجع و مقفع عبارت کا عادی ہونے کی وجہ سے پسند نہیں کرتے۔ بعض اوقات ان کے مضامین بڑے دلچسپ ہوتے ہیں۔ ایک مضمون جس میں دلی اور لکھنو کی اردو کا تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے، لسانی نقطہ نگاہ سے خاص طور پر دلچسپ ہے۔ (*Selection from the Records of the Goverment of India.*1854)

۱۸۵۳ء میں لچھمن پرشاد مہاراجہ گوالیار کے ملازم تھے جہاں سے وہ ''گوالیار گزٹ'' یا ''گوالیار اخبار'' اردو اور ہندی میں مشترک کالموں کے ساتھ شائع کرتے تھے۔ وہ مقامی حکومت کے احکامات پر مشتمل ہوتا تھا اور اس لحاظ سے وہ ایک سرکاری اخبار تھا۔ وہ گوالیار کے ''مطبع عالیجاہ'' سے نکلتا تھا۔ لچھمن نے مندرجہ ذیل کتابیں بھی لکھی ہیں:

۱۔ ''جواہر معانی''۔ یہ علم اخلاق وسائنس کی مختصر قاموس ہے۔

۲۔ ''منوسیتنا''۔ یہ قوانین منو کا اردو ترجمہ ہے جو بریلی سے ۱۸۵۳ء میں چھپا ہے۔

۳۔ ''گفتار''۔ اس میں نئے اساتذہ کو مشورے دیے گئے ہیں۔

۴۔ ''تشریح الابجد''۔

لچھمن سنگھ۔ کنور:

وہ اٹاوہ کے ڈپٹی مجسٹریٹ تھے۔ انھوں نے مسٹر A.O.Hume کی مدد سے ایکٹ نمبر آف ۱۸۵۹ء مطبوعہ اٹاوہ۔ ۱۴۴ صفحوں میں بحکم صدر بورڈ آف ریونا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ غالباً یہ وہی منشی لچھمن ہیں جنھوں نے حسب ذیل کتابیں لکھی ہیں۔

۱۔ ''کتاب خانہ شمار مغربی''۔ یہ آگرہ سے شائع ہوئی۔ (آگرہ گورنمنٹ گزٹ، یکم جون ۱۸۵۸ء)

۲۔ ''ہدایت نامہ واسطے ڈپٹی مجسٹریٹ کے''۔ یہ کتاب اردو میں ہے اور ہندی میں ترجمہ کی گئی ہے۔ یہ کتاب مسٹر Kipwith کی *Lagistrate Guide* کا ترجمہ ہے جو کہ الٰہ آباد سے ۱۸۵۹ء میں چھوٹی تقطیع پر ۲۸ صفحات میں چھپی ہے، اس کی دو ہزار کاپیاں ہیں۔

لسان۔ میر کلیم اللہ:

وہ ایک اچھے ہندوستانی مصنف ہیں جس کا کمسنی میں احمد شاہ کے دور میں انتقال ہو گیا تھا۔ وہ فتح علی حسینی کے گہرے دوست تھے۔ فتح علی حسینی کا بیان ہے کہ وہ ایک خوش رو جوان تھے اور بلند کردار کے مالک تھے۔ انھوں نے ان کے متعدد اشعار کو نقل کیا ہے۔

لطافت ۔ سید حسن موسوی ۔ لکھنوی:

وہ سید آغا حسن امانت کے بڑے لڑکے اور شاگرد تھے ۔انھوں نے ایک دیوان چھوڑا ہے جس سے کچھ غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔

لطف ۔ مرزا علی ۔ دہلوی:

وہ اردو کے مزاح نگار شاعر ہیں ۔ ان کے والد اور استاد کاظم بیگ خان ہجری تھے جو استرآباد ضلع مرجان کے رہنے والے تھے ۔۱۱۴۵ھ /۲ -۱۷۴۱ء میں کاظم علی نادرشاہ کے ساتھ دہلی آئے اور ابوالمنصور خان صفدر جنگ کے توسط سے ان کی رسائی شاہی دربار تک ہوئی ۔وہ فارسی میں شعر کہتے تھے اور ہجری تخلص کرتے تھے ۔ان کے بیٹے لطف اردو کے شاعر تھے اور بقول شیفتہ میر تقی سے اصلاح لیتے تھے۔

وہ ایک تذکرہ ''گلشن ہند'' کے مصنف ہیں جو ۱۲۱۵ھ /۱-۱۸۱۰ء میں لکھا گیا ہے۔اس تذکرے میں اردو میں نوٹ دیے گئے ہیں جو دوسرے تذکروں کے مقابلے میں زیادہ طویل ہیں اور اس میں کثرت سے حوالے بھی ملتے ہیں۔لطف نے دیباچے میں بیان کیا ہے کہ انھوں نے اپنا تذکرہ '' گلزار ابراہیم'' کے طرز پر جدید ہندوستان کی عام فہم زبان اردو میں اس لیے لکھنا پسند کیا کہ ان کا تذکرہ عوام میں مقبول ہو سکے۔دیباچے کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ لطف کا تذکرہ'' گلشن ہند'' اور'' گلزار ابراہیم''، دونوں ایک دوسرے کی ہو بہو نقل ہو گئے ہیں، لیکن میرے خیال میں ایسا نہیں ہے، بلکہ لطف نے بعض نئے شعرا کا اضافہ کیا ہے اور اکثر شعرا کے حالات میں مزید وضاحت سے کام لیا ہے اور اس طرح یہ دونوں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہو گئے ہیں۔ پہلے باب میں ساٹھ شعرا کا ذکر ہے جو صاحب دیوان ہونے کی وجہ سے مشہور تھے۔کیونکہ ہندوستان میں کوئی شاعر اس وقت تک مشہور نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی غزلوں کو ردیف وار مرتب کر کے دیوان کی شکل میں پیش نہ کرے۔دوسرے باب میں لطف ان شعرا کا ذکر کرنے کا ارادہ رکھتے تھے جو زیادہ مشہور نہیں تھے لیکن دیباچہ میں انھوں نے بتایا کہ وہ اسے پورا نہ کر سکے۔اور حقیقت یہ ہے کہ نظام حیدرآباد کے پہلے وزیر اعظم کے کتب خانے میں اس تذکرے کا جو نسخہ ہے اس میں صرف پہلا حصہ ہے۔ میرے پاس جو نسخہ ہے وہ مجھے جنرل اسٹورٹ سے ملا ہے اور اس میں بھی صرف پہلا حصہ ہے۔جنرل اسٹورٹ نے حیدرآبادی نسخے سے یہ نسخہ نقل کرایا تھا۔ اس کے کاتب سید ذوالفقار علی تجلی تھے اور ۱۲۵۳ھ /۳۸-۱۸۳۷ء میں پورا ہوا۔اس میں ۴۰۰ صفحات ہیں۔لطف نے یہ تذکرہ نواب اودھ سعادت علی کے حکم سے لکھا تھا۔دیباچے میں انھوں نے نواب کی بڑی تعریف کی ہے۔لطف کا قیام پٹنہ، لکھنو اور

حیدرآباد میں رہا، وہ حیدرآباد کمال کے جانے کے ایک سال بعد پہنچے۔ کمال سے وہ لکھنو ہی سے واقف تھے۔ ''مجمع الانتخاب'' جس وقت لکھا جارہا تھا، وہ زندہ تھے۔ لطف کے اردو اشعار بے شمار ہیں۔ انھوں نے ۲۷ صفحوں میں اپنے اشعار نقل کیے ہیں۔ اس میں غزلیں، قصیدے اور ایک طویل عشقیہ مثنوی شامل ہے۔

سرور نے ایک دوسرے مرزا علی لطف لکھنوی کا ذکر کیا ہے جو ملول کے بیٹے تھے اور ''گلشن ہند'' جن کی تصنیف ہے، لیکن میرا خیال ہے کہ یہ دونوں اشخاص ایک ہی ہیں۔

لطف الحق:

وہ ''اصلاح المومنین'' کے مصنف ہیں جو کلکتہ سے ۱۸۴۹ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوا ہے۔

لطف اللہ۔ مرزا:

وہ سورت کے رہنے والے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنی خودنوشت سوانح عمری لکھی تھی جس کی وجہ سے انھیں یورپ میں بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ (اس سلسلے میں [۱۰/ اکتوبر ۱۸۵۷ء] کا Journals des Dehots دیکھیے)۔ انھوں نے اردو میں طب کے موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام ''نجیب العماعد'' ہے۔ اس کتاب کا ذکر Catalogue of Native Pablications in the Bombay Presidency میں ہے۔ یہ کتاب سورت سے ۱۸۶۰ء میں ۱۹۲ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔ انھوں نے ہیضہ کے مرض پر ایک رسالہ بھی لکھا ہے جو بمبئی سے ۱۸۵۰ء میں چھوٹی تقطیع کے ۶۴ صفحات پر چھپا ہے۔

لطفی:

وہ دکن کے ایک قدیم شاعر ہیں۔ لیکن ہندوستانی تذکرہ نویسوں نے ان کے حالات کی کوئی تفصیل نہیں دی۔ میر نے ان کے صرف ۳/ اشعار نقل کیے اور علی ابراہیم نے صرف ایک شعر:

میں عشق کی گلی میں گھائل پڑا ہوں تم پر
جوبن کا ماتا آ کر مجھ کو کھندل گیا ہے

''گلشن ہند، گلزار ابراہیم''، ص ۲۰۵

قائم اپنے تذکرے میں کہتے ہیں کہ اس کا شاعر کا نام لطف علی تھا اور لطفی ان کا تخلص تھا۔

مجھے معلوم نہیں کہ یہی شاعر ''قصۂ بہلول صادق ورانی زرخا چینی'' کے مصنف ہیں، جس کا ایک نسخہ ایسٹ انڈیا آفس کے کتب خانے میں موجود ہے اور جس کا مصنف لطفی ہے۔

شورش۔ مرزا کہ لطفی کا ذکر کرا ... کہتے ہیں ... شاعر ...

لطیف۔ میر لطیف علی:

وہ ایک جوہری تھے اور صوفیانہ شاعری کرتے تھے۔ ان کے استاد درد تھے۔ ۱۲۱۴ھ/۱۸۰۰-۱۷۹۹ء میں ان کا انتقال ہوا۔

لطیف۔ میر شمس الدین:

یہ ایک ہندوستانی مصنف ہیں۔ وہ سورت میں پیدا ہوئے تھے۔ جن دنوں مصحفی اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو ان کی عمر صرف ۳۲ سال کی تھی اور بینی نرائن کے تذکرہ کے مکمل ہونے سے کچھ عرصہ پہلے لکھنو میں رہتے تھے۔ ہندوستانی تذکرہ نویسوں کے مطابق لطیف ایک فطری شاعر تھے۔

وہ ایک اچھے سید خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ سرور ان کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔ اسپرنگر کا بیان ہے کہ سرور ان کو لطف کہتے تھے لیکن میرے پاس سرور کا جو تذکرہ ہے اس سے اس بات کی تصدیق نہیں ہوتی۔

لعلن:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں۔ کمال ان کو رام پور میں مولوی قدرت اللہ کے مشاعروں میں دیکھا کرتے تھے۔ ان کی دو غزلوں کو کمال نے نقل کیا ہے۔

لکنت۔ محمد بشیر خان۔ رام پوری:

محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

ماہ:

وہ ایک خاتون ہیں جن کا کریم الدین نے ذکر کیا ہے۔ انھوں نے اس خاتون شاعر کے حسن و جمال کی بڑی مبالغہ آمیزی کے ساتھ تعریف کی ہے۔ لیکن جہاں تک ان کے اخلاقی کردار کا تعلق ہے وہ ان کی جسمانی اور ذہنی خوبیوں پر ایک بدنما داغ ہے۔

ماہ۔ مرزا رشید علی بیگ:

لکھنو میں پیدا ہوئے لیکن آگرہ میں رہتے تھے۔ وہ مرزا فیض علی بیگ کے بیٹے، رکن الدولہ مرزا مراد علی خان بہادر کے پوتے اور مرزا حاتم علی بیگ مہر کے بھائی تھے۔ ان کے استاد خواجہ حیدر علی آتش تھے۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جن کی چھ غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔

ماہ۔ میر محمد علی خان:

حیدرآباد کے رہنے والے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں، جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔

ماہر۔میر اور میاں فخر الدین خان۔دہلوی:

وہ اشرف علی خان کے بیٹے تھے اور ایک ممتاز خاندان سے تعلق رکھتے تے۔جن دنوں مصحفی اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو وہ کافی ضعیف اور معمر ہو چکے تھے۔انھوں نے کچھ عرصہ تک سودا کے ساتھ ان کے دیوان کو نقل کرنے کا کام کیا ہے۔وہ اوائل عمری میں گھر کے پاکیزہ ادبی مذاق سے متاثر ہوکر سودا کی طرح شعر کہنے کا شوق رکھتے تھے۔چنانچہ انھوں نے شعروسخن کی مشق شروع کردی اور سودا سے اصلاح لینے لگے۔ان کو اردو مصنفین میں شمار کیا جاتا ہے۔محسن نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

ماہر۔یوسف حسین۔لکھنوی:

ان کا دوسرا نام محمد امیر ہے۔وہ آقا علی کے بیٹے اور مہدی حسین خان کے شاگرد تھے۔محسن نے اپنے تذکرے میں ان کا ذکر کیا ہے۔

مائل۔سید کاظم علی۔حیدرآبادی:

وہ ایک شاعر ہیں جن کا انتقال کمسنی میں ہوا۔شیفتہ نے ان کا ذکر کیا ہے۔اسپرنگر ان کو قاسم کہتے ہیں۔

شاہ میاں اور میر محمدی:

وہ دہلی کے ایک سید تھے۔جس وقت مصحفی اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے،وہ دہلی میں فتح پوری مسجد کے پاس رہتے تھے اور جن دنوں علی ابراہیم اپنا تذکرہ تصنیف کررہے تھے،وہ مرشدآباد میں تھے۔مائل چند خوبیوں کے مالک ہیں۔مصحفی اور منولال نے اپنے تذکروں میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔وہ آگرہ کے مولوی قدرت اللہ کے شاگرد تھے اور قاسم کے بقول ان کو قائم سے شرف تلمذ حاصل تھا۔وہ خود اپنے دور میں شاہ نصیرالدین نصیر دہلوی،بابر علی شاہ آشفتہ اور خسروی کے استاد تھے۔

ان کا انتقال سرور کے تذکرہ کی تصنیف سے کچھ عرصہ پہلے ہو چکا تھا۔شورش نے میاں فخر مائل کا ذکر کیا ہے،جو غالباً یہی مائل ہیں۔

مائل۔لالہ للیتا پرشاد۔لکھنوی:

وہ ایشری پرشاد کے بیٹے اور کایستھ ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ان کے استاد عبداللہ خان مہر تھے۔محسن نے ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔

مائل۔مرزا آغا بیگ:

وہ ایک دوسرے ہندوستانی شاعر ہیں جو عشرت کے شاگرد تھے۔سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

مائل ۔ منشی چنی لال:

وہ ایک ہم عصر شاعر ہیں جن کی ایک غزل ۱۶ر نومبر ۱۸۶۹ء کے ''اودھ اخبار'' میں شائع ہوئی ہے۔

مائل ۔ میر مہدی ۔ دہلوی:

وہ ایک اردو شاعر ہیں، جن کا انتقال سرور کے تذکرہ لکھنے سے کچھ عرصہ پہلے ہوا۔

مائل ۔ میر ہدایت علی:

وہ عظیم آباد میں پیدا ہوئے لیکن دکن میں چلے گئے تھے۔ وہ کمسنی ہی میں شاعری سے ذوق رکھتے تھے اور اس کے ذریعے سے اپنے مذہبی جذبات کا اظہار کرتے تھے۔ ان کو قدرت کی طرف سے بہت ہی پختہ تر دماغ عطا ہوا تھا۔ وہ شاہ مشتاق علی طالب کے شاگرد تھے۔ بعد میں مجرم سے مشورۂ سخن کرنے لگے۔ عشقی کے بقول ان کا انتقال ۱۲۰۸ھ / ۴-۱۷۹۳ء میں ہوا ہے۔ علی ابراہیم نے اپنے ''گلزار ابراہیم'' میں ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

مبارز ۔ مبارز خان ۔ دہلوی:

سرور نے اپنے تذکرے میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ذکا اکثر مشاعروں میں ان سے ملتے تھے۔

مبارک ۔ سید مبارک علی ۔ الہ آبادی:

وہ شاہ غلام اعظم افضل کے شاگرد تھے۔ وہ صاحب دیوان ہیں۔ ان کے دیوان کا ایک نسخہ توپ خانہ لکھنؤ میں موجود تھا جس میں غزلیں، رباعیات اور مثنویات شامل ہیں۔ یہ کتاب ۲۵۲ صفحات کی ہے اور ہر صفحے میں ۱۱ر اشعار ہیں۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

مبتلا ۔ مراد علی خان:

محمد علی خان کے بیٹے تھے اور غازی پور کے ایک ممتاز رئیس تھے۔ انھوں نے حسب ذیل کتابیں لکھی ہیں:

۱۔ ایک دیوان۔

۲۔ ہندوستانی شعرا کا ایک تذکرہ، جس کا نام ''گلشن سخن'' ہے۔

۳۔ فارسی شعرا کا ایک تذکرہ۔

محسن نے مبتلا کے چند اشعار اپنے تذکرہ میں نقل کیے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہندوستان کے تذکرہ نویسوں نے مذکورہ بالا مبتلا اور مرزا کاظم مبتلا کو خلط ملط کر دیا ہے۔ سرور نے ایک مبتلا کا ذکر کیا ہے جن کو وہ ایک عظیم شاعر بتاتے ہیں مگر بدقسمتی سے انھوں نے اس سے زیادہ کوئی تفصیل بیان نہیں کی ہے۔

مبتلا۔ مرزا کاظم:

وہ نواب محمد علی خان کے بیٹے تھے۔ نواب اودھ نے انھیں میر مرادن علی خان کا خطاب دیا تھا۔ وہ مشہد کے ایک ممتاز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ پختہ کلام کے علاوہ انھوں نے ایک فارسی دیوان بھی مرتب کیا ہے۔ شیفتہ کا بیان ہے کہ انھوں نے ایک تذکرہ لکھا جو غالباً فارسی میں ہوگا۔

مبتلا۔ میر امین۔ بناری:

وہ ایک ہم عصر شاعر ہیں اور میر کے شاگرد ہیں۔ عشقی اور چند دوسرے تذکرہ نگاروں نے ان کا ذکر کیا ہے۔ وہ بنارس میں رہتے تھے۔

مبین:

وہ ایک قدیم ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔

متقی۔ میر:

میر جواد علی خان ہادی کے بیٹے اور ایک قدیم ہندوستانی شاعر تھے۔ وہ اپنے والد کے شاگرد ہونے کے علاوہ ان کی طرح شعر وسخن سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کو شاہ غلام علی سے بھی شرف تلمذ حاصل تھا۔ وہ دہلی کے بہت ہی بزرگ شیخ تھے اور بعد میں جان جاناں مظہر کے روحانی جانشین بھی ہو گئے تھے۔ متقی ایک بہت اچھے تیرانداز تھے۔ سرور کے تذکرہ لکھنے سے کچھ عرصہ قبل انھوں نے درویشی اختیار کر لی تھی اور فارسی وعربی زبانوں میں تصوف کی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔ انھوں نے ریختہ میں عشق وتصوف کے رنگ میں اشعار کہے ہیں، جو صوفیائے کرام کے اشعار کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔

متین:

وہ ایک قدیم ہندوستانی شاعر ہیں، جن کا ذکر ذکا نے اپنے تذکرے میں کیا ہے۔

مجبور۔ رائے خوشحال سنگھ:

وہ پٹنہ کے رہنے والے اور مہاراجہ شتاب رائے کے بیٹے ہیں۔ وہ ایک اچھے ہندوستانی شاعر ہیں۔ جن کا ذکر شورش نے کیا ہے۔

مجبور۔ مولوی عصمت علی:

پنڈارہ کے رہنے والے ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو کہ نساخ کے شاگرد ہیں، ان کے استاد نے اپنے ''دفتر بے مثال'' کے آخر میں مجبور کے پانچ شعر نقل کیے ہیں۔

مجبور۔میاں حق رسا:

شیفتہ کہتے ہیں کہ وہ ایک جوان ہندوستانی شاعراور شاہ نصیر دہلوی کے شاگرد ہیں۔منولال نے ان کے دواشعار نقل کیے ہیں۔

شرم سے جن کے چھپے یاقوت جا کر کان میں ان لبوں کو دوں بھلا تشبیہ میں عناب سے

''مجموعہ نغز''،ص۶۰

مجبور۔نواب اقبال الدولہ:

اودھ کے شاہ زادہ،''تحفت قلزم'' کے مصنف،غازی الدین حیدر کے بھتیجے،شمس الدولہ بہادر کے بیٹے، اوراودھ کے پہلے نواب سعادت علی خان کے پوتے تھے۔وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں۔

(ا۔میراخطبہ[۱۸۵۵ء]صفحہ۳۵دیکھیے)

مجذوب۔مرزااور میر نظام حیدر بیگ۔دہلوی:

وہ نسلاً مغل تھے اور مشہور ہندوستانی شاعر مرزا محمد رفیع سودا کے متبنی بیٹے تھے۔عشق اپنے''طبقات سخن'' میں لکھتے ہیں کہ سودا کے کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔لیکن غلام حیدری محبوب کو اس کا بیٹا بتایا جاتا ہے،میرا خیال ہے کہ محبوب اور مجذوب ایک شخص کا نام ہے۔۱۱۹۶ھ/۲-۱۷۸۱ء میں وہ لکھنو میں رہتے تھے۔انھیں ہندوستانی شعرا میں شمار کیا جاتا ہے کیونکہ انھوں نے بہت کافی اچھے اشعار کہے ہیں۔ان کو دیوان کی شکل میں مرتب کیا گیا ہے۔موتی محل لکھنو کے کتب خانہ میں اس دیوان کا ایک نسخہ تھا جس میں ۱۸۱صفحات تھے۔اس کے ہر صفحے پر۱۴اشعار تھے۔وہ اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کے علاوہ خوش خلق اور منکسر المزاج واقع ہوئے تھے اور اپنے دوستوں سے خلوص کا اظہار کرتے تھے۔مصحفی اور علی ابراہیم نے ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔وہ''سراپا سخن'' کی تصنیف سے پہلے انتقال فرما چکے تھے۔

مجرم۔رحمت اللہ:

وہ آگرہ میں پیدا ہوئے تھے لیکن دلی میں رہتے تھے۔وہ شروع میں معمولی مزدور تھے لیکن بعد میں انھوں نے فقیری اختیار کرلی تھی اور فقیرانہ لباس میں رہتے تھے۔وہ میر محمد دیدار کے دوست تھے اور یہ ان کی صحبت کا نتیجہ تھا کہ وہ روحانیت سے دلچسپی لینے لگے۔انھوں نے ریختہ میں ایک دیوان لکھا ہے۔جن دنوں باطن اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو ان کا انتقال ہو چکا تھا جس میں غزلیں،رباعیاں وغیرہ ہیں۔

یہ کتاب ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانہ میں ہے،جس کا نمبر۲۹۵ ہے۔

مجرم۔شیخ غلام حسین:

پٹنہ کے رہنے والے تھے اور میر عبداللہ سرشار کے شاگرد اور عشقی کے والد تھے۔وہ خاص طور پر تاریخ کہنے میں مہارت رکھتے تھے۔

مجرم تقدیر بھی تخلص کرتے تھے جو غالباً فارسی کے لیے مخصوص تھا۔

مجرم۔میر فتح علی:

سرور نے غالباً غلطی سے انھیں مجرم بنایا ہے۔دہلی میں پیدا ہوئے تھے اور علم الکیمیا سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔انھوں نے اردو میں بھی اشعار کہے ہیں۔وہ حصول تعلیم کے لیے سیاحت کو نکلے تھے اور بیان کیا جاتا ہے کہ اسی دوران میں ان کا انتقال ہوا ہے۔

مجروح۔غلام شاد:

وہ کان پور کے رہنے والے تھے۔وہ ایک ہم عصر شاعر ہیں جنھوں نے ایک مثنوی لکھی ہے۔اس میں ۲ محبت کرنے والوں کا ذکر ہے، جن کو صرف موت ہی جدا کر سکتی ہے۔اس مثنوی کا نام ''اعجاز عشق'' ہے اور یہ کان پور میں ''مسیحائی پریس'' سے شائع ہوئی ہے۔اس کا دوسرا اڈیشن بھی ہے جو لکھنو سے ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء میں ''گل وصنوبر'' کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔

مجروح۔منشی کرشن یا کشن چند:

ان کا آبائی وطن کشمیر تھا لیکن وہ ہندوستان میں پیدا ہوئے تھے۔عشقی کے مطابق وہ دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔وہ مرزا جان جاناں مظہر کے شاگرد تھے۔۱۱۹۶ھ/۲-۱۷۸۱ء میں لکھنو میں رہتے تھے۔انھیں ہندوستانی شعرا میں شمار کیا جاتا ہے۔

مجنوں۔سید انعام حسین:

وہ لکھنو کی عدالت میں عرائض نویس تھے۔ان کے والد سید حسین ہیں اور ان کے استاد خواجہ وزیر۔انھوں نے ایک دیوان مرتب کیا ہے، جس کا ذکر محسن نے اپنے تذکرے میں کیا ہے۔

مجنوں شاہ:

علی ابراہیم کے بیان کے مطابق وہ محمد شاہ کے وزیر رائے بشن ناتھ کے بیٹے تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔لیکن مصحفی کے مطابق، وہ ان کے پوتے تھے۔انھوں نے پہلے حافی اور بعد میں مجنوں تخلص کرنا شروع کیا۔عشق کا بیان ہے کہ انھوں نے پہلے حسرت اور بعد میں حالی تخلص اختیار کیا۔میرا خیال ہے کہ حالی

کے ساتھ مغالطہ ہوا ہے، یہ دراصل حافی ہے، اسپرنگر نے جو حنافی بتایا ہے وہ بھی حقیقت میں حافی ہی ہے۔ وہ میر تقی میر کے شاگرد تھے اور خود بھی ہندوستانی کے طرز قدیم کے مشہور شاعر ہوگئے۔ جس وقت علی ابراہیم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے، وہ لکھنو میں تھے اور مذہبی قیود سے بالکل آزادرہ کر ننگے پاؤں اور ننگے سر رہنا پسند کرتے تھے۔ لوگ ان کو 'درویش سربرہنہ' کہتے تھے۔ پھر بھی ۱۱۹۶ھ /۲-۱۷۸۱ء میں علی ابراہیم نے ان سے کچھ کلام منگوایا جو ان کے تذکرے میں شامل ہے۔ مصحفی کے مطابق وہ صاحب دیوان ہیں اور ان کا دیوان ان کی نظروں سے گزرا ہے۔ ان کا کلام دلکش و معنی خیز تھا۔ بنی نرائن نے انھیں صرف ایک فقیر بتایا ہے اور ان کی صرف ایک غزل نقل کی ہے۔

مجنوں۔ عظیم آبادی:

وہ میر ضیاء الدین ضیا کے شاگرد تھے ،انھوں نے عشقیہ شاعری کی ہے۔ سرور اور شیفتہ نے ان کا ذکر کیا ہے۔

مجنوں۔ میر حمایت علی:

وہ دہلی میں پیدا ہوئے لیکن مرشدآباد میں مقیم تھے۔ وہ شاہ قدرت اللہ کے شاگرد تھے، جن کا تخلص قدرت ہے۔ انھوں نے نواب مبارک علی خان مبارک الدولہ بہادر کے حکم پر ہندوستان میں ایک ''ساقی نامہ'' تصنیف کیا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے چند اور تصنیفات بھی چھوڑی ہیں۔

مجیب۔ شاہ:

انھوں نے ''یوسف زلیخا'' کی ایک منظوم کہانی ۱۲۴۰ھ/۵-۱۸۲۴ء میں تصنیف کی ہے۔ اسپرنگر نے اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ دیکھا ہے اور ان کا بیان ہے کہ وہ ۱۵۰ صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ میں ۱۵/۱۵ اشعار ہیں۔

مجید۔ شیخ قادر علی۔ لکھنوی:

وہ شیخ چراغ علی کے بیٹے اور خواجہ وزیر کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے، جس کی چند غزلوں کو محسن نے نقل کیا ہے۔

مجید۔ مجید الدین خان:

ان کا خاندان کشمیری تھا لیکن وہ دہلی میں پیدا ہوئے جہاں وہ مفتی تھے۔ وہ محی الدین خان کے بیٹے تھے۔ قاسم اور سرور نے ان کی تعریف کی ہے اور ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

مجید۔مولوی سراج الدین علی خان:

وہ اردو شاعر اور جید عالم ہونے کے علاوہ بہت ہی متقی اور پرہیز گار شخص ہیں۔آپ نے کافی عرصہ تک کلکتہ میں قیام کیا ہے۔جن دنوں عشقی اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے،وہ کلکتہ میں مفتی کی حیثیت سے مامور تھے۔

مجید۔منشی کالکا پرشاد:

وہ ایک ہم عصر شاعر ہیں،جن کی ایک نظم''اودھ اخبار'' کی اشاعت مؤرخہ ۳ جنوری ۱۸۶۵ء میں شائع ہوئی ہے،اس کے علاوہ انھوں نے فرحت (شنکر دیال) کی اردو رامائن پر ایک قطعہ تاریخ بھی لکھی ہے۔ انھوں نے ۱۸۶۹ء میں انتقال کیا ہے۔۳/اگست کے''اودھ اخبار'' میں ان کے انتقال پر نثر میں ایک تعزیتی مضمون شائع ہوا ہے۔اس کے علاوہ ان کے انتقال پر متعدد تاریخی اور دس طویل غزلیں ان کی شان میں لکھی گئی ہیں۔ان غزلوں میں دو غزلیں خواجہ وزیر کی ہیں،دو واسطی (فضل کریم)،دو جوش (اچھے صاحب)، دو وحید (غلام حسین) اور ایک اسد (سلیمان) کی ہیں۔اس اخبار کی ۱۷/اگست اور ۲۷/اکتوبر ۱۸۶۹ء کی اشاعتوں میں مجید کا ذکر کیا ہے۔

محبّ۔شیخ ولی اللہ:

وہ مہربان رعد کے شاگرد تھے۔ان کے علاوہ وہ سودا کے بھی دوست اور شاگرد تھے۔محبّ دراصل شاہ جہان آباد دہلی کے رہنے والے تھے لیکن لکھنو میں قیام کرتے تھے۔انھوں نے ہندوستانی اشعار کہے ہیں، جن کا انداز بیان بہت پرزور اور پاکیزہ ہے،اوران اشعار کو ایک دیوان کی صورت میں مرتب کیا گیا ہے۔یہ ان کی شاعرانہ صلاحیت کا نتیجہ تھا کہ شاہزادہ سلیمان شکوہ نے ان کا بڑی تعظیم وتکریم کے ساتھ استقبال کیا اور خود محبّ کے شاگرد ہوگئے۔مصحفی کا بیان ہے کہ وہ ۱۲۰۷ھ/۳-۱۷۹۲ء میں فوت ہوئے ہیں۔انھوں نے محبّ کے اشعار کو تین صفحات پر نقل کیا ہے۔ان میں سے کچھ باتیں کمال سے معلوم ہوئی ہیں۔محبّ سے سلیمان شکوہ کے دربار میں ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔

کمال ان کی بڑی تعریف کرتے ہیں اور ان کا بیان ہے کہ محبّ کی وفات لکھنو میں ہوئی اور وہ مسلمان مذہبی پیشوا شاہ عبدالجلیل کے مزار کے قریب مدفون ہیں۔

محبت۔شیخ ولی اللہ۔دہلوی:

وہ سودا کے شاگرد اور رعد کے دوست تھے۔جن دنوں علی ابراہیم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو وہ فرخ آباد میں رہتے تھے لیکن علی ابراہیم اس سے زیادہ ان کی کوئی تفصیل نہیں بتاتے۔انھوں نے محبت کے صرف

دو اشعار نقل کیے ہیں۔ سلیمان شکوہ کے انتقال کے بعد محبت لکھنو چلے آئے تھے اور تنہائی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ وہ لکھنو ہی میں فوت ہوئے۔ قاسم نے ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔

محبت۔علی:

بنی نرائن نے اسی تخلص کے ایک دوسرے شاعر کا ذکر کیا ہے۔ وہ مرزا حسین علی محبت ہیں۔ ان کا آبائی وطن دہلی تھا لیکن وہ لکھنو میں پیدا ہوئے تھے اور قلندر بخش جرأت کے شاگرد تھے۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہ وہی میر بہادر علی محبت ہیں، جن کا ذکر منولال نے کیا ہے۔ اسپرنگر نے سید میر محمد علی محبت کا ذکر کیا ہے جو غالباً وہی شاعر ہیں۔ ان کے مطابق وہ دکن چلے گئے تھے اور زیادہ تر مرثیے لکھتے تھے۔

محبت۔نواب محبت اللہ خان شاہ باز جنگ۔ بریلوی:

وہ نواب حافظ رحمت خان کے بیٹے تھے۔ انھیں شاعر بننے کا بڑا شوق تھا اور انھوں نے مرزا جعفر علی حسرت کے مشورے سے شعر کہنا شروع کیا۔ وہ اپنی فطری استعداد کی وجہ سے اپنے ہم عصروں میں بہت جلد مشہور ہو گئے، بلکہ پر جوش انداز بیان کا ان کی شہرت میں خاص ہاتھ تھا۔

انھوں نے تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے اور ایک دیوان مرتب کیا ہے۔ ایسٹ انڈیا آفس کی فہرستِ کتب میں اس کے دو قلمی نسخے ہیں۔ پہلے کا عنوان ''دیوان محبت خان پسر حافظ رحمت خان روہیلہ'' ہے اور دوسرے پر ''دیوان ریختہ محبت خان مرتبہ نواب محبت خان'' لکھا ہوا ہے۔ Sir Ouselay کے عمدہ کتب خانے میں اس کا ایک نسخہ موجود تھا۔ محبت خان نے پشتو میں کچھ شعر کہے ہیں۔ پشتو افغان کی زبان ہے، اسے افغانی بھی کہتے ہیں اور یہ محبت خان کی مادری زبان تھی۔ Sir Ouselay کے پاس محبت خان کے پشتو دیوان کا ایک نسخہ موجود تھا۔ انڈیا آفس کی فہرست کتب میں اس پشتو دیوان کا ذکر بھی ہے۔

علی ابراہیم اور لطف کا بیان ہے کہ محبت خان ایک خوبصورت نوجوان تھے۔ ان میں بڑی خصوصیتیں تھیں اور بڑے بہادر اور فیاض تھے۔ حافظ رحمت خان کی شکست کے بعد وہ لکھنو چلے گئے اور وہاں سے ١١٩٦ھ / ٢-١٧٨١ء میں انھوں نے علی ابراہیم کو اپنے کلام کے بعض اجزا اور ایک مثنوی بھیجی۔ اس مثنوی کا عنوان ''اسرارِ محبت'' ہے اور اس میں سسی اور پنوں کی محبت کا قصہ نظم کیا گیا ہے۔ ابراہیم اور لطف کا بیان ہے کہ محبت نے مسٹر جانسکی درخواست پر یہ مثنوی لکھی ہے۔ اسی موضوع پر ایک ہندو لالہ جوت پرکارش نے فارسی میں ''دستورِ عشق'' نامی ایک نظم لکھی ہے۔ ایک اور مختصر نظم ''حسن و ناز'' کے نام سے میر معصوم بکھری نے لکھی ہے۔

اسپرنگر کے Catalogue of the Libraries of king of Oudh کے صفحہ ٦٢٠ پر لکھا ہے کہ ''اسرار محبت'' سال ١١٩٧ھ/٣-١٧٨٢ء میں لکھی گئی ہے۔لیکن ایک دوسری تاریخ کے مطابق یہ مثنوی ١١٨٧ھ/٤-١٧٧٣ء میں لکھی گئی ہے۔ اس سے قطع نظر اس مثنوی کے نام میں بھی اختلاف ہے۔ صفحہ ٢٥١ پر ''سری اور پنوں''، ص ٦٢٠ ''سینتری اور پنوں'' اور ص ٦٤٢ پر ''سیسی اور پنو'' درج ہے۔

نواب اودھ آصف الدولہ ان پر بڑے مہربان تھے اور ان کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے اور ان کے ساتھ شعر وسخن میں لگے رہتے تھے۔آصف الدولہ نے ان کا ایک اچھا وظیفہ مقرر کر دیا تھا اور میرا خیال ہے کہ ان کا سنہ وفات ١٢٢١ھ/٧-١٨٠٦ء سے قبل ان کو بریلی کا گورنر بھی بنا دیا تھا۔ بہر حال ١٢١٥ھ/١٨٠١ء میں جب کہ'' گلشن ہند'' لکھا جا رہا تھا، وہ لکھنو میں رہتے تھے اور شعر گوئی میں مصروف رہتے تھے۔ بنی نرائن، جنھیں محبت کی دوستی پر بڑا فخر ہے، بیان کرتے ہیں کہ بعد میں اپنے آبائی وطن بریلی میں رہتے تھے۔بنی نرائن نے محبت کا ایک مخمس نقل کیا ہے۔ابراہیم اور لطف نے چند اشعار دیے ہیں۔

محبوب علی ۔مولوی۔رام پور:

وہ میرٹھ کے اردو اخبار ''مفتاح الاخبار'' کے مدیر ہیں، جو میرٹھ کے'' قادری پریس'' میں چھپتا ہے۔یہ ایک آسان طرز بیان کا اخبار ہے، جس میں روزانہ کی خبریں ہوتی ہیں۔حالانکہ اس کے مدیر مسلمان ہیں لیکن اس کے خریدار زیادہ تر ہندو ہیں۔محبوب علی نے مولوی اوحد الدین احمد بلگرامی کی لغت'' نفائس اللغات'' کا ایک خلاصہ اردو میں تیار کیا ہے۔''نفائس اللغات'' لکھنو سے ١٨٤١ء میں شائع ہوئی تھی۔محبوب کی کتاب کا نام ''منتخب النفائس'' ہے اور یہ ١٨٤٥ء میں لکھنو سے چھوٹی تقطیع میں ٢٧١ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔یہ خلاصہ غالبًا اس خلاصے سے تیار کیا گیا ہے جو میر حسن رضوی نے ''انفاس النفائس'' کے نام سے لکھا تھا۔

محبوب ۔میر غلام حیدری قریشی:

وہ مشہور ہندوستانی شاعر سودا کے بیٹے تھے اور ان کو ہندوستانی شعرا میں بھی شمار کیا جاتا ہے۔وہ اپنے والد کے آبائی وطن دلی میں پیدا ہوئے۔وہ اپنے اسلوب بیان کی شیرینی اور نرمی کے لیے مشہور ہیں۔لطف کہتے ہیں کہ انھوں نے دوسرے کلام کے علاوہ دو دیوان بھی لکھے ہیں جو میر کے دیوان کے طرز پر ہیں۔ ١٢١٥ھ/١-١٨٠٠ء میں وہ بقید حیات تھے لیکن لکھنو میں بڑی عسرت اور خستہ حالی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ بنی نرائن نے ان کی ایک غزل نقل کی ہے اور لطف نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

محبوب ۔بیگم نواب محبوب علی :

مچھرتا کی رہنے والی تھیں اور مرزا واجد علی شاہ،نواب اودھ کے حرم کی ایک خاتون تھی۔ وہ ہندوستانی زبان میں کافی اشعار کہتی تھیں۔اس کا اندازہ ان اشعار سے کیا جاسکتا ہے جنھیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے۔

محترم ۔خواجہ محمد علی خان۔ عظیم آبادی:

وہ خواجہ محمد خان کے بیٹے اور خواجہ عاصم شور دہلوی کے بڑے بھائی تھے۔وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں لیکن شیفتہ کے علاوہ کسی دوسرے تذکرہ نویس سے ان کے متعلق کوئی تفصیل معلوم نہیں ہوئی۔شیفتہ بھی صرف اس قدر ہی بتاتے ہیں کہ وہ شاہ گھسیٹا عشق کے شاگرد تھے۔ مصحفی نے ان کے تین اشعار نقل کیے ہیں۔

محتشم ۔سید محتشم علی ۔لکھنوی:

وہ سید میر ہاشم علی کے بیٹے اور مشہور خواجہ حسن کے پوتے تھے۔ان کے استاد حکیم باقر علی حشم تھے۔ انھوں نے ہندوستانی میں ایک دیوان تصنیف کیا ہے۔جس کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔

محرور ۔خواجہ نبی بخش جیو۔ کشمیری:

نساخ ان کے استاد تھے۔محرور نے نساخ کے دیوان ''دفتر بے مثال'' پر ایک تاریخ لکھی ہے جو دیوان کے آخری حصہ میں درج ہے۔

محرور ۔ہادی حسن:

وہ لکھنو کے علاقے میں کاکوری کے رہنے والے تھے۔ان کے والد منشی علی حسن کان پور کے تحصیل دار تھے۔وہ اشک کے شاگرد تھے۔محسن نے اپنے تذکرے میں ان کا ذکر کیا ہے۔

محروق:

وہ ایک اردو شاعر ہیں جن کا ذکر باطن نے اپنے ''گلشن بے خزاں'' میں کیا ہے۔

محزون ۔خلیفہ حافظ اللہ ۔فرخ آبادی:

پہلے جیون تخلص کرتے تھے۔وہ پیشہ کے طور پر معلم تھے لیکن شعروسخن کا بڑا شوق رکھتے تھے۔

محزون ۔سید اور میر نصیر جان یا خان دہلوی:

وہ سید محمد نصیر رنج کے بیٹے تھے۔ان کے والد میر درد کے بیٹے اور سجادہ نشین تھے۔انھوں نے عربی کتابوں کا بغائر مطالعہ کیا تھا اور علم ریاضی میں بھی بہت کمال حاصل کیا تھا۔انھوں نے بہت اچھے ریختہ اشعار

کہے ہیں اور سرور نے ان کی تعریف کرنے کے علاوہ ان کے چھ اشعار اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔ انھوں نے موسیقی کے سر اور تال پر ایک رسالہ بھی لکھا ہے جو ۲۴ جز میں ہے۔

ان کا انتقال ۱۸۴۲ء میں ہوا ہے لیکن محسن انھیں قدیم شاعر سمجھتے ہیں۔ شیفتہ اور کریم نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔

محزون۔ عالم شاہ۔ پیرزادہ:

وہ امروہہ کے رہنے والے تھے جو صوبہ دہلی کے قریب ایک شہر، جو میرانی جی یا شیخ سدو کے درگاہ کے لیے مشہور ہے۔ کریم الدین کے مطابق یہ مقام آگرہ کے ضلع میں واقع ہے۔ جن دنوں مصحفی کے یہاں ادبی مجالس ہوا کرتی تھیں، ان دنوں محزون کو شاعر کی حیثیت سے کافی شہرت حاصل تھی۔ وہ دوسرے اصناف میں اشعار کے علاوہ محرم کے موقع پر جو مسلمانوں کا ایک مشہور تہوار ہے، مرثیہ اور سلام بھی کہتے تھے۔ مصحفی نے ان کے صرف تین اشعار نقل کیے ہیں۔ ذکا کے مطابق ان کا نام غلام شاہ ہے۔ وہ پیرزادہ تھے۔ یعنی ان کے خاندان کے بزرگ مذہبی پیشوا اور پیر تھے۔ ان کا سلسلہ نسب حضرت گنج بخش سے ملتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ امروہہ کے رہنے والے تھے اور بعض دوسرے حضرات کا کہنا ہے کہ مگدھ کے باشندے تھے۔ وہ محمد مسعود دہلوی کے شاگرد تھے۔ سرور کے تذکرہ لکھنے سے کئی سال پیشتر ان کا انتقال ہو چکا ہے۔

ذکا نے محزون تخلص کے دو شاعروں کا تذکرہ کیا ہے لیکن حقیقت میں یہ دونوں ایک ہی ہیں۔

محزون۔ مولوی سید محمد حسین:

وہ سید موسوی تھے اور محمد برکت کے بہترین شاگردوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ انھوں نے اپنے وطن اورنگ آباد کو چھوڑ کر آلہ بار میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ علی ابراہیم ان سے واقف تھے اور ان کا خیال ہے کہ محزون ظاہری طور پر بہت ہی سنجیدہ اور متین شخص تھے لیکن در حقیقت وہ کافی زندہ دل واقع ہوئے تھے اور اشعار کو بڑی خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔ انھوں نے ہندوستانی اور فارسی دونوں زبانوں میں اشعار کہے ہیں۔ اسپرنگر نے عشقی کے حوالے سے بتایا ہے کہ وہ مولوی سید غلام حسین دہلوی کے نام سے مشہور تھے، محزون اورنگ آباد کے رہنے والے تھے لیکن اپنی تعلیم کو مکمل کرنے کے لیے ہندوستان آئے تھے۔ شورش کہتے ہیں کہ محزون نے ۴۱ سال کی عمر میں ۱۱۸۵ھ/۲-۱۷۷۱ء انتقال کیا ہے۔

محزون۔ محمد تقی خان:

وہ ایک بڑے جاگیردار ہیں اور ان کی رعیت کی تعداد ۵ ہزار بتائی جاتی ہے۔ وہ پٹنہ میں رہتے تھے اور

خاص طور پر فارسی زبان میں شعر کہتے تھے۔ شورش انھیں ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے ہیں۔

محسن۔ خواجہ:

وہ خواجہ عظیم شور کے بھتیجے تھے۔ عشقی کا بیان ہے کہ وہ ایک جوان شاعر ہیں، جن کے استاد راسخ اور فدوی ہیں۔

محسن۔ سید محسن علی۔ موسوی:

وہ ایک ہم عصر اردو شاعر ہیں جو لکھنو میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سید شاہ حسین حقیقت ایک اچھے شاعر، اور ان کے دادا سید عرب شاہ خواجہ وزیر بہت زیادہ معروف شاعر تھے۔ ان کے آبا و اجداد عرب سے آئے اور دہلی پہنچے۔ محسن پہلے اپنے دادا وزیر کے شاگرد ہوئے اور اس کے بعد رشک تذکرہ نگار شیخ الٰہی بخش سے تلمذ حاصل کیا۔ انھوں نے اردو میں کثرت سے اشعار کہے اور ایک تذکرہ ''سراپا سخن'' نامی کے مصنف ہیں۔ یہ تذکرہ ۱۸۵۲ء میں مکمل ہوا اور ۱۸۶۱ء میں لکھنو سے بڑی تقطیع کے ۴۰۰ صفحات میں شائع ہوا۔ ہر صفحے میں ۳۳ سطریں ہیں۔ ان میں حاشیہ نہیں ہے۔ اس تذکرہ میں ۷۰۰ اردو شعرا کے کلام کا انتخاب ہے، جن میں سے اکثر مصنف کے ہمسایہ شہر لکھنو اور ان کے ہم عصر ہیں۔ محسن نے اپنے اشعار بھی اس میں بکثرت نقل کیے ہیں۔ ''گلشن نشاط'' کی طرح اس تذکرے میں اشعار کا انتخاب و ترتیب بلحاظ موضوعات ہے۔ محسن نے دیباچہ میں بیان کیا ہے کہ انھوں نے اس تذکرے کی تکمیل میں پندرہ مختلف تذکروں، سیکڑوں دواوین اور منتخبات کلام کو نظر میں رکھ کر تقریباً چھے ہزار اشعار کا انتخاب کیا ہے۔

محسن۔ محمد۔ حیدرآبادی:

باطن نے ان کا ذکر کیا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اور میر محمد محسن ایک ہی شخص ہوں۔ فتح علی حسینی نے ایک اور محسن کا ذکر کیا ہے، جس کا نام محمد حسن ہے۔

جوشش نے محمد شاہ محسن کا ذکر کیا ہے۔

محسن۔ میر حسن خان بہادر:

وہ نواب سید الدولہ میر معصوم خان بہادر جنگ کے بیٹے تھے جو جنرل Perron کے ملازم تھے۔ ذکا نے اردو شاعر کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے۔

محسن، میر محمد:

وہ آگرہ کے رہنے والے تھے اور محمد حسین خان کے بیٹے، میر محمد تقی میر کے بھتیجے اور شاگرد تھے۔ انھیں

سراج الدین علی خان آرزو سے بھی قرابت تھی اور ان سے بھی مشورہ سخن کرتے تھے۔

میر نے اپنے تذکرے میں ان کے دل ودماغ اور شاعرانہ صلاحیتوں کی بڑی تعریف کی ہے اور تین صفحات پر ان کے اشعار کو جگہ دی ہے۔ان دنوں محسن ۲۰ سال کے تھے اور ان کی ذات سے عام طور پر توقع کی جاتی تھی کہ آگے چل کر وہ فن شاعری میں ایک نمایاں حیثیت حاصل کریں گے۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ جن دنوں علی ابراہیم ''گلزار ابراہیم'' لکھ رہے تھے تو محسن نواب سالار جنگ کے دربار سے منسلک تھے اور ہندوستانی میں متعدد اشعار کہتے تھے۔

وہ ابتدا میں دہلی میں رہتے تھے،اس کے بعد لکھنو تشریف لے گئے اور بیان کیا جاتا ہے کہ وہیں ان کا انتقال ہوا۔وہ ایک اردو دیوان کے مالک ہیں۔اس کے علاوہ انھوں نے فارسی میں بھی اشعار کہے ہیں۔آرزو کے انتقال پر وہ ان کے وارث قرار دیے گئے تھے۔

محسنی۔حکیم محمد بخش:

صوبہ دہلی میں سہارن پور کے رہنے والے ہیں۔وہ ایک اچھے حکیم گزرے ہیں اور سرور کے مطابق ایک ممتاز شاعر تھے۔

محشر۔اکرام اللہ خان:

وہ بدایوں کے ایک مشہور شاعر ہیں۔سرور کے تذکرہ اور ''گلشن بے خار'' میں ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

محشر۔مرزا علی تقی بیگ:

کشمیر کے رہنے والے تھے لیکن لکھنو میں پیدا ہوئے تھے۔تعلیم حاصل کرنے کے بعد انھیں شعروسخن سے گہری دلچسپی پیدا ہوگئی اور وہ ہندوستانی اور فارسی میں اشعار کہنے لگے۔انھیں اپنی علمی استعداد پر اس قدر فخر تھا کہ وہ اپنے ہم عصر ادیب اور مصنفین کی مطلق پرواہ نہیں کیا کرتے تھے۔انھوں نے مرزا علی مہلت کو قتل کرنے کے بعد لکھنو چھوڑ دیا تھا اور شاہ جہان آباد (دہلی) میں مقیم ہوگئے تھے۔دہلی میں وہ میر درد سے ملا کرتے تھے لیکن دوسال بعد وہ اکبر آباد (آگرہ) چلے آئے اور وہاں سے لکھنو واپس آگئے جہاں انھوں نے بڑی محتاط زندگی بسر کرنی شروع کردی۔ چھ سال اسی طرح گزر گئے لیکن مہلت کے عزیزوں میں آتش انتقام بدستور سلگ رہی تھی۔چنانچہ محرم کے دنوں میں انھیں ایک عمدہ موقع ہاتھ آیا اور محشر کو قتل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔۱۲۰۸ھ / ۴-۱۷۹۳ء محشر کی عمران دنوں تیس سال تھی۔ مصحفی نے یہ تمام تفصیلات بتائی ہیں۔انھوں نے اسی نام کے ایک دوسرے شاعر کا بھی ذکر کیا اور ان کی ایک غزل بھی نقل کی ہے لیکن میرے

خیال میں مصحفی نے اس ضمن میں غلطی کی ہے اور جس دوسرے شاعر کا انھوں نے ذکر کیا ہے، وہ خود مذکورہ بالا محشر ہیں۔

محفوظ۔سید محفوظ علی خان:

وطن خیرآباد تھا لیکن وہ دہلی میں جنرل اکتورلونی General Ochtorlony کے دفتر میں منشی تھے۔ انھوں نے ہندوستانی زبان میں کچھ اشعار کہے ہیں جنھیں سرور نے نقل کیا ہے۔ غالباً یہ وہی شاعر ہیں جنھوں نے ''قصہ شاہ بیدار بخت'' کے نام سے ایک منظوم کہانی لکھی ہے جس میں شاہ زادہ رشک چمن اور شاہ زادی زمرد پری کی محبت کی داستان کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ ایک مثنوی ہے جس کو غازی الدین حیدر نواب اودھ کے نام پر معنون کیا گیا ہے۔ مصحفی کی ایک تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کو ۱۲۳۸ھ/ ۳-۱۸۲۲ء میں مکمل کیا گیا تھا۔ یہ کتاب کان پور سے ۱۲۶۶ھ/ ۵۰-۱۸۴۹ء میں ''رشکِ چمن'' کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کے ہر صفحہ پر ۱۹/ابیات ہیں۔ اس کتاب کا ایک نسخہ فرح بخش لکھنو کے کتب خانہ میں تھا۔ اس سلسلے میں Sprenger کے *A Catalogue* صفحہ ۲۶۰ کو ملاحظہ فرمایئے۔ اس کے علاوہ *Sprengeriana*، نمبر ۱۷۳۰ کو بھی دیکھیے۔

محقق:

وہ دکن کے ایک بہت ہی قدیم شاعر ہیں جنھوں نے ریختہ میں شاعری کی ہے۔ کمال نے قائم کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کی زبان ہندوستانی زبان سے بہت زیادہ مشابہ تھی۔ عشقی کا بھی یہی خیال ہے۔ حقیقت میں شمالی ہندوستان کی اردو اور دکنی زبان میں بہت ہی معمولی فرق ہے۔ علی ابراہیم نے ان کا صرف ایک شعر نقل کیا ہے۔

محکم:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کی ایک غزل ''گلدستہ سخن'' میں شامل ہے۔ اس غزل میں کوئی خاص خوبی نہیں بلکہ اس میں مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا ہے، جو مشرقی شاعری کی ایک عام خصوصیت سمجھی جاتی ہے۔

محمد ابراہیم۔میاں:

۱۸۲۴ء میں وہ مدراس میں مقیم تھے اور منشی کی حیثیت سے اردو پڑھاتے تھے۔ وہ ملک حسین کے بیٹے اور شیخ محمد بیجاپوری کے پوتے تھے۔ بہ حیثیت منصب وہ جمعدار تھے۔ انھوں نے فارسی کی ''انوار سہیلی'' نامی قصہ کہانی کی کتاب کو دکنی اردو میں منتقل کیا۔ اس کتاب کے دیباچے میں (صفحہ ۱۰) انھوں نے اس کتاب

کو دکنی میں ترجمہ کرنے کی وجہ بتائی ہے کہ اس زبان کو ملک کے تمام باشندے، چھوٹے، بڑے، امیر، غریب، فوجی اور تاجر، عورت اور مرد سب ہی بولتے ہیں۔

انھوں نے اس کتاب کے منظوم حصے کو نظم میں اور نثر کو نثر میں ترجمہ کیا ہے لیکن یہ کتاب مدراس سے ''دکنی انوار سہیلی'' *For the Use of Military Officers of the Madras Establishment by Order of the Board of the Superintendent for Men College of St. George by Muhammad Ibrahim Monshee.* کے نام سے ۱۸۲۴ء میں بڑی تقطیع پر ۴۴۱ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کے آخر میں ایک فرہنگ بھی شامل ہے جس میں دکنی کے ان الفاظ کے معنی شمالی اردو میں دیے گئے ہیں جو اس کتاب میں استعمال ہوئے ہیں، جون شیکسپیئر نے اپنی لغت کے تیسرے اور چوتھے اڈیشن میں اس کتاب سے بہت سے الفاظ لیے ہیں۔

ابراہیم کا بیان ہے کہ انھوں نے ۳ سال تک دکن کے مضافات کے سفر میں صرف کیے اور اس طرح انھوں نے وہ تمام الفاظ جمع کر دیے جو شمالی ہند میں استعمال نہیں ہوتے۔ یہ کام انھوں نے اس خیال سے کیا تھا کہ وہ ایک نہ ایک دن انھیں کتابی صورت میں لے آئیں گے۔ مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ دکن اور شمالی ہند میں الفاظ کی تذکیر و تانیث میں بڑا اختلاف ہے جیسا کہ دکن کی مشہور کتابوں: ''پھول بن''، ''گلشن عشق''، ''منطق الطیر'' اور ''یوسف زلیخا'' سے اندازہ ہوتا ہے۔ مثلاً ''کلیلہ و دمنہ''، جو شمال میں مذکر ہیں، دکن میں مؤنث ہیں۔

''انوار سہیلی'' کے اور کئی دکنی ترجمے ہیں لیکن مجھے مترجمین کے نام معلوم نہیں۔

۱۔ میرے پاس ایک بڑا اچھا نسخہ اس کتاب کا ہے جو Adam Clarke کے پاس تھا۔ یہ ۱۱۷۹ھ/۱۷۶۵ء میں نقل کیا گیا ہے۔

۲۔ میرے شاگرد اور دوست Falconer مرحوم کے پاس ایک دوسرا قلمی نسخہ موجود تھا۔

۳۔ انڈیا آفس لائبریری کے کتب خانے میں ہندوستانی قلمی نسخہ موجود ہے، جس کا نمبر فہرست میں ۲۲۳ ہے۔

۴۔ Sir G.C.Haughton کے کتب خانے میں دو اور نسخے تھے۔ بعض دوسرے نسخے کتاب فروشوں سے مل سکتے ہیں۔

۵۔ ایسٹ انڈیا آفس کے کتب خانے میں ''ترجمہ انوار السہیلی (بازبان ہندی)'' کے نام سے بھی ایک نسخہ موجود ہے۔

۶۔ کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے میں بھی اسی عنوان کا ایک نسخہ ہے جو ڈاکٹر Gilchrist سے منسوب ہے۔

محمد ابراہیم غالباً وہی ہم عصر مصنف ہیں جنھوں نے ''چمن بے نظیر'' کے نام سے فارسی اور اردو شعرا کے کلام کا انتخاب کیا ہے اور جس کو اب سے پہلے محمد حسین نے شائع کیا ہے۔

اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں فارسی کے تقریباً پچاس قدیم وجدید شاعروں کی غزلیں ۲۰ے صفحوں میں اور باقی میں دوسرے قسم کے اشعار شامل ہیں۔ اس پہلے حصے کا نام ''مراۃ العاشقین'' ہے۔ دوسرے حصے میں ۲۴۹ صفحے ہیں، اس میں ۱۸۷ اردو شاعروں کے کلام کا انتخاب دیا گیا ہے۔ اس کے دو اڈیشن بمبئی مین شائع ہوئے ہیں ۔ایک ۱۲۶۵ھ /۹-۱۸۴۸ء میں اور دوسرا ۱۲۶۶ھ /۵۰-۱۸۴۹ء میں۔ اس آخری اڈیشن کا نام ''مجمع الاشعار'' [۱۲۶۵ھ/۹-۱۸۴۸ء] ہے۔ اس عنوان سے تاریخ تصنیف نکلتا ہے۔ پہلا اڈیشن غالباً محمد حسین نے چھاپا ہے اور اس کا عنوان ''چمن بے نظیر'' ہے۔

محمد اسماعیل:

انھوں نے ایک کتاب ''نیرنگ نظر'' لکھی ہے جو میرٹھ سے ۱۸۶۴ء اور ۱۸۶۵ء میں شائع ہوئی ہے۔ یہ ایک مختصر سا انسائیکلوپیڈیا ہے جو اسکولوں کی لڑکیوں کے لیے خاص طور پر لکھا گیا ہے۔ یہ ایک ابتدائی کتاب ہے جو اردو اور ہندی زبانوں میں شائع ہوئی ہے اور اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ تصویروں سے بھی مزین ہے۔ اس کتاب کے ہندی اڈیشن کو پالی رام نے اردو ترجمہ کیا ہے اور اس کا نام'' برن چندر کھ'' رکھا ہے۔

محمد اسماعیل گنگا پرشاد کے ساتھ'' علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ'' کے مدیر ہیں۔ یہ اخبار ہر ہفتے نکلتا ہے اور اس میں اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں مضامین شائع ہوتے ہیں۔

ممکن ہے کہ یہ وہی مولوی محمد اسماعیل بدیا ہیں جنھوں نے'' مولود شریف'' کے نام ایک کتاب لکھی ہے جو صوبہ بمبئی مین رتنا گری کے مقام سے ۱۸۵۷ء میں شائع ہوئی۔

محمد اکبر:

وہ مدراس کے اردو اخبار'' عمدۃ الاخبار، اعظم الانوار'' کے مدیر ہیں۔ یہ اخبار ۱۸۶۸ء سے ''مطبع انوری'' سے مہینے میں ۳ بار بڑی تقطیع پر نکلتا ہے۔ اور اس کے ہر صفحہ پر دو کالم ہوتے ہیں۔ اس اخبار کو بریلی کے ''عمدۃ الاخبار'' سے خلط ملط کرنا بالکل غلط ہوگا کیونکہ اس اخبار کے پہلے مدیر کا نام مولوی عبدالرحمن تھا اور بعد

میں مشہور عالم لکشمن پرشاد اس کے مدیر ہو گئے تھے۔ میں نے اس اخبار کے متعلق اپنے ۶ دسمبر ۱۸۶۹ء کے مقالے میں زیادہ تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس اخبار کا نام نواب کرناٹک کے نام پر رکھا گیا تھا کیونکہ انھیں عمدۃ الدولہ کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس اخبار کو ان کی سرپرستی بھی حاصل ہو۔

محمد بخش:

انھوں نے ہندوستانی مصنفین کی تصنیفات کا ایک انتخاب شائع کیا ہے، جس کا نام ''نورتن'' ہے۔ اس کتاب کا نام کسی چوڑی یا وکرمادت کے دربار کے نو نامور شاعروں کے اوپر رکھا گیا ہے۔ یہ بنارس سے ۱۸۴۱ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی ہے۔ اس کا دوسرا اڈیشن ۱۸۴۹ء میں نکلا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور اڈیشن لکھنو سے ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء میں چھوٹی تقطیع پر ۹۷ صفحات میں شائع ہوا ہے۔

محمد بن محمد۔ خواجہ:

انھوں نے اردو میں ایک مذہبی کتاب ''حبل متین'' کے نام سے لکھی ہے جو ہندوستان میں شائع ہوئی ہے۔

محمد تقی۔ مولوی اور سید:

وہ حسب ذیل کتابوں کے مصنف ہیں:

۱۔ ''رسالہ تاثیر الانظار''۔ یہ کتاب کان پور سے ۱۸۶۶ء میں چھوٹی تقطیع میں ۱۴۰ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔
۲۔ ''مولوی سید محمد تقی کی کتاب''۔ اس کتاب کا نام مسیحی مذہب کی کتابوں میں درج ہے۔

محمد جان۔ منشی:

وہ میرٹھ کے انسپکٹر جنرل پولیس کے دفتر کے صدر پیش کار ہیں۔ انھوں نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ''تشریحات مجموعہ تعزیرات ہند'' ہے۔ اس کتاب میں ان جرائم کے متعلق ذکر کیا گیا ہے، جس کا پولیس سے روزمرہ کا تعلق ہے۔ اس کتاب کے ۱۸ ابواب ہیں مثلاً جرائم کے نام، ان کی تشریح اور سزا کا تعین۔ اس کے علاوہ ''تعزیرات ہند'' کے دفعات، اشتہارات برائے انسداد جرائم، عدالت متعلقہ کے متعلق بھی ابواب قائم کیے ہیں۔ دوسرے ابواب کا تعلق ملزمان کی گرفتاری بغیر وارنٹ وغیرہ سے ہے۔ یہ ایک بہت ہی مفید کتاب ہے جو لکھنو سے بڑی تقطیع کے ۴۸ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔ اس کے ہر صفحے پر ۳۳ سطریں ہیں۔

محمد حسین:

وہ میر تقی میر کے شاگرد تھے اور ان کی شاعری کی نقالی کرتے تھے۔

فتح علی حسینی نے ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔ شاید یہ وہی محمد حسین ہیں جنھوں نے حسب ذیل کتابیں لکھی ہیں:

۱۔ ''شرح مسلم''۔ یہ مسلم کی کتاب کی ایک شرح ہے جو لاہور کے کوہ نور پریس سے شائع ہوئی ہے۔

۲۔ ''کتاب نامہ، ساقی نامہ اور ترکیب نامہ''۔ یہ مذہبی موضوع کی ایک کتاب ہے جو دہلی سے بڑی تقطیع پر ۲۴ صفحات میں شائع ہوئی ہے، ۱۸۶۸ء۔

محمد حسین۔ مولوی۔ شاہ جہان پوری:

وہ ایک ہم عصر مصنف ہیں جنھوں نے اپنی عمر کے ۲۵ سال عربی، فارسی اور اردو مصنفین کی تصنیفات سے انتخابات کو جمع کرنے میں صرف کیے ہیں۔ ان انتخابات کے مجموعہ کو انھوں نے ایک کتاب کی صورت میں ۷۵۰ صفحات پر لکھنو سے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کا نام ''ریاض الفردوس'' ہے اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ تین جلدوں میں ہے اور ہر زبان کے مضامین کو اس کی اصل زبان میں شامل کیا گیا ہے۔

اس کتاب کے عربی اور فارسی مضامین سے مجھے کوئی بحث نہیں۔ البتہ اردو کے حصے میں نظمیں ہیں اور ان کے علاوہ شعرا پر مختصر مقالے اور مسلمانوں کے رسم ورواج پر مضامین ہیں۔ اسی کتاب میں اہل انجیل اور آئمہ، فقہا اور مشہور تاریخی شخصیتیں مثلاً تیمور وغیرہ پر بھی مضامین درج ہیں۔

محمد حسین خان:

وہ مولانا محمد باقر کے بیٹے اور دہلی کالج کے طالب علم تھے۔ وہ ''نور علی نور'' نامی اخبار کے ناظم تھے۔ یہ اخبار لدھیانہ کے ''مطبع نور علی نور'' سے نکلتا ہے۔ یہ ہفتہ روزہ اخبار ۱۸۵۱ء میں جاری ہوا۔ اس اخبار میں روزانہ کی خبریں اور اقتباسات چھپتے تھے۔ ۹-۱۸۴۸ء میں محمد حسین ''دہلی اردو اخبار'' کے بھی ناظم رہے۔

اس مسلمان عالم کے کارناموں کی فہرست یہ ہے:

۱۔ ''ترجمہ رسالۂ نکاح''۔ یہ نکاح کے موضوع پر ان کے والد کے ایک فارسی رسالہ کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب دہلی سے ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۷ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی ہے۔

۲۔ ''سراج نظم''۔ یہ کتاب انھوں نے لکھنو سے ۱۸۴۸ء میں شائع کی ہے۔ اس اردو نظم میں فطرت کے اس مصنوعات کا بیان ہے، جن کا ذکر حدیث میں آیا ہے۔ مجھے یہ Shakspear سے معلوم ہوا ہے۔ اس کتاب کا ایک نسخہ ایسٹ انڈیا آفس کے کتب خانے میں موجود ہے۔

۳۔ ''چمنِ بے نظیر''۔ اس کتاب کا ذکر محمد ابراہیم کے مضمون میں کیا گیا ہے۔

۴۔ ''حکم گشتی صاحبان بورڈ مما لک مغربی شمالی''۔ یہ سرکاری احکامات کا اردو ترجمہ ہے جو دہلی سے ۱۸۴۹ء میں شائع ہوا ہے۔ محمد مرزا پر مضمون دیکھیے۔

انھوں نے ۱۸۵۱ء میں لاہور کے ''مطبع نور علی نور'' سے حسب ذیل کتابیں شائع کی ہیں:

۱۔ ''نجات المومنین''۔ یہ پنجابی کی ایک مذہبی کتاب ہے۔

۲۔ ''لیلاوتی''۔ یہ علم ریاضی پر ایک مذہبی کتاب ہے۔

۳۔ ''رسالہ'' کے نام سے اردواور ہندی میں پنجاب کی'' انجمن اشاعت مطالب مفیدہ کی رپورٹ'' لاہور سے شائع کی ہے۔ پنجاب سے شائع شدہ کتابوں کی فہرست میں اس رسالے کی تمام اشاعتوں کا ذکر ہوا ہے جو کہ اس سے پہلے شائع ہوا ہے۔

۴۔ ''عشرہ کاملہ، وغیرہ''۔ یہ رسالہ ان دس مسائل سے بحث کرتا ہے جو وہابیوں اور قدامت پرست مسلمان کے درمیان اختلافی ہیں۔ یہ رسالہ عبیداللہ کی مدد سے ۱۶صفحہ پر چھوٹی تقطیع میں ۱۸۶۸ء میں دہلی سے شائع ہوا ہے۔

کوہ نور پریس لاہور سے اردو مطبوعات کی جو فہرست نکلتی ہے اس میں ایک سرکلر جوڈیشل اور ایک سرکلر نمبر ۸۹ بابت ترتیب دفتر دیوانی وفوجداری کا ذکر ہے۔

محمد خان۔سید۔دہلوی:

وہ نواب مرید خان کے پوتے اور نواب مظفر خان کے داماد تھے۔ شورش ان کو ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ وہ پٹنہ کے ان سید محمد خان سے مختلف ہیں جو نواب مرتضوی خان کے پوتے ہیں اور صوبہ دار بنگال سے قرابت رکھتے تھے۔

محمد خان زیادہ تر مرثیے لکھا کرتے تھے۔ جن دنوں شورش اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو انھوں نے کوئی تخلص اختیار نہیں کیا تھا۔

محمد خان۔فقیر:

وہ صاحب دیوان ہیں۔ ان کے متعلق بطروس Boutros مرحوم سے معلومات حاصل ہوئی ہیں، جو دہلی کالج کے سابق پرنسپل تھے۔

محمد خان۔نواب:

انھوں نے ''نشترعشق'' کے نام سے ایک کہانی لکھی ہے۔ یہ کتاب اردو نظم میں ہے اور دہلی سے ۱۸۴۹ء

میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر کی فہرست میں اس کتاب کا نمبر ۱۵۰۵ ہے۔ عاشقی کے مضمون اسی نام کی ایک کتاب کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن یہ کتاب محمد خان کی کتاب سے کوئی تعلق نہیں رکھتی کیوں کہ عاشقی نے جس کتاب کا ذکر کیا ہے وہ فارسی اشعار کا ایک انتخاب ہے۔

محمد۔ سید:

وہ ایک دکنی مصنف ہیں جنھوں نے محمد کی شان میں ''بردہ'' کے مشہور کلام کا سطر بہ سطر ترجمہ کیا ہے۔ میں نے ''بردہ'' کے اشعار کے فرانسیسی ترجمہ کو ۱۸۶۳ء میں شائع کیا ہے۔ محمد کے ترجمہ کا نام ''قصیدہ بردہ'' ہے۔ اس کے شروع میں ہندوستانی اشعار کے چھ صفحات ہیں۔ (فورٹ ولیم کالج کی فہرست میں اس کا نمبر ۲۱۰۹ ہے۔)

محمد۔ سید:

ایک دوسرے سید محمد ہیں، جنھوں نے ''مفتاح اللغات'' کے نام سے اردو کی ایک لغت تصنیف کی ہے۔ یہ کتاب فارسی اور دیوناگری دونوں رسم الخط میں لکھی گئی ہے اور اسے دہلی سے ۱۸۵۱ء میں بڑے تقطیع پر ۲۲۳ صفحات میں سید اشرف علی نے شائع کیا ہے۔

محمد شاہ:

وہ لدھیانہ کے اردو اخبار ''مجمع البحرین'' کے مدیر ہیں۔ یہ غالباً وہی محمد شاہ ہیں، جن کا ذکر ذکا نے ہندوستانی شعرا میں کیا ہے۔

محمد شفیع:

وہ ایک سررشتہ دار ہیں اور ''سریع الفہم'' کے مصنف ہیں۔ یہ کتاب حکومت کے مختلف قوانین کا ایک خلاصہ ہے جو اردو میں لاہور سے ۱۸۶۹ء میں ۸۷ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

محمد صادق:

انھوں نے ''مفتاح النعیم'' کے نام سے ایک انشا لکھی ہے جو لاہور سے ۱۸۶۳ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس انشا کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صرف رقعات شامل ہیں۔ وہ آغا محمد عبدالغفار کے ساتھ سیتاپور کے ''غالب الاخبار'' کی ادارت کے فرائض نجام دیتے ہیں۔ یہ ایک اردو اخبار ہے جو یکم مارچ ۱۸۶۹ء سے ہر ہفتہ نکلا کرتا ہے۔

محمد عباس:

وہ ''توشۂ عقبیٰ'' کے مصنف ہیں۔ یہ کتاب دہلی سے ۱۸۶۷ء میں چھوٹی تقطیع پر ۱۶ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔

محمد عبداللہ خان:

انھوں نے Parnell's Hermit کا اردو میں منظوم ترجمہ کیا ہے۔اس ترجمہ کی ایک اعلیٰ خصوصیت یہ ہے کہ اس کی زبان بہت شگفتہ ہے اور اصل کتاب سے بہت زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔ یہ کتاب الہ آباد سے ١٨٦٨ء میں چھوٹی تقطیع پر ١٣صفحات میں شائع ہوئی ہے۔

محمد عظیم:

انھوں نے ''شرع التعلیم'' کے نام سے بچوں کی ایک ابتدائی کتاب شائع کی ہے۔ یہ کتاب لکھنو سے ١٨٦١ء میں ٧٦صفحات میں چھپی ہے۔

محمد علی:

وہ بابو محمد حسین حسن آبادی کے بیٹے تھے۔ وہ حسب ذیل کتابوں کے مصنف ہیں:

١۔ ''غمِ حسین''۔ یہ ایک مثنوی ہے ١١٧٨ھ/٥-١٧٦٤ء میں تصنیف کی گئی ہے۔اس میں ١٤مجالس ہیں بعض مرثیوں کا ایک مجموعہ ہے، جس میں محمدؐ اور فاطمہؓ کے انتقال اور علی، حسن، مسلم، اور ان کے بیٹے قاسم، عباس، علی اکبر، علی اصغر، حسینؓ وغیرہ کی شہادت کا ذکر ہے۔

٢۔ انھوں نے چوہے بلی پر ایک منظوم کتاب لکھی ہے۔

توپ خانہ لکھنو کے کتب خانہ میں ان دونوں کا ایک خوبصورت نسخہ موجود تھا۔اس میں ٢٢٠صفحات تھے اور ہر صفحے پر ١٣/اشعار درج ہیں۔

محمد علی۔ منشی:

وہ ''چراغ ہدایت'' کے مصنف ہیں۔ یہ ایک اردو کتاب ہے اور اخلاقیات کے موضوع پر لکھی گئی ہے جو لاہور سے ١٨٦٦ء میں شائع ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کی فقہی مسائل (احادیث) کے متعلق ایک رسالہ تصنیف کیا ہے، جس کا نام ''راہ نجات'' ہے اور جو پہلی بار لکھنو سے ٣٠ صفحات میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوا تھا اور بعد میں میرٹھ سے ١٨٦٧ء میں ٢٤صفحات میں شائع ہوا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ''راہ نجات'' کے مصنف شیخ محمد علی امرتسری ہیں جن کی ایک تصنیف کا نام ''شمس التحقیق'' ہے مگر مجھے اس سے اتفاق نہیں۔ مؤخر الذکر کتاب عربی اور اردو زبانوں میں چھوٹی تقطیع پر ٢٣٣صفحات میں ہے۔ اور لاہور سے ١٨٦٨ء میں شائع ہوئی ہے۔

محمد عیسی۔خواجہ:

وہ ایک کتاب کے مصنف ہیں۔جس کا نام ''مجموعہ عیسوی'' ہے۔اس کتاب میں خوابوں کے متعلق بحث کی گئی ہے اور اس میں ۸/ابواب ہیں جن میں خوابوں کی تشریح اور تعبیر بیان کی گئی ہے۔ان کے علاوہ ارسطو،افلاطون اور حضرت عیسیٰؑ کے معجزات پر بھی علیحدہ علیحدہ مضامین لکھے گئے ہیں۔اور بعض دوسرے ابواب کے مضامین،حفظان صحت،علاج،امراض اور طلسم پر مشتمل ہیں۔ یہ ایک باتصویر کتاب ہے جو شیخ رجب علی کی فرمائش پر چھپی ہے،اور ۱۲۸۲ھ/۶-۱۸۶۵ء میں چھوٹی تقطیع پر ۸۸صفحات میں شائع ہوئی ہے۔

محمد مرزا۔کان پوری:

انھوں نے مندرجہ ذیل کتابوں کا ترجمہ کیا ہے:

۱۔ ''سرکلر جات''۔صوبہ پنجاب کی عدالتوں کے متعلق یہ کتاب لکھی گئی ہے،جو لاہور سے ۱۸۶۰ء میں بڑی تقطیع میں شائع ہوئی ہے۔

۲۔ ان کی دوسری کتاب کا نام *Comparativo Grammar and Vocabulary* ہے۔
۵/اکتوبر ۱۸۵۷ء میں انجمن لاہور کو اس کتاب کا قلمی نسخہ پیش کیا گیا ہے۔

۳۔ انھوں نے عربی سے اردو میں ترکی زبان کی ایک قواعد کا ترجمہ کیا ہے۔

محمد مہدی واعظ:

انھوں نے شیخ عبدالحق کی کتاب ''تکمیل الایمان'' کا خلاصہ لکھا ہے،جس کا عنوان ''رسالہ عقائد کا۔ خلاصات التکمیل'' ہے۔یہ کتاب مدراس سے ۱۸۴۶ء میں شائع ہوئی ہے۔''تکمیل الایمان'' کا اردو ترجمہ ''سہل الجنان'' کے نام سے بھی نکلا ہے اور اس کا اعلان ۱۸۶۹ کی ''فہرست نول کشور لکھنؤ'' میں کیا گیا ہے۔

محمد میر۔سید:

وہ ''مقاصد العلوم'' کے مصنف ہیں۔یہ رسالہ Lord Brougham کی انگریزی کتاب کا اردو ترجمہ ہے جس میں سائنس کے مقاصد،فوائد اور خوبیوں کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب کلکتہ سے ۱۸۴۱ میں شائع ہوئی ہے۔

محمدی بیگم:

وہ ایک خاتون شاعر ہیں جن کا ذکر ابوالحسن نے مسرت افزا میں کیا ہے۔

محمد یحییٰ:

انھوں نے "مجموعہ رد روافض" کے نام سے شیعہ جماعت کے خلاف ایک رسالہ لکھا ہے، جو لاہور سے ۱۸۶۷ء میں چھوٹی تقطیع پر ۲۴ صفحات میں شائع ہوا ہے۔

محمد ہادی:

انھوں نے مباحثہ کی ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "رد نصاریٰ" ہے۔ اس کتاب کو حکومت برطانیہ نے سقوط دہلی کے بعد ۱۸۵۷ء میں خرید لیا تھا۔ فہرست میں اس کا نمبر ۱۰۷۲ ہے۔

محمود۔ دکنی:

قاسم کہتے ہیں کہ وہ فخر کے رشتہ دار اور ان کے ہم عصر بھی تھے۔ غالباً یہ وہی محمود ہیں، جن کا ذکر ڈاکٹر اسپرنگر نے کیا ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر کے مطابق وہ ولی کے ہمعصر ہیں اور اس کا نام محمود سید ہے۔

محمود۔ سید حافظ محمود خان۔ افغان:

وہ سرور کے شاگرد تھے۔ ان کے استاد نے ان کی بڑی تعریف کی اور ان کے اشعار کو ۷ صفحوں پر نقل کیا ہے۔ محمود نے ہندوستانی اور فارسی شعرا کا ایک تذکرہ بھی لکھا ہے۔

محسن۔ حکیم محمد محسن خان:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں۔

محنت۔ مرزا حسین علی بیگ۔ دہلوی:

وہ مرزا سلطان بیگ کے بیٹے تھے۔ ان کی پیدائش مغل پورہ میں ہوئی، لیکن جب وہ ۵ سال کے ہوئے تو وہ لکھنو چلے گئے اور یہیں جوان ہوئے۔ بعد میں وہ دلی میں قیام کرتے تھے۔ محنت بہت زندہ دل تھے لیکن بہت ہی کم سخن واقع ہوئے تھے۔ انھیں شعروسخن کی اعلیٰ صلاحیتیں عطا ہوئی تھیں اور وہ قلندر بخش جرأت سے مشورہ سخن کیا کرتے تھے۔ مصحفی نے ان کے اشعار کو ڈیڑھ صفحات میں نقل کیا ہے۔ ان کا انتقال ۱۲۳۵ھ/۲۰-۱۸۱۹ء میں ہوا ہے۔

محو۔ رحیم علی خان۔ دہلوی:

لطف النبی خان کے بیٹے تھے۔ یہ ہم عصر شاعر ہیں اور پٹنہ میں مقیم ہیں، جہاں انھیں کافی شہرت حاصل ہے۔

محو۔ شیخ عظیم اللہ:

یہ ہندوستانی شاعر میرٹھ کے رہنے والے ہیں۔ کریم ان سے واقف ہیں اور ان کے اشعار نقل کرتے ہیں۔ شیفتہ نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔

محو۔ شیخ فیض الدین:

فرخ آباد کے رہنے والے تھے۔ وہ وکیل محمد فخر الدین کے بیٹے اور سید اسماعیل حسین منیر کے شاگرد ہیں۔ محسن نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

محو۔ حسین فیض علی خان:

وہ آگرہ میں قاضی تھے۔ شیفتہ اور سرور ان کا ذکر کرتے تھے۔

محی الدین۔ عبدالرحمٰن:

وہ ''شمس الایمان'' کے مصنف ہیں۔ یہ کتاب اردو میں مذہب اسلام پر ہے اور دلی سے ۱۸۵۰ء میں شائع ہوئی ہے۔ انھوں نے عربی اور اردو میں ''عصر الادیب'' کے نام سے ایک اور کتاب لکھی ہے۔ جو فیروز پور میں ۱۸۶۸ء میں ۶۲ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

مختار۔ حافظ غلام نبی خان بہادر:

وہ نواب غازی الدین کے معلم کے بیٹے تھے۔ انھوں نے ابتدا میں فارسی کلام کے لیے کریم تخلص استعمال کیا تھا بعد میں اردو شاعری میں مختار کے تخلص سے اشعار کہتے تھے۔ سرور کے تذکرے کا جو قلمی نسخہ میرے پاس ہے، اس میں مختار کے بجائے ممتاز لکھا ہوا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ یہ سہواً لکھا گیا ہے۔

مخدوم:

محسن ان کے اشعار نقل کرتے ہیں لیکن ان کے حالات کی کوئی تفصیل نہیں دیتے۔

مخلص۔ بدیع الزماں:

انھوں نے ہندوستانی زبان میں اشعار کہے ہیں۔ یہ اپنے جسمانی حسن اور بلند کردار کے لیے بہت مشہور تھے۔ وہ نواب اودھ شجاع الدولہ کے دربار سے منسلک تھے۔ عشقی کا بیان ہے کہ وہ شاہ واقف کے شاگرد تھے۔

مخلص۔ رائے آنند رام۔ دہلوی:

وہ نواب اعتماد الدولہ کے وکیل تھے۔ انھوں نے عمدہ ہندوستانی اشعار کہے ہیں اور علی ابراہیم نے ان

کے ۶ اشعار کو نقل بھی کیا ہے۔ میر کہتے ہیں کہ وہ ابتدا میں مرزا بیدل کے شاگرد تھے۔ بعد میں سراج الدین آرزو سے مشورہ سخن کرنے لگے۔ آرزو نے اپنے تذکرے میں ان کا ذکر کیا ہے۔

میر کے تذکرے کی تصنیف سے ارسال پہلے مخلص کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کی موت اخراج خون کے ایک مرض سے واقع ہوئی ہے۔

قائم اور کمال ان کو آنند کے بجائے نند کہتے تھے اور کھشتری ذات سے بتاتے تھے۔ ان کا خیال ہے کہ وہ ایک قدیم شاعر تھے۔ مخلص نے ابتدا میں فارسی زبان میں شاعری کی ہے لیکن زمانے کے دستور کے مطابق انھوں نے ہندوستانی میں شعر کہنا شروع کیا۔ وہ ایک اردو دیوان کے مالک بھی ہیں۔ (*Journal of the Asiatic Society*, Calcutta.1899,Page 261)

مخلص علی خان۔ مرشد آبادی:

میر باقر کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ وہ نواب محمد نوازش خان شہامت جنگ کے بھانجے تھے۔ تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ وہ خوبرو جوان تھے اور ہر مجلس میں بہت ہی مقبول تھے۔ وہ ایک پرخلوص شخص تھے اور ایک بلند کردار کے مالک تھے۔ جن دنوں علی ابراہیم اپنا گلزار لکھ رہے تھے تو وہ بنگال میں رہتے تھے۔ انھوں نے ہندوستانی میں اشعار کہے ہیں اور دیگر اردو اساتذہ کی طرح انھیں دیوان کی صورت میں مرتب کیا ہے۔ ان اشعار میں عشق و محبت کو ضرورت سے زیادہ دخل ہے۔ علی ابراہیم مخلص سے اچھی طرح واقف تھے۔ انھوں نے ان کے اشعار کو اپنے تذکرے میں چار صفحات پر جگہ دی ہے۔ لطف کا بیان ہے کہ وہ ۱۲۰۷ھ/۳-۱۷۹۲ء میں فوت ہوئے ہیں۔ انھوں نے مرشد آباد میں انتقال کیا ہے۔ شیفتہ کا خیال ہے کہ میر علی باقر اور مخلص علی خان دو مختلف شاعر ہیں اور ان کے مطابق مخلص علی خان مرشد آباد کے باشندے تھے اور میر باقر مخلص آگرہ کے رہنے والے تھے اور مصطفیٰ خان یک رنگ کے شاگرد ہونے کے علاوہ محمد شاہ کے دور کے ایک ممتاز مصنف تھے۔ مگر ابوالحسن کا اور خود میرا خیال ہے کہ یہ دونوں نام ایک ہی شخص کے ہیں اور ان کا نام میر باقر مخلص علی خان دہلوی ہے۔ بہرحال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے کتب خانہ میں مخلص علی خان مخلص کے دیوان کا ایک نسخہ موجود ہے۔ اس کا نمبر فہرست میں ۳۱۰ ہے۔ اس دیوان میں قصیدے، غزلیں اور مخمس ۲۰۰ صفحات میں درج ہیں۔ ہر صفحے میں ۱۲/اشعار ہیں۔ اسی کتب خانہ میں مخلص کی دو مثنویاں ہیں، غالباً یہ مثنویاں بھی مذکورہ بالا مخلص کی تصنیفات ہیں۔ فہرست میں اس کا شمار ۹ ہے۔ پہلی مثنوی میں ۱۰۹/اشعار ہیں اور جو شراب اور حرمت شراب کے متعلق لکھی گئی ہے۔ دوسرے مثنوی میں عشق و محبت کے

موضوع پر ۱۵۰ا اشعار ہیں۔ان کا ایک واسوخت بھی شائع ہوا ہے۔ذیل میں مخلص کی ایک غزل درج کی جاتی ہے۔

یہ غزل دستیاب نہ ہوسکی۔(مترجم)

مخلص۔مرزا محمد حسین۔دہلوی:

وزیر خان کے پوتے تھے اور ۱۱۶۸ھ/۵-۱۷۵۴ء میں دلی میں رہتے تھے۔وہ سرحد میں فوج دار تھے۔ کریم انھیں ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے ہیں۔

مخلص۔میر مہدی حسن۔دہلوی:

وہ ضلع کان پور میں وکیل تھے۔ ان کے والد سید دلیر علی تھے۔اور ان کے استاد مرزا خان نوازش صاحب،دیوان ہیں جن کے ۶/اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

مخمور۔محمد جعفر۔لکھنوی:

وہ خواجہ محمدی کے بیٹے اور غلام ہمدانی مصحفی کے شاگرد ہیں۔انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جس کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔

مخمور۔مولوی وجود علی:

وہ کلکتہ کے مشہور زمیندار مولوی عبدالعلی کے بیٹے اور نساخ کے شاگرد ہیں،نساخ نے اپنے تذکرہ کے آخری حصہ میں ان کے چھ اشعار نقل کیے ہیں۔

مدحت۔لکھنوی:

وہ جعفر علی حسرت کے شاگرد تھے اور ان کا انتقال جوان سالی میں ہوا ہے۔دوسرے تذکرہ نویسوں کے علاوہ کمال نے ان کی دو عشقیہ غزلیں نقل کی ہیں۔یہ اشعار بڑے شوق اور شگفتگی کے ساتھ لکھے گئے ہیں لیکن اردو کے دوسرے سیکڑوں معمولی غزلوں سے کسی طرح بہتر نہیں ہیں۔

مدعا۔میر عوض علی۔دہلوی:

وہ ایک ہندوستانی مصنف ہیں جو دل و دماغ کی اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ وہ ایک اچھے طبیب ہونے کے علاوہ ایک بلند ادیب بھی مشہور ہیں۔مشہور حافظ الملک حافظ رحمت خان کے پاس وہ ایک بڑے عہدے پر فائز تھے۔انھوں نے حافظ رحمت کے بیٹے نواب محبت خان کی شادی کے موقع پر جو قصیدہ لکھا ہے،اس کی عوام میں بڑی قدر کی جاتی ہے اور اس کی مقبولیت کا یوں اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس

قصیدے کو پشتو یا افغانی زبان میں بھی ترجمہ کیا گیا ہے۔ یہ قصیدہ میری نظر میں خیالات کی مبالغہ آمیزی اور ندرت اظہار کے لیے اپنی مثال آپ ہے۔ (علی ابراہیم نے اسے ''گلزار ابراہیم'' میں نقل کیا ہے۔)

رحمت خان والیٔ روہیل کھنڈ تھے اور کشمیر کے مقام پر ایک جنگ میں مارے گئے تھے۔ (۱۷۷۴)۔ G.Elliot نے ۱۸۳۱ء میں ان کی ایک سوانح حیات شائع کی ہے جس کو ان کے لڑکے نواب مستجاب خان بہادر نے تصنیف کیا تھا۔ لیکن اس کتاب سے اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ ان کے فرزند محبت خان ایک شاعر بھی تھے۔

مدہوش۔ میر نبی جان:

وہ خواجہ محمد باسط کے بیٹے اور میر سوز کے شاگرد تھے۔ ہندوستانی تذکرہ نویسوں کے بقول وہ ایک بہت ممتاز شاعر ہیں۔

مدھورام:

انھوں نے ہندوستانی میں خطوط کا ایک مجموعہ لکھا ہے۔ جو ایک قسم کی انشا میں شامل ہے اور جو رام پور سے ۱۸۶۳ء میں چھوٹی تقطیع کے ۱۸۸ صفحات پر شائع ہوا ہے۔

مذنب۔ مرزا محمد حسین۔ لکھنوی:

ان کو چھوٹے مرزا کہتے ہیں۔ وہ ایک بہت مشہور مرثیہ گو ہیں۔ مرثیے کے علاوہ ان کے دوسرے کلام کا مجموعہ دیوان کی شکل میں مرتب کیا گیا ہے، جس کی ایک غزل محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہے۔

مرادشاہ:

وہ ایک اور ہندوستانی شاعر ہیں جو اجمل کے شاگرد تھے۔ محسن کا بیان ہے کہ ''سراپا سخن'' لکھنے سے پہلے ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ انھوں نے ان کے اشعار کا ایک نمونہ درج کیا ہے۔

مرتضی۔ میر مرتضی:

پٹنہ کے رہنے والے تھے۔ وہ میر ایوب کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ ان کے والد میر قدرت اللہ تھے، اور ان کے دادا شکر اللہ۔ جن دنوں شورش اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے، وہ فیض آباد میں رہتے تھے۔ جہاں نواب وزیر انھیں بڑے اہتمام سے رکھتے تھے۔

مرحوم۔ حکیم میر علی:

وہ ضلع سہارن پور کے ایک سید ہیں جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔

مردان علی خان:

وہ ''غنچہ راز'' کے مصنف ہیں۔ جو غالباً موسیقی پر ایک رسالہ ہے یا ایسا مجموعہ ہے جس میں ان اشعار کوشامل کیا گیا ہے جو مختلف راگ راگنیوں کے اصول کے مطابق دیے گئے ہیں۔اس کتاب کا ذکر لاہور کے اخبار ''کوہ نور'' کی اشاعت مؤرخہ ۶ مارچ ۱۸۶۶ء میں کیا گیا ہے۔ یہ کتاب لکھنو میں چھپی ہے۔

مرزا:

وہ حکیم محمد خان کے بھتیجے اور رستم بیگ شاکر کے شاگرد تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔

مرزا۔ابوالقاسم:

وہ ایک دوسرے ہندوستانی شاعر ہیں، جو سلطان ابوالحسن تانا شاہ والیٔ گولکنڈہ کے پاس ملازم تھے۔ سلطان ابوالحسن ۱۰۸۳ھ / ۳-۲-۱۶۷۲ء میں گولکنڈہ کے تخت پر متمکن ہوئے تھے۔ قائم کا بیان ہے کہ جب سلطان ابوالحسن جو خود ایک شاعر تھے،قید کر لیے گئے تھے،مرزا نے حیدرآباد کے قریب عبداللہ گنج میں گوشہ نشینی اختیار کی اور فقیرانہ زندگی بسر کرنی شروع کر دی۔

مرزا۔آقا:

ان کا آبائی وطن مازندران تھا،لیکن وہ لکھنو میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد محمد اسماعیل تاجر تھے۔وہ میر کے شاگرد تھے۔اور ہندوستانی میں شاعری کرتے تھے۔

مرزا۔ جہانگیر بیگ:

وہ آگرہ کالج میں طالب علم تھے۔شعروسخن کے لیے ان کے استاد مرزا اعظم علی بیگ اعظم تھے،محسن نے ان کا ذکر کیا ہے اوران کے ۶/اشعار نقل کیے ہیں۔

مرزا۔حکیم میر فضل اللہ:

وہ مرزا نینا یا بینا کے نام سے زیادہ مشہور تھے۔وہ ایک ممتاز طبیب تھے اور مرزا بیدل کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ مرزا پانی پت میں رہتے تھے اور ہندوستانی شاعری سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ وہ فارسی زبان میں اچھی استعداد رکھتے تھے اور کریم کے والد کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی فارسی پڑھایا کرتے تھے۔ ان کا انتقال پانی پت میں ۱۸۰۵ء میں ہوا ہے۔ان کا ایک واسوخت '' مجموعہ واسوخت'' میں درج ہے۔

مرزا خان:

وہ فخر الدین محمد کے بیٹے اور'' تحفۃ الہند'' کے مصنف ہیں۔ یہ کتاب فارسی میں ہے لیکن اس کے موضوعات کا تعلق ہندوستان سے ہے۔اس میں دیباچے کے علاوہ، جس میں دیوناگری رسم الخط کا بیان ہے، سات ابواب اور ایک ضمیمہ شامل ہے۔ پہلے پانچ ابواب میں شاعری، علم بلاغت اور ہندوستانی موسیقی کا ذکر کیا گیا ہے۔ چھٹے باب میں کوک کے موضوع پر علمی بحث کی گئی ہے۔ یہ بحث سنسکرت کی کتاب کوک سے ماخوذ ہے۔ ساتویں باب میں علم قیافہ شناسی پر ہندوستانی خصوصیت کو مدنظر رکھ کر گفتگو کی گئی ہے۔ ضمیمہ میں لغت نویسی کے اصول کا ذکر ہے۔ اس کتاب میں بہت سے ہندی الفاظ کی تشریح کی گئی ہے۔

مرزا۔ صادق علی خان۔ دہلوی:

وہ موسیقی اور شاعری سے دلچسپی رکھتے تھے اور مدداللہ کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ وہ سودا کے دوست اور نعمت خان کے شاگرد تھے۔ شاید وہ اور مرزا ہدایت اللہ دہلوی ایک ہی شخص ہیں۔

مرزا۔ محمد:

ان کا آبائی وطن توران تھا، لیکن وہ حیدرآباد میں رہتے تھے۔ وہ پیشے کے طور پر فوجی تھے لیکن شعروسخن سے بہت دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کے مختلف اشعار میں سے ایک قصیدہ ہے جو انھوں نے نواب نظام الملک کی شان میں لکھا ہے۔ اور جس کے چند اشعار سرور نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔ قائم نے ابوالقاسم کے نام سے ان کا ذکر کیا ہے۔

مرزا۔ محمد بیگ:

وہ دلی میں پیدا ہوئے لیکن الہ آباد میں رہتے تھے۔ وہ ایک دوسرے شاعر ہیں جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔

مراد۔ مرزا مراد بخش:

وہ پٹنہ کے رہنے والے تھے اور عام طور پر مرزا احمد کے نام سے مشہور تھے۔ ان کے والد ناصر محمد خان، منی بیگم کے وکیل تھے۔ وہ راسخ کے شاگرد تھے۔ انھوں نے اپنی عمر کا بیش تر حصہ مرشدآباد اور کلکتہ میں گزارا اور یہیں ان کو اپنی ہندوستانی شاعری کی وجہ سے شہرت حاصل ہوئی ہے۔ عشقی کے بقول ان کا انتقال تقریباً ۳۰ سال کی عمر میں ہوا ہے۔

مرزا۔ نواب علی رضا۔ دہلوی:

وہ محمد حسن خان احترام الدولہ کے نام سے مشہور ہیں۔ وہ نواب اشرف خان کے بیٹے ہیں۔ صمام

الدولہ خان دوران کے پوتے، سید فضائل خان کے بھانجے اور رستم علی خان رستم کے بھائی تھے۔ وہ ایک ممتاز شخصیت کے مالک تھے اور ادب وشاعری سے گہرا ذوق رکھتے تھے۔ انھوں نے بے شمار ہندوستانی اشعار لکھے ہیں اور غالباً ایک دیوان کے مالک بھی، جس کا نام ''دیوان مرزا'' ہے۔ اس دیوان کا ایک نسخہ فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے کتب خانے میں تھا۔ کچھ عرصے تک بہار میں قیام کرنے کے بعد مرزا ۱۸۶۱ء میں بنارس تشریف لے گئے۔ لیکن ''سراپا سخن'' کی تصنیف سے پیش تر انتقال ہو چکا تھا۔ جہانگیر نگر کے نائب صوبیدار نواب حسین الدین خان کے رشتہ دار اور دوست تھے۔ بنارس آنے سے قبل وہ ایک طویل عرصے تک بہار میں مقیم تھے۔ ان کا ایک واسوخت '' مجموعۂ واسوخت'' میں شامل ہے۔ فرح بخش لکھنو کے کتب خانہ میں جو نسخہ ہے وہ شاید اسی شاعر کا دیوان ہے۔ اس دیوان میں ۶۳ صفحات میں غزلیں درج ہیں، اس کے علاوہ ۳۰ صفحات پر ایک مثنوی ہے، پھر دوسری مثنوی اور قطعات ہیں۔

مرزائی (محمد علی خان):

نعیم اللہ خان کے بیٹے تھے۔ وہ نواب شجاع الدولہ، وزیر صوبہ اودھ کے دربار سے منسلک تھے۔ انھیں شاعرانہ ذوق عطا ہوا تھا۔ علی ابراہیم نے ان کے صرف دو اشعار نقل کیے ہیں۔

میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ مرزائی منشی مرزائی بیگ ہیں، جنھوں نے ''عیار دانش'' کے اردو ترجمہ ''خرد افروز'' پر نظر ثانی کی ہے۔ اس کے علاوہ انھیں ایک اور ہندوستانی کتاب لکھی ہے، اس کا نام ''بندیا در پن'' ہے۔

مرزا۔ ہدایت اللہ۔ دہلوی:

وہ مغل خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور حمزہ رند کے والد تھے۔ وہ محمد شاہ کے دور حکومت میں رہتے تھے اور شاعری وموسیقی کے ماہر تھے۔ انھوں نے ہندوستانی میں عمدہ اشعار کہے ہیں۔ سرور کا بیان ہے کہ ان کا انتقال ۱۲۰۲ھ /۸۔۱۷۸۷ء میں ہوا۔

مروت۔ پنڈت بشن ناتھ۔ یا نتھو جی:

ان کا آبائی وطن کشمیر تھا لیکن لکھنو میں رہتے تھے۔ وہ بستی رام وکنی کے بیٹے اور امانت کے شاگرد تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کے اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔

مروت۔ صغیر علی:

وہ پیر مہری کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ مصحفی کے بقول وہ حکیم کبیر سبلی شیخ انصاری (کبیر علی) کے بیٹے

تھے، جن کا ذکر اس کتاب میں آیا ہے۔ مصحفی کا بیان ہے کہ وہ ایک تعلیم یافتہ نوجوان تھے۔ ابتدا میں وہ رامپور میں اپنے والد کے ساتھ طبابت مین دلچسپی رکھتے تھے لیکن اس کے ساتھ شاعری سے بھی انھیں خاص لگاؤ تھا اور اسی وجہ سے وہ ایک نوجوان بکھو خان پسر مستقیم خان کے دوست ہو گئے۔ لوگ ان کی ابتدائی شاعری سے بڑی دلچسپی لیتے تھے اور عام طور پر وہ غزل اور قصیدہ لکھتے تھے۔ وہ اپنے پیر استاد سودا کے رنگ میں شعر کہنے کی کوشش کرتے۔ ۱۷۸۲ء میں جب کہ وہ رام پور میں تھے، انھوں نے دو ایک کہانیاں ''سحرالبیان'' کے انداز سے نظم کیں اور میر حسن کو دکھانا چاہا۔ لیکن اس دوران حسن کو سفر درپیش ہوا اور مروت انھیں نہ دکھا سکے۔ پانچ سال کے بعد جب بنارس سے رام پور دوبارہ واپس گئے تو انھوں نے ان مثنویوں کا تتمہ منظوم کیا جو نئے اظہار بیان اور صناعی کا حامل تھا۔ انھوں نے اس کی تکمیل کے بعد اس کی نقلیں لوگوں میں تقسیم کیں۔ ان کے اکثر دوستوں کے پاس اس مثنوی کی نقلیں ہیں اور اسی نے ان کی شہرت مستحکم کی ہے۔ میر حسن نے مروت کی اردو شاعری کی حیثیت سے بڑی حوصلہ افزائی کی اور ان کے ابتدائی کلام پر اصلاح بھی دی۔ مروت جس وقت رستم نگر میں مقیم تھے اور جہاں قلندر بخش جرأت سے مشورہ سخن کرتے تھے، کیونکہ وہ ان سے قریب تھے، لیکن مروت نے خود کسی ایک کا بھی شاگرد تسلیم نہیں کیا۔ وہ ہمہ گیر مذاق کے آدمی تھے۔

یہ تمام تفصیل مجھے مصحفی کے یہاں ملی ہے اور ان ہی کا بیان ہے کہ مروت نواب فیض اللہ کے دربار سے وابستہ تھے۔ مروت نے بھی نظم ''طلسمات عشق'' کے نام سے ۱۲۰۷ھ/ ۳-۱۷۹۲ء میں لکھا جس کا ایک نسخہ موتی محل لکھنو میں تھا۔ اس میں ۲۴۳ صفحات تھے اور ہر صفحے میں ۱۳/اشعار تھے۔ مروت نے اور بھی اشعار کہے ہیں لیکن قائم کا بیان ہے کہ وہ طبابت میں بہت مصروف تھے۔

مروت۔ میر محمد علی۔ دہلوی:

میر بہادر محب کے بیٹے تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں، جن کا ذکر ذکا نے کیا ہے۔

مرہون۔ مرزا علی رضا:

وہ ایک شاعر ہیں جن کے متعلق گمان ہے کہ انھوں نے متعدد بار اپنے تخلص کو تبدیل کیا ہے۔ مرہون نے پہلے مصحفی کے بقول وہ مضمون تخلص کرتے تھے۔ بنی نرائن کا بیان ہے کہ وہ مفتون تھے اور کمال ان کو مقتول کہتے ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد مشہد کے رہنے والے تھے لیکن مرہون کی پیدائش دہلی میں ہوئی تھی اور وہیں ہوش سنبھالا ہے۔ انھوں نے ابتدا ہی سے اچھے اشعار کہنے شروع کر دیے تھے۔ اس کے بعد وہ

حیدرآباد چلے گئے، جہاں مشیر الملک نواب نظام علی خان بہادر کے دربار سے منسلک ہوگئے تھے اور دو سو روپیہ ماہانہ وظیفہ پاتے تھے۔ سرور کے مطابق وہ ممنون کے شاگرد تھے۔ انھوں نے مرہون کے متعدد اشعار کو اپنے تذکرہ میں نقل کیا ہے۔ سرور کا بیان ہے کہ مرہون نے کچھ عرصہ تک اپنے والد قمر الدین منت سے بھی اپنے اشعار پر اصلاح لی تھی۔ مصحفی اور بینی نرائن نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

مریخ۔ جانکی پرشاد:

وہ فرخ آباد میں پیدا ہوئے تھے اور لکھنو میں رہتے تھے۔ ان کے والد جگل کشور تھے اور ان کے استاد نواب عاشور علی خان بہادر شاید ہی وہی شاعر راغب (جانکی پرشاد) ہیں، جن کے کچھ اشعار ۳ جنوری ۱۸۶۵ء کے اودھ اخبار میں شائع ہوئے تھے۔

مرید:

وہ میر حمزہ علی کے والد تھے اور محمد شاہ کے دور میں ایک بہت مشہور شاعر سمجھے جاتے تھے۔ وہ موسیقی میں بھی ماہر تھے۔

مرید حسین خان:

وہ انعام اللہ خان یقین کے بڑے بیٹے تھے۔ سرور اور قاسم انھیں ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے ہیں۔ جس وقت قاسم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو مرید کا انتقال ہو چکا تھا۔

مزمل۔ شاہ محمد:

وہ ایک ہندوستانی شاعر اور شاہ آبرو کے ہم عصر تھے۔ مزمل ایک ہندوستانی مصنف ہیں جو اپنے ہم وطنوں میں کافی شہرت رکھتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے آخری دور میں مجنوں ہوگئے تھے۔ بہر حال اس قدر صحیح ضرور ہے کہ وہ دہلی میں دنیا سے کنارہ کش ہوگئے تھے اور ان کی موت بھی اسی کنارہ کشی کی حالت میں ہوئی ہے۔ علی ابراہیم نے ان کا ایک شعر نقل کیا ہے۔

مسافر۔ عبداللہ خان:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں، جن کا ذکر مسرت افزا میں کیا گیا ہے۔

مسافر۔میر پائندہ:

وہ جھروپت کے رہنے والے تھے لیکن دہلی میں قیام کرتے تھے۔ دہلی کے ہنگاموں کے بعد وہ بریلی چلے گئے اور یہاں تنہائی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کا انتقال بریلی میں ہوا ہے۔قاسم اور سرور نے ان کو اردو شعرا میں شمار کیا ہے۔

مسافر۔میر خیر الدین۔لکھنوی:

وہ تذکرہ نگار شورش کے شاگرد ہیں۔شورش نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کا خیال ہے کہ وہ ایک دوسرے شاعر سے، جو مسافر تخلص کیا کرتے تھے، مختلف شاعر ہیں۔ بہرحال انھوں نے اس دوسرے شاعر کے متعلق کوئی تفصیلی بات نہیں کی ہے اور نہ ان کا کوئی لقب بتایا ہے۔

مست:

وہ ایک فقیر تھے۔علی ابراہیم نے ان کے اشعار ڈیڑھ صفحہ پر نقل کیے ہیں۔اور بینی نرائن نے ان کی ایک بہت عمدہ صوفیانہ غزل درج کی ہے۔

مستان:

وہ دکن کے ایک ہندوستانی شاعر ہیں، جن کی ایک غزل ''گلدستہ سخن'' میں نقل کی گئی ہے۔

مست۔مست علی خان:

وہ اصالت خان ثابت کے بھتیجے اور عشقی کے شاگرد تھے۔ جن دنوں عشقی اپنے تذکرہ لکھ رہے تھے۔ مست پٹنہ میں رہتے تھے۔

مست۔منشی اشرف علی:

وہ حافظ اکرام احمد ضیغم کے شاگرد اور نساخ کے گہرے دوست تھے۔نساخ نے اپنے دیوان میں مست کی ایک تاریخ نقل کی ہے۔

مست۔میاں علی رضا۔دہلوی:

وہ ایک اور ہندوستانی شاعر ہیں، جن کا شورش نے ذکر کیا ہے۔

مست۔میر فضل علی:

وہ شاعر میر امانی کے شاگرد تھے۔ وہ اپنے استاد کے ساتھ دہلی میں مصحفی کے مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے۔سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

مست۔لالہ رتن لال۔حیدرآبادی:

یہ شاعر فیض کے شاگرد تھے۔ باطن نے ان کا ذکر کیا ہے۔ممکن ہے کہ یہ وہی بابو رتن یا رتن لال ہوں جن کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے۔

مستان۔شاہ:

وہ مدراس کے رہنے والے تھے۔انھوں نے ''مثنوی شریف'' کے نام سے جلال الدین رومی کی مشہور مثنوی کا ریختہ میں ایک مختصر منظوم ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ کلکتہ سے ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۸ء میں چھوٹی تقطیع پر ۲۷۳صفحات میں شائع ہوا ہے۔ ان دنوں مستان بقید حیات تھے۔اس ترجمے کا پہلا اڈیشن دستیاب نہیں ہوتا تھا،اس لیے قاضی ابراہیم اور نورالدین نے اس کا دوسرا اڈیشن بمبئی سے ۱۲۷۷ھ/۱-۱۸۶۰ء میں شائع کیا ہے۔ اس کے کتاب میں ۱۸۰صفحات ہیں اور ہر صفحے میں ۲۱ سطریں ہیں۔اس کتاب کے حاشیے میں بھی اشعار درج کیے گئے ہیں۔اس کا ایک نسخہ کریم الدین نے مجھے دیا ہے، میرے پاس موجود ہے۔کلکتہ کے اڈیشن پر محمد اسمٰعیل کلوارہ اور حافظ کمال نے اصلاح دی ہے اور انھوں نے اس کتاب سے ان ہندوستانی الفاظ کو، جو روزمرہ کی زبان میں شامل نہیں تھے، نکال کر مروجہ ہندوستانی الفاظ شامل کر دیے ہیں۔اس کتاب کے دوسرے اڈیشن پر مولوی نورالہدیٰ اور طالب علی نے نظر ثانی کی ہے اور اس کو عبدالقادر پسر شیخ محی الدین نے نقل کیا ہے۔

مستعد۔یار علی خان۔دہلوی:

وہ اردو کے ایک اچھے شاعر ہیں۔عشق ان کو یار علی بیگ کہتے ہیں اور ان کے بقول وہ پٹنہ کے رہنے والے تھے۔ ابوالحسن اور سرور کا بیان ہے کہ وہ درد، مرزا پھجو فدوی بیگ اور درمان کے شاگرد تھے،جن دنوں ابراہیم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو وہ عظیم آباد اور اس کے بعد مرشدآباد میں رہتے تھے۔

مسرت۔حکیم حاجی میر احمد حسین:

وہ بمبئی کے ایک مسلمان ہیں جن کی چھ تاریخیں سید حسین کی *Hindustani Selection* کے

آخیر میں شامل ہیں۔

مسرت۔ شنکر:

وہ کایستھ ذات کے تھے اور محمد نصیرالدین نصیر کے شاگرد۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں، جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔

مسرت۔ شیخ وزیر:

وہ قاسم کے بیٹے اور حکیم عزت اللہ خان کے شاگرد تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا آبائی وطن دہلی تھا لیکن وہ حیدرآباد چلے گئے تھے اور وہاں کی مجالس کے ایک جزو بن گئے تھے۔ چندو لال ان کی صحبت کو بہت پسند کرتے تھے۔ شیفتہ نے ان کے اشعار کا نمونہ پیش کیا ہے اور قاسم نے ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔

مسرور۔ سید محمد علی:

وہ کلکتہ کے رہنے والے تھے اور افسوس کے نواسے ہیں۔ ان کے استاد ناسخ نے اپنے دیوان کے آخری حصہ میں ان کی دو تاریخیں درج کی ہیں۔

مسرور۔ مرزا اصغر علی بیگ اصغر۔ دہلوی:

وہ ایک دوسرے ہندوستانی شاعر ہیں جو مرزا اسکی بیگ بھی کہلاتے ہیں۔ وہ میر عزت اللہ عشق کے شاگرد ہیں۔

مسرور۔ نواب غلام حسین خان:

وہ نواب زین العابدین خان غالب کے والد ہیں اور ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء میں ان کی عمر قریباً ۶۰ سال کی تھی۔ کریم کا بیان ہے کہ وہ اردو میں شاعری کرتے تھے اور انھوں نے اپنے ''طبقات'' میں ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔

مسرور۔ لالہ گردھاری لال:

فیض کے شاگرد تھے۔ باطن ہندوستانی شعرا میں ان کا ذکر کرتے ہیں۔

مسرور۔ابوالفخر:

وہ سعد کے بیٹے اور سلمان کے پوتے تھے۔وہ ایک فارسی کے مشہور شاعر ہیں،جن کو سعد الدولہ امیدا جل بھی کہتے ہیں۔ وہ گیارہویں صدی کے وسط اور بارہویں صدی کے ابتدائی دور میں گزرے ہیں۔ ''کلیات امیر خسروؔ'' کے دیباچہ اور دوسرے فارسی تذکروں سے پتا چلتا ہے کہ دوسری چیزوں کے علاوہ عربی، فارسی اور ہندی کے تین دیوان چھوڑے ہیں۔ان جدید معلومات کے بعد سعدی کو صرف دکنی زبان کا پہلا شاعر کہا جا سکتا۔ کیونکہ ان سے پوری ایک صدی پہلے مسعود سلمان اپنا ہندی دیوان مرتب کر چکے تھے۔چونکہ مسعود کے مجموعہ کلام کا نام ''دیوان'' ہے اس لیے ظاہر ہے کہ اس میں فارسی رسم الخط میں غزلیں اور ریختہ اشعار شامل ہوں گے اور اس کا ہندی شاعری یا دیوناگری رسم الخط سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔

مستند تذکرہ نگاروں نے ان کی پیدائش گاہ لاہور بتائی ہے لیکن عوفی نے ہمدان اور ذکی کاشی نے غزنہ بتایا ہے۔ پیدائش کے سال کا ذکر کسی نے نہیں کیا۔وہ سیستان اور زبلستان کے جج تھے جو بعد میں سلطان ابراہیم کے بیٹے سیف الدولہ محمود کی بغاوت میں ماخوذ ہوگئے۔اور ۴۷۲ھ/۸۰-۱۰۷۹ء میں انھیں قید کرلیا گیا۔ابراہیم کی بعد وہ رہا کردیے گئے اور تھوڑے دن بعد پھر قید کرلیے گئے۔ انھوں نے ۲۰،۲۲ سال جیل میں گزارے اور وہیں انھوں نے اپنے اچھے اشعار کہے ہیں۔ جب وہ قید سے دوبارہ چھوٹے تو گمنامی کی زندگی گزارنے لگے اور تقریباً ۵۲۵ھ/۱۱۳۰-۱ء میں انتقال کرگئے۔

مسرور۔شرف الدین احمد:

وہ میرٹھ کے رہنے والے اور غلام محی الدین عشقی کے شاگرد تھے۔شیفتہ کے تذکرہ میں ان کی پیدائش کی تاریخ ۱۲۰۹ھ/۵-۹۴ ۱۷ء دی گئی ہے۔ان کا دوسرا تخلص مبتلا تھا۔

مسرور۔شیخ پیر بخش:

وہ اگروری میں پیدا ہوئے جو لکھنو سے تقریباً پانچ میل دور ہے۔ان کے والد حکیم حیات اللہ تلاش تھے اور ان کے استاد مصحفی تھے۔ اکبر ثانی کے ۲۳ویں سال کے دور میں وہ شہزادہ سلیمان شکوہ کے ساتھ دہلی تشریف لائے اور بعد میں لکھنو چلے گئے، جہاں ان کا انتقال ہوا۔انھوں نے دو دیوان لکھے ہیں۔

مسرور۔شیخ محمد بخش اللہ:

وہ شیخ فیض اللہ کے بیٹے تھے اور ۱۸۲۰ء میں علی گڑھ کے علاقے میں مارہرہ کے مقام پر پیدا ہوئے تھے۔انھوں نے مولوی محمد حسین مارہروی سے فارسی کی کتابیں پڑھی تھیں اور عربی کی تعلیم مولوی وجیہ الدین

سہارنپوری کے علاوہ موجودہ دور کے ہندوستان کے مشہور ومعروف صاحب علم وفضل مولوی فضل حق سے حاصل کی تھی۔۱۸۴۳ء میں وہ ایسٹ انڈیا کمپنی میں کوٹلہ دور کے مقام پر ملازم ہوگئے تھے۔اس سے قبل اسی منصب پران کے والد فائز تھے۔ کریم کے مطابق انھوں نے بہت پایہ اشعار کہے ہیں،جن کو وہ دیوان کی صورت میں مرتب کررہے تھے،میرے پاس موجود ہے۔

مسکین۔میر عبداللہ:

وہ ایک ممتاز ہندوستانی شاعر ہیں جن کے اشعار ڈاکٹر گلگرسٹ نے اپنے ہندوستانی قواعد میں نقل کیے ہیں۔اس کے علاوہ ڈاکٹر موصوف نے ان کا ایک مکمل مرثیہ بھی نقل کیا ہے جو عوام میں بہت مقبول ہے۔ یہ ''مرثیہ مسکین'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مرثیہ مسلم اوران کے دو بچوں کے انتقال پر لکھا گیا ہے۔اس کو *Hinduee Manual on Casket of India* میں ڈاکٹر گلگرسٹ نے ۱۸۰۲ء میں ناگری رسم الخط میں شائع کیا۔ ''سحرالبیان'' کی طرح اس مرثیہ کو نثر میں بھی منتقل کیا گیا ہے۔اور یہ مشہور مرثیہ ۱۸۰۳ء میں شائع ہوا۔

توپ خانہ لکھنو کے کتب خانہ میں مسکین کے مرثیوں کا ایک مجموعہ موجود ہے۔ جس کا نام'' مرثیہ ہائے مسکین'' ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ ایک میں ۱۰۰ر صفحات ہیں اور ہر صفحے پر ۱۶ر اشعار ہیں۔ دوسری جلد میں ۵۰۰ صفحات ہیں۔ ہندوستان میں مسکین کے مرثیے علیحدہ علیحدہ بھی آسانی سے مل جاتے ہیں۔

مسکین۔سید محمد عبدالوحید خان:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو آگرہ اور اندور تشریف لے گئے۔آپ کو شیفتہ اور مومن سے شرف تلمذ حاصل ہے۔غالباً یہ وہی شاعر ہیں جو خیرآباد میں پیدا ہوئے تھے اور جنھوں نے ''آرامِ باغ'' اور ''چشمۂ شیریں'' کو منظوم کیا ہے۔ یہ کتاب شیریں وخسرو اور فرہاد کی محبت کی داستاں ہے۔اس کتاب کو ۱۲۴۵ھ/۳۰-۱۸۲۹ء میں تصنیف کیا گیا ہے اور لکھنو میں مصطفائی پریس سے ۱۲۶۳ء/۶-۱۸۴۷ء میں شائع ہوئی ہے۔اس میں کوئی حاشیہ نہیں ہے اور اس کی ضخامت صرف ۵۴ صفحات ہے۔ایسٹ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں ایک نسخہ موجود ہے۔

مسکین ۔ لالہ تخت مل ۔ عظیم آبادی:

انھوں نے متعدد اشعار کہے ہیں ۔ علی ابراہیم کا بیان ہے کہ وہ اشعار بہت مقبول نہیں ہے۔

مسکین ۔ مرزا کلو یا کلو بیگ:

وہ مغلیہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور دلی میں رہتے تھے۔ ابتدا میں وہ ایک سپاہی تھے لیکن بعد میں وہ اس دنیا کو ترک کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ وہ اردو کے ایک اچھے شاعر ہیں ۔ یہ تمام باتیں سرور کے ذریعے معلوم ہوئی ہیں۔

مسلم ۔ میر فرزند علی:

پٹنہ میں پیدا ہوئے اور کلکتہ عدالت کے سررشتہ دار میر حسن علی کے بیٹے تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کے اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔

ممکن ہے کہ وہی مسلم ہوں جو ''گلزار آدم'' کے مصنف ہیں۔ یہ کتاب لدھیانہ سے ۴۳۳ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

مسلمان ۔ لالہ بختاور سنگھ:

وہ پٹنہ کے محلہ مغل پورہ کے رہنے والے ہیں۔ وہ ایک ہندو تھے لیکن بعد میں مذہب اسلام قبول کر لیا تھا۔ جیسا کہ ان کے تخلص سے معلوم ہوتا ہے۔ انھوں نے اردو میں اشعار بھی کہے ہیں۔

مسمار ۔ سید کرم علی:

وہ صوبہ دہلی شاہدرہ کے رہنے والے تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو کہ کچھ عرصہ کے لیے پٹنہ میں رہتے تھے۔ ان کے والد قیس قادری تھے۔ شورش نے ان کا ذکر کیا ہے۔

مسیح ۔ حکیم محمد علی ۔ لکھنوی:

وہ حکیم ولی اللہ خان کے بیٹے تھے۔ محسن نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔

مسیح ۔ مرزا مسیح اللہ بیگ ۔ دہلوی:

یہ ایک ممتاز ہندوستانی شاعر ہیں ۔ جو مرزا حاجی کے نام سے بھی مشہور ہیں، ان کا انتقال قاسم کے تذکرہ لکھنے سے پہلے ہو گیا تھا۔

مسیح۔ میاں اور مرزا براتی:

ان کا آبائی وطن کشمیر تھا لیکن وہ دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔ سرور کا بیان ہے کہ آپ ایک تعلیم یافتہ نوجوان تھے اور تجارت پیشہ تھے لیکن اس کے باوجود شعروشاعری کا عمدہ مذاق پایا تھا۔ قاسم کے مطابق وہ نواب وجیہ الدین خان وجیہ کے بھانجے تھے۔

مسیح۔ میر ہاشم علی:

وہ لکھنو میں ضلع جائس کے قاضی کے بیٹے تھے اور نواب عاشور علی خان بہادر کے شاگرد۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کے کچھ اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

مسیح۔ نواب محمد مسیح خان۔ لکھنوی:

باطن نے اپنے تذکرے میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

مسیح الدین خان بہادر۔ مولوی:

وہ شاہ اودھ واجد علی کے کارپرداز تھے۔ وہ واجد علی شاہ کی والدہ کے ساتھ لندن اور پیرس تشریف لے گئے، جہاں ۲۴ جنوری ۱۸۵۸ء میں بادشاہ بیگم کا انتقال ہوگیا۔ جن دنوں وہ سفر پر تھے تو انھیں وزیر مختار کا عہدہ ملا ہوا تھا۔

انھوں نے فلسفہ، جغرافیہ اور علم نجوم پر متعدد کتابیں فارسی زبان میں لکھی ہیں۔ ان کے علاوہ انھوں نے انگریزی زبان میں اودھ کے متعلق ایک کتاب: *Oudh, Its Princes and its Government Vindicated* (London, 1857) لکھی ہے۔ ان کے ہم وطن انھیں بہت ہی عزت وقدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کو بہت ہی بلند پایہ عالم سمجھتے ہیں۔

مسیح اللہ خان:

یہ ہندوستانی شاعر ہیں۔ جس وقت قاسم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو وہ کافی معمر تھے۔ قاسم نے ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔

مسیحا۔ حکیم محمد علی خان:

وہ مصطفیٰ خان لکھنوی کے بیٹے اور امام بخش ناسخ کے شاگرد تھے۔ وہ شاہی واقعات نگار تھے۔ لیکن اس

کے علاوہ ایک شاعر بھی تھے۔انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جس کی چند غزلیں محسن نے نقل کی ہیں۔محسن بعض اوقات انھیں مسیحا کہتے ہیں۔اور دیگر موقعوں پر صرف مسیح بھی لکھتے ہیں۔وہ پیشہ کے لحاظ سے حکیم واقع ہوئے تھے اور محسن کے خیال کے مطابق اس فن میں ان کا کوئی دوسرا ثانی نہ تھا۔

مسیر۔شاہ زادہ گردوں وقار مرزا محمد ہمایوں قدر بہادر۔لکھنوی:

وہ مرزا محمد خورشید قدر قیصر کے بیٹے اور مرزا محمد ارمان قدر بہادر کے پوتے تھے۔وہ ہندوستانی میں شاعری کرتے تھے جس کا ایک نمونہ محسن نے اپنے تذکرے میں دیا ہے۔

مشتاق۔مولوی محمد عبدالرحمٰن:

وہ عبداللہ کے نام سے زیادہ مشہور ہیں اور ان کا ذکر ''مسرت افزا'' میں کیا گیا ہے۔انھوں نے سعدی کی ''بوستان'' کا ترجمہ ہندوستانی میں کیا ہے جس کا نام ''بوستان ہند'' ہے۔اس کتاب کا دوسرا نام ''بہارستان'' ہے۔یہ ترجمہ بنگلور سے ۱۲۸۲ھ /۱۸۶۵ء میں محمد قاسم اور محمد سعادت اللہ کے اخراجات پر شائع ہوا ہے۔یہ کتاب چھوٹی تقطیع پر ۲۲۸ صفحات میں ہے اور ہر صفحے میں ۱۹ سطریں ہیں۔اس کتاب کے آخر میں ۴ تاریخیں درج ہیں۔ایک خود مصنف نے لکھی ہے،دوسری مثنوی میں عبدالحفیظ آرام نے،تیسری احمد شطاری شاہ اور چوتھی تاریخ شاہ عبدالرزاق قادری نے لکھی ہے۔یہ ترجمہ مثنوی کے طرز پر لکھا گیا ہے اور ''بوستان'' کی بحر کے مطابق ہے۔اس کو متقارب کہتے ہیں اور اس کے ہر مصرع میں تین فعلون اور ایک فعلن ہے۔

مشتاق۔بل رام دہلوی:

ان کا شمار ہندوستانی شعرا میں بھی کیا گیا ہے۔

مشتاق۔حافظ تاج الدین:

وہ میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ان کے آبا ؤ اجداد کسی زمانے میں یہودی مذہب سے تعلق رکھتے تھے لیکن بعد میں ان کے خاندان نے اسلام قبول کرلیا تھا۔وہ مولوی غلام احمد کے بھتیجے تھے۔سرور کے بقول وہ بچپن ہی میں آنکھوں کی بیماری سے نابینا ہوگئے تھے۔شیفتہ اور کریم کہتے ہیں کہ وہ صرف بھینگے تھے۔وہ اردو شاعری میں بہت ممتاز حیثیت رکھتے ہیں اور عشقی کے شاگرد تھے۔عشقی کا بیان ہے کہ جن دنوں وہ اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو مشتاق حیدرآباد کے درباری شاعر تھے اور ان کو ان دنوں ۱۵۰ روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی

تھی۔

مشتاق۔حسین مشتاق:

وہ آگرہ کے رہنے والے تھے۔ان کے والد قصرالدین حسین تھے اوران کے استاد سلطان دہلی تھے۔ انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جس کی ہرغزل کے مقطع میں ان کے اوران کے استادظفر کے تخلص دونوں شامل ہیں۔محسن نے ان کی چندغزلوں کو اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے۔

مشتاق۔شیخ ثنااللہ:

وہ سرہند کے رہنے والے تھے۔[جوآگرہ کے صوبہ میں واقع ہے]۔ایک شاعر ہیں جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔

مشتاق۔عبداللہ خان:

مصحفی کے تذکرے کا جوقلمی نسخہ میرے پاس ہے،اس میں نقل نویس نے غلطی سے ان کومشتاق لکھاہے۔لیکن ان کے اشعار سے یہ صاف ظاہر ہے کہ وہ مشتاق تخلص کرتے تھے۔ان کومشتاق علی خان بھی کہتے ہیں۔ مصحفی کے تذکرے کا جوقلمی نسخہ میرے پاس ہے،اس میں نقل نویس نے غلطی سے ان کومشتاق لکھاہے۔لیکن ان کے اشعار سے یہ صاف ظاہر ہے کہ وہ مشتاق تخلص کرتے تھے۔وہ ابوالحسن خان کے بیٹے اورسیف اللہ خان کے پوتے تھے۔محسن کے مطابق وہ نواب سیف الدولہ کے بیٹے تھے۔ان کا تعلق افغان قوم کے قبیلہ یوسف زئی سے تھا۔یہ ایک افغان قبیلہ ہے،جس کا دعویٰ ہے کہ وہ یوسف کی اولاد سے ہے،جس طرح لوط حضرات کا خیال ہے کہ وہ لوط کی اولاد سے ہیں۔یہ قبیلہ پشاور کے قریب پہاڑوں میں آباد ہے اور سیداحمد کے حامیوں میں ہے،اس نے ان کی سرکردگی میں سکھوں کے خلاف جنگ بھی کی ہے۔اپریل ۱۸۳۸ء کے Journal Asiatique میں میرا مضمون دیکھیے۔ ان کے والد اوردادا دونوں شاعر تھے۔اور علی الترتیب حاس اورصباقی تخلص کرتے تھے۔ یہ دونوں حضرات اپنے دور کے ممتاز شعرامیں شمار کیے جاتے ہیں۔ان کے دادابہادرشاہ،شاہ عالم اول کے استاد تھے لیکن ان کے والد نے گوشہ نشینی اختیارکرلی تھی اوروہ محض اپنی جائیداد پرگزارہ کرتے تھے جو ان کی کفالت کے لیے کافی تھی۔مشتاق ایک درباری شاعر تھے اور انھوں نے سلطان سے ''مشتاق علی خان'' کا لقب اوراس کے ساتھ ایک بڑی جاگیر حاصل کی تھی۔وہ شہزادے کے معلم بھی تھے۔

محسن کے بقول انھیں علم الکیمیا سے بے حد دلچسپی تھی۔اس کے علاوہ وہ تعویذ، گنڈے اور رمل سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ وہ علم اقلیدس کے ماہر ہونے کے علاوہ اپنے دور کے بہترین خوش نویسوں میں شمار کیے جاتے ہیں اور خاص طور پر نستعلیق، ثلث اور شفیعا میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔عربی رسم الخط مین مذکورہ بالاطرز تحریر کے علاوہ، دوسرے خطوط کے نام نسخ، شکستہ، تعلیق، ریحانہ، یاقوتی، دیوانی اور کرما ہیں۔ان تمام اصناف خوش نویسی کے نمونے Soldermann کے ترکی قواعد میں پائے جاتے ہیں۔ یہ کتاب قسطنطنیہ سے ۱۷۳۰ء میں شائع ہوئی ہے۔محسن کے بقول وہ ایک خوش مذاق زندہ دل اور ملنسار نوجوان تھے۔انھوں نے الہ آباد میں شاعری کرنا شروع کی اور شاہ محمد علیم حیرت کو اپنا کلام دکھایا کرتے تھے۔اس کے بعد وہ دہلی چلے گئے اور وہاں میر تقی میر سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ مصحفی نے ان کے دیوان سے اپنے تذکرے کے ڈیڑھ صفحوں پر ان کے اشعار کو نقل کیا ہے۔محسن نے بھی ان کی چند غزلیں نقل کی ہیں۔

ان کی ریختہ شاعری کی صلاحیتوں کے علاوہ وہ مختلف سائنس مثلاً جبر المقابلہ اور قواعد سے بھی دلچسپی رکھتے تھے جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے۔کمال نے اپنے تذکرے میں ان کے متعلق ایک مضمون درج کیا ہے لیکن وہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے تمام تفصیلات کو مصحفی کے تذکرے سے حاصل کیا ہے۔سرور کے تذکرہ کی تصنیف سے تقریباً سات سال پہلے مشتاق کا انتقال ہو چکا تھا۔وہ شاہ محمد علیم حیرت، میر اور سوز کے شاگرد تھے اور الہ آباد اور دہلی میں رہتے تھے۔دہلی میں ان کو بے حد مقبولیت حاصل تھی چنانچہ اسی بنا پر محسن ان کو شاہی دربار کا ''بے نظیر'' کہتے ہیں۔

مشتاق۔غلام علی۔دہلوی:

وہ شاہ نصیر کے شاگرد تھے اور ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر ۳۰ سال کی تھی۔انھیں ایک ہم عصر شاعر تصور کیا جاتا ہے۔کریم ان سے واقف تھے اور ان کا خیال ہے کہ متعدد دوسرے شعرا کی طرح وہ بھی کافی فضول خرچ واقع ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ بڑی عسرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔باطن نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔

مشتاق۔قربان علی بیگ۔دہلوی:

وہ مرزا رستم بیگ شاکر کے شاگرد تھے اور دوسرے مشتاق سے مختلف ہیں۔سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

مشتاق۔ محمد قلی خان:

وہ پٹنہ کے رہنے والے تھے۔ ابوالحسن اور منولال ان کو علی لکھتے ہیں۔ شورش کا بیان ہے کہ وہ صوبیدار عظیم آباد، نواب زین الدین احمد خان ہیبت جنگ کے ایک ممتاز عہدہ دار ہاشم قلی خان کے بیٹے تھے۔ دوسرے تذکرہ نویسوں کے مطابق ان کا نام حاتم ہے۔ جن دنوں علی ابراہیم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے، مشتاق کو اپنی ذہنی اور اخلاقی خوبیوں کی وجہ سے ایک ممتاز حیثیت حاصل تھی۔ وہ فن موسیقی کے بھی ماہر تھے اور انھوں نے متعدد اشعار بھی کہے ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد ترخان تھے جو ہمدان سے ہندوستان آئے تھے، وہ میاں محمد روشن جوشش کے شاگرد تھے۔ جن دنوں شورش اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے۔ مشتاق، ہندوستان اور بنگال کے شعرا کے ریختہ دیوان جمع کرنے میں مشغول تھے کیونکہ ان کا ارادہ تھا کہ انھیں ایک گلدستہ کی صورت میں مرتب کریں۔ ان کا انتقال ۱۲۱۶ھ/۲-۱۸۰۱ء یا ۱۲۰۶ھ/۲-۱۷۹۱ء میں ہوا ہے لیکن صحیح طور پر کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ تاریخ وفات سے یہ دونوں تاریخیں نکلتی ہیں۔

مشتاق۔ محمد واصل بدایونی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر شیفتہ اور سرور نے کیا ہے۔ سرور کے بقول وہ مشتاق محمد تخلص کرتے تھے۔

مشتاق۔ مرزا ابراہیم:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر کمال نے کیا ہے۔

مشتاق۔ میر حسن۔ دہلوی:

وہ ایک شاعر ہیں جن میں شاعرانہ صلاحیتوں کی کمی نہیں لیکن وہ بہت زیادہ تساہل پسند واقع ہوئے تھے۔ جن دنوں علی ابراہیم اپنا تذکرہ لکھے رہے تھے تو وہ فیض آباد میں بڑی عسرت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

مشتاق۔ میر سالار بخش:

میر مبارک علی کے بیٹے تھے اور لکھنو کے قریب سالار کے رہنے والے تھے۔ وہ ایک دوسرے ہندوستانی شاعر ہیں جن کے اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔

مشتاق۔ میر عنایت اللہ:

وہ سرحد کے پیرزادہ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور ان کا شجرہ نسب سید صلاح الدین بخاری سے ملتا ہے۔ ان کی پیدائش دہلی میں ہوئی تھی اور وہ وہیں رہتے تھے لیکن انھوں نے کچھ عرصہ تک فیض آباد اور

رام پور میں بھی قیام کیا ہے اور قاسم کے مطابق ان کا انتقال بھی رام پور میں ہوا۔ مصحفی کا خیال ہے کہ وہ کوئی زیادہ تعلیم یافتہ شخص نہیں تھے لیکن وہ دہلی میں مصحفی کی ادبی مجلسوں میں اکثر شریک ہوتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاعری بھی کرتے تھے کیونکہ مصحفی نے ان کو ہندوستانی شعرا میں شمار کرنے کے علاوہ ان کے چھے اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

مشتری۔ کلمر ان جان:

عام طور پر اس خاتون شاعر کو "منجھو" بھی کہتے ہیں۔ وہ لکھنو کی رہنے والی تھیں۔ رنج نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ وہ غیر معمولی شاعرانہ صلاحیتوں کی مالک تھیں اور بہت ذکی الفہم ہونے کے علاوہ کافی ذہن رسا پایا تھا۔ وہ اپنی حریف زہرہ کی طرح میاں شمس سے مشورہ سخن کرتی تھیں۔ میاں شمس اپنے دل ودماغ کی اعلیٰ خوبیوں کی وجہ سے بڑی شہرت کے مالک تھے اور ان کی طرح ان کی شاگرد زہرہ اور مشتری بھی فن شاعری میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی تھیں۔ رنج کا خیال ہے کہ اگر دوسری خواتین بھی شمس سے رہنمائی حاصل کر سکیں تو وہ بھی آسمانِ شاعری پر چمک سکتی ہیں۔ رنج نے اپنے تذکرے میں مشتری کے اشعار چند صفحوں پر نقل کیے ہیں۔ اور ۶ جولائی ۱۸۶۹ء کے "اودھ اخبار" میں ان کی ایک اردو غزل بھی شائع ہوئی ہے۔

مشرقی، لالہ سیل یا سیلا چند:

وہ دہلی کے کایستھ تھے لیکن داسہ میں رہتے تھے۔ فارسی اور ہندوستانی میں اشعار کہے ہیں۔

مشق۔ شیخ محمد جان عرف جمن۔ لکھنوی:

محمد پناہ کے بیٹے تھے جو آتش باز تھے۔ وہ اشرف خان کے شاگرد تھے۔ محسن نے ان کو ہندوستانی شعرا میں شمار کیا ہے اور ان کے چند اشعار کو نقل کیا ہے۔

مشق۔ مرزا احمد بیگ:

بدھو بیگ کی بیٹے اور مرزا اعظم علی بیگ اعظم کے شاگرد تھے۔ وہ دہلی میں پیدا ہوئے اور آگرہ میں رہتے تھے۔ وہ ایک اردو شاعر ہیں، جن کے اشعار باطن اور محسن نے نقل کیے ہیں۔

مشک۔ نواب محمد حسن خان۔ لکھنوی:

وہ نواب شجاع الدولہ بہادر کے پوتے اور نواب محمد مرزا کے بیٹے تھے۔ ان کے استاد مرثیہ گو مرزا بہادر اوراک اور خواجہ وزیر تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں درج کی ہیں۔

مشکل۔شیخ امین الدین:

وہ آگرہ کے رہنے والے اور غافل کے شاگرد تھے۔ باطن نے ان کا ذکر کیا ہے اور محسن نے اپنے ''سراپا سخن'' میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

مشہور۔بریلوی:

وہ ایک ہندو شاعر ہیں جو کایستھ ذات سے تعلق رکھتے تھے۔لیکن اردو میں شعر کہتے تھے۔شیفتہ کہتے ہیں کہ وہ مشہور تخلص کرنے کے باوجود زیادہ مشہور نہیں تھے چنانچہ انھوں نے مشہور کا صرف ایک معمولی شعر نقل کیا ہے۔

مشہور۔میاں محمد حسن:

وہ کلکتہ کے رہنے والے اور نساخ کے شاگرد ہیں۔ان کے استاد نے اپنے ''دفتر بے مثال'' میں ان کی ایک ہندوستانی تاریخ نقل کی ہے۔

مشیر۔حافظ قطب الدین۔دہلوی:

وہ اردو کے ایک شاعر ہیں اور شاہ نصیر کے شاگرد۔سرور اور شیفتہ نے ،جوان سے واقف تھے،ان کا ذکر کیا ہے۔

مشیر۔عنایت حسین خان:

وہ اردو کے ایک شاعر ہیں جو امیر کے شاگرد تھے۔ باطن نے اپنے ''گلشن بے خزاں'' میں ان کا ذکر کیا ہے۔

مشیر۔گوہر علی:

وہ ایک مشہور مرثیہ گو ہیں۔ان کے شاگرد شاہ زادہ قیصر تھے جو خود اچھے اشعار کہتے تھے۔

مصحفی۔غلام ہمدانی:

انھیں مصحفی صاحب بھی کہتے تھے۔وہ ولی محمد کے بیٹے اور درویش محمد کے پوتے تھے۔امروہہ کے ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ان کے آبا و اجداد مغلیہ دربار میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے لیکن تیموریہ خاندان کی سلطنت کے زوال کے بعد ان کا خاندان برباد ہو گیا۔

بچپن ہی سے ان میں شاعرانہ جذبہ موجود تھا اور بہت کم عمری میں ہی وہ صحیح اور اچھے شعر کہہ لیتے تھے۔ان کی اردو شاعری کی خصوصیت، سادگی، پاکیزگی اور اسلوب کی جدت ہے۔ مصحفی نے قدیم زبان یعنی

فارسی میں شعر کہنے کی معذرت چاہی ہے کیونکہ ان کے خیال میں اردو زبان ہندوستان میں فارسی کی طرح مقبول عام اور ہمہ گیر بن گئی ہے۔

مصحفی پہلے لکھنو میں رہتے تھے، اس کے بعد ۱۱۹۰ھ/۷۷-۱۷۷۶ء کے قریب دہلی آئے، جہاں وہ ۱۳ برس رہے۔ وہ نواب نجف خان کے ملازم تھے اور بغیر کسی کے امداد کے انھوں نے اس بامحاورہ اردو پر عبور حاصل کیا جو دہلی میں بولی جاتی ہے۔ وہ اپنے ہاں اکثر ادبی مجلسیں منعقد کیا کرتے تھے جو تعلیمی اور اخلاقی انداز کی ہوتی تھیں۔ ان میں دہلی کے تمام معروف اہل علم و سخن شریک ہوتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ لکھنو واپس گئے اور سلیمان شکوہ کے دربار سے وابستہ ہوگئے۔ سلیمان شکوہ ان پر بڑے مہربان تھے۔ انھوں نے اس تذکرے کی تکمیل کی، جس کا آغاز وہ کئی سال پہلے کر چکے تھے اور جس کا کچھ حصہ باقی تھا۔

انھوں نے حسب ذیل کتابیں تصنیف کی ہیں:

۱۔ تین ہندوستانی دیوان۔ ان کے دواوین (یا ان کے دیوان) کا ایک نسخہ حیدرآباد کے چندولال کے خوب صورت کتب خانہ میں موجود ہے۔

۲۔ ایک ہندوستانی دیوان۔ یہ دیوان دہلی میں مرتب کیا گیا ہے۔ اور اس میں قصیدہ، غزل اور مثنوی وغیرہ شامل ہیں۔

۳۔ ''تذکرہ شعرا ہندی''۔ اس کا نام ''تذکرہ ہندی گویاں'' بھی ہے۔ یہ فارسی میں ہے۔ اس میں ایک دیباچہ کے علاوہ آخر میں بطور ضمیمہ اردو شاعرات کا ذکر کیا گیا ہے اور تاریخ تصنیف کے سلسلے میں دو قطعے بھی دیے گئے ہیں۔

۴۔ ''شاہ نامہ''۔ یہ شاہ عالم کے دور تک ہے۔

کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج کے کتب خانے میں ''کلیات مصحفی'' کا ایک قلمی نسخہ ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ فارسی شعرا کا ایک تذکرہ دو مکمل اور ایک نامکمل دیوان ان سے یادگار ہیں۔

مذکورہ بالا حالات خود مصحفی کے تذکرے سے ماخوذ ہیں کیونکہ خود پر بھی اس میں ایک مضمون لکھا ہے اور تقریباً ۸ صفحوں میں اپنے اردو کلام کا انتخاب دیا ہے۔ دیباچے میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ اس تذکرے کو انھوں نے اردو کے مشہور شاعر میر حسن کے بیٹے میر مستحسن خلیق کی فرمائش پر لکھنا شروع کیا تھا کیونکہ وہ اردو شاعری کے بڑے دلدادہ تھے اور تذکرہ لکھنے میں ہر طرح حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ بدقسمتی سے انھوں نے صرف محمد شاہ بہ عہد ۱۷۱۰ء تا شاہ عالم بہ عہد ۱۲۰۹ھ/۹۵-۱۷۹۴ء کے درمیانی اردو شعرا کا ذکر کیا ہے جن کی

تقریباً تعداد ۵۰ ۳ ہے۔ لیکن ان کا اصل مقصد اپنے ان ہم عصر شعرا کا تعارف کرانا تھا جن کے حالات سے وہ یقینی طور پر واقف ہیں۔ لطف کا بیان ہے وہ ۱۲۱۵ھ /۱-۱۸۰۰ء میں ۱۴ سال سے لکھنو میں رہتے تھے اور ان کی معاشی حالت اچھی نہ تھی۔ بنی نرائن جنھوں نے اپنا تذکرہ ۱۸۱۴ء میں لکھا، یہ نہیں لکھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مصحفی اردو کے مشہور شاعر میر حسن سے پوری طرح واقف تھے کیونکہ میر حسن کی مثنوی ''سحر البیان'' کے آخر میں مصحفی کا ایک قطعہ تاریخ بھی شامل ہے جس سے سال ہجری ۱۱۹۹ اور سال عیسوی ۵-۱۷۸۴ نکلتا ہے۔ شیفتہ کا بیان ہے کہ وہ دہلی میں پیدا ہوئے اور اپنے دور میں اردو فارسی شاعری کے ممتاز و بہترین فن کار شمار کیے جاتے تھے۔ وہ ان سے لکھنو میں ملے تھے اور دوستانہ تعلقات ہو گئے تھے۔ کریم الدین شیفتہ کی تائید میں لکھتے ہیں کہ مصحفی کے ۶ ریختہ دیوان تھے لیکن محسن نے ۸ اردو اور ایک فارسی دیوان بتایا ہے۔ فرح بخش لکھنو کے کتب خانے میں دیوان ہائے مصحفی کے نام سے جو قلمی نسخہ ملتا ہے، اس میں چار جلدوں میں صرف ۴ اردو دیوان ہیں۔

پہلی جلد میں ۲۵۰ صفحات پر غزلیں ہیں اور ہر صفحے میں ۱۳ ابیت ہیں۔ اس کے علاوہ رباعیات اور ایک مثنوی بھی شامل ہے۔

دوسری جلد میں ۳۸۴ صفحات پر غزل ہیں اور ہر صفحہ میں ۱۴ اشعار ہیں۔ اس میں ۱۰ صفحوں میں رباعیاں بھی ہیں۔

تیسری جلد میں ۳۵۰ صفحات، غزل کے لیے اور ۲۴ صفحات مسدس و مثنویات کے لیے ہیں۔

چوتھی جلد کے لیے ۳۵۰ صفحات پر غزلیں اور ۸ صفحات پر رباعیاں ہیں۔

مصحفی نے طویل عمر پائی، کیونکہ ان کا انتقال ۱۸۲۲ء میں یعنی ''گلشن بے خار'' کی تصنیف سے ۱۰ سال قبل ہوا۔ کریم نے ان کی وفات کا سال ۱۸۱۴ء کے قریب بتایا۔ مصحفی کی شہرت کا آغاز اس وقت ہوا، جب سودا، جرأت، صورت اور انشا مشہور ہو چکے تھے۔ وہ حاتم کے ہم عصر تھے جیسا کہ حاتم کے دیوان '' دیوان زادہ'' سے پتا چلتا ہے کہ قائم نے ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں اور سرور نے ۴ ۷ صفحوں میں ان کے کلام کا انتخاب دیا ہے۔ بنی نرائن نے چند غزلیں بھی درج کی ہیں۔

مصدر۔ حکیم میر ماشاء اللہ۔ دہلوی:

وہ میران شاء اللہ خان کے والد تھے۔ مصحفی کا بیان ہے کہ وہ اس قدر فطری کمالات کے مالک تھے کہ محتاج بیان نہیں ہے۔ وہ ان لوگوں میں ہیں جنھوں نے اردو زبان کے سرمایہ میں گراں قدر اضافہ کیا ہے۔

کمال کو ان شاء اللہ خان کے یہاں لکھنو میں مصدر سے ملنے کا موقع ملا تھا۔ وہ ان کی استعداد اور شاعرانہ صلاحیتوں کی تعریف کرتے ہیں۔ سرو کا بیان ہے کہ ان کے تذکرے کی تصنیف سے کچھ عرصہ پہلے مصدر کا انتقال ہو چکا تھا۔ شورش کہتے ہیں کہ وہ پہلے نواب مہابت جنگ کے رسالہ دار تھے لیکن بعد میں وہ نواب وزیر فیض آباد کے ملازم ہو گئے تھے۔

معروف ۔ نواب خان بہادر خان ۔ دہلوی:

وہ نواب ذوالفقار خان کے بیٹے اور حافظ الملک رحمت خان صوبہ دار کے پوتے ہیں۔ وہ صاحب دیوان ہیں جن کے اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔

مصطفیٰ خان:

ابتدا میں وہ Sir Theophilus Metcalfe کے منشی تھے اور ''مطبع مصطفائی'' کے ناظم ہو گئے تھے۔ اس مطبع کو شروع میں ان کے دادا عبدالرحمٰن دیکھا کرتے تھے۔ یہ مطبع پہلے لکھنو میں، اس کے بعد کان پور اور پھر دہلی میں تھا۔ مصطفیٰ خان دہلی سے ایک اردو اخبار نکالا کرتے تھے۔ جس کا نام ''صادق الاخبار'' تھا۔ اس اخبار کو اس کے ہم نام اخبار سے، جو فارسی میں دہلی سے نور احمد کی نگرانی میں نکلتا ہے، خلط ملط کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ مصطفیٰ خان نے '' گلستان مسرت'' کے نام سے اشعار کا ایک انتخاب شائع کیا ہے۔ یہ کتاب لکھنو سے ۱۸۵۰ء میں چھوٹی تقطیع میں شائع ہوئی ہے۔

وہ مندرجہ ذیل کتابوں کے مرتب یا شائع کرنے والے تھے۔

۱۔ ''طغرہ''۔

۲۔ ''مصدر فیوض''۔ یہ اردو میں فارسی زبان کی ایک قواعد ہے، جس کے مصنف نذیرالدین ہیں۔ نذیرالدین کا ذکر ان کے تخلص شیخ کے تحت آئے گا۔ ان کی قواعد کے چند دوسرے اڈیشن بھی ہیں۔

۳۔ ''نہر الفصاحت''۔

۴۔ ''قصہ گرو و چیلا''۔ یہ قصہ کلیلہ و دمنہ کا ترجمہ ہے لیکن اس کے مترجم کے نام معلوم نہیں۔ اس کے چند دوسرے اڈیشن بھی ہیں اور ایک اڈیشن لکھنو سے ۲۴ صفحات پر چھوٹی تقطیع میں شائع ہوا ہے۔

۵۔ ''مجموعۂ مثنوی''۔ یہ اردو میں عشق و محبت کی منظوم داستانون کا مجموعہ ہے جن کو میر تقی اور صادق خان نے تصنیف کیا تھا۔

۶۔ ''نوائے بسمل''۔بریلی کے محمد یار خان بسمل وغیرہ کی تصنیف کردہ کتاب،جس میں اردو کے عشقیہ اشعار درج ہیں۔

۷۔ ''حکایت نصیحت آمیز''۔

۸۔ ''گلشن عشق''۔جس میں اردو کے عشقیہ اشعار ہیں۔

۹۔ ''قصۂ منصور''۔

مصیبت۔شاہ غلام قطب الدین۔الہٰ آبادی:

وہ شیخ محمد فارغ کے بیٹے اور شاہ خوب اللہ الہ آبادی کے پوتے تھے۔وہ اعلیٰ صفات کے مالک تھے اور خصوصاً مہمان نوازی کے لیے مشہور تھے۔انھوں نے ہندوستانی،عربی اور فارسی میں تصنیفات کی ہیں۔علی ابراہیم ان کو مصیب کہتے ہیں اور ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس شاعر کی دوستی کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔انھوں نے ایک ہندوستانی اور ایک فارسی دیوان چھوڑا ہے۔۱۱۸۶ھ/ ۳-۱۷۷۲ء میں وہ مکہ تشریف لے گئے اور وہیں ۱۱۸۷ھ/ ۳-۱۷۷۲ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔آپ مکہ میں مدفون ہیں۔

مضطر۔ذوالفقار علی بیگ:

وہ حیدرآباد میں پیدا ہوئے تھے اور میر حسن علی خان ایما کے شاگرد تھے۔وہ ایک خوش مذاق مصنف تھے جنھوں نے اردو شاعری میں جدید طرز بیان کو اختیار کیا تھا۔اس طرز تحریر کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ اس میں قدیم شعرا کی طرز نگارش اور ان کے تشبیہات کو بہت زیادہ استعمال نہیں کیا جاتا ہے۔چنانچہ غیر ملکیوں کے لیے ان دونوں انداز تحریر میں کوئی زیادہ فرق نہیں معلوم ہوتا ہے۔لیکن اس کے باوجود ان میں حقیقی طور پر فرق ہے۔ان کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ فارسی اور ہندوستانی زبانوں کے ادب میں جو اسلوب بیان استعمال کیا جاتا تھا،وہ اس قدر محدود تھا کہ دوسرے شعرا اس سے گریز نہیں کر سکتے تھے۔''علم البلاغت'' کے رسالے میں کچھ ایسے تیار شدہ اصول اور لوازم اور تشبیہات درج ہیں کہ ان سے ہندوستانی شعرا اپنے کلام کو موزوں کرنے میں اسی قدر مدد دیتے ہیں،جس طرح ہمارے ہاں قافیہ کی لغت سے مدد لی جاتی ہے۔''گلدستہ نشاط'' جس کو میں نے اس کتاب میں اکثر نقل کیا ہے،اسی قسم کی ایک کتاب ہے۔اس کتاب کے دیباچے میں ''گلدستہ نشاط'' کو غلطی سے مضطر کی تصنیف بتایا گیا ہے لیکن حقیقت میں وہ کتاب،رائے منو لال صفا کی تصنیف ہے۔جیسا کہ ناظرین ان کے مضمون میں پائیں گے۔لیکن گزشتہ صدی کے آخر میں ہندوستانی شعرا میں یہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ وہ اپنے کلام کو نیا رنگ و روپ دے کر ہندوستانی شاعری کو جوانی عطا کریں اور یہی وجہ ہے کہ وہ پرانی طرز شاعری سے گریز کر کے روزمرہ کی زبان میں اشعار لکھنے لگے۔

مضطر۔ شیخ میر حسن علی۔ لکھنوی:

وہ میر نظام الدین ممنون کے شاگرد تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر قاسم نے کیا ہے۔

مضطر۔ لالہ کنور سین:

وہ دیوان دیبی پرشاد (دیبی سے مراد بھوانی ہے) کے بیٹے اور لالہ درگا پرشاد مضطرب کے بھائی تھے۔ ان کو اپنے بھائی کی شعر و شاعری سے گہری دلچسپی تھی۔ ان کے آباؤ اجداد دلی میں معزز اور ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ مصحفی کا بیان ہے کہ مضطر کی پیدائش لکھنو میں ہوئی اور وہیں وہ جوان بھی ہوئے۔ مضطر نے اپنی ابتدائی تعلیم کے دوران میں شعر و سخن سے دلچسپی لینا شروع کر دی تھی۔ لیکن وہ کچھ اس قدر شرمیلے واقع ہوئے تھے کہ وہ اپنے خاندان میں کسی دوسرے شخص کو اپنا کلام نہیں دکھاتے تھے۔ کچھ عرصے بعد وہ محمد عیسیٰ تنہا کے ذریعے مصحفی کے شاگرد ہو گئے۔ مصحفی کا بیان ہے کہ ان کو زبان پر کافی قدرت حاصل تھی۔ لیکن وہ فن شاعری کے نکات سے زیادہ واقف نہ تھے۔ ان کا خیال ہے کہ اگر مضطر ان اصولوں سے اچھی طرح واقف ہو جائیں تو وہ ایک مشہور شاعر بن جائیں گے۔ شیفتہ کا بیان ہے کہ مضطر نے دوسرے کلام کے علاوہ کربلا کے المیہ واقعات کا نہایت ہی معرکتہ الآرا قصیدہ لکھا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ مضطر نے غالباً مذہب اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ ۱۲۵۰ھ/۵-۱۸۳۴ء میں لکھنو کے قریب بلند شہر کے ضلع میں تحصیل دار تھے۔

مضطر۔ محمد اسد اللہ خان:

وہ ایک ہم عصر شاعر ہیں جن کے چند اشعار کریم نے نقل کیے ہیں۔ یہ اشعار ۱۸۳۵ء میں لکھے گئے تھے، اس کے بعد انھوں نے ''دیوان ہندی'' کے نام سے اپنی غزلوں کا مجموعہ مرتب کیا ہے۔ جو دلی سے شائع ہوا ہے۔

مضطر۔ مرزا خسرو شکوہ۔ بہادر:

وہ مرزا آقا خان جان کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ سرور کا بیان ہے کہ مضطر نے اپنے والد سلیمان شکوہ کی طرح اشعار کہے ہیں۔ ذکا کے بقول ان کا تخلص مظفر تھا۔

مضطر۔ مرزا۔ سنگین:

شیفتہ ان کے دوست تھے اور انھوں نے اپنے تذکرے میں ان کا ذکر کیا ہے۔

مضطر۔ نواب مرزا مظفر خان۔ لکھنوی:

وہ نواب محمد رضا خان (پیر مہدی علی خان صوبہ دار کٹھیرا) کے بیٹے تھے۔ ان کے استاد میر وزیر صبا تھے۔ محسن نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

مضطر۔ ہزاری لال:

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ "بوجھ پہیلی" کے مصنف ہیں۔ یہ کتاب میر عباس نے شائع کی ہے۔

مضطرب۔ مرزا اکبر علی بیگ۔ لکھنوی:

نصر اللہ بیگ کے بیٹے اور قلندر بخش جرأت کے شاگرد تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر محسن نے اپنے تذکرے میں کیا ہے۔

مضطرب۔ لالہ درگا پرشاد:

وہ دلی کے رہنے والے تھے لیکن لکھنو میں قیام کرتے تھے۔ اس کے والد دیوان بھوانی پرشاد کایستھ ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ مضطرب محمد عیسیٰ تنہا کے دوست تھے اور سرور کے بقول ان سے مشورۂ سخن بھی کرتے تھے۔ مصحفی کا بیان ہے کہ جن دنوں وہ اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو مضطرب ایک خوش رو، خوش اخلاق اور خوش مزاج نوجوان تھے جو کبھی کبھی شعر کہا کرتے تھے۔

مضطرب۔ میاں محمد حاجی:

ان کا آبائی وطن کشمیر تھا لیکن دلی میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ دلی کے قاضی القضاۃ رحمت اللہ خان کے تیسرے بیٹے اور ممنون کے شاگرد تھے۔ مضطرب کو ریختہ شاعری میں کافی مہارت حاصل تھی۔ شیفتہ کا بیان ہے کہ وہ اپنے والد کے انتقال کے بعد ان کے جانشین ہو گئے تھے اور اس واقعے کے بعد وہ شاذ و نادر اشعار لکھتے تھے۔

مضمون۔ سید امام الدین خان:

وہ سید معین الدین خان کے بیٹے تھے جو محمد شاہ کے پاس شاہی محافظ کے دستوں کے سردار تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کے دو اشعار کو علی ابراہیم نے نقل کیا ہے۔

اسپرنگر نے عشقی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کا تخلص مضمون تھا۔ انھوں نے اردو شعرا کا ایک تذکرہ بھی تصنیف کیا ہے۔

مضمون۔ شیخ یا میاں شرف الدین حسین:

وہ آگرہ (اکبر آباد) کے قریب جاج یا جاجو کے مقام پر پیدا ہوئے تھے۔ وہ کمسنی میں دہلی تشریف لے گئے اور زینت المساجد کی مسجد میں رہتے تھے۔ وہاں انھوں نے ریاضت و مراقبہ میں زندگی بسر کی اور سرور کے تذکرے کی تصنیف سے کچھ عرصہ پہلے ۱۱۵۸ھ/ ۶-۱۷۴۵ء کے لگ بھگ انتقال کر گئے۔ قاسم ان سے

ملنے کے لیے اکثر جایا کرتے تھے۔ حاتم نے اپنے ''دیوان زادہ'' کے دیباچے میں بیان کیا ہے کہ وہ ان کے ہم عصر تھے۔

ممکن ہے کہ یہ وہی مضمون ہوں جو مضطر اور سراج الدین علی خان آرزو کے شاگرد تھے۔ مضمون کے دانت ایک حادثے میں ضائع ہوگئے تھے، اس لیے آرزو مذاق کے طور پر انھیں شاعر بیدانہ کہا کرتے تھے۔ انھوں نے ایک دیوان چھوڑا ہے جس میں بے شمار شگفتہ اشعار ہیں۔ لیکن ان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ضرورت سے زیادہ استعاروں سے کام لیا گیا ہے اور بہت ہی مسجع و مقفیٰ انداز بیان کو ترجیح دی گئی ہے۔ میر فتح علی حسینی، علی ابراہیم اور لطف نے متعدد صفحات پر ان کے اشعار کو نقل کیا ہے۔ مضمون، مشہور پیر فریدالدین شکر گنج کے پوتے تھے، جس کے متعلق انھوں نے ایک شعر میں اشارہ کیا ہے، جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

کریں کیوں نہ شکر لبوں کو مرید
کہ دادا ہمارا ہے بابا فرید

میر کو مضمون سے ان کی آخری عمر کے دور میں ملنے کا اتفاق ہوا ہے، ان کا بیان ہے کہ درازی عمر کے باوجود مضمون کی گفتگو میں بڑی گرمی پائی جاتی تھی۔

مرزا علی رضا ابتدا میں مضمون تخلص کرتے تھے لیکن جیسا کہ اس کتاب میں ذکر کیا گیا ہے، انھوں نے بعد میں مرہون تخلص اختیار کرلیا تھا۔

مفصیح اللہ خان:

وہ مثنوی ''قول غمیں'' کے مصنف ہیں۔ یہ مثنوی 'صاحب' کے شان میں لکھی گئی ہے جو ایک ممتاز خاتون شاعر تھیں۔ میں نے ان کا ذکر اپنی کتاب کے دیباچے میں کیا ہے اور بعد میں بھی اس کتاب میں ان کا تذکرہ آئے گا۔

مظفر الدین:

وہ جون پور کے اردو اخبار ''نسیم جون پور'' کے مدیر ہیں۔ یہ اخبار ۱۸۴۹ء میں ''اسحاقی پریس'' سے نکلتا تھا۔

مظفر حسین۔ منشی:

وہ بمبئی کے اردو اخبار ''برق خاطف'' کے مدیر ہیں۔

مظفر۔سید مظفر علی خان۔مرحوم:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو دہلی میں پیدا ہوئے اور لکھنو میں رہتے تھے۔ان کے والد سید قلندر غلام علی خان بہادر تھے اور ان کے دادا بھکاری خان تھے۔سرور نے ان کی بڑی تعریف کی ہے۔وہ میر تقی اور ممنون کے شاگرد تھے۔انھوں نے ایک دیوان یادگار چھوڑا ہے۔

مظفر۔منشی۔حسین خان:

انھوں نے طب یونانی اور طب مغربی کی دواؤں کے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ''مجربات'' ہے۔یہ کتاب مدراس سے ۱۸۴۳ء میں شائع ہوئی ہے۔

مظفر۔میر مکھو خان:

سید مظفر علی خان کے نام سے بھی مشہور ہیں۔وہ محرم الدولہ سید قلندر علی خان بہادر کے بیٹے اور سید اکبر علی خان اکبر کے بھتیجے تھے۔ان کے استاد میر نظام الدین ممنون تھے۔ان کا شمار ہندوستانی شعرا میں کیا گیا ہے۔

مظلوم۔شاہ مرحوم:

وہ لکھنو میں پیدا ہوئے تھے لیکن الہ آباد میں رہتے ہیں۔ان کے استاد غلام ہمدانی مصحفی تھے۔محسن انھیں ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے ہیں اور انھوں نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

مظفر۔رام پوری:

وہ ایک اور شاعر ہیں، جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔

مظہر۔مرزا جان جان یا جان جاناں۔دہلوی:

وہ اپنے دور کے بڑے مشہور اردو شاعر ہیں اور شہید کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ان کا خاندان اصل میں بخارا سے تعلق رکھتا تھا۔ان کے والد کا نام مرزا جان تھا اور وہ منصفی میں ایک اعلیٰ عہدے پر مامور تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو پیار سے جان جاناں کہا کرتے تھے۔مصحفی جان جان، میر فتح علی حسینی اور علی ابراہیم جان جاناں اور لطف انھیں خان خاناں کہتے ہیں۔میر نے یقین کے ذکر میں بتایا ہے کہ انھیں غلطی سے جان جان بھی کہتے ہیں۔یہ دراصل ان کے والد کا نام تھا اور ان کا خود جان جاناں۔آخر میں یہ ان کے نام کا جزو بن گیا۔

وہ اکبرآباد میں پیدا ہوئے لیکن دہلی میں تعلیم و تربیت پائی اور وہیں رہنے لگے۔اپنی ذہانت اور سنجیدگی کی وجہ سے خاصی شہرت کے مالک ہو گئے۔وہ علم فقہ کے ماہر تھے اور زہد و تقویٰ کے پابند ہونے کے باوجود

انسانی حسن و جمال سے متاثر ہوتے تھے کیونکہ وہ اسے خداتعالیٰ کے جلوہ کا ایک مظہر خیال کرتے تھے۔ان کے اردو شاگردوں میں انعام اللہ خان یقین، بے سامان لال بے زار،فقیر صاحب دردمند اور میر عبدالحئی تاباں ہیں۔آخرالذکران کے دوست بھی تھے۔وہ مذہباً سنی تھے اور لوگوں کا خیال ہے کہ ان کی روحانی قوت اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ کرامتیں بھی سرزد ہوتی تھیں۔بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن مظہر جان جاناں اپنے کوٹھے پر بیٹھے تھے، راستے میں سے تعزیہ گزر رہا تھا۔انھوں نے اس کا مذاق اڑایا اور کہا کہ حسین کو شہید ہوئے بارہ سو سال ہو چکے۔اب ان کا ہر سال غم منانا،تعزیہ اٹھانا اوران کے مفروضہ مقبروں پر سر جھکانا کسی طرح درست نہیں۔جلوس میں جو اشخاص علم لیے ہوئے آگے تھے،انھوں نے سنا اور انتقام لینے کی ٹھانی۔محرم کے آخری دن یعنی عاشورہ کو ایک شخص نے ان کے دروازے پر آواز لگائی۔وہ بے جھجک باہر نکلے۔اس شخص نے مذہبی جنون میں بلا کچھ کہے سنے،ان پر گولی چلادی۔وہ بری طرح زخمی ہوگئے لیکن شدید زخم کے باوجود وہ کسی طرح اپنے کوٹھے پر چڑھ گئے۔اسی زخم کی وجہ سے ان کی وفات ہوئی اور اس بنا پر ان کے ہم عقیدہ مسلمان انھیں شہید کہتے ہیں۔یہ واقعہ ۱۱۹۴ھ/۱۷۸۰ء میں بمقام دہلی پیش آیا اور لطف کے بیان کے مطابق اس وقت ان کی عمر قریباً ۱۰۰ سال تھی۔

مظہر اردو کے بڑے قادرالکلام شاعر ہیں اور ان کا کلام سادہ اور رواں ہے۔اپنے ۲۰ ہزار اشعار میں سے انھوں نے صرف ایک ہزار منتخب کر کے دیوان مرتب کیا ہے۔انھوں نے اپنے اشعار کا ایک اور انتخاب ''خریطۂ جواہر'' کے نام سے کیا ہے،جو ان کی خوش مذاقی کا ثبوت ہے۔

سرور کا بیان ہے کہ وہ جامع مسجد کے قریب کوچہ امام میں رہتے تھے اور ۱۱۹۲ھ/۹-۱۷۷۸ء میں قتل کردیے گئے۔ مصحفی کا بیان ہے کہ وہ پہلے شاعر ہیں جو فارسی طرز میں کہنے پر پوری قدرت رکھتے تھے اور اسی لیے فارسی میں شعر کہتے تھے۔ان کا ایک فارسی اور ایک اردو دیوان ہے۔میر نے اپنے تذکرے میں ان کا کچھ کلام نقل کیا ہے۔فرزادہ قلی کی کتابوں کی فہرست میں مظہر کے دیوان کا ذکر ہے اور اس لیے پتا چلتا ہے کہ وہ پورا کا پورا فارسی میں ہے۔یہاں ایک غزل دی جاتی ہے جو W.Price کے *Hindee and Hindoostanee selections* میں دی ہوئی ہے۔

نوٹ:اس غزل کا مقطع یہ ہے۔

مظہر چھپا کے رکھ دل نازک کو اپنے تو   یہ شیشہ بیچنا ہے کسی میرزا کے ساتھ

''مخزن نکات''،ص ۳۴

اس گل کو بھیجنا ہے مجھے خط صبا کے ساتھ | اس واسطے لگا ہوں چمن کی ہوا کے ساتھ
برگ حنا اوپر لکھو احوال دل مرا | شاید کہ جا لگے وہ کسو میرزا کے ساتھ
مرتا ہوں میرزائی گل دیکھ کر سحر | سورج کے ہاتھ چوڑی پنکھا صبا کے ہاتھ

''تذکرہ ہندی'' از مصحفی، ص۲۰۲

مظہر۔مجھو خان:

وہ حکیم عسکری کے بیٹے اور قاسم کے مطابق حکیم بوعلی خان کے چھوٹے بھائی تھے۔سرور کا بیان ہے کہ حکیم بوعلی خان ان کے چچا تھے۔انھیں وہ ہندوستانی شعرامیں شمار کرتے تھے۔جن دنوں قائم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو مظہر کا انتقال ہو چکا تھا۔

مظہر۔مولوی محمد اسحاق۔دہلوی۔حاجی:

ان کو عام طور پر مظہرالحق بھی کہتے ہیں۔وہ ایک خوش بیان ہم عصر شاعر ہیں جو ریختہ میں اشعار کہتے تھے۔

مظہر، میر حسن علی:

وہ ایک تیسرے شاعر ہیں، جن کا ذکر سرور نے بھی کیا ہے۔

مظہری۔محبوب علی:

وہ کتانہ کے رہنے والے تھے۔ان کے بھائی رکن اللہ خان تھے اور ان کے استاد برکت۔ وہ خود بھی شاگرد رکھتے تھے اور ان میں سے عبداللہ خان اوج تھے۔سرور اور ذکا نے ان کا ذکر کیا ہے۔

معجز۔منشی مرزا محمد رضا:

مرزا اکرم علی کے بیٹے تھے۔اور ابتدا میں محمد علی خان مسیحا کے شاگرد تھے۔بعد میں خواجہ وزیر سے مشورہ سخن کیا کرتے تھے۔وہ ایک دیوان کے مالک ہیں جس سے محسن نے چھے غزلیں نقل کی ہیں۔معجز لکھنو کے رہنے والے تھے لیکن بعد میں نواب معتمدالدولہ کے ساتھ کان پور تشریف لے گئے تھے۔

معروف۔مولوی احسن اللہ:

وہ بنگال کے ایک شیخ ہیں، خاص طور پر فارسی میں شاعری کرتے ہیں۔لیکن ہندوستانی شعرامیں ان کا شمار کیا جاتا ہے۔

معروف۔نواب الٰہی بخش خان۔دہلوی:

وہ مرزا عارف خان یا جان کے بیٹے تھے۔کریم کے مطابق ان کے بڑے بھائی نواب فخرالدولہ احمد بخش

خان تھے اور ان کے چچا کا نام اشرف الدولہ قاسم خان یا جان تھا۔ محسن کہتے ہیں کہ وہ اپنے دور کے بہت ہی معزز مغل امیر تھے اور میاں کلو نصیر دہلوی کے شاگرد تھے۔ وہ بہت ہی خوش خلق اور خوش رو شخص تھے۔ انھوں نے اپنے جاہ وحشم کے باوجود اس دنیا کو ترک کر کے اپنے تمام اوقات کو صرف زہد و عبادت اور ادبی شوق کی تکمیل کے لیے وقف کر دیا تھا اور صوفی درویش فخر الدین کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ جب دنوں مصحفی اپنا تذکرہ مکمل کر رہے تھے تو وہ دہلی سے لکھنو آئے تھے لیکن وہ اپنے وطن کو بعد میں واپس آ گئے۔ وہ شعر وسخن سے گہری دلچسپی رکھتے تھے اور ایک کامیاب شاعر تھے۔ مصحفی نے ان کا صرف ایک مطلع نقل کیا ہے لیکن منولال نے چھ اشعار نقل کیے ہیں اور محسن نے ان کی متعدد غزلوں کو اپنے تذکرے میں درج کیا ہے۔ ان کی وفات ۱۲۴۲ھ /۷-۱۸۲۶ء میں ہوئی ہے۔ انھوں نے دو دیوان لکھے ہیں جس کی شیفتہ نے بڑی تعریف کی ہے اور اس کی اشعار کو اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے۔ کریم اپنے تذکرے میں ۲۴ صفحات پر معروف کے اشعار کو نقل کرتے ہیں۔

معزز:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر باطن نے اپنے ''گلشن بے خزاں'' میں کیا ہے۔ ان کی ایک طویل غزل فارسی اور ہندوستانی شعرا کے انتخاب میں شامل ہے۔ یہ کتاب Ed.Balfoni نے مدراس سے ۱۸۵۱ء میں شائع کی ہے۔ اس میں ۱۹۷ صفحات ہیں۔

معشوق علی:

وہ اردو اور فارسی میں ایک ''انشا'' کے مصنف میں جو میرٹھ سے ۱۸۱۴ء میں شائع ہوا ہے۔ وہ تسلیم کی کتاب ''شام غریباں'' کے مؤلف بھی ہیں۔

معظم۔ مولوی محمد۔ مراد آبادی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں، جنھوں نے ریختہ اور فارسی میں شاعری کی ہے۔ ذکا نے ان کا ذکر کیا ہے۔

معقول:

شیفتہ نے اس شاعر کا ذکر کیا ہے لیکن ممکن ہے کہ ان کو مقتول سے خلط ملط کر دیا گیا ہو۔ اس صورت میں اس مضمون کو حذف کر دینا چاہیے۔

مصحفی۔ محمد امین:

وہ ایک اردو شاعر ہیں، جن کا ذکر ''گلشن بے خار'' میں کیا گیا ہے۔ بہ مقام کول وفات پائی۔

مغل۔مرزا، کربلائی:

انھوں نے سعدی کی ''بوستان'' کا اردو ترجمہ کیا ہے، جس کا نام ترجمہ ''بوستان یا باغ سخن'' ہے۔

Primitino Oriontales میں ایک اعلان شائع ہوا تھا کہ کلکتہ سے ''بوستان'' کا ایک ترجمہ عن قریب شائع ہونے والا ہے۔(۱۸۰۳ء) لیکن میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ اس کتاب کا کس نے ترجمہ کیا تھا۔ممکن ہے کہ یہ ترجمہ ''باغ سخن'' ہی ہو۔

''بوستان'' کا ایک اردو ترجمہ نظام حیدرآباد کے وزیر کے پاس ہے۔لیکن شاید یہ ایک مختلف ترجمہ ہے۔ اس کے علاوہ مشتاق نے بھی ایک اور ترجمہ کیا ہے، جس کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے۔

مغل۔مرزا مغل علی خان:

وہ خواجہ ہمگا کے بیٹے اور خواجہ محمد عسکری کے ہوتے تھے۔ان کا آبائی وطن کشمیر تھا لیکن وہ خود دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں تجارت کرتے تھے۔انھوں نے ریختہ میں اشعار کہے ہیں۔ ابوالحسن اور قاسم نے ان کا ذکر کیا ہے۔

معین۔معین الدین۔تبریزی:

وہ میاں شیخ معین الدین سے مختلف ہیں۔کلکتہ میں رہتے تھے اور حال ہی میں انھوں نے فریدالدین کی کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ S. De Saccy نے اس کتاب کو ترجمہ کر کے شائع کیا ہے اور اس میں کافی دلچسپ حاشیے بھی درج کیے ہیں۔

معین۔میاں اور شیخ معین الدین:

قاسم کے مطابق ان کا نام غلام معین الدین خان ہے۔وہ مرزا محمد رفیع سودا کے ایک بہت ہی ممتاز شاگرد تھے۔اس کے باوجود وہ قدیم شعرا کے طرز پر اشعار کہتے تھے۔ وہ شاعری کے تمام اصناف میں خاص مہارت رکھتے تھے لیکن زیادہ تر ادب کے موضوع پر گفتگو کرنا پسند کرتے تھے۔ وہ لکھنو میں ۱۱۹۶ھ /۸۲-۱۷۸۱ء میں کافی تندرست وتوانا تھے۔ مصحفی اور منولال نے ان کی ایک غزل نقل کی ہے جو بہت ہی مقبول ہے۔معین الہ آباد میں پیدا ہوئے تھے لیکن پٹنہ میں رہتے تھے۔ذکا نے انھیں دہلوی بتایا ہے۔جب عشق ''طبقات سخن'' لکھ رہے تھے تو ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

مغموم۔مرزا اسحاق بیگ۔دہلوی:

وہ دربار میں ایک ملازم تھے۔علی ابراہیم نے اپنے تذکرے میں ان کا ذکر کیا ہے۔

مغموم ۔ میر مشیت علی:

ذکا کے مطابق ان کا نام مست علی ہے۔ یہ اردو شاعر عزت اللہ عشق کے شاگرد ہیں۔ شیفتہ نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

مغموم ۔ لالہ رام:

لکھنو کے رہنے والے تھے۔ وہ ایک ہمدرد شاعر ہیں جن کا علی ابراہیم نے ذکر کیا ہے۔ علی ابراہیم کے بقول مغموم Sir William Jones کے ساتھ کام کرتے تھے۔ ۱۱۹۹ھ/۸۵-۱۷۸۴ء میں مغموم نے اپنے چھے اشعار کو علی ابراہیم کے حوالے کیا تھا تا کہ وہ انھیں اپنے تذکرے میں شامل کر سکیں۔ علی ابراہیم نے اپنے تذکرے میں دو صفحات پر ان کے اشعار کو نقل کیا ہے۔ محسن نے بھی ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

مفتی ۔ محمد امین:

کول کے رہنے والے تھے۔ کریم ان کو ایک ہندوستانی شاعر بتاتے ہیں۔

مفتون ۔ پنڈت موتی رام ۔ کشمیری:

جس وقت سرور اپنا تذکرہ لکھے رہے تھے تو وہ ایک نوجوان تھے اور میر قصمر الدین منت اور میر ممنون کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ہندوستانی اور فارسی میں شاعری کی ہے لیکن وہ فارسی شاعری میں دوسرا تخلص رکھتے تھے۔ سرور اس کی کوئی تفصیل نہیں دیتے۔

مفتون ۔ سید ہادی علی ۔ لکھنوی:

وہ سید فضل علی کے بیٹے اور شیخ امام بخش ناسخ کے شاگرد تھے۔ وہ ایک دیوان کے مالک ہیں جس کے کچھ اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

مفتون ۔ شیخ عبدالرحیم:

ان کے آبا و اجداد عرب تھے لیکن وہ لکھنو میں پیدا ہوئے۔ ان کے استاد میر نظام الدین ممنون تھے۔ قاسم اپنے تذکرے میں ان کو ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے ہیں۔

مفتوم ۔ کاظم علی:

الہ آباد کے رہنے والے تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر علی ابراہیم نے اپنے تذکرے میں کیا ہے۔

مفتون ۔ ماسٹر گستین:

گستین یا Gaustin ۔ وہ آگرہ میں رہتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک انگریز تھے اور ہندوستانی زبان میں شعر کہتے تھے۔ ان کی شاعرانہ صلاحیت کا اس بات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ محسن نے ان کے اشعار کو اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے۔ وہ مرزا عنایت علی ماہ کے شاگرد تھے۔

مفتون ۔ مرزا ابراہیم بیگ:

وہ اصفہان میں پیدا ہوئے۔ ان کے استاد میاں غلام ہمدانی مصحفی تھے۔ بنی نرائن نے ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔

بنی نرائن کے بقول مرزا علی رضا مرہون ابتدا میں مفتون تخلص کرتے تھے۔ ان کا ذکر مرہون کے تحت کیا گیا ہے۔

مفتون ۔ مرزا کریم بخش:

وہ ایک تیموری شاہ زادے تھے اور ہندوستانی میں شاعری بھی کرتے تھے۔

مفتون ۔ میاں بدرالدین:

وہ پنجابی تھے لیکن دہلی میں پیدا ہوئے، اور پیشہ کے اعتبار سے بزاز تھے۔ اس کے علاوہ وہ کیمیاگر اور شاعر بھی تھے۔ میر فرزند علی موزوں ان کے استاد تھے۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

مفتون ۔ میاں علی بخش:

پٹنہ کے رہنے والے تھے۔ شورش کہتے ہیں کہ وہ خاص طور پر فارسی شاعری کرتے تھے۔

مفلس ۔ مجیب علی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں اور شیفتہ کے مطابق ان کا تخلص ان کے حسب حال ہے۔ وہ رام پور میں عطر سازی کرتے تھے۔ ان کے اشعار کافی مقبول ہیں۔

مقیم ۔ منشی محمد ابراہیم:

وہ حسب ذیل کتابوں کے مصنف ہیں:

۱۔ ''تحفہ ایلفنسٹن'' (Elphinston) یہ ہندوستانی کی ایک قواعد ہے جو بمبئی سے ۱۸۲۳ء میں شائع کی گئی ہے اور جس پر نظر ثانی میجر Van Kennedy نے کی ہے۔ ۱۸۰۲ء سے اس کتاب کے مصنف بمبئی

میں انگریزوں کو اردو پڑھاتے تھے جو اردو نہ جانتے تھے اوراس طرح ان کی صحبت میں رہ کر خود بھی انگریزی سیکھ لی۔Gilchrist کی وہ کتابیں جو انھوں نے اردو زبان کے مطالعہ کے لیے لکھی تھیں جب ان کی نظر سے گزریں تو انھوں نے اپنے طلبہ کے لیے اردو قواعد انگریزی میں لکھی اور اس کی اصلاح اپنے طلبہ سے کرائی۔اس قواعد میں مجھے بہت سی باتیں ایک دوسرے کے متضاد نظر آئیں۔اور حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب Shakespear کی قواعد سے کمتر درجہ رکھتی ہے۔اس کتاب میں دلچسپ بات یہ ہے کہ انگریزی اور اردو دونوں میں افعال کے زمانوں اور حالتوں کے متعلق بہت سی مشقیں دی گئی ہیں جن میں ہندوستان کے رسم ورواج کا خاکہ اتارا ہے۔ان مشقوں میں وہ درخواست بھی اصل شکل میں دی گئی ہے جو شیخ منصور نامی کسی شخص نے ایک جج کو دی تھی۔اس میں جنگ پانی پت کے متعلق بھی ایک بیان اردو میں ہے۔مقبح کو ۱۸۳۶ء میں ایشیاٹک سوسائٹی لندن کا غیر مقامی ممبر منتخب کیا گیا۔۱۳ مئی ۱۸۴۰ء میں وہ Elphinston Native Education Society, Bombay. کے بورڈ کے رکن ہوگئے۔مذکورہ کتابوں سے قطع نظر مقبح نے ذیل کی کتابیں بھی لکھی ہیں۔

۲۔ انھوں نے کوکا یہ اورنگ آباد کی سرگزشت کو ۱۲۲۴ھ/۱۰-۱۸۰۹ء میں بمقام بمبئی فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا۔اس کتاب کا ایک نسخہ Sir Granes کے بھائی G. Houghton کے پاس موجود تھا۔

۳۔ ''ہندوستانی تعلیم عام''۔یہ ۱۸۳۵ء میں بمبئی ایجوکیشنل سوسائٹی کی طرف سے چھوٹی تقطیع پر دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ان کتابوں میں سے انھوں نے بچوں کو نصیحت کرنے کی غرض سے سبق آموز کہانیاں، ریاضی اور قواعد کے اصول، خطوط اور درخواست لکھنے کے نمونے دیے ہیں۔غالباً یہ اسی کتاب کا تازہ اڈیشن ہے جو ۱۸۴۵ء میں بمبئی سے ''تعلیم نامہ'' کے نام سے چھپا ہے، ''تعلیم نامہ'' کی ایک اور جلد ہے جو مدراس سے ۱۸۳۵ء میں چھپی ہے اور جس کا ایک نسخہ ایسٹ انڈیا آفس میں موجود ہے۔

مقبول۔میر ابر علی:

وہ اپنے مرثیوں کے لیے مشہور ہیں۔

مقبول۔لالہ جے سنگھ رائے:

چھنی لال کے بیٹے اور مراد آباد میں پیدا ہوئے اور لکھنو میں رہتے تھے۔وہ ایک خوش نویس تھے اور ایک دیوان کے مالک ہیں۔ان کے استاد منشی ہندو لال زار تھے۔محسن نے ان کی چند غزلیں نقل کی ہیں۔

مقبول۔ مولوی مقبول احمد یا احمد مقبول:

وہ ایک ہم عصر ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر ز کا نے کیا ہے۔ وہ ۱۲۴۷ھ/ ۲-۱۸۳۱ء میں دہلی میں رہتے تھے۔ ان کی تصنیفات حسب ذیل ہیں:

۱۔ ''ارکانِ اربع''۔ یہ کتاب اسلامی فرائض پر ہے اور لکھنو سے ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۵ء میں چھوٹی تقطیع میں شائع ہوئی ہے۔

۲۔ ''قصہ رانجھا ہیر'' اور ''سسی پنوں''۔ میں نے اس قصہ کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا ہے جو Revue de la 0riente میں ستمبر ۱۸۵۷ء میں چھپا ہے۔ یہ دونوں عاشقوں کے قصے ہیں اور مشرق میں ان کے قصے بہت سے لوگوں نے لکھے ہیں۔ مقبول کی کتاب نثر میں ہے۔ یہ دونوں کتابیں (''قصہ رانجھا ہیر'' اور ''سسی پنوں'') ۱۲۶۵ھ/۹-۱۸۴۸ء میں دہلی سے چھوٹی تقطیع میں ۳۶ صفحات پر چھپی ہے۔

غالباً یہ وہی مقبول احمد ہیں جو ''دردالفت'' کے مصنف ہیں۔ یہ ایک مثنوی ہے جو ۱۲۵۰ھ/۵-۱۸۳۴ء میں لکھی گئی ہے۔ اور نواب اودھ نصیر الدین حیدر کے نام معنون ہے۔ مجھے اس کے موضوع کی خبر نہیں ہے۔ موتی محل لکھنو کے کتب خانے میں اس کا ایک قلمی نسخہ موجود تھا، جس میں ۴۸ صفحات ہیں۔ یہاں ان کی ایک غزل دی جاتی ہے جو ان کی کتاب ہیر اور رانجھا میں مل سکتی ہے۔

یہ غزل دستیاب نہ ہو سکی۔ (مترجم)

مقبول۔ میاں مقبول نبی۔ دہلوی:

وہ یقین کے بیٹے اور ثنا اللہ فراق کے شاگرد تھے۔ وہ کچھ عرصہ تک فرخ آباد میں مقیم رہے تھے جہاں وہ مظہر الدین خان کے نام سے مشہور تھے۔ انھوں نے تقریباً ۳۰۰ قدیم وجدید شعرا کے اشعار کو جمع کیا تھا، جن کی تعداد قریباً ۶۰ ہزار ہوتی ہے لیکن شومئ قسمت سے یہ پورا مجموعہ نذر آتش ہو گیا۔ وہ ذکا کے دوست تھے اور ڈاکٹر اسپرنگر نے ان ہی کے حوالے سے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ دوسری تفصیلات ''گلشن بے خار'' سے معلوم ہوئی ہیں۔

مقبول۔ مرزا ابراہیم بیگ:

وہ مرزا محمد علی کے بیٹے تھے اور اصفہان کے قدیمی مرزا خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم بھی حاصل کی ہے۔ آپ انشا اور شاعری کے تمام قواعد سے واقف تھے اور شعر وشاعری کی بھی اسی قدر عمدہ مشق رکھتے تھے کیونکہ وہ ہندوستانی اشعار بڑی خوش اسلوبی سے اور خیال

آرائی کے ساتھ کہتے تھے۔وہ مصحفی کے شاگرد اور دوست تھے۔

مقتول مصحفی سے ہوا ہے مجھے یہ فیض
حق دیرگاہ جگ میں رکھے اس کی ذات کو

۱۷۹۳ء میں ان کی عمر ۳۰ سال سے زیادہ تھی۔

مقدور۔میر محمد ابراہیم:

وہ نتھر نگر میں پیدا ہوئے تھے۔وہ چناپٹن، مدراس کے ایک بہت ہی ممتاز شاعر ہیں۔ آپ کو عام طور پر ملک الشعرا کہا جاتا تھا اور آپ حکومت برطانیہ کے ملازم تھے۔ بعد میں آپ نے اس دنیا کو ترک کر کے گوشۂ تنہائی اختیار کر لیا تھا۔ آپ شمیم اللہ شاہ قادری کے شاگرد ہونے کے علاوہ مرید بھی تھے۔ شمیم اللہ شاہ کو 'برہان شمشیر' بھی کہتے ہیں۔ مقدور نے دوسرے کلام کے علاوہ ایک بہت ہی مقبول مثنوی لکھی ہے۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

مقرب علی۔سید:

وہ ''نفاہت الریاحین'' کے مصنف ہیں۔ اس کا عنوان بہت پر شوکت ہے۔ یہ کتاب حقیقت میں محمدؐ کی تاریخ حیات ہے۔ لودھیانہ سے ۴۴۲ صفحات میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی ہے۔

مقصود۔محمد۔لکھنوی:

وہ بازاروں میں سقہ گری کرتے تھے لیکن ہندوستانی میں اچھے اشعار بھی کہتے تھے جو خرید و فروخت کرنے والوں میں بہت ہی مقبول تھے۔ مصحفی کہتے ہیں کہ مقصود کو قدیم شعرا میں شمار نہیں کیا جاتا ہے۔ قدیم شعرا سے مراد وہ شعرا ہیں جو سودا، میر اور حسن سے پہلے گزر چکے ہیں کیونکہ وہ ایک ناخواندہ شاعر تھے۔ لیکن مصحفی نے اس شاعر کے متعلق اپنے تذکرہ میں ایک کافی طویل مضمون لکھا ہے۔ عوام ان کے اشعار کو میلوں، مجلسوں اور ہولی کے تہوار کے موقعوں پر گایا کرتے تھے۔

مقیم۔نواب محمد مقیم خان:

شورش اس نام کے ایک شاعر کا ذکر کرتے ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ ان کا صحیح نام مقیمی تھا کیونکہ اس مصنف نے مندرجہ ذیل دو مثنویاں لکھی ہیں:

۱۔ ''قصہ چندر بدن و مہیار''۔توپ خانہ لکھنو کے کتب خانے میں اس کا ایک نسخہ تھا جو ۵۰ صفحات پر مشتمل ہے اور جس کے ہر صفحے میں ۱۱ اشعار ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ وہی منظوم کتاب ہو جس کے متعلق بتایا ہے

کہ یہ غالباً حیدر دکنی (میر) کی تصنیف ہے۔ کم از کم ان کتابوں کا موضوع ایک ہے۔

۲۔ قصۂ بہار" یہ ۲۴ صفحات کی کتاب ہے اور اس کے ہر صفحے میں ۱۵ اشعار ہیں۔

مکارم۔ مرزا۔ دہلوی:

سرور کہتے ہیں کہ وہ منصب دار کے عہدہ پر فائز تھے لیکن اپنی معزولی کے بعد وہ اس قدر خستہ حال ہوئے کہ انھیں دو دو پیسوں پر اپنی غزلوں کو بیچنا پڑا۔

مکند۔ رام۔ پنڈت:

وہ لاہور کے سائنٹیفک اخبار "گیان پرداتی پترکہ" کے مدیر ہیں۔ یہ ایک ماہانہ اخبار ہے جو مارچ ۱۸۶۸ء سے شائع ہو رہا ہے۔ اس کی ہر اشاعت میں ۱۶ صفحات ہوتے ہیں اور ہر صفحے پر دو کالم۔ ایک کالم ہندی ناگری رسم الخط میں اور دوسرا فارسی رسم الخط میں لکھا جاتا ہے۔ اس اخبار میں دلچسپ سائنٹیفک مضامین شائع ہوتے ہیں اور اکثر ان کے ساتھ نقشے بھی چھاپے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ تواریخی اور ادبی مضامین بھی نکلا کرتے ہیں۔ اس اخبار میں "بھگوت گیتا" کا اردو ترجمہ بھی شائع ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ امید سنگھ کا ترجمہ ہے۔

مکندرام نے "تیتھی پتریکہ" کے نام سے ہندی میں لاہور سے ایک جنتری شائع کی ہے۔ (سمبت ۱۲۲۶ھ/ ۱۸۶۹ء) اور اس جنتری کا ایک اور اڈیشن "تقویم" کے نام سے بھی نکالا ہے۔

مکندلال:

وہ ۱۸۶۱ء میں سب اسسٹنٹ سرجن تھے اور آگرہ کے ہندوستانی میڈیکل کالج میں علم التشریح کے پروفیسر تھے۔ انھوں نے اردو میں ۱۸۵۷ء کے غدر کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام "بغاوت ہند" ہے۔ اس کتاب کو "مفید الخلائق" کے مدیر سیوا نرائن نے اپنے پریس سے شائع کیا ہے۔

میری کتابوں کے مجموعہ میں اس اخبار کا ۱۳واں شمارہ بھی ہے، جس میں اس کتاب کو تفصیل کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ یہ شمارہ Mr. S.W.Fallon کے ذریعے سے مجھے ملا ہے۔ قدرت (محمد قدرت اللہ) نے بھی اسی موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "محاربۂ عظیم" ہے۔

مکو۔ شیخ زادہ۔ فرخ آبادی:

وہ خوش نویس اور شاعر تھے۔ قاسم نے ان کا ذکر کیا ہے۔

مکھن لال۔ پنڈت۔ الہ آبادی:

وہ طب کے ڈاکٹر ہیں اور انھوں نے ڈاکٹر Walkner کے ساتھ ذیل کی کتابیں لکھی ہیں۔

۱۔ ''گئوتھن (چیچک کا ٹیکا) سیتلا کے ٹیکا دینے کا بیان''۔ یہ کتاب ۳۰ صفحوں پر اردو میں ہے اور آگرہ سے ۱۸۵۳ء میں چھوٹی تقطیع پر چھپی ہے۔

۲۔ ''مبتدی کی پہلی کتاب''۔ یہ کتاب ۱۸۶۱ء میں بڑی تقطیع کے ۵۳۰ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

۳۔ ''فرخ آباد اور بدرناتھ کی کہانی''۔ یہ کتاب الہ آباد سے ۱۸۵۰ء میں چھوٹی تقطیع کے ۳۱ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

۴۔ ''کاشف دقائق مذہب ہند''۔ یہ اردو میں ہے اور ہندو مذہب کی تائید میں پران اور شاستر کی روشنی میں لکھی گئی ہے۔ چھوٹی تقطیع کے ۲۹ صفحوں پر لکھنو سے ۱۸۶۱ء میں شائع ہوئی ہے۔

مکھن لال:

انھوں نے ایک اردو کتاب ''مایۂ مغفرت'' لکھی ہے۔ یہ ایک مذہبی کتاب ہے جو دلی سے ۱۸۶۸ء میں ۸۸ صفحات پر چھپی ہے۔

ملال:

وہ پلول میں درویش تھے اور ان کے استاد کا نام جان جاناں مظہر ہے۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

ملال۔ محمد رضا خان۔ لکھنوی:

وہ ناسخ کے شاگرد تھے۔ محسن کے ''سراپا سخن'' میں ان کے اشعار کا ایک نمونہ پیش کیا گیا ہے۔

ملال۔ مرزا محمد زمان۔ لکھنوی:

وہ ایک دوسرے شاعر ہیں جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔ سرور اسی نام کے ایک تیسرے شاعر کا ذکر کرتے ہیں اور ممکن ہے کہ محمد رضا خان ہے۔

ملک:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں۔ میر نے محض ان کا نام بتایا ہے۔ ان کا صرف ایک شعر نقل کیا ہے۔

تن من فدا کروں اس ہشیار ساقی اوپر
یک خطرہ ے چکھا کر جن بے خبر کیا ہے

ملول۔ شاہ شرف الدین:

وہ ایک درویش تھے جنھوں نے وفور شوق سے معمور ہو کر صوفیانہ اشعار کہے ہیں۔ وہ اپنے فارسی کلام میں الہام تخلص کرتے تھے۔ کمال، بلاس رائے کے یہاں ان سے اکثر ملتے تھے۔ ملول کا انتقال ان دنوں ہوا

ہے جب کمال، حیدرآباد چلے گئے تھے۔ یہ تفصیل Mr. Prancis Taylor سے معلوم ہوئی ہے جو دہلی کے غدر [۱۸۵۷ء] میں ہلاک ہوئے۔

ممتازالدین:

انھوں نے مقبول عام گیت لکھے ہیں جو ہندوستان کے گوشے گوشے میں گائے جاتے تھے۔ ان کے تین گیتوں کے نام 'لونی مرہٹی'، 'راگ بھاگ' اور 'دل کڑونی' ہیں۔ یہ دہلی سے ۱۸۲۸ء میں چھوٹی تقطیع پر چار صفحات میں شائع ہوئے ہیں۔

ممتاز۔ حافظ فتح علی۔ دہلوی:

وہ سودا کے شاگرد تھے۔ انھیں اپنے دور کے ہندوستانی مصنفین میں ایک ممتاز درجہ حاصل ہے۔ دوسرے کلام کے علاوہ انھوں نے لاٹھی پر ایک مثنوی ''در تعریف لاٹھی'' بھی لکھی ہے۔ سرور اور شیفتہ کے مطابق وہ فیض آباد میں رہتے تھے لیکن جن دنوں عشقی اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو وہ دکن میں قیام پذیر تھے۔

ممتاز علی:

انھوں نے شیخ احمد علی کے ساتھ عشقیہ اشعار کا ایک مجموعہ مرتب کیا ہے، جس کا نام ''مجموعۂ برہانہ'' ہے۔ یہ کتاب دہلی سے ۱۸۶۸ء میں چھوٹی تقطیع پر ۵۶ صفحات میں ہوئی ہے۔

ممتاز۔ مرزا قاسم:

وہ مرزا کاظم علی جوان کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ انھوں نے اپنے والد کی طرح، جن کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے، ہندوستانی میں اشعار کہے ہیں۔ بنی نرائن نے اپنے تذکرے میں ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔

ملول۔ ایشری پرشاد۔ لکھنوی:

وہ ایک کایستھ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ شیفتہ نے اپنے ''گلشن بے خار'' میں لکھا ہے کہ وہ قائل کے شاگرد تھے اور ہندوستانی و فارسی میں شعر کہتے تھے۔ ذکا کا بیان ہے کہ وہ ۱۲۳۱ھ/۶-۱۸۱۵ء میں دہلی میں مقیم تھے۔ بعض لوگوں کے خیال کے مطابق ملول جو مملو کے تخلص سے بھی مشہور ہیں، آج کل بنارس کے راجا ہیں۔ ان کا نام مہاراجہ اشری پرشاد نرائن سنگھ بہادر ہے لیکن انھوں نے شاعری کے لیے مسلمانوں کا تخلص ملول اختیار کیا ہے۔ ان کے پاس ہندی اور اردو کتابوں کا ایک بہت ہی اچھا ذخیرہ تھا۔ جس کی ایک فہرست انھوں نے بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کو پیش کی تھی (۲/ اپریل ۱۸۵۳ء)۔ وہ جدید ہندوستانی ادب کے

سرپرست اور مربی ہیں، کیونکہ انھوں نے اپنے جیب خاص سے متعدد ہندی کتابیں شائع کراوئی ہیں۔انھوں نے ہندی کے علاوہ اردو میں ''جغرافیۂ عالم'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔

ممتاز۔مولوی۔حافظ نوراحمد۔دہلوی:

وہ میر عزت اللہ عشق کے پرنانا تھے اور ایک شگفتہ شاعر ہونے کے علاوہ عربی، علم ریاضی اور منطق میں کمال مہارت رکھتے تھے۔ان کا انتقال گزشتہ صدی میں ہوا ہے۔قاسم نے ان کے متعلق ایک طویل اور تحسین آمیز مضمون اپنے تذکرے میں لکھا ہے۔وہ ہر سال ۱۱ ربیع الثانی کے موقع پر ایک منقبت تصنیف کرتے تھے۔جو میرے خیال میں عبدالقادر جیلانی کے بجائے مشہور محی الدین میراں جی کی شان میں کہا جاتا تھا کیونکہ یہ ان کے عرس کا روز ہے۔غالباً یہ وہی شاعر ہیں جن کو کمال نے ''مجموعۃ الانتخاب'' میں صرف ممتاز بتایا ہے اور ان کے بقول وہ قائم کے شاگرد تھے۔

ممتاز۔مولوی۔شیخ احسن اللہ:

وہ صوبہ بنگال میں اونام کے رہنے والے تھے۔سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔عشقی کا بیان ہے کہ وہ نہ صرف اردو کے شاعر ہیں بلکہ فارسی کے ہم عصر شعرا میں بہت ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔

مملوک علی۔یا۔مملوک العلی۔مولوی:

وہ نانوتہ میں پیدا ہوئے اور دلی کالج میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔وہ ہندوستانی اور اردو، فارسی ادب سے بھی بخوبی آگاہ تھے۔کریم نے انھیں زبردست عالم بتایا ہے۔وہ اپنے طلبہ پر بڑے مہربان تھے۔وہ صرف انھیں کالج میں ہی نہیں بلکہ اپنے گھر ان کے استعداد و ذہانت کا لحاظ رکھ کر تعلیم دیتے تھے۔وہ قانون اسلامی اور ریاضی میں دست گاہ رکھتے تھے لیکن ان کے علم و فضل سے قطع نظر ایک مہربان اور زندہ دل آدمی تھے۔۱۸۴۷ء میں ان کی عمر تقریباً ۶۰ سال تھی۔انھوں نے اقلیدس کی ۸ فارسی کتابوں کو اردو میں منتقل کیا ہے۔یہ ''تحریر اقلیدس'' کے نام سے شاید ۲ جلدوں میں ہے۔غالباً یہ وہی ''تحریر اقلیدس'' ہے، جس کے پہلے، دوسرے اور چوتھے حصے کا اشتہار یکم جون ۱۸۵۵ء کے ''آگرہ گورنمنٹ گزٹ'' میں شائع ہو چکا ہے۔ دوسری کتاب ''نتیجۂ تحریر'' کہلاتی ہے اور الگ چھپی ہے۔یہ صوبہ شمالی ہند کے مدرسوں کے نصاب میں شامل ہے۔موہن لال نے بھی اس کا اڈیشن نکال لیا ہے۔لیکن اس میں صرف پہلی چوتھی اور چھٹی جلد شامل ہے۔

ممنون۔میر امانت علی۔مرحوم:

وہ پٹنہ کے ایک معزز رئیس تھے جو تعلیم کی غرض سے دلی تشریف لے گئے تھے جہاں میر فرزند علی موزوں

کی سرپرستی میں شعروسخن کہنے لگے۔وہ اکثر دینی مجلسوں میں شریک ہوا کرتے تھے اور خاص طور پر مہدی علی خان عاشق کے یہاں ضرور حاضری دیا کرتے تھے۔سرور کے مطابق ان ہی مجالس میں ممنون نے پہلی بار اپنا کلام سنایا ہے۔جس کا بڑی پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔

ممنون۔میر نظام الدین:

ممنون کا خاندان پانی پت صوبہ دلی سے تھا لیکن وہ دلی میں پیدا ہوئے تھے۔انھوں نے زیادہ وقت لکھنو میں گزارا تھا۔جس وقت شیفتہ اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے،وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت کے سلسلے میں اجمیر میں تھے۔وہ قمرالدین منت کے بیٹے اور شاعر تھے۔دہلی میں رہتے تھے جہاں اکبرشاہ ثانی مرحوم کے ملازم تھے۔اردو کے ممتاز شاعروں میں ہیں اور اپنی خصوصیات کے لیے خاص شہرت رکھتے ہیں۔اپنے والد کی زندگی میں انھوں نے پہلے قانون کا مطالعہ کیا اور پھر شاعرانہ استعداد کی وجہ سے اردو اور فارسی میں شعر کہنے لگے اور بہت مختصر عرصہ میں ایسا پیغام بہم پہنچایا کہ وہ اپنے انداز بیان کے دلکشی کی وجہ سے حقیقی شاعر بن گئے اور ان کی شہرت ان کے والد کے مرتبے کو پہنچ گئی۔بہت سے شعرا ان سے مشورہ سخن کرتے تھے۔وہ صاحب دیوان ہیں اور ان کے دیوان کا ایک نسخہ کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج میں موجود ہے۔اس میں ایک مثنوی محمد اکبرشاہ کی تخت نشینی کے متعلق اور ایک قصیدہ امین الدولہ علی ابراہیم خان خلیل کی شان میں اور غزلیات و رباعیات شامل ہیں۔یہ دیوان ۱۸۳۳ء میں نقل کیا گیا تھا۔اس میں ۱۴۶ صفحے ہیں اور ہر صفحے میں گیارہ سطریں ہیں۔شیفتہ نے ان کی قوت شاعرانہ کی بڑی تعریف کی ہے۔وہ انھیں تمام اصناف سخن میں دور حاضر کے ہندوستان کا ممتاز شاعر خیال کرتے ہیں۔انھوں نے ممنون کے دیوان سے کئی صفحے نقل کیے ہیں۔امام بخش نے ۱۸ صفحے اپنے انتخاب میں ان کے کلام کے لیے دیے ہیں اور بتایا کہ ہے وہ آخری وقت میں دلی میں مقیم تھے۔بہت زیادہ ضعیف اور نابینا ہونے کی وجہ سے کہیں آجا نہیں سکتے تھے۔کریم،جنھوں نے اپنا تذکرہ جولائی ۱۸۴۵ء میں لکھا ہے بیان کرتے ہیں کہ ممنون کا انتقال چار مہینے پہلے ہو چکا تھا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مارچ ۱۸۴۵ء میں فوت ہوئے۔کریم نے ان کی شاعرانہ صلاحیت کی تعریف کرتے ہوئے انھیں گلستان سخن کے بلبل اور مینا سے تشبیہ دی ہے۔ممنون کے شاگرد اور دلی کے حکمران اکبر ثانی انھیں ''فخرالشعرا'' کہتے تھے۔یہ لقب ملک یا سلطان الشعرا سے زیادہ باوقار خیال کیا جاتا ہے۔ان کے والد منت کا لقب ''ملک الشعرا'' تھا۔بنی نرائن نے ان کے کلام کے آٹھ مختلف اجزا بطور انتخاب دیے ہیں:

کھولا جو پیچ طرۂ عنبر شمیم کا　　مشک ختن سے بھر گیا دامن نسیم کا

جب کھول دوں میں سینۂ سوزاں کے چاک کو   تب بازوئے خلق پہ در ہو جحیم کا
دیکھا جو اس کا قد و دہان ِ زلف مٹ گیا   زاہد کے دل کا نقش الف لام میم کا
''تذکرہ ہندی''، ص ۲۳

من پھول۔ پنڈت:

وہ حکومت پنجاب میں مترجم کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ انھوں نے مندرجہ ذیل کتابیں لکھی ہیں:

۱۔ ''قانون دیوانی''۔ یہ کتاب لاہور سے کوہ نور پریس سے شائع ہوئی ہے۔ اور *"Rules and orders issued by the Governor-General for the administration of civil justice in the Punjab and Sutlej States"* کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ انتظامی بورڈ (Board of Administration) کے حکم سے کیا گیا۔

اس ترجمہ کا ایک خلاصہ ''اصولی قوانین دیوانی'' کے نام سے لاہور کے ۱۸۵۸ء میں شائع ہوا ہے۔ اس ترجمے کو Robert Montgomery نے مرتب کیا ہے۔ اس کا ایک اور خلاصہ بھی ہے، جس کا عنوان ''قانون جدید دیوان پنجاب'' ہے۔ اس کے علاوہ پنڈت من پھول نے ''دستور العمل قانونِ دیوان پنجاب'' کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ کتاب لاہور سے ۱۸۵۸ء میں ۳۰ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

۲۔ ''دستور العمل تحصیلداراں''۔ یہ انگریزی سے ترجمہ کیا گیا ہے اور لاہور سے چھوٹی تقطیع پر ۱۸۵۲ء میں شائع ہوا ہے۔ یہ کتاب دو حصوں میں ہے۔ ایک حصہ میں ۲۲ صفحات اور دوسرے میں ۳۲ صفحات ہیں۔

۳۔ ''دستور العمل ہدایت روساو جاگیرداران ممالک پنجاب''۔ یہ ترجمہ لاہور سے ۱۸۶۰ء میں چھوٹی تقطیع کے ۱۶ صفحات میں ہے۔

۴۔ ''ہدایت نامہ مجریہ''۔ یہ کتاب لاہور ۱۸۵۹ء میں چھوٹی تقطیع پر ۱۸ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔

منت۔ قمرالدین۔ دہلوی:

ان کا خطاب '' ملک الشعرا'' تھا اور لطف کا بیان ہے کہ ان کی والدہ ایک مشہور صوفی بزرگ سید جلال الدین بخاری کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ پہلے محمد قائم کے شاگرد تھے اور بعد میں خصوصاً فارسی کے لیے جس میں ان کا زیادہ کلام ہے میر شمس الدین فقیر سے مشورہ سخن کرنے لگے تھے۔ فتوت حسین خان سے بھی ان کے ادبی تعلقات تھے۔ لطف کے بقول ان کی پرورش شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے کی اور وہ مشہور بزرگ مولوی فخر الدین کی شاگردی میں رہے، جنھوں نے ان کو علم روحانیت کی طرف توجہ دلائی۔

شعروشاعری کی طرف ان کی توجہ فقیر نے مبذول کرائی اور اس فن میں مشق ومہارت نورالدین نوید نے پیدا کرائی۔ لطف نے لکھا ہے کہ ان کا قلم بہزاد کو شرمندہ کرتا ہے۔ وہ مختلف علوم وفنون اور عربی اور فارسی سے پوری طرح واقف تھے۔ وہ نثر ونظم دونوں لکھتے تھے۔ فارسی میں ان کی کتابیں ہیں اور ہندوستان کے فارسی مصنفوں میں وہ خاص درجہ رکھتے تھے۔ ان کی کتاب ''شکرستان'' سب سے زیادہ مشہور ہے۔ یہ ''گلستان'' کے طرز کی کتاب ہے۔ وہ اردو میں بھی شعر کہتے تھے اور مصحفی، لطف اور بنی نرائن نے ان کا ذکر اردو شاعر کی حیثیت سے کیا ہے۔

۱۱۹۱ھ/ ۸-۱۷۷۷ء میں جب کہ مسلمانانِ ہند کا دارالخلافہ تباہ ہوگیا تو منت لکھنو چلے گئے، جہاں انھوں نے تھوڑے دن قیام کیا۔ ۱۲۰۶ھ/ [۲-۱۷۹۱ء میں کلکتہ چلے گئے اور تین چار مہینے کے بعد ایسے بخار میں مبتلا ہوئے کہ پھر جانبر نہ ہوسکے۔ کلکتہ میں ہی ۱۲۰۷ھ/ [۳-۱۷۹۲ء میں ان کا انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ مصحفی نے ان کے وفات کے متعلق پانچ اشعار کا ایک قطعہ درج کرنے کے علاوہ، ان کے کلام کا ایک نمونہ بھی نقل کیا ہے۔ لطف نے دو صفحے اور قاسم نے ایک طویل مضمون ان کے متعلق لکھا ہے۔ چونکہ منت کی پرورش دہلی میں ہوئی اس لیے ان کو منت دہلوی بھی کہتے ہیں اور ورنہ اصل میں ان کی پیدائش سونی پت میں ہوئی اور ان کا خاندان مشہد سے تعلق رکھتا تھا، وہ بخاری خاندان سے تھے اور شمس الدین آزاد یزدانی کے بیٹے تھے جو فارسی کے ایک ممتاز شاعر تھے۔ دہلی چھوڑ کر وہ لکھنو اور پھر کلکتہ گئے۔

مصحفی کے مطابق وہ سنولی پت اور بنی نراین کے مطابق وہ سونی پت میں پیدا ہوئے۔

شیفتہ کے بقول وہ حیدرآباد بھی گئے، جہاں نظام نے ان کی بڑی قدرومنزلت کی۔ لکھنو واپس آ کر وہ راجہ ٹکٹ رائے کے ملازم ہوگئے۔ یہاں سے کلکتہ گئے اور وہیں انتقال کیا۔

منت گنا بیگم کے استاد تھے جو خود بھی کچھ دنوں منت تخلص کرتی تھیں۔ ''مسرت افزا'' میں گنا بیگم کا بھی یہی تخلص دیا ہوا ہے۔ منت نظام الدین ممنون کے والد ہیں۔

منت نے غالباً فارسی میں خمسہ بھی لکھا ہے اور شیفتہ نے ان کی ایک فارسی مثنوی ''چمنستان''، نقل کی ہے۔ Jones نے، جن کو ہندوستانی سوانح نگار ممتاز الدولہ کہتے ہیں، منت کو منشی کی حیثیت سے لے لیا اور گورنر جنرل Hastings سے ملاقات کرائی۔

شورش نے منت کے نام سے کسی میر شمس الدین کا ذکر کیا ہے جو مہربان خان رند کے دوست اور نواب احمد خان بنگش کے چیلے تھے۔ یہ منت کوئی اور معلوم ہوتے ہیں۔

منتظر۔اسد اللہ:

علی گڑھ کے رہنے والے۔وہ ایک شاعر ہیں جن کا ذکر باطن نے کیا ہے۔شاید یہ وہی شاعر ہیں جن کو مضطر بھی کہتے ہیں۔

منتظر۔امام الدین:

آگرہ کے رہنے والے۔وہ ایک دوسرے ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر سرور اور شیفتہ نے کیا ہے۔

منت۔خواجہ بخش۔الہ آبادی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو ۱۱۹۰ھ/ ۷-۱۷۷۶ء میں پٹنہ آئے تھے اور پھر الہ آباد کو واپس چلے گئے تھے۔وہ بیتاب کے شاگرد تھے اور جن دنوں شورش اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو وہ مرشدآباد میں رہتے تھے۔عشقی کا بیان ہے کہ وہ کسی انگریز کے منشی تھے اور ان کا انتقال اس وقت ہوا جب وہ انگریز کے ساتھ صوبہ شمال مغربی کے دورے پر تھے۔

منتظر۔خواجہ عبداللہ خان:

وہ دہلی کے ایک ہندوستانی شاعر ہیں اور حکیم محمد خان کے بھتیجے تھے۔شورش کا بیان ہے کہ وہ مرگی کے مرض میں فوت ہوئے ہیں۔

منتظر۔میاں نورالاسلام۔لکھنوی:

وہ شاہ فیض علی کے بیٹے تھے جن کو پیر غلام بھی کہتے ہیں۔پیر غلام شاہ، بدرعلی کے بڑے بھائی اور شاہ محمد جلیل کے بیٹے تھے۔محمد جلیل خود فقیر شاہ محمد عقیل کے چھوٹے بھائی تھے جو ہمیشہ سبز لباس میں ملبوس خداتعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے تھے۔منتظر بھی ایک درویش منش تھے اور اپنے زہدوتقویٰ کے لیے مشہور تھے۔مصحفی جوان کے استاد تھے،ان کی ذہنی صلاحیتوں کی بڑی تعریف کرتے تھے۔ان کا بیان ہے کہ انھوں نے عربی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور فارسی نظم اور نثر کی بے شمار کتب کا ترجمہ کیا۔وہ دس یا بارہ سال کی عمر سے شعروسخن میں گہری دلچسپی لینے لگے۔مصحفی کے مطابق محبت وشاعری میں گہرا تعلق ہے اور یہی وجہ ہے کہ منتظر ایک بارہ سال کی حسینہ پر مائل ہوگئے تھے اور اس جوش محبت نے ان کو تقریباً دیوانہ کردیا تھا۔منتظر ابتدا ہی میں مصحفی سے مشورہ سخن کرنے لگے تھے اور دوسرے بلند پایہ اساتذہ کی کوششوں کے باوجود وہ ہمیشہ مصحفی کو اپنا کلام دکھاکرتے تھے۔

ان کا کلام بہت پاکیزہ وشگفتہ ہوتا تھا اور مصحفی ان کو اپنا ایک ممتاز شاگرد سمجھتے تھے۔۴-۱۷۹۳ء میں وہ

۲۵ سال کے تھے۔انھوں نے ایک دیوان تصنیف کیا ہے۔جس سے محسن نے چند غزیں نقل کی ہیں۔سرور کا بیان ہے کہ وہ عربی میں علم البلاغت کے ماہر تھے۔

ممکن ہے کہ یہ وہی منتظر ہوں جن کے اشعار کو مولوی حکیم نور الاسلام خان کے نام سے'' ہیرورانجھا'' میں نقل کیا گیا ہے۔

منتہی۔مرزا احمد مسیتا بیگ۔دہلوی:

وہ مرزا عبدالقادر کے بیٹے اور آتش کے شاگرد تھے۔وہ صاحب دیوان ہیں،جن کے اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔

منشی۔بلگرام صاحب:

وہ ایک ہم عصر شاعر ہیں جن کے چھے اشعار'' سروش سخن''میں شائع ہوئے ہیں۔

منشی۔شیخ غلام علی:

وہ ایک تعلیم یافتہ مسلمان ہیں جو انگریزی حکومت میں ملازم تھے۔سرور نے اپنے تذکرے میں ان کے اشعار کو ۹ صفحوں میں نقل کیا ہے۔

منشی۔عجائب رائے۔مرشد آبادی:

وہ قدرت کے شاگرد تھے۔ایک ہندوستانی شاعر ہیں،جن کا ذکر عشقی اور محسن نے کیا ہے۔

منشی۔غلام احمد قادری:

وہ مرزا مظہر جان جاناں کے شاگرد ہیں۔صوبہ آگرہ ضلع نارنول میں دوری یا داوری گاؤں میں پیدا ہوئے تھے۔ابتدا میں وہ واقف تخلص کرتے تھے اور ہندوستانی و فارسی نظم ونثر میں لکھتے تھے۔

منشی۔مول چند:

اس کتاب کے پہلے اڈیشن میں منشی کا نام غلطی سے موکا مند شائع ہو گیا ہے۔

وہ لکھنو میں پیدا ہوئے اور دہلی میں رہتے تھے۔وہ ذات کے کایستھ تھے اور نصیر سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔منولال نے'' گلدستہ نشاط''میں ان کا ذکر کیا ہے۔

وہ مندرجہ ذیل کتابون کے مصنف ہیں:

۱۔ ایک ریختہ دیوان۔

۲۔ ''قواعد اردو''۔یہ کتاب دہلی سے ۱۸۴۵ء میں شائع ہوئی ہے۔

۳۔ ''شمشیر خانی'' کے نام سے ''شاہ نامہ'' کا ایک مختصر ترجمہ۔ یہ ترجمہ ریختہ میں کیا گیا ہے اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اشعار ''شاہ نامہ'' کے بحر و وزن میں لکھے گئے ہیں۔ یہ کتاب عیسیٰؑ مسیح کی حمد وثنا سے شروع ہوئی ہے۔ اس کے بعد جارج چہارم اور گورنر جنرل کی تعریف کی گئی ہے اور اس یورپی اندازِ تعارف کے بعد، مشرقی دستور کے مطابق خالق باری اور محمدؐ کے شان میں حمد ونعت ہیں اور پھر سلطان دہلی، شاہ ابوالنصر اکبر کے متعلق مدحیہ اشعار کہے گئے ہیں۔ یہ کتاب بھی مؤخر الذکر کے نام معنون کی گئی ہے۔ ان کے بعد ایک باب میں مصنف نے اس کتاب کی وجہ تصنیف بیان کی ہے۔ پھر سلطنت تیمور کے واقعات کے ساتھ ''شاہ نامہ'' کا آغاز ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں "Catalogue" "Long" صفحہ ۹۵ دیکھیے۔

یہ بات بڑی حیرت کی معلوم ہوتی ہے کہ ایک ہندو مصنف نے اس کتاب کو عیسیٰؑ، محمدؐ، شاہ دہلی اور شاہ انگلستان کی حمد وثنا کے بعد شروع کیا ہے، مگر شاید مصنف کا تعلق سادھو اور اس قبیل کے نوزائیدہ ہندو فرقوں سے تھا جو اپنے خیالات ورجحانات کے اعتبار سے کافی وسیع الخیال واقع ہوئے تھے۔

انھوں نے اس باب میں جس کے اندر اس کتاب کی وجہ تالیف بیان کی ہے، لکھا ہے کہ انھیں ایک مجلس میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا تھا جہاں شعر وادب کے متعلق تبادلۂ خیال ہو رہا تھا اور اسی سلسلے میں ''شاہ نامہ'' کا بھی ذکر آ گیا۔ جس کے متعلق حاضرین کا خیال تھا کہ یہ ایک معرکۃ الآرا کتاب ہے۔ اس ضمن میں اس بات پر تاسف کا اظہار کیا جا رہا تھا کہ یہ کتاب عام لوگوں کے دسترس سے باہر ہے۔ اس کے باوجود وہ اس بات سے کسی قدر خوش تھے کہ توکل نے ''شمشیر خانی'' کے نام سے اس کتاب میں مختصر ترجمہ کیا ہے اور اس میں ''شاہ نامہ'' کے اہم واقعات کو بیان کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔ اس موقع پر منشی کے بھائی زور آور نے جو ایک تعلیم یافتہ مہذب شخص تھے، منشی کو مشورہ دیا کہ وہ خود ''شمشیر خانی'' کا اردو نظم میں ترجمہ کریں اور منشی نے اس مشورہ پر عمل کرتے ہوئے شب وروز اس کام کو جاری رکھا اور جیسا کہ بیان کیا گیا ہے توکل نے ''شمشیر خانی'' کے نام سے ''شاہ نامہ'' کا ایک مختصر ترجمہ کیا تھا اور اس لیے اس کے واقعات کچھ ادھورے اور غیر مربوط ہو گئے تھے۔ ان نقائص کو مدنظر رکھ کر منشی نے اکثر مقامات پر ''شاہ نامہ'' سے براہ راست ترجمہ کیا ہے۔ یہ کتاب دہلی میں لکھی گئی ہے اور جب شائع ہوئی ہے تو لوگوں نے اس کا گرم جوشی سے استقبال کیا ہے۔ یہ کتاب صفر ۱۲۵۶ء (بیساکھ سمت ۱۷۸۴ء، مئی ۱۸۴۰ء) میں ابوظفر سراج الدین محمد سلطان دہلی کے دور میں مکمل ہوئی ہے۔ ابوظفر شاہ ابونصیر کے بیٹے اور جانشین تھے۔

اس کتاب کو غلام حیدر نے، جو ہگلی کے رہنے والے تھے، کلکتہ سے ۱۸۶۴ء میں ''قصہ خسروانِ عجم'' کے نام سے شائع کیا ہے۔ یہ نام دراصل فارسی زبان کے ''شاہ نامہ'' کا مکمل ترجمہ ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اسی اڈیشن سے پہلے دہلی میں ''شمشیر خانی'' کے نام سے اس کتاب کا ایک اور نسخہ تھا۔ یہ نسخہ ایسٹ انڈیا آفس کی کتابوں کی فہرست میں ہے۔ یہ کتاب ۵۹۴ صفحات میں ہے اور اس کے دیگر اڈیشن دہلی اور کان پور سے ۱۲۲۸ھ/۲-۱۸۵۱ء میں شائع ہوئے ہیں۔ ان میں ۱۷۸ صفحات ہیں اور ہر صفحہ میں چار کالم ہیں۔ حال ہی میں ایک اور اڈیشن لکھنو سے نکلا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جس کا ایک نسخہ ''شاہ نامہ'' کے نام سے ایسٹ انڈیا آفس کے کتب خانے میں ہے۔ امام بخش نے منشی کے ''شاہ نامہ'' کے ۱۲ صفحات کو اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے اور ان کا بیان ہے کہ جن دنوں وہ اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو منشی کا انتقال ہو چکا تھا۔ سرور اور شیفتہ نے بھی ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔

منشی۔ میر محمد حسین۔ دہلوی:

وہ سید تھے اور آٹھویں امام رضا کے خاندان سے تھے۔ بنی نرائن کے مطابق ان کے والد کا نام میر ابوالخیر تھا لیکن مصحفی میر ابوالحسن بتاتے ہیں۔ منشی، میر کلان کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ شیفتہ کے مطابق میر کلان منشی کے والد کا نام تھا۔ پیشہ کے طور پر خوش نویسی کے استاد سمجھے جاتے تھے۔ ان کے آباؤ اجداد ایران سے آئے تھے لیکن دو یا تین پشت سے ان کا خاندان شاہ جہاں آباد میں رہتا تھا۔ منشی نستعلیق میں بڑی مہارت رکھتے تھے اور انشا پردازی میں بھی کمال حاصل تھا۔ انھوں نے بے شمار فارسی اساتذہ کی تصنیفات کا مطالعہ کیا تھا اور وہ عربی زبان سے بھی واقف تھے۔ جن دنوں مصحفی اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو وہ لکھنو میں رہتے تھے اور شاہ زادہ سلیمان شکوہ کے منشی یا معتمد کی حیثیت سے ان کے خطوط کو کمال خوش اسلوبی سے لکھا کرتے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ انھوں نے منشی کا تخلص اختیار کر لیا تھا۔ اکثر جب وہ سلیمان شکوہ کے اشعار کو نقل کرتے تو ساتھ ہی ساتھ اس پر اصلاح بھی کرتے جاتے تھے۔ بعض اوقات وہ ہندوستانی اشعار موزوں کیا کرتے تھے۔ ۴-۱۷۹۳ء میں ان کی عمر تقریباً ۲۸ سال تھی۔ مصحفی سے مذکورہ بالا معلومات حاصل ہوئیں اور انھوں نے منشی کے اشعار کو اپنے تذکرے میں ایک صفحے سے زیادہ میں نقل کیا ہے۔ بنی نرائن نے ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ منشی ''گلدستہ عشق'' کے مصنف نہیں ہیں۔ اس کتاب کا ایک نسخہ کلکتہ کے ایشیاٹک سوسائٹی میں موجود ہے۔ یہ مثنوی دکنی زبان میں لکھی گئی ہے جس میں نواب چاند کی داستان محبت کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۱۱۲۲ھ/۱۱-۱۷۱۰ء میں لکھی گئی ہے اور سعادت خان

کومعنون کی گئی ہے۔ ایشیاٹک سوسائٹی میں ان کا جو نسخہ ہے اس کا شمارہ ۱۰۲ ہے۔اس میں ۳۰۰ صفحات ہیں اور ہر صفحے پر ۱۵ اشعر درج ہیں۔

منصب۔شیخ غلام قطب الدین:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر ابوالحسن نے ''مسرت افزا'' میں کیا ہے۔

منصف۔شیخ فتح علی۔غازی پوری:

معشوق علی کے والد تھے۔وہ نواب علی جاہ کے عہد میں ماہرین تعمیرات کے صدر تھے۔لیکن اس کے باوجود وہ شعروسخن سے دلچسپی رکھتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ شورش انھیں ہندوستانی شعرامیں شمار کرتے ہیں۔انھوں نے اس کے متعلق اپنے تذکرے میں ایک مضمون بھی درج کیا ہے۔

منصف علی خان:

ان کے آباؤاجداد افغان تھے لیکن وہ خود پٹنہ کے رہنے والے تھے۔بعد میں وہ دلی چلے گئے جہاں شیفتہ کے ''گلشن بے خار'' کی تصنیف سے چھ سال پہلے ان کا انتقال ہوگیا تھا۔ وہ نظام الدین معجز کے شاگرد تھے۔وہ بچوں کو پڑھایا کرتے تھے اورعربی میں علم بلاغت کے ماہر ہونے کے علاوہ انھیں فارسی اساتذہ کی تصنیفات کو پڑھنے کا عمدہ طریقہ معلوم تھا۔وہ اپنی بذلہ سنجی کے لیے بھی مشہور ہیں۔شیفتہ ان سے واقف تھے لیکن وہ ان کو عمدہ شاعر تصور نہیں کرتے ہیں۔

منصور۔علی سبزواری سید:

وہ ''قصہ سیف الملک'' کے مصنف ہیں۔یہ کتاب ہندوستانی نثر میں لکھی گئی ہے اور ''بحرعشق'' کے نام سے بھی مشہور ہے۔بیان کیا جاتا ہے کہ یہ کسی فارسی کتاب کا ترجمہ ہے۔سیف الملوک حضرت سلیمانؑ کے دور میں مصر کا ایک شہزادہ تھے،یہ سیف الملوک اور بدیع الجمال کی محبت کی ایک داستان ہے۔بدیع الجمال، جنوں کے بادشاہ کی بیٹی تھی۔اس کتاب کا ایک نسخہ بنگال کے ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں ہے۔میرے پاس اسی نام کا ایک قلمی نسخہ ہے جو نثر میں بھی لکھا گیا ہے لیکن اس کے مصنف کا نام مولوی محمد اکرم ہے۔

الف لیلہ میں اس موضوع پر ایک کہانی بھی ہے۔

منظر۔خواجہ بخش۔الہ آبادی:

انھیں ہندوستانی شعرا میں شمار کیا گیا ہے۔لیکن تذکرہ نگاروں نے صرف اس قدر لکھا ہے کہ انھوں نے الہ آباد سے منتقل ہو کر ۱۱۹۰ھ/۷۷-۱۷۷۶ء میں عظیم آباد پٹنہ میں سکونت اختیار کر لی تھی اور پھر وہاں سے الہ آباد

واپس آ گئے تھے۔ وہ شاعرانہ صلاحیتوں کے مالک تھے اور بہت ہی خوش خلق اور نرم دل واقع ہوئے تھے۔

منظور احمد:

وہ ''تحفہ درود'' کے مصنف ہیں، یہ کتاب لکھنو سے ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء میں چھوٹی تقطیع میں ۵۶ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

منظور۔ باہو خان۔ دستار بند۔ کان پوری:

وہ شاکر خان کے بیٹے اور مولوی فرد کے شاگرد تھے۔ وہ ایک فوجی دستہ کے صوبیدار تھے اور شاعری بھی کرتے تھے۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

منظور۔ غلام محمد علی:

وہ سورت کے اخبار ''منظور الاخبار'' کے مدیر ہیں۔ یہ اخبار ۱۸۶۰ء کے اوائل سے قادری پریس سے نکلتا ہے۔ غالباً اس اخبار کا نام تبدیل ہو گیا تھا اور بعد میں یہ ''نجم الاخبار'' کے نام سے ۱۸۶۰ء سے لے کر ۱۸۶۳ء تک ہر ہفتہ شائع ہوا کرتا تھا۔ *A Catalogue of native publications of the Bombay Presidency.*، صفحہ ۱۵۲ اور ۲۲۴

منعم۔ سید راحت علی۔ فرخ آبادی:

وہ ایک دوسرے ہندوستانی شاعر ہیں، جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔

منعم۔ قاضی نور الحق:

وہ بریلی میں منصف کے عہدے پر فائز ہیں اور ایک بلند مرتبت قانون دان بھی ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے فارسی میں جو مسلمانوں کو ادبی زبان تھی، ۳ لاکھ اشعار کہے ہیں۔ ان میں قصیدے، مثنویاں اور ۳ دیوان ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے قرآن کی ایک منظوم تفسیر لکھی ہے۔ انھوں نے زیادہ تر فارسی زبان میں اشعار کہے ہیں کیونکہ وہ اس زبان کے ماہر تھے۔ لیکن سرور انھیں ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے اور ان کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔

منعم۔ محمد خان:

وہ سہارن پور کے قریب تھانہ کے رہنے والے تھے۔ وہ صاحب علم ہونے کے علاوہ ایک زندہ دل مسلمان تھے اور قرب و جوار میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ انھوں نے دو دیوان تصنیف کیے ہیں، ایک فارسی میں ہے اور دوسرا ہندوستانی میں۔ سرور کے تذکرے کی تصنیف سے کچھ پہلے ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

منعم۔ مولوی سطر اللہ:

وہ رنگین اور مظہر کے شاگرد تھے۔ انھیں ایک رقاصہ سے محبت ہوگئی تھی، جس کا نام سبحانی تھا۔ چنانچہ انھوں نے اس رقاصہ کو اپنے دیوان میں زندہ جاوید کرنے کی کوشش کی ہے۔ قاسم کہتے ہیں کہ جب اس رقاصہ کا انتقال ہوگیا تو منعم اپنے اشعار کو پڑھ کر روتے تھے۔

منعم۔ موہن لال:

وہ ایک دوسرے شاعر ہیں جو محمد نصیر الدین نصیر کے شاگرد ہیں اور ان کا ذکر بھی سرور نے کیا ہے۔

منعم:

یہ مصنف قائم کے بھائی ہیں اور ہندوستانی شاعر کی حیثیت سے ہندوستان میں کافی شہرت رکھتے ہیں۔

منور۔ میر منور علی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں، جن کا ذکر سرور نے کیا ہے، لیکن یہ اسی تخلص کے ایک دوسرے شاعر سے مختلف ہیں۔ مؤخر الذکر کے متعلق سرور نے صرف اس قدر بتایا ہے کہ وہ ایک قدیم شاعر ہیں لیکن وہ ان کا نام اور لقب نہیں بتاتے۔ ممکن ہے قدیم شاعر سے سرور کی مراد یہ ہو کہ انھوں نے قدیم طرز بیان میں شاعری کی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ایک پرانے شاعر تھے۔

منوہر۔ منشی اسد اللہ:

انھیں علی خان بھی کہتے ہیں۔ وہ ضلع ہوگلی میں رہتے ہیں۔ ان کے استاد ناسخ نے اپنے ''دفتر بے مثال'' میں ان کی چند تاریخیں نقل کی ہے۔ ایک تاریخ دفتر بے مثال پر ہے اور دو ناسخ کے دیوان پر ہیں۔

منیر۔ خواجہ آفتاب خان۔ دہلوی:

سرور کا بیان ہے کہ وہ اردو کے ایک شاعر ہیں اور سعادت یار خان رنگین کے شاگرد ہیں۔ شاید یہ وہی میر آفتاب علی منیر ہیں جن کا ذکر قاسم نے کیا ہے۔ قاسم کا بیان ہے کہ وہ شاہ ظہور الدین حاتم کے شاگرد تھے اور انھوں نے ان کے تقریباً ۳۰ اشعار نقل کیے ہیں۔ بہرحال عشق اور ذکا کہتے ہیں کہ وہ بہت غریب تھے لیکن ایک اچھے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

منیر۔ سید اور میر اسماعیل حسین:

ان کا آبائی وطن شکوہ آباد تھا لیکن لکھنو میں پیدا ہوئے اور کان پور اور آگرہ میں رہتے تھے۔ وہ منشی میر اور سید احمد حسین شکر کے بیٹے اور میر علی اوسط رشک کے ممتاز شاگرد تھے۔ جن دنوں باطن اپنا تذکرہ لکھ رہے

تھے، وہ چھ سال سے نواب نظام الدولہ کے دربار لکھنو سے منسلک تھے۔ کان پور میں وہ نواب فرخ آباد اور باندہ کے مصاحب تھے۔ محسن کہتے ہیں کہ انھوں نے دو دیوان قصیدے اور چند دوسرے اشعار کہے ہیں۔ ان کی ایک بہت بلند پایہ نظم ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے عشق ومحبت کے موضوع پر ایک دوسری نظم لکھی ہے۔

انھوں نے ایک رسالہ بھی تصنیف کیا ہے، جس کا نام ''سراج منیر'' ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس رسالے کا کیا موضوع ہے۔ وہ بہت اچھے قصہ گو تھے اور نظم ونثر کے تمام طرز بیان سے بخوبی واقف تھے۔ محسن نے ان کی متعدد غزلیں نقل کی ہیں اور ان میں چند بہت ہی طویل ہیں۔

منیر۔ سید منیر الدین:

وہ جلیسر کے ایک پیرزادے اور ہندوستانی شاعر ہیں، جن کا ذکر باطن نے کیا ہے۔

منیر۔ میر نظام الدین:

وہ شیر شاہ علی کے بیٹے ہیں۔ قاسم انھیں ہندوستانی شاعروں میں شمار کرتے ہیں۔ جن دنوں عشقی اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے وہ ابھی کم سن تھے۔

منیر۔ وجہ یا وجیہ الدین:

وہ شاہ محمد نصیر کے بیٹے اور شاگرد تھے۔ وہ ابھی جوان ہی تھے کہ ان کا انتقال ۱۸۲۹ء میں ہوگیا۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر شیفتہ اور کریم نے کیا ہے۔ دوسرے اصناف شاعری کے علاوہ انھوں نے ایک قصیدہ ''سراپا'' کے نام سے لکھا ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں متعدد مطلع ہیں اور ہر مطلع کے تحت ۵۱/اشعار ہیں۔

موتی:

وہ ایک جوش مزاج طوائف تھیں جو بہت پسند کی جاتی تھیں اور عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ وہ دلی میں پیدا ہوئیں مشہور ہندوستانی شاعر مرزا ابراہیم بیگ مقبول کو ان سے محبت تھی۔ ان کا دیوان ۱۷۸۲ء میں مرتب ہوا ہے۔ اس میں موتی کی ردیف میں ایک غزل موجود ہے۔ مقبول عمر بھر اس طوائف کے شیدائی رہے۔ مصحفی کے تذکرہ لکھنے سے چند سال پہلے موتی دلی سے لکھنو چلی گئی تھیں۔ جہاں مقبول کے مکان پر مصحفی کی ان سے ملاقات ہوئی۔ موتی نے اردو میں اچھے اشعار کہے ہیں۔

موتی لال۔ پنڈت:

وہ کشمیر یا ہاپوڑ کے کایستھ ہیں اور دلی کالج کے ممتاز طالب علم تھے۔ ۱۸۴۷ء میں جب ان کی

عمر صرف ۱۹ سال تھی، انھوں نے غلام علی آزاد کے فارسی تذکرہ الشعرا کو ''سروِ آزاد'' کے نام سے اردو میں ترجمہ کرلیا تھا۔

اس کے علاوہ انہوں نے حسب ذیل کتابیں لکھی ہیں:

۱۔ ''انگریزی قواعد اردو میں''۔ *English Grammar in Urdu*, Translated by Pandit Motilal یہ قواعد دہلی کی School Book Society نے شائع کی ہے۔

۲۔ ''حیات سیسران'' (Ciceron) یہ کتاب Plutarque کی کتاب کے انگریزی ترجمے کی مدد سے ترجمہ کی گئی ہے۔ اس کے متعلق Sir W.Muir نے *"Selections from the records of Goverment"* میں بڑی عمدہ رپورٹ دی ہے۔ (آگرہ ۱۸۵۵ء۔ صفحہ ۴۲۹)

۳۔ ''سعدی کی گلستان کا اردو ترجمہ''۔ یہ کتاب دہلی سے ۱۸۸۴ء میں چھوٹی تقطیع میں شائع ہوئی۔

۴۔ ''افغانستان کی تاریخ''۔ جو اشرف علی نے شائع کی ہے۔

۵۔ ''پندنامہ کاشتکاران''۔ یہ کتاب سید روشن علی کی مدد سے لکھی گئی ہے۔ اور اس کا فارسی ترجمہ جواہر لال نے کیا ہے۔ اردو کتاب آگرہ میں چھوٹی تقطیع پر ۲۴ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔

۶۔ ''دستور العمل جیل خانہ جات''۔ یہ کتاب لاہور سے ۱۸۵۸ء میں چھوٹی تقطیع میں ۷۶ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

۷۔ ''ہدایت نامہ جاگیردار مجسٹریٹان''۔ جو Cust کی کتاب کا ترجمہ ہے۔ یہ کتاب لاہور سے ۱۸۶۲ء میں چھوٹی تقطیع میں ۶۱ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

وہ دہلی کے ہفتہ وار اردو اخبار ''قرآن السعدین'' کے مدیر (اےضمیر [دھرم نرائن] کریم بخش، اصغر علی ولد اکبر علی پر مضامین دیکھیے) تھے۔ اس اخبار کو ۱۸۴۵ء میں اسپرنگر نے جاری کیا ہے۔ یہ یورپین باتصویر اخبار کے طرز پر ایک باتصویر اردو اخبار ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ اپنی نوعیت کا پہلا اخبار ہے اور اس کے بعد اس انداز پر کئی اور اخبار جاری ہوئے ہیں۔

موتی لال نے ۱۸۶۷ء میں ''تتمہ پنجاب گزٹ'' اور ۶۲-۱۸۶۱ء کی رپورٹ ''مجموعہ انتظام ممالک پنجاب'' کو اردو میں شائع کیا ہے۔ یہ ۱۸۶۲ء میں لکھنو سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں چھوٹی تقطیع کے ۱۸۲ صفحے ہیں۔

۱۸۴۴ء سے وہ مولوی محمد باقر کے ساتھ ''اردو اخبار دہلی'' کے ڈائریکٹر تھے۔ ۱۸۶۲ء میں وہ گورنمنٹ آف پنجاب میں مترجم تھے۔

موج۔ خدا بخش:

وہ آگرہ کے رہنے والے تھے لیکن دہلی میں کافی عرصہ تک مقیم تھے۔ وہ اپنی ملازمت سے علیحدہ ہونے کے بعد لکھنو میں قیام کرنے لگے تھے اور وہیں ۲-۱۸۴۱ء کے قریب، شیفتہ کے تذکرہ کی تصنیف سے پہلے، ان کا انتقال ہوا ہے۔ ان کو اردو کے ممتاز شعرا میں شمار کیا جاتا ہے۔ وہ شیخ محمدی بیدار کے شاگرد تھے۔ موج نے زیادہ سلام اور مرثیے لکھے ہیں جو عوام میں بے حد مقبول ہیں۔ ان کے علاوہ انھوں نے ہندی زبان میں ٹھمری، ٹپہ اور ہندی شاعری کے دوسرے مختلف اصناف میں اشعار موزوں کیے ہیں، جن کو لوگ گایا کرتے تھے۔ سرور کا بیان ہے کہ وہ فن موسیقی کے ماہر تھے۔

موج۔ میر کاظم حسین۔ مرحوم۔ لکھنوی:

وہ میر حسین علی کے بیٹے اور میر علی اوسط کے شاگرد تھے۔ وہ ایک ہم عصر ہندوستانی شاعر ہیں جن کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔

موجی۔ موجی رام۔ لکھنوی:

وہ دیوان چتر پت کے بیٹے اور بہاالدولہ امیر الملک نواب حسین علی خان بہادر (نواب سعادت علی خان بہادر کے بیٹے) کے گہرے دوست تھے۔ مصحفی ان کے استاد تھے۔ وہ صاحب دیوان ہیں، جن کے اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔

موزوں۔ رائے چتر سنگھ۔ دہلوی:

وہ کایستھ خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور یعقوب خان کے ایک اہم عہدے دار تھے۔ ان کے دادا کا نام منشی مادھورام تھا جن کی انشا تقریباً ہر ہندوستانی بچے کے ہاتھ میں ملے گی۔ انھوں نے ہندوستانی زبان میں کافی اچھے شعر کہے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ بھاشا میں بھی شاعری کرتے تھے۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کے بقول وہ اسی تخلص کے دو دیگر شعرا سے مختلف ہیں۔

موزوں۔ لالہ نہال چند:

وہ رام رتن کے منشی یا سکرٹری تھے۔ شاید یہ وہی شخص ہیں جو نہال چند بھی کہلاتے ہیں۔

موزوں۔ قادر بخش:

وہ دہلی کے شاہزادہ ہیں جو عبدالرحمٰن سے اردو شاعری میں مشورہ سخن کرتے تھے۔ وہ بہت ہی دراز قد ہیں اور گھونگر دار بال رکھتے ہیں۔ کریم کا بیان ہے کہ وہ موزوں سے اکثر بازار اور سڑکوں پر ملا کرتے تھے۔

انھوں نے ان کی ایک غزل بھی نقل کی ہے، جسے موزوں نے ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء میں ایک مشاعرے کے موقعے پر پڑھی تھی۔ غالباً وہ "دیوان موزوں" کے مصنف بھی ہیں، جس کا ایک نسخہ توپ خانہ لکھنو کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ اس دیوان میں غزلیں اور رباعیاں شامل ہیں۔ (اسپرنگر *A Catalogue*، صفحہ ۲-۲۰۱

موزوں۔ مہاراجہ رام نرائن۔ عظیم آبادی:

وہ شیخ محمد علی حزیں کے شاگرد تھے، اور پٹنہ کے صوبہ دار تھے۔ انھوں نے نثر و نظم دونوں اصناف میں فارسی اور ہندوستانی زبان میں تصنیفات کی ہیں۔ لیکن وہ نثر نگار کی حیثیت سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ وہ نواب میر محمد قاسم خان کے حکم پر دریائے گنگا میں نہ معلوم جرم کی سزا میں غرق کر کے ہلاک کر دیے گئے تھے۔

موزوں۔ میر رحم علی دہلوی:

یہ شاعر فارسی اور عربی کے ماہر تھے۔ گردیزی ان کے دوست تھے۔ وہ ۱۲۶۵ھ/۲-۱۸۵۱ء میں زندہ تھے۔

موزوں۔ میر فرزند علی:

وہ تسمانہ یا سمینہ میں پیدا ہوئے لیکن دہلی میں رہتے تھے۔ ان کے استاد شمس الدین فقیر تھے۔ مصحفی کا بیان ہے کہ موزوں کو اس بات کا دعویٰ تھا کہ وہ ہندوستان کے ممتاز ترین شاعر ہیں لیکن حقیقت میں وہ تعلّی پسند بسیار گو تھے۔ موزوں نے ہندوستانی کے علاوہ فارسی زبان میں اشعار کہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ مصحفی نے موزوں کے متعلق بہت زیادہ سخت گیری سے کام لیا ہے کیونکہ سرور کا بیان ہے کہ موزوں بہت اچھی تاریخ لکھتے ہیں۔

شیفتہ نے ان کے متعلق جن تحسین آمیز کلمات کا اظہار کیا ہے، اس سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ شیفتہ کا بیان ہے کہ موزوں ان کے دور میں لکھنو میں فوت ہوئے تھے اور شاگردوں کی ایک بڑی جماعت رکھتے تھے۔ وہ ۱۲۲۹ھ /۴-۱۸۱۳ء میں لکھنو میں فوت ہوئے ہیں۔ سرور نے، جو بعض اوقات موزوں سے مشورہ سخن کیا کرتے تھے، ان کے کلام کو اپنے تذکرے میں ۶ صفحات پر نقل کیا ہے، محسن نے بھی ان کی چند غزلوں کو اپنے تذکرے میں جگہ دی ہے۔ مجھے اس بات کا علم نہیں ہے کہ یہ میر رحم علی موزوں ہیں جن کا ذکر گردیزی نے کیا ہے۔ گردیزی کے مطابق وہ عربی اور فارسی کی اچھی استعداد رکھتے تھے۔

موزوں۔ نواب خواجہ قلی خان۔ ذوالفقار الدولہ:

وہ دکن کے ایک مشہور شاعر ہیں۔ شورش کے بقول وہ صوبہ دار برہان پور کے ہفت ہزاری تھے۔ لیکن ذکا کہتے ہیں کہ وہ اس صوبہ دار کے بھائی تھے۔ سرور انھیں رحیم قلی خان کہتے ہیں۔ قاسم نے ایک دوسرے

شاعر کا ذکر کیا ہے جو یہی تخلص کرتے تھے۔ وہ ایک تاجر کے بیٹے تھے۔ انھوں نے مرہٹہ رئیس، ساجی سندھیا کے شان میں ایک قصیدہ لکھا ہے۔

موزوں۔ میر نواب۔ لکھنوی:

وہ میر بندہ علی کے بیٹے اور منشی مظفر علی اسیر کے شاگرد تھے۔ وہ صاحب دیوان ہیں، جن کی چھے غزلیں محسن نے نقل کی ہیں۔

موسوی۔ میر معز الدین محمد:

وہ معز اور فطرت تخلص کرتے تھے اور موسیٰ خان کے نام سے بھی مشہور تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر تھے جو عام طور پر فارسی میں شعر کہتے تھے۔ اپنے کچھ اشعار میں انھوں نے معیاری اور عوامی زبان دونوں استعمال کی ہے اور اس طرح انھوں نے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کے ساتھ پوری قوم کو محظوظ ہونے کا موقع دیا ہے۔ یہ تفصیل میں نے میر تقی کے یہاں سے لی ہے۔ جنھوں نے مزید تفصیل کے لیے سراج الدین علی خان آرزو پر مضمون دیکھنے کی سفارش کی ہے۔ میر نے موسوی کا صرف ایک اردو شعر نقل کیا ہے۔

از زلف سیاہ تو بدل دھوم پڑی ہے
درخانہ آئنہ گھٹا جھوم پڑی ہے

موسوی نے ''گلشن فطرت'' نامی ایک کتاب لکھی ہے جو کہ غالباً فارسی تذکرہ ہے۔ کیونکہ سرخوش نے اپنے تذکرہ ''کلمات الشعرا'' کی ترتیب میں اس سے مدد لی ہے۔

مومن۔ حکیم محمد مومن خان۔ دہلوی:

وہ ایک مشہور و معروف مصنف ہیں اور بعض لوگ ان کو بہترین ہم عصر ہندوستانی شاعروں میں شمار کرتے ہیں۔ وہ چند ممتاز شعرا کے استاد بھی تھے، جن کا میں نے اس کتاب میں ذکر کیا ہے۔ ان شعرا میں میر حسین تسکین اور شیفتہ کا نام خاص طور سے لیا جا سکتا ہے۔ کچھ یہی وجہ ہے کہ شیفتہ نے اپنے تذکرے میں مومن کے دل و دماغ کی تعریف میں چند صفحات صرف کر دیے ہیں۔ ان صفحات میں مشرقی طرز بیان کے مطابق شیفتہ نے بہت ہی مبالغہ آمیز الفاظ میں مومن کا ذکر کیا ہے۔ کریم نے بھی مومن کے متعلق اسی قدر رشد و مد سے کام لیا ہے لیکن میں ان کے نقش قدم پر چلنا پسند نہیں کرتا۔ میں نے بار بار ہندوستانی شعرا کی تشبیہات کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ یہ شاید ضرورت سے زیادہ ہے۔ مومن کے کلام کی تعداد کافی بڑی ہے۔ انھوں نے ۶ طویل مثنویاں لکھی ہیں اور محسن نے مندرجہ ذیل مثنویوں کا ذکر کیا ہے:

۱۔ قصہ غم۔
۲۔ شکایت ستم، قول غمین ۔ یہ صاحب کے کلام ''قوم غمیں'' کے بارے میں ہے۔
۳۔ تف آتشیں۔
۴۔ ایک ضخیم ریختہ دیوان، جس کو شیفتہ نے مرتب کیا ہے۔ شیفتہ نے اس دیوان سے تقریباً ۲۰ صفحات کو اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے۔ کریم الدین نے اپنے تذکرے میں چند غزلیں نقل کی ہیں اور ''خط تقدیر'' میں بھی ان کی چند غزلیں درج ہیں۔ اس کے علاوہ جدید کتابوں میں مومن کے اشعار پائے جاتے ہیں مثلاً: ''سسی وپنوں'' میں ۔ ان کے دیوان کا نام ''دیوان بےنظیر'' ہے۔ اس نام سے دیوان کی تاریخ تالیف نکلتی ہے۔ ۱۲۴۳ھ/۲۸-۱۸۲۷ء ۔ یہ کتاب دلی سے ۱۸۴۶ء میں چھوٹی تقطیع پر ۲۲۹ صفحات پر شائع ہوئی ہے، اس کے ہر صفحے میں ۲۱ سطریں ہیں۔ ایک دوسرا اڈیشن کان پور سے ۴۵۸ صفحات میں شائع ہوا ہے۔ مومن کے دوست کریم نے بھی ایک اڈیشن ۱۸۴۶ء میں شائع کیا ہے۔ مومن کے مکمل کلام کا مجموعہ ''کلیات منظومہ'' کے نام سے کان پور سے ۱۸۶۹ء میں ۴۷۸ صفحات میں شائع ہوا ہے۔
مومن فارسی وعربی میں کمال دسترس رکھنے کے علاوہ علم طب، علم نجوم، جوتش اورفن شاعری کے بھی ماہر تھے۔ وہ شاہ نصیر کے شاگرد تھے لیکن انھوں نے فن شاعری میں ان کو اوراپنے دوسرے ہم عصر شعرا کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ وہ ۱۸۴۹ء میں تقریباً ۴۰ سال کے تھے۔ ابتدا میں انھوں نے بہت ہی آزاد زندگی بسر کی تھی لیکن بعد میں اپنی زندگی کی روش کو بدل لیا تھا اور روزہ ونماز کے پابند ہو گئے تھے۔ ان کا انتقال ۱۸۵۲ء میں ہوا ہے۔ وہ مشرقی لوگوں کے دستور کے مطابق بالائی منزل پر سونے کے لیے جارہے تھے کہ چھت سے گر کر ہلاک ہو گئے۔

مونس ۔ حکیم سعادت علی:

بنارس کے ایک سید اور رئیس تھے۔ وہ صاحب دل ودماغ تھے اور انھوں نے ابتدائی عمر میں اردو میں کافی اشعار کہے ہیں لیکن بعد میں وہ کبھی کبھی اشعار کہتے تھے۔ وہ شیفتہ کے دوست تھے، جس سے بلند شہر میں پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی تھی۔ شیفتہ نے اپنے ''گلشن بے خار'' میں یہ تفصیلات بتائی ہیں۔

مونس ۔ میر نواب:

وہ میر مستحسن خلیق کے بیٹے اور شاگرد تھے۔ ان کے دادا ''بدر منیر'' کے مصنف (جو ''سحر البیان'' کے نام سے زیادہ مشہور ہے) مشہور میر حسن تھے۔ ان کے آباواجداد دہلی سے فیض آباد چلے گئے لیکن منیر نواب لکھنو

میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ زیادہ تر مرثیے کہتے تھے۔ محسن نے اپنے تذکرے میں مونس کے دیوان سے چند غزلیں بھی نقل کی ہیں۔

مہاراج۔ راجہ بلس رائے۔ بریلوی:

وہ کایستھ ذات سے تعلق رکھتے تھے اور حافظ الملک حافظ رحمت خان کے وزیر تھے، انھوں نے ایک ریختہ دیوان لکھا ہے جس کا ذکر سرور نے کیا ہے۔

مہجور۔ حکیم اور شیخ محمد بخش:

ان کا آبائی وطن فتح پور تھا لیکن وہ لکھنو میں پیدا ہوئے اور وہیں قیام بھی کرتے تھے۔ ان کے والد کا نام حکیم خیر اللہ تھا۔ وہ صاحب دیوان ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے ایک مثنوی بھی لکھی جس کا نام ''موسیٰ باغ'' ہے۔ انھوں نے فلسفہ کے موضوع پر ایک دوسری کتاب لکھی ہے، جس کو ''چار چمن'' کہتے ہیں۔ ۱۲۴۰ھ/ ۲۵-۱۸۲۴ء میں وہ کعبہ شریف لے گئے تھے۔ وہاں سے وہ مدینہ آئے، جہاں ان کا انتقال ہوگیا۔ محسن نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

مہجور۔ مولوی صدرالدین:

ان کے آباواجداد کشمیر کے رہنے والے تھے لیکن مہجور کی پیدائش دلی میں ہوئی تھی۔ وہ ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جہاں علم وتہذیب پشت در پشت ورثے میں آئی تھے۔ وہ میر نظام الدین ممنون کے شاگرد تھے۔ ان تفصیلات کا علم قاسم کے ذریعے ہوا ہے۔

مہجور۔ نواب اقبال الدولہ، عنایت حسین خان بہادر:

بنارس کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد نواب نصیرالدولہ نصیرالدین علی خان بہادر صمصام جنگ نصیر اور ان کے دادا نواب امین الدولہ عزیز الملک علی ابراہیم خان بہادر نصیر جنگ خلیل تھے۔ انھوں نے ایک دیوان یادگار چھوڑا ہے، جس کے چند دیوان محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

مہدی امیر:

ابوالحسن نے اپنے ''مسرت افزا'' میں ان کا ذکر کیا ہے۔

مہدی حسین خان۔ منشی محمد:

وہ ابتدا میں ملتان کے اردو اخبار ''ریاض النور'' کے مدیر تھے لیکن شومئی قسمت سے انھوں نے ملتان کے کسی تحصیل دار کے متعلق ایک مضمون شائع کیا تھا جس کی وجہ سے جیل کی سزا بھگتنا پڑی۔ رہائی کے بعد

انھوں نے ملتان کو چھوڑ دیا اور لکھنو چلے آئے، آج کل وہ ''اودھ اخبار'' کے مدیر ہیں۔اس اخبار کے مالک نول کشور ہیں۔

مہدی۔علی خان:

وہ ''جہان آباد'' کے مصنف ہیں جو اردو میں ہے اور ۱۸۶۴ء میں میرٹھ سے شائع ہوئی ہے۔

مہدی علی خان بہادر۔مرزا۔لکھنوی:

وہ مقبول الدولہ بھی کہلاتے ہیں، سابق نواب اودھ واجد علی کے دوست ہیں۔انھوں نے ''شمشیر خانی'' کا ہندوستانی میں ترجمہ کیا ہے جو ۱۲۷۶ھ/۶۰-۱۸۵۹ء میں شائع ہوا ہے۔اسی سال ان کا انتقال ہوگیا۔ نساخ نے ان کی وفات پر ایک تاریخ لکھی ہے۔

مہدی۔نواب جلال الدولہ۔مہدی علی خان بہادر شجاع جنگ:

وہ نواب اودھ (۱۸۱۴ھ-۱۷۹۸ء) یقین الدولہ سعادت علی خان بہادر کے بیٹے ہیں۔انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جس کے اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔شاید یہ وہی مہدی مراد آبادی ہیں جن کے حالات کی ہندوستانی تذکرہ نگاروں نے کوئی تفصیل نہیں بتائی ہے۔

مہر۔بیدار بخت:

وہ خدا بخش موج کے بیٹے اور میر غلام علی اسد کے شاگرد تھے۔وہ ایک ہندوستانی شاعر تھے جو زہر کھا کر ہلاک ہوئے ہیں۔

مہر۔رجب بیگ:

پیشہ کے طور پر سپاہی تھے لیکن شوقیہ طور پر شعر بھی کہتے تھے۔وہ محمود بیگ زور کے بھائی تھے۔سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

مہر۔لالہ مہر چند:

شیفتہ نے منشی محمد مہر چند فرخ آبادی کا ذکر کیا ہے، جو لکھنو اور آگرہ میں تحصیل دار کے عہدے پر فائز تھے، ممکن ہے کہ وہ وہی مہر چند ہوں۔

وہ کھشتری ذات سے تعلق رکھتے تھے اور گجرات میں قیام کرتے تھے۔وہ ایک بہت ہی زندہ دل اور صاحب علم ہندو ہیں جنھوں نے ریختہ میں ایک دیوان بھی لکھا ہے، اس کے علاوہ وہ فارسی اشعار بھی کہتے تھے اور ذرہ تخلص کرتے تھے۔

آباؤاجداد بھی فن تعمیر کے ماہر تھے اور جامع مسجد دہلی کا نقشہ اور خاکہ ان ہی کے خاندان کے ایک شخص نے تیار کیا تھا۔ نثار کو فن تعمیر کے مطالعہ کی سہولتیں خاندان میں حاصل تھیں۔

پہلے وہ دہلی میں نواب محمد الدولہ کے یہاں ماہر تعمیر کی حیثیت سے ملازم تھے اور ان کی حراست کے بعد نواب ضابطہ خان سے منسلک ہوگئے۔ جس وقت مصحفی اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے، وہ نواب آصف الدولہ کے خزانچی راجہ ثابت رائے کے یہاں ملازم تھے۔

مصحفی کا بیان ہے کہ انھوں نے فن تعمیر کے ماہر ہونے کی حیثیت سے اردو شاعری میں بھی تعمیری شان پیدا کردی ہے۔

وہ شاہ حاتم کے شاگرد تھے اور مصحفی کے یہاں مشاعروں میں جایا کرتے تھے۔ محسن کے تذکرہ لکھتے وقت وہ حیات تھے۔ انھوں نے ایک مختصر دیوان یادگار چھوڑا ہے۔ جس سے تین صفحات مصحفی نے نقل کیے ہیں۔ بنی نرائن نے غلطی سے ان کا نام نیاز لکھا ہے اور اپنے تذکرے میں چند اشعار نقل کیے ہیں جو لفظی صنعتوں سے معمور ہیں۔

نثار۔ میر عبدالرسول۔ اکبرآبادی:

ان کے آباؤاجداد مغل بادشاہ فرخ سیر کے عہد حکومت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ وہ اہل فوجی ملازم، ایک اچھے شاعر، اور میر تقی میر کے دوست تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ میر کی صحبت نے انھیں شعروشاعری کی طرف مائل کیا۔ میر نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ وہ نثار کو مشورہ بھی دیتے ہیں۔ میر اور مصحفی نے ان کی ذہانت، علم وفضل اور ذوق کی تعریف کی ہے۔ نثار نے جس وقت شعروشاعری کا آغاز کیا، اس وقت وہ اپنے گاؤں امروہہ میں اکثر مصحفی سے ملتے تھے۔ ان دنوں نثار کی عمر قریباً ۶۰ سال تھی۔ مصحفی کو خبر نہیں کہ ان کے تذکرہ لکھنے کے وقت نثار حیات تھے یا فوت ہو چکے تھے۔

مصحفی نے ان کے چھ اشعار نقل کیے ہیں۔ جن میں سے دو شعر میر حسن نے اپنے تذکرے میں محمد شاکر ناجی سے منسوب کردیے ہیں۔ سرور کا بیان ہے کہ نثار کا انتقال ان کے تذکرہ لکھنے سے پہلے یعنی ۱۸۰۶ء سے قبل ہو چکا تھا۔

بنی نرائن نے عبدالرسول نثار نامی ایک اور شاعر کا ذکر کیا ہے۔ جو جہانگیرآباد (ڈھاکہ) میں رہتے تھے۔ شاید یہ دونوں ایک ہی شخص ہیں لیکن بنی نرائن نے ان دونوں پر الگ الگ دو مضمون لکھے ہیں۔ ذیل میں ان کے اشعار منولال نے آخرالذکر شاعر یعنی نثار جہانگیرآبادی کے نام سے نقل کیے ہیں:

اس کے تئیں ہماری نہ کچھ یاد ہی رہی　　اور اپنے تئیں نہ طاقت فریاد ہی رہی
اس بلبل اسیر کو کیا گل سے راہ و رسم　　جو زیرِ دام منتِ صیاد ہی رہی
جو گرد و باد ساکن یک باز نہ ہو سکی　　اپنی یہ ہرزہ زندگی برباد ہی رہی
دنیا کو جاے عیش سن آئے تھے اے نثار　　سو اپنے جیتے تک تو غم آبادہی رہی

''تذکرہ ہندی''،ص ۲۵۵

نثارنام کے ایک اور شاعر ہیں جنھوں نے بعد کو اپنا تخلص بدل کر حاکم کرلیا تھا،ان کا ذکر حاکم کے نام سے اس کتاب میں ملے گا۔

نجابت۔سید کلب علی۔لکھنوی:

وہ سید حسن علی کے بیٹے اور سید حسن امانت کے شاگرد تھے۔وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں ،جن کے اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

نجات۔شیخ حسن رضا۔دہلوی:

وہ حیرت انگیز شاعرانہ صلاحیتوں کے مالک تھے اور اردو زبان کے الفاظ ومحاورے اور تراکیب پر بڑی قدرت رکھتے تھے۔دہلی کے سقوط کے بعد وہ عظیم آباد تشریف لے گئے اور وہاں کچھ عرصہ تک حاجی احمد علی قیامت کی سرپرستی حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔جن دنوں علی ابراہیم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو وہ صوبہ بہار کے ضلع سہارن کے ایک گاؤں میں ۶ سال سے مقیم تھے۔انھوں نے زیادہ تر مرثیے لکھے ہیں اور دوسری اصناف شاعری پر بہت کم توجہ کی ہے۔چنانچہ کچھ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اس قدر شہرت حاصل نہیں کی ہے جو انھیں حقیقت میں حاصل ہونی چاہیے تھی۔ان کا انتقال ۱۲۰۷ھ/ ۳-۱۷۹۲ء میں بنارس میں ہوا ہے جہاں وہ نواب اودھ سعادت علی خان کے ملازم تھے۔

شورش ان کو میاں محمد نجات کہتے ہیں اور ان کے بقول وہ پٹنہ میں ابوالقاسم کے ملازم تھے۔

نجات۔میر زین العابدین۔سہارنپوری:

وہ زیادہ تر فارسی میں لکھتے تھے۔سرور نے ان کا ذکر کیا ہے اور قاسم ان کو نجابت کہتے ہیں۔

نجد۔مرزا محمد عباس۔لکھنوی:

وہ مرزا حیدر کے بیٹے اور وزیر صبا کے شاگرد تھے۔وہ صاحب دیوان ہیں جن کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں پیش کی ہیں۔

نجف ۔شاہ محمد علی ۔الہ آبادی:

اسپرنگر ''اعلیٰ'' کہتے ہیں۔وہ شاہ ولی اللہ بیتاب کے بیٹے تھے۔سرور کے قلمی نسخے میں جو میرے پاس ہے، ''علم اللہ'' لکھا گیا ہے۔ان کا شمار ہندوستانی شعرا میں کیا گیا ہے۔

نجف علی خان:

وہ رڑکی کے ہندوستانی ہفتہ وار اخبار ''مظہر العجائب'' کے مدیر ہیں۔اس اخبار کو میرٹھ کا ہفتہ وار پرچہ بتایا گیا ہے۔

انھوں نے ایک تاریخی کتاب بھی تصنیف کی ہے،جس کا نام ''مختصر الخلاصہ'' ہے۔یہ کتاب میرٹھ سے ۱۸۶۴ء میں شائع ہوئی ہے۔ان کی دوسری کتاب کا نام ''زبدۃ الغرائب'' ہے۔یہ ایک رسالہ ہے،جس میں حیوانات کی مقناطیسی طاقت کا ذکر کیا گیا ہے۔یہ لاہور سے چھوٹی تقطیع میں ۴۰ صفحات میں شائع ہوا ہے۔

نجف ۔منشی خواجہ نجف علی:

وہ ایک ہم عصر مصنف ہیں جنھوں نے Captain Brown کی مدد سے ''قواعد فرہنگ'' کے نام سے Torrons کی انگریزی کتاب *Field Exercises of the Army* کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔اس کتاب کے دو اڈیشن ہیں۔ایک فارسی رسم الخط میں اور دوسرا ناگری میں ہے۔یہ دونوں اڈیشن کلکتہ سے ۱۸۶۶ء میں شائع ہوئے ہیں۔

نجف ۔میر نجات علی:

کمال اور شیفتہ نے ان کا ایک شاعر کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔مصحفی ان کی کوئی تفصیل نہیں بتاتے البتہ انھوں نے نجف کی تین غزلیں نقل کی ہیں۔کیونکہ ان کے خیال میں یہ غزلیں کافی اچھی تھیں۔دوسرے تذکرہ نگار حضرات صرف اس قدر کہتے ہیں کہ وہ ایک قدیم شاعر تھے۔

نجم ۔قاضی نجم الدین ۔کاکوروی:

وہ ایک عالم اور خوش مذاق ہندوستانی مصنف ہیں جو کلکتہ میں انگریزی حکومت میں قاضی کی حیثیت سے ملازم تھے۔سرور نے اپنے تذکرے میں ان کا ذکر کیا ہے۔

نجم ۔مولوی نجم الدین اشرف:

وہ ایک ہم عصر شاعر ہیں،جن کی ایک غزل بابو ہری چندرام کی کتاب ''غزلیات'' میں شامل ہے۔یہ کتاب بنارس سے ۱۸۶۸ء میں شائع ہوئی ہے۔

نجم۔میر نجم الدین۔دہلوی:

وہ امیر نورالدین کے بیٹے تھے۔انھوں نے ایک ہندوستانی دیوان یادگار چھوڑا ہے۔اوراس کے اشعار کا ایک نمونہ محسن نے پیش کیا ہے۔

نجم۔نجم الدولہ افتخار الملک۔سید محمد رضا خان بہادر حسام جنگ۔لکھنوی:

وہ ابوالقاسم خان طباطبائی کے بیٹے، مختار الدولہ کے بھتیجے اور میر نظام الدین ممنون کے شاگرد تھے۔ نجم، نواب اودھ کے داروغہ تھے۔انھوں نے دو دیوان چھوڑے ہیں۔ایک فارسی میں ہے اور دوسرا ہندوستانی میں۔محسن نے اپنے تذکرے میں ان کی چند غزلیں نقل کی ہیں۔

نجیب۔میر بہادر علی:

وہ فراق کے شاگرد تھے۔محسن نے ہندوستانی شاعر کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے اوراپنے تذکرے میں ان کے اشعار کا ایک نمونہ پیش کیا ہے۔

نحیف۔سید برکت علی۔مرادآبادی:

محسن اور باطن نے ان کا ذکر کیا ہے اوران کے چند اشعار اپنے تذکروں میں نقل کیے ہیں۔

نحیف۔لالہ لکھپت رائے:

وہ مشہور ہم عصر منشی مول چند کے بیٹے ہیں جن کا ذکر اسی کتاب میں کیا گیا ہے۔نحیف اپنے والد کے شاگرد تھے اوران ہی سے ادبی ذوق بھی حاصل کیا تھا۔وہ بریلی میں وکالت کرتے تھے لیکن ذکا کو دہلی میں ان سے ملنے کا موقع ملا تھا۔پہلی جنوری ۱۸۷۰ء کے اخبار ''سررشتہ تعلیم اودھ'' میں ان کی ایک اردو کہانی جو انگریزی زبان سے ماخوذ ہے، شائع ہوئی ہے اوراسی اشاعت میں ان کے انتقال کی خبر بھی چھپی ہے۔

ندا۔دکنی:

وہ ایک دوسرے شاعر ہیں اور غالباً عصر حاضر کے ہیں۔سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

ندا۔میر مرتضیٰ۔دہلوی:

وہ ایک ہم عصر ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر عشقی نے کیا ہے۔

ندرت، محمد یحییٰ علی خان:

ان کے دوسرے اشعار کے علاوہ انھوں نے ایک تاریخ بھی لکھی ہے جو سید حسین کے "Hindoostanee Selections" میں شامل ہے۔

ندرت۔مرزا مغل:

وہ ایک ہم عصر ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر قاسم نے کیا ہے۔سرور انھیں ایک قدیم شاعر سمجھتے ہیں۔ وہ خاص طور پر مرثیہ اور سلام کہتے تھے اور ان اشعار میں وہ اماّی تخلص کرتے تھے۔جس وقت سرور اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

ندیم۔شیخ علی قلی:

قاسم اور شیفتہ ان کو مرزا کا لقب بھی دیتے ہیں۔وہ ابتدا میں سلطان دہلی سے منسلک تھے اور ان کی طرف سے 'خان' کے لقب سے سرفراز کیے گئے تھے۔ بعد میں دہلی سے مرشد آباد چلے گئے اور یہاں نواب بنگال میر محمد جعفر خان کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔وہ علی خان فراق کے استاد تھے۔انھوں نے زیادہ تر مرثیے اور سلام لکھے ہیں اور ان کی شہرت بھی ان ہی کے ذریعے ہوئی ہے۔

ان کا انتقال ۱۱۶۸ھ/۵-۱۷۵۴ء کے بعد مرشد آباد میں ہوا ہے کیونکہ مذکورہ بالا سال میں وہ زندہ تھے۔ وہ پٹنہ بھی تشریف لے گئے تھے جہاں شورش کو اس سے ملنے کا موقع ملا تھا۔قائم نے ''مخزن نکات'' میں ان کا ذکر کیا ہے۔

ندیم۔محمد قاسم۔دہلوی:

وہ عصر حاضر کے ایک اور شاعر ہیں جو فراق کے شاگرد ہیں۔قاسم نے ان کا ذکر کیا ہے۔

ندیم۔مولوی رحمت اللہ:

وہ ضلع مراد آباد میں حسن پور کے رہنے والے ہیں۔۲۷ستمبر ۱۸۶۱ء میں میرٹھ کے''اخبار عالم'' میں ان کا ذکر کیا گیا ہے اور اس اخبار کے مطابق ندیم نظم و نثر دونوں کے ایک اچھے مصنف ہیں۔

ندیم۔میر محمد شفیع۔لکھنوی:

وہ منشی میر محمد رفیع کے بیٹے اور مقبول الدولہ مرزا مہدی قبول کے شاگرد ہیں۔وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کے چند اشعار محسن نے درج کیے ہیں۔

نذیر احمد۔منشی محمد:

جالون کے رہنے والے اور اردو کے ہم عصر مصنف ہیں۔جنھوں نے اردو نثر میں ''مرآۃ العروس'' نامی ایک کتاب لکھی ہے۔یہ ایک اخلاقی ناول ہے جو مسلمان شریف گھرانوں کی مستورات کے لیے ان کی دلچسپی اور اصلاح کو ملحوظ رکھ کر لکھی گئی ہے۔اس کتاب پر شمال مغربی صوبہ کے ناظم تعلیمات Mr.Kewfson نے

انھیں ایک ہزار روپیہ کا انعام دیا تھا اس کی دو ہزار کاپیاں حکومت کی جانب سے طبع کرائی گئیں۔

۳ر ستمبر ۱۸۶۹ء کے ''علی گڑھ اخبار'' میں اس کتاب کے متعلق تفصیلی تبصرہ ملے گا۔ یہاں چند لفظوں میں اس کتاب کے انتہائی آسان موضوع کا خلاصہ دیا جاتا ہے۔ ناول کے ہیرو کی شادی ایک ایسی عورت سے ہوتی ہے جو جاہل، پھوہڑ اور بڑی تنک مزاج ہے۔ وہ ہر شخص سے جھگڑتی ہے اور تمام گھر کے لیے اس کا وجود نا قابل برداشت ہو جاتا ہے۔ آخر کار وہ اپنے میکے چلی جاتی ہے۔ شوہر اس کی چھوٹی بہن اصغری سے شادی کر لیتا ہے جو پہلی بیوی سے بالکل مختلف ہے۔ کتاب کی تصنیف کا مقصد ان دو عورتوں کے متضاد کردار کو پیش کرنا ہے۔ دوسری بیوی چونکہ کفایت شعار اور عاقبت اندیش ہے، اس لیے شوہر کو تباہی و بربادی سے بچا لیتی ہے۔ اپنے بچوں کے ضائع ہو جانے کے بعد وہ اپنی زندگی اپنی سہیلیوں کو تعلیم دینے میں بسر کی ہے۔ ۲۰ر اکتوبر ۱۸۶۹ء کے Indian Mail اور Friend of India اخباروں میں اس بات کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ اس کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کیا جائے۔

یہ وہی شخص شیخ نذیر احمد ہیں جنھوں نے منشی عمدۃ الملک کو انگریزی ''تعزیرات ہند'' کے اردو میں ترجمہ کرنے میں مدد دی ہے۔

نزار۔ خواجہ محمد اکرام:

وہ ایک فقیر تھے اور میر محمد تقی میر کے شاگرد تھے۔ ہندوستانی تذکرہ نگاروں نے ان کو اردو شعرا میں شمار کیا ہے۔ اور ان کے چند اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

نزار۔ سید قاسم علی:

وہ اردو کے ایک شاعر ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد مشہد کے رہنے والے تھے لیکن دلی اور بعد میں فیض آباد چلے گئے۔ ان کے والد میر احمد علی تھے۔ نزار لکھنو میں پیدا ہوئے اور وہاں انھوں نے اپنی ساری زندگی بسر کی ہے۔ لکھنو میں ان کے استاد مصحفی تھے، محسن نے ان کے اشعار کا ایک نمونہ اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے۔

نزاکت۔ رام جو:

وہ ایک مشہور خاتون تھیں جو حسن کے علاوہ اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کے لیے قابل ذکر ہیں۔ محسن کا بیان ہے کہ وہ ایک طوائف تھیں۔ بہر حال وہ نارنول میں پیدا ہوئی تھیں لیکن بچپن ہی سے انھیں دلی میں رہنے کا اتفاق ہوا تھا، جس کے ماحول کو اپنے خداداد حسن اور ذہانت سے خوشگوار بنانے میں ان کا بہت

بڑا حصہ ہے۔شیفتہ اور کریم نے ان کی تعریف میں نہایت پرشوکت الفاظ استعمال کیے ہیں اوران کی جسمانی وذہنی خوبیوں کی تعریف کی ہے۔حد مبالغہ آمیزی سے کام لیا ہے۔محسن کی طرح ان دونوں نے بھی اپنے تذکرے میں ان کے متعدد اشعار کونقل کیا ہے۔ وہ حکیم مومن خان کی شاگرد تھیں۔کریم کا بیان ہے کہ شیفتہ سے ان کی بڑی دوستی تھی۔ان کا بیان ہے کہ جن دنوں وہ اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو نزاکت سن رسیدہ ہو چکی تھیں اوران کا حسن بالکل ختم ہو چکا تھا۔

نزہت۔میاں مرزا ارجمند:

نواب عماد الملک غازی الدین خان کے منشی تھے۔ وہ اجرار میں رہتے تھے اور جن دنوں قاسم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے توان کا انتقال ہو چکا تھا۔وہ اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کے علاوہ ایک اچھے آتش باز بھی تھے۔کمال ان کوایک شاعر کی حیثیت سے شمار کرتے ہیں اوران کے اشعار کواپنے تذکرے میں نقل کرتے ہیں۔

نزہت۔میر امام الدین۔دہلوی:

درد کے شاگرد تھے۔وہ ایک ہندوستانی شاعر تھے جن کا ذکر شورش نے کیا ہے۔

نساخ۔مولوی عبدالغفور خان۔کلکتوی:

وہ عصر حاضر کے مشہور مصنف ہیں جو کہ بنگال کی مجلس قانون ساز کے ممبر ہونے کے علاوہ ڈپٹی مجسٹریٹ بھی تھے۔ وہ کلکتہ کی ایک مشہور شخصیت مولوی عبداللطیف کے رشتہ دار تھے۔ان کے بھائی مولوی عبدالباری سید،کلکتہ کے مسلم کالج میں انگریزی کے پروفیسر تھے،جن کا انتقال ۱۲۷۳ء میں ۱۲۷۴ھ/۸-۱۸۵۷ء میں ہوا۔

نساخ کے اردو دیوان کا نام''دفتر بے مثال'' ہے۔یہ کتاب کلکتہ سے ۱۲۸۰ھ/۴-۱۳۶۳ء میں بڑی تقطیع میں ۱۸۴صفحات پرشائع ہوئی ہے۔ان کا دیوان دور حاضر کی اسلامی شاعری کے لیے ایک دلکش نمونے خیال کیا جاتا ہے۔کیونکہ مشرق میں آج بھی شاعری کو بڑی اہمیت وبرتری کے ساتھ پسند کیا جاتا ہے۔نساخ نے ذوق کی تقلید کرنی چاہی ہے۔ان کے دیوان کے اختتام پران کی اوران کے شاگردوں کی کئی تاریخیں دی گئی ہیں۔ان میں سے ایک''آرائش محفل'' کے مصنف افسوس کے پوتے کی بھی ہے۔ان میں سے ایک تاریخ نساخ کی واجد علی شاہ نواب اودھ کی رہائی پر بھی ہے جو ۱۲۷۵ھ/۱۸۵۸ء میں فرنگیوں کی حراست میں تھے۔نساخ کی دوسری تاریخ اس وقت کی ہے جب وہ کلکتہ سے ۱۲۷۶ھ/۹-۱۸۵۸ء میں چندرنگر روانہ ہوئے۔

نساخ نے ''چشمہ فیض'' کے نام سے عطار کے ''پندنامہ'' کا ایک اچھا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے۔ یہ کتاب کلکتہ سے ۱۲۷۶ھ / ۶۰-۱۸۵۹ء میں اور ۱۲۷۹ھ / ۳-۱۸۶۲ء میں بڑی تقطیع پر چھپی ہے۔اس میں ۷۴صفحات ہیں اور ہر صفحے میں ۲۳سطریں ہیں۔

نسان۔حسن علی خان۔بنارسی:

وہ حافظ اکرام احمد فیض کے شاگرد ہیں۔وہ ایک ہم عصر ہیں جس کی ایک تاریخ نساخ نے اپنے دیوان کے آخر میں درج کی ہے۔

نسبت۔مرزا احمد علی۔لکھنوی:

انھوں نے زیادہ تر والی اودھ،نصیرالدین حیدر کے دورحکومت میں(۳۷-۱۸۲۶ء)تصنیفات کی ہیں۔انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے جس میں جان صاحب کی طرز پر ریختی غزلیں بھی ہیں۔اس دیوان کا ایک نسخہ موتی محل لکھنو کے کتب خانے میں تھا۔اس میں قصیدہ ،غزلیں اور رباعیاں ۳۳۰صفحات پر درج ہیں۔نسبت خاص طور پر مرثیہ گو کی حیثیت سے مشہور ہیں۔

نسیم۔اصغر علی خان:

وہ دہلی میں پیدا ہوئے اور لکھنو میں رہتے تھے۔ان کے والد نواب آ قا علی خان مرحوم تھے اور ان کے استاد حکیم مومن خان مومن دہلوی۔وہ خاص طور پر اپنے مرثیہ کے لیے مشہور ہیں۔اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کے علاوہ وہ ایک اچھے خوش نویس تھے۔وہ صاحب دیوان ہیں۔

محسن انھیں'اپنی صدی کا پروفیسر' کہتے ہیں اور انھوں نے اپنے تذکرے میں ان کی چند غزلیں نقل کی ہیں۔

نسیم۔برج ناتھ:

یہ ہندوستانی شاعر آگرہ کے رہنے والے تھے۔محسن نے ان کا تذکرہ کیا ہے اور ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

نسیم۔پنڈت دیا سنگھ یا دیا شنکر یا سنکر:

وہ ایک معروف ہندوستانی مصنف ہیں۔ان کا آبائی وطن اگرچہ کشمیر ہے لیکن وہ لکھنو میں پیدا ہوئے اور وہاں رہتے تھے۔ ان کے والد گنگا پرشاد اور ان کے استاد خواجہ حیدر علی آتش تھے۔ وہ آگرہ کالج میں ہندی کے پروفیسر تھے اور ریختہ میں بھی اشعار کہتے تھے،جن کے نمونے محسن نے اپنے تذکرے میں پیش کیے ہیں۔وہ حسب ذیل اردو کتابوں کے مصنف ہیں:

۱۔ ''الف لیلہ''۔ یہ چار جلدوں میں ہے اور لکھنو سے۱۲۴۴ھ/۹-۱۸۲۸ء میں شائع ہوئی ہے۔اس کی پہلی جلد میں ۲۸۸صفحات ہیں۔

اس ترجمے کی الف لیلہ کی تمام کہانیاں آئی ہیں اوراوپر کی مثالوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ایک کامیاب ترجمہ کیا گیا ہے۔الف لیلہ کی پہلی پچاس راتوں کا قصہ دلی سے چھپ چکا ہے لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ وہی ترجمہ ہے۔الف لیلہ کا پورا ترجمہ اردو بنگالی میں کیا گیا ہے۔کل کتاب کلکتہ سے۱۸۶۵ء میں بڑی تقطیع میں۲۹۰صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

۲۔ ''گلزارنسیم''۔یہ مثنوی گل بکاؤلی کا منظوم قصہ ہے۔میں نے اس کوفرانسیسی میں ترجمہ کیا ہے۔یہ کتاب۱۲۵۴ھ/۹-۱۸۳۸ء میں مکمل ہوئی ہے اور ہندوستان سے کئی بار چھپی ہے۔اس کا ایک نیا اڈیشن ۱۲۶۴ھ/۸-۱۸۴۷ء میں لکھنؤ سے چھپا ہے،اس میں چھوٹی تقطیع کے۴۵صفحات ہیں۔حاشیے میں بھی اشعار لکھے ہوئے ہیں۔

گل بکاؤلی کا قصہ اکثر ہندوستانیوں نے لکھا ہے ان میں سے ایک ریحان ہیں جن پر اس کتاب میں ایک مضمون ہیں۔ اس کے علاوہ ایک دوسرے شاعر ہیں۔''تحفہ مجالس سلاطین'' کے نام سے اس کو منظوم کیا ہے۔اس عنوان سے۱۲۵۱ھ ؁/۹-۱۸۳۸ء کی تاریخ نکلتی ہے۔اس کا ایک نسخہ کان پور کے ایک کتب خانے میں ہے۔جس میں۴۶۲صفحات ہیں اور ہر صفحے میں ۱۱سطریں ہیں۔توپ خانہ لکھنو میں اس قصے کے متعلق ایک قدیم دکنی تصنیف بھی ملتی ہے۔یہ نسخہ ۱۰۳۵ھ/۶-۱۶۲۵ء میں لکھا گیا ہے اور اس میں ۱۳۰صفحات ہیں اور ہر صفحے میں ۱۵صفحات ہیں۔

نسیم۔گلزار علی:

وہ میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ان کے والد شرف الدین مسرور،جن کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے،اس کے استاد بھی تھے۔غالباً یہ وہی نسیم ہیں جن کے متعلق مجموعہ واسوخت میں ذکر کیا گیا ہے۔کہ وہ اشرف علی کے استاد تھے۔عشق نے،جو نسیم کے استاد بھی رہ چکے ہیں،صرف اس قدر بتایا ہے کہ وہ حج کو تشریف لے گئے تھے۔

نسیم۔مرزا راجہ کیدار ناتھ بہادر۔دہلوی:

وہ رام ناتھ ذرہ کے پوتے تھے۔قاسم کا بیان ہے کہ وہ ایک اچھے شاعر تھے اور جن دنوں وہ اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو نسیم اپنے آباؤ اجداد کی طرح سلطان دہلی کے پاس،ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔شیفتہ کہتے ہیں کہ ان کا انتقال ۱۲۴۵ھ ؁/۳۰-۱۸۲۹ء میں ہوا ہے۔

نسیم۔نواب محمد حسین علی سلطان۔میسوری:

وہ مدراس میں رہتے تھے،انھوں نے ذکا کی ایک غزل پر ایک مخمس تصنیف کیا ہے۔ جو ۲۹ جنوری ۱۸۶۷ء کے ''اودھ اخبار'' لکھنو میں شائع ہوا ہے۔ یہ مخمس دکنی بولی میں ہے۔

نشاط۔رائے راجا پرشاد:

وہ نظام حیدرآباد کے خزانچی تھے اور ریختہ شاعری سے دلچسپی رکھتے تھے۔ باطن نے ان کا ذکر کیا ہے۔ ان کے استاد فیض تھے۔

نشاط۔لالہ ایشری سنگھ:

وہ کایت سنت سنگھ کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ وہ لالہ سندرداس مہیش کے لڑکے ہیں اور محکمہ مال میں ملازم ہیں۔شیفتہ کا بیان ہے کہ وہ ابتدا میں ان شاء اللہ خان کو اپنا کلام دکھایا کرتے تھے لیکن جب وہ لکھنؤ چلے گئے تو نشاط امام نصیر سے مشورۂ سخن کرنے لگے۔قاسم ان سے چند اشعار نقل کرتے ہیں۔اور منولال نے ان کے دو اشعار اپنے تذکرے میں درج کیے ہیں۔

نشاط۔مولوی الٰہی بخش:

وہ صوبہ دلی کے ضلع مظفر نگر میں کاندھلہ کے رہنے والے ہیں۔وہ شاعر ہونے کے علاوہ ایک ممتاز عالم ہیں اور مولانا عبدالعزیز کے شاگرد ہونے کا شوق رکھتے ہیں۔انھیں علم فقہ میں بڑا کمال حاصل ہے اور کوئی دوسرا شخص اس شعبے میں ان کی ہم سری نہیں کرسکتا۔وہ روحانیت میں بھی بلند مرتبہ رکھتے ہیں اور ریختہ میں روحانیت کے موضوع پر اشعار موزوں کیے ہیں۔ انھوں نے مولانا جلال الدین رومی کی مثنوی معنوی کا اردو میں ترجمہ شروع کیا تھا اور کریم الدین نے اس کی پہلی جلد کو تحفے کے طور پر مجھے بھیجا۔ یہ مولانا رومی کی مثنوی کا صحیح ترجمہ ہے اور اس ترجمے میں مولوی ابوالحسن کی قلمی معاونت بھی شریک ہے۔اور جو خود بھی کاندھلہ کے رہنے والے تھے۔نشاط نے محض ۶۶ صفحات کا ترجمہ کیا تھا لیکن ان کے انتقال کے بعد ابوالحسن نے ۴۰ سال بعد مکمل کیا تھا۔سرور نے نشاط کے اشعار نقل کیے ہیں۔

نشتر۔میر امداد حسین۔لکھنوی:

وہ حمید علی کے بیٹے اور خواجہ وزیر کے شاگرد تھے۔انھوں نے ایک دیوان یادگار چھوڑا ہے،جس کے چار اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

نصرت علی:

انھوں نے دکنی بولی میں محمدؐ کی وفات کے متعلق ''وفات نامہ'' کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔ جس میں محمدؐ کی وفات سے پیشتر اور طبعی اور غیر طبعی واقعات پیش آئے ہیں، ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس قلمی نسخے کے آخر میں ایک حاشیہ درج ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ یہ کتاب ۱۱۷۰ھ/۷-۱۸۵۶ء میں لکھی گئی ہے اور اس کے لکھنے والے کا نام نصرت علی ہے۔ عام طور پر اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب کو کس نے نقل کیا ہے؟ لیکن نصرت علی کے نام سے پتا چلتا ہے کہ یہاں لکھنے والے سے مراد خود مصنف ہیں۔ دلی میں ایک کتاب چھپی ہے، جس کا نام اور موضوع قبل الذکر کتاب کے عین مطابق ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ ایک دوسری کتاب ہے۔ غالباً یہ کتاب کان پور سے بھی ۱۲۶۶ھ/۱-۱۸۵۰ء میں چھوٹی تقطیع پر ۲۵ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کے آخر میں کافی کی غزل بھی شامل ہے۔ اس کا ایک اور اڈیشن بھی ہے جو لشکری بولی میں لکھی گئی ہے اور جس کا عنوان ''اوقات نامہ'' ہے۔

نصرت۔ لالہ گووندرائے:

وہ ایک کایستھ تھے اور ان کے استاد میاں نصیر تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر قاسم اور سرور نے ''گوبندرام'' کے نام سے کیا ہے۔

نصرتی:

وہ دکن کے بڑے مشہور مصنف ہیں جو سولھویں صدی کے وسط میں گذرے ہیں۔ انھوں نے حسب ذیل کتابیں لکھی ہیں:

۱۔ ''گلشن عشق''۔ یہ سورج بھان کے بیٹے کشور منوہر اور مدھومالائی کا قصہ ہے۔ ایسٹ انڈیا آفس اور دوسرے کتب خانوں میں اس کتاب کے نسخے موجود ہیں۔ ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ کے کتب خانے میں اس کا ایک رنگین اور باتصویر نسخہ ہے۔ میرا خیال ہے منوہر اور مدھو بالائی کے موضوع پر چند اور اردو کہانیاں ہیں۔ نظام حیدرآباد کے وزیر کے کتب خانے میں ایک منوہر بالائی پر چند اور اردو کہانیاں ہیں۔ اسی کتب خانے میں ایک منو بالائی کے نام سے دکنی زبان کا ایک قلمی نسخہ ہے لیکن ممکن ہے کہ یہ نصرتی کی کتاب نہ ہو کیونکہ اس کی کتاب کا نام ''گلشن عشق'' ہے۔ اس کے علاوہ ایسٹ انڈیا آفس میں چند اور قلمی نسخے اس موضوع پر ہیں جس کا عنوان ''قصہ منوہر کشور و مدھو بالائی'' ہے۔ ان میں ایک دکنی میں ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ وارڈ کا بیان ہے کہ جے پور کی بولی میں ''مدھو بالائی'' کے نام سے ایک

کتاب لکھی گئی ہے، جس کا موضوع یہی ہے۔اسی موضوع پر انڈیا آفس کے کتب خانے میں ایک فارسی کتاب ہے، جس میں اردو اشعار بھی ہیں۔اس کا عنوان ''قصہ مدھو بالائی'' ہے۔ مسٹر ایچ ولسن نے اس اہم کتب خانے کی فہرست میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے اور ان کا خیال ہے کہ یہ کتاب اصل میں ہندوؤں کے متعلق ہے۔

۲۔ ''گلدستۂ عشق''۔دکنی اشعار کا ایک انتخاب ہے۔

۳۔ ''علی نامہ''۔یا تاریخ علی عادل شاہ۔عادل شاہ بیجا پور کے حکام میں سے تھے۔ یہ ایک طویل مثنوی ہے، جس میں قصیدے کے علاوہ دوسرے اشعار بھی شامل ہیں، جو اس کتاب میں دیے ہوئے حالات کو پُرشکوہ بنادیتے ہیں۔ایسٹ انڈیا آفس کے کتب خانے میں اس کتاب کا ایک پرانا نسخہ ہے جو خط نسخ میں ہے اور جو اس وقت تک بہت اچھا ہے۔

''گلشن عشق'' کے اس نسخے سے، جو ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانے میں ہے، پتا چلتا ہے کہ نصرتی برہمن تھے،۔وہ عادل شاہ کے دور حکومت میں درباری شاعر تھے۔انھوں نے ۱۰۶۸ھ/۱۶۱۷ء میں یہ مثنوی لکھی اور علی عادل شاہ کے نام معنون کی۔وہ نسخہ جس کا نمبر بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی کی فہرست میں ۲۰۴ ہے،اس میں ۲۰۸ صفحات اور ہر صفحے میں ۱۹/اشعار ہیں۔۱۱۷۱ھ/۵۸-۱۷۵۷ء میں اسے رمز علی چشتی نے نقل کیا ہے۔

نصیر الدین۔مولوی:

وہ ۱۸۴۶ء میں کلکتہ کے اخبار 'ماتھ'' کے مدیر تھے۔اس اخبار کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں پانچ کالم ہوا کرتے تھے اور ہر کالم میں علیحدہ علیحدہ ہندی، بنگالی، اردو، فارسی اور انگریزی زبانوں میں خبریں شائع ہوتی تھیں۔یورپ کی طرح ہندوستان میں بھی اس قسم کے اخبار کچھ زیادہ کامیاب ثابت نہیں ہوئے کیونکہ ان کے مضامین ناگزیر طور پر نامکمل اور ناقص ہوتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ عوام ایسے اخبارات سے تشفی حاصل نہیں کرسکتے ہیں۔

نصر اللہ خان:

وہ ضلر مظفرنگر میں ڈپٹی کلکٹر تھے اور ''جمع فتح خانی'' کے مصنف ہیں۔ یہ کتاب دہلی میں ۱۸۴۹ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی ہے۔

نصیر خان:

انھوں نے Dr.W.Anderson پرنسپل آگرہ کالج کے ساتھ T.Abecrembie......کی کتاب

"Inquiries on the Intellectual Powers" کا ''راہنما حکومت'' کے نام سے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔اس رسالہ کا ایک حصہ آگرہ سے چھوٹی تقطیع پر ۴۸صفحات میں شائع ہوا ہے۔لیکن ان کی سب سے اہم کتاب کا نام ''انتخاب کلیات قصائد مرزا رفیع سودا'' ہے۔ یہ کتاب سودا کے کلام کی شرح ہے اور آگرہ سے ۱۸۶۵ء میں چھوٹی تقطیع پر ۴۱۲صفحات میں شائع ہوتی ہے۔

نصیر۔سید نصیر الدین غوثی:

وہ جلیسر کے رہنے والے تھے اور مشہور صوفی عبدالقادر گیلانی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ قاسم اور سرور ان کو ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے ہیں۔

نصیر۔شاہ محمد نصیر الدین۔دہلوی:

وہ میاں کلو کے نام سے بھی مشہور ہیں اور شاہ صدر جہاں کے مذہبی سلسلے کے پیشوا ہیں۔وہ زمانہ حاضر کے اردو کے بڑے مشہور شاعر ہیں اور حقیقت میں شہرت کے مستحق ہیں۔ان کے والد شاہ علی اصغر غریب دہلوی تھے جو خود بھی ممتاز اردو شاعر اور مولانا نصیر الدین حیدر کے استاد تھے۔ان کے دادا محمد عباس بادشاہ مرزا غازی الدین حیدر بادشاہ کے استاد تھے۔نصیر دہلوی نواب عاشور علی خان بہادر کے شاگرد تھے اور اردو شاعری سے انھیں تمام عمر شغف رہا۔وہ شاہ زادہ مرزا افریدون قدر کے استاد بھی تھے۔

نصیر نے ہندوستان کے تمام ادبی مرکزوں مثلاً لکھنو اور حیدرآباد وغیرہ کی سیر کی اور اس دور کے ممتاز شعرا مثلاً سودا ، میر تقی وغیرہ سے ان کی ملاقاتیں رہتی تھیں تھوڑے دنوں میں وہ خود بھی اپنے کلام اور اپنے شاگردوں کی وجہ سے غیر معمولی شہرت کے مالک ہوگئے۔انھیں میر محمد مائل سے بھی تلمذ حاصل تھا اور انھوں نے ایک اردو دیوان یادگار چھوڑا ہے۔

کمال کی ان سے ملاقات دہلی کی ادبی محفلوں میں ہوئی اور وہ ان کے بڑے مداح ہیں۔سرور نے ۱۶رصفحوں میں ان کا کلام نقل کیا ہے،ان کے کچھ اشعار''سراپا سخن'' میں اور''حدائق البلاغت'' کے اردو ترجمے میں بھی ملتے ہیں۔مشہور وزیر راجہ چندولال کی درخواست پر وہ حیدرآباد دکن میں پرسکون زندگی بسر کرتے تھے اور وہیں ۱۸۴۲ء،۱۸۴۳ء میں ان کا انتقال ہوا۔

میرا خیال ہے کہ یہ وہی شاعر ہیں، جنھیں سرور دکنی لکھتے ہیں اور ان سے مختلف خیال کرتے ہیں۔

نصیر۔محمد۔لکھنوی:

ان کے والد بادشاہ نصیر الدین حیدر کے معلم تھے اور ان کے دادا محمد عباس پاشا، غازی الدین حیدر کے

منشی تھے۔نصیر نواب عاشور علی خاں کے شاگرد تھے۔وہ صاحب دیوان ہیں جن کے اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

نظام الدین:

وہ دکن کے ایک مصنف ہیں جنھوں نے حضرت محمدؐ کی بیٹی فاطمہ کی شادی کے متعلق ''تزویج بی بی فاطمہؓ'' یا ''دربیان تزویج بی بی فاطمہؓ '' کے عنوان سے ایک نظم لکھی ہے۔فاطمہؓ کے متعلق اور کئی اردو نظمیں ہیں لیکن میں ان کے مصنفین سے واقف نہیں ہوں۔ایک دکنی مثنوی ''دراحوال بی بی فاطمہؓ '' کے نام سے ہے جس میں نہ صرف فاطمہؓ بلکہ علیؓ، حسینؓ اور حسنؓ کا بھی ذکر ہے۔دوسری نظم ''قصہ معجزہ بی بی فاطمہؓ '' ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کا مصنف وہی شخص ہے جس نے حضرت عیسیٰؑ کے معجزات پر ایک رسالہ لکھا ہے کیونکہ ایسٹ انڈیا آفس کے کتب خانے میں یہ دونوں نظمیں ایک ہی جلد میں ہیں اور ان کی کتابت بھی ایک شخص نے کی ہے (Loydon کی فہرست میں اس کا نمبر ۳۹۳ ہے)۔میرے پاس آخرالذکر ''تولد نامہ خاتون جنت'' کے نام سے ہے۔میرے پاس آخرالذکر دو کتابوں کے نسخے ہیں، جو خط نسخ میں لکھے ہوئے ہیں۔

نظام الدین نے ''کھوپڑی نامہ'' کے نام سے ایک اور مثنوی لکھی ہے۔اس کے قصے کا موضوع حضرت عیسیٰؑ کے حالات زندگی سے اخذ کیا گیا ہے جس کو چند اور مشرقی ادیبوں نے لکھا ہے۔

نظام الدین۔منشی:

وہ پونہ میں پیدا ہوئے تھے اور دور حاضر کے مصنفین میں شمار کیے جاتے ہیں۔انھوں نے مندرجہ کتابیں لکھی ہیں:

۱۔ ''انشاہندی''۔اس کتاب کے آخر میں فارسی کے مشہور ''انشاہرکرن'' کا پورا ترجمہ ہے۔یہ کتاب بمبئی سے چھوٹی تقطیع میں ۱۸۵۰ء میں شائع ہوئی ہے۔نظام نے اس کا ایک نسخہ ''ایشیاٹک سوسائٹی بنگال'' کو پیش کیا تھا اور اس کا ایک دوسرا نسخہ میرے پاس ہے۔نظام کے نسخے میں ۲۹۲ صفحات ہیں اور ''ہرکرن'' کا ترجمہ ہیں اور یہ ترجمہ ۴۰ صفحات میں ہے۔اس کتاب پر میجر جنرل Vans Kennedy نے نظر ثانی کی ہے۔اور اس کے آخری صفحات میں مصنف کے چند اشعار بھی درج ہیں۔

۲۔ ''نقلیاتِ یوسف''۔اسے میر منشی محمد علی ابراہیم مقبہ کی مدد سے مرہٹی سے ہندوستانی میں ترجمہ کیا گیا ہے۔یہ کتاب بمبئی سے ۱۸۴۴ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی ہے۔اس کا ایک دوسرا اڈیشن بمبئی سے ۱۸۵۰ء میں نکلا ہے۔

٣۔ ''مجموعہ لطیفہ''۔اس کتاب کاانگریزی عنوان: Useful Collection of Translations, Viz. of the Persian Monshee of the Articles of War and two Courts Martial with the English Text annexed to Urdu to wich is added Miscellinous Pieces in the Urdu Language.ہے۔یہ کتاب بمبئی سے١٨٣٧ء شائع ہوئی ہے۔

٤۔ انھوں نے انگریزی کی ایک کہانی کااردوترجمہ کیاہے،جس کانام The Lady and her Ayah۔یہ کتاب بمبئی کے "Mission Press" چھپی ہے۔

٥۔ انھوں نے ایک اورانگریزی کہانی کااردوترجمہ کیاہے،جس کے عنوان Merry and her brother ہے۔

٦۔ ''بغاوت مالوہ''۔یہ کتاب میرٹھ سے ١٨٦٤ء میں چھوٹی تقطیع ٢٠٤صفحات پرشائع ہوئی ہے۔ ٢٦ جنوری ١٨٦٥ء کے''اخبارالعالم''میں اس ترجمہ کی بڑی تعریف کی گئی ہے،اس میں١٨٥٧ء کے غدر میں مالوہ ضلع کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں۔ یہ ترجمہ نواب محسن الدولہ غوث محمد خان کی حکم پر کیاگیاہے۔اس میں تصویراورنقشے بھی شامل ہیں۔

٧۔ میراخیال ہے کہ نظام نے'' مجموعہ ضابطہ فوجداری'' کے نام سے Code of Criminal Proceedure کے ترجمے میں مدددی ہے۔یہ رسالہ١٨٦١ء کے قانون(Act) کاترجمہ ہےاور بڑی تقطیع پرشائع ہواہے۔الہ آباداورلاہور سے ١٨٦٧ء میں دواوراڈیشن بھی نکلے ہیں۔

نظام۔شیخ محمدنظام الدین:

وہ شیخ کریم اللہ کے بیٹے اورشیخ فداحسین کے بڑے بھائی تھے۔وہ ضلع بلندشہرمیں ڈبائی کے گاؤں میں رہتے تھے۔انھوں نے ایک دیوان لکھاہے جن کے اشعارکومحسن نےنقل کیاہے۔شایدیہ وہی محمد نظام ہیں جنھوں نے اردونثر میں ایک کتاب لکھی ہے جس کانام'' رسالہ عفیفہ'' ہے۔یہ کتاب مولوی تراب علی کی فارسی کتاب پرمبنی ہے۔مولوی تراب علی کی فارسی کتاب کانام''اطلاعات دقیقہ فی مسائل الحقیقہ'' ہے جو مشہورمسلم محدثین کی کتابوں کی مددسے لکھی گئی ہیں۔اس کتاب کو ابواب کے بجائے فصلوں میں منقسم کیاگیاہےاوراس کوکان پورمیں١٨٦١ء میں بڑی تقطیع کے٢٦صفحات میں چھاپا گیاہے۔اس کے ہرصفحے پر ٢٣سطریں ہیں۔

نظام۔نواب اعتماد الملک غازی الدین خان بہادر فیروز جنگ:

وہ احمد شاہ پسر محمد شاہ کے دور میں بخشی الممالک کہلاتے تھے اور عالم گیر ثانی کے دور حکومت میں وزیر الممالک کے لقب سے مشہور تھے۔غالباً ان کا نام نظام الملک تھا اور اس فارسی دیوان میں جس کو میں نے ان سے منسوب کیا ہے،ان کو نظام الملک لکھا گیا ہے۔انھوں نے تخلص کے طور پر صرف نظام ہی نہیں بلکہ اسلاف کا بھی لقب اختیار کیا تھا اور حقیقت میں جو آصف ہی کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔وہ محمد شاہ کے وزیر اعظم نواب قمر الدین خان کے بیٹے اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے پوتے تھے۔انھوں نے غالباً ایک فارسی دیوان لکھا ہے جو ٹیپو سلطان کے کتب خانے میں موجود ہے اور جس کا ایک نسخہ N.Dland کے پاس ہے۔نظام اپنے دور کے امرا میں سائنس کے مختلف علوم میں مہارت رکھتے تھے۔اس کے علاوہ اپنی ذہانت کے لیے مشہور تھے۔وہ خطوط نویسی میں بڑا کمال رکھتے تھے اور اپنے دور کے بہت اچھے مقرر سمجھے جاتے تھے۔وہ ۱۱۹۵ھ/۱۸۸۰ء میں صوبہ میں بڑی عسرت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔انھوں نے ہندوستانی میں مقبول اشعار کا ایک دیوان چھوڑا ہے،جس سے مصحفی نے چند نمونے پیش کیے ہیں۔

کریم کا بیان ہے کہ نظام کی بیوی مشہور گنا بیگم تھی۔اس کتاب میں گنا بیگم پر ایک خاتون ہونے کی حیثیت سے مضمون دیکھیے۔میں نے ان کی ادبی حیثیت کو مدنظر رکھ کر اس کتاب میں شامل کیا ہے۔

نظام:

سرور کا بیان ہے کہ انھوں نے اردو اشعار کے علاوہ عربی،فارسی اور ترکی میں بھی اشعار کہے ہیں۔ان کے علاوہ انھوں نے مولانا فخر الدین کے معجزات پر بھی ایک مثنوی لکھی ہے۔بیان کیا جاتا ہے کہ یہ مثنوی ہندوستانی میں نہیں ہے۔سرور کے تذکرہ لکھنے سے پہلے ان کا انتقال ہو چکا تھا۔سودا نے ان کی شان میں ایک قصیدہ لکھا ہے۔وہ داغستانی اور میر شمس الدین فقیر کے استاد تھے۔

نظامی۔سید نظام الدین احمد۔قادری:

ان کے دادا کا نام غوث ہمدانی تھا اور وہ دہلی پولیس کے حاکم اعلیٰ تھے۔انھوں نے تصوف کے رنگ میں ہندوستانی میں اشعار کہے ہیں۔قاسم نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں اور وہ ان کی شاعری کی تعریف بھی کرتے تھے۔

نظامی۔ شیخ نظام الدین:

وہ ضلع بلند شہر میں ڈبائی کے رہنے والے تھے۔ وہ شیخ کریم اللہ کے بیٹے اور شیخ فدا کے بڑے بھائی تھے۔ وہ صاحب دیوان ہیں جن کے چند اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

ناظر۔ شیخ اللہ:

وہ عصر حاضر کے شاعر ہیں جن کی ایک تاریخ ''شعلہ باغ و بہار'' کے آخر میں شامل ہے۔

نظر:

وہ تھورا کے رہنے والے تھے۔ سرور نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔

نظر بنارسی:

یہ ہندوستانی شاعر سودا کے شاگرد تھے۔ سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

نظر۔ کھمبت رائے:

وہ ایک کایستھ ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔

نظر۔ مرزا علی:

وہ مرزا محمد ادلیس کے بیٹے اور ملک اشرف کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے آباؤ اجداد مدینہ کے رہنے والے تھے لیکن دلی میں چلے گئے تھے۔ نظر لکھنو میں مقیم تھے جہاں وہ مصحفی کے شاگرد تھے۔ وہ صاحب دیوان ہیں، ان کے چند اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

نظر۔ نواب نظام الدین:

وہ علی جاہ کے رہنے والد ہیں۔ شیفتہ نے ہندوستانی شاعر کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے۔

نظم۔ میر ناظم علی:

وہ لکھنو کے قریب کے رہنے والے ہیں۔ ان کے والد سید قاضی گلزار علی ہیں۔ اور ان کے استاد مہدی حسین خان آباد۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کے اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

نظیر۔ بنارسی:

وہ سودا کے شاگرد تھے۔ سرور اور محسن نے ان کا ذکر کیا ہے۔

نظیر۔ سید محمد علی:

وہ اورنگ آباد میں پیدا ہوئے تھے اور درویش منش ہونے کے علاوہ علم ریاضی کے ماہر بھی تھے۔ ان کا

ایک دوسرا مشغلہ تعویزوں کا تھا اور اس سلسلے میں وہ کافی مشہور تھے۔ وہ دہلی کے بہت مشہور ہم عصر، پروفیسر اور ادیب ہیں۔ ان کے مکان پر ہر ہفتہ ایک مجلس ادب منعقد ہوتی ہے۔ ان کا معمول تھا کہ وہ ہر روز بارہ بجے دن تک درس وتدریس میں مشغول رہتے ہیں، اس کے بعد وہ اپنا نجی کام کرتے ہیں۔ انھوں نے ہندوستانی زبان میں بھی اشعار کہے ہیں جن کو سرور نے اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے۔

ممکن ہے کہ سید محمد علی نظیر اس ''لیلی مجنوں'' کے مصنف ہیں جو دہلی سے ۱۸۶۸ء میں چھوٹی تقطیع کے ۲۲۰ صفحات میں شائع ہوا ہے۔

نظیر۔ شیخ اور میر ولی محمد:

ذکا انھیں ولی محمد خان کہتے ہیں۔ وہ آگرہ کے ایک مشہور شاعر تھے اور تاج گنج کے مقبرے کے قریب ایک گاؤں میں بچوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ شیفتہ کے تذکرے کی تصنیف سے بہت پہلے ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ انھوں نے متعدد ریختہ اشعار کہے ہیں جو ہندستانیوں میں بہت مقبول ہیں۔

ان کی تصنیفات درج ذیل ہیں:

۱۔ ''جوگی نامہ''۔ یہ ان کا ایک قابل قدر کلام ہے۔ جس کو شریر دہلوی نے مخمس کی شکل میں پیش کیا ہے۔

۲۔ ''کوڑی نامہ''۔

۳۔ ''بنجارہ نامہ''۔ اس نظم میں زندگی کی تمکنت وغرور اور امیر انسان کی ناپائیداری کو بیان کیا گیا ہے۔ اس نظم کی بھی شریر نے مخمس کی صورت میں تضمین کی ہے۔ ہندوستانی پریس کے متعلق سرکاری اعلان ۱۲۶۸ھ/۲-۱۸۵۱ء میں غالباً غلطی سے لکھا گیا ہے۔ کہ یہ ہندی کی کتاب ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کتاب کا رسم الخط دیوناگری ہے۔

۴ ''تنور''۔

۵۔ ''لیلی مجنوں''۔ یہ کتاب کانپور سے ۱۸۶۶ء میں چھوٹی تقطیع کے پر ۱۶ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔

۶۔ ''بڑھاپا نامہ''۔ یہ ایک اور اردو نظم ہے جو آگرہ سے ۱۸۶۸ء میں کچھ دوسرے اشعار کے ساتھ ۱۶ صفحات پر شائع ہوئی۔

۷۔ ایک دیوان۔ جس میں مختلف اصناف شاعری میں اشعار ہیں۔ اس دیوان کا ایک حصہ پہلی مرتبہ آگرہ سے ۱۸۵۰ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد مکمل کتاب دہلی سے چھپی ہے۔ اس کا ایک دوسرا اڈیشن آگرہ سے ۱۸۶۵ء میں ۴۰۰ صفحات پر شائع ہوا ہے۔

قاسم، سرور اور محسن نے نظیر کے اشعار کو کثرت سے نقل کیا ہے۔ غالباً یہ وہی شاعر ہیں، جنھوں نے ''قصائد نظیر'' کے نام سے قصیدوں کا ایک انتخاب مرتب کیا ہے۔ اس کا ایک خوبصورت نسخہ فرح بخش، لکھنو میں تھا۔ ممکن ہے کہ " کرشنا کا بیلن " کے مصنف بھی نظیر ہی ہیں جو اردو کی ایک نظم ہے اور میرٹھ سے ۱۸۵۲ء میں چھپی ہے۔ میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ یہ وہی کتاب ہے جس کو کنہیالال نے آگرہ سے شائع کیا تھا۔ اس کتاب میں کرشنا کی ایک تصویر ہے جس میں وہ گوپیوں اور گائیوں کے درمیان بانسری بجاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

نظیر کے مکمل کلام کا مجموعہ ''کلیات نظیر'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ ۱۸۶۴ء میں ''منتخبات نظیر'' کی اشاعت ہوئی ہے۔ اس میں نظیر کے بہترین غزلیں، مخمس، ترجیع بند، قطع اور مثنویاں شامل ہیں۔ یہ ایک ۲۱۹ صفحات کی کتاب ہے اور اس کے ہر صفحہ میں ۲۱ سطریں ہیں۔ اس کا اعلان میرٹھ کے ''اخبار عالم'' کی اشاعت مؤرخہ ۳ مئی ۱۸۶۶ء میں ہوا ہے۔

نظیر کی وہ مثنوی جو'' جسے کہتا ہے تو'' وغیرہ سے شروع ہوتی ہے۔ بنارس سے ۱۸۶۵ء میں شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب دیوناگری رسم الخط میں چھوٹی تقطیع کے ۱۴ صفحات ہیں اور ہر صفحے میں ۴۴ سطریں ہیں۔ بابو بناری لال اور منشی ہربنس لال کے اخراجات پر شائع ہوئی ہے۔

نظیر کے نام سے ایک مصنف نے ''چوہے نامہ'' کو موزوں کیا ہے۔ یہ اردو کی نظم ہے اور امانت کی کتاب ''اندر سبھا'' کے آخری حصے میں شامل ہے۔ اس کتاب کو دلی سے ۱۸۶۷ء میں شائع کیا گیا ہے۔ [''چوہے نامہ''] کی نظم کو ''بلی نامہ'' کے ساتھ لکھنو سے مجموعہ ''چوہے نامہ و بلی نامہ'' کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔

نظیر۔ لالہ گنپت رائے۔ دہلوی:

وہ عصر حاضر کے ایک ہندو کایستھ اور شاہ نصیر کے شاگرد ہیں۔ وہ ہندوستانی میں اشعار کہتے ہیں۔ کریم نے ان کے اشعار کا ایک نمونہ پیش کیا ہے۔

نعمت۔ حکیم عبدالحق:

وہ سکندرہ کے ایک برہمن ہندو تھے اور ہندو مذہب کو تبدیل کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ شیفتہ جو نعمت کے گہرے دوست تھے، بیان کرتے ہیں کہ یہ شریف برہمن ایک عرصہ سے بت پرستی کی لغویت سے اچھی طرح واقف تھے اور اگرچہ ان کی زبان پر ہندو دیوتاؤں کے نام ہوتے تھے لیکن ان کے

دل میں خداتعالٰی کی وحدانیت کا گہرا نقش مرتسم تھا۔ چنانچہ بالآخر انھوں نے مشرف بہ اسلام ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔ ان کی مذہبی تعلیم عالم دین مولانا عبدالعزیز کی سرپرستی میں ہوئی تھی۔

نعمت نے ہندوستانی زبان میں اشعار کہے ہیں جن کو شیفتہ اور محسن نے نقل کیا ہے۔ جن دنوں وہ ہندو تھے تو ان کا نام پرسہائے تھا لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد انھوں نے عبدالحق اور بعض لوگوں کے بقول نعمت اللہ اختیار کر لیا تھا۔

نعمت۔ مرزا محمد حفیظ:

ان کا آبائی وطن غالباً دہلی تھا لیکن بعد میں وہ حیدرآباد دکن میں چلے گئے، جہاں سرور کے بقول وہ ریختہ اشعار کہتے تھے۔ ان کے استاد میں قمرالدین منت تھے۔

نعمت۔ نواب نعمت اللہ خان:

محسن کے بقول وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں، جن کا انتقال ہو چکا ہے۔ محسن نے اپنے ''سراپا سخن'' میں ان کے اشعار کا ایک نمونہ بھی پیش کیا ہے۔

نعمی۔ شیخ نعمت اللہ:

وہ میرٹھ کے رہنے والے ہیں اور حضرت نعمی کے نام سے مشہور ہیں، وہ مبتلا و عشق کے والد اور مولوی عبدالہادی بنگالی کے شاگرد تھے۔ وہ ایک بہت نیک شاعر تھے جن کا انتقال عشق کے تذکرہ لکھنے سے پہلے ہو چکا تھا۔

نعیم۔ نعیم اللہ خان۔ دہلوی:

وہ شاہ محمد حاتم کے دوست اور شاگرد تھے۔ انھوں نے ہندوستانی میں ایک مختصر دیوان تصنیف کیا ہے۔ وہ نواب محمد یار خان کے ملازم تھے اور ان کی شان میں قصیدہ لکھنے کے بعد درباری مصاحبوں میں، جو اس زمانے کے بہترین ارباب علم و فن تھے، شریک کر لیے گئے تھے۔ اس کتاب میں ان ادبی مجالس کا ذکر کر چکا ہوں جو یہ علم دوست نواب اپنے دربار میں منعقد کرتے تھے اور جہاں اردو شعرا اپنی صلاحیت اور قوت گفتار کا مقابلہ کیا کرتے تھے۔ ان کا انتقال دق کے مرض میں دہلی میں ہوا ہے۔ نعیم نے تازندگی دہلی سے قدم نہیں نکالا تھا۔ ہندوستانی تذکرہ نگاروں نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

نعیم مصحفی کے دوست تھے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیخ محمد یا محمدی نعیم دہلوی ہیں جو قدیم طرز بیان میں اشعار کہتے تھے اور میر سجاد، میر درد اور شیخ ظہیرالدین حاتم کے شاگرد تھے۔ نعیم پیشہ کے طور پر فوجی واقع

ہوئے تھے۔ قاسم کا بیان ہے کہ ان کے تذکرہ کے لکھنے سے بہت پہلے ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

توپ خانہ لکھنو میں نعیم کے دیوان کا ایک نسخہ تھا۔ اس کتاب کے ۱۳۰ صفحات ہیں، غزلیں، رباعیات اور قصیدے درج تھے اور ہر صفحہ میں ۱۳/ اشعار تھے۔

نقد۔ مہدی علی خان۔ دہلوی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو عشقی کے دوست تھے۔ جن دنوں عشقی اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو نقد پٹنہ میں رہتے تھے۔

نقی۔ سید علی:

وہ آگرہ کے رہنے والے اور مرزا حاتم علی بیگ کے شاگرد تھے۔ محسن نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کے چھ اشعار نقل کیے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ وہی سید نقی ہوں، جنھوں نے شیعہ جماعت کی حمایت میں ایک رسالہ ''عدیلہ نقیہ در ثبوت تقیہ'' تصنیف کیا ہے۔ یہ کتاب لدھیانہ سے ۱۸۶۸ء میں چھوٹی تقطیع پر ۷۰ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔

نقی۔ محمد:

انھوں نے ''دقائق الحقائق'' کا ترجمہ کیا ہے۔ جو کلکتہ سے ۱۸۴۸ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس نام کی چند اور کتابیں بھی موجود ہیں، جن کا ذکر حاجی خلیفہ کی کتاب کے علاوہ دوسری کتابوں میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتابیں فلسفہ کے دقیق مضامین اور نکات کو بیان کرتی ہیں۔

نقی۔ نقی علی خان:

وہ پیارے صاحب کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ وہ لکھنو میں پیدا ہوئے اور کربلا میں رہتے تھے۔ ان کے والد امجد علی خان تھے اور ان کے دادا کا نام سبحان علی خان کمبوہ تھا۔ ابتدا میں وہ فرخ الدولہ مرزا محمد رضا خان برق کے شاگرد تھے اور بعد میں میر علی اوسط رشک سے مشورہ سخن کرنے لگے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کے اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔ وہ صاحب دیوان ہیں۔

تقی۔ نواب علی خان بہادر۔ لکھنوی:

وہ نواب امام علی خان کے بیٹے اور نواب شجاع الدولہ کے پوتے تھے۔ ان کے استاد مرزا باقر ادراک تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کے چند اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

نکہت۔حافظ غلام احمد۔دہلوی:

وہ ایک اور ہندوستانی شاعر ہیں جن کے اشعار محسن نے نقل کیے ہیں۔

نکہت۔میاں نذر یا نیاز علی بیگ:

باطن کے بقول میاں نذر اور نیاز علی دو مختلف شاعر ہیں۔لیکن ظاہر ہے کہ یہ دونوں شاعر ایک ہیں۔
وہ شاہ محمد نصیر کے ایک ممتاز شاگرد اور حسب ذیل کتابوں کے مصنف ہیں۔

۱۔ ''سکندر نامہ'' یہ غالباً نظامی کے مشہور ''سکندر نامہ'' کا ہندوستانی میں ایک منظوم ترجمہ ہے جو آگرہ سے ۱۸۴۹ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوا ہے۔

۲۔ ''کتاب اردو مصطلحات''۔اس کتاب میں اصطلاحات کو بیان کیا گیا ہے اور راس کی مثالیں درج کی گئی ہیں۔میرا خیال ہے کہ یہ کتاب اور ''مخزن الفوائد'' ایک ہی ہیں۔ان میں اصطلاحات، محاورے، ضرب المثلیں اور اشعار کے نمونے درج ہیں۔اس کتاب کو دہلی کالج کے پرنسپل بطروس مرحوم کی سرپرستی میں مرتب کیا گیا ہے اور یہ دہلی سے ۱۸۴۵ء میں بڑی تقطیع کے ۳۵۷ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔کلکتہ کے ''ایشیاٹک جرنل'' میں (۱۸۵۱ نمبر ۵) میں اس کتاب کو غلطی سے ارشاد کی تصنیف بتایا گیا ہے۔ارشاد پر مضمون دیکھیے۔

۳۔ ایک دیوان۔جس میں غزلیں اور متفرق اشعار ہیں۔سرور نے اس سے اپنے تذکرے میں متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔

نگران۔میر بندہ علی:

وہ خواجہ شمس الدین کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔وہ ایک سید ہیں اور دہلی کے قریب احرارہ کے رہنے والے تھے۔قاسم اور سرور ان کو ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے ہیں۔اکثر اپنی ہندوستانی شاعری میں وہ عاشق تخلص کرتے تھے۔وہ مرزا ارجمند کے شاگرد تھے۔

نگین:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کی ایک غزل ''گلدستہ سخن'' میں شامل ہے۔

نما:

وہ اردو کے شاعر تھے اور سلیمان شکوہ کے پاس ملازم تھے۔کمال نے اپنے ''مجموعۃ الانتخاب'' میں ان کا ذکر کیا ہے۔

نمکین ۔صلاح الدین خان ۔دہلوی:

کمال کے ''مجموعۃ الانتخاب'' میں ان کا ذکر ہندوستانی شاعر کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔

نمود۔شاہ زادہ مرزا محمد آسمان قدر بہادر:

وہ مرزا محمد خسرو بخت کے بیٹے ،مرزا محمد جہاندار شاہ بہادر کے پوتے اور شاہ عالم بادشاہ مغل کے جانشین تھے۔ وہ بنارس میں پیدا ہوئے تھے اور لکھنو میں رہتے تھے جہاں ناسخ کے ممتاز شاگردوں میں ان کا شمار کیا جاتا تھا۔انھوں نے ہندوستانی اشعار کہے ہیں،ان کی ایک غزل محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہے۔

نمود۔میر مہدی۔لکھنوی:

وہ میر عباس کے بیٹے تھے۔وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں۔جو زیارت کے لیے کربلا تشریف لے گئے تھے۔محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

نوا۔شیخ ظہور اللہ خان:

وہ مولوی دلیل اللہ کے بیٹے اور بقاء اللہ حیران کے شاگرد تھے۔وہ ایک زندہ دل،سنجیدہ ہندوستانی مصنف تھے۔مصحفی نے ان کے کچھ اشعار نقل کیے ہیں اور لکھا ہے کہ ان کے قصائد خاص طور پر بہت اچھے ہیں۔ان کا بیان ہے کہ شاہ زادہ جہاندار نے ان کو'خان' کا لقب بھی دیا تھا۔وہ صاحب دیوان ہیں اور فورٹ ولیم کالج کے فہرست کتب میں ان کے دیوان کے ایک قلمی نسخے کا ذکر ہے،جس کا نام'' دیوان نوائی'' ہے۔

جرأت کے کلیات اور سرور کے تذکرے میں نوا کو محمد ظہور اللہ کہا گیا ہے اور میرا خیال ہے کہ یہی ان کا اصل نام ہے۔ کمال اور شیفتہ کا بیان ہے کہ وہ بدایوں صوبہ دہلی میں رہتے تھے اور بعد میں لکھنو چلے گئے، جہاں ان کو جرأت سے تبادلہ خیال کا موقع ملا۔

نوا لکھنو کو چھوڑ کر ایران گئے اور وہاں فارسی میں مزید قابلیت حاصل کی ۔بیان کیا جاتا ہے کہ وہ جرأت کے انتقال کے بعد لکھنو واپس آئے اور ۱۲ سال کے بعد انتہائی ضعیفی میں انتقال کیا۔جہاندار شاہ انھیں'خان' کے لقب کے علاوہ خوش فکر خان کہہ کر بھی خطاب کرتے تھے۔

نواب۔سید نصیر الدین:

انھیں میر نواب بھی کہتے ہیں۔یہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو حکیم میر علی جان کے بیٹے اور حکیم مہتاب

خان کے پوتے ہیں۔ وہ دہلی میں پیدا ہوئے، لیکن بنارس میں رہتے تھے۔ ان کے استاد امام بخش ناسخ ہیں۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

نواز۔ علی نواز خان:

پٹنہ کے رہنے والے تھے اور ''مرزا مدد'' کے نام سے مشہور تھے۔ وہ نواب عمدۃ الملک کے ملازم تھے۔ عشقی نے اپنے تذکرے میں ان کا ذکر کیا ہے۔

نوازش۔ حسین خان۔ لکھنوی:

وہ میرزا اجانی کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ محسن 'خانی' لکھتے ہیں۔ ان کے والد کا نام حسین علی خان تھا اور ان کے دادا نواب ناصر خان تھے۔ وہ میر سوز کے شاگرد تھے۔ جن دنوں کمال اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے، وہ جوان تھے۔ کمال ان کے دوست تھے اور انھوں نے لکھا ہے کہ وہ اپنے استاد کی طرح بڑی اچھی غزل کہتے تھے۔ انھوں نے نوازش کے چند اشعار کو ان کے دیوان سے نقل کیا ہے۔ محسن نے بھی ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔

نوازش۔ علی خان۔ لکھنوی:

وہ مرزا مہدی ثاقب کے شاگرد تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کے چند اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

نورالدین۔ مولوی محمد:

انھوں نے ''کشف المنجات'' کا ترجمہ کیا ہے، جس کا عنوان انگریزی میں *Essentials of Mahommadan Religion* ہے۔ یہ کتاب کلکتہ سے ۱۸۴۶ء میں شائع ہوئی ہے۔

ایک دوسرے نورالدین بھی ہیں (شاید یہ دونوں ایک ہی شخص ہیں) جو جیوا خان کے بیٹے تھے اور جنھوں نے بمبئی سے ۱۲۷۷ھ/۱-۱۸۶۰ء میں ''باغ ارم'' کے نام سے جلال الدین رومی کی مثنوی کا ایک مختصر ترجمہ شائع کیا ہے۔

نوراللہ۔ مرزا۔ دہلوی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو ایک یورپی عورت پر عاشق ہو گئے تھے اور بعد میں عقل و خرد کھو بیٹھے تھے۔ یہ باتیں عشقی سے معلوم ہوئی ہیں۔

نور۔ حکیم میر صفدر حسین۔ کان پوری:

وہ میر اصغر علی کے بیٹے اور حکیم میر عوض علی کے پوتے، اور نواب معتمد الدولہ بہادر کی صاحب زادی کے

رضائی بھائی ہیں۔وہ بریلی میں رہتے تھے۔محسن انھیں ہندوستانی شعرامیں شمار کرتے ہیں اور ان کی ایک طویل غزل کو جو دل کے ردیف پر ختم ہوتی ہے، نقل کرتے ہیں۔

نور خان:

وہ ''قصہ خان'' کے نام سے بھی مشہور ہیں۔انھوں نے حسب ذیل کتابیں تصنیف کی ہیں۔

ا۔ ''مثنوی احوال کلکتہ''۔جس کا ایک نسخہ ''ایشیاٹک سوسائٹی بنگال'' کے کتب خانے میں موجود ہے۔ میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ کلکتہ کے متعلق یہ وہی مثنوی ہے جس کا ایک نسخہ Chambers کے کتب خانے میں ہے۔ مؤخر الذکر کتاب کا نام'' کلکتہ نامہ'' ہے لیکن اس میں مصنف کا نام تحریر نہیں کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ناگری اور فارسی دونوں رسم الخط میں لکھی گئی ہے۔

۲۔ ''قصہ بلند اختر''۔اس قصہ کا موضوع، مجھے معلوم نہیں لیکن اسے مثنوی احوال کلکتہ کے بعد اسی کتاب میں درج کیا گیا ہے۔غالباً اس کتاب کا نام قصے کے ہیرو کے نام پر ہے۔

ممکن ہے کہ یہ وہی نور علی ہوں، جن کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے۔

نور علی۔سید۔بنگالی:

انھوں نے ''بہار عشق'' کے نام سے نل و دمن کی کہانی پر ایک اردو نظم لکھی ہے۔کلکتہ کے ''ایشیاٹک سوسائٹی'' میں اس کتاب کا ایک نسخہ موجود ہے جو پہلے فورٹ ولیم کالج کے کتب خانے میں تھا۔میرا خیال ہے کہ یہ کتاب دہلی سے ۱۸۵۱ء میں ''نل و دمنی'' کے نام سے شائع ہوئی ہے۔

نور۔کریم:

انھوں نے ''مخزن الادویہ'' کے نام سے ادویات کی ایک لغت تصنیف کی ہے، جو جالینوس کے طریقہ کے مطابق عربی اور فارسی کی کتابوں سے مرتب کی گئی ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے اور لکھنؤ سے چھوٹی تقطیع میں ۷۲۸ اور ۶۰۸ صفحات پر شائع کی گئی ہے۔("Trubner's Record"، نمبر ۴۴)

نور۔محمد:

وہ دہلی کالج کے پروفیسر تھے اور ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر ۲۵ سال تھی۔وہ علمی تبحر کے علاوہ بڑی اعلیٰ صلاحیتیں بھی رکھتے تھے۔انھوں نے انگریزی سے ہندوستانی میں مندرجہ ذیل کتابوں کا ترجمہ کیا ہے

ا۔ ''تاریخِ بنگال''۔یہ کتاب بنگال پر انگریزوں کی حکومت کے قیام کے متعلق ہے اور *Marshman's History of Bengal* کا ترجمہ ہے۔یہ کتاب دہلی سے ۱۸۴۴ء میں چھوٹی تقطیع پر چھپی ہے۔

۲۔ ''تاریخ مغلیہ''۔اس کتاب کو منشی حسینی کی مدد سے تصنیف کیا گیا ہے۔

۳۔ ''سیر الاسلام''۔بیان کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب Taylor کی کتاب Mohammadanism کا ترجمہ ہے اور اس سلسلہ میں انھوں نے رام کرشن، پتمبر سنگھ اور سید محمد سے مدد لی ہے۔

نور۔منشی صمصام حیدر:

وہ ہوگلی کے رہنے والے تھے اور ناسخ کے شاگرد تھے۔ناسخ نے اپنے ''دفتر بے مثال'' کے آخر میں ان کی ایک تاریخ درج کی ہے۔

نور۔میر وزیر۔لکھنوی:

وہ بادشاہ کے بیٹے اور فتح الدولہ بخشی الملک مرزا محمد رضا خان برق کے شاگرد تھے۔وہ اپنے مرثیہ کے لیے خاص طور پر مشہور ہیں۔انھوں نے ایک دیوان تصنیف کیا ہے،جس کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔ان کے اشعار کا ایک نمونہ ''سروش سخن'' میں بھی شامل ہیں۔

نوری۔شجاع الدین:

وہ گجرات کے سید تھے اور حیدرآباد میں رہتے تھے۔ قائم اور کمال کے مطابق وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو خسرو کے بعد سب سے زیادہ قدیم شاعر شمار کیے جاتے ہیں۔وہ فیضی کے دوست اور اکبر کے ہم عصر تھے۔نوری والیِ گولکنڈہ سلطان ابوالحسن کے وزیر کے بیٹے کو پڑھایا کرتے تھے۔

انھوں نے چند غزلیں لکھی ہیں۔تذکرہ نگاروں نے ان کے صرف ایک شعر کو نقل کیا ہے۔

نوری۔مولا:

وہ عظیم پور کے قاضیوں کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔قاسم نے اردو اور فارسی شاعر کی حیثیت سے انھیں نقل کیا ہے۔

نوشہ۔نواب الدولہ:

وہ بھوپال کے حکمران ہیں اور اس کے علاوہ ایک اچھے ہندوستانی شاعر ہیں۔وہ اپنے محل میں مشاعرے منعقد کیا کرتے تھے اور علما و ادبی ذوق رکھنے والے حضرات کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کرتے تھے۔سرور کا بیان ہے کہ وہ ۱۸۴۵ء میں فوت ہوئے۔

نوشیرواں جی:

وہ ایک پارسی ہیں جنھوں نے ہندوستانی اور فارسی زبانوں میں اشعار کہے ہیں۔انھوں نے ''غزلستان''

کے نام سے اپنی غزلوں کا ایک انتخاب شائع کیا ہے، جس کا ذکر "Catalogue of native publications in the Bombay Presidency" میں ہے۔اس کتاب کا انگریزی نام The game of Intellect ہے اور یہ لاہور سے ۱۸۶۴ء میں شائع ہوئی ہے۔

نول کشور:

وہ ایک ہندوستانی مطبع کے منتظم ہیں جہاں سے ''اودھ اخبار'' شائع ہوتا ہے۔وہ اخبار ان کی ادارت میں نکلتا ہے اور اسے مہاراجہ مان سنگھ کی سرپرستی حاصل ہے۔ وہ کان پور کے ایک اردو اخبار ''کان پور گزٹ'' کے مالک اور مدیر بھی تھے۔نول کشور نے ''اودھ اخبار'' کی اشاعت مؤرخہ ۲۹ جنوری ۱۸۶۷ء کیں اعلان کیا تھا کہ'' کان پور گزٹ'' کو بند کر کے اب'' اودھ اخبار'' میں ضم کر دیا گیا کیونکہ جب سے لکھنؤ اور کان پور کے درمیان ریل کے وسائل پیدا ہو گئے ہیں اس اخبار کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے اور'' کان پور گزٹ'' کے بجائے جو''اودھ اخبار'' کا محض ایک خلاصہ تھا،مؤخر الذکر اخبار کو لکھنو سے بآسانی کان پور بھیجا جاسکتا ہے۔ان اخبارات کے علاوہ وہ متعدد ہندوستانی کتابوں کے اڈیٹر ہیں۔

۱۔ ''مشکوۃ شریف مظہرالحق''۔یہ حدیث کی کتاب ہے جو ابوعبداللہ محمد تبریزی کے مشہور رسالہ کا ترجمہ ہے۔

۲۔ ''مجربات اکبری''۔یہ طب کی ایک ممتاز کتاب ہے۔

۳۔ ''تواریخ نوادرالعصر''۔اس میں نوابین اودھ اور ان کے دور کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔یہ کتاب لکھنو سے ۱۸۶۳ء میں چھوٹی تقطیع پر ۴۷ اصفحات میں شائع ہوئی ہے۔

۴۔ ''تعلیم المبتدی''۔یہ اردو میں خوشنویسی کے متعلق ایک رسالہ ہے جو کان پور سے ۱۸۶۸ء میں چھوٹی تقطیع پر ۶۹ صفحات میں شائع ہوا ہے۔

نوید، مرزا محمد حفیظ:

ان کے والد شاہ محمد رضی رفعت تھے جن کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے۔نوید بھی اپنے والد کی طرح اردو میں اشعار کہتے تھے۔ وہ دہلی کو چھوڑ کر پٹنہ تشریف لے گئے اور وہاں سے لکھنو میں قیام کیا اور پھر حیدرآباد دکن میں آکر مستقل سکونت اختیار کر لی۔وہ اور کمال لکھنو سے دوست تھے لیکن جب نوید حیدرآباد تشریف لائے تو ان دونوں کی دوستی اور بھی زیادہ گہری ہوگئی۔ وہ شیخ علی حزیں سے شرف تلمذ رکھتے تھے، بعد میں قمرالدین منت سے مشورہ سخن کرنے لگے۔انھوں نے فارسی میں بے شمار اشعار کہے ہیں جو اپنے بیان

کے لیے ممتاز ہیں۔ان کے علاوہ اردو میں بھی ان کے متعدد اشعار ہیں۔کمال نے ان کی چھ غزلوں کو اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے۔

''مطبع دارالاسلام'' دہلی اور ''مطبع مصطفائی'' کانپور سے کتابوں کی جو فہرستیں شائع ہوئی ہیں،ان میں مَیں نے اردو کی کتاب ''دیوان نویدی'' کا نام دیکھا ہے اور ممکن ہے کہ یہ کتاب نوید کے منتخب اشعار کا ایک مجموعہ ہو۔

نہال چند۔منشی۔لاہوری:

یہ ہندوستانی مصنف دہلی میں پیدا ہوئے لیکن زیادہ عرصہ تک لاہور میں رہے۔ انھوں نے ''گل بکاؤلی'' کی ہندی کہانی کو ''مذہب عشق'' کے نام سے اردو میں ترجمہ کیا۔اس کہانی کو سب سے پہلے عزت اللہ بنگالی نے ۱۱۲۴ھ/۱۲-۱۷۱۲ء میں فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔اس کتاب کا پہلا اڈیشن Gilchirst نے ''گل بکاؤلی'' کے نام سے شائع کیا ہے۔کلکتہ "Hindoostanee press" ۱۸۰۴ء میں چھوٹی تقطیع۔یہ اڈیشن نہال کے سرپرست David Robortson کے نام سے معنون ہے۔لیکن ۱۸۱۵ء میں T. Roebuck نے اس اڈیشن کو نہال چند کے ترجمہ کیے ہوئے عنوان ''مذہب عشق'' کے نام سے نکالا ہے۔یہ ترجمہ اسی نام سے لکھنو سے ۱۸۴۸ء میں شائع ہوا ہے۔میرا گمان ہے کہ ابتدا میں اس ہندوستانی کہانی کا عنوان ''تاج الملوک'' رہا ہوگا کیونکہ یہی اس قصہ کا ہیرو ہے۔کلکتہ کے ۱۸۰۳ء کے *Primitino Oriontales* میں ''تاج الملوک'' نامی کتاب کا اشہار بھی دیا گیا تھا۔میر شیر علی افسوس نے نہال چند کے ترجمے پر نظر ثانی کی تھی اور اس میں نظم ونثر دونوں شامل ہیں۔ یہ کتاب اردو کتابوں میں سب سے زیادہ دلکش وشگفتہ انداز میں لکھی گئی ہے اور اس کا شمار اردو کے ادب عالیہ میں کیا جاتا ہے۔اس کا قصہ بھی دلچسپ ہے۔یہ ہندوستان کے مذہبی فلسفہ اور معاشرت کے متعلق دلچسپ معلومات فراہم کرتی ہے۔

اس امر کا اندازہ میرے اس خلاصے سے ہوسکتا ہے جو ۱۸۳۶ء کے اوائل میں چھپا ہے اور جس کا ترجمہ ۱۸۵۸ء کے *Revve de L' orient* میں کیا گیا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ *Calcutta Literary Gazette*،۱۸۳۲ء،ص ۷۵ میں بھی اس کا ترجمہ چھپا ہے،لیکن مجھے کوئی خبر نہیں۔

اس کہانی کے بعض اڈیشن ''مذہب عشق''،بعض ''گل بکاؤلی''،بعض ''بکاؤلی واگرگل'' اور بعض ''قصہ اگرگل'' (لکھنؤ ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۷ء[۸۰صفحات]) کے نام سے بھی شائع ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک کلکتہ سے ۱۸۲۷ء میں شائع ہوا ہے جس کا ایک نسخہ ایسٹ انڈیا لائبریری میں ہے۔ایک اڈیشن ۱۲۶۵ھ/۹-۱۸۴۸ء میں

شائع ہوا ہے جس کا ایک نسخہ پیرس کے ''ادارۂ علوم شرقیہ'' میں موجود ہے۔ایک اور دہلی کے دارالاسلام پریس میں چھپا ہے۔میرے پاس آگرہ (۱۸۶۳ء۔چھوٹی تقطیع ۱۱۲صفحات) کا ایک نسخہ ہے جو دیوناگری میں ہے۔

اس کے علاوہ محمد فیض اللہ اور محمد رمضان نے مولوی بدرعلی کے پریس سے ۱۸۲۷ء میں ایک اور اڈیشن کلکتہ سے نکالا ہے۔ایک لکھنؤ سے ۱۸۴۸ء میں بھی چھپا ہے۔

Rew.long کے مطابق اوم چرن متر نے فارسی سے بنگالی میں ''گل بکاؤلی'' کا ایک ترجمہ کیا ہے۔
(*Descriptive Catalogue of Bengali works* صفحہ ۷۶)

میرے ترجمے کے کافی دنوں بعد ہوگلی کالج کے Thomes Philip Manuel نے کلکتہ سے ۱۸۵۹ء میں ایک ترجمہ شائع کیا ہے۔اس ترجمے کے آخیر میں مشکل الفاظ کی فرہنگ بھی شامل ہے۔یہ کتاب چھوٹی تقطیع میں ۵۹ صفحات پر ہے۔

ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کی فہرست کتب میں اس نثری قصے کے ذکر کے بعد اس کے منظوم قصہ کا ذکر آیا ہے۔

گذشتہ صدی کا آخری حصہ ہندوستان کے لیے بڑی سختیوں کا تھا،اس لیے نہال چند ہندوستان کے اصل دارالخلافہ کلکتہ چلے گئے۔وہاں وہ D.Robertson کے ہاں ملازم ہوگئے اور پھر ان کے توسط سے ان کی ملاقات ڈاکٹر Gilchrist سے ہوئی۔Dr. Gilchrist نے ان میں ادبی صلاحیت دیکھ کر ''گل بکاؤلی'' کا ترجمہ کرنے کی ہمت دلائی۔(۱۲۱۷ھ/۳-۱۸۰۲ء میں)

نہاں۔مرزا امام بخش:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر ''مسرت افزا'' میں کیا گیا ہے۔

نیاز احمد خان۔نواب:

وہ نواب نیاز محمد خان کے بیٹے اور ''تاریخ روہیلکھنڈ'' کے مصنف ہیں۔یہ کتاب اردو میں لکھی گئی ہے اور اس میں ایک نقشہ کے علاوہ مشہور رحمت خان والی ریاست کا شجرہ نسب بھی شامل ہے۔اس کتاب کے پہلے حصے میں بریلی اور رام پور کا ذکر کیا گیا ہے۔اور یہ ۱۸۶۶ء میں چھوٹی تقطیع پر ۱۲۴صفحات میں شائع ہوئی ہے۔

نیاز حسین۔مولوی:

انھوں نے ''تغیر اللغت'' کے نام سے ایک فرہنگ لکھی ہے جس میں عربی کے ان الفاظ کو شامل

کیا گیا ہے جو بظاہر ہم معنی معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں کسی قدر متفرق معنی رکھتے ہیں۔ Giraid اور Beauzee نے بھی اسی قسم کی ایک کتاب لکھی ہے۔ ''تغیر اللغت'' کو میجر Fuller ناظم محکمہ تعلیمات صوبہ پنجاب کے حکم سے لکھنو سے ۱۸۶۵ء میں چھوٹی تقطیع پر ۱۰۶ صفحات میں شائع کیا گیا۔

نیاز۔شاہ نیاز علی:

وہ ایک درویش تھے اور ان کا قاعدہ تھا کہ وہ ہر مہینہ کی ۱۲ تاریخ کو دہلی کے مشائخ کو اپنے یہاں مدعو کرتے تھے اور اس موقع پر مذہبی مسائل پر گفتگو کرنے کے علاوہ مجلس سماع بھی برپا کرتے تھے۔سرور نے ان کو اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ مولوی نیاز احمد ہی ہوں۔

نیاز۔مولوی شاہ یا میاں نیاز احمد:

وہ بریلی میں رہتے تھے لیکن میرٹھ میں پیدا ہوئے اور دہلی میں پرورش پائی تھی۔ وہ علم وفیوض کے مالک تھے اور صوفی ہونے کے علاوہ بہت ہی متقی اور پرہیز گار تھے۔ شیفتہ کا بیان ہے کہ وہ تمام باطل تصورات اور خیالات کی رد میں صافی کی حیثیت رکھتے تھے۔انھوں نے اردو کے علاوہ فارسی میں بھی ایک دیوان تصنیف کیا ہے جو آگرہ سے ۱۸۴۹ء میں شائع ہوا ہے۔

میرا خیال ہے کہ یہ وہی نیاز ہیں جن کا ذکر کمال نے کیا ہے اور جن کی ایک غزل کو جسے انھوں نے کسی مشاعرے میں سنا تھا نقل کیا ہے۔

نیاز۔میر فضل علی:

محسن کے مطابق ان کا نام نثار تھا۔وہ پٹنہ کے رہنے والے تھے اور میر جان یا بہادر خان نیازی لکھنوی کے نام سے بھی مشہور تھے۔اسپرنگر نے عشقی کے حوالے سے بتایا ہے کہ وہ لکھنوی تھے۔(A Catalogue، صفحہ ۱۳۵)۔ان کے چچا میر محمد سلیم عرف راجا کالکا خان تھے۔ ابتدا میں وہ جوش کو اپنا کلام دکھاتے تھے اس کے بعد مجرم سے مشورہ سخن کرنے لگے۔ بعد میں مرشدآباد تشریف لے گئے۔وہاں وہ قدرت اور سلیم سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔مرشدآباد سے لکھنوآئے اور وہاں سے پٹنہ پہنچے ،جہاں انھوں نے انتقال کیا۔ ہندوستانی تذکرہ نگاروں کا خیال ہے کہ انھوں نے اکثر شعرا کے کلام کا سرقہ کیا ہے اور بالخصوص سلیم کے مکمل دیوان کو اپنے تصرف میں رکھتے ہیں۔

نیاز۔میر محمد:

آگرہ کے سید، اور ایک دوسرے شاعر ہیں، جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔ وہ بچوں کو پڑھانے کے علاوہ

شعروسخن سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد نیاز دکن تشریف لے گئے۔ غالباً یہ میر محمد علی نیاز دہلوی ہیں جن کے متعلق قاسم نے بیان کیا ہے کہ وہ حیدرآباد دکن تشریف لے گئے تھے اور جو عام طور پر مرثیہ کہتے تھے۔ سرور نے دو اور حضرات کا ذکر کیا ہے جو نیاز تخلص کرتے تھے۔ ان میں سے ایک بلندشہر کے رہنے والے تھے۔

نیر۔ ضیاء الدین:

انھوں نے غالب (مولانا اسداللہ خان) کا دیوان آگرہ سے ۱۸۶۳ء میں شائع کیا ہے۔ اس میں بڑی چھوٹی تقطیع کے ۱۸۶ صفحات ہیں۔

نیر۔ مرزا حسن عسکری۔ لکھنوی:

وہ مولانا مرتضیٰ بیگ آغا جان کے بیٹے اور مرزا خانی نوازش کے شاگرد ہیں۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کے اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

نیک۔ میر جعفر علی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر باطن نے اپنے ''گلشن بے خزاں'' میں کیا ہے۔

نسیم۔ چند:

وہ کھشتری ذات کے ہندو تھے۔ انھوں نے ''قصہ گل وصنوبر'' کو اردو نظم میں لکھا ہے۔ یہ مثنوی بابو چرن سن کی سرپرستی میں برھمن داتارام نے کلکتہ سے شائع کی ہے۔ یہ غالباً ۱۸۲۷ء کا اڈیشن ہے جس کا ذکر ایسٹ انڈیا لائبریری کی فہرست میں کیا گیا ہے۔

یہ ایک دیوؤں اور پریوں کی داستان ہے جو فارسی سے اردو میں ترجمہ کی گئی ہے۔

احمد علی کے ذکر میں مَیں نے بتایا ہے کہ اس عنوان کی کئی کتابیں اردو مصنفین نے لکھی ہیں اور غالباً ان سب کا موضوع ایک ہے۔ Mr. Loon Lureeu نے مجھے ''گل باصنوبر'' کا ایک نسخہ دیا تھا جو ۱۸۴۷ء میں کلکتہ سے ہدایت علی اسلام آبادی کے ہاتھوں شائع ہوا ہے۔ یہ کتاب منشی عبدالحلیم نے ''مطبع مظہری'' سے چھاپی ہے۔ اس میں چھوٹی تقطیع کے ۱۲۴ صفحے ہیں اور نستعلیق میں بڑی خراب چھپی ہے۔ کہانی نفس مضمون کے اعتبار سے بڑی سادہ ہے لیکن اس میں بے شمار مہمات اور عجیب غریب واقعات ہیں، جنھوں نے کتاب کو دلچسپ بنادیا ہے۔ اس کے طرز تحریر میں بھی تخئیلی اور محاکاتی دلکشی ہے۔ اس کے علاوہ اس کتاب کے پلاٹ کے نتائج اور دوسرے واقعات سے اس امر کی بھی تائید ہوتی ہے کہ مسلمان یکسر روحانیت کے قائل ہیں۔

واجد۔ منشی واجد علی خان۔ لکھنوی:

وہ اصغر علی خان نسیم دہلوی کے شاگرد اور مندرجہ ذیل کتابوں کے مصنف ہیں:

۱۔ ہندوستانی اشعار۔ محسن نے ان اشعار کا ایک نمونہ اپنے تذکرے میں پیش کیا ہے۔

۲ ''گلدستۂ انجمن''۔ یہ اردو عربی کا ایک قاعدہ ہے جو آگرہ سے ۱۸۴۹ء میں شائع ہوا ہے۔ ان کتابوں کے مصنف ہونے کے علاوہ آگرہ کے فارسی ''زبدۃ الاخبار'' کے مدیر بھی ہیں، جو ''مطبع زبدۃ الاخبار'' سے نکلتا ہے۔

واحد۔ درویش:

انھوں نے متصوفانہ اشعار کہے ہیں۔ سرور نے اپنے تذکرے میں ان کا ذکر کیا ہے۔

واحد۔ شیخ محمد:

وہ اردو کے ایک شاعر ہیں جن کا ذکر شورش نے کیا ہے۔

وارث۔ شیخ محمد:

وہ ایک ممتاز ہندوستانی شاعر ہیں جن سے الہ آباد میں علی ابراہیم کی ملاقات ہوئی تھی۔ علی ابراہیم نے بیان کیا ہے کہ وہ علوم اسمیہ کے ماہر تھے۔ ان کا شمار ہندوستانی شعرا میں کیا گیا ہے۔ محسن نے بتایا ہے کہ ان کا انتقال ''سراپا سخن'' کی تصنیف سے پہلے ہو گیا تھا۔ وارث ایک درویش تھے اور شاہ قطب الدین مصیب کے مرید و جانشین تھے۔ شورش اور محسن انھیں حاجی شاہ محمد وارث الہ آبادی کہتے ہیں۔ وہ اپنے مرشد کے ساتھ مکہ تشریف لے گئے تھے لیکن ان کے انتقال کے بعد پھر دہلی واپس آ گئے۔ وہ صاحب دیوان ہیں جن کے اشعار محسن اور علی ابراہیم نے نقل کیے ہیں۔

وارث۔ شاہ وارث الدین۔ دہلوی:

وہ دور حاضر کے درویش اور مشہور صوفی بزرگ فریدالدین گنج شکر کے سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ خوش نویسی کے استاد ہیں اور اس فن میں سات مختلف انداز تحریر میں کمال مہارت رکھتے ہیں چنانچہ انھیں 'زمرد قلم' کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ ایک شاعر بھی ہیں جو فارسی اور ہندوستانی میں فکر سخن کرتے ہیں۔ سرور کا بیان ہے کہ وہ غدر سے پہلے صوبۂ دہلی میں کھاری باؤلی میں رہتے تھے اور ہر مہینہ کی ۱۴ تاریخ کو اپنے یہاں مشاعرے منعقد کیا کرتے تھے۔

وارفتہ۔نواب شیر علی خان۔لکھنوی:

وہ نواب مرزا منگو کے بیٹے اورنواب اودھ شاہ شجاع الدولہ بہادر کے پوتے تھے۔ان کے استاد مرثیہ گو مرزا باقر ادراک تھے۔وارفتہ کا شمار ہندوستانی شعرا میں کیا گیا ہے۔''سراپا سخن'' میں ان کے کچھ اشعار درج ہیں۔

واسطی۔منشی سید فضل رسول خان:

ضلع ہردوئی جلال پور میں تعلق دار کے عہدے پر فائز تھے۔وہ دور حاضر کے ایک اچھے شاعر ہیں،جن کی چند غزلیں ۱۸۶۸ء اور ۱۸۶۹ء کے''اودھ اخبار'' میں شائع ہوئی ہیں۔

واصف۔مرزا حسن بخش خان اعظم الدولہ۔دہلوی:

وہ تربیت خان کے بیٹے اورسرور کے چچازاد بھائی اور شاگرد تھے۔شاہی محل میں معلم کی حیثیت سے ملازم تھے۔انھوں نے اردو میں اشعار کہے ہیں۔

ذکا ان کو واقف کہتے ہیں۔یہ بات ڈاکٹر اسپرنگر نے ذکا کے تذکرہ کے اس قلمی نسخے سے لکھی ہے جو کہ ان کے پاس ہے۔لیکن فارسی رسم الخط میں واصف اور واقف بالکل یکساں معلوم ہوتے ہیں۔

واصف۔مولوی احمد حسین۔لکھنوی:

وہ تاج الدین کے بیٹے اوراشرف خان کے شاگرد تھے۔انھوں نے ایک دیوان مرتب کیا ہے،جس سے چند اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

واصل۔غلام محی الدین محمد۔بلگرامی:

انھوں نے ایک ہزار اشعار کا ایک دیوان مرتب کیا ہے۔سرور اور عشقی نے ان کا ذکر کیا ہے۔

واصل۔میاں واصل خان:

وہ شاہی محل دہلی کے دربان تھے۔انھوں نے ہندوستانی میں شعر کہے ہیں۔جس وقت قاسم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے،واصل فوت ہو چکے تھے۔قاسم ان کو محمد اور ذکا ان کو میاں واصل خان کہتے ہیں۔

واصل۔محمد۔بدایونی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر سرور اور ذکا نے کیا ہے۔

واقف۔شاہ۔دہلوی:

وہ ایک درویش تھے جو علوم متداولہ کے ماہر تھے۔انھیں نواب شجاع الدولہ والیٔ اودھ کے عہد میں قید کر دیا گیا تھا کیونکہ انھوں نے سپاہیوں کی حمایت میں ایک نظم پڑھی تھی جسے غالباً انھوں نے خود لکھا تھا۔اس

واقع پر انھوں نے ایک غزل لکھی ہے جس کے مطلع کو ابراہیم نے نقل کیا ہے۔ ابراہیم کا بیان ہے کہ اس غزل کی تصنیف کے بعد انھیں رہا کردیا گیا لیکن انھیں معلوم نہیں کہ ان کی رہائی اس غزل کی وجہ سے ہوئی تھی یا نہیں۔ ۱۱۹۴ھ/۱۷۸۰ء میں وہ والدہ سراج الدولہ کے خواجہ سراؤں کے سردار کے پاس فیض آباد میں آکر رہتے تھے۔ کمال نے ان کے دوسرے اشعار کے علاوہ ایک منقبت بھی نقل کی ہے، اس صنف میں وہ بہت مہارت رکھتے تھے۔

قاسم کے تذکرہ لکھنے سے چند سال پہلے ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ مصحفی نے ان کے اشعار کو ڈیڑھ صفحات میں نقل کیا ہے۔

واقف۔ شیخ محمد:

وہ ایک شاعر ہیں جن کا ذکر ابوالحسن نے اپنے ''مسرت افزا'' میں کیا ہے۔

والا:

ابوالحسن نے اپنے ''مسرت افزا'' میں صرف ان کا تخلص بتایا ہے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں۔

وجاہت۔ مرزا محمد وجاہت علی خان۔ میرٹھی:

احمد نور خان کے بیٹے۔ وہ میرٹھ کے اردو ''اخبار العالم'' کے مدیر ہیں جو ۱۸۶۰ء سے اسی نام کے مطبع سے نکلتا ہے۔ ابتدا میں یہ اخبار ''مطبع نورالابصار'' سے شائع ہوتا ہے۔ ''اخبار العالم'' ہر ہفتہ جمعرات کے روز ۱۶ صفحات پر چھپتا ہے۔

۱۸۶۹ء سے وجاہت ''اخبار عالم'' کا ایک ہندی ترجمہ ''جگت سماچار'' کے نام سے بھی شائع کرتے ہیں۔

ان کی ایک تاریخ ''بہارستان ناز'' کے آخر میں شامل ہے۔

وجاہت چند کتابوں کے اڈیٹر ہیں مثلاً ''تجربۂ ملخ'' (مصنفہ غلام نبی) وغیرہ۔

ان کی فہرست تصنیفات ذیل میں ہے:

۱۔ ''جہاں نما''۔ یہ علم جغرافیہ پر ایک اردو کتاب ہے جو میرٹھ سے ۱۲۸۰ھ/۴-۱۸۶۳ء میں چھوٹی تقطیع کے ۵۷ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں تخلیقات عالم مثلاً کوہ، بحر، جنگل، انسان وحیوانات کا بیان ہے اور اس کی زبان نہایت ہی شگفتہ اور آسان ہے۔

۲۔ ''آئینہ لندن''۔ اس میں ہندوستانی سیاحوں کے لیے اس شہر کے متعلق ضروری معلومات جمع کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب چھوٹی تقطیع کے ۱۱۰ صفحات میں ہے اور اس میں انگلستان کے دارالحکومت کی اہم

تعمیرات کی نو تصاویر بھی شامل ہیں۔

وجدی۔ شیخ وجیہ الدین:

انھوں نے دکنی بولی میں فارسی کتاب ''منطق الطیر'' کا ترجمہ کیا ہے۔ اس ترجمہ کا نام ''پنچھی نامہ بھاشا'' ہے۔ مجھے Mr.H.Cartor کو منشی نور خان سے اور نور خان کو پونہ کے پادری Harry Mitchell سے حاصل ہوئی تھیں۔

Mr. E. Sice نے پانڈیچری سے اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ مجھے بھیجا ہے، جو فارسی ''منطق الطیر'' کے فرانسیسی ترجمہ کے لیے بہت مفید ثابت ہوا۔ میں نے یہ ترجمہ ۱۸۵۷ء اور ۱۸۶۳ء میں شائع کیا ہے۔ اس کے بعد بمبئی سے ایک اور ترجمہ ۱۲۸۰ھ/۴-۱۸۶۳ء میں چھوٹی تقطیع کے ۱۸۳ صفحات پر شائع ہوا ہے۔

وحدت۔ جمعیت رائے:

وہ میرٹھ کے ایک کایستھ تھے۔ شیفتہ نے اپنے ''گلشن بے خار'' میں ہندوستانی شاعر کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے۔

وحشت۔ میر بہادر علی۔ لکھنوی:

وہ نواب اودھ شجاع الدولہ کے دربار میں ملازم تھے۔ انھوں نے ٹھیٹھ ہندی میں ''بارہ ماسا'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ کمال کا بیان ہے کہ وہ میاں علی حسرت کے شاگرد تھے لیکن محسن نے ان کے استاد کا نام جرأت بتایا ہے۔ محسن نے ان کے اشعار کا ایک نمونہ اپنے تذکرے میں پیش کیا ہے۔

وحشت۔ میر ابوالحسن۔ دہلوی:

تبر انداز خان کے پوتے اور مرزا رفیع سودا کے شاگرد۔ ان کا شمار ہندوستانی شعرا میں کیا گیا ہے۔ وہ دہلی کے رہنے والے تھے۔ ان کا انتقال ۱۱۶۸ھ/۵-۱۷۵۴ء میں ہوا ہے۔ میر غلام حسین اور ابراہیم کے تذکروں کے حوالے سے عشقی کا خیال ہے کہ وحشت اور امیر محمد حسن ایک ہی شخص ہیں۔ لیکن میر تقی ان دونوں کو مختلف اشخاص سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ وہ وحشت اور حسن دونوں تخلص استعمال کرتے رہے ہوں اور ان کا نام ابوالحسن کے ساتھ محمد حسن بھی ہو۔

وحشت۔ غلام علی خان:

وہ میر فرحت اللہ کے بیٹے اور مولانا محمد رشید خان کے داماد تھے۔ وہ ایک ممتاز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اور مراد آباد میں پیدا ہوئے لیکن بنارس اور دہلی میں تعلیم تربیت پائی۔ ۱۲۵۰ھ/۵-۱۸۳۴ء میں وہ

بمقام بلند شہر انگریزی حکومت میں ملازم تھے۔ شیفتہ ان سے واقف تھے اور انھوں نے ان کی ذہنی صلاحیتوں اور ان کے انداز بیان کی بڑی تعریف کی ہے۔ اگر چہ ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر تقریباً ۴۰ سال تھی مگر وہ کافی شہرت حاصل کر چکے تھے۔ وہ مومن کے ایک ممتاز شاگرد ہیں اور ان کے متعدد ہندوستانی اشعار بہت مقبول ہیں۔ شیفتہ نے ان کے اشعار کو چند صفحوں میں نقل کیا ہے۔

وحشت۔ میرزا باقر علی خان۔ بریلوی:

وہ حسین علی خان کے بیٹے اور مہدی علی خان بہادر کے ایک آفیسر تھے۔ وہ فتح آباد میں پیدا ہوئے اور لکھنو میں رہتے تھے۔ ان کے استاد میر تقی میر تھے۔ وہ صاحب دیوان ہیں جن کے چند اشعار سرور نے نقل کیے ہیں۔

وحشت۔ مخدوم بخش۔ کانپوری:

وہ شیخ خدا بخش کے بیٹے اور شیخ احمد علی کامل کے شاگرد تھے۔ محسن نے ہندوستانی شاعر کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے۔

وحشی:

وہ دہلی میں پیدا ہوئے اور پٹنہ میں رہتے تھے، جہاں میر بخشی کی حیثیت سے ملازم تھے۔ شورش اور محسن نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ محسن کا بیان ہے کہ جن دنوں وہ اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو وحشت کا انتقال ہو چکا تھا۔

وحید۔ حکیم محمد وحید اللہ خان۔ بدایونی:

وہ بھرتپور کے راجہ کے حکیم اور دوست تھے۔ ان کے والد حکیم سعد اللہ خان تھے اور ان کے دادا کا نام حاذق الملک حکیم عبد اللہ خان قریشی تھا۔ وہ صاحب دیوان ہیں جن کی چند غزلیں محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کی ہیں۔ باطن نے بھی ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ وہی وحید ہیں جنھوں نے ''مختصر سیر ہندوستان'' کا اردو ترجمہ کیا ہے۔

وحید۔ مولوی عبد الرؤف:

کلکتہ کے رہنے والے تھے۔ باطن نے ہندوستانی شاعر کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کی فارسی کی مہارت کی تعریف کی ہے۔

وحید علی:

انھوں نے حکیم محمد اکبر کی فارسی کتاب ''مجربات اکبری'' کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ کتاب طب کے

موضوع پر ہے اور نول کشور نے ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء میں لکھنو سے چھوٹی تقطیع کے ۱۵۰ صفحات پر شائع کیا ہے۔

وحید۔ منشی سرفراز علی خان:

وہ میر بلند خان بہادر جنگ کے بیٹے ہیں اور دکن کے علاقہ نرسنگھ پور کے قریب سالار سہانی میں رہتے تھے۔ وہ ایک فوجی دستہ کے سپہ سالار گھاسی خان کے ساتھ لکھنو آئے اور اس کے قریب قصبہ موہان میں رہنے لگے۔ وہ قطب الدولہ کے معتمد تھے اور انتظامی امور کے متعلق لکھتے رہتے تھے۔ ہندوستانی شاعری میں وہ میر وزیر صبا کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ایک دیوان یادگار چھوڑا ہے، جس میں سے محسن نے بہت سے اشعار نقل کیے ہیں۔

وجیہ الزمان۔ شیخ:

وہ شمالی مغربی صوبہ کے صدر دیوان الدولہ میں سررشتہ دار کی حیثیت سے ملازم تھے۔ انھوں نے ''مجموعہ عنبیات المنایات'' کے نام سے Indion penal code کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ اس کام میں انھوں نے G.F.Edmonstone سے مدد لی ہے۔ جن کی فارسی اور اردو استعداد کی کریم خان نے بڑی تعریف کی ہے۔ یہ ترجمہ آگرہ سے ۱۸۵۰ء میں بڑی تقطیع کے ۱۱۸ صفحات پر شائع ہوا ہے۔

وحیدی۔ دکنی:

انھوں نے محمد حنیف پر ایک نظم لکھی ہے اور میرا خیال ہے کہ یہ وہی ''قصہ در احوال جنگ محمد حنیف'' کا ایک نسخہ ایسٹ انڈیا لائبریری میں موجود ہے۔ اس نظم کا ایک نسخہ میرے پاس موجود ہے جو ایک ضخیم کتاب کا ایک حصہ ہے لیکن اس کتاب کی فہرست مضامین میں اس نظم کا عنوان ''حضرت علی سیل'' (یا ''قصہ حضرت علی سیل'') ہے۔ یہ کتاب ۱۲۱۸ھ میں لکھی گئی ہے۔

میرا خیال ہے کہ وحیدی ''مردے احوال'' یا ''مردے کے احوال'' نامی مثنوی کے مصنف بھی ہیں، جو مؤخر الذکر کتاب میں بھی شامل ہے۔

وداد۔ مرزا داؤد:

وہ ایک مزاح نگار شاعر ہیں، جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔

وداد۔ سلیمان علی خان:

ان کو مرزا محمد زمان بھی کہتے ہیں۔ وہ محمد حسین علی قلی خان کے بیٹے ہیں جو کہ اصفہان سے تعلق رکھتے ہیں۔ مظہر علی ولا ان کے بیٹے ہیں۔ ان کا شمار ہندوستانی شعرا میں کیا جاتا ہے۔ ''دیوان ولا'' کا جو نسخہ ایشیاٹک

سوسائٹی کلکتہ کے نمبر ۶ پر ملتا ہے، اس کے شروع میں وداد کے اشعار بارہ صفحوں میں دیے گئے ہیں۔

وزیر۔ شیخ وزیر علی۔ بلگرامی:

وہ فارسی کے عالم منشی احمد کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ایک ریختہ اور ایک ریختی دیوان یادگار چھوڑا ہے۔

وزیر۔ خواجہ وزیر۔ لکھنوی:

ان کے والد کا نام خواجہ فقیر تھا جو خواجہ فقیر بہارالدین نقشبندی کے بیٹے تھے۔ وزیر شیخ امام بخش ناسخ دہلوی کے ایک ممتاز شاگرد تھے۔ ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر تقریباً ۵۰ سال تھی۔ انھوں نے ایک دیوان کے علاوہ ''دستور العمل جاگیرداران'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو لاہور سے ۱۸۵۰ء میں شائع ہوئی ہے۔

ایک روایت ہے کہ وزیر نے اس کتاب کو دوبار تصنیف کیا تھا لیکن پہلی مرتبہ کسی شخص نے اس کے چھپنے سے پہلے چوری کر لی۔ چنانچہ انھوں نے اسے دوبارہ لکھا اور اسے شائع ہونے سے پیش تر کسی شخص کو بھی دکھانے کے روادار نہیں ہوئے۔

محسن ان سے واقف تھے اور ان کا بیان ہے کہ وزیر ایک بہت ہی شگفتہ شاعر ہونے کے علاوہ علم ہندسہ میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ انھوں نے ان کی متعدد غزلیں نقل کی ہیں۔ محسن کا بیان ہے کہ ان کے تذکرہ کی تصنیف سے پہلے وزیر کا انتقال ہو چکا تھا۔

وزیر علی۔ میر اور منشی:

وہ دہلی کالج میں انگریزی کے پروفیسر تھے اور حسب ذیل کتابیں ترجمہ کی ہیں:

۱۔ ''ترجمہ تاریخ یونان''۔ یہ کتاب Goldsmith کی کتاب کا ترجمہ ہے، جسے شیو پرشاد کی مدد سے مکمل کیا ہے۔ یہ کتاب دہلی سے ۱۸۴۴ء میں چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی ہے۔

۲۔ ''پہاڑے کی کتاب یا پہاڑے کی پستک''۔ یہ علم ہندسہ کی ایک ابتدائی کتاب ہے، جو آگرہ سے ۱۸۶۸ء میں ۱۶ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

۳۔ *Elementnts of Political Eeconomy*۔ یہ کتاب Fill کی کتاب سے مرتب کی گئی ہے اور دہلی سے بھی شائع ہوئی ہے۔

وزیر خان۔ محمد:

وہ اور احمد خان آگرہ میں اردو ''قطب الاخبار'' کے اور ''مطبع قادری'' کے ناظم ہیں، جہاں سے ''قطب الاخبار'' ہر ہفتہ شائع ہوتا ہے۔

۱۸۵۱ء میں یہ اخبار کافی مقبول ہو گیا تھا اور اس کا نام تبدیل ہو کر ''قطب الاخبار و تذکرۃ الاشعار و احکام سرکار تواریخ الاخبار'' ہو گیا تھا۔

انھوں نے ہندی میں بھی چند کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ڈاکٹر وزیر خان کے نام سے ایک دوسرے مصنف بھی ہیں، جنھوں نے مولوی رحمت اللہ کے ساتھ ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ''اعجاز عیسوی'' ہے۔

وزیری۔ نواب وزیر علی خان:

ان کا شمار ہندوستانی شعرا میں کیا گیا ہے۔ وہ نواب اودھ آصف الدولہ کے بیٹے تھے جو خود ہندوستانی میں شعر و سخن سے دلچسپی رکھتے تھے۔ ۱۷۹۷ء میں اپنے والد کے جانشین ہو گئے لیکن Lord Teignneth نے ان کو بعد میں معزول کر دیا کیونکہ وہ آصف الدولہ کی غیر منکوحہ بیوی کے بیٹے سمجھے جاتے تھے۔ ۲۱ جنوری ۱۷۹۸ء میں سعادت علی خان کو تخت پر بٹھا دیا گیا جو آصف الدولہ کے بھائی تھے۔ وزیری کلکتہ میں فوت ہوئے ہیں۔

بنی نرائن نے ان کی ایک غزل نقل کی ہے جس میں اس کی سیاسی زندگی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

وسعت اللہ۔ مستقیم خان۔ رام پوری:

وہ نسلاً افغانی اور ایک ہندوستانی شاعر ہیں جو کہ قدرت اللہ شوق کے شاگرد تھے۔ کمال ان سے کسی مشاعرے میں ملے تھے اور ان کے اشعار لکھ لیے تھے جو انھوں نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

وصال۔ حکیم نصر اللہ خان:

وہ حکیم ثناء اللہ خان فراق کے بیٹے اور ایک اچھے طبیب ہونے کے علاوہ ایک ممتاز شاعر بھی ہیں۔ ابتدا میں وہ اپنے والد سے مشورہ سخن کرتے تھے بعد میں عبدالعزیز کے شاگرد ہو گئے۔ ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر تقریباً ۶۰ سال تھی۔ ۱۸۴۹ء میں وہ نواب جھجر کے پاس ۲۰۰ روپیہ ماہانہ پر ملازم تھے۔ انھوں نے حسب ذیل کتابیں لکھی ہیں۔

۱۔ ''مخزنِ امام حسین''۔ یہ کتاب اردو میں ہے اور دہلی سے ۱۲۶۲ھ/۶-۱۸۴۵ء میں شائع ہوئی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ بہت کاوش کے بعد لکھی گئی تھی۔

۲۔ ''شرح تشریح افلاک''۔ یہ علم نجوم پر ایک عربی رسالہ ہے۔ وصال نے شاعر کی حیثیت سے دوسری اصناف شاعری کے علاوہ سلام اور مرثیے بھی لکھے ہیں۔

وصف ـ میر محمود علی ـ کانپوری:

ان کے آباؤ اجداد فیض آباد کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد میر محمد حسین تھے اور ان کے استاد کا نام میر وزیر صبا تھا۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

وصل ـ میر احمد علی:

وہ لکھنو میں پیدا ہوئے اور بنارس میں رہتے تھے۔ ان کے والد میر اصغر علی تھے اور ان کے استاد کا نام خواجہ وزیر تھا۔ وہ صاحب دیوان ہیں جن کے اشعار محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

وصل ـ مرزا اسحاق:

وہ حاجی ابراہیم کے بیٹے اور آقا نذیر اصفہانی کے پوتے تھے۔ وہ ایک ممتاز ہندوستانی شاعر تھے جو ۱۱۹۶ھ میں کچھ عرصہ سے لکھنو میں رہتے تھے۔ وہ شاہ ملول کے شاگرد تھے اور خاص طور پر مرثیہ و غزل کہتے تھے۔

وفا ـ مولوی عبدالولی:

ان کا آبائی وطن کشمیر تھا لیکن وہ خود دہلی میں پیدا ہوئے۔ خوش نویس ہونے کے علاوہ منشی تھے۔ وہ میاں نصیر کے شاگرد تھے۔ سرور ان سے واقف تھے اور انھوں نے وفا کے اشعار نصف صفحے میں نقل کیے ہیں۔

وفا ـ حیدر علی دہلوی:

وہ دور حاضر کے ایک شاعر ہیں جو محرم کے زمانے میں مرثیہ خوانی کرتے ہیں۔ وہ کریم کے مشاعروں میں شریک ہو کر اپنا کلام سناتے تھے۔ ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر ۲۵ سال تھی۔ وہ دراز قد، خوبصورت اور زندہ دل آدمی تھے، ساتھ ہی وہ بڑے شیریں مقال اور ظریف طبع بھی تھے۔

وفا ـ راجہ نول رائے:

وہ نجیب الدولہ نجیب خان کے وزیر راجہ گلاب رائے کے چھوٹے بھائی ہیں۔ قائم کے شاگرد تھے۔ انھوں نے اپنے کلام کو دیوان کی صورت میں مرتب کیا ہے۔

وفا دہلی کے باشندے تھے لیکن مراد آباد میں مقیم تھے۔ صفدر یار جنگ کے زمانے میں وہ اودھ کے نائب تھے۔ ان کا انتقال ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۴ء میں ہوا۔ ہندوستانی تذکرہ نگاروں نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

وقار ـ منشی فضل حسین:

وہ دور حاضر کے ایک شاعر اور لکھنو کے ایک معزز شہری ہیں۔ جو میر وزیر علی مرحوم کے شاگرد ہیں۔ ان کی ایک غزل مراد آباد کے مشاعرے میں پڑھی گئی جو کہ ۳۰ نومبر ۱۸۶۹ء کے ''اودھ اخبار'' میں چھپی تھی۔

وقت:

انھوں نے ہندوستانی میں شعر کہے ہیں۔ جن کا ایک نمونہ محسن نے اپنے ''سراپا سخن'' میں پیش کیا ہے۔

ولا۔ مرزا لطف علی:

مرزا لطف علی کو مظہر علی خان ولا اور ان کے والد سلیمان علی خان کو مرزا محمد زمان درازاور ان کے دادا محمد حسین کو علی قلی خان بھی کہتے ہیں۔ ''بیتال پچیسی'' کے دیباچے میں ان کا ذکر اسی نام سے کیا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مظہر علی خان ولا ان کا اصل نام تھا لیکن ان کو عام طور پر مرزا لطف علی کہتے تھے۔ قاسم نے انھیں مرزا لطف اللہ لکھا ہے۔ اصفہان سے تعلق رکھتے تھے۔ ولا مشہور ہندوستانی مصنف ہیں اور دہلی ان کا پیدائشی وطن ہے۔ وہ بڑے مرتبے کے آدمی تھے۔ اردو کے مشہور شاعر مرزا جان تپش اور تذکرہ نگار مصحفی کے شاگرد تھے۔ میں نے ان کے حالات کی تفصیل زیادہ تر مصحفی کے تذکرہ سے لی ہے۔ جس وقت مصحفی اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے، ولا میر نظام الدین ممنون سے بھی مشورۂ سخن کرتے تھے۔ ۱۸۱۴ء میں ان کا قیام کلکتہ میں تھا۔ بنی نرائن ان سے بخوبی واقف تھے اور انھوں نے بارہ صفحوں میں ان کا کلام نقل کیا ہے، ولا سے حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ ''دیوان ولا''۔ اس کے چند نسخے فورٹ ولیم کالج کلکتہ اور ایک نظام حیدرآباد کے وزیر کے کتب خانے میں موجود ہیں۔ میرے پاس بھی ایک نسخہ ہے۔

حیدرآباد کے راجہ چندولال کے کتب خانے میں ولا کے اشعار کا ایک انتخاب بھی ہے، جس کا عنوان ''قصائد و مطالعہ ہائے ولا'' ہے۔ غالباً یہ وہی کلام ہے جو دیوان میں شامل ہیں۔

۲۔ ''اتالیق ہندی''۔ یہ ہندوستانی اور فارسی کی ابتدائی کتاب ہے جو ہندوستانیوں اور ایرانیوں کو ہندوستانی پڑھانے کے لیے لکھی گئی ہے۔ ڈاکٹر گلکرسٹ نے اس کتاب کو فورٹ ولیم کالج کے مطبع سے ۱۸۰۲ میں کلکتہ شائع کیا ہے۔ اس کا دوسرا اڈیشن غالباً پورا پورا رومن رسم الخط میں ۱۸۲۱ء لندن سے نکلا ہے۔ لیکن یہ دوسرا اڈیشن پہلے کے مقابلے میں اچھا نہیں ہے۔ دونوں اڈیشن چھوٹی تقطیع کے ہیں۔

۳۔ ''پندنامہ کا ترجمہ''۔ یہ اس کتاب کا ترجمہ ہے جو سعدی سے منسوب کی جاتی ہے اور یہ ترجمہ اس کتاب میں بھی شامل ہے جس کا ذکر ''اتالیق ہندی'' کے نام سے اوپر لکھا جاچکا ہے۔ افسوس نے ''باغ اردو'' کے نام سے ''گلستان'' کا جو اردو ترجمہ کیا ہے، اس کے آخر میں بھی یہ ترجمہ شامل ہے۔ ''مجموعہ تعلیم الصبیان'' میں بھی یہ ''پندنامہ'' اس سے پہلے چھپ چکا ہے۔ ''پندنامہ'' کے ایک اور اڈیشن کا ایک قلمی

نسخہ فورٹ کالج کلکتہ کے کتب خانے میں ہے۔ یہ فارسی میں ہے اور اردو ''پند نامہ'' کے ساتھ اس میں ہندوستانی اور فارسی کی ایک فرہنگ بھی بلحاظ حروف تہجی دی ہوئی ہے۔ اس میں ہندوستانی اورا اردو مصادر فہرست کے ساتھ ہند سے اور وزن کرنے کے پیمانے بھی دیے ہوئے ہیں۔

سعدی کے ''پند نامہ'' کے اردو میں چند اور ترجمے ہیں، جن میں سے ایک نظام حیدرآباد کے وزیر کے کتب خانے میں ہے اس کا نام ''کریما'' ہے۔ یہ دکنی بول چال میں ہے اور نظم ''کریما'' کے نام سے شروع ہوتی ہے۔ دکنی میں ایک اور ترجمہ ہے جو Persian Primer میں شائع ہوا ہے۔

۴۔ ''قصۂ مادھونل''۔ انھوں نے ۱۲۱۵ء شری للوجی کی مدد سے اسے اردو میں تصنیف کیا ہے۔ اس کے ابتدائی ۱۰ صفحے ناگری رسم الخط میں ۱۸۰۵ء میں کلکتہ سے Hindi Manual کے نام سے چھپے تھے۔ لیکن میرے پاس اس کا مکمل اڈیشن فارسی رسم الخط میں موجود ہے۔ اصل کتاب بھاشا میں ہے اور موتی رام نامی شاعر نے لکھی ہے۔ ایچ۔ ایچ۔ ولسن کی فہرست کتب جلد ۲، صفحہ ۱۰۵، ملاحظہ ہو۔

۵۔ ''تاریخ شیر شاہی''۔ یہ اس فارسی تاریخ کا ترجمہ ہے جو اکبر کے حکم سے عباس بن علی شیروانی نے لکھی تھی۔ ولا نے یہ ترجمہ ۱۸۰۵ء میں کیا ہے۔ شیکسپیئر کے حاشیے کے مطابق اس کتاب کا ترجمہ انگریزی میں ہوا ہے۔ میں نے ۱۸۶۵ء میں اس کا فرانسیسی میں ترجمہ کر کے چھپوایا ہے، جس کا عنوان Chaptre de Indo Musalmane ہے۔ اس کے قلمی نسخوں میں ولا کے اس ترجمہ کا بھی ایک نسخہ نستعلیق میں موجود ہے۔ میرے پاس بھی مسٹر۔ جی۔ پرنسپ کا دیا ہوا ہے۔

۶۔ ''تحفت گلشن''۔ یہ اردو نثر میں کسی فارسی قصے کا ترجمہ ہے۔ ڈاکٹر گلگرئسٹ کے پاس اس کا ایک نسخہ تھا جو بعد میں فاربس فالکنر کے پاس پہنچا۔

اس کتاب کا جو اشتہار Essays of Students of F.W.College اور Primitive Oriontalist میں دیا گیا ہے، اس سے پتا چلتا ہے کہ یہ کتاب ۱۸۰۲ء میں چھپی ہے۔ فورٹ ولیم کالج کے کتب خانے میں اس کا ایک قلمی نسخہ تھا جو بعد میں بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی کو منتقل کر دیا گیا۔

۷۔ ''جہانگیر شاہی''۔ یہ ''اقبال نامۂ جہانگیری'' کا اردو نثری ترجمہ ہے۔ کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی میں اس ترجمہ کا ایک نسخہ موجود ہے۔ یہ اکبر کے بیٹے نور الدین جہانگیر خان بادشاہ کی تاریخ ہے جو ۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۸ء میں ہندوستان کا حکمران تھا۔ اصل کتاب فارسی میں خان محمد شریف ایرانی کی تصنیف ہے۔

۸۔ ''رسالہ مناظرہ میر سید شریف''۔ انھوں نے Jonathan Lowet کی فرمائش پر اس کتاب کا ترجمہ

کیا ہے۔ فوربس فاکنر کے پاس اس کا ایک نسخہ تھا جسے نہال چند نے نقل کیا تھا۔ یہ کتاب ابتدا میں ڈاکٹر گلکرئسٹ کے کتب خانے میں تھی۔

۹۔ میرا خیال ہے کہ ولا نے ''لیلیٰ مجنوں'' کے عنوان سے ایک مثنوی بھی لکھی ہے۔ یہ امیر خسرو کی فارسی مثنوی کا ترجمہ ہے یا پھر اس کی تائید میں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ ڈی۔ فاربس کے پاس ہے جو پہلے ڈاکٹر گلکرسٹ کے پاس تھا۔ مصنف کا بیان ہے کہ وہ دہلی سے کلکتہ گئے جہاں وہ منصفی میں ملازمت کرتے تھے۔

۱۸۱۰ء میں ولا نے اپنے دیوان کا ایک نسخہ فورٹ ولیم کالج کلکتہ کو دیا تھا، جو آج کل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں ہے۔ اس کے شروع میں بارہ صفحوں میں ان کے والد کے حالات زندگی اور ان کی بعض غزلیں درج ہیں۔ ۱۲۰ صفحوں میں قصیدے، سو صفحوں میں غزلیں اور نوے صفحوں میں رباعیاں اور قطعات وغیرہ ہیں۔

وجیہ۔ نواب وجیہ الدین خان بہادر:

وہ حسام الدولہ نواب حسام الدین خان بہادر کے چھوٹے بھائی تھے اور سلطان دہلی کے یہاں ایک اعلیٰ منصب پر فائز تھے۔ وہ مرزا فاخر مکین کے شاگرد تھے اور ہندوستانی اور فارسی دونوں میں شعر کہتے تھے۔ فارسی میں وہ برید تخلص کرتے تھے۔ عشقی کے بیان کے مطابق انھوں نے ہندی میں بارہ ہزار اشعار کہے ہیں اور فن شاعری میں انھیں بڑی قدرت حاصل تھی۔

سرور کے تذکرے کی تصنیف سے چند دن پہلے وجیہ کا قیام لکھنو میں تھا۔ انھوں نے ایک مثنوی ''قصہ پرسا رخ وماہ سیما'' کے نام سے لکھی ہے، جس کا ایک نسخہ موتی محل لکھنو کے کتب خانہ میں ہے۔ اس نسخے میں ۱۷۴ صفحات اور ہر صفحے میں پندرہ اشعار ہیں۔

ولایت علی سمیر۔ غازی پوری:

وہ ''رسالۂ نکاح'' کے مصنف ہیں جو لدھیانہ سے ۲۷ صفحات پر شائع ہوا ہے۔

ولایت۔ نواب ولایت علی خان۔ لکھنوی:

وہ نوب احمد علی خان پسر نواب اودھ شجاع الدولہ بہادر کے بیٹے تھے۔ وہ اردو میں شعر کہتے تھے جس کا ایک نمونہ محسن نے اپنے تذکرے میں پیش کیا ہے۔

ولایت۔ میر ولایت اللہ خان۔ لکھنوی:

وہ خواجہ جعفر کے شاگرد اور محتشم علی خان حشمت کے بھائی تھے۔ وہ صرف اردو شاعری کے لیے

ممتاز نہیں بلکہ بہادری، فیاضی، آزاد خیالی اور صاف گوئی کے لیے بھی اپنے دور میں ایک ممتاز شخصیت ہیں۔ ان کا انتقال نواب شجاع الدولہ کے عہد حکومت میں ہوا ہے، جن دنوں علی ابراہیم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے۔

یہ باتیں علی ابراہیم سے معلوم ہوئی ہیں۔ انھوں نے ان کے چند اشعار بھی نقل کیے ہیں۔ شاید یہ وہی شاعر ہیں جن کا ذکر قاسم و سرور نے شاہ ولایت کے نام سے کیا ہے اور ان کا بیان ہے کہ وہ ایک درویش تھے جو ابتدا میں دہلی میں رہتے تھے۔ اس کے بعد وہ کوئل کے قریب اور آخر میں فرخ آباد میں رہتے تھے۔ شاہ ولایت نے متصوفانہ ہندوستانی اشعار کہے ہیں۔

ولی۔ حکیم شیخ ولی محمد:

وہ سہارن پور میں نانوتہ کے رہنے والے تھے۔ سرور نے ہندوستانی شاعر کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے۔

ولی۔ علی محمد خان۔ لکھنوی:

وہ قائم علی خان کے بیٹے اور نواب ظفریاب خان راسخ کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ہندوستانی اشعار کا ایک دیوان چھوڑا ہے۔ جس کے چند اشعار ان کے دوست محسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیے ہیں۔

ولی۔ میر مبارک علی:

وہ دہلوی سمجھے جاتے ہیں لیکن دراصل فیض آباد کے رہنے والے تھے۔ وہ شعر و سخن سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے اور ان کے والد شاہ قدرت اللہ قدرت تھے۔ جن دنوں علی ابراہیم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے، وہ مرشد آباد میں رہتے تھے۔ سرور نے ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

ولی۔ محمد اکبر:

آگرہ کے رہنے والے۔ وہ اردو کے ایک شاعر ہیں، جو محمد شاہ کے دور حکومت میں رہتے تھے۔ قاسم نے ان کا ذکر کیا ہے۔

ولی اللہ۔ سید:

وہ ضلع فرخ آباد میں مفتی کے عہدے پر فائز تھے اور عربی کے زبردست عالم تھے۔ وہ مفتی کی حیثیت سے بڑے رحم دل اور پاک خیال اور بردبار شخص تھے۔ انھوں نے قرآن کا ایک اڈیشن عربی فارسی اور ہندوستانی ترجموں کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اس کتاب کا اصل قلمی نسخہ اسکاٹ لینڈ کے مستشرق Andrew کے پاس موجود تھا جو دو جلدوں میں ہے۔

ولی اللہ۔شاہ۔دہلوی:

وہ ''فتاوئی درباب تعزیہ داری'' کے مصنف ہیں۔یہ کتاب ان کتابوں میں سے، جسے انگریزی حکومت نے دہلی کے زوال کے بعد ۱۸۵۷ء میں خرید لیا تھا۔

ولی۔سید محمد مسولی:

انھوں نے'' قصہ طالب وموہنی'' یا'' اچنبھا گفتار'' کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔یہ کہانی بہت دلچسپ ہے۔اوردکنی بولی میں لکھی گئی ہے۔اس کا ایک قلمی نسخہ ایسٹ انڈیا لائبریری میں ہے جو ۱۱۷۱ھ/ ۸-۱۷۵۷ء میں محمد پور میں نقل کیا گیا تھا۔اس میں تقریباً ۱۲۰ صفحات ہیں اور ہر صفحے میں ۱۰/ ۱۱ اشعار درج ہیں۔

ولی۔منشی محمد:

وہ پنڈوا کے باشندے تھے۔جن دنوں علی ابراہیم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے۔ولی ہوگلی میں رہتے تھے۔ علی ابراہیم نے ہندوستانی شعرامیں ان کا شمار کیا ہے اوران کے چنداشعار بھی نقل کیے ہیں۔

ولی۔مرزامحمد۔دہلوی:

وہ صوفی شاہ اسراراللہ کے بھتیجے تھے اور ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۰ء میں مرشدآباد میں مقیم تھے۔انھوں نے اردو میں بکثرت اشعار کہے ہیں،جنھیں دیوان کی صورت میں مرتب کردیا گیا تھا۔بنی نرائن نے ان کو ولی دکنی خیال کیا ہے اورولی دہلوی کے نام سے جوگیارہ غزلیں نقل کی ہیں،ان میں سے آٹھ دراصل ولی دکنی کی ہیں۔لطف سے ان کے گہرے دوستانہ مراسم تھے اور انھوں نے ولی کے کلام کے کئی اقتباسات دیے ہیں۔میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ وہی مصنف ہیں جنھوں نے'' دہ مجلس'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے اور جس کا ایک نسخہ کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی میں موجود ہے۔اسی نام کی ایک کتاب حیدری کی لکھی ہوئی ملتی ہے۔جو غالباً مراثی کا مجموعہ ہے اورمحرم کی پہلی دس تاریخوں میں پڑھی جاتی ہے۔

ولی۔مرحمت خان:

ان کا آبائی وطن کشمیر تھالیکن وہ دہلی میں رہتے تھے۔جہاں انگریزی حکومت میں ملازم تھے۔اس کے بعدوہ لکھنو چلے گئے،جہاں انگریزی اخباروں کے اقتباسات جمع کرنے میں مصروف تھے۔انھوں نے ہندوستانی اورفارسی میں اشعار کہے ہیں۔اپنے فارسی کلام میں وہ ثاقب تخلص کرتے تھے۔وہ سرور کے بڑے دوست تھے اورسرور کا بیان ہے کہ ان کے تذکرہ لکھنے کے کچھ عرصہ پہلے ولی کا انتقال ہوا تھا۔قاسم نے ان

کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ وہی محمد خان ہوں جن کا ذکر عشقی نے کیا ہے اور جو جہاندار شاہ کے دربار سے منسلک تھے۔

ولی۔ شاہ محمد ولی اللہ۔ دکنی:

مسلمانان ہند بالخصوص مسلمانان دکن ولی کو اردو شاعری کا باوا آدم خیال کرتے ہیں۔ ولی نے اپنے کو خود بھی ''بادشاہِ سخن'' اور ''بلبلِ ہند'' کہا ہے۔

ولی ہی والیِ ملکِ سخن ہے

ان کے آباواجداد گجرات کے باشندے تھے۔ وہ دکن کے دارالخلافہ اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ وہ سترہویں صدی کے آخری نصف حصے میں شعروسخن میں مصروف تھے اور جیسا کہ ان کے اشعار سے پتا چلتا ہے کہ وہ دکن یا گجرات کے کسی شہر میں رہتے تھے۔ بعض اشعار میں انھوں نے اپنے آبائی وطن گجرات کے چھٹنے پر غم کا اظہار کیا ہے:

گجرات کے فراق سُوں ہے خار خار دل
بے تاب ہے سینے میں آتش بہار دل

ایک شعر میں انھوں نے دکن کے ایک شہر 'ستارہ' کا بھی ذکر کیا ہے، جہاں وہ رہتے تھے۔ ذیل کے شعر سے پتا چلتا ہے کہ وہ بنگال بھی گئے تھے:

سحر جادو میں کچھ نین سا نہیں
سب پھرا دیکھ شہر بنگالہ

دہلی میں رہ کر بھی انھوں نے شعر کہے ہیں کیونکہ ان کے یہاں دریائے جمنا کا ذکر ملتا ہے۔

میر اپنے تذکرے میں صرف چار دکنی شعرا، ولی، عزلت، سراج اور آزاد کا ذکر کیا ہے۔ ان کے مطابق یہ چاروں شعرا ہندوستان میں ہم مرتبہ ہیں لیکن ولی کا مقام ان سب سے برتر ہے۔

میر اور لطف کا بیان ہے کہ ولی شمالی ہند اور خاص طور پر دہلی گئے۔ یہاں وہ میاں گلشن صاحب سے ملے اور اپنے کچھ اشعار انھیں سنائے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ گلشن نے ولی کو یہ مشورہ دیا کہ وہ فارسی کے اعلیٰ خیالات کو ریختہ میں نظم کریں۔ میر نے لکھا ہے کہ اس مشہور شاعر پر مفصل لکھنے کے لیے مجھے مواد حاصل نہیں ہوسکا۔ انھوں نے صرف ڈیڑھ صفحوں میں اور لطف نے چار صفحوں میں ان کے اشعار کا نمونہ دیا ہے۔

علی ابراہیم نے اپنے تذکرہ ''گلزار ابراہیم'' میں ولی کے متعلق صرف چند سطریں لکھی ہیں۔ اس مختصر ذکر

کے بعد ابراہیم نے دیوان ولی سے اشعار کا انتخاب تین صفحوں میں دیا ہے۔ ''تذکرہ شعرا ہندی'' کے مصنف مصحفی نے ولی کا ذکر نہیں کیا۔ بنی نرائن نے ''دیوان جہان'' میں ولی اور مرزا محمد علی دہلوی کو گڈمڈ کر دیا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ولی امامی اور سنی، فرقہ کے درمیان متوازن حیثیت رکھتے تھے۔ جب وہ چار خلفا کا ذکر کرتے ہیں تو سنی معلوم ہوتے ہیں اور بعض وقت علیؓ کی مبالغہ آمیز مدح انھیں شیعہ بنا دیتی ہے۔ ولی نے شاعر کی حیثیت سے اپنی آزادی کو جانے نہیں دیا۔ کیونکہ انھوں نے کسی شہزادے کی تعریف میں قصیدہ نہیں لکھا۔ اس طرح وہ اپنے دوسرے ہم عصر اردو شاعر سودا، میر اور حسن پر فوقیت رکھتے ہیں۔ ان شعرا نے دہلی کے بادشاہوں اور اودھ کے اور بنگال کے نوابوں کی تعریف میں مبالغہ آمیز تشبیہات واستعارات کا استعمال کیا ہے۔

ولی کے ایک بیان سے پتا چلتا ہے کہ وہ یورپ کے فن مصوری سے بھی واقف ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے کئی شاگرد تھے۔ علی ابراہیم نے اپنے تذکرے میں فقیر خان عمر کا ذکر کیا ہے جو کہ ایک مشہور شاعر تھے اور دکن میں ایک اہم عہدے پر مامور تھے۔

ولی ان اردو شعرا میں ہیں، جن کا تعلق روحانیت اور تصوف سے ہے۔ ان کا مقابلہ آسانی سے حافظ سے کر سکتے ہیں۔ کیونکہ حافظ کے یہاں وہی محاسن ومعائب موجود ہیں جو ولی کے یہاں ہیں۔ ولی نے بڑے آزادانہ انداز سے مجاز کے پیرائے میں مسلمان صوفیوں کی حقیقت شناسی پر روشنی ڈالی ہے اور ان کو سمجھانے کے لیے تصوف کی ہر صورت اور ہر پہلو کی وضاحت کی ہے۔

ولی کی تمثیلوں، تشبیہوں، تلمیحوں اور استعاروں میں تصوف کے مسائل کی آمیزش ہے۔ ولی کا کلام سچی شاعری اور مذہبی رنگ کا ایسا امتزاج ہے کہ اس پر تصنع اور بناوٹ کا گمان نہیں ہوتا۔ ولی کے کلام کا زیادہ حصہ غزلوں کی صورت میں ہے اور کلیات کا تین چوتھائی حصہ غزلوں پر مشتمل ہے۔ غزل کے علاوہ بھی بہت سے اشعار ہیں، جن میں ایک نظم ''سورت'' کے عنوان سے بھی ہے۔ ان کا انداز بیان سادہ اور شگفتہ ہے اور انھوں نے اپنے اور بعد کے تمام اردو شعرا کی اس سلسلے میں رہنمائی کی ہے۔ ولی نے کلام کی پاکیزگی پر بڑا زور دیا ہے۔

ولی کا دیوان ہندوستان کے دوسرے شعرا کے دیوانوں سے مختلف ہے۔ وہ بہت ضخیم بھی نہیں ہے۔ انھوں نے مشرقی شعرا کی رسم کے مطابق بڑی شاعرانہ تعلّی سے اس کے اختصار کی وجوہ بیان کیے ہیں۔

میرے پاس ولی کے دس قلمی نسخے ہیں، دو نسخے مجھے ایس پی اور جی شیکسپیئر سے ملے ہیں۔ میں نے اس

مشہور شاعر کا کلام شائع کیا ہے اور اس کے کلام کا اکثر حصہ ترجمہ بھی کیا ہے۔ اگر ولی پر جدید معلومات حاصل کرنی ہیں تو مذکورہ مضامین میں دیکھنا چاہیے۔ ولی کا خاندانی سلسلہ گجرات کے مسلمان بزرگ پیر شاہ وجیہ الدین گجراتی کے خاندان سے ملتا تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ ولی دکنی یا ولی گجراتی وہی شخص ہیں جن کا ذکر دبستان میں ویدانت کے فرقے کے پیرو کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔ (Troyer کے ترجمہ کی جلد دوم، ص ۱۱۴، ۱۱۵، دیکھیے۔)

کریم الدین نے ان کا نام شمس ولی اللہ لکھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسپرنگر نے غلطی سے انھیں دوسرا شخص سمجھ لیا ہے۔ باطن نے بھی ان کا یہی نام بتایا ہے اور ان کا بیان ہے کہ عہد عالمگیری میں ولی دہلی آئے اور وہاں ان کا بڑا پر جوش استقبال کیا گیا۔

۱۱۲۱ھ/۱۷۰۰ء میں وہ عبدالمعانی کے ساتھ دہلی گئے اور اپنے پیر و مرشد اور استاد میاں سعد اللہ گلشن کے مشورے سے ریختہ میں شعر کہنا شروع کیا۔

۱۸۴۵ء میں میری کتاب ''کلام ولی'' کا دوسرا اڈیشن چھپنا شروع ہوا لیکن میرا خیال ہے کہ وہ مکمل نہ ہوسکا۔

ولی نے ایک مثنوی بھی کہی ہے جو ان کے کلیات میں موجود ہے۔ مثنوی کا نام ''قصۂ رتن'' ہے۔ توپ خانہ لکھنو میں اس مثنوی کا ایک نسخہ موجود تھا جس میں ۴۰۰ صفحے اور ہر صفحے میں ۱۳/اشعار تھے۔ محسن نے ولی کو ریختہ کا موجد بتایا ہے اور لکھا ہے کہ وہ مختلف ملکوں میں مشہور ہیں۔ محسن نے یہ بھی کہا ہے کہ ولی گجرات میں پیدا ہوئے، دہلی میں رہے اور دکن میں اردو شاعری کو رواج دیا۔

وہاب:

انھوں نے ''بارہ ماسا'' نامی کتاب ہندی میں لکھی ہے جو کہ نظم میں۔ یہ دو کالموں میں ہے۔ اس میں چھوٹی تقطیع کے ۲۰ صفحات اور ہر صفحے میں ۲۰ سطریں ہیں۔

وہبی۔ منشی اور بابو شیو یا سیوا پرشاد سنگھ، بنارسی:

وہ سنسکرت کے عالم اور ہندی کے زبردست حمایتی ہیں۔ وہ دور حاضر کے ایک جدید مصنف ہیں، جنھوں اردو ہندی اور انگریزی میں تقریباً ۵۰ کتابیں لکھیں ہیں۔

وہ ''شملہ اخبار'' کے پہلے مدیر تھے اور شملہ میں Simla Hill States کے سپرینٹنڈنٹ تھے۔ اس کتاب کے دوسرے مدیر شیخ عبداللہ ہیں۔ یہ اخبار ہفتے میں دو دن نکلتا ہے اور اس میں تجارتی، کاروبار،

نرخنامے اور خرید وفروخت کے متعلق خبریں ہوتی ہیں۔

شیو پرشاد آج کل بنارس میں مقیم ہیں۔اور بیان کیا جاتا ہے کہ وہ C.Turker کی ہدایت اور نگرانی میں انگریزی کی اخلاقی اور مذہبی کہانیوں کو اردو میں ترجمہ کرنے میں مصروف ہیں۔

وہبی کی اردو تصانیف کی فہرست یہ ہے۔

۱۔ History of Rome by D.Goldsmith کا ترجمہ، جس کو دہلی سے ۱۸۴۵ء میں چھوٹی تقطیع پر Mr.Stewart نے شائع کیا۔

۲۔ Mrshman's *Brief Survey of History* کے پہلے حصے کا ترجمہ جس پر نظر ثانی Mr.Stewart نے کی ہے۔اس کتاب کے پہلے حصے کا ترجمہ شیو نرائن اور سرودنرائن نے کیا ہے۔

۳۔ ''تاریخ یا تواریخ بری یا بحری'': یہ کتاب *Laidnes Labinet Encyclopaedia* کی مدد سے مرتب کی گئی ہے۔ Mr.Stewart نے اس کتاب پر بھی نظر ثانی کی ہے۔یہ دہلی سے ۱۸۴۵ء میں چھوٹی تقطیع کے ۲۵ے صفحات پر چھپی ہے۔

۴۔ ''جام جہاں نما''۔ یہ مصنف کی کتاب ''بھوگول وری نشت'' کا اردو ترجمہ ہے۔اس کے چار حصے ہیں۔ پہلا حصہ چھوٹی تقطیع کے ۱۰۰ صفحات پر لکھنو سے ۱۸۵۹ء میں، دوسرا حصہ ۱۴۵ صفحات پر ۱۸۶۰ء میں، تیسرا ۱۷۷ صفحات پر اور چوتھا ۹۲ صفحات پر چھپا ہے۔

۵۔ ''چھوٹا جام جہاں نما''۔یہ'' جام جہاں نما'' کا خلاصہ ہے جو لکھنو سے ۱۸۶۰ء میں ۴۸ صفحا پر شائع ہوا ہے۔

۶۔ ''انگریزی اکھشر وں کے سیکھنے کے اپائے''(انگریزی میں ہندی حروف سیکھنے کا طریقہ)۔یہ کتاب بنارس سے ۱۸۶۰ء میں چھوٹی تقطیع کے ۲۰ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

۷۔ ''قصہ سن فورڈ اور مرتن''۔یہ مسٹر ٹی۔ڈے کی کتاب Story Sanford and Marton کا مختصر اردو ترجمہ ہے۔اس میں ہندوستانی ضرب الامثال اور اشعار بھی شامل ہیں۔یہ ترجمہ لکھنؤ سے ۱۲۸ صفحات پر ۱۸۶۰ء میں شائع ہوا ہے۔'' تاریخ سن فورڈ اور مرتن'' کے نام کے عنوان سے اس کا ایک دوسرا اڈیشن آگرہ سے ۱۸۵۵ء میں چھوٹی تقطیع کے ۴۴۶ صفحات پر چھپا ہے۔یہ اصل کتاب سے مختلف ہے کیونکہ ان دونوں کے صفحات کی تعداد میں بڑا فرق ہے۔

۸۔ ''دلا دل بھلاؤ''۔اس کتاب میں تین حصے ہیں۔پہلا حصہ چھوٹی تقطیع کے ۵۰ صفحات پر آگرہ سے

۱۸۵۵ء میں، دوسرا بنارس سے ۸۸ صفحات پر، اور تیسرا حصہ بھی بنارس سے ۶۴ صفحات پر چھپا ہے۔ یہ کتاب حکایات پر مشتمل ہے اور تعلیمی مقصد کے لیے لکھی گئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ کاتب میرٹھ سے ۱۸۶۴ء سے شائع ہوا ہے۔

۹۔ ''دستورالعمل پیائش''۔ یہ اردو میں ہے اور آگرہ سے ۱۸۵۵ء میں شائع ہوئی ہے۔

۱۰۔ ''عبرت الغافلین''۔ یہ *Life in earnest* کا اردو ترجمہ ہے جو سکندرہ سے ۱۸۵۶ء میں چالیس صفحات پر شائع ہوا ہے۔

۱۱۔ ''آئینہ تاریخ نما''۔ یہ کتاب ان کی ہندی کتاب کا اردو ترجمہ ہے جو الہ آباد سے ۱۸۶۸ء میں ۱۳۲ صفحات پر شائع ہوا ہے۔ اس کا ایک انگریزی ایڈیشن بھی نکلا ہے۔

۱۲۔ ''تاریخ چین وجاپان''۔ یہ Lord Elgin کے ۹-۱۸۵۷ء کے سفر نامہ کے اردو ترجمہ ہے، جس کو انگریزی میں L.Iliphant نے لکھا تھا۔ اس ترجمے میں شیو پرشاد نے F.Bandy سے مدد لی ہے۔ یہ کتاب لکھنو سے ۱۸۶۷ء میں بڑی تقطیع کی دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں ۱۸۳ اور ۲۱۳ صفحات ہیں۔

۱۳۔ ''کچھ بیان اپنی زبان کا''۔ اس میں چھوٹی تقطیع کے ۲۴ صفحات ہیں۔

۱۴۔ ''شہادت قرآنی بر کتب ربانی''۔ یہ کتاب عربی و اردو میں ہے اور لکھنو سے ۱۸۶۰ء میں چھوٹی تقطیع کے ۲۴۲ صفحات پر شائع ہوئی۔ اس کتاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاید مصنف عیسائی ہو گئے ہیں۔

شیو پرشاد لکھنؤ کے ''اودھ اخبار'' کے مدیر اور ''مطبع نول کشور'' کے ناظم بھی ہیں۔ یہ مطبع مہاراجہ مان سنگھ کے کسی گھر میں واقع ہے۔ یہ ایک ہفتہ وار اخبار ہے جو بڑی تقطیع کے ۲۴ یا ۴۸ صفحات پر نکلتا ہے۔ اس اخبار میں بعض اوقات شیو پرشاد کے اشعار بھی شائع ہوئے ہیں۔ پہلی اور ۱۵ دسمبر ۱۸۶۸ء میں ان کے اشعار وہی تخلص کے ساتھ چھپے ہیں۔

J.Long کے *Selections from the Records of Bengal Government.* میں شیو پرشاد کی کتابوں کی فہرست دی گئی ہے۔

۴۰۴۔ میر محمد علی لکھنوی:

علی ابراہیم کے بقول وہ میر محمد تقی خیال کے بیٹے ہیں لیکن مصحفی نے ان کو اپنا پوتا بتایا ہے۔ وہ ایک ہندوستانی مصنف ہیں جن دنوں علی ابراہیم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے، وہ نواب آصف الدولہ بہادر کے

دربار سے منسلک تھے اور نواب انھیں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔انھوں نے ''گلستان خیال'' نامی ایک کتاب لکھی ہے۔کمال کا خیال ہے کہ وہ ہم ان کے استاد تھے۔

ہاتف۔مرزا محمد:

ذکا نے دہلی کے ہندوستانی شعرا میں ان کا ذکر کیا ہے۔وہ فراق کے مشاعروں میں جایا کرتے تھے۔وہ صوفی میر جہاں کے مزار پر مجاور تھے اور علی ابراہیم کا بیان ہے کہ وہ درویشوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔لیکن علم وادب کے مضامین پر راجہ رام ناتھ کے صاحب زادے سے تبادلہ خیال کرتے تھے۔کمال کے بقول وہ آخری دور میں لکھنو میں قیام کرتے تھے۔مصحفی نے لکھا ہے کہ جن دنوں وہ اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو انھیں خبر ملی تھی کہ ہاتف کا دلی میں انتقال ہوگیا۔

ہاتف یا ہاتھی۔دکنی:

یہ شاعر ولی کے ہم عصر تھے۔قاسم نے ان کا ذکر کیا ہے اور میر تقی نے ان کا ایک شعر نقل کیا ہے۔

ہادی۔دہلوی:

انھوں نے ۷۰۰ اشعار کا ایک دیون یادگار چھوڑا ہے۔اسپرنگر کا بیان ہے کہ یہ میر محمد ہادی کے دیوان سے مختلف ہے لیکن مجھے خبر نہیں کہ حقیقت کیا ہے۔

ہادی۔میر محمد جواد۔سید۔دہلوی:

علی ابراہیم کا بیان ہے کہ شیخ فرحت ان کی کوئی پراوہ نہ کرتے تھے۔اس کے برعکس مصحفی نے ان کی شاعرانہ ذہانت کی بڑی تعریف کی ہے۔ان کا بیان ہے کہ وہ پہلے عماد الملک کے ملازم تھے۔بعد کو تارک الدنیا ہو کر گوشہ نشیں ہوگئے۔وہ جب تک دہلی میں رہے مصحفی کے مشاعروں میں برابر شریک ہوتے تھے۔مصحفی نے تین صفحوں میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔غازی الدین حیدر کے زمانے میں ملٹری بازار کے کوتوال تھے۔سرور ان کے بڑے مداح ہیں اور ان کے مطابق ہادی نے ایک دیوان، چند رسائل اور ایک رسالہ عروض وقافیہ کے متعلق یادگار چھوڑا ہے۔اور ان کا انتقال ۱۲۱۵ھ/ ۱۸۰۱ء میں ہوا ہے۔ذکا کے مطابق وہ اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔قانون اور قواعد کو انھوں نے منظوم شکل میں ڈھالا۔ان کے دو دیوان ہیں بلکہ ایک میں تمام کلام غیر منقوط اور دوسرے میں منقوط ہے۔

ہادی۔دکنی:

وہ ایک دوسرے ہندوستانی شاعر ہیں۔جن کا ذکر سرور نے کیا ہے۔

ہادی حسین خان۔سید:

انھوں نے ''جامع القوانین'' لکھی ہے جو راولپنڈی سے شائع ہوئی ہے۔انھوں نے ایک دوسری کتاب ''ہدیۂ ہادی'' کے نام سے لکھی ہے جو لاہور سے شائع ہوئی ہے اور ۶ مارچ ۱۸۶۶ء کے ''کوہ نور'' میں جس کا اشتہار دیا گیا ہے۔

ہانسوی۔عبدالواسع:

انھوں نے اردو زبان میں ایک فارسی قواعد لکھی ہے، جو لاہور سے شائع ہوا ہے۔

ہاشم۔حکیم باقر علی۔لکھنوی:

وہ حکیم مرزا احمد کے بیٹے اور امام بخش ناسخ کے شاگرد تھے۔وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں،جن کا ایک دیوان لکھنو سے شائع ہوا ہے۔محسن نے اس دیوان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

ہزبر حسین۔سید:

کان پور کے رہنے والے۔ وہ ایک ہم عصر مصنف ہیں۔جنھوں نے قرآن کے تیسویں پارے کا اردو میں منظوم ترجمہ کیا ہے۔وہ اس کام کو جاری رکھنا چاہتے ہیں بشرطیکہ دوسرے لوگ اس کی ہمت افزائی اور مدد کریں۔۱۴ر ستمبر کے ''اودھ اخبار'' میں سورہ ۱۔۱۰۸ اور ۱۱۲ کا منظوم ترجمہ جو انھوں نے اردو زبان میں کیا ہے،شائع ہوا ہے۔میرا خیال ہے کہ یہ اردو ترجمہ بہت ہی کامیاب ہے۔

ہاشمی۔سید:

قاسم اور سرور ان کو میر ہاشم علی ہاشم کہتے ہیں اور شیفتہ ان کو میر محمد ہاشم کہتے ہیں۔اسپرنگر ہاشم کو میر ہاشمی اور عاشق دہلوی سے مختلف شاعر بتاتے ہیں۔

وہ سودا کے ایک شاگرد ہیں۔ہاشمی ہندوستان میں شعر وسخن کی ایک نئی روش کے موجد ہیں۔اور متقدمین شعرا اور مصنفین کی طرز کی مخالفت کی وجہ سے جدید شاعری کے علم بردار سمجھے جاتے ہیں۔مصحفی ان سے لکھنو میں ملے تھے اور ان کا بیان ہے کہ جن دنوں وہ اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو ان کی عمر ساٹھ سے تجاوز کر گئی تھی۔ہندوستانی تذکروں میں ان کے چند دلکش اور مؤثر اشعار ہیں۔وہ صاحب دیوان ہیں اور اس کا ایک نسخہ Major M.S.Ottely کے پاس ہے۔یہ ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۱ء میں نقل کیا گیا ہے۔

ہاشمی۔دہلوی:

وہ ایک ہم عصر شاعر ہیں جو دوسرے ہاشمی سے مختلف ہیں۔سرور اور شیفتہ نے ان کا ذکر کیا ہے۔

ہجر۔ مولوی غلام امام خان۔ حیدرآبادی:

وہ ایک دوسرے ہندوستانی شاعر ہیں اور ملکہ (محمد تہور خان) کے بیٹے تھے۔ انھوں نے ۱۲۷۰ھ/۴-۱۸۵۳ء میں والی حیدرآباد نوب نظام الملک فتح جنگ میر فرخندہ علی کے دور میں ہندوستان اور دکن کے سلاطین کی ایک مختصر تاریخ لکھی ہے جس کا نام ''تاریخ رشیدالدین خان'' ہے۔ اس کتاب کا نام نواب اقتدارالملک محمد رشیدالدین خان بہادر کے نام پر رکھا گیا ہے۔ نواب اقتدارالملک نواب فخرالدین خان کے بیٹے اور نظام الملک کے وزیر تھے۔ اس کتاب میں ہندوستان میں فرانسیسیوں کی طاقت کے عروج وزوال کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے اور ان صوبہ جات کا ذکر ہے جو معاہدوں کے ذریعے اور جنگ کرنے کے بعد حاصل کیے گئے تھے۔ اس کی تصنیف میں قدیم اور عہد حاضرہ کی دستاویزوں سے مدد لی گئی تھی۔ اس کتاب میں ایک دیباچہ ہے اور اس کی تین جلدیں اور چند ضمیمے ہیں۔

ہجر۔ مرزا جعفر حسین:

وہ حکیم مرزا علی حسین خان کے بیٹے، آغا مرزا صوبیدار لکھنؤ کے نواسے اور خواجہ وزیر کے شاگرد تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں، جن کی چند غزلوں کو محسن نے اپنے تذکرے میں درج کیا ہے۔

ہدایت علی۔ مولوی:

انھوں نے ''بلوغ المرام'' کے ایک خلاصے کا سطر بہ سطر ترجمہ کیا ہے۔ یہ اردو ترجمہ ''منتخب بلوغ المرام'' کے نام سے کلکتہ سے ۱۸۴۸ء میں چھوٹی تقطیع پہ شائع ہوا ہے۔ ''بلوغ المرام'' عربی کی ایک مشہور کتاب ہے، جس کے مصنف کا نام شہاب الدین ابوالفضل احمد ہے۔ میرا خیال ہے کہ مولوی ہدایت علی اور ہدایت علی اسلام آبادی ایک ہی شخص ہیں، مؤخرالذکر نیم چند کی ''گل وصنوبر'' کے مؤلف ہیں۔ جس کو عبدالحلیم نے ترمیمات واصلاح کے بعد کلکتہ سے ۱۸۴۸ء میں ایک ۷۴ اصفحات پر چھوٹی تقطیع میں شائع کیا ہے۔

ہدایت علی:

آگرہ کے رہنے والے تھے اور مولوی محمد نذیر کے بیٹے تھے۔ انھوں نے اپنے چند اشعار ذکا کو بھیجے تھے تاکہ اپنے تذکرے میں درج کرسکیں۔ شاید یہ وہی ہدایت علی ہیں جن کا علی ابراہیم نے ذکر کیا ہے اور بتایا کہ وہ شیخ فرحت کے ہم عصر تھے۔

ہدایت۔ میر ہدایت اللہ:

میر علیم اللہ کے بیٹے تھے اور نواب ہدایت علی خان خطاب رکھتے تھے۔ وہ ہیبت جنگ کی طرف سے

بہار میں نائب صوبہ دار کی حیثیت سے مامور تھے۔انھیں قومی ادب سے بڑی محبت تھے اور جو لوگ ادبی مذاق رکھتے ہیں،ان کی سرپرستی فرمایا کرتے تھے۔آپ خود ایک جید عالم تھے اور ہندوستانی زبان میں شاعری کرتے تھے۔شورش کا بیان ہے کہ آپ حسین آباد میں مدفون ہیں۔

ہرچند رائے:

یہ شاعر ''گلزار بے خار'' کے مصنف ہیں جو لکھنو سے ۱۸۶۶ء میں ۱۴صفحات پر شائع ہوا ہے۔

ہرداس سنگھ:

وہ بریلی کے ہفتہ وار اخبار ''آئینۂ ہند'' کے مدیر ہیں۔

ہروی۔مولا درویش:

انھوں نے صوبہ آسام پر ایک قصیدہ لکھا ہے جس کو حسینی نے ''تاریخ آسام'' میں نقل کیا ہے۔حسینی نے اپنی کتاب میں جو اشعار نقل کیے ہیں،وہ سب ہندوستانی زبان میں ہیں۔

ہردیو سنگھ:

وہ بستی رام کے بیٹے اور سنتی دھر ساہو کے پوتے تھے۔سنہ ۱۸۴۷ء میں وہ دہلی کالج کے لائبریرین تھے اور اس وقت ان کی عمر ۲۸ سال کی تھی۔نیچے دی ہوئی کتابیں ان کی تصنیف ہیں:

۱۔ ''رسالۂ علم پیائش''۔اس کتاب کی تصنیف میں مولانا قادر علی نے مدد دی ہے۔اور کروکر اور ہٹن کی کتابوں سے ماخوذ ہے۔

۲۔ ''رسالہ اصول حساب''۔یہ کتاب De'Margon کی کتاب *Principales of Arithmatic* کا اردو ترجمہ ہے جس میں مترجم نے دہلی کالم کے دوسرے لکچرار اشرف علی اور اجودھیا پرشاد سے مدد لی ہے۔میرا خیال ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جس کا ذکر مسٹر H.S.Reid نے اپنی تعلیمی رپورٹ میں کیا ہے،جو سنہ ۱۸۴۵ء میں بمقام آگرہ چھپی ہے۔اس رپورٹ کے مطابق یہ کتاب موہن لال کی کتاب ''گنت ندھان'' کا اردو ترجمہ ہے،جو کہ Tate کی کتاب *Principales of Anithueticr* کی مدد سے،جس کا ماخذ لستانوری کا طریقہ حساب ہے،مرتب کی گئی ہے۔کریم الدین نے ہردیو کی اخلاقی اور ذہنی خوبیوں کی بڑی تعریف کی ہے اور ان کا خیال ہے کہ وہ ایک محنتی اور تیز طراز آدمی تھے۔

ہربنس لال۔ منشی۔ بنارسی:

انھوں نے بنارس سے اگست ۱۸۴۹ء میں ایک ادبی اور علمی اخبار ''مراۃ العلوم'' کا پہلا شمارہ شائع کیا۔لیکن امداد نہ ملنے کی وجہ سے یہ بند ہوگیا۔وہ دوسرے علوم کے علاوہ ہندوستان کے زراعت کے طریقوں اور انگلستان کے طریقہ کاشت میں اچھی مہارت رکھتے تھے۔یہ ایک ماہانہ رسالہ تھا جو تین اشاعتوں کے بعد بند ہوگیا۔میں ایک مصنف ہری بنسا سے واقف ہوں اور ممکن ہے کہ یہ ہری بنس لال ہوں۔انھوں نے بھیرون پرشاد نے جاری کیا ہوکہ ۸ صفحوں پر مہینے میں دوبار بنارس سے نکلتا تھا۔اس اخبار کا نام ''شیرین ہند'' تھا اور یہ ''مطبع ہند'' میں چھپتا تھا۔۱۶ جنوری ۱۸۵۱ء کی اشاعت میں میرا ایک مضمون،اس اخبار کے متعلق Journale di Debate میں چھپا ہے۔

ہرسکھ رائے۔منشی:

وہ ''کوہ نور'' اخبار کے مالک و مدیر ہیں۔''کوہ نور'' کی تلمیح،اس ہیرے کی طرف اشارہ کرتی ہے جو اس وقت انگلستان کی ملکہ کے پاس ہے۔یہ لاہور کا ایک اردو اخبار ہے اور بہت مقبول ہے۔یہ ہراتوار کو ۱۶ صفحات پر کبھی کبھی ضمیمے کے ساتھ'' مطبع کوہ نور'' سے نکلتا ہے۔یہ مطبع اول اول پنجاب Board of administration کے ہاتھوں قائم کیا گیا تھا اور کبھی کبھی اس میں سرکاری کتابیں چھپتی تھیں۔

''کوہ نور'' اخبار میں ''گورنمنٹ گزٹ'' کے اقتباس اور روزانہ کی خبریں شائع ہوتی ہیں۔یہ انگریزی حکومت کی سرپرستی میں نکلتا ہے۔جو شمارے میری نظر سے گزرے ہیں وہ بڑے دلچسپ ہیں اور ان میں جگہ جگہ اردو اشعار بھی دیے گئے ہیں۔اس اخبار کے پہلے مدیر سورج بھان تھے اور آج کل مطبع کے منتظم منشی جمنا پرشاد ہیں۔ہرسکھ نے ۱۸۶۹ء میں اردو کی ایک جنتری شائع کی ہے۔

ہلال۔مرزا محمد:

مرزا حاجی کے بیٹے۔ان کا ایک واسوخت'' مجموعۂ واسوخت'' میں شامل ہے جو لکھنو سے ۱۲۶۳ھ/ ۷-۱۸۴۶ء دہلی سے سنہ ۱۸۴۹ء شائع ہوا ہے۔

ہلال۔امیر علی خان۔لکھنوی:

وہ تراب خان کے بیٹے اور میر علی اوسط رشک کے ممتاز شاگرد تھے۔انھوں نے ایک دیوان لکھا ہے،جس کی ہر غزل کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے آخری شعر سے تاریخ نکلتی ہے۔انھوں نے ایک مثنوی لکھی ہے جس کا نام ''مقفی و مزدف'' ہے۔دیگر ہندوستانی شعرا کی طرح وہ مشاعرے منعقد کیا کرتے تھے۔محسن نے

اپنے تذکرے میں ان کی چند غزلیں نقل کی ہیں۔

ہما۔ مولوی نور حسین:

انھوں نے ہندوستانی میں فارسی زبان کی ایک قواعد لکھی ہے۔ جس کا عنوان ''منتخب قواعد'' ہے اور جو لاہور سے ۱۶ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

ہمت۔ علی خان۔ حیدرآبادی:

وہ ایک ممتاز شاعر تھے جن کا انداز بیان قدیم شاعری سے ملتا جلتا ہے۔ وہ زیادہ تر مرثیہ اور سلام کہتے تھے۔ ان کا مرثیہ حیدرآباد میں بہت مقبول ہے۔ ہمت حیدرآباد میں ایک معزز عہدہ پر مامور تھے۔ کمال ان سے اچھی طرح واقف تھے اور انھوں نے ان کی چند غزلیں نقل کی ہیں۔

ہمت۔ احمد:

وہ رام پور میں معلم تھے۔ قاسم اور سرور نے ان کا ذکر کیا ہے۔

ہمدم۔ عبداللہ یا عبداللہ خان۔ رامپوری:

وہ کٹرہ کے نواب فتح علی خان کے بیٹے ہیں۔ اس اردو شاعر کا ذکر شیفتہ نے کیا ہے۔

ہمدم۔ میر محفوظ علی۔ مرحوم:

وہ میر محمد جہاں حسرت کے بیٹے تھے اور جن دنوں علی ابراہیم اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے۔ تو وہ مرشدآباد میں مقیم تھے اور یہی وجہ ہے کہ علی ابراہیم انھیں مرشدآبادی کہتے ہیں۔ وہ قدرت اللہ اور دوسرے ممتاز شعرا سے مرشدآباد میں مشورہ سخن کرتے تھے۔ ان کے اشعار بہت مقبول ہیں۔ ان کو ایک دیوان کی صورت میں مرتب کیا گیا ہے اور ان کا ایک قلمی نسخہ نظام حیدرآباد کے وزیر اعظم کتب خانہ میں موجود تھا۔ محسن نے اپنے تذکرہ میں ان کے اشعار کو نقل کیا ہے۔

ہمدم۔ رائے گلاب چند:

وہ کایستھ ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا شمار ہندوستانی شعرا میں ہوتا ہے۔ حیدرآباد کے رہنے والے تھے، جہاں وہ نواب شمس الامرا بہادر ثانی کے وزیر کے پاس ملازم تھے۔ کمال نے ان کی تعریف کی ہے اور ان کا کہنا ہے کہ وہ ایک دیوان کے مالک تھے، ان کے مطابق ہمدم حسن الدین خان بیان شاگرد تھے، جن کے متعلق ایک مضمون اس کتاب میں موجود ہے۔ وہ ہندوستان سے حیدرآباد تشریف لائے تھے اور کمال کو یہیں ان سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ ان کی ایک غزل کو کمال نے اپنے تذکرہ میں نقل کیا ہے۔

ہمرنگ۔میر عزیز الدین۔سید۔اورنگ آبادی:

قاسم کا بیان ہے کہ کتب بنی کا بہت ذوق رکھتے تھے اور قادریہ اور نقشبندیہ سلسلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ان کے استاد کا نام مولوی غلام کبریا جلیل تھا جو مرشدآباد کے رہنے والے تھے۔مؤخر الذکر ایک بہت ہی شریف النفس شخص تھے اور تصوف سے دلچسپی لینے کے علاوہ فارسی میں زبان میں تصوف کے رنگ میں اشعار کہتے تھے۔انھوں نے تین دیوان لکھے ہیں ایک دیوان اردو میں ہے، جس کا ایک صفحہ قاسم نے اپنے تذکرہ میں نقل کیا ہے۔اس دیوان کو ۱۲۰۸ھ/۹۳-۱۷۹۴ء میں انھوں نے اپنے استاد کے مشورہ پر مرتب کیا تھا۔شاید یہ وہی ہمرنگ ہیں جنھوں نے ''دودھ دلیا'' کے نام سے کتاب لکھی ہے اور جو مدراس سے سنہ ۱۸۴۹ء میں شائع ہوئی ہے مگر درحقیقت اس کتاب کے مصنف کا نام عزیز اللہ شاہ ہمرنگ ہے۔

ہمرنگ۔دلاور علی خان:

وہ مصطفیٰ خان یکرنگ کے بھائی تھے۔سرور ان کو ہندوستانی شعرا میں شمار کرتے ہیں۔

ہنر۔میاں:

انھوں نے سابق شاہ اودھ کے بیٹے حمید علی کی ایک غزل پر مخمس تصنیف کیا ہے۔یہ مخمس ۲۹ دسمبر کے ''اودھ اخبار'' میں شائع ہوا ہے۔

ہندو۔گوکل چند:

وہ لاہور کے رہنے والے اور مہر چند مہر کے بھائی تھے۔عشقی کے بقول وہ فرخ آباد میں مقیم تھے اور ریختہ اور فارسی میں شاعری کرتے تھے۔

ہنگا یا ہنگا خان:

انھوں نے ''انوار سہیلی'' کے ایک حصے کا ترجمہ کیا ہے۔ان کا ذکر ''انوار سہیلی'' کے ایک دوسرے ترجمے میں بھی کیا گیا ہے، جسے ناظرین مہدی کے مضمون میں پائیں گے۔اس کتاب کا ایک اردو ترجمہ ہے جو ۱۲۵۱ھ/۶-۱۸۳۵ء میں تصنیف کیا گیا ہے اور لکھنؤ سے ۱۲۵۴ھ/۹-۱۸۳۸ء میں شائع ہوا ہے۔

میرا خیال ہے کہ وہ یہی میر ہنگا دہلوی ہیں جن کا ذکر علی ابراہیم نے ہندوستانی شاعر کی حیثیت سے کیا ہے اور جس کی ایک رباعی کو علی ابراہیم اور محسن نے اپنے تذکروں میں نقل کیا ہے۔محسن کا بیان ہے کہ ہنگا کو کسی سے محبت ہوگئی تھی اور وہ اس سلسلے میں مارے گئے تھے۔محسن کے بقول مرزا سرفراز علی قادر مرزا ہیگا کے بیٹے تھے جو ایک موسیقار ہونے کے علاوہ غالباً مرثیہ گو بھی تھے۔ممکن ہے کہ یہ تینوں نام محض ایک ہی شاعر کے ہوں۔

ہنر۔محمد داؤد۔حیدرآبادی:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جن کا ذکر قاسم اور سرور نے کیا ہے۔

ہنر:

وہ ایک دوسرے قدیم شاعر ہیں جن کو سرور نے نقل کیا ہے۔

ہنر:

وہ ایک دوسرے شاعر ہیں۔سرور کہتے ہیں کہ وہ ایک قدیم شاعر ہیں۔

ہنر۔وارث علی خان:

وہ اس تخلص کے تیسرے شاعر ہیں جن کا کسی تذکرے میں ذکر کیا گیا ہے۔

ہنومان داس۔بابو:

وہ مرزاپور کے ضلع میں چنار کے داروغہ تھے۔انھوں نے مدراس کے منشی گنیش پرشاد کے انتقال پر ایک تاریخ لکھی ہے جو ''مجموعہ تاریخ انتقال'' میں شامل ہے۔ یہ کتاب لکھنو سے ۱۸۶۶ء میں بڑی تقطیع کے ۸صفحات پر مشتمل ہے۔

ہوس۔نواب مرزا محمد تقی خان۔لکھنوی:

شیفتہ غلطی سے ان کا تخلص ہوش بتاتے ہیں۔وہ نواب مرزا علی خان کے بیٹے نواب اسحاق خان کے پوتے اور آصف الدولہ کی والدہ بہوصاحبہ کے داماد تھے۔ وہ ایک ممتاز ہندوستانی مصنف اور مصحفی کے شاگرد تھے۔۱۸۱۴ء میں وہ لکھنو میں رہتے تھے، جہاں بعد میں ان کا انتال ہوا۔ وہ اپنے انداز بیان کی پاکیزگی اور شگفتگی کے لیے خاص طور پر مشہور ہیں۔انھوں نے متعدد اشعار کے علاوہ ہندوستانی زبان میں ایک منظوم قصہ تصنیف کیا ہے۔جس کا نام ''مجنوں ولیلیٰ'' ہے۔یہ ایک بہت ہی دلچسپ داستان ہے جسے مختلف مسلمان مصنفوں خصوصاً جامی نے اپنی تصنیفات کا موضوع بنایا ہے۔Cherry نے جامی کی داستان کو فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ہوس کے قصہ'' مجنوں ولیلیٰ'' کا ایک قلمی نسخہ نواب اودھ کے کتب خانے میں موجود ہے۔

ہوس نے قصیدہ، غزل اور رباعی پر مشتمل ایک دیوان لکھا ہے جس میں ۲۵۰ صفحات ہیں۔اس دیوان کا ایک نسخہ لکھنو کے موتی محل میں تھا۔محسن کے بقول اس دیوان کی ہر غزل میں ''لیلیٰ ومجنوں'' کی طرف اشارے تھے۔ہوس کا ذکر ہندوستانی تذکرہ نویسوں نے ۳ مختلف ناموں کے تحت ذکر کیا ہے۔

(۱) رسا۔ سرور ان کو مرزا تقی خان رسا کہتے ہیں اور ان کے مطابق وہ نواب آصف الدولہ کے خاندان کے شہزادے ہیں اور ''مجنوں ولیلیٰ'' کے مصنف ہونے کے علاوہ انھوں نے متعدد عمدہ اشعار کہے ہیں۔

(۲) رضی۔ شیفتہ کہتے ہیں کہ مرزا رضی خان ایک ممتاز ماہر نجوم تھے اور نواب اودھ کے رشتہ دار ہونے کے علاوہ اس دور کے امرا میں شمار کیے جاتے تھے۔ وہ اردو اور فارسی کے عالم تھے اور ہندوستانی زبان میں فکر سخن کرتے تھے۔ انھوں نے لیلیٰ و مجنوں پر ایک مثنوی لکھی ہے۔ اور سرور کے تذکرے پر ایک تاریخ بھی تصنیف کی ہے۔

(۳) رضا۔ بہت سے لوگوں نے ان کو اس نام سے بھی یاد کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سید رضا خان اور شیخ علی رضا لکھنوی، جن کو اسپرنگر نے ذکا کے حوالے سے نقل کیا ہے، یہی شاعر ہیں۔

ہوس کی ''مجنوں ولیلیٰ'' ۱۸۴۶ء میں شائع ہوئی ہے۔ یہ چھوٹی تقطیع پر ۷۸ صفحات کی کتاب ہے اور اس میں کوئی حاشیہ نہیں ہے۔ اس کا ایک اڈیشن ۳۶ صفحات پر لکھنؤ میں شائع ہوا ہے۔ یہ غالباً وہی ''لیلیٰ مجنوں'' ہے جو دلی سے ۱۸۴۵ء میں ۱۲۸ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔ بنی نرائن نے اپنے تذکرے میں ہوس کی ۱۱ غزلیں نقل کی ہیں۔

ہوس۔ غلام مصطفیٰ:

سرور کے بقول وہ دہلی کے رہنے والے ہیں۔ لیکن کریم کہتے ہیں کہ فرخ آبادی تھے۔ وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں اور ان کے استاد نصیر تھے۔

ہوس۔ شمس الدین۔ لکھنوی:

وہ میر سوز کے شاگرد تھے۔ سرور، کمال اور مصحفی نے ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔

ہوش۔ نواب مرزا تقی خان۔ بہادر مرحوم۔ لکھنوی:

وہ نواب مرزا علی جان کے بیٹے اور نواب سالار جذب کے پوتے تھے۔ ان کے استاد مصحفی تھے۔ وہ صاحب دیوان ہیں محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔

ہوش دار:

وہ ایک ہندوستانی شاعر ہیں جنھوں نے خاص طور پر مرثیے لکھے ہیں۔ ان کے مرثیے کا ایک مجموعہ ہے جس کا نام ''مرثیہ ہائے ہوش دار'' ہے۔ اس کا ایک نسخہ توپ خانے کے کتب خانے میں موجود ہے اور اس کتاب میں ۷۱ صفحات ہیں اور ہر صفحے میں ۹ بیت ہیں۔

ہوشیار۔منشی کیول رام۔لکھنوی:

انھیں ہوس بھی کہتے ہیں۔انھوں نے اردو میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ''جامع الحساب'' ہے اور جو دہلی میں چھپی ہے۔ وہ دہلی میں معلم تھے اور فارسی میں بڑی دست گاہ رکھتے تھے اور اس زبان میں شاعری بھی کرتے تھے۔

ہویدا۔میر محمد اعظم:

میر محمد معصوم دہلوی کے بھائی تھے۔انھوں نے حسینؓ پر متعدد مرثیے لکھے ہیں۔وہ دوسرے ہندوستانی شاعروں کی طرح زیادہ تر فارسی زبان میں اشعار کہے ہیں۔ہندوستان میں فارسی کو وہی حیثیت حاصل ہے۔جو لاطینی زبان کو روم کے علاوہ یورپ کے دوسرے مقامات میں ہے۔چنانچہ ہندوستان میں جو فارسی لکھی جاتی ہے،وہ شیراز اور اصفہان کی فارسی زبان سے بہت مختلف ہے۔ان کے دور میں فارسی کو ہندوستانی میں ایک مردہ زبان کی حیثیت حاصل تھی۔یہی وجہ ہے کہ ان کے فارسی کے اشعار زیادہ شگفتگی نہیں رکھتے۔اس کے باوجود ہویدا کو ہندوستانی زبان کے شعرا میں شمار کیا جاتا ہے۔علی ابراہیم نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔

یار۔میر غلام حسین۔سونی پتی:

وہ مولانا عبدالعزیز کے رشتہ دار اور مولانا فخر الدین کے مرید تھے۔ان کے استاد کا نام ثناللہ فراق تھا۔ قاسم نے ان کی بڑی تعریف کی ہے اور ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔انھوں نے کم سنی میں انتقال کیا ہے۔

یار۔میر محمد حسین:

وہ عابد علی خان کے بیٹے اور مخلص علی خان کے بھائی تھے۔مرشد آباد میں رہتے تھے اور حسرت سے اصلاح لیتے تھے۔

شورش نے اپنے ہندوستانی شعرا کے تذکرے میں ان کا ذکر کیا ہے۔

یار۔شاہ محمد زمان۔دکنی:

انھوں نے ''ڈولی نامہ'' کے نام سے ایک عشقیہ مثنوی لکھی ہے۔جس کا ایک نسخہ میرے پاس ہے۔

یار۔میر محمد۔دہلوی:

شاہ الہ آبادی کے بیٹے اور ایک شگفتہ شاعر تھے۔وہ میر تقی کے شاگرد اور میر ضیا کے دوست تھے۔

احمد شاہ کے دور کے ممتاز شعرا سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے اور ہندوستانی میں اشعار کہتے تھے۔ شاید یہ اور شاہ محمد زمان یار ایک ہی شخص ہیں۔

یار۔ میر حیدر علی۔ دہلوی:

وہ نواب معصوم خان مرحوم کی بیٹے اور نواب اسداللہ خان سید الملک کے بھائی تھے۔ سرور کے بقول وہ مرشدآباد میں رہتے تھے۔ اسپرنگر کا خیال ہے کہ شاید وہ اور میر محمد یار ایک ہی شخص ہیں۔

یاس۔ میاں بنو۔ حیدرآبادی:

وہ ایک شاعر ہیں جن کا ذکر باطن نے اپنے تذکرے میں کیا ہے۔ ان کے استاد فیض تھے۔

یاس۔ حکیم اکرام اللہ۔ دہلوی:

باطن نے ان کا ذکر کیا ہے۔ یہ اور خیرالدین یاس ایک ہی شخص نہیں کیونکہ مؤخرالذکر شاعر حکیم بھی تھے۔

یاس۔ حسن علی خان:

وہ اردو کے ایک ممتاز شاعر ہیں جو نواب عقیدت خان نعمت الٰہی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جن دنوں علی ابراہیم اپنا تذکرہ مرتب کر رہے تھے تو یاس شعروسخن میں مصروف تھے اور مرزا جعفر علی حسرت سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔

شاید یہ وہی شاعر ہیں جن کو سرور یاس مرادآبادی کہتے ہیں۔

یاس۔ خیرالدین۔ دہلوی:

وہ طبیب ہونے کے علاوہ شعر بھی کہتے تھے۔ اس کے استاد مومن خان تھے۔ انکا ذکر شیفتہ کے ''گلشن بے خار'' میں کیا گیا ہے۔

یاور۔ شیخ امداد علی:

وہ شیخ ولایت علی کے بیٹے اور مولوی محمد بخش شہید کے شاگرد تھے۔ ان کا آبائی وطن بریلی تھا لیکن وہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور وہیں رہتے تھے۔ ابتدا میں ان کے آباؤاجداد دہلی میں مقیم تھے، بعد میں بریلی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ انھوں نے ایک ہندوستانی دیوان مرتب کیا ہے، جن کی چند غزلیں محسن نے نقل کی ہیں۔

یاور۔ مرزا یاور بخت بہادر:

وہ مرزا جوان بخت کے پوتے تھے اور جن دنوں سرور اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو وہ فرخ آباد میں رہتے تھے۔ کمال کا بیان ہے کہ یاور مشہور ہندوستانی مصنف میاں قلندر بخش جرأت سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔ کمال

نے ان کی ایک غزل نقل کی ہے۔یاور صاحب دیوان ہیں جس میں غزلیات اور رباعیات درج ہیں۔اس کا ایک نسخہ موتی محل لکھنؤ میں موجود ہے۔اس میں ۱۶۸ صفحات ہیں اور ہر صفحہ میں ۱۵/اشعار ہیں۔

یحیٰ۔منشی یحییٰ خان۔دہلوی:

وہ سلطان کے دربار میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔مغل حکومت کے زوال کے بعد وہ بھرت پور چلے گئے، جہاں ایک بڑے عہدہ پر مامور ہوگئے۔وہ ایک اچھے انشا پرداز تھے۔قاسم نے ہندوستانی شاعر کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کا بیان ہے کہ جن دنوں وہ اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے تو یحییٰ کا انتقال ہو چکا تھا۔اس کے علاوہ قاسم نے ان کے چند اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

یحیائی۔غلام محی الدین:

وہ شاہ محمد موسیٰ کے بیٹے اور بیتاب کے بھائی تھے۔وہ غازی پور کے قریب سید پور میں قاضی کی حیثیت سے ملازم تھے۔یحیائی نے ریختہ اور فارسی میں شعر کہے ہیں۔انھوں نے شاہ خوب اللہ الہ آبادی عرف محمد یحییٰ کے نام کی نسبت سے اپنا تخلص یحیائی اختیار کرلیا تھا۔

یکتا۔خواجہ معین الدین خان:

وہ دہلی کے ایک امیر تھے۔باطن نے اپنے تذکرے میں ان کا ذکر کیا ہے۔

یکدل۔میر عزت اللہ۔دہلوی:

وہ ایک سید تھے جو محمد شاہ کے دور حکومت میں شعر وسخن کا ذوق رکھتے تھے۔وہ خاص طور پر منقبت لکھتے تھے۔میر نے عارف کے حوالے سے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کا ایک بہت عمدہ غزل نقل کی ہے۔اس غزل میں قرآن کی طرف متعدد اشارات ہیں لیکن اس کا ترجمہ کرنا تقریباً ناممکن ہے۔

یکدل۔دلاور خان:

مصطفیٰ خان یکرنگ کے چھوٹے بھائی تھے۔قاسم کا بیان ہے کہ وہ ابتدا میں یکرنگ اور بیرنگ تخلص کرتے تھے۔انھوں نے ایک لغت اور ایک دیوان یادگار چھوڑے ہیں۔

یکرو۔میاں عبدالوہاب:

وہ شاہ نجم الدین آبرو کے مرید تھے۔انھوں نے قدیم انداز بیان میں اشعار کہے ہیں۔جو بہت مشکل ہونے کے باجود خاصے بلند پایہ ہیں۔ان کا ایک دیوان یادگار ہے جس کا ایک نسخہ توپ خانہ لکھنؤ میں موجود تھے۔اس میں ۱۸۰ صفحات ہیں اور ہر صفحے میں ۱۲/اشعار ہیں۔میر ان سے دو تین مرتبہ مشاعروں میں

مل چکے ہیں اوران کا خیال ہے کہ ہ ریختہ کے کوئی بہت اچھے شاعر نہیں تھے۔ بہرحال مجھے معلوم نہیں کہ یہ کہاں تک صحیح ہے۔

یکرنگ۔ مصطفیٰ قلی خان۔ دہلوی:

قاسم انھیں غلام مصطفیٰ کہتے ہیں۔ وہ خان جہاں خان لودھی کے پوتے تھے جو محمد شاہ کے یہاں ایک اچھے منصب پر فائز تھے۔ وہ ایک خوشحال گھرانے کے فرد تھے اور ایک یادگار زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کا شمار دہلی کے ممتاز شعرا میں کیا جاتا ہے۔ ان کا کلام استعارات سے مالا مال ہے اور انداز بیان دوسرے ہم عصر شعرا پروانہ، مضمون اور آبرو سے ملتا جلتا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ وہ آرزو کے شاگرد تھے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بیان آرزو کی شاگردی میں تھے۔ خود ان کے بیان سے پتا چلتا ہے کہ وہ مرزا مظہر کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ایک دیوان یادگار چھوڑا ہے جس میں تقریباً ۵۰۰/اشعار ہوں گے۔ اردو، فارسی اور ترکی زبانوں کے دواوین کی طرح اس میں متصوفانہ اور عاشقانہ کلام ہے۔ عام لوگوں کے لیے اس میں عشق حقیقی اور مجازی کے دنوں پہلو شامل ہیں لیکن تصوف پسندوں کے لیے ان میں صرف عشق حقیقی کا رنگ نمایاں ہے۔

لطف کا بیان ہے کہ ان کا انتقال دہلی میں ہوا لیکن انھوں نے سن نہیں لکھا۔ ہندوستانی تذکرہ نگاروں نے ان کے اشعار بڑی تعداد میں نقل کیے ہیں۔ میر نے ان کے ایک مرثیے کا اقتباس دیا ہے جو کہ حضرت حسینؓ سے متعلق ہے۔

یکرنگ۔ لالہ بشن داس:

وہ سہارن پور کے ایک کایستھ تھے اور قاسم نے انھیں ہندوستانی شعرا میں شمار کیا ہے۔

یکسو۔ لالہ فتح چند:

وہ دہلی کے قریب مغل پورہ کے ایک کایستھ تھے۔ ذکا کا خیال ہے کہ وہ ایک اچھے شاعر تھے۔

یوسف۔ نواب ماجد علی:

وہ فتح پور ہنسوہ کے قریب دیوی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سید فیض علی خان تھے اور ان کے استاد کا نام احمد علی کامل تھا۔ باطن اور محسن نے ان کا ذکر کیا ہے۔ محسن نے ان کی چند غزلیں نقل کی ہیں۔

یوسف۔ علی خان:

پٹنہ کے رہنے والے اور اصالت خان صاحب کے بھانجے یا بھتیجے تھے۔ وہ انگریزی حکومت میں

تھانیدار کی حیثیت سے ملازم تھے۔ عشقی نے ہندوستانی شعرا میں ان کا ذکر کیا ہے۔ شاید وہ اور میر یوسف علی خان یوسف ایک ہی شخص ہیں۔

یوسف علی خان۔ رام پوری:

انھوں نے ''دیوان ناظم'' کے نام سے ایک دیوان لکھا ہے جس کا ایک نسخہ نواب مہدی علی خان بہادر نے کلکتہ کے ایشیاٹک سوسائٹی کو پیش کیا ہے۔ (فروری ۱۸۶۲ء)

یوسف:

وہ ایک یورپین ہیں۔ ۱۸۶۸ء میں پٹنہ میں رہتے تھے۔ انھوں نے ''غنچۂ خاطر'' کے نام سے اپنے اردو اشعار کا ایک دیوان مرتب کیا ہے۔ اس کا اعلان ''چشمۂ علم'' کی اشاعت مؤرخہ یکم جنوری ۱۸۶۸ء میں ہوا ہے۔

یوسف خان۔ لکھنوی:

رحمت خان غوری کے بیٹے اور خواجہ حیدرعلی آتش کے شاگرد تھے۔ وہ کمبل پوش کے نام سے بھی مشہور ہیں اور ہندوستان کے ایک شاعر ہیں۔ محسن نے اپنے تذکرے میں ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ یوسف نواب اودھ سے منسلک تھے اور ۸-۱۸۳۷ء میں انگلستان اور فرانس کے سفر پر تشریف لے گئے تھے۔ اس سلسلے میں انھوں نے ''سیر و سفر یوسف خان کمبل پوش'' کے نام سے کتاب لکھی ہے جو دہلی سے چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئی ہے۔ M.S.Reid نے اس کتاب پر تنقید لکھی ہے اور ان کا خیال ہے کہ یہ Morior کی کتاب *Haji Baba in England* کا مقابلہ کرسکتی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ مصنف نے اس کتاب میں بے شمار غیر ضروری تفصیلات کو درج کیا ہے، گرچہ ان کے نزدیک مناسب یہ ہوتا کہ اس میں یورپ کے متعلق ان باتوں کو بیان کیا جاتا جس میں حقیقتاً یورپ ایشیا سے بلند تر ہے۔

یوسف علی خان۔ دہلوی:

وہ حسب ذیل کتابوں کے مصنف ہیں:

۱۔ ''تائید المومنین''۔ اس کتاب کو دہلی کی تباہی کے بعد انگریزی حکومت نے خرید لیا تھا۔ اس کا نمبر فہرست میں ۱۰۶۷ ہے۔ یہ ایک عارضی فہرست ہے کیونکہ Mr.J.H.Blochmann کو ایک مستقل فہرست کے تیار کرنے کے لیے مامور کیا گیا ہے۔

۲۔ ''امساک باراں''۔ یہ کتاب نماز استقا کے بارے میں ہے اور دہلی سے ۱۸۶۸ء میں ۸ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

یوسف۔مولوی شیخ:

وہ ''لمعات فی محبۃ النسا'' کے مصنف ہیں۔یہ کتاب لدھیانہ سے ۱۸۶۹ء میں ۲۲ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

یوسف۔میر یوسف علی خان۔دہلوی:

وہ ایک اچھے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور میر عزت اللہ خان عشق کے شاگرد تھے۔شیفتہ کا بیان ہے کہ ان کا انتقال تقریباً ۱۱۹۸ھ/۴-۱۷۸۳ء میں ہوا۔ وہ فتح علی خان کے مرید اور عزت اللہ عشق کے علاوہ فتح علی چشتی کے بھی شاگرد تھے۔ میرا خیال ہے کہ یہ وہی مصنف ہیں جنھوں نے فارسی شعرا کا ایک تذکرہ لکھا ہے۔اسپرنگر کا بیان ہے کہ یہ کتاب مرشدآباد میں ۱۱۸۰ھ/ ۷-۱۷۶۶ء اور ۱۱۸۴ھ/ ۱-۱۷۷۰ء میں مرتب کی گئی ہے۔

یوسف۔شاہ:

وہ ایک آزاد خیال درویش ہیں، جن کو سرور نے ہندوستانی شاعر کی حیثیت سے شمار کیا ہے۔

یوسف:

دکن کے ایک مصنف ہیں۔جنھوں نے ''انشائے یوسفی'' کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی ہے۔اس کتاب کا ایک نسخہ Falconer کے پاس ہے۔

غالباً یہ وہی قدیم ہندوستانی شاعر ہیں جنھوں نے ''تحفۃ النصائح'' نامی ایک اصلاحی مذہبی کتاب لکھی ہے M.S.Ottley کے بقول یہ کتاب ۱۰۴۵ھ/ ۶-۱۶۳۵ء میں مکمل ہوئی ہے۔

یونس:

وہ عہد اکبری کے ایک مشہور طبیب تھے اور حکیم یونس کے نام سے بھی مشہور تھے۔انھوں نے ہندوستانی میں اشعار کہے ہیں۔ذیل میں ان کے دو اشعار درج ہیں۔جن کو میر نے اپنے استاد آزاد کی بیاض سے نقل کیا ہے۔

صبح چپ گلشن سے وہ گلرو گیا باغ سے باہر نکل گلرو گیا
ہے معطر اب تلک صحرا تمام اس زمیں اوپر کوئی گل بو گیا

یعقوب۔میر یعقوب علی۔دہلوی:

مولانا محمد فخر الدین کے دوست اور محمد اسحاق خان تمنا کے رشتہ دار ہیں۔قاسم نے ان کے اشعار کا ایک نمونہ نقل کیا ہے۔بیان کیا جاتا ہے کہ وہ لکھنو چلے گئے تھے لیکن اس کے علاوہ قاسم ان کے متعلق کوئی مزید معلومات نہیں رکھتے تھے۔

یقین ۔میاں انعام اللہ۔ دہلوی:

وہ خان بہادر مبارک جنگ اظہر الدین کے بیٹے تھے۔ان کے دادا شیخ مجدد الف ثانی اور ان کے نانا حمید الدین خان نیمچہ تھے۔مرزا مظہر جان جاناں کی ان پر نظر پڑی اور یقین ان کے شاگرد ہو کر مشہور ہو گئے۔ لیکن اکثر ہندوستانی یقین کی غیر معمولی شاعرانہ صلاحیتوں کے قابل نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ انھوں نے مظہر کے بعض اشعار کو بھی اپنے نام سے منسوب کرلیا ہے۔ مصحفی کے بیان کے مطابق یقین اور مظہر جان جاناں کے بڑے قریبی دوستانہ مراسم تھے۔یقین، مظہر جان جاناں کے ساتھ راتیں بسر کرتے تھے اور شب و روز ان کی صحبت میں گزارتے تھے۔اس لیے لوگوں کا قیاس ہے کہ یقین نے اکثر اشعار مظہر سے لیے ہیں، محض غلط نہ تھا۔میر نے بھی اس بات کا اظہار بڑی بے باکی سے کیا ہے کہ یقین کی جو شہرت شعر و سخن میں ہے، وہ اس کے مستحق تھے۔لیکن میر عام لوگوں کے اس خیال کو صحیح نہیں خیال کرتے کہ یقین کو تمام اشعار مظہر جان جاناں سے ورثے میں ملے کیونکہ اشعار کے علاوہ ساری چیزیں ورثے میں مل سکتی ہیں لیکن اگر باپ کے اشعار بیٹا لے تو اسے سرقہ نہیں کہا جائے گا۔میر کا خیال ہے کہ یقین کو صرف اس حد تک مطعون کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے مختلف جگہوں سے بعض اسالیب و خیالات لیے ہیں لیکن ایسا تو ہمارے اکثر شاعروں نے کیا ہے۔میر نے لکھا ہے کہ یقین سے ملاقات کرنے کے بعد میں نے دیکھا کہ ان میں کوئی شاعرانہ ذوق نہیں ہے اور شاید اسی لیے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جو اشعار ان کے بیان میں ہیں وہ کسی اور کے ہیں۔لطف کا بیان ہے کہ دہلی کے اکثر لوگوں کا یہی خیال ہے کہ یقین خود شعر نہیں کہتے بلکہ ان کے دوست مظہر جان جاناں ان کے لیے اشعار کہہ دیا کرتے تھے۔لیکن کہا جاتا ہے کہ نواب عنایت اللہ خان کے بیٹے عطیۃ اللہ خان کے گھر میں یقین نے اس بات کا اظہار کیا کہ مظہر کی شاگردی سے الگ ہونے کے بعد ان کا کلام بہتر ہو گیا ہے۔اس پر مجمع سے ایک شخص نے برجستہ نظامی کا یہ مصرعہ پڑھا۔جس کا مفہوم ہے کہ یہ وہ چڑیا ہے جس نے سونے کا انڈا دیا۔

میرا خیال ہے کہ اس شعر کے حوالے سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ یقین پر مظہر کے احسانات ہیں۔

میاں شہاب الدین ثابت ،جن کا ذکر اس کتاب میں ہے، بیان کرتے ہیں کہ ایک دن وہ یقین کے یہاں گئے اور ایک مصرعہ دے کر اس پر غزل کہنے کی فرمائش کی ۔ یقین رضامند ہو گئے لیکن جتنی دیر میں ثاقب نے پوری غزل کہہ لی، یقین ایک مصرعہ بھی مکمل نہ کر سکے۔پھر بھی میرا خیال ہے کہ اس راز کو خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔کلیم نے اردو شعرا پر ایک قصیدہ لکھا ہے۔اس میں یقین کے متعلق لکھا ہے کہ لوگ یقین کا

مذاق اُڑاتے ہیں اور ان کے کلام کو محض ان سے منسوب سمجھتے ہیں لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ خود مرزا جان جاناں نے مجھ سے اس واقعہ کی تردید کی ہے۔ میر نے لکھا ہے کہ شاعرانہ قوتوں سے قطع نظر ان کی شرافت میں کوئی کمی نہ تھی، اس لیے کہ وہ ایک بڑے ممتاز گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ احمد شاہ کے دور میں حکومت میں یقین نے اپنے باپ سے زبان درازی کی اور باپ نے انھیں مار کر دریا میں ڈال دیا تھا۔ مصحفی کا بیان ہے کہ باپ نے یقین کی لاش کو دریا میں نہیں بلکہ کھولتے ہوئے پانی میں ڈال دیا۔ بعض کا خیال ہے کہ یقین کے والد انھیں ایسے ناشائستہ فعل پر آمادہ کرنا چاہتے تھے، جسے وہ مظہر کے ساتھ تو آسانی سے گوارہ کر سکتے تھے لیکن باپ کے ساتھ وہ اس پر رضامند نہیں ہوئے اور اسی بحث ومباحثہ میں باپ کو غصہ آیا اور اس نے بیٹے کو مار ڈالا۔ یہ سب ناخوشگوار واقعات ابراہیم نے اپنے تذکرے میں دیے ہیں۔ یقین کی عمر اس وقت صرف ۲۵ سال تھی۔ لیکن محسن کا بیان ہے کہ یقین کو ایک خوش جمال نوجوان نے قتل کیا تھا۔ یقین کا کلام جو کہ ان سے منسوب سمجھا جاتا ہے خاصا شگفتہ اور دلکش ہے۔ ہندوستان میں لوگوں کو ان کے شعر زبانی یاد ہیں اور وہ ان کا اکثر حوالہ دیتے ہیں۔ اردو شاعری کے قدیم اسکول میں یقین پہلے شخص ہیں جن کے کلام میں شگفتگی وپاکیزگی ملتی ہے اور جیسا کہ یقین نے کہا ہے کہ ان کے بعد شعرا نے ان سے استفادہ کیا ہے۔

حق کو یقین کے یارو برباد مت دو آخر　　طرز سخن کی اس کے تم نے اڑائیاں ہیں

یقین کی غزلوں کا دیوان مرتب ہو چکا ہے، جس کا ایک نسخہ میرے کتب خانے میں ہے۔ علی ابراہیم نے ۱۸ صفحوں میں ان کے کلام کا انتخاب دیا ہے۔ بنی نرائن نے ان کے بہت سے مطالعے، فرد اور رباعیاں تقریباً ۸۵ صفحوں میں دیے ہیں۔ فتح علی حسینی کا بیان ہے کہ وہ ان کے گہرے دوست تھے۔ انھوں نے ۲۱ صفحات میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔ لیکن وہ یقین کے حالات زندگی کی کوئی تفصیل نہیں دیتے۔ قاسم کے مطابق یقین کا مرتبہ جدید شعرا کی اول صف میں آتا ہے۔ کمال نے انھیں سودا کا شاگرد بتایا ہے۔

❁❁

ضمیمہ جات

فہرست کتب اردو، جن کا ذکر اصل کتاب میں نہیں آیا۔
فہرست اردو اخبارات ورسائل
فہرستِ شعرا و مصنفینِ اردو

فہرست کتب اردو

ان کتابوں کی فہرست جو اس تاریخِ ادبیات میں درج نہیں کی گئیں

ا۔مذہبیات وفلسفہ

ابلیس نامہ:

یہ کتاب اردو اور بنگالی میں ہے۔اس کے دو اڈیشن ہیں۔ایک میں ۲۷ صفحات ہیں اور دوسرے میں ۴۰ صفحات۔

J.Long."Descriptive Catalogue"۔۱۸۶۷ء،صفحہ۲۱۔

اتفاق مباحثہ:

اس کتاب میں Dr.Pfander اور چھے مولوی حضرات کے درمیان آگرہ میں ۱۸۶۷ء میں جو مناظرے ہوئے تھے،اس کا ذکر کیا گیا ہے۔اس کے مصنف کا نام عماد الدین ہے۔

آثار محشر:

یہ ایک اردو نظم ہے جس میں قرآن واحادیث کی روایات کے مطابق عبدالعزیز دہلی کی کتاب سے مدد لی ہے گئی ہے۔کتاب لکھنو سے ۱۸۳۳ء میں شائع اور ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ہر صفحہ میں ۲۳ سطریں ہیں۔

احکام الجمعہ:

یہ کتاب اردو اور بنگالی میں ہے اور کلکتہ سے ۱۸۶۵ء میں چھوٹی تقطیع میں ۸۸ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

J. Long."Descriptive Catalogue".،صفحہ۲۱۔

اخبار الوجود:

یہ ایک گرو اور ان کے چیلے کے درمیان مکالمہ ہے۔اردو اور بنگالی۔کلکتہ سے ۱۸۶۵ء میں چھوٹی تقطیع کے ۴۸ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔J. Long."Catalogue".،صفحہ ۱۸

ارکان الحج:

کلکتہ۔۱۸۳۹۔چھوٹی تقطیع۔

استقاء:

یہ کتاب حضرت حسنؓ اور حسینؓ کے متعلق ہے اور اس کو حکومت برطانیہ نے سقوط دہلی کے بعد خرید لیا ہے۔فہرست میں اس کا نمبر ۱۱۲۰ ہے۔

اعمال الصالحین:

لکھنو۔صفحات ۲۰۰،"Bibliotheca Sprengeriana" نمبر ۹۳۳

اوراد احسنیٰ:

کانپور ۱۸۶۵ء،۱۸۳۹ء۔چھوٹی تقطیع۔۴۴صفحات،.J. Long."Catalogue"،صفحہ ۴۳۔

باب رحمت۔رسالہ:

اس کتاب کا اشتہار ۱۴فروری ۱۸۵۶ء کے اودھ اخبار میں شائع ہوا ہے۔

بیان الاسلام:

Defence of Mohammedan Religion.،۱۸۵۰ء۔

تاریخ حبیب اللہ:

اردو میں میرٹھ ۱۸۶۵ء۔صفحہ ۳۷،.J.Long."Catalogue"

غالباً یہ وہی کتاب ہے جس کا ذکر تواریخ حبیب اللہ کے نام سے کیا گیا ہے۔

تجوید:

مصنفہ ابن العطر جزاری۔ہندوستانی میں ایک تفسیر بھی شامل ہے۔

تحفۃ الاخبار:

یہ مشارق الانوار کا اردو ترجمہ ہے جس کو محمد خرم علی نے کیا ہے۔مشارق الانوار، رضا الدین حسن بن حسن خراسانی کی منتخب کردہ حدیثوں کا مجموعہ ہے۔کانپور ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۴ء۔۵۲۴صفحات۔ایک دوسرا ایڈیشن لکھنو سے ۱۸۷۰ء میں ۲۱۱صفحات پر شائع ہوا ہے۔

تحفۃ العرب والعجم:

اس کتاب میں وہابیت کی تردید کی گئی ہے۔مصنفہ محمد قطب الدین۔دہلی۔۱۸۶۸ء۔چھوٹی تقطیع۔ ۸۰صفحات۔

تحفۃ العوام:

اردو اور عربی میں۔ لکھنؤ ۱۲۶۵ھ/ ۹-۱۸۴۸ء۔ ۱۰۴ صفحات اس کا ایک دوسرا اڈیشن دہلی سے چھوٹی تقطیع میں نکلا ہے۔

تحفۃ المسلمان:

یہ ایک مذہبی کتاب ہے جو ملک کے مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔

تحفۂ درود:

یہ ورد و وظائف کی ایک کتاب ہے۔ نول کشور جنوری ۱۸۶۹ء کی فہرست۔

ترجمۃ الصلوٰۃ:

نمبر ۳۳۲۔ جولائی ۱۸۵۶ء۔ "Catalogue Williams and Norgate".

تصوف ہندی یا آئین رسالت:

یہ کتاب تصوف کے موضوع پر لکھی گئی ہے۔ اردو کا قلمی نسخہ ۲۰۹ صفحات۔ نمبر ۱۹۵۔ اپریل ۱۸۶۴ء "Catalogue B. Quaritch".

تعلیم خرد:

اردو میں۔ میرٹھ۔ ۱۸۵۶ء، صفحہ ۲۱۔ J. Long."Catalogue".

تفسیر آیات الاحکام:

لکھنؤ۔ ۱۸۴۶ء۔ چھوٹی تقطیع۔

تفسیر بسم اللہ:

اردو۔ کلکتہ ۱۸۶۵ء۔ ۲۲۳ صفحات۔ صفحہ ۲۰۔ J. Long."Catalogue".

تفسیر زاد الخیرات:

یہ مثنوی ۴ جلدوں میں ہے اور مسلمانوں کی مذہبی کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ نول کشور کی فہرست مؤرخہ جنوری ۱۸۶۹ء میں اس کا اعلان شائع ہوا ہے۔

تفسیر سورۃ الفاتحہ:

اردو میں۔ آگرہ سے ۱۸۶۴ء میں شائع ہوئی ہے۔ یہ قرآن کا ایک اردو ترجمہ ہے۔ کلکتہ ۱۸۶۵ء۔ ۱۶۷ صفحات۔

J.Long."Catalogue".۔صفحہ ۲۰

تنبیہ الغافلین:

اردو میں۔۱۸۵۳ء۔

تنبیہ المفسرین:

کلکتہ۔۱۸۶۵ء۔چھوٹی تقطیع۔۴۴صفحات۔صفحہ ۲۰۔ .J.Long."Catalogue"

توقیر الحق:

یہ وہابیت کے خلاف ایک رسالہ ہے جس کو مولوی قطب الدین نے تصنیف کیا ہے۔ لاہور۔ ۱۸۶۹ء۔چھوٹی تقطیع۔۱۵۶صفحات۔

توقیدنی بیان تقلید:

یہ وہابیت کے خلاف ایک رسالہ ہے۔جس کو مولوی سید الدین نے لکھا ہے۔دہلی ۱۸۶۹ء۔چھوٹی تقطیع۔ ۵۴صفحات۔

جذب القلوب الی دیار القلوب:

معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کو مولوی عبدالواحد نے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔عبدالحق اس کے مترجم نہیں ہیں جیسا کہ غلطی سے میں نے اس کتاب میں بیان کیا ہے۔

جذب البحر:

یہ ایک مشہور مناجات ہے جو عربی اور اردو میں شائع ہوا ہے۔میرٹھ،۱۲صفحات۔ہر صفحے میں ۱۲سطریں۔ اس کا اعلان ۱۸جون ۱۸۶۸ء کے اخبار عالم میں کیا گیا ہے۔

جزو قرآن:

یہ ہندوستانی میں قرآن کا ترجمہ ہے جس میں شرح بھی شامل ہے۔اس کتاب کا اعلان مدارس کے اخبار ''صبح صادق'' میں کیا گیا ہے۔(۲۵ذوالقعید ۱۲۸۱ء۔مطابق ۱۲/اپریل ۱۸۶۵ء)۔

چوہانامہ:

یہ کتاب رزمیہ مزاحیہ ہے اور اس میں چوہوں اور بلیوں کی لڑائی کا ذکر ہے جو فارسی سے اخذ کیا گیا ہے۔ دہلی،۱۸۴۹ء، چھوٹی تقطیع۔۲۴صفحات۔غالباً یہ محمد علی کی تصنیف ہے۔اس کا ایک اردو بنگالی اڈیشن بھی ہے،

جس کا نام چوہی نامہ ہے اور کلکتہ سے ۱۸۶۵ء میں ۲۴صفحات پر شائع ہوا ہے۔ .J.Long."Catalogue"، صفحہ ۱۸۔

چہل حدیث:

یہ کتاب دہلی اور کان پور میں چھے مرتبہ شائع ہوئی ہے۔ بعض اڈیشنوں میں صرف اردو ہے اور بعض میں اردو اور بنگالی دونوں ہیں۔

جمالیات عالیہ محمدی:

یہ مسلمانوں کے فقہ کی کتاب ہے اور بریلی میں چھپی ہے۔

حدیقۃ القرآن:

لکھنو۔۱۸۴۴ء۔ چھوٹی تقطیع۔

حدیقۃ الشہدا:

لاہور۔ کوہ نور پریس۔

حدیقۃ الصلوٰۃ:

کلکتہ۔۱۸۳۸ء۔ چھوٹی تقطیع۔

حق البیان:

یہ کتاب ۴۸صفحات پر ہے اور ہر صفحہ میں ۱۵ سطریں ہیں۔

حقیقت الجہاد فی تمیز الجہاد والنساء:

آگرہ۔ نورالاخبار پریس۔۱۸۵۷ء۔۲۲صفحات۔

حقیقت الصلوٰۃ:

یہ ایک اسلامی رسالہ ہے۔ دہلی ۱۸۶۸ء۔ چھوٹی تقطیع۔۲۴صفحات۔

حکایات الصالحات:

۱۸۶۷ء۔ چھوٹی تقطیع۔۸۷صفحات۔

حلال وحرام:

لکھنو۔۱۸۶۴ء۔ چھوٹی تقطیع۔

حمائل القرآن:

یہ عربی اور اردو میں ہے۔آگرہ ۱۸۵۰ء، میرٹھ ۱۸۶۸ء۔

خطبۃ الجماعت:

کلکتہ۔۱۸۴۹ء۔چھوٹی تقطیع۔

خلاصہ صولت الضیغم:

یہ عیسائی مذہب کے خلاف ایک رسالہ ہے۔لکھنو ۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء

خلاصۃ المصائب:

میرٹھ ۱۸۶۷ء۔چھوٹی تقطیع۔۳۲۸ صفحات

اس کا اعلان ۱۵/اگست ۱۸۶۷ء کے اخبار عالم میں شائع ہوا ہے۔

خمس مصلیٰ:

میرٹھ۔۱۸۶۴ء۔

دل روشن:

یہ اردو اور بنگالی میں ایک مذہبی منظوم کتاب ہے۔کلکتہ ۱۸۶۵ء۔چھوٹی تقطیع۔ ۷۸ صفحات۔

J.Long."Catalogue"، صفحہ ۱۸۔

ذخیرۃ الدارین:

مدراس۔۱۸۴۹ء۔چھوٹی تقطیع۔

ردمنکران:

۱۰۴ صفحات۔۔J.Long."Catalogue"، صفحہ ۹۵

ردہنود:

ایک مسلمان نے اس کتاب کو ہندو مذہب کی تردید میں لکھا ہے، لکھنو ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۶ء۔

رسالہ توحید یا رسالہ تصوف:

یہ دکنی زبان کی ایک صوفیانہ مثنوی ہے۔اس کا ایک نسخہ میرے پاس بھی ہے۔

رسالہ حامیہ:

یہ کتاب شیعہ وسنی جماعتوں کے مباحث کے متعلق ہے۔آگرہ ۱۸۶۴ء۔۲۰ صفحات۔

رسالہ حکمت:

لاہور۔۱۸۶۳ء۔

رسالہ ردوہابیہ:

دہلی۔۱۸۵۰ء۔

رسالہ عبادت:

نمبر ۳۲۸۔جولائی ۱۸۵۲ء،"Catalogue. Williens and Horgato".

رسالہ غوث الامام:

یہ امام مہدی کے روپوش ہونے کے متعلق ہے۔کلکتہ۔۱۸۴۳ء۔چھوٹی تقطیع۔

رسالہ قیام:

میرٹھ۔۱۸۶۴ء۔

رسالہ منع تقلید:

کلکتہ۔۱۸۴۳ء۔چھوٹی تقطیع۔

مرقع ہولی:

میرٹھ۔۱۸۶۵ء۔J. Long."Catalogue".، صفحہ ۳۳۔

رموز القرآن:

یہ ایک اردو کتاب ہے۔نول کشور لکھنو ۱۸۶۹ء جنوری کی کتب فہرست میں۔

رواج الاسلام:

بمبئی۔۱۸۴۹ء

روشن دل:

یہ اردو میں مناجات کی ایک کتاب ہے۔لاہور۔۱۸۶۹ء۔چھوٹی تقطیع۔۱۲رصفحات۔

زادالآخرت:

یہ قرآن کی اردو میں ایک منظوم شرح ہے۔جس کو قاضی عبدالسلام بدایونی نے لکھا ہے۔لکھنو، دہلی۔۱۸۶۸ء، ۱۶صفحات۔

زینت المصلیٰ:

کلکتہ ۱۸۴۳ء۔چھوٹی تقطیع۔

سیارہ قرآن:

یہ کتاب عربی اور اردو میں ہے۔ دہلی۔ دارالاسلام پریس۔ ۱۸۵۱ء

سر شہادتین:

مصنفہ مولوی عبدالعزیز۔ عربی اور اردو میں۔ دہلی ۱۸۶۹ء۔ چھوٹی تقطیع۔ ۴۰ صفحات۔

سعادت کونین:

یہ ایک اردو کتاب ہے لیکن اس میں عربی اقتباسات بھی شامل ہیں، اس کے دو اڈیشن دہلی سے شائع ہوئے ہیں۔

سلسلۂ عالیہ چشتیہ:

یہ کتاب معین الدین چشتی کے متعلق ہے اور عربی، فارسی، اردو اور پنجابی میں لکھی گئی ہے۔ لاہور ۱۸۶۸ء۔ چھوٹی تقطیع۔ ۱۶ صفحات۔

سلک علل:

یہ ایک اردو کتاب ہے جس کا اعلان میرٹھ کے اخبار العالم مورخہ ۱۱ نومبر ۱۸۶۹ء میں کیا گیا ہے۔

سیرت الاسلام:

مدراس ۱۸۴۳ء۔ چھوٹی تقطیع۔ اس کا ایک دوسرا اڈیشن مدراس سے ۱۸۴۴ء میں شائع ہوا ہے۔

سیف المسلین الہدایت الکافرین:

بمبئی۔ ۱۲۵۵ھ/ ۱۸۳۹ء بڑی تقطیع۔ ۱۰۰ صفحات۔ انگریزی مشنریوں کے اس رسالہ کے جواب میں لکھا گیا جس کا نام *Cross to Musulman* ہے۔ اس میں عیسائیوں کی ہر دلیل کی فرداً فرداً تردید کی گئی ہے۔ یہ مشنریوں کے لیے ایک بہت ہی دلچسپ مباحثہ کی کتاب ہے۔

سورۂ یوسف کی تفسیر:

عربی اور اردو میں۔ دہلی ۱۸۵۱ء۔ ایک اور اڈیشن آگرہ سے ۳۰ صفحات میں شائع ہوا۔

شاہ طیور وشیر شریعت:

یہ ایک مذہبی رسالہ ہے جو اردو اور عربی میں لکھا گیا ہے۔ اس کے مصنف کا نام مولوی احمد یار ہے۔ فیروز پور سے ۱۲۰۹ء میں چھوٹی تقطیع میں ۳۰ صفحات پر شائع ہوا ہے۔

شجاعت علی۔ منشی:

یہ کتاب انگریزی حکومت نے ۱۸۵۷ء میں خرید لی ہے اور فہرست میں اس کا نمبر ۱۱۲۰ ہے۔

شرح محمدی:

یہ اردو کتاب ہندوستان کے مدراس میں داخل نصاب ہے۔

شمائل الاتقیا:

یہ نثر میں ایک مذہبی کتاب ہے جس کا ایک نسخہ Major M.J.Attloy کے پاس موجود تھا۔ یہ کتاب ۱۱۹۵ھ/ ۸۱-۱۷۸۰ء میں نقل کی گئی ہے۔

شمع المجالس:

یہ امام حسین پر مرثیہ ہے۔ اور اس کو ''مجمع البحرین'' کے نگران نے لدھیانہ سے شائع کیا ہے۔

شمائل ترمذی:

کلکتہ ۱۲۶۲ھ/ ۶-۱۸۴۵ء۔ اس میں حضرت محمدؐ کی شخصیت اور کردار کے متعلق ترمذی کی روایت کو نقل کیا گیا ہے۔ اس میں عربی عبارت کے ساتھ سطر بہ سطر ہندوستانی ترجمہ شامل ہے۔

شہادت امام حسین:

اردو۔ دہلی۔

شہرت نامہ حضرت فاطمہؓ:

اردو۔ بنگالی۔ کلکتہ۔ ۱۸۶۵ء۔ چھوٹی تقطیع۔ ۲۰ صفحات۔ J.Long."Catalogue"۔ صفحہ ۱۸۔

صراط المستقیم:

امام مہدی کے متعلق۔ اردو میں۔ کلکتہ ۱۸۵۶ء

صفت روح الامین:

یہ کتاب جبریلؑ کے متعلق ہے اور اردو میں لکھی گئی ہے۔

صفت الصلوٰۃ:

۷۴ صفحات۔ J.Long."Catalogue"، نمبر ۹۵

ضرورت اخلاص:

کلکتہ ۱۸۶۵ء۔ اردو بنگالی میں۔ J.Long."Catalogue"، صفحہ ۲۱۔

عذاب قبر:

یہ کتاب اردو اور بنگالی میں ہے۔ضخامت،۶۴ صفحات۔ J.Long."Catalogue"، صفحہ ۹۵۔

عشق نامہ:

یہ ایک مذہبی رسالہ ہے جو اردو بنگالی میں لکھا گیا ہے۔کلکتہ ۱۸۶۵ء۔چھوٹی تقطیع۔۳۱ صفحات۔

J.Long."Catalogue"، صفحہ ۱۸۔

علمیہ:

یہ ایک مذہبی کتاب ہے۔آگرہ ۱۸۶۴ء

فتاوائے کلامیہ:

لدھیانہ۔مجمع البحرین پریس۔۳۶ صفحات۔

فرحت السالکان:

دہلی، ۱۸۵۰ء۔

فضائل حضرت علیؓ:

حضرت علیؓ کی سوانح حیات۔دہلی۔

فقرنامہ:

مصنف حافظ عمر دراز۔لاہور۔۱۸۶۹ء۔۶۴ صفحات۔

فکر اکبر در وصیت حج:

لکھنو۔۱۸۴۳ء۔

فلاح دارین:

رئیس دہلی مولوی محمد قطب الدین۔یہ سنی جماعت کی ایک مذہبی کتاب ہے۔

فوائد افکار:

دہلی۔

قاطع البدعت:

میرٹھ ۱۸۶۹ء۔چھوٹی تقطیع۔یہ کتاب تحفۃ المومنین کے مصنف محمد قربان علی نے لکھی ہے۔ان پر مضمون

دیکھیے۔

قصہ شاہ یمن:

یہ محمدؐ کے معجزات کے متعلق ایک نظم ہے۔ لاہور ۱۸۶۸ء۔ چھوٹی تقطیع۔ ۸۶ صفحات۔

قول متین:

یہ ان کتابوں میں سے ہے جو انگریزی حکومت نے دہلی کے سقوط کے بعد خریدی ہے اور فہرست میں اس کا نمبر ۱۰۷۰ ہے۔

کشف الحقائق:

مصنف محمد صادق۔

کنز بہاری:

یہ اردو و بنگالی میں پیروں کی ایک تاریخ ہے۔ چھوٹی تقطیع۔ ۲۴ صفحات۔ J.Long."Catalogue"، صفحہ ۲۱۔

کنز مصلّی:

لاہور ۱۸۶۷ء۔ ۱۶ صفحات۔

کبریت احمد یا کبریت الاحمر:

رسول خدا محمدؐ کے اسوۂ حسنہ کا ذکر ہے۔ لکھنو ۱۲۶۶ھ/۵۰-۱۸۴۹ء "Bibliotheca Sprengeriana", نمبر ۷۰۹

گلزار جنت:

اس کتاب کا اعلان ۱۸ جون ۱۸۶۸ء کے ''اخبار عالم'' میں کیا گیا ہے۔

گلزار قدرت:

یہ مشہور صوفی پریسا کی تاریخ ہے جنھوں نے مذہب اسلام کو ترک کر دیا تھا۔ غالباً یہ وہی کتاب ہے جس کا ذکر ''قصہ پریسا عابد'' کے نام سے قدرت (شاہ قدرت اللہ) کے مضمون میں کیا گیا ہے۔ اصل لفظ غالباً ''پارسا'' ہے۔ مترجم

گلزار ہدایت:

یہ ایک مذہبی کتاب ہے جو بمبئی سے ۱۲۵۴ھ/۹-۱۸۳۸ء میں شائع ہوئی ہے۔

گلستان طریقت:

یہ شاہ عبدالرزاق کی تاریخ ہے۔نول کشور لکھنو جنوری ۱۸۶۹ء کی فہرست۔

متلاشیٔ دین:

یہ اردو میں عیسائی مذہب کے متعلق ایک کتاب ہے۔اس کتاب کے مصنف پادری ہیں۔لدھیانہ۔ ۱۸۶۹ء۔چھوٹی تقطیع۔۱۶۴صفحات۔

مخزن الاسلام:

Zinker نے اس کا ذکر کیا ہے۔یہ غالباً وہی کتاب ہے جس کا ایک قلمی نسخہ فورٹ ولیم کالج میں موجود تھا۔

مذمت دنیا۔رسالہ:

دہلی۔

مذہب ہند:

نول کشور جنوری ۱۸۶۹ء کی فہرست کتب۔

مرشد نامہ:

کلکتہ۔۱۸۶۵ء۔چھوٹی تقطیع۔۱۲صفحات۔J.Long."Catalogue"، صفحہ۲۱۔

مسائل شرع فی احوال الموطا:

کلکتہ۔۱۸۰۸ء۔چھوٹی تقطیع۔

مصباح الصلوٰۃ:

بمبئی۔۱۸۴۹ء۔چھوٹی تقطیع۔

معجزہ کھجور:

یہ ایک مذہبی کتاب ہے جس کے مصنف میر عباس ہے۔دہلی۔۱۸۶۹ء۔چھوٹی تقطیع۔۸صفحات۔

معجزہ ہرنی:

دہلی۔۱۸۶۹ء۔چھوٹی تقطیع۔۸صفحات۔

مفتاح الجنت:

کلکتہ۔۱۸۴۱ء۔چھوٹی تقطیع۔۶۲۴صفحات۔J.Long."Catalogue"، صفحہ۹۵۔

مفید العوام:

یہ ایک اسلامی رسالہ ہے۔ بمبئی۔ ۱۸۴۸ء۔ چھوٹی تقطیع۔

مقتول حسین:

یہ لشکری بولی میں ہے۔ J.Long."Catalogue"، صفحہ ۹۵۔

مناسک الحج:

دہلی۔

مناقب احمدیہ:

دہلی۔ ۱۸۶۲ء، یہ تصوف کی ایک کتاب ہے۔

منتخب النصائح:

یہ ایک اردو کتاب ہے جو شمالی مغربی صوبہ کے مدارس کے لیے لکھی گئی ہے۔

منہ یا منہ الباری:

یہ ایک اردو رسالہ ہے جس کو مولوی عالم سعید نے تصنیف کیا ہے۔ یہ بخاری اور مسلم کی حدیثوں کے متعلق ہے۔ لاہور ۱۸۷۰ء۔ چھوٹی تقطیع۔ ۱۸۳۶ صفحات۔

منہاج الاسلام:

یہ ایک اردو کتاب ہے۔ بریلی ۱۸۶۵ء۔ J.Long."Catalogue"، صفحہ ۳۳۔

منہاج الذات:

یہ ایک اردو کتاب ہے۔ نول کشور۔ ۱۸۶۹ء جنوری کی فہرست۔

موت نامہ:

یہ لشکری بولی میں ایک منظوم کتاب ہے جس میں منکر ونکیر کے سوالات، پل صراط، بہشت اور حوروں وغیرہ کا ذکر ہے۔ کلکتہ ۱۸۶۵ء۔ چھوٹی تقطیع۔ ۷۶ صفحات۔

مولود آدم:

یہ لشکری بولی میں ہے۔ چھوٹی تقطیع۔ ۸۶ صفحات۔ J.Long."Catalogue"، صفحہ ۹۵۔

مولد الطاہرہ:

یہ فاطمہؓ کے متعلق ہے۔ مدراس۔ ۱۸۴۹ء۔ چھوٹی تقطیع۔

مہتاب معرفت:

یہ سنسکرت کی کتاب کا ایک ترجمہ ہے۔ دہلی ۔۱۸۶۳ء۔۱۶۴صفحات۔

مہر نبوت:

محمدؐ پر نعتیہ اشعار کا انتخاب ہے۔نول کشور جنوری ۱۸۶۹ء کی فہرست کتب۔

نادر الحکمت:

"Catalogue Williens and Horgato"، جولائی ۱۸۵۸ء نمبر ۲۹۶۔

نبی نامہ:

یہ ایک اردو کتاب ہے جو شمالی مغربی صوبہ کے مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔

نصائح ارجمند:

یہ ایک اردو کتاب ہے۔ میرٹھ۔۱۸۶۵ء۔۳۲صفحات۔ J.Long."Catalogue"، صفحہ ۳۸۔

نصیحت المسلمین:

یہ ایک اسلامی مذہبی کتاب ہے۔لکھنو۔۱۸۴۶ء۔چھوٹی تقطیع۔اردو بنگالی میں اس کتاب کا ایک اڈیشن بھی ہے جو کلکتہ سے ۱۸۶۵ء میں چھوٹی تقطیع پر ۸۴صفحات میں شائع ہوا ہے۔ J.Long."Catalogue"، صفحہ ۲۱۔

نظام الملت:

دہلی۔دو اڈیشن ہیں۔

نظام السلام:

اس کتاب کے مصنف وجیہ الدین ہیں۔کلکتہ۔۱۸۶۴ء۔چھوٹی تقطیع۔اور لکھنو ۱۸۶۸ء۔چھوٹی تقطیع۔ ۱۵۶صفحات۔

J.Long."Catalogue"، صفحہ ۷۵۔

نور الایمان:

اردو و بنگالی۔اس کا دوسرا اڈیشن کلکتہ سے ۱۸۶۵ء میں چھوٹی تقطیع کے ۶۲صفحات میں شائع ہوا ہے۔

J.Long."Catalogue"، صفحہ ۲۰۔

ورد ضروری:

مدراس۔۱۸۴۴ء

وصیت نامہ درج:

عربی اور اردو میں۔لکھنو۔۱۸۴۴ء

وظیفہ معتوبہ:

اردو۔۲۶۴صفحات،اس کا اعلان میرٹھ کے ''اخبار عالم'' کی اشاعت ۸ مارچ ۱۸۶۶ء میں کیا گیا ہے۔

ہادی الایمان:

دہلی۔اس کے دو اڈیشن نکلے ہیں۔پہلا اڈیشن محمد باقر کے مطبع سے شائع ہوا ہے۔جہاں سے ''اردو اخبار'' نکلا کرتا ہے۔دوسرا اڈیشن ''جعفری پریس'' میں چھپا ہے۔

ہادی الغافلین:

یہ ایک مذہبی کتاب ہے۔نول کشور لکھنو،جنوری ۱۸۶۹ء کی فہرست۔

ہدایت الاسلام:

یہ ایک اردو کتاب ہے۔کلکتہ ۱۸۶۵ء۔چھوٹی تقطیع۔اس کتاب کا ایک نسخہ بنگالی میں بھی ہے۔ J.Long."Catalogue".،صفحہ ۱۹۔

ہدایت الصالحین:

دہلی۔

ہدایت الصدق:

کلکتہ۔

ہدایت الغافلین:

وہ ایک اردو بنگالی مذہبی رسالہ ہے۔کلکتہ۔۱۸۶۵ء۔چھوٹی تقطیع۔۸۰ صفحات، J.Long."Catalogue".، صفحہ ۱۹۔

ہزار مسئلہ:

یہ ایک مذہبی کتاب ہے جو بنگالی لشکری بولی میں ہے۔کلکتہ۔۱۸۴۶ء۔چھوٹی تقطیع، J.Long."Catalogue".،صفحہ ۹۵۔

ہشت بہشت:

مدراس۔۱۸۵۴ء،"*Collection of moral concepts*"،یہ کتاب ہندوستانی میں ہے

اور لکھنو سے ۱۸۳۳ء میں دو جلدوں میں چھپی ہے۔ ''مطبع نواب اودھ''۔ اس کے دو اور اڈیشن ہیں۔ ایک رومن رسم الخط میں اور دوسرا انگریزی میں ہے۔ یہ لکھنؤ کے انگریزی مدراس کے لیے شائع ہوئے ہیں۔

"Coran of Muhammad, translated into Hindoostanee"، کلکتہ۔۱۸۰۳ء۔ بڑی تقطیع، "Proceedings of the Vernacular Translation Society" ۱۸۴۵ء کے صفحہ ۲۱ میں تحریر کیا گیا ہے کہ قرآن کے متعدد اردو ترجمے شائع کی گئے ہیں۔ میں نے عبدالقادر اور عبداللہ کے مضامین میں چند ترجموں کا ذکر کیا ہے۔

E.Fraser اور Ros.J.Wilson نے رومن رسم الخط میں ایک ترجمہ کیا ہے جس میں دیباچہ کے علاوہ حاشیے اور فہرست ہیں۔ یہ ترجمہ الہ آباد میں ۱۸۴۴ء میں چھوٹی تقطیع پر ۵۵۰ صفحات میں شائع ہوا ہے۔

ہندوستانی کتابوں کی فہرست میں جو دہلی سے شائع ہوئی ہے اور جس کا ترجمہ J. Dowson نے کیا ہے، مندرجہ ذیل معلومات درج ہیں۔

۱۔ Coran with marginal notes and translation in Urdu, both Shia and Sunni.، دہلی۔

۲۔ Coran with translation in Urdu.، آگرہ، ۱۸۵۰ء۔

۳۔ The Koran, in Arabic and Urdu. آگرہ، ۱۸۵۰ء۔

تفسیر مقبول کے نام سے اس کتاب میں ایک اور اردو ترجمہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا فہرست کو میرے دوست Edwin Morris نے مجھے بھیجا ہے۔ "Holidays and prayers of Musalmans"، یہ کتاب اردو میں ہے اور کلکتہ سے ۱۸۶۵ء میں ۲۳۹ صفحات پر شائع ہوئی ہے۔

۲۔ فقہ

اصل قانون معاہدہ:

مصنفہ: پنڈت بھان۔ لاہور۔ ۱۸۷۰ء۔ چھوٹی تقطیع۔ ۱۸۴ صفحات۔

اصول دھرم شاستر:

بریلی، ۱۸۶۵ء، ۱۱۲ صفحات۔

غالباً یہ وہی کتاب ہے جس کا نام نظائر دھرم شاستر ہے۔

اصول نظائر دھرم شاستر:

یہ ہندوؤں کے اصول وقوانین ہیں جو مشہور و مستند مصنفین کی تصنیفات سے مرتب کیا گیا ہے۔اس کتاب کو دراصل انگریزی میں Sir W. MacNagtin نے لکھا تھا لیکن بعد میں صوبہ شمال مغربی کے گورنر کے حکم سے اس کا اردو ترجمہ کیا گیا ہے۔اس کا ایک اڈیشن لکھنو سے دو جلدوں میں شائع ہوا ہے۔اس میں ۶۹۱ صفحات ہیں اور ہر صفحے میں ۲۸ سطریں ہیں۔

اصول نظائر شرح محمدی:

اس کتاب کو شیعہ اور سنی جماعتوں کے بہترین اہل قلم حضرات نے مرتب کیا ہے۔یہ لکھنؤ سے نول کشور کے مطبع میں چھوٹی تقطیع پر ۵۲۸ صفحات میں شائع ہوئی ہے۔اس کے ہر صفحہ پر ۱۸ سطریں ہیں۔اس کتاب کو شروع میں Sir W. MacNagten نے انگریزی میں لکھا تھا۔اس کے بعد صوبہ شمال مغربی کے گورنر کے حکم سے اس کا اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔

تحفۃ المجاریان:

کانپور۔۱۸۶۵ء۔۳۸ صفحات۔

تحفۂ تیموریہ:

میرٹھ سے ۱۸۶۷ء میں،۵۲ صفحات پر شائع ہوا ہے۔

چار باب:

یہ فقہ پر ایک مختصر رسالہ ہے۔میرٹھ۔۱۸۶۵ء۔۱۵ صفحات۔

داروغہ کا دستور العمل:

آگرہ۔۱۸۵۱ء۔چھوٹی تقطیع۔

در مختصر:

اس کا اعلان میرٹھ کے ''اخبار عالم'' مؤرخہ ۲۳راگست ۱۸۶۶ء میں ہوا ہے۔

رسالہ شوہر وزوجہ:

یہ کتاب شوہر وبیوی کے حقوق کے متعلق ہے۔اس کو شیو پرشاد نے teo کی ایک کتاب سے ترجمہ

کیا ہے۔ لاہور۔ ۱۸۶۹ء۔ چھوٹی تقطیع ۔۴ صفحات۔

رفع العیسائی:

یہ انگریزی سے اردو میں ترجمہ ہے۔ اس کو نواب عمدۃ الملک نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کو بطور عطیہ عنایت فرمایا تھا۔

۱۸۴۴ء کے Journal Asiatic Society, Bengal صفحہ ۱۱۶ اور ۱۸۔

زادالسبیل:

۶۳ صفحات۔ ہر صفحے میں ۱۹ سطریں ہیں۔

اس کا اعلان میرٹھ کے ''اخبار عالم'' میں ہوا ہے۔ (۲۲/ اگست ۱۸۶۷ء)

ستر عورت:

یہ اسلامی احکامات اور احادیث کے مطابق عورتوں کی زینت کو چھپانے کے متعلق ہے۔ اردو میں لکھنو ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء چھوٹی تقطیع ۔۱۶ صفحات۔

سلام ضیاالعابدین:

یہ اردو میں امامیہ جماعت کی فقہی کتاب ہے۔ نول کشور لکھنوکی فہرست کتب بابت ۱۸۶۹ء

عشرہ مبشرہ:

مدراس۔ ۱۸۴۴ء۔ چھوٹی تقطیع۔

قانون شادی:

آگرہ، ۱۸۶۵ء۔ ۲۸ صفحات۔

صفحہ ۴۲۔ J.Long."Catalogue".

قدوری یا مختصر قدوری:

یہ بغداد کے ابوالحسن احمد قدوری کی فقہ کے موضوع پر مشہور عربی کتاب کا ترجمہ ہے۔ قدوری کا انتقال ۱۰۴۶ء میں ہوا ہے۔ اس کا ایک فارسی ترجمہ دہلی سے ۱۸۴۵ء میں ''ادب القاضی'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔

قصۂ انتخاب قاضیات:

آگرہ۔ ۱۸۶۵ء۔ ۳۴ صفحات۔ صفحہ ۴۱۔ J.Long."Catalogue".

مختصر نافع درفقہ:

دہلی۔۱۸۵۰ء

نظائر فیصلہ واحکام صدر دیوانی الدولہ:

صدر دیوانی عدالت کے فیصلوں کا انتخاب۔اس عنوان کے ماتحت اردو میں متعدد اڈیشن لکھنو، بریلی اور کانپور سے شائع ہوئے ہیں۔

اس کا ایک خلاصہ بھی ہے جو بلند شہر میں ''خلاصہ نظائر صدر وغیرہ'' کے نام سے چھپا ہے۔

ہدایت نامہ مال گزاری:

لاہور۔۱۸۷۰ء۔چھوٹی تقطیع۔۲۲۶صفحات

۱۔ *New Panel Laws*, Translated into Hindoostani.۔کلکتہ،۱۸۴۸ء

۲۔ Political Economy.۔علی گڑھ۔۱۸۶۵ء۔چھوٹی تقطیع۔۳۹۸صفحات

۲۔علوم وفنون

ارجنگ شائق:

اردو میں۔یہ کتب ہاتھ سے فال دیکھنے کے متعلق ہے۔بنارس۔

اشیائے سامان عمارت:

ورکس۔

اصول نقاشی:

دوحصوں میں۔

آئینہ علم:

Extract from Goverment Gazette. آگرہ۱۸۶۵ء۔صفحہ۴۲۔

J.Long."Catalogue".

تحفۃ الامان:

جادو کا ایک رسالہ ہے۔اردو۔آگرہ۔۱۸۶۴ء

تحفۃ الاطبا:

مصنفہ حسین۔لکھنو ۱۸۶۰ء۔چھوٹی تقطیع۔۴۶صفحات۔

نول کشور لکھنو ۱۸۶۹ء جنوری کی فہرست۔

ترکیب پیدائش ریشم از کرما پیلا۔رسالہ:

لاہور۔

ترکیب طعام۔رسالہ:

لاہور۔

تشریح الموجودات:

اردو۔آگرہ۔

تعبیر نامۂ خواب:

اردو۔آگرہ۔۱۸۵۰ء

تنبیہ العیان:

یہ رسالہ ''کتاب البحران'' سے مرتب کیا گیا ہے۔

جام جم:

دہلی۔۱۸۶۳ء۔چھوٹی تقطیع۔صفحہ ۳۰۔یہ کتاب علم ہندسہ کے متعلق ہے۔

چلن جواہر:

شاہ جہانپور۔۱۸۶۵ء۔

صفحہ ۳۳۔J.Long."Catalogue".

حل المقادر:

لاہور۔۱۸۶۳ء۔

حل سوالات جبر ومقابلہ:

لاہور۔۱۸۶۳ء۔

رسالہ طب باتیں انگریزی:

دہلی۔

رسالہ پلوں دریاؤں ہند کا:

اردو۔ رڑکی۔۹۳صفحات۔"Thomson College Papers"

رسالہ پلوں کے عنوان سے یہ کتاب آگرہ سے بھی چھپی ہے۔

رسالہ حساب:

دہلی اور اندور۔۱۸۵۰ء

رسالہ حکمت یا رسالہ علم وحکمت:

اردو۔۲۲صفحات۔

صفحہ۸۸۔J.Long."Catalogue".

رسالۂ شطرنج:

اردو، دہلی۔

رسالہ مٹی کی کھدائی کا:

اردو۔ رڑکی۔۱۰۰صفحات۔"Thomson College Papers"

رسالہ موتی کی جونکالنے یا رسالہ استخراج جوہر اور ید:

حیدرآباد۔۱۲۵۱ھ/۶-۱۸۳۵ء۔۴۸صفات۔

شرح عقائد شفا:

لاہور۔کوہ نور پریس۔

شمس مساحت:

۴۷صفحات۔چھوٹی تقطیع۔

طب اکبر:

یہ فارسی سے ایک ترجمہ ہے۔

نول کشور لکھنو۔۱۸۶۹ء جنوری کی فہرست۔

طب ریاض:

اس کا ایک قلمی نسخہ ایک پٹھان رئیس کے کتب خانے میں ہے۔Asiatic Society کو Newbold نے اس کتب خانے کی ایک فہرست بھیجی تھی۔

طلسم حکمت ۔ رسالہ:

اردو ۔ میرٹھ ۱۸۶۵ء ۔ ۱۶ صفحات

صفحہ ۳۸ ۔ J.Long."Catalogue".

طلسم فرہنگ:

یہ انگریزی کتاب کا ایک اردو ترجمہ ہے ۔ چھوٹی تقطیع ۔ ۴۸ صفحات ۔

میرٹھ اخبار عالم ۔ ۱۵ جولائی ۱۸۶۹ء

علم مساحت کا رسالہ:

دہلی ۱۸۴۴ء ۔ چھوٹی تقطیع ۔ *"Principles of Practical Geometry"*

عمارات المعروف:

"Buildings and places of historical celebrity"

اردو اور عربی ۔ مرزا پور ۔

فلاحت ۔ (رسالہ علم فلاحت):

"Outlines of modern farming. by R.S.Born, with illustractions translated into Urdu with additions by the Scientific Society"

علی گڑھ ۱۸۶۵ء ۔ چھوٹی تقطیع ۔ ۲۵۴ صفحات ۔

فوائد عجیبہ:

اس کتاب میں خانہ داری کے متعلق مفید نسخے درج ہیں ۔

لکھنو ۔ ۶۵ صفحات ۔ نمبر ۱۹۱۱ ۔ "Bibliothece Sprengriana"

قرابادین کبیر:

یہ ایک اردو کتاب ہے جو کلکتہ سے شائع ہوئی ہے اور جس کا اعلان ۱۲ / اپریل ۱۸۶۶ء کے اخبار عالم میرٹھ میں کیا گیا ہے ۔ ممکن ہے کہ یہ وہی کتاب ہو جس کا انگریزی عنوان "*The London Pharnacopoeia*" ہے اور جس کے مصنف Rev.J.Mount ہیں ۔ کلکتہ ۱۸۲۶ء اور ۱۸۴۵ء

قرابادین یا قرابازین قادری:

یہ ایک فارسی کتاب کا اردو ترجمہ ہے جس کو مولوی نور کریم نے کیا ہے ۔ اس کتاب کا اعلان

۲۳ مارچ ۱۸۷۰ء کے اودھ اخبار میں کیا گیا ہے۔ یہ وہی کتاب ہے جس کا ذکر ''مخزن لادویہ'' کے نام سے کیا گیا ہے۔

قوانین الزراعت:

دہلی۔۱۸۵۰ء

کتاب حساب:

شاہ جہانپور۔۱۸۶۵ء

صفحہ۴۰۔ J.Long."Catalogue".

کتاب ڈاکٹری یا رسالہ ڈاکٹری:

آگرہ۔۱۸۶۴ء۔ چھوٹی تقطیع۔۲۸۸صفحات۔دو اڈیشن۔

مبدۂ علوم:

مصنفہ مولوی کرامت علی۔اردو۔

اس کتاب کا ذکر "Proceodings of the Asiatic Society of Bengal. May,1870" میں کیا گیا ہے۔

مراۃ الحرکات:

اردو۔اس کا انگریزی عنوان "*Natural phenomena*" ہے۔مرزاپور۔۱۸۶۱ء۔چھوٹی تقطیع۔ ۵ حصوں میں ۷۰ صفحات باتصویر۔

مشتر الفیض:

لکھنو۔۱۸۶۹ء۔۴۴۲صفحات۔

مطلع الحساب:

دہلی۔۱۸۶۳ء۔۳۲صفحات۔

معالجات احسانی:

مصنفہ محمد احسان علی خان۔لکھنو۔۱۸۱۹ء۔چھوٹی تقطیع۔۱۰۲صفحات

معالجہ چیچک۔رسالہ:

اردو اور پنجابی، لاہور۔۱۸۶۳ء۔

یہ رسالہ Mr. W. C. Mao Lern کی کتاب "Small Pox" کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کا ایک عربی ترجمہ خدیو مصر کے حکم سے کیا گیا ہے۔

معلم حساب:

اردو۔ دہلی۔ ۱۸۵۰ء۔ چھوٹی تقطیع۔

معرکہ:

لکھنو۔ ۱۱۳ صفحات۔

نمبر ۱۹۴۳۔ "Bibliotheca Sprengriana"

مفتاح القلوب:

یہ طب پر ایک کتاب ہے جس کا اعلان ۲۲ راگست ۱۸۶۶ء کے ''اخبار عالم'' میرٹھ میں کیا گیا ہے۔

مفید حساب:

دہلی۔ ۱۸۶۳ء۔ ۲۰ صفحات۔

منتخب الحلم:

اردو۔ مرزاپور۔

منتہا الحساب:

اردو۔ میرٹھ۔ ۱۸۶۵ء۔ چھوٹی تقطیع۔ ۳۸۴ صفحات

صفحہ ۳۹۔ J. Long."Catalogue".

نظام الحیوانات:

یہ ابتدا میں مرزاپور کے خیر خواہ ہند میں متعدد مضامین کی صورت میں شائع ہوا تھا۔

نظام شمسی:

یہ کتاب علم نجوم پر ہے اور شمالی مغربی صوبہ اور پنجاب کے اسکولوں کے لیے لکھی گئی ہے۔ لاہور۔ ۳۶ صفحات

نظائر مال:

اردو۔ بلند شہر۔ ۱۸۶۵ء

صفحہ ۳۳۔ J. Long."Catalogue".

نیوٹن:

"*Memoirs of Sir Isaac Newton* translated into Urdu"

ہدایت الاطبا:

آگرہ۔۱۸۶۵ء۔چھوٹی تقطیع۔۱۵صفحات۔

J. Long."Catalogue".۔صفحہ۴۰

"*Conquest's Outlines of Midwifery developing the Principales and Practice"*.Translated by Edward Balfour.

مدراس۔۱۸۵۲ء۔چھوٹی تقطیع۔

نواب کرناٹک نے زچہ گری کے موضوع پر اس کتاب کے ترجمہ کے لیے انعام مقرر کیا تھا کیونکہ مشرق میں یہ علم اب تک بہت ہی ابتدائی حالت میں ہے۔اس انعام کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک معمولی فوجی نے حاصل کیا تھا۔*Indian Mail* ۱۶/اگست ۱۸۵۵ء۔

"Small treatise of Trigonomety"

یہ ایک اردو ترجمہ ہے جو F. Pouiros کے حکم سے کیا گیا ہے اور دہلی سے چھپا ہے۔

"Treatise on the objects, advantages and pleasures of Science".

by Lord Brougham اردو ترجمہ۔ کلکتہ۔۱۸۳۴ء۔کلکتہ اسکول بک سوسائٹی۔

Urdu Translation of an English Work regarding Cultivation of the Mulberry Tree and Care in the Punjab. لاہور۔۱۸۵۳ء

۴۔تاریخ وجغرافیہ

اضراب سلطانی:

اس کتاب کا ذکر ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کی فہرست میں تاریخی کتابوں میں کیا گیا ہے۔

پیلتن رستم:

Adventures of Rustom

اردو۔بنگالی۔کلکتہ۔۱۸۶۵ء۔۱۳۲صفحات۔

تاریخ افغانستان:

اردو۔دہلی۔

تاریخ راجہان: ۱۸۵۱ء۔

تاریخ رنجیت سنگھ:

یہ کتاب "*Prinsep's life of Ranjit*" کا اردو ترجمہ ہے۔

"Vernacular Translation Society"

تاریخ رواں:

اندور۔۱۸۵۰ء

تاریخ فرشتہ:

یہ فارسی میں ہندوستان کی تاریخ ہے جس کو فرشتہ نے تصنیف کیا ہے۔ہندوستان میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ Dow جو فرشتہ کی تاریخ کے پہلے مترجم ہیں، فارسی زبان سے واقف نہ تھے اور انھوں نے اس کتاب کا اردو ترجمہ کرانے کے بعد اسے انگریزی میں منتقل کیا ہے۔

J. Mohl. "Journal des Savants".1840۔صفحہ۳۹۳

تاریخ ممالک چین۔یا تاریخ چین:

کلکتہ ۱۸۴۸ء۔دو جلدیں ہیں۔مصنفہ James Corcoran

دوسرا اڈیشن۔لاہور۔۱۸۵۱ء

تاریخ ملکان:

اردو۔میرٹھ۔۱۸۶۵ء۔۱۲۵صفحات

J. Long."Catalogue".۔صفحہ۳۸

تاریخ یا تواریخ متقدمین ومتاخرین:

Ancient and Modern History. translated by the Rev.J. A. Sharma. -پہلا حصہ کلکتہ سے فارسی رسم الخط میں نکلا ہے۔الہ آباد سے رومن رسم الخط میں ۱۸۵۱ء۔۱۳۵صفحات، پہلے حصے میں زمانۂ قدیم کی تاریخ ہے اور دوسرے حصے میں دور جدید کی تاریخ

بیان کی گئی ہے۔

مذکرات ہند:

اردو۔۱۸۶۱ء۔۳۵۰صفحات

تذکرۃ العاقلین:

"Biographical Notices of Distinguished Men".

اردو۔مرزاپور۔۱۸۶۰ء۔چھوٹی تقطیع۔۶۱صفحات باتصویر۔

ترجمہ ایک لکچر علم تاریخ:

یہ C. Guardingen کے ایک لکچر کا اردو ترجمہ ہے۔

مترجم موتی لال۔لاہور۔۱۸۷۰ء۔چھوٹی تقطیع۔۱۶صفحات۔

تواریخ ایران:

یہ ایک انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے۔آگرہ

Konker- General Catalogue.

تواریخ بلند شہر:

میرٹھ۔۱۸۶۴ء۔

جام جم:

اس کا انگریزی میں عنوان ہے:

"History of the Kings of Delhi from Timur to Mohammad Bahadur Shah."

Zenker- Bibliotheca Orientalica.

جغرافیہ شاہ جہان پور:

اردو میں شاہ جہان پور سے ۱۸۶۵ء میں شائع ہوا ہے۔صفحہ ۲۳۔ J. Long."Catalogue".

جنگ نامہ:

اس میں محمدؐ اور خلفاؓ کی جنگ کا بیان ہے۔اردو بنگالی۔کلکتہ۔۱۸۶۵ء۔چھوٹی تقطیع۔۱۶۴صفحات۔

خلاصہ تواریخ مکہ:

مصنف: فخر الدین حسین۔ لکھنو۔ ۱۸۶۹ء۔ چھوٹی تقطیع۔ ۶۴ صفحات۔

دولت ہند:

اردو۔ کان پور۔ ۱۸۵۰ء۔

دیہات کی صفائی:

الہ آباد۔ بڑی تقطیع۔ ۶ صفحات۔

زبدۃ التواریخ:

اردو۔ جولائی ۱۸۵۱ء۔

سفرنامہ:

Munge Park's Travel in the interior of Africa. Translated into Urdu.

آگرہ۔ ۱۸۴۲ء۔ کلکتہ۔ ۱۸۵۳ء۔

شرجنجل بیبی:

اردو۔ بنگالی۔

کلکتہ۔ ۱۸۶۵ء۔ ۲۴ صفحات۔

شمس الجغرافیہ:

لکھنو۔ ۱۸۶۷ء۔ چھوٹی تقطیع۔ ۲۲ صفحات۔

فتوح شام و فتوح مصر:

اس کتاب کو واقدی نے عربی میں لکھا تھا اور اس کتاب کو پہلی بار سید مولانا عنایت حسین سدن پوری نے ہندوستانی میں ترجمہ کیا تھا۔ عنایت حسین مولوی نوازش احمد کے بیٹے اور مولوی عبدالجامی کو پوتے تھے۔ واقدی کی کتاب کا دوسرا ترجمہ مولوی سید مہدی حسین مرحوم نے کیا تھا جو عنایت علی کے بھتیجے، منشی محمد حسن خان کے بیٹے اور نواب اودھ کے مصاحب تھے۔ پہلا ترجمہ کلکتہ سے شائع ہوا۔ اس کتاب کو دوسرے ترجمے کے ساتھ ایک ہی جلد میں شائع کیا گیا ہے۔ (۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء)

فہرست عجائب گاہ پنجاب۔ ۱۸۶۴ء:

اس اردو کتاب کا اعلان ۶ مارچ ۱۸۶۶ء کے کوہ نور لاہور میں کیا گیا ہے۔

قصۂ الوشحمہ:

History of the Father in Law of Mohamad and his Punishment for falling into sin.

اردو۔ بنگالی۔

کلکتہ۔۱۸۶۵ء۔ چھوٹی تقطیع۔۱۶صفحات۔

صفحہ۱۸۔ J.Long."Catalogue".

قصہ ابوالفیض نوری:

ان کو ابوحسن نوری سے، جو بغداد کے مشہور صوفی ہوئے ہیں، خلط ملط کرنا غلط ہوگا۔

کارنامہ:

یہ منشی عبدالوحید کی کتاب جنگ نامہ کا اردو ترجمہ ہے جس میں اورنگ زیب کے انتقال کا ذکر ہے۔

گلدستۂ طفلاں:

یہ تاریخ کی کتاب ہے جسے امریکن مشنری نے الہ آباد سے بچوں کے لیے شائع کیا ہے۔ یہ ایک مختصر تاریخ یورپ ہے۔۱۸۷۶ء۔

گلزار جنگ:

اردو میں۔۶۸ صفحات ہیں اور ہر صفحہ میں ۲۳ سطریں۔

گلشن پنجاب:

یہ اردو میں پنجاب کی تاریخ ہے اور شمالی مغربی صوبہ کی اسکولوں کے لیے لکھی گئی ہے۔

لال منہ قصہ:

یہ اردو بنگالی میں حسین بادشاہ کی تصنیف ہے۔کلکتہ ۱۸۶۵ء۔ چھوٹی تقطیع۔۱۰۰صفحات۔

صفحہ۲۱۔ J.Long."Catalogue".

محاربۂ کابل: *The Cabul Compaign.*

لکھنو۔۱۸صفحات۔

مراۃ الاقالیم:

کلکتہ۔۱۸۴۵ء۔

نقشہ جات:

ہندوستانی میں (فارسی رسم الخط) دیوناگری رسم الخط کے برعکس کثرت سے نقشہ جات شائع ہوئے ہیں۔ مسٹر Tesrau نے، جو ایک فرانسیسی ہیں انھوں نے کرہ ارض کے علاوہ ہندوستان کا ایک نقشہ جو چھے صفحات میں ہے، اردو ہندی رسم الخط میں مرتب کیا ہے۔

نو بہار:

اردو بنگالی۔ کلکتہ ۱۸۶۵ء۔ چھوٹی تقطیع ۔۱۸۴ صفحات۔ یہ عربوں کی جنگ کے متعلق ہے۔

J.Long."Catalogue".۔ صفحہ ۲۰

ہندوستان کا جغرافیہ:

اردو۔ لاہور۔ ۱۸۶۱ء۔ چھوٹی تقطیع ۔۱۲۳ صفحات۔

Shorter Geographical Account of the District of Aligarh.

اردو اور ہندی میں۔ ۱۹۶۵ء۔ چھوٹی تقطیع۔

J.Long."Catalogue".۔ صفحہ ۳۵

۱۔ "Ali Hazin Life"

اردو۔ بنارس۔ ۱۸۵۰ء۔

۲۔ "An account of Gora Chand of Delhi"

اردو بنگالی۔ کلکتہ ۱۸۶۵ء۔ چھوٹی تقطیع ۔۲۳ صفحات۔

J.Long."Catalogue".۔ صفحہ ۳۰

"An Account of India, translated from Murrey's Encyclopeodia of geography."

دہلی۔ ۱۸۴۸ء۔ چھوٹی تقطیع۔

اوّل۔ جغرافیہ:

ہندوستانی میں، *"An Elemantary Geography"*

کلکتہ ۱۸۵۳ء۔ ۸۵ صفحات۔

۱۔ *"Elements of Geography."*

کلکتہ۔۱۸۲۷ء۔کلکتہ اسکول بک سوسائٹی۔

۲۔ *"History of India by the Honourable Elphenston.* Translated into Urdu by Scientific Society.

علی گڑھ۔۱۸۶۶ء اور ۱۸۶۷ء۔چھوٹی تقطیع۔۳۰۴+۱۳۰۴ صفحات۔دو حصے۔

۳۔ *"History of the Establishment of the English Empire in India.*

یہ کتاب F.Bontros مرحوم کی ہدایت پر *Marshman's Bengal* کی کتاب سے مرتب کی گئی ہے۔دہلی۔

۴۔ *"Life of Ranjeet Singh (Princep's) done in to Urdu at the Delhi College."*

۱۸۴۹ء۔چھوٹی تقطیع۔

۵۔ *"Marshman's History of India."*

اس کتاب کے دو اڈیشن ہیں۔ایک اردو میں اور دوسرا ہندی میں ہے۔اس کو Rev.J.J.Moore نے شائع کیا ہے۔

۶۔ *"Report of the General Committee of Public Instruction for the Year 1839-40"*

کلکتہ ۱۸۴۱ء۔صفحہ ۱۰۵۔۴۰-۱۸۳۹ء

۷۔ *"Proceediongs of the Vernacular Society,* 1845"

یہ کتاب تقریباً ۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کے متعدد اڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ایک کلکتہ سے ۱۸۴۳ء میں، دوسرا ۱۸۴۶ء میں اور تیسرا حال ہی میں دہلی سے نکلا ہے۔اس کا ایک اور اڈیشن لاہور سے میجر Fuller کے زیر اہتمام نکلا ہے۔ان میں سے بعض اڈیشن رومن رسم الخط میں ہیں۔اردو ترجمہ دہلی کالج کے چند پروفیسروں نے کیا ہے۔

۸۔ *Pilgrimage to Mecca by Nawab Sikandar Begam of Bhopal,* translated from the orignal Urdu and edited by Mrs. Willoughby

Osborn, followed by *A Historical sketch of the reigning Family of Bhopal* by Willoughby Osborn, Political Agent in Bhopal."

لندن۔۱۸۷۰ء۔H.H.Allan 1870۔ چھوٹی تقطیع۔۲۴صفحات۔یہ ایک خوبصورت باتصویر کتاب ہے۔

۵۔ادبیات

احمق نامہ:

اردو بنگالی۔کلکتہ۱۸۶۵ء۔چھوٹی تقطیع۔۳۲صفحات۔

صفحہ۱۸۔J.Long."Catalogue".

آئمہ اسرار:

اردو کہانی۔مصنفہ نجم الدین۔میرٹھ۔

آئینہ فراست:

اس کتاب میں پانچ سو اردو حکایتیں ہیں۔مصنفہ محمد حسین لکھنوی۔

الفاظ فارسی باترجمہ مسجع ہندی:

اس کتاب کو حکومت برطانیہ نے سقوط دہلی کے بعد خریدا ہے۔اس کا نمبر فہرست میں ۱۱۱۹ ہے۔

آمد نامہ:

یہ فارسی اور ہندوستانی الفاظ کی لغت ہے جس کو اردو میں مثنوی کے طرز پر منظوم کیا گیا ہے۔

انتخاب الف لیلہ:

"Selection from Alf Laila"

دہلی۔۱۸۵۰ء۔چھوٹی تقطیع۔

انتخاب دیوان:

Selections from Urdu Poets.

دہلی ۱۸۴۹ء۔

انتخاب فارسی:

دہلی ۱۸۴۵ء۔*"Persian Reader with Urdu notes and vocabulary"*

اشتہار تعلیم:

سکندرہ۔چھوٹی تقطیع۔۱۴صفحات

"Agra Goverment Gazette"

۱جون۱۸۵۵ء۔

اشرف القوانین:

مصنفہ سید عبدالفتاح (مولوی، اشرف علی، دھولیہ کے رہنے والے)

بمبئی، ۱۸۶۷ء۔۵۵صفحات۔

آشوب نامہ:

لاہور۔۱۴صفحات۔یہ دو بھائیوں کی ایک کہانی ہے جن کا نام بھگوان داس اور گوپال رام تھا۔

Dictionary of Urdu Idioms, illustrated with passages from Hindustani poets, compiled in Persian.

دہلی ۱۸۴۵۔۳۰۷صفحات۔

امثال بے مثال:

۱۸۶۷ء۔چھوٹی تقطیع۔۶۴صفحات۔

انشا ابوالفضل:

مصنفہ ابوالفضل۔کلکتہ اسکول بک سوسائٹی۔

انشا عجیب۔بدائع العجائب وہدایت المعلمین:

"On writting numbers with Letters"

دہلی ۱۸۴۹ء۔چھوٹی تقطیع۔

بدری ناتھ وفرخ آباد کی کہانی:

یا فرخ آباد بدری ناتھ کی کہانی

۱جون۱۸۵۱ء۔"Agra Goverment Gazette"

بدعت نامہ:

اردو۔۱۸۵۱ء۔

بوستان اخلاق:

یہ لقمان کی کہانیوں کا اردو ترجمہ ہے۔ مصنفہ مرزا بیگ میرٹھی۔

بہار عشق:

منشی محمود علی افسر کی ایک نظم ہے۔ اس کتاب کے آخر حصہ میں تین اور نظم شامل ہیں۔ لذت عشق، فریب عشق اور زہر عشق۔

لکھنو ۱۸۶۹ء۔ ۹۴ صفحات۔

پنج رقعہ:

اردو۔ میرٹھ۔ ۱۸۶۷ء۔ ۴۸ صفحات۔

پھولوں کا ہار:

تین حصے۔ مرزا پور۔ ۳۲ صفحات۔

تاج المصادر:

اخبار عالم ۱۴ فروری ۱۸۶۵ء۔

تالیف اللغت:

اردو لغت۔ شمالی مغربی اسکولوں کے لیے۔

تحفۃ العاشقین:

بریلوی۔ ۱۹۶۵ء۔ صفحہ ۳۲

تبدیل التعلیم:

لاہور۔ ۱۸۶۵ء۔ ۴۲ صفحات۔ یہ ایک ابتدائی کتاب ہے۔

تعلیم عالم:

۱۸۵۹ء۔ چھوٹی تقطیع۔ ۸۰ صفحات۔

تعلیم کتابت:

۱۸۶۷ء۔ چھوٹی تقطیع۔ ۱۵ صفحات۔

تعلیم نسواں:

مصنفہ عبدالسلام سنبھلی۔

تلخیص معلّمی:

اردو قواعد۔ فتح گڑھ۔ ۱۸۶۴ء۔ ۱۳۶ صفحات۔

تنبیہ النفس:

لاہور۔ ۱۸۶۹ء۔ چھوٹی تقطیع۔ ۵۰ صفحات۔

توضیح و تلمیح:

عربی قواعد اردو میں۔

میرٹھ کے ''اخبار عالم''، ۲۳ اگست ۱۸۶۶ء۔

توبہ العروض:

عروض کا ایک رسالہ۔

نول کشور۔ لکھنو جنوری ۱۸۶۹ء۔

جان پہچان:

اردو قواعد۔

جمع الاخلاق:

اردو۔ کلکتہ ۱۸۴۸ء۔ چھوٹی تقطیع۔

جوش اخلاق:

یہ ایک انتخاب ہے جو اجمیر کے صدر الصدور نے رائے دولت رائے کے زیر اہتمام شائع کیا ہے۔

جواہر التراکیب:

آگرہ۔ ۱۸۵۰ء۔ ۲۴ صفحات۔ اس کتاب میں فارسی زبان کے قواعد کو بیان کیا گیا ہے۔

چشمہ شیریں:

شیریں و فرہاد کے متعلق ہے۔ منظوم

لکھنو ۱۸۶۹ء۔ چھوٹی تقطیع۔ ۴۰ صفحات

چند ادھوک:

یہ ایک باتصویر قلمی کتاب ہے جو ابتدا میں ڈیوک سسک (Sussex) کے کتب خانہ میں بھی تھی۔ اس کے بعد یہ کتاب H.Bland کے کتب خانہ میں چلی گئی۔

حدیقۃ الاسرار:

فارسی کا ایک ترجمہ۔

نول کشور لکھنو ۱۸۶۹ء۔

حق البیان:

اخبار العالم میرٹھ۔ ۱۸ جون ۱۸۶۶ء

خالق باری:

مختصر فارسی ہندوستانی لغت۔

لاہور۔ ۱۶ صفحات۔

خرد افروز:

کلکتہ ۱۸۲۴ء۔ چھوٹی تقطیع۔ ۹۲ صفحات۔

اس کا ایک دوسرا اڈیشن مدراس سے ۱۸۴۷ء میں شائع ہوا ہے۔ اس کتاب میں ۳۴ حکایت شامل ہیں۔

خرد افزا:

۹۲ صفحات۔ اس میں ۲۰ واقعات اور ۲۰ مختصر کہانیاں ہیں۔

خورشید نامہ:

یہ ''بوستان خیال'' (نظائر افسانہ) کی تیسری جلد کا اردو ترجمہ ہے جس کا ذکر عالم علی اور امن (بدر الدین) کے مضامین میں کیا گیا ہے۔ یہ کتاب قمر الدین خان نے شائع کی ہے۔

''اودھ اخبار''۔ ۱۰ راگست ۱۸۶۹۔

خلاصہ مثنوی:

اردو بنگالی۔ کلکتہ ۱۸۶۷ء۔ ۸۴ صفحات۔

داستان عشق:

لکھنؤ، ۱۲۶۶ھ/ ۵۰-۱۸۴۹ء۔ ۷۰ صفحات

نمبر ۱۷۵۰۔ "Bibliotheca Sprengriana"

داغ دل یا گل و بلبل۔ مثنوی:

اردو اور فارسی۔ لکھنؤ، چھوٹی تقطیع۔

اس کے چند اڈیشن ہیں۔

دربابِ منصفی:

ہندوستانی منظوم کہانی۔

میرے پاس اس کا ایک نسخہ ہے۔

دردِ غمناک:

اردو۔ ۸ صفحات۔ میرٹھ ۱۸۶۴ء۔

درکشا:

اردو۔ دہلی ۱۸۶۳ء۔ یہ کتاب پریس میں چھپنے میں کے لیے گئی تھی لیکن مجھے معلوم نہیں کہ شائع بھی ہوئی ہے۔

دکنی کہانیاں (نثر):

اس کا ایک نسخہ پریس کے قومی کتب خانے میں ہے (Anquetil نمبر ۲۰)۔

دیوان حافظ:

اردو۔ آگرہ، ۱۸۶۴ء۔

دیوان عجائب وغرائب:

فارسی اور اردو۔ ۱۸۵۱ء

اشک گلشن:

یہ ایک دیوان ہے۔

نول کشور لکھنو ۱۸۶۹ء جنوری کی فہرست۔

رقعۂ شادی:

میرٹھ ۱۸۵۶ء۔

صفحہ ۳۳۔ J.Long."Catalogue".

زینت الانجمن۔ مثنوی:

یہ نواب محمد خان کی شان میں ہے۔

نول کشور، جنوری ۱۸۶۹ء کی فہرست۔

زیبِ افسانہ:

منظوم۔

''اخبارعالم''، میرٹھ۔۱۱نومبر۱۸۶۹ء۔

سیرگاہ درانگلستان:

"The Peep of the day in England, a tale translated into Hindustani"

لودھیانہ۔۱۸۶۸ء۔۸۲صفحات

ستم نامہ ایمنان:

نول کشور، جنوری۱۸۶۹ء۔

سحرمحفل:

اس کتاب کو Hon. Bradley نے امریکن سوسائٹی کو عطیہ کے طور پر پیش کیا تھا۔

"Proceeding"،۱۸۶۳ء

سفینہ الظرافت:

دہلی۔۱۸۵۳ء۔

سلسلۂ تعلیم:

بنارس۔۱۸۵۰ء یہ اردو کو سیکھنے کے لیے ایک ابتدائی ہندی کتاب ہے۔

سلم الادب:

عربی اور ہندوستانی۔ مصنفہ کریم الدین۔لاہور۱۸۶۹ء۔۳۳۱صفحات۔

شمس الانوار:

بہرام گور کا قصہ۔

صفت المصادر:

لاہور۔۱۸۶۳ء اور۱۸۶۶ء۔۷۲صفحات۔

ضرب الامثال:

کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی میں ایک قلمی نسخہ ہے جس کا نام ''ضرب الامثال'' ہے۔مگر ایک دوسرا نسخہ

بھی تھا جو ابتدا میں Gilchrist اوران کے بعد Falknor کے پاس تھا۔ میرے پاس بھی اس نام کا ایک قلمی نسخہ ہے جس میں (۱) عربی کے مشہور ضرب الامثال مع ترجمہ (۲) خدا، رسول اور بادشاہوں کے شان میں حمد وثنا کی تعریف (۳) فارسی کے مختلف ضرب الامثال کی ہندوستانی میں توضیح وتشریح (۴) مسلمانوں کے نام والقاب کی ایک فہرست جس سے میں نے اس موضوع پر ایک مضمون لکھنے میں مدد لی ہے۔

عاشق کا جنازہ:

دہلی۔۱۸۶۸ء۔۴صفحات۔

عرائض وخطوط:

۱۸۵۱ء۔ یہ ہندوستانی زبان میں ہے۔

عرفی۔شرح قصائد:

اردو۔شاہی محل دہلی کے کتب خانے میں۔

فغان دہلی:

۴۷صفحات۔اس کتاب میں دہلی کے غدر کی روداد ہے۔

قاجی (قاضی) حیران:

لشکری بولی۔۹۲صفحات

J.Long."Catalogue".۔صفحہ۹۵

قصہ دھری زمیندار:

لاہور۔۱۸۶۴ء۔چھوٹی تقطیع۔۴۸صفحات۔

قصۂ عجیب:

دہلی۔

قصۂ خانم سوداگر بچہ:

لکھنو۔۱۸۴۲ء۔غالباً یہ الف لیلہ کا ایک قصہ ہے جس کا ترجمہ Lance کے *"The Thousand and one Night "* میں شامل ہے۔(جلد۱،صفحہ۴۸۷)

قصۂ قاضی جون پور:

دہلی۔۱۸۶۹ء۔یہ ایک اخلاقی کہانی ہے۔

قصۂ کاتب:

شمال مغربی صوبہ کے اسکولوں کے لیے۔

قصۂ کتی:

شمال مغربی صوبہ کے اسکولوں کے لیے۔

قصۂ مینا:

یہ ایک دکنی منظوم کہانی ہے۔۴۴صفحات۔اس کا ایک نسخہ ایسٹ انڈیا لائبریری میں موجود ہے۔

قلق نامہ:

واسوخت۔لکھنو۱۸۴۷ء۔

قواعد تعلیم:

یہ ایک اردو کتاب ہے۔یہ صوبہ شمال مغربی کے مدارس کے لیے لکھی گئی تھی۔

قواعد حسینی:

اردو میں ایک فارسی قواعد۔

ایشیاٹک سوسائٹی۔کلکتہ

قواعد تسہیل:

اردو کا ایک ابتدائی قواعد۔

اس کا اعلان ۶ مارچ ۱۸۶۶ء کے کوہ نور لاہور میں کیا گیا ہے۔

کنز القواعد:

یہ ایک مختصر انسائیکلو پیڈیا ہے۔مصنفہ سید احمد دہلوی۔اردو

کنج بہاری:

اردو بنگالی۔قصہ

صفحہ۹۵۔J.Long."Catalogue".

گلدستہ خرد:

اس کتاب کونواب ٹونک کی ہدایت پرمنشی احمد علی نے اردو میں لکھا ہے۔ یہ اسکولوں کے ان لڑکوں کے لیےلکھی گئی ہے جو اردو کی تعلیم پا رہے ہیں۔اس میں اصل مضامین کے علاوہ دوسری کتابوں کے ترجموں سے متعدد اقتباسات درج ہیں۔

گلدستۂ سخن:

"*Authology of Persion and Hindustani poets* by surgeon Edward Balfour"

مدراس۱۸۵۱ء۔۲۵۶صفحات

اس کتاب میں دوحصے ہیں۔پہلے حصہ میں ۱۴۷صفحات پرفارسی نظمیں ہیں اوردوسرے حصے میں ۱۰۹صفحات پرہندوستانی اشعاردرج ہیں۔

گلزارنشاط:

اس کے دواڈیشن ہیں،ایک کلکتہ سے اوردوسرا میرٹھ سے۔

گلشن و بہار:

لکھنو۔۱۸۴۸ء۔چھوٹی تقطیع۔

گنج فارسی:

فارسی قواعد۔شمال مغربی صوبہ کے مدارس کے لیے۔

لطائف الحکایت:

اردو۔بریلی۔۱۸۶۵ء۔۳۴صفحات

صفحہ۳۹۔.J.Long."Catalogue"

لطائف وظرائف:

لکھنو۔۱۸۴۸ء۔۱۱۲صفحات۔اس میں عربی اورفارسی شعرا کے اشعار کے انتخابات اوران کے ترجمے درج ہیں۔ اس کا ذکرایسٹ انڈیالائبریری کی فہرست کے علاوہ Bibliotheca Sprengriana کےنمبر۱۷۶۲ء میں کیاگیاہے۔

لغات قرآن:

شاہی محل کے کتب خانے میں ہے۔ دہلی۔

لغت قرآن:

فارسی اردو لغت۔ یہ کتاب مطبع النوادر سے چھاپی گئی ہے۔

مثنوی بوعلی شاہ قلندر رمور کھ سمجھانی:

دہلی۔ اردو اکبر پریس۔ 1851ء۔

مجموعہ بارہ ماسا:

"A Description of the twelve months in songs."

آگرہ۔۱۸۶۴ء۔۲۶صفحات

مجموعۂ دل پسند:

دہلی ۱۸۶۷ء۔ چھوٹی تقطیع۔۴۴صفحات

مجموعۂ عشاق نامہ:

اردو۔ کانپور۔۱۸۶۵ء

J.Long."Catalogue".۔ صفحہ۳۹

مجموعہ قصہ شاہ روم:

اس میں مختلف شعرا کے ۲۱ واسوخت درج ہیں۔

لکھنؤ، ۱۲۶۵ھ/ ۵۰-۱۸۴۹ء۔ ۱۸ صفحات۔ حاشیے میں بھی اشعار درج ہیں۔

منشی فدا علی عیش نے لکھنو سے ۱۸۶۹ء میں واسوخت کا ایک مجموعہ بھی شائع کیا ہے، جس کا عنوان ''شعلہ جوالہ'' ہے۔ اس کے دو جلدوں میں ۹۰۰ صفحات۔ اس میں ۳۷ واسوخت پیش کیے گئے ہیں۔

پہلی جلد	دوسری جلد
نواب یوسف علی خان ناظم۔۴	محمد مردان علی رعنا۔۱
امیر احمد امیر۔۶	نواب سید محمد خان رند۔۱
آغا حسن امانت۔۱	رقت۔۱
مہدی حسین آباد۔۲	راحت (دہلوی)۔۱

پہلی جلد

امیر الدین آزاد۔ ا
مرزا محمد رضا برق۔ ا
شیخ امداد علی بحر۔ ۲
جرأت۔ ا
جواہر سنگھ جوہر۔ ا
جذب۔ ا
نواب احمد حسن جوش۔ ا
جولان۔ ا
میر یار علی جان صاحب۔ ا
سید غضنفر علی حکیم۔ ا
حشمت۔ ا
دکنی نواب بہادر۔ ا

دوسری جلد

سودا۔ ا
شیخ امداد علی سحر۔ ۲
سیر۔ ا
حکیم نواب مرزا شوق۔ ا
شوق۔ ا
طوطارام شایان۔ ا
آغا محمد حسین شکوہ۔ ا
شیدا۔ ا
سید فرزند احمد صفیر۔ ا
میر کلو عرش۔ ا
منشی فدا علی عیش۔ ا
مرزا محمد مرتضیٰ عاشق۔ ا
شیخ محمد حسن عاقل۔ ا
طالب علی عیشی۔ ا
فراق۔ ا
فیض۔ ا
خواجہ اسد قلق۔ ا
قیصر۔ ا
لاہوری۔ ا
مرزا مظہر جان جاناں۔ ا
میر تقی۔ ا
حکیم مومن۔ ۴
عبداللہ مہر۔ ا

مجرم۔۱

محمد رضا معجز۔۱

شیخ محمد حسن ملول۔۱

میر وزیر نور۔۱

نثار۔۲

نوائی۔۱

وحشی۔۲

ہلال۔۱

ہمت۔۱

یادگار۔۱

مدار الافاضل:

عربی فارسی لغت ہے جس کے معنی ہندوستانی زبان میں درج کیے گئے ہیں۔

اس کا ایک قلمی نسخہ ایسٹ انڈیا لائبریری میں ہے اور اس کا نمبر ۶۹۷ ہے۔ اس کا ایک نسخہ H. Bland کے پاس بھی ہے مگر یہ پہلے ڈیوک آف سسکس کے کتب خانہ میں تھا۔ ٹیپو کی فہرست کتب میں شمارہ ۱۳۲ کے تحت میں ایک فارسی لغت کا ذکر ہے جو غالباً یہی کتاب ہے۔ اس کتاب کے مصنف کا نام اللہ داد فیضی بن علوی سرہندی ہے۔

مسدس کریما:

نول کشور۔ لکھنو۔ جنوری ۱۸۶۹ء۔

مصباح البصیرت:

مصنفہ قدر الدین خان آگروی مرحوم۔

مظاہر نحو:

عربی قواعد اردو میں۔ ۱۸۵۱ء

معیار املا:

اخبار عالم میرٹھ۔ ۱۸ جون ۱۸۶۸ء

معدن القوانین:

اردو قواعد۔ آگرہ ۱۸۶۴ء

مفید الانشا:

لکھنو ۱۸۶۹ء۔ چھوٹی تقطیع۔ ۴۰ صفحات۔

مفید الصبیان:

دہلی۔ ۱۸۵۰ء۔ اسی عنوان کی ایک اور کتاب ہے جو لاہور سے چھپی ہے۔ ۱۸۶۳ء۔ اس کتاب میں خرد افروز سے اقتباسات درج ہیں۔

مفید الطالبین:

دہلی ۱۸۶۳ء۔ ۳۸ صفحات۔

مفید نامہ:

اردو فارسی لغت۔ میرٹھ ۱۸۶۵ء۔ ۶۴ صفحات

J. Long."Catalogue".۔ صفحہ ۳۹

مکتب نامہ:

یہ کتاب اردو میں ہے اور شمالی مغربی مدارس کے لیے لکھی گئی ہے۔

منتخب الاشعار:

"Catalogue of Williams and Norgate".۔ صفحہ ۳۹

جولائی ۱۸۵۶ء۔ نمبر ۳۸۲۔

منتخب اللغات:

لاہور۔ کوہ نور پریس۔

منہاج التعلیم:

چھوٹی تقطیع۔ ۱۶۴ صفحات۔

میزان فارسی: ۱۸۵۱ء۔

مسلے کی کہانی:

یہ اردو میں فارسی کا ایک قواعد ہے جو شمالی مغربی صوبہ کے اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہے۔

قصۂ عندلیب:

گل و ہرموز کی کہانی۔ کلکتہ ۲۱۲۔

"Bibliotheca Sprengriana".۔ صفحہ ۱۷۴

نقل مجلس:

دہلی ۱۸۶۳ء۔ ۶۰ صفحات۔

نقلیات دلکش:

اردو۔ شمالی مغربی صوبہ کے مدارس کے لیے۔

دافع ہزیان:

اس کتاب میں ''برہان قاطع'' کے مشکل الفاظ کی تشریح کی گئی ہے۔

دہلی۔ ۱۸۶۳ء۔ ۳۶ صفحات۔

ہدایت تعلیم نسواں مستورات:

مصنفہ۔ منشی شہاب الدین احمد بچونی۔ (ضلع مرادآباد)۔

ہدایت النحو:

''اخبار عالم''۔ میرٹھ۔ ۲۳/ اگست ۱۸۶۶ء

ہدایت نامہ مدرسان:

Directions to Teachers, issued by the visitor general of schools,

NWFP. ۱۸۵۵ء۔

ہدایت نام مکاتیب دختران:

Rules for school girls.۔ ہندی۔ آگرہ، ۱۸۶۴ء۔ چھوٹی تقطیع۔ ۸ صفحات۔

ہدیۂ انظار: یہ ایک مختصر اردو مثنوی ہے جس کا اعلان نول کشور کی فہرست مورخہ جنوری ۱۸۶۹ء میں کیا گیا ہے۔

۶۔ متفرقات

اشتہار داخل خارج:

اردو۔ شاہجہانپور۔ ۱۸۶۷ء

J.Long."Catalogue".۔ صفحہ ۳۴

اشعار بھاشا حطمان اسلام راگ:

ایسٹ انڈیا لائبریری کے کتب خانے میں اس کا نمبر Johnson کی فہرست میں ۱۶۷۷ء۔

الفاظ راگھا:

Sir Gore Ouseley کے کتب خانے میں موجود ہے۔

آئمہ فراست:

مصنف: سید محمد عباس۔

بخیل نامہ:

اردو بنگالی۔ کلکتہ ۱۸۶۵ء۔ ۱۴ صفحات۔

پانچ جائز جھگڑا:

اردو بنگالی۔ کلکتہ ۱۸۶۵ء۔ ۱۵ صفحات۔

J.Long."Catalogue".۔ صفحہ ۳۰

پندنامۂ عیال داراں:

لاہور۔ ۱۸۵۷ء۔ ۸ صفحات۔

پوتھی منظوم درطب یا طب ہندی منظوم:

فرزادہ کے کتب خانے میں ہے۔

ترجمہ تمہیدات عین القضات:

دکنی۔ یہ قلمی نسخہ پہلے فورٹ ولیم کالج کے کتب خانے میں تھا لیکن آج کل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے پاس ہے۔

ترک بابری:

بابر کا تذکرہ چغتائی زبان میں لکھا گیا ہے جو مغلوں کے دربار کی عبرانی زبان ہے۔ اکبر کے عہد میں اس کتاب کو عبدالرحمن خان خاناں نے فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ غالباً یہ ہندوستانی کتاب اس فارسی ترجمہ سے لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کو John Lydon H.Brshine نے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔

تحفظان علاج:

محمد قاسم بن شریف خان نے ہندی سے فارسی میں کتاب کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ کتاب گھوڑوں کے علاج معالجہ کے موضوع پر ہے۔

Meteria Medica- Auislie۔ جلد ۲، صفحہ ۵۱۶

تعبیر خدا:

کلکتہ ۱۸۶۵ء۔ ۴۰ صفحات۔

J.Long."Catalogue".۔ صفحہ ۲۰

تنبیہ النسا:

دہلی ۱۸۰۸ء۔ ۴۰ صفحات۔

جلاء القلوب:

دہلی۔

جنگِ پانی پت:

یہ ایک نظم ہے جو ۱۷۶۱ء میں پانی پت کے قریب مرہٹوں کے خلاف مسلمانوں کی فتح کی [مدح] میں لکھی گئی تھی۔ مسلمانوں کی فوج کے سردار کابل کے بادشاہ احمد شاہ ابدالی تھے اور مرہٹوں کی فوج کی کمان راؤ بھاؤ کے ہاتھ میں تھی۔ Meckenzi کے کتب خانے میں اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔

جہانگیر نامہ:

ایسٹ انڈیا لائبریری میں اس کا ایک قلمی نسخہ ہے جو دکنی بولی میں ہے۔ Loydon کی فہرست میں اس کا ایک دوسرا نسخہ Mcleaner کے پاس تھا۔ یہ جہانگیر کی تاریخ ہے۔

چمنستان اخلاق:

یہ ایک اردو کتاب ہے جس کو سید غلام حیدر نے انگریزی سے ترجمہ کیا ہے۔ یہ کتاب اسکولوں کے لیے لکھی گئی ہے۔

چہل رسالہ:

مختلف موضوع پر۔ ۱۸۰ صفحات۔

اخبار عالم میرٹھ۔ ۱۸ جون ۱۸۶۸ء۔

حقیقت محمد مصطفیٰ:

ایسٹ انڈیا لائبریری۔ Loydon کی فہرست میں اس کا نمبر ۳۹۰ ہے۔

حیدر علی کی تاریخ:

دکنی۔

خوان الوان:

کلکتہ

جلد ۳۔ "Primitino Orientalis"

درِ اصول:

دکنی۔ دو جلدیں۔ اس کا ایک نسخہ حیدر آباد کے کتب خانے میں ہے۔

دستور کیفیت حیثیت دیہات:

لاہور۔ ۱۸۵۰ء۔

دہ مخزن:

اردو۔ دہلی ۱۸۵۱ء۔

دہم مخزن:

میرٹھ ۱۸۶۵ء۔

صفحہ ۲۳۔ Long."Catalogue".

رسوم ہند:

اس کتاب کو کیپٹن ہالرائیڈ جو پنجاب کے محکمہ تعلیمات کے ناظم تھے، کے حکم سے تصنیف

کیا گیا ہے۔ یہ ۶ جلدوں میں ہے۔

اشک ہرنائے ہندی:

نظام حیدر آباد کے کتب خانے میں ہے۔

رسالہ جواہر اسرار الہند:

گجری بولی (دکنی کی ایک ہندوستانی بولی)

فرزادہ کے کتب خانے میں ہے۔

رسالہ جوگہ:

فرزادہ کے کتب خانے میں ہے۔

رسالہ دراشعار مبارک باد:

فورٹ ولیم کالج۔

رسالہ درمعالجہ جانوراں شکاری پرندہ:

فرزادہ کے کتب خانے میں۔

رسالہ سرور راگ:

Stewart کے مطابق یہ ہندی اور دکنی زبان میں ہے۔

ٹیپو کی فہرست۔ صفحہ ۱۸۲

رسالہ شفا بخش:

فرزادہ کے کتب خانے میں۔

رسالہ عوارف:

فرزادہ کی فہرست۔

رسالہ فقہ یا رسالہ درفقہ:

دکنی۔

فورٹ ولیم کالج اور ایسٹ انڈیا لائبریری۔

رسالۂ نصاب صبیان ودیگر فوائد:

فرزادہ کے کتب خانے میں۔

رسالہ نظم:

پوربی بولی میں۔ٹیپوسلطان کے کتب خانے میں۔

صفحہ ۱۸۲۔"Stewart Catalogue".

ریاض عشق:

فرزادہ کے کتب خانے میں۔

سچی بہادری:

انگریزی سے ترجمہ ہے۔

نول کشور، لکھنؤ، جنوری ۱۸۶۹ء کی فہرست۔

سفینۂ اشعار ہندی:

فرزادہ کے کتب خانے میں۔

سکندر نامہ:

نظام حیدرآباد کے کتب خانے میں۔غالباً یہ ایک مثنوی ہے۔

سلک جواہر:

ہندی اور اردو۔میرٹھ ۱۹۶۵ء۔۳۸ صفحات۔

صفحہ ۳۳ اور ۳۸۔J.Long."Catalogue".

سلک مسائل:

ضلعوں کے متعلق سوالات۔

''اخبار عالم''، میرٹھ۔۳۳ اگست ۱۸۶۷ء۔

سوانح عمری:

۱۸۶۶ء۔۲۷ صفحات۔

سونے لوہے کا قصہ یا جھگڑا:

مصنفہ نیر (ولی محمد)۔ہندی۔

آگرہ ۱۸۶۵ء۔۸ صفحات۔ایک دوسرا اڈیشن ۱۸۶۸ء میں دہلی سے شائع ہوا ہے۔

صفحہ ۴۲۔.Long."Catalogue".

سیار متقدمین:

کلکتہ ۱۸۲۱ء۔ ۳۶۸ صفحات۔ نسخی رسم الخط۔

شیریں شکر۔ مثنوی:

ایسٹ انڈیا لائبریری۔ ہندوستانی دکنی۔ ۱۴۱ صفحات۔ بنگلور۔ ۱۱۵۲/ ۴۰-۱۷۳۹ء۔

نقل کردہ حسن محمد فروغی یحییٰ پوری۔

طعن السنان:

لاہور۔ کوہ نور۔

غنچۂ آرزو:

لاہور۔ کوہ نور۔

فرخندہ ناخندہ:

شاہ جہان پور۔ ۱۸۶۵ء

صفحہ ۳۴۔ J.Long."Catalogue"

نور معانی:

شاہ جہان پور۔ ۱۸۶۵ء۔

صفحہ ۳۴۔ J.Long."Catalogue"

قصہ ابو محمد:

دکنی۔

ایسٹ انڈیا آفس لائبریری۔ Loydon نمبر ۴۳۹۔

قصہ انار رانی:

دکنی۔

ایسٹ انڈیا آفس لائبریری۔ Loydon نمبر ۴۳۹۔

قصہ بندگان علی:

دکنی۔

ایسٹ انڈیا آفس لائبریری۔ Loydon نمبر ۲۶۲۔

قصہ یہی ۔ ہندی:

فرزادہ کے کتب خانے میں۔

قصہ یہی مریم ۔ مثنوی:

ایسٹ انڈیا لائبریری Loydon ۳۹۳ ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک پرانا قلمی نسخہ ہے لیکن مصنف کا نام معلوم نہیں۔

اس کا دوسرا عنوان رسالہ در معجزات عیسیٰ ہے۔

قصہ روشن زمین و آرام جان:

H.S.Hilson کے پاس اس کا ایک نسخہ موجود تھا۔

قصہ شیخ زعا:

یہ دکنی بولی میں تصوف کے رنگ میں ایک نظم ہے۔ فرانسیسی اس کا ایک نسخہ فرانسیسی قومی پریس کے ناظم Mercel کے پاس تھا۔

قصہ ماہ و پیکر ۔ مثنوی:

دکنی ۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ٹیپو کے کتب خانے میں تھا۔

یہ غالباً وہی نسخہ ہے جو آج کل کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے اور جو ابتدا میں فورٹ ولیم کالج میں تھا۔

قصہ ہرمز ۔ نثر:

ایسٹ انڈیا لائبریری ۔ Loydon ۲۳۹ ۔ ۱۶۰ صفحات۔

یہ شاہ یونان کے بیٹے ہرمز اور توزان کی بیٹی گل کی کہانی ہے۔

قواعد اخلاق:

یہ ایک نظم ہے جو نواب اودھ کے حکم سے لکھی گئی ہے۔

قواعد عجیبہ:

لکھنو ۔ ۶۵ صفحات ۔ اس کتاب میں امور خانہ داری پر مفید نسخے ہیں۔

Bibliotheca Sprengriana، نمبر ۱۹۱۱

قواعد النسا:

"Habits of Hindustani Ladies"

Bibliotheca Sprengriana. نمبر۱۷۶۳

کتاب اضراب سلطانی:

اس کتاب کے قلمی نسخے فورٹ ولیم کالج اور ایشیاٹک سوسائٹی میں موجود ہیں۔ یہ سلطان ٹیپو کے حکم سے تصنیف کی گئی ہے اور اس میں نظام علی اور مرہٹوں کے درمیان جو جنگ ہوئی ہے، اس کا ذکر ہے۔ ۱۳۶ صفحات۔

کتاب نقلیات:

فورٹ ولیم کالج کے کتب خانے۔

کثیر الفوائد:

فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے کتب خانے میں۔

کدزن یا نقل برہمن درباب کدزن:

دو جلدیں۔ ایسٹ انڈیا لائبریری۔ دکنی بولی میں L o y d o n کی فہرست میں اس کا نمبر ۳۵۹ اور ۴۰۷ ہے۔

عربی میں اس موضوع پر ایک کتاب ہے جس کا نام کد النسا ہے۔ اس کو Gless نے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔

کشائش نامہ:

لاہور۔ کوہ نور پریس۔

کشف العطا:

لاہور۔ ۱۸۵۰ء۔ ۱۸۵۱ء۔

کلید الحکمت:

بچوں کی ابتدائی کتاب مصنفہ کنہیا لال، آگرہ۔

کیفیت میلا یا لپور:

اردو۔ انبالہ۔ ۱۸۷۰ء۔ ۱۴ صفحات۔

لب الالباب:

یہ رمل کی کتاب ہے جسے محمد حیدر نے فارسی سے ترجمہ کیا ہے۔

جلد۲۔صفحہ۱۱۴

لمعۃ المعات:

کانپور۔۱۸۶۴ء۔۴صفحات۔

متفرقات:

یہ ایک قلمی نسخہ ہے جس کا ایسٹ انڈیا لائبریری کی فہرست میں ۹۰۸ نمبر ہے۔

مجمع القواعد:

آگرہ۔۱۸۶۵ء۔۱۹۲صفحات۔

J.Long."Catalogue".۔صفحہ۴۰

مجموعہ تنخ:

Selections Historical, Literary and Scientific.

کلکتہ اسکول بک سوسائٹی۔۲۲۱صفحات۔

مجموعہ نظائر:

اخبار العالم۔۲۱جنوری۱۸۶۹ء۔

مخطوطات جہانگیری:

ڈیوڈ برائس(David Brice) نے اس کتاب کو The Emperor کے نام سے ترجمہ کیا ہے۔ اس ترجمہ سے Jones Anderson اور Gladair نے چند اقتباسات نقل کیے ہیں۔اس ہندوستانی کتاب کو اصل تصنیف میں شمار کیا جاسکتا ہے اور کیونکہ کسی جگہ بھی اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ اس کتاب کو فارسی سے ترجمہ کیا گیا ہے۔میرے پاس اس کتاب کے دو نسخے ہیں لیکن ان دونوں نسخوں میں وہی اختلافات ہیں جو Anderson اور Widwin کے نسخوں کے مابین بتائی جاتی ہیں۔اس سلسلے میں De Sassy کا مضمون Jornal des Revivo ۱۸۳۰ء دیکھیے۔

مسند النظائر:

بریلی۔۱۸۶۵ء

صفحہ۳۳۔".J.Long."Catalogue

مرشد نامہ:

لشکری بولی میں۔کلکتہ۲۳صفحات۔

صفحہ۹۵۔".J.Long."Catalogue

مسائل غضب:

جولائی۱۸۶۸ء۔"."Catalogue Williams and Nowento

مصائب غدر:

انگریزی سے ایک ترجمہ ہے۔

نول کشور لکھنؤ۔جنوری۱۸۶۹ء کی فہرست۔

مطبوع البیان:

فارسی ہندوستانی لغت۔ایسٹ انڈیا لائبریری۔

معلومات:

Report of Indegenous Education.

۱۸۵۷ء۔۹۹صفحہ۔

مفید انام:

یہ کتاب رسالہ امتناع شادی کے جواب میں لکھی گئی ہے۔

دہلی۔۱۸۶۲ء۔۴۸صفحات۔

من لگن:

دکنی۔نظام حیدرآباد کے کتب خانہ میں۔

منتخب النصائح:

بنارس۔ ۱۸۵۰ء۔

منہاج السعداد:

لاہور۔ کوہ نور پریس۔

موتیوں کی لڑیاں:

Strings of pearls

اردو۔ رسم الخط میں۔ مرزاپور۔

مورکھ سمجھاون:

اس کتاب کو حکومت برطانیہ نے سقوط دہلی کے بعد خرید لیا تھا۔ فہرست میں اس کا نمبر ۱۰۹۰ ہے۔

میزان الصرف:

فرزادہ کے کتب خانے میں۔

ہدایت گورنر الالفنسٹن: اردو۔ دہلی۔

ہفت ضابطہ:

کانپور۔ ۱۸۵۰ء

فہرستِ اخبارات ورسائلِ اردو

آب حیات۔ آگرہ
آب حیات۔ ہند
آئنہ علم۔ آگرہ
آئینہ علم۔ الہ آباد
آئینہ طبابت
آئینہ ہند۔ بریلی
اتالیق پنجاب۔ لاہور
احسن الاخبار۔ بریلی
احکام گزٹ۔ دہلی
اخبار۔ بجنور
اخبار الحقائق و تعلیم الخلائق۔ آگرہ
اخبار الاخبار۔ مدراس
اخبار الاخبار۔ مرزاپور
اخبار الاخبار۔ بہار
اخبار انجمن ہند۔ لکھنو
اخبار النواح۔ آگرہ
اخبار پنجاب۔ لاہور
اخبار تہذیب الاخلاق۔ علی گڑھ
اخبار جلوۂ طور۔ میرٹھ

اخبار چشمۂ فیض۔ سیالکوٹ
اخبار حیدری۔ آگرہ
اخبار دفتر جزیرہ۔ بمبئی
اخبار سائنٹیفک سوسائٹی۔ علی گڑھ
یا علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ
اخبار سررشتہ تعلیم اودھ۔ لکھنو
اخبار سہیل۔ پنجاب
اخبار صبح صادق۔ مدراس
اخبار عالم۔ یا اخبار العالم۔ میرٹھ
اخبار کارنامہ۔ لکھنوی
اخبار کرتان۔ مدراس
اخبار مجمع البحرین۔ لودھیانہ
اخبار مفید الانام۔ فتح گڑھ
اردو اخبار۔ دہلی
اسد الاخبار۔ آگرہ
اعظم الاخبار۔ مدراس
آفتاب عالم تاب۔ آگرہ
آفتاب ہند۔ بنارس
اکمل الاخبار۔ دہلی

امیر الاخبار۔ مدراس
امین الاخبار۔ الہ آباد
انوار الشمس۔ لاہور
اودھ اخبار۔ لکھنو
اودے پور۔ گزٹ
باغ نور۔ امرتسر
باغ وبہار۔ بنارس
بام داد۔ بمبئی
بحر حکمت۔ لاہور
برق خاطف۔ بریلی
بمبئی کا ہرکارہ
بنارس اخبار
بنارس ہرکارہ
پشاور اخبار۔ انڈین میل
پنجابی اخبار۔ لاہور
تازہ بہار۔ بمبئی
تحفۃ الحدائق۔ بمبئی
تذکرہ بل۔ ہند
تتمہ پنجاب گزٹ۔ لاہور
جام جمشید۔ میرٹھ
جلوۂ طور۔ میرٹھ
چشمہ علم۔ پٹنہ
چشمہ فیض۔ سیالکوٹ
خیر المواعظ۔

خیر خواہ پنجاب۔
خیر خواہ خلائق۔ اجمیر
خیر خواہ خلق۔ سکندرہ
خیر خواہ ہند۔ مرزاپور
دبدۂ سکندری۔
دریائے نور۔ لاہور
دقیق الاخبار۔ دہلی
دل کشا۔ فتح پور
دہلی اردو اخبار
راست گفتار۔ بمبئی
رسالہ انجمن۔ پنجاب
رفاہ الخلائق۔ شاہ جہان پور
روداد اسٹیشن۔ مراد آباد
روضۃ الاخبار۔ مدراس
روضۃ الاخبار۔ بمبئی
روہیلکھنڈ اخبار۔ مراد آباد
ریاض النور۔ ملتان
سراج الاخبار۔ دہلی
سرکاری اخبار۔ لاہور
سرکاری اخبار۔ ناہپور
سید الاخبار۔ لاہور
سیر ہند۔ بنارس
شعاع شمس۔ ملتان
شعلۂ طور۔ کان پور

شمس الاخبار۔لکھنو
قمرالانوار۔
شملہ اخبار۔
صادق الاخبار۔دہلی
صبح صادق۔مدراس
صدرالاخبار۔آگرہ
صدرالاخبار۔دہلی
ضمیمہ اخبارعالم۔میرٹھ
ضمیمہ مشہراخبار۔مدراس
ضیاءالاخبار۔
طلسم حکمت۔میرٹھ
طلسم حیرت۔مدراس
عمدۃ الاخبار۔بریلی
عمدۃ الاخبار۔مدراس
غالب الاخبار۔سیتاپور
فوائدالسابقین وقواعدالشاہدین۔دہلی
فوائدالناظرین۔دہلی
قاسم الاخبار۔بنگلور
قاصدمدراس۔
قران السعدین۔دہلی
قلب الاخبار۔آگرہ
قمرالاخبار۔
کارنامۂ ہند۔سوہنہ
کثیرالافادات۔دہلی

کشف الاخبار۔بمبئی
کوب عیسوی۔
کوہ نور۔لاہور
گل رعنا۔
گنجینۂ احکام۔مرادآباد
گنجینۂ علوم۔مرادآباد
گوالیاراخبار۔
لطایف الاخبار۔بمبئی
مارتنده۔کلکتہ
مالوہ اخبار۔اندور
مجمع البحرین۔حیدرآباد
مجمع البحرین۔لودھیانہ
محب رعایایا محبت رعایا۔اٹاوہ
محب ہند۔دہلی
مخزن العلوم۔
مخزن الفوائد۔
مخزن مسیحی۔
مرات الاخبار۔مدراس
مرات العلوم۔
مطلع الاخبار۔آگرہ
مطلع خورشید۔کراچی
مظہرالحق۔دہلی
مظہرالسرور۔بھرتپور
مظہرالعجائب۔رڑکی

مظہر العجائب۔ کلکتہ
معلم العاملہ۔
مفرح القلوب۔ شکار پور
مفتاح الاخبار۔ میرٹھ
مفید الانام۔ فتح گڑھ
مفید خلائق۔ آگرہ
مفید ہند۔ دہلی
مناور الاخبار۔
مواعظ عقبیٰ۔ دہلی
دربار الشعرا۔ آگرہ
میرٹھ گزٹ یا ضمیمہ اخبار۔
نجم الاخبار۔ میرٹھ
نجم الاخبار۔ سورت
نسیم۔ جونپور
نور الابصار۔ آگرہ
نور علی نور۔ لدھیانہ
نور مشرقی۔
نور مغربی۔
نور نار۔ بلند شہر
نیر الابصار۔ آگرہ
نیر اخبار۔ بجنور
نیر راجستان۔ جے پور
ہرکارہ اخبار۔ دہلی

فہرستِ شعرا و مصنّفینِ اردو

گارسیں دتاسی نے اس تصنیف میں ہندوستانی ناموں کو رومن رسم الخط میں لکھا تھا جس کی وجہ سے ترجمے میں اس طرح متعدد ناموں کے اندراج کی ترتیب، اگرچہ متعلقہ حرف کے ذیل ہی میں رہی لیکن حروف کی ذیلی ترتیب بگڑ گئی جیسے 'الف' اور 'الف ممدودہ' کے اندراجات میں بھی کوئی فرق نہ رہا۔ چوں کہ متن میں اس ترتیب کو درست کرنے سے متعلقہ سارے متن میں ردوبدل کرنا پڑتا اور حواشی بھی متاثر ہوتے، اس لیے مترجم، اور راقم نے بھی، یہاں اس ترتیب کو بدلنا مناسب نہیں سمجھا۔ درج ذیل فہرست کے توسط سے، جو بڑی حد تک الفبائی ترتیب میں ہے، متن میں شامل بنیادی شعرا و مصنّفین کے ناموں کو تلاش کرنا ممکن ہے۔

❁❁

HISTOIRE

DE LA

LITTÉRATURE HINDOUI

ET HINDOUSTANI

PAR M. GARCIN DE TASSY

PROFESSEUR À L'ÉCOLE SPÉCIALE DES LANGUES ORIENTALES VIVANTES
MEMBRE DE L'INSTITUT DE FRANCE
ET DES SOCIÉTÉS ASIATIQUES DE PARIS, DE LONDRES, DE CALCUTTA, DE MADRAS
ET DE BOMBAY
CHEVALIER DE LA LÉGION D'HONNEUR, ETC. ETC. ETC.

> The Hindi dialects have a literature of their own and one of very great interest.
> H. H. Wilson, *Introd. to Mack. Collect.*

TOME I

BIOGRAPHIE ET BIBLIOGRAPHIE

PARIS
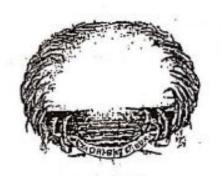
PRINTED UNDER THE AUSPICES
OF THE ORIENTAL TRANSLATION COMMITTEE
OF GREAT BRITAIN AND IRELAND

M DCCC XXXIX

سرورق: گارسیں دتاسی کی تاریخ ادبیات کی اولین اشاعت کی پہلی جلد۔ ۱۸۳۹ء
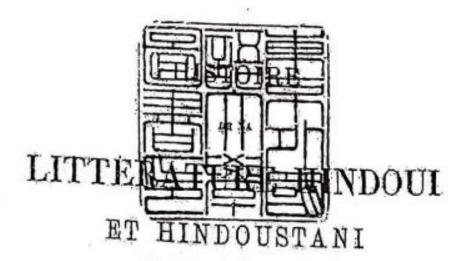
HISTOIRE DE LA LITTÉRATURE HINDOUI ET HINDOUSTANI

PAR M. GARCIN DE TASSY

PROFESSEUR À L'ÉCOLE SPÉCIALE DES LANGUES ORIENTALES VIVANTES,
MEMBRE DE L'INSTITUT DE FRANCE
ET DES SOCIÉTÉS ASIATIQUES DE PARIS, DE LONDRES, DE CALCUTTA, DE MADRAS
ET DE BOMBAY
CHEVALIER DE LA LÉGION D'HONNEUR, ETC. ETC. ETC.

The Hindi dialects have a literature of their own and one of very great interest.
H. H. WILSON, *Introd. to Mack. Collect.*

TOME II.

EXTRAITS ET ANALYSES.

PARIS

PRINTED UNDER THE AUSPICES
OF THE ORIENTAL TRANSLATION COMMITTEE
OF GREAT BRITAIN AND IRELAND.

M DCCC XLVII.

سرورق: گارسیں دتاسی کی تاریخ ادبیات کی اولین اشاعت کی دوسری جلد۔ ۱۸۴۷ء

HISTOIRE

DE LA

LITTÉRATURE HINDOUIE
ET HINDOUSTANIE

PAR

M. GARCIN DE TASSY

PROFESSEUR À L'ÉCOLE IMPÉRIALE ET SPÉCIALE DES LANGUES ORIENTALES VIVANTES
MEMBRE DE L'INSTITUT DE FRANCE
DE L'ACADÉMIE IMPÉRIALE DES SCIENCES DE SAINT-PÉTERSBOURG
DES ACADÉMIES ROYALES DE MUNICH, DE LISBONNE, DE TURIN
DES SOCIÉTÉS ROYALES DE NORVÉGE, D'UPSAL ET DE COPENHAGUE
DES SOCIÉTÉS ASIATIQUES DE PARIS, DE LONDRES, DE CALCUTTA, DE MADRAS
DE BOMBAY, ET ORIENTALE AMÉRICAINE
DE L'« ANJOMAN » DE LAHORE, DE L'INSTITUT D'ALIGARH
CHEVALIER DE LA LÉGION D'HONNEUR ET DE L'ÉTOILE POLAIRE DE SUÈDE, ETC.

> The Hindi dialects have a literature of their own and one of very great interest.
>
> H. H. Wilson, *Introd. to Mack. Collect.*

SECONDE ÉDITION

REVUE, CORRIGÉE, ET CONSIDÉRABLEMENT AUGMENTÉE

TOME PREMIER

PARIS

ADOLPHE LABITTE

LIBRAIRE DE LA SOCIÉTÉ ASIATIQUE

4, RUE DE LILLE

M DCCC LXX

سرورق: گارسیں دتاسی کی تاریخ ادبیات کی دوسری اشاعت کی پہلی جلد۔ ۱۸۷۰ء

HISTOIRE

DE LA

LITTERATURE HINDOUIE

ET HINDOUSTANIE

PAR

M. GARCIN DE TASSY

PROFESSEUR A L'ÉCOLE IMPÉRIALE ET SPÉCIALE DES LANGUES ORIENTALES VIVANTES
MEMBRE DE L'INSTITUT DE FRANCE
DE L'ACADÉMIE IMPÉRIALE DES SCIENCES DE SAINT-PÉTERSBOURG
DES ACADÉMIES ROYALES DE MUNICH, DE LISBONNE, DE TURIN
DES SOCIÉTÉS ROYALES DE NORVÈGE, D'UPSAL ET DE COPENHAGUE
DES SOCIÉTÉS ASIATIQUES DE PARIS, DE LONDRES, DE CALCUTTA, DE MADRAS
DE BOMBAY, ORIENTALES ALLEMANDE ET AMÉRICAINE
DE L'« ANJUMAN » DE LAHORE, DE L'INSTITUT D'ALIGARH
CHEVALIER DE LA LÉGION D'HONNEUR ET DE L'ÉTOILE POLAIRE DE SUÈDE, ETC.

The Hindi dialects have a literature of their own and one of very great interest.
H. H. WILSON, *Introd. to Mack. Collect.*

SECONDE ÉDITION

REVUE, CORRIGÉE, ET CONSIDÉRABLEMENT AUGMENTÉE

TOME SECOND

PARIS
ADOLPHE LABITTE
LIBRAIRE DE LA SOCIÉTÉ ASIATIQUE
4, RUE DE LILLE

M DCCC LXX

سرورق: گارسیں دتاسی کی تاریخ ادبیات کی دوسری اشاعت کی دوسری جلد۔ ۱۸۷۰ء

HISTOIRE

DE LA

LITTERATURE HINDOUIE
ET HINDOUSTANIE

PAR

M. GARCIN DE TASSY

PROFESSEUR A L'ÉCOLE SPÉCIALE DES LANGUES ORIENTALES VIVANTES.
MEMBRE DE L'INSTITUT DE FRANCE
DE L'ACADÉMIE IMPÉRIALE DES SCIENCES DE SAINT-PÉTERSBOURG
DES ACADÉMIES ROYALES DE MUNICH, DE LISBONNE, DE TURIN, DE MADRID
DE NORVÈGE, D'UPSAL ET DE COPENHAGUE
DES SOCIÉTÉS ASIATIQUES DE PARIS, DE LONDRES, DE CALCUTTA, DE MADRAS
DE BOMBAY, ORIENTALES ALLEMANDE ET AMÉRICAINE
LITTÉRAIRES DE LAHORE, D'ALIGARH, DE LAKHNAU
CHEVALIER DE LA LÉGION D'HONNEUR ET DE L'ÉTOILE POLAIRE DE SUÈDE, ETC.

The Hindi dialects have a literature of their own and one of very great interest.
H. H. WILSON, *Introd. to Mack. Collect.*

SECONDE ÉDITION

REVUE, CORRIGÉE, ET CONSIDÉRABLEMENT AUGMENTÉE

TOME TROISIÈME

ET DERNIER

PARIS
ADOLPHE LABITTE
4, RUE DE LILLE

M DCCC LXXI

سرورق: گارسیں دتاسی کی تاریخ ادبیات کی دوسری اشاعت کی تیسری جلد۔۱۸۷۱ء

Tareekh Adabyat-e Urdu

A translation of

Histoire de la Litterature Hindouie et Hindoustanie

by

Garcin de Tassy

Translated into Urdu by

Lilian Sixtine Nazroo

Edited by

Dr. Moinuddin Aqeel

Pakistan Study Centre
University of Karachi

پاکستان اسٹڈی سینٹر، جامعہ کراچی، کی اردو مطبوعات

کتاب	مصنف / مرتب	قیمت
پاکستانی معاشرہ اور ادب	مرتبین: ڈاکٹر سید حسین محمد جعفری، احمد سلیم	۱۰۰/روپے
اقبال: فکرِ اسلامی کی تشکیلِ جدید (دوسرا ایڈیشن)	مرتب: ڈاکٹر سید حسین محمد جعفری	۴۰۰ روپے
پاکستان میں اردو افسانے کے پچاس سال	شہزاد منظر	۲۵۰روپے
پاکستانیات جلد نمبر ۱	مرتبین: ڈاکٹر سید حسین محمد جعفری، محمد علی صدیقی	۱۰۰/روپے
پاکستانیات جلد نمبر ۲	مرتب: ڈاکٹر سید جعفر احمد	۲۰۰روپے
کراچی کے ادبی رسائل	عظمیٰ فرخ	۱۵۰/روپے
جمیل الدین عالی کی تحریروں میں پاکستانیت	مہر النساء عزیز	۱۵۰/روپے
فیض احمد فیض کی صحافت	سیدہ برجیس بانو	۱۵۰/روپے
پروفیسر آفاق صدیقی اور سندھی ادب	مرتبین: حبیب الرحمٰن، مہر النساء عزیز	۱۵۰/روپے
حسرت کی سیاست	تحقیق و تالیف: احمد سلیم	۴۰۰روپے
تلاشِ اقبال	ڈاکٹر محمد علی صدیقی	۲۰۰روپے
صحافت پابند سلاسل	ضمیر نیازی	۲۰۰روپے
جنوں میں جتنی بھی گزری۔۔۔ (معروف صحافی اور شاعر حسن عابدی کی یادداشتیں)	ترتیب و تدوین: ڈاکٹر سید جعفر احمد	۲۵۰روپے
فیض احمد فیض اور پاکستانی ثقافت: تحریریں اور تقریریں	مرتب: شیما مجید	۲۰۰روپے
نقیب انقلاب: مولانا برکت اللہ بھوپالی	شفقت رضوی	۲۵۰روپے
برصغیر میں تاریخ نویسی کے رجحانات	مرتب: ڈاکٹر مبارک علی	۲۰۰روپے
جہاتِ حسرت	مرتب: ڈاکٹر سید جعفر احمد	۳۰۰روپے
تہذیب و تخلیق	ڈاکٹر محمد رضا کاظمی	۴۵۰روپے
مہر اور اُن کا عہد: مولانا غلام رسول مہر کی سیاسی و صحافتی خدمات	محمد حمزہ فاروقی	۴۰۰روپے
مرحلۂ شوق (ادبی مضامین)	ضمیر نیازی، مرتب آصف فرخی	۴۰۰روپے
رسمیاتِ مقالہ نگاری (دوسرا ایڈیشن)	ڈاکٹر معین الدین عقیل	۱۰۰/روپے
ڈاکٹر فیروز احمد کے مضامین	مرتب: ڈاکٹر سید جعفر احمد	۸۰۰روپے
اُمیدِ سحر کی بات سنو (جنگ زدہ دنیا میں امن کے خواب)	زاہدہ حنا	۴۰۰روپے
سیلاب ڈائری	وسعت اللہ خان	۴۰۰روپے
فیض شناسی (فیض کی ہمہ جہت شخصیت کے اوجھل پہلو)	عبدالرؤف ملک	۲۰۰روپے
فیض کے آس پاس	پروفیسر سحر انصاری	۳۰۰روپے
فیض: ایک جائزہ	اشفاق حسین	۱۵۰روپے
فیض: حبیبِ عنبر دست	اشفاق حسین	۱۵۰روپے
فیض کے مغربی حوالے	اشفاق حسین	۳۰۰روپے
فیض: تنقید کی میزان پر	اشفاق حسین	۲۰۰روپے
فیض: شخصیت اور فن	اشفاق حسین	۳۰۰روپے
فیض کا فکری ابلاغ	ڈاکٹر جمال نقوی	۲۰۰روپے
پاکستانی ادبیات اور نسیم امروہوی (ایک سماجی مطالعہ)	مہر النساء عزیز	۸۰۰روپے
پاکستان کی مزدور تحریکیں: نظری اور عملی مسائل	ترتیب و تدوین: ڈاکٹر سید جعفر احمد	۴۰۰روپے
محنت کشوں کے نام شاعری	ترتیب و تدوین: ڈاکٹر سید جعفر احمد	۳۰۰روپے
میڈیا منظر (پاکستان میں ذرائع ابلاغ کا ماضی، حال مستقبل)	محمود شام	۵۰۰روپے
تھوڑی سی فضا اور سہی (ادبی مضامین)	اشفاق حسین	۴۰۰روپے
تنقیدی اُفق	پروفیسر سحر انصاری	۴۰۰روپے